دجال

تحریر: علیم الحق حقی

جو کچھ ہوا، ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں ہوا۔ وہ تغیر جو کہکشاں میں ہزاروں برسوں میں بتدریج رونما ہوا، تحرک بنا تو پلک جھپکنے میں واقع ہو گیا۔

کیپ ہٹی آبزرویٹری میں ایک نوجوان ماہر فلکیات ششدر...... بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا۔ اسے کیمرے کو چلانے میں ایک پل کی تاخیر ہو گئی ورنہ کیمرا اس واقعے کو ریکارڈ کر لیتا۔ اور ایک پل کی تاخیر بڑی تاخیر تھی۔ اس سے اس واقعے کی سرعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سب جانتے ہیں کہ آسمان میں ستاروں کی مختلف ترتیب نے بارہ مختلف اشکال اختیار کی ہیں، جنہیں بروج کہا جاتا ہے۔ تو اس لمحے تین بروج سے ٹوٹے ہوئے نکیلے ٹکڑوں نے مل کر اس سیاہ لیکن چمک دار ستارے کو جنم دیا۔ اس لمحے برج جدی، سرطان اور اسد سے اچانک وہ نکیلے ٹکڑے اڑے، ایک بے پناہ مقناطیسی کشش کے تحت باہم یک جا ہوئے اور جیسے سرد ہوتے ہوئے کوئلے میں تبدیل ہو گئے۔ پھر اس سیاہ ستارے میں چمک بڑھنے لگی اور تمام بروج لرزنے لگے...... یا یہ دوربین سنبھالنے والے ماہر فلکیات کے ہاتھ کی لرزش کا کمال تھا، جس نے اپنی بے ساختہ، حیرت بھری چیخ کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی تھی۔

اسے ڈر تھا کہ شاید اس کے سوا کسی کو اس واقعے کا علم نہیں لیکن درحقیقت ایسا نہیں تھا۔ کیونکہ زمین کی اتھاہ گہرائیوں سے واضح طور پر ایک آواز ابھری تھی۔ آواز جو انسانی تھی۔ لیکن اسے انسانی نہیں کہا جا سکتا تھا اور جیسے جیسے سیاہ ستارہ طاقت پکڑ رہا تھا، پاتال سے ابھرنے والی اس کی آواز کا حجم بھی بڑھ رہا تھا۔ غاروں میں، تہہ خانوں میں اور کھلے میدانوں میں لوگ جمع ہو گئے تھے۔ وہ شیطان کے پجاری تھے، جو ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے، سر جھکائے کچھ گا رہے تھے۔ اس کی گونج اوپر آسمان تک اور نیچے پاتال تک پہنچ رہی تھی۔

وہ چھٹے ماہ کا چھٹا دن اور چھٹا گھنٹا تھا۔ وہ خاص الخاص لمحہ، جس کے بارے میں قدیم عہد نامے کی پیش گوئی تھی کہ وہ کرۂ ارض کی تاریخ بدل ڈالے گا۔ پچھلی چند صدیوں میں ہونے والی جنگیں اور المناک واقعات تو محض ریہرسل تھے۔ یہ چیک کیا جا رہا تھا کہ انسانیت سرنگوں ہونے کیلئے تیار ہے یا نہیں۔ قیصر روم کے زمانے میں عیسائیوں کو بھوکے شیروں کے سامنے ڈال دیا جاتا تھا اور لوگ تالیاں بجاتے تھے۔ ہٹلر کے دور میں یہودی زندہ جلا کر کوئلے میں تبدیل کر دیئے گئے تھے۔ موجودہ عہد میں فلسطینیوں کے کچے مکانات تک میزائل کا نشانہ بن جاتے تھے۔ جمہوریت دم توڑ رہی تھی۔ ذہن کو، دماغ کو مفلوج کرنے والی منشیات جزو زندگی بن گئی تھیں۔ بھائی بھائی کا دشمن اور باپ بیٹے کا مخالف بن گیا تھا۔ اسکول کی بسوں میں، بازاروں میں دھماکے کوئی غیر معمولی بات نہیں رہے تھے۔

بائبل کے طالب علموں نے اس واقعے کی علامتیں دیکھ اور سمجھ لی تھیں۔ مشترکہ منڈی کے روپ میں رومن امپائر پھر سے ابھر آئی تھی۔ اسرائیل کی شکل میں یہودیوں کو وہ زمین مل گئی تھی جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ایک طرف کئی جگہ قحط تھا تو دوسری طرف بین الاقوامی معیشت کا ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔ یہ اتفاقی واقعات نہیں تھے۔ یہ واضح طور پر واقعات کی سازش تھی۔ آسمانی کتاب کے باب انکشافات میں ان سب کی پیش گوئی کر دی گئی تھی۔

سیاہ ستارے کی چمک بڑھتی گئی۔ شیطانی گیت کی لے بلند ہوتی گئی۔ زمین مرتعش ہو گئی۔ مگیدو کے قدیم شہر کے کھنڈرات میں موجود بوڑھے بیوگن ہیگن نے واضح طور پر اسے محسوس کیا اور وہ رونے لگا۔ اسکے مخطوطات اور اس کی قدیم الواح اب بے کار تھیں۔ قدیم علوم کے طلبا جو کھنڈرات میں کھدائی کر رہے تھے، انہوں نے زمین کو لرزتا محسوس کیا تو کھدائی چھوڑ دی۔ وہ سہم گئے تھے۔

واشنگٹن سے روم پرواز کرنے والے بوئنگ 747 کی فرسٹ کلاس میں بیٹھے رابرٹ تھورن نے بھی اس ارتعاش کو محسوس کیا اور معمول کے مطابق اپنی سیٹ بیلٹ کس لی۔ وہ اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ زمین پر پہنچ کر اس کے سامنے نجانے کیا صورت حال پیش آئے۔ اگر اسے اس ارتعاش کی حقیقی وجہ معلوم ہو بھی جاتی تو وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس لمحے روم کے دی سینٹ ہاسپٹل کے تہہ خانے میں ایک پتھر سے اس بچے کا سر کچل دیا گیا تھا، جو اس کا تھا...... جو زندہ رہتا تو اس کا بیٹا ہوتا...... اس کا بیٹا کہلاتا۔

............x............

کسی بھی لمحے حساب لگا کر دیکھ لیں، ایک لاکھ سے زائد افراد جہازوں میں بیٹھے فضا میں اڑ رہے ہوتے ہیں۔ رابرٹ تھورن کو اس طرح کے اعداد و شمار بہت اپیل کرتے تھے۔ اس وقت وہ اسکائی لائنز میگزین میں یہ اعداد و شمار پڑھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ زمین پر جو انسان موجود ہیں اور جو اس لمحے فضائی سفر کر رہے ہیں، ان کے درمیان کیا انسیت ہو گی۔

عام حالات میں وہ بہت سنجیدگی سے سوچنے والا آدمی تھا۔ لیکن اس وقت وہ جس بے یقینی سے دوچار تھا، اس کی طرف سے ذہن ہٹانے کے لئے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ کچھ بھی سوچ سکتا تھا۔

اس لمحے اگر دنیا کی پوری انسانی آبادی صفحۂ ہستی سے مٹا دی جائے، تب بھی ایک لاکھ افراد زندہ رہیں گے...... فضا میں سفر کرتے ہوئے، کسی مشروب کے گھونٹ لیتے ہوئے، ٹی وی پر فلم دیکھتے ہوئے، اس بات سے بے خبر کہ زمین پر سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔

روم کی فضا میں اڑتے ہوئے جہاز میں سفر کرتے ہوئے اس نے ایک مختلف زاویے سے سوچنے کی کوشش کی۔ یہ جتنے لوگ اس وقت ہوائی جہازوں میں سفر کر رہے ہیں، ان میں کتنے مرد ہوں گے اور کتنی عورتیں۔ اور دنیا تباہ ہونے کی صورت میں انہیں اترنے کے لئے کوئی محفوظ مقام میسر آ گیا تو کیا وہ ایک نیا معاشرہ تخلیق کر سکیں گے؟ امکان یہ ہے کہ ان ایک لاکھ افراد میں مردوں کی اکثریت ہو گی جو متوسط طبقے سے یا اس سے کچھ اوپر والے طبقے سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ جن صلاحیتوں کے حامل ہوں گے، وہ اس بحران میں، جہاں کام کرنے والے تمام افراد ختم ہو چکے ہوں گے، بے کار ہوں گی۔ منیجر کیا کرے گا، جب کوئی کام ہی نہ ہو۔ اکاؤنٹنٹ کچھ بھی نہیں کر سکتا، اگر اس کے لئے کوئی اکاؤنٹ ہے ہی نہیں۔ اس لحاظ سے یہ بہت اچھا آئیڈیا ہے کہ کئی جہاز ہر وقت فضا میں اڑتے رہیں، جن میں تعمیراتی کاریگر اور مختلف ہنرمند موجود ہوں تاکہ زمین پر ایسی کوئی آفت آئے تو وہ لوگ کرۂ ارض پر دوبارہ زندگی کو جاری کر سکیں۔ اس موقعے پر رابرٹ کو ماؤزے تنگ کا قول یاد آیا...... کسی بھی زمینی تباہی میں وہ قوم سب سے زیادہ بہتر رہے گی، جس کے پاس زیادہ سے زیادہ مزدور اور ہنرمند کاریگر ہوں گے۔

جہاز نیچے کی طرف حرکت کر رہا تھا۔ اپنے پیروں کے نیچے سے اسے پہیے کھلنے کی میکانکی آواز سنائی دی۔ اس نے سگریٹ بجھا دی۔ پھر وہ نیچے نظر آنے والی دھندلی روشنیوں کو دیکھنے لگا۔ پچھلے کچھ عرصے میں اس نے اتنے تواتر سے سفر کیا تھا کہ وہ اس منظر کا عادی ہو چکا تھا۔ لیکن آج یہ منظر اسے سکون کے بجائے تشویش میں مبتلا کر رہا تھا۔ واشنگٹن میں اسے جو ٹیلی گرام ملا، وہ بارہ گھنٹے کی تاخیر سے ملا تھا۔ جو کچھ ہونا تھا، اب تو ہو بھی چکا ہو گا۔ شاید کیتھی اسے ہاسپٹل میں بیڈ پر بیٹھی ملے...... خوش اور مطمئن۔ اور اس کی گود میں نومولود بچہ ہو۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اسے مایوسی میں ڈوبی ہوئی ملے...... پچھلی بار کی طرح...... ایک اور بچہ کھونے کے بعد!

کیتھی کئی بار ماں بنتے بنتے رہ گئی تھی۔ ہر بار چند ماہ بعد وہ محروم ہو جاتی تھی...... محروم، مایوس اور دل برداشتہ۔ لیکن اس بار پورے آٹھ ماہ خیریت سے گزر گئے تھے۔ رابرٹ کو ڈر تھا کہ اس بار کوئی گڑبڑ ہوئی تو وہ کیتھی کو ہمیشہ کے لئے کھو دے گا۔

وہ اور کیتھی بچپن کے ساتھی تھے۔ اسے یاد تھا کہ کیتھی شروع ہی سے نازک طبع اور خود اعتمادی سے محروم تھی۔ سترہ سال کی عمر میں جب لڑکیاں بے فکری ہوتی ہیں، کیتھی عدم تحفظ کا شکار تھی۔ اور رابرٹ کا مزاج ایسا تھا کہ کسی کو تحفظ دینا اس کی نفسیاتی ضرورت تھی۔ گویا وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے ہی بنے تھے۔ یہی ان کے تعلق کی بنیاد تھی۔ کیتھی کو جو درکار تھا، وہ اس کے پاس وافر تھا۔ اسی لئے ان کی شادی کامیاب تھی۔

لیکن پچھلے چند برسوں میں رابرٹ کی ذمے داریاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ اور اس کے کام کی زیادتی نے کیتھی کو بہت تنہا، بہت اکیلا کر دیا تھا۔ اور وہ ایک سیاست داں کی بیوی کی جو ذمے داریاں ہوتی ہیں، انہیں پورا کرنے کی اہل نہیں رہی تھی۔

کیتھی کی اندرونی ٹوٹ پھوٹ کی جو پہلی علامت ظاہر ہوئی، رابرٹ تھورن اسے سمجھ نہیں سکا۔ اس رات وہ گھر لوٹا تو اس نے دیکھا کہ کیتھی نے قینچی لیکر بڑی بے دردی سے اپنے خوب صورت بال کاٹ ڈالے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ فکر مند ہونے کے بجائے بے حد برہم ہوا۔ بالوں کے دوبارہ بڑھنے تک کیتھی کو وگ استعمال کرنی پڑی۔ اور رابرٹ کا غصہ دیکھ کر وہ سہم گئی۔

اس کے ایک سال بعد ایک دن اس نے باتھ روم میں کیتھی کو ریزر سے اپنی انگلیوں کی پوروں کو کاٹتے دیکھا۔ وہ اس وقت اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھی۔ کیونکہ رابرٹ کی چیخ سن کر وہ چونکی، اس نے ہاتھ میں موجود ریزر کو اور اپنے دوسرے ہاتھ کی زخمی انگلیوں کو حیرت سے دیکھا اور بولی۔ ''ارے...... یہ میں کیا کر رہی ہوں!''۔

اس بار رابرٹ کو باہر سے مدد لینے کی ضرورت کا احساس ہوا۔

ایک ماہ تک کیتھی ایک ماہر نفسیات سے مدد لیتی رہی۔ آخر ماہر نفسیات نے رابرٹ کو بتایا۔ ''انہیں بس ایک بچہ چاہئے۔ اور کوئی مسئلہ نہیں''۔

خوش قسمتی سے مسئلہ فوراً ہی حل ہو گیا۔ کیتھی کا پاؤں بھاری ہو گیا۔

وہ تین ماہ ان کی ازدواجی زندگی کا خوب صورت ترین عرصہ تھا۔ کیتھی بہت خوب صورت ہو گئی۔ وہ بہت خوش تھی۔ وہ اس کے ساتھ مشرق بعید کے سفر پر بھی گئی۔ لیکن واپسی پر جہاز کے واش روم میں سب کچھ ختم ہو گیا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

کیتھی کے پاس رونے کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

اگلے سال پھر یہی ہوا۔ اور اس سے اگلے سال بھی۔ یوں وہ جسمانی رابطہ بھی کمزور ہو گیا، جو ان کی ازدواجی زندگی کی اساس تھا۔ رابرٹ نے کیتھی کو سمجھانے کی کوشش کی کہ بچہ کسی سے لیکر بھی پالا جا سکتا ہے۔ مگر کیتھی اس کے لئے تیار نہیں تھی۔ بچہ اسے اپنا ہی چاہئے تھا...... اپنا اور رابرٹ کا۔ خالص تھورن!

اگلے سال ان کی ایک اور کوشش قدرت کے سامنے ہار گئی۔

اور اب یہ چوتھا موقع تھا۔ اور رابرٹ کو یقین تھا کہ یہ آخری موقع ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اس بار گڑبڑ ہوئی تو کیتھی ذہنی توازن کھو بیٹھے گی۔ سچ مچ پاگل ہو جائے گی۔

جہاز کے پہیوں نے رن وے کو چھو لیا۔

مسافر اپنا سامان اٹھانے لگے۔ رابرٹ بیٹھا رہا۔ اسے یہاں وی آئی پی ٹریٹ منٹ ملتا تھا۔ وہ کسٹم کے مرحلے سے محض رسمی طور پر گزرتا اور باہر گاڑی اسے اپنی منتظر ملتی۔ روم میں اس کی ایک حیثیت تھی۔ صدر امریکا کا مشیر برائے معاشی امور ہونے کی حیثیت سے وہ ورلڈ اکانومی کانفرنس کا چیئرمین تھا اور کانفرنس اب زیورچ سے روم منتقل ہو چکی تھی۔ یہاں کانفرنس کا ابتدائی ایجنڈا چار ہفتے کا تھا، جو پھیلتے پھیلتے چھ ماہ پر محیط ہو چکا تھا۔ اب یہاں صحافی اور خاص طور پر کھوجی فری لانسر صحافی جو پاپارازی کہلاتے ہیں، اسے پہچاننے لگے تھے۔ اس کا پیچھا کیا جاتا تھا۔ خبر گرم تھی کہ اگلے چند برسوں میں وہ اپنی پارٹی کی طرف سے صدارتی امیدوار ہو گا۔

رابرٹ تھورن کی عمر 42 سال تھی۔ وہ اپنے راستے کی تمام رکاوٹیں دور کر چکا تھا۔ چند برسوں کے بعد امریکا کا صدر بننا اس کے لئے محض خواب نہیں رہا تھا۔ اکانومی کانفرنس کا چیئرمین بننے کے بعد وہ عام لوگوں کی نظر میں بھی آ چکا تھا۔ اب ایمبیسیڈر بننے یا کابینہ کا رکن بننے کی راہ ہموار ہو چکی تھی۔ اس کے بعد اگلا قدم وائٹ ہاؤس ہی کی طرف اٹھتا۔ اس وقت جو امریکا کا صدر تھا، وہ اور رابرٹ کالج میں کلاس فیلو رہے تھے۔ لیکن رابرٹ نے جو مقام حاصل کیا تھا، وہ صدر امریکا کی دوستی کی وجہ سے نہیں تھا۔ اس کا سبب اس کی اپنی قابلیت اور محنت تھی۔

اس کے خاندان کے کئی ٹیکسٹائل پلانٹ تھے۔ جنگ کے دوران ان کا کاروبار خوب چمکا تھا۔ دولت کی کمی نہیں تھی۔ سو اس کے زور پر اس نے اعلیٰ ترین تعلیم حاصل کی۔ زندگی کی ہر آسائش اسے حاصل تھی۔ لیکن باپ کی موت کے بعد اس نے وہ تمام پلانٹ بند کر دیئے۔ حالانکہ اس کے مشیروں نے اسے بہت سمجھایا تھا۔ زمانہ امن میں تھورن فیملی کی قسمت اور چمکی۔ زمین جائیداد کی شکل میں جو کچھ ان کے پاس تھا، وہ تعمیراتی کام میں تبدیل ہو گیا۔ یوں رابرٹ نے پس ماندہ بستیوں کی فلاح اور بہتری کے لئے کام شروع کیا۔ اس نے اہل لیکن غریب لوگوں کے لئے چھوٹے اور آسان قرضوں کی اسکیم شروع کی۔ وہ دولت مند تھا اور ان لوگوں کو اپنی ذمے داری سمجھتا تھا، جو کچھ کر سکتے تھے۔ لیکن دولت کی کمی کی وجہ سے مجبور تھے۔ اس کی دولت سو ملین ڈالرز کے لگ بھگ تھی۔ لیکن اس امر کی تصدیق نہیں کی جا سکتی تھی۔ خود رابرٹ تھورن کو بھی علم نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے پاس اکاؤنٹ چیک کرنے کی فرصت ہی نہیں تھی۔

............x............

ٹیکسی ہاسپٹل کے سامنے رکی، جس کی عمارت اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ فادر اسپلیٹو دوسری منزل پر اپنے آفس کی کھڑکی سے نیچے دیکھ رہا تھا۔ اسے ایک لمحے میں اندازہ ہو گیا کہ ٹیکسی سے اترنے والا رابرٹ تھورن ہے۔ اخبار میں بارہا اس کی تصویریں اس نے دیکھی تھیں۔ اس کا انداز، اس کی چال تک جانی پہچانی تھی۔ مضبوط جبڑا اور کنپٹیوں پر بالوں کی سفیدی اس کی پہچان تھی۔

فادر اسپلیٹو رابرٹ تھورن کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کا لباس، اس کی خود اعتمادی اس کے صاحب ثروت ہونے کی غماز تھی۔ فادر نے گہری سانس لی اور طمانیت سے سر ہلایا۔ رابرٹ تھورن کا انتخاب بالکل درست تھا۔

فادر نے اپنا چوغہ پہنا اور کھڑا ہو گیا۔ اس کے قد و قامت کے سامنے اس کی چھوٹی سی میز اور چھوٹی لگنے لگی۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھا۔ نیچے سے رابرٹ تھورن کے اوپر آتے ہوئے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ وہ پہلی منزل پر پہنچنے والا تھا۔

''مسٹر تھورن''۔ فادر نے اسے پکارا۔

نیچے رابرٹ تھورن رکا۔ اس نے اوپر اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی۔ ''جی؟'' اس کی آواز ابھری۔

''میں فادر اسپلیٹو ہوں۔ میں نے آپ کو ٹیلی گرام......''۔

''جی۔ ٹیلی گرام مجھے مل گیا تھا۔ میں نے جلد سے جلد آنے کی کوشش کی''۔

فادر روشنی کی طرف چلا گیا۔ لیکن رابرٹ تھورن کو اس کے انداز سے تشویش ہونے لگی۔ شاید کوئی اچھی خبر نہیں۔ اس نے سوچا اور نروس ہو گیا۔ وہ جلدی سے اوپر چڑھا۔ اب فادر اس کے سامنے تھا۔ ''ولادت ہو گئی؟''۔ اس نے بے ڈھنگے پن سے پوچھا۔

''جی''۔

''اور میری بیوی؟''۔

''وہ آرام کر رہی ہیں''۔ فادر کی آنکھوں میں ایک خاموش دلاسہ چمک رہا تھا۔

''کیا بات ہے؟ سب ٹھیک تو ہے نا؟''۔ رابرٹ کی گھبراہٹ اور بڑھ گئی۔

''بچہ مر چکا ہے''۔

وہ خاموشی بڑی بوجھل اور سنگین تھی۔ وہ راہداریوں اور دیواروں میں گونجتی، سنسناتی محسوس ہو رہی تھی۔ رابرٹ تھورن یوں سن ہو گیا جیسے کسی نے اچانک اس کے دل پر گھونسہ مارا ہو۔

''وہ بس ایک لمحہ جیا۔ چند سانسیں لیں۔ اور بس''۔ فادر نے وضاحت کی۔

رابرٹ تھورن نڈھال قدموں سے ایک بنچ کی طرف بڑھا اور اس پر بیٹھ گیا۔ چند لمحے وہ ساکت بیٹھا خلاؤں میں گھورتا رہا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھاما اور بچوں کی طرح رونے لگا۔

سنسان راہداری اس کی سسکیوں سے گونج رہی تھی۔ فادر بات آگے بڑھانے کے لئے موقعے کا منتظر تھا۔

''تمہاری بیوی خیریت سے ہے''۔ بالآخر فادر نے کہا۔ ''لیکن اب وہ کبھی ماں نہیں بن سکے گی''۔

''یہ دکھ اسے مار ڈالے گا''۔ رابرٹ نے سرگوشی میں کہا۔

''تم کوئی بچہ گود لے سکتے ہو''۔

''اس کی ضد تھی کہ اسے اپنا بچہ چاہئے''۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ چند لمحے بعد فادر آگے بڑھا۔ اس کے بھدے چہرے پر ٹھہراؤ تھا اور آنکھوں میں ہمدردی۔ لیکن ماتھے پر پھوٹنے والا پسینہ اس کی باطنی کشیدگی کا غماز تھا۔ تم بہت محبت کرتے ہو اس سے؟''۔ فادر نے پوچھا۔

رابرٹ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کا گلا رندھ گیا تھا۔

''تب تو تمہیں خدا کی منصوبہ بندی کو قبول کر لینا چاہئے''۔

تاریک راہداری میں ایک پختہ عمر کی راہبہ نمودار ہوئی اور اس نے فادر کو اشارے سے بلایا۔ فادر اس کی طرف گیا۔ راہبہ کے اور اس کے درمیان اطالوی زبان میں کچھ گفتگو ہوئی۔ پھر راہبہ چلی گئی اور فادر رابرٹ کی طرف چلا آیا۔

اس بار فادر کی آنکھوں میں نجانے کیا تھا کہ رابرٹ کو جھرجھری آ گئی۔

''خدا پراسرار انداز میں کام کرتا ہے مسٹر تھورن''۔ فادر نے کہا اور ہاتھ سے اشارہ کیا۔

رابرٹ اٹھا اور اشارے کی تعمیل میں اس کے پیچھے چل دیا۔

میٹرنٹی وارڈ پانچویں منزل پر تھا۔ وہ عقبی زینے سے اوپر گئے۔ وہ راستہ بالکل سنسان تھا۔ وارڈ تاریک تھے۔ مگر نوزائیدہ بچوں کی خوشبو راہداری میں دھڑکتی محسوس ہو رہی تھی۔

شیشے کی ایک دیوار کے پاس فادر رکا۔ اس نے رابرٹ کی آمد کا انتظار کیا۔ رابرٹ آیا۔ فادر کا رکنا معنی خیز تھا۔ اسی لئے اس نے شیشے کی دیوار کے دوسری طرف دیکھا۔ وہاں ایک نوزائیدہ بچہ تھا...... فرشتوں کی طرح معصوم...... کامل خوب صورتی کا نمونہ۔ اس کے گھنے بال گہرے سیاہ رنگ کے تھے۔ آنکھیں نیلی تھیں۔ پھر جیسے جبلی طور پر بچے کو دیکھے جانے کا احساس ہوا۔ اس نے آنکھیں اوپر کیں...... اور رابرٹ تھورن کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''یہ قدرت کا تحفہ ہے''۔ فادر نے کہا۔ ''جیسے تمہارا بچہ مر گیا، ویسے ہی اس بچے کی ماں مر گئی...... ایک ہی لمحے میں''۔

رابرٹ تھورن نے فادر کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''تمہاری بیوی کو بچہ چاہئے''۔ فادر نے کہا۔ ''جبکہ اس بچے کو ماں کی ضرورت ہے''۔

رابرٹ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ہم اپنا بچہ چاہتے ہیں...... اپنا خون......''۔

''تم نے ابھی تک اس بچے میں شباہت نہیں دیکھی۔ اس پر غور نہیں کیا''۔

تب رابرٹ نے بچے کو غور سے دیکھا۔ ایک نظر میں اسے اندازہ ہو گیا کہ فادر ٹھیک کہہ رہا ہے۔ بچے کی رنگت، آنکھیں اور بال کیتھی کے سے تھے اور چہرے کے نقوش خود رابرٹ جیسے۔ جبڑا مضبوط تھا بلکہ اس کی ٹھوڑی پر وہ ننھا سا گڑھا بھی تھا، جو تھورن فیملی کا طرۂ امتیاز تھا۔

''سینورا کو کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہیں''۔ فادر نے سرگوشی کی۔

رابرٹ خاموش رہا۔

رابرٹ کی خاموشی فادر کے لئے حوصلہ افزا تھی۔ پھر رابرٹ کے ہاتھ کی کپکپاہٹ نے اس کا حوصلہ اور بڑھا دیا۔

''یہ...... کیا یہ بچہ پوری طرح صحت مند ہے؟'' رابرٹ کی آواز بھی لرز رہی تھی۔

''ہر اعتبار سے مکمل اور صحت مند......''

''اور اس کے رشتے دار......''

''اس کا کوئی رشتے دار نہیں۔ اس کا دنیا میں کوئی نہیں''۔

راہداری میں خاموشی اتنی گہری تھی کہ پھنکارتی محسوس ہو رہی تھی۔ سماعت پر بوجھ لگ رہی تھی۔

''اس کے معاملے میں مجھے مکمل اختیار حاصل ہے''۔ فادر نے کہا۔ ''کہیں کوئی ریکارڈ نہیں ہو گا۔ کسی کو کبھی کچھ پتا نہیں چلے گا''۔

رابرٹ نظریں چرانے لگا۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ بالآخر وہ بولا۔ ''آپ مجھے میرا بچہ دکھا سکتے ہیں؟''

''اس سے کیا حاصل''۔ فادر کے لہجے میں تلقین بھی تھی اور ترغیب بھی۔ ''اپنی محبت سے اسے نواز و جو زندہ ہے''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اور شیشے کی دیوار کے پیچھے نوزائیدہ بچے نے اپنے ننھے ننھے ہاتھ یوں پھیلائے، جیسے رابرٹ کی گود میں آنا چاہ رہا ہو۔

''تم یہ اپنی بیوی کی بقا کی خاطر کرو گے مسٹر تھورن۔ اور اس بچے کی خاطر، جو گھر سے اور ہر رشتے سے محروم ہے۔ یہ دہری نیکی ہوگی مسٹر تھورن''۔

رابرٹ تھورن کو سینے میں اپنا دل پگھلتا محسوس ہوا۔

فادر نے جان لیا کہ مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ ''مبارک ہو مسٹر تھورن۔ آج کی رات خدا نے تمہیں بیٹے کی نعمت سے سرفراز کر دیا''۔

باہر آسمان پر سیاہ ستارہ اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا۔ اچانک بجلی کا ایک کڑاکا ہوا اور سیاہ ستارہ جیسے بکھر گیا۔ اسی لمحے ہاسپٹل کے بیڈ پر دراز کیتھی تھورن کو احساس ہوا کہ جیسے وہ قدرتی نیند سے جاگ رہی ہے۔ اسے احساس نہیں تھا کہ اسے انجکشن دیا گیا ہے۔ اس نے لیبر روم میں دس گھنٹے اذیت جھیلی تھی۔ پھر اسے سکون کا احساس ہوا تھا۔ لیکن اپنے بچے کو دیکھے بغیر وہ بڑی آہستگی اور ہمواری سے بے ہوشی کی نامعلوم گہرائی میں اتر گئی تھی۔

اب جو اسے ہوش آیا تو خوف اسے ستانے لگا۔ لیکن وہ خوف سے لڑ رہی تھی...... خود کو پرسکون رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

باہر راہداری میں آتے ہوئے قدموں کی چاپ ابھری، دروازہ کھلا اور اسے اپنے شوہر کی صورت نظر آئی۔ وہ مسکرا رہا تھا اور اس کی گود میں وہ نوزائیدہ بچہ تھا۔

''ہمارا بچہ کیتھی''۔ رابرٹ کی آواز فرط جذبات سے لرز رہی تھی۔ ''بالآخر ہمیں اپنا بچہ مل گیا''۔

کیتھی نے ہاتھ بڑھایا اور بچے کو گود میں لے لیا اور اگلے ہی لمحے اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے۔ ان آنسوؤں کی وجہ سے وہ رابرٹ کو نہ دیکھ پائی، جو ہاتھ اٹھا کر خدا کا شکر ادا کر رہا تھا، جس نے اسے صحیح راستہ دکھایا تھا۔ اسے درست فیصلہ کرنے کا حوصلہ دیا تھا!

............X............

رابرٹ اور کیتھی، عقیدے کے اعتبار سے دونوں رومن کیتھولک تھے لیکن دونوں میں سے کوئی بھی مذہبی نہیں تھا۔ کیتھی کرسمس اور ایسٹر کے موقعوں پر عبادت کے لئے چرچ ضرور جاتی تھی مگر محض عقیدے اور جذباتی وابستگی کی وجہ سے۔ ورنہ وہ یقین رکھنے والوں میں سے نہیں تھی۔ رابرٹ کا بھی یہی حال تھا۔

ان کے بیٹے ڈیمین کو کرسچن بنانے کی رسم پوری نہیں ہوسکی تھی۔ لیکن اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ انہوں نے اس طرف دھیان نہیں دیا۔ پیدائش کے کچھ ہی دن بعد وہ ڈیمین کو چرچ لے گئے تھے۔ لیکن چرچ میں داخل ہوتے ہی شیرخوار ڈیمین اتنا دہشت زدہ ہوا کہ اسے سنبھالنا مشکل ہوگیا۔ نتیجتاً انہیں تقریب کو مختصر کرنا پڑا۔ پادری چلو میں پانی لیے ان کے پیچھے پیچھے سڑک تک آیا تھا۔ وہ انہیں بار بار یاد دلا رہا تھا کہ اس وقت رسم پوری نہیں ہوئی تو یہ بچہ کبھی مسیح کی بھیڑوں میں شامل نہیں ہوسکے گا۔ لیکن بچے کی حالت اتنی بگڑ چکی تھی کہ رابرٹ نے پادری کی بات پر کان نہیں دھرے۔ تاہم کیتھی کی تسلی کیلئے اس نے گھر پر تقریب کرلی۔ لیکن کیتھی کی تسلی نہیں ہوئی۔ اس نے عہد کر رکھا تھا کہ وہ ایک دن اس کمی کا ازالہ کر کے رہے گی اور تقریب چرچ میں ہی ہوگی۔

لیکن ایسا ہوا نہیں۔ مصروفیات نے انہیں اس بارے میں سوچنے کی مہلت ہی نہیں دی اور وہ یہ بات بھول ہی گئے۔

اکانومی کانفرنس ختم ہوگئی اور وہ واشنگٹن واپس چلے آئے۔ رابرٹ تھورن نے صدر کے مشیر کی حیثیت سے ذمے داریاں قبول کرلیں۔ اب وہ ایک معروف سیاسی شخصیت تھا۔ ملک بھر کے قومی جریدوں میں اس کے متعلق کالم چھپ رہے تھے۔ لوگوں میں امیج بن رہا تھا۔ دونوں خوب صورت تھے، دولت مند تھے، بلندی کی طرف گامزن تھے اور ان کی تصویریں بہت اچھی آتی تھیں۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ صدر امریکا کے مقرب تھے۔ جاننے والے جانتے تھے کہ درحقیقت رابرٹ تھورن کی سیاسی تربیت کی جا رہی ہے۔ اس بات کی تصدیق اس وقت ہوئی جب سینٹ جیمس کے دربار میں ایمبیسیڈر کی حیثیت سے اس کی تقرری کی گئی۔ وہ ایک ایسی کلیدی پوزیشن تھی جس میں اس کی شخصی کشش اسے اور نکھار دیتی۔

وہ لندن آئے تو انہوں نے سترہویں صدی کی ایک حویلی کو اپنی اقامت کیلئے منتخب کیا، جو پیری فورڈ میں واقع تھی۔ زندگی بالخصوص کیتھی کے لئے ایک خوب صورت خواب کا روپ دھار گئی تھی۔ وہ بہت خوش تھی۔ اسے سب کچھ مل گیا تھا۔ پیارا سا بچہ جس کی اسے آرزو تھی۔ شوہر کی بے پایاں محبت تو اسے پہلے ہی حاصل تھی۔ یہ سب کچھ پا کر وہ موسم بہار میں کھلنے والے پھول کی طرح ہوگئی۔ اس کی نزاکت، شادابی اور حسن سبھی کے لئے دل خوش کن تھا۔

پیری فورڈ کی حویلی بہت شان دار تھی اور انگلستان کی تاریخ سے معمور بھی۔ وہاں ایک تہہ خانہ تھا، جہاں ایک جلاوطن ڈیوک چھپا رہا تھا۔ یہاں تک کہ اسے گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ حویلی کے اطراف میں جنگل تھا جو اسی جاگیر کا حصہ تھا۔ اس جنگل میں ہنری پنجم ریچھوں کا شکار کھیلا کرتا تھا۔ حویلی میں بے شمار خفیہ راہداریاں اور تنگ راستے تھے، جن سے آدمی کھڑا ہو کر نہیں گزر سکتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ حویلی بہت بارونق تھی۔ اس کے ماحول میں خوشی تھی۔

کام کاج کے لئے دن بھر کے ملازم الگ تھے۔ اور ایک باوقار انگریز جوڑا تھا جو وہیں رہتا تھا۔ ان کی خدمات 24 گھنٹوں کے لیے تھیں۔ شوہر گاڑی چلاتا تھا اور بیوی کچن سنبھالتی تھی۔ کیتھی کی سرکاری مصروفیات بھی تھیں۔ اکثر رابرٹ کے ساتھ اسے تقریبات میں شریک ہونا ہوتا تھا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

چناں چہ انہوں نے ایک کم عمر انگریز لڑکی چیسا کو بطور آیا رکھ لیا تھا۔ فربہ اندام چیسا اتنی خوش مزاج اور پیاری تھی کہ فیملی کا ایک حصہ بن گئی۔ وہ بہت کھلنڈری تھی اور ڈیمین کو ایسے چاہتی تھی، جیسے درحقیقت وہ اسی کا بیٹا ہو۔ ڈیمین بھی اس سے بہت مانوس تھا۔ وہ وسیع و عریض باغیچے میں چیسا کے پیچھے دوڑتا پھرتا۔

ڈیمین تین سال کا ہو چکا تھا۔ صحت اور طاقت کے اعتبار سے وہ حیرت انگیز بچہ تھا۔ اس کے انداز میں بڑی سنجیدگی اور بردباری تھی، جس کی اتنی عمر کے بچے سے توقع نہیں رکھی جاسکتی۔ اور اس کی نگاہ ایسی تھی کہ بڑے لوگوں کو بھی نروس کر دیتی تھی۔ اس کا ارتکاز بھی حیرت انگیز تھا۔ وہ سیب کے درخت کے نیچے پڑی بنچ پر بیٹھا گھنٹوں آنے جانے والوں کو تکتا۔ مشاہدہ اس کا ایسا تھا کہ نظر آنے والی معمولی جزئیات تک اسے یاد رہتی تھیں۔ ڈرائیور ہورٹن کسی کام سے باہر جاتا تو اکثر اسے ساتھ لے جاتا۔ اس کا خاموش ساتھ اسے اچھا لگتا تھا۔ ڈیمین باہر ہر چیز کو جیسے مسحور ہو کر دیکھتا تھا، اس پر اسے تعجب ہوتا۔

''اسے دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ مریخ سے آیا ہوا چھوٹا سا آدمی ہے''۔ ایک دن ہورٹن نے اپنی بیوی سے ڈیمین کے متعلق کہا۔ ''ایسا لگتا ہے کہ مریخ والوں نے اسے زمینی انسانوں کی اسٹڈی کے لئے بھیجا ہے''۔

''وہ اپنی ماں کی آنکھ کا تارا ہے۔ کسی نے تمہاری یہ بات سن لی تو اچھا نہیں ہوگا''۔ اس کی بیوی نے سخت لہجے میں کہا۔

''میں اسے نیچا نہیں کر رہا ہوں۔ بس وہ کچھ غیر معمولی سا لگتا ہے''۔

ڈیمین کے بارے میں پریشان کن کوئی بات تھی تو یہ کہ وہ آواز استعمال کرنے کا قائل نہیں تھا۔ وہ بولتا نہیں تھا۔ خوشی ہوتی تو وہ مسکراتا۔ اس کے دانت نکل پڑتے۔ دکھی ہوتا تو آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے۔ اور وہ بے آواز روتا۔ کیتھی نے ایک بار اس سلسلے میں ڈاکٹر سے بات کی۔ لیکن ڈاکٹر کے جواب نے اس کی پریشانی دور کر دی۔

''میں ایک ایسے بچے کو جانتا ہوں، جو آٹھ سال تک ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا''۔ ڈاکٹر نے کہا۔ ''اور وہ بولا تو اس نے یہ کہا کہ مجھے آلو کا بھرتہ اچھا نہیں لگتا۔ اس کی حیران ماں نے اس سے پوچھا کہ تم بول سکتے ہو تو اب تک کیوں نہیں بولے۔ بچے نے جواب دیا...... ''اس سے پہلے آپ نے آلو کا بھرتہ میرے سامنے رکھا ہی نہیں تھا''۔

کیتھی یہ سن کر بہت ہنسی۔ اس کی تشویش دور ہوگئی۔ اس نے سوچا، ڈیمین تو ابھی صرف ساڑھے تین سال کا ہے۔ یہ سائنس دان البرٹ آئن اسٹائن چار سال کی عمر تک نہیں بولا تھا۔ اور ڈیمین ہر اعتبار سے مکمل بچہ تھا۔ بس وہ بولتا نہیں تھا...... اور ہر چیز کو بہت غور سے دیکھتا تھا۔

وہ رابرٹ اور کیتھی کی شادی کا خوب صورت اور کامل ثمر تھا!

............x............

حنیف پیدائشی طور پر دلوی تھا۔ اس کے زائچے میں یورینس نکتہ عروج پر تھا۔ پیشے کے اعتبار سے وہ پاپارازی تھا۔ پیچھے پڑ جانے والا فری لانسر! صحافت کی دنیا میں اسے اس لئے اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا کہ وہ جو کچھ کرنے کے لئے تیار رہتا تھا، اس کیلئے دوسرے آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ مشہور تھا کہ صرف ایک تصویر کے لئے وہ کئی کئی دن سب کچھ چھوڑ کر بیٹھا رہتا تھا۔ اس بلی کی طرح، جس نے کسی چوہے کو تاک لیا ہو اور اب اس کے بل کے باہر اس کے نکلنے کے انتظار میں گھات لگائے بیٹھی ہو۔ اور اس نے کیسی کیسی تصویریں کھینچی تھیں۔ کموڈ پر بیٹھے ہوئے اداکار مارسیلو ماسٹریانی کی تصویر، جو اس نے یوکلپٹس کے ایک درخت پر چڑھ کر کھینچی تھی۔ یا جیکولین اوناسس کی تصویر جو اپنے بجرے پر الٹیاں کر رہی تھی۔ ایسی تصویریں ہی اس کی پہچان تھیں۔ وہ جبلی طور پر جانتا تھا کہ کب اور کہاں اسے موقع مل سکتا ہے۔ یہ اس کی پیشہ ورانہ چھٹی حس تھی۔ وہ ایسی تصویریں لیتا تھا، جو کسی اور کو نصیب نہیں ہوتی تھیں۔

وہ چیلسی کے علاقے میں ایک کمرے کے فلیٹ میں رہتا تھا۔ اور اسے اس پر کوئی افسوس یا احساس محرومی نہیں تھا۔ اور وہ اپنے ہدف کے بارے میں ایسی باریک بینی سے ریسرچ کرتا تھا، جیسے کوئی سائنس داں، جو پولیو کا علاج دریافت کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

پچھلے کچھ عرصے سے لندن میں امریکا کا سفیر اس کی توجہ کا خاص مرکز تھا۔ وجہ یہ تھی کہ رابرٹ تھورن کی نجی زندگی بظاہر بڑی صاف ستھری تھی۔ جبکہ حنیف سمجھتا تھا کہ ایسے لوگوں کی زندگی میں گندگی زیادہ ہی ہوتی ہے۔ پتا اس لئے نہیں چلتا کہ وہ اسے چھپانے کے لئے بہت اہتمام کرتے ہیں۔ وہ سات پردوں کے پیچھے چھپا کر رکھتے ہیں اپنی نجی زندگی کو۔ اور حنیف کو ایسے پردے ہٹانے ہی کا تو شوق تھا۔ چناں چہ وہ موقعے کا منتظر تھا اور وہ طویل انتظار کی اہلیت رکھتا تھا۔

آج اس کا تھورن کی پیری فورڈ کی جاگیر جانے کا ارادہ تھا۔ فوٹو گرافی کا تو امکان کم ہی تھا۔ کیونکہ وہاں بے شمار فوٹو گرافر ہوں گے۔ اس کا مقصد تو جاسوسی تھا۔ وہ حویلی کے محل وقوع کو، اس کے نقشے کو سمجھنا چاہتا تھا۔ کھڑکیاں، دروازے، کسی کی توجہ مبذول کرائے بغیر اندر گھسنے اور نکلنے کے راستے۔ نوکر...... ایسے نوکر جنہیں کچھ دے دلا کر ان سے معلومات حاصل کی جاسکیں۔

وہ صبح جلدی اٹھا۔ اس نے اپنے کیمرے چیک کئے، لینسوں کی صفائی کی۔ پھر وہ آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر خود کو دیکھنے لگا۔ اس کی عمر اڑتیس سال تھی۔ نسلاً وہ ہندوستانی تھا۔ ایک تو رنگ پکا اور اس پر مستزاد بچپن میں نکلنے والی چیچک کے نشان۔ وہ جو زیادہ وقت اپنا چہرہ کیمرے کے پیچھے چھپا کر رکھتا تو اس کی سب سے بڑی وجہ اس کا رنگ اور چیچک کے وہ نشان تھے۔ اس کا جسم دبلا پتلا ہی نہیں، ڈھیلا ڈھالا بھی تھا۔

نکلنے سے پہلے اس نے اپنے ڈارک روم میں ٹائمر سیٹ کئے۔ پھر کاغذوں کے ڈھیر میں سے وہ دعوت نامہ تلاش کر کے نکالا۔ وہ رابرٹ تھورن کے بیٹے کی چوتھی سالگرہ کی پارٹی تھی۔ لندن کی گندی بستیوں سے سینکڑوں معذور بچوں اور یتیموں کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔

لندن کے مضافاتی علاقے میں کار ڈرائیو کرنا خوش گوار تجربہ ثابت ہوا۔ وہ خود کو بہت پرسکون محسوس کر رہا تھا۔ اس نے سگریٹ سلگائی اور سوچنے میں مصروف ہوگیا۔ فرصت کے لمحات میں وہ صرف اپنے بارے میں سوچتا تھا۔

رابرٹ تھورن کی جاگیر ایک میل دور رہ گئی تھی۔ ایک پولیس والا وہاں دعوت نامے چیک کر کے مہمانوں کو آگے جانے کے سلسلے میں ہدایات دے رہا تھا۔ حنیف کے دعوت نامے کو پولیس والے نے کئی بار چیک کیا۔ اسے وہ دعوت نامہ اصلی نہیں لگ رہا تھا۔ اس دوران حنیف بے پروائی سے سامنے کی سمت دیکھتا رہا۔ وہ اس برتاؤ کا عادی تھا اور اس میں خوش تھا۔ کیونکہ توجہ زیادہ ملتی تھی۔ اگر وہ ڈھنگ کا لباس پہن کر آتا تو اس کے کارڈ کو اور اسے مشتبہ نہ سمجھا جاتا۔ مگر اسے یہ سب کچھ پسند تھا۔ بلکہ یہ اس کا ہتھیار تھا۔ یوں وہ لوگوں کو بہت غور سے دیکھ سکتا تھا۔ کیونکہ ناپسندیدگی کی وجہ سے وہ اس کے وجود کو عدم وجود گرداننے لگتے تھے۔ ان کا رویہ ایسا ہوتا تھا، جیسے وہ ان کے سامنے ہی نہیں۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

بالآخر اسے لوہے کے بڑے گیٹ سے گزر کر اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ اندر جاتے ہی اس کی آنکھیں فرطِ حیرت سے پھیل گئیں۔ پوری جاگیر کو اس انداز میں سجایا گیا تھا کہ کسی بہت بڑے میلے کا سماں لگ رہا تھا۔ وہاں رنگ ہی رنگ تھے...... زندگی کے تمام رنگ۔ سرکس کے خیموں کے درمیان بچے بھاگتے پھر رہے تھے۔ پھیری والے اپنا اپنا سامان...... ٹافیاں، بسکٹ، پھل وغیرہ لیے آوازیں لگاتے پھر رہے تھے، وہاں ہر طرح کے جھولے موجود تھے۔ موسیقی کی آواز پھیری والوں کے اور بچوں کے ملے جلے شور پر غالب آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ایک طرف قسمت کا حال بتانے والی عورت کا چھوٹا سا بوتھ تھا، جس کے باہر لندن کے بڑے ممتاز افراد قطار لگائے کھڑے تھے...... اپنی قسمت کے بارے میں جاننے کے منتظر! وہاں چھوٹے ٹٹو بھاگتے پھر رہے تھے۔ یہی نہیں، ہاتھی کا ایک بچہ بھی تھا جس پر چھوٹے چھوٹے سرخ دائروں کے ساتھ رنگ کیا گیا تھا۔ وہ چھوٹے بچوں کی توجہ کا مرکز تھا، جو اسے سکے دے رہے تھے۔ ہاتھی کا بچہ وہ سکے سونڈ میں پکڑ کر اپنے مالک کو دے دیتا تھا۔

عام فوٹو گرافروں کے لئے وہ فوٹو گرافی کی جنت تھی۔ درجنوں فوٹو گرافر لالچ سے بھرے تصویریں کھینچتے ادھر سے ادھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ لیکن حنیف کے نزدیک وہاں فوٹو گرافی کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ تو سب دکھاوا تھا۔

''کیا ہوا دوست؟ فلم ختم ہو گئی کیا؟''

حنیف نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ ہوبی تھا...... نیوز ہیرالڈ کا فوٹو گرافر۔ ہاٹ ڈاگ کی ٹیبل کے پاس کھڑا وہ اپنے کیمرے میں نئی فلم لگا رہا تھا۔

''فلم تو بہت ہے۔ کوئی تصویر تو ملے''۔ حنیف نے بےزاری سے کہا۔

''حماقت مت کرو دوست۔ ایسی کسی جگہ آنے کا موقع روز روز نہیں ملتا''۔ ہوبی بولا۔

''اس طرح کی تصویریں تو میں جتنی چاہوں، تم سے بھی خرید سکتا ہوں''۔

''اوہ...... تو کوئی خاص تصویر چاہئے تمہیں؟''

''صرف خاص نہیں، خاص الخاص''۔

''میں تمہیں گڈ لک ہی کہہ سکتا ہوں ہنی۔ یہ وہ فیملی ہے، جو اپنی نجی زندگی کو بہت مقدس سمجھتی ہے''۔

حنیف کا منہ بن گیا۔ یہاں بیشتر لوگ اسے ہنی ہی کہتے تھے۔ حنیف کے مقابلے میں ہنی کہنا ان کے لئے آسان تھا۔ اور یہ اسے بہت برا لگتا تھا۔ یہ خاص الخاص حنیف کا خواب تھا۔ اسے یقین تھا کہ کسی نہ کسی دن کوئی خاص الخاص اسے اہمیت دلا دے گا۔ تب دنیا اس کی قدر کرے گی۔ تب وہ ایسا غیر اہم نہیں رہے گا۔

''اے آیا...... سنو...... آیا...... ادھر دیکھو''۔ کچھ دور سے ہوبی کی پکار سنائی دی۔

سب کی توجہ ایک طرف ہو گئی تھی۔ سالگرہ کا کیک ٹرالی پر رکھ کر باہر لایا جا رہا تھا۔

بچے کی آیا چیسا نے جوکر کا روپ دھارا ہوا تھا۔ چہرے پر اس نے پاؤڈر تھوپا ہوا تھا۔ ہونٹوں پر گہرے سرخ رنگ کی لپ اسٹک تھی۔ وہ مسکرا رہی تھی فوٹو گرافرز نے اسے گھیر رکھا تھا۔ اور وہ بچے کو بھینچ بھینچ کر پیار کر رہی تھی۔ وہ خوش تھی کہ اس وقت وہ سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔

''یہ موم بتیاں یہ بجھا سکے گا''۔ ایک فوٹو گرافر نے نکتہ اٹھایا۔

''اس سے کہو ریہرسل تو کرے''۔ دوسرے نے تجویز پیش کی۔

حنیف کی آنکھیں مجمعے کو ٹٹول رہی تھیں۔ بالآخر اسے شمعِ محفل نظر آ گئی...... کیتھی تھورن۔ وہ کچھ دور کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر بدمزگی کا تاثر بےحد واضح تھا اور آنکھوں میں ناپسندیدگی تھی۔ مگر وہ ایک لمحے کی بات تھی۔ پھر جیسے اس کے چہرے پر نقاب سی آ گری۔ وہ تاثر غائب ہو گیا۔

حنیف ایسے ہی موقعے کی تلاش میں رہتا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے تصویر لے لی۔

کیک کے لئے پسندیدگی کا اظہار لوگوں نے تالیوں کے ذریعے کیا۔ کیتھی نپے تلے قدموں سے آگے بڑھی۔

''اس کی قسمت کا حال معلوم کرو''۔ ایک رپورٹر نے چیخ کر کہا۔ ''اسے نجومی کے پاس لے کر چلو''۔

آیا بچے کو لئے آگے بڑھی۔ لوگوں کا ہجوم ان کے پیچھے تھا۔

''ڈیمین کو میں وہاں لے کر جاؤں گی''۔ کیتھی نے اچانک آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''مجھے لے جانے دیں نامم''۔ آیا نے چہک کر کہا۔

''نہیں۔ یہ کام مجھے کرنے دو''۔ کیتھی مسکرا رہی تھی۔

حنیف کیمرے کے ویو فائنڈر کے ذریعے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا......

کیتھی اور آیا چیسا کی نظریں ملیں۔ چیسا نے ڈیمین کو چھوڑ دیا۔ وہ چھوٹا سا ایک لمحہ تھا، جسے ڈیمین اور کیتھی کے ساتھ نجومی کے بوتھ کی طرف بڑھتے ہوئے لوگ دیکھ نہ سکے۔ لوگ آگے بڑھ گئے۔ آیا چیسا پیچھے اکیلی رہ گئی۔ وہ اداس لگ رہی تھی۔ جوکر کا کاسٹیوم اب اس کے اکیلے پن کے محسوسات کی عکاسی کر رہا تھا۔ عقب میں وہ پرشکوہ، اونچی حویلی تھی۔

حنیف نے بٹن دوبارہ دبایا!

پھر چیسا پلٹی اور تھکے تھکے قدموں سے حویلی کی طرف چل دی۔

نجومی کے خیمے کے پاس پہنچ کر کیتھی نے بڑی سختی سے رپورٹرز کو باہر رکنے کو کہا اور خود بچے کو لے کر اندر چلی گئی۔

اندر کی نیم تاریکی اور خاموشی میں بڑا سکون تھا۔ کیتھی نے سکون کی سانس لی۔

''ہیلو بیٹے''۔

وہ آواز ایک نقاب کے نیچے سے آئی تھی۔ نقاب ہرے رنگ کی تھی۔ ڈیمین نے اسے دیکھا تو اس کے جسم میں اینٹھن سی ہوئی اور وہ ڈر کر ماں سے لپٹ گیا۔

''کم آن ڈیمین''۔ کیتھی نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''یہ ایک اچھی چڑیل ہے۔ کیوں بھئی، تم اچھی چڑیل ہو نا؟''

''بےشک''۔ نجومی عورت بھی ہنس دی۔ ''میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی''۔

''یہ تمہیں قسمت کا حال بتائے گی''۔ کیتھی نے ڈیمین کو تھپکتے ہوئے کہا۔

''ذرا میری طرف ہاتھ بڑھاؤ''۔ نجومی عورت نے اشارہ کیا۔

لیکن ڈیمین ہاتھ بڑھانے کو تیار نہیں تھا۔ وہ ماں سے اور چمٹ گیا۔ یہ دیکھ کر نجومی عورت نے اپنا نقاب ہٹا دیا۔ وہ ایک عام سی جوان عورت تھی، جو مسکرا رہی تھی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''دیکھ لو، میں بھی سب لوگوں کی طرح ہوں''۔ وہ بولی۔ ''اور تمہیں مجھ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی''۔

ننھا ڈیمین قدرے پرسکون ہوگیا۔ اس نے اپنا ہاتھ نجومی عورت کی طرف بڑھا دیا۔

''ارے واہ، کیسا پیارا اور نرم ہاتھ ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ خوش قسمتی تمہارے......''۔ وہ کہتے کہتے رک گئی۔ ڈیمین کے ہاتھ کو وہ بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اور اب اس کی نگاہوں سے الجھن جھانک رہی تھی۔ ''ذرا دوسرا ہاتھ دکھاؤ''۔ وہ بولی۔

ڈیمین نے دوسرا ہاتھ بھی اس کی طرف بڑھا دیا۔

نجومی عورت اس کے پھیلے ہوئے دونوں ہاتھوں کو دیکھتی رہی۔ اس کی الجھن اب اور واضح تھی۔

''یہ الجھن تمہارے اس کھیل کا حصہ ہے؟'' کیتھی نے اس سے پوچھا۔

''نہیں۔ میں تین سال سے بچوں کی پارٹیوں میں یہ کام کر رہی ہوں۔ مگر ایسا میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا...... کبھی نہیں''۔

''کیا نہیں دیکھا؟''

''آپ خود دیکھیں۔ شخصیت کی لکیروں کا جو پیٹرن ہر ہاتھ پر ہوتا ہے، اس بچے کے ہاتھوں پر نہیں ہے۔ صرف سلوٹیں سی ہیں''۔

کیتھی نے آگے جھک کر بچے کے ہاتھوں کو دیکھا۔ ''مجھے تو لکیریں نظر آ رہی ہیں''۔ وہ بولی۔

''میں دل، دماغ اور زندگی کی لکیروں کی بات نہیں کر رہی ہوں''۔ نجومی عورت نے کہا۔ ''یہ بتائیں، بچے کا ہاتھ کبھی جلا تو نہیں تھا''۔

''نہیں...... کبھی نہیں''۔

''آپ اپنا ہاتھ دیکھیں۔ یہ انگلیوں اور انگوٹھوں کے پوروں پر لکیروں کا ایک پیٹرن نظر آ رہا ہے نا...... یہ ڈیزائن ہر انسان کے ہاتھوں پر مختلف ہوتا ہے۔ یہ شناختی نشان ہوتا ہے۔ دو آدمیوں کے ہاتھ پر ایک جیسا پیٹرن کبھی نہیں ملے گا۔ یہ خدا کی قدرت ہے''۔

چند لمحے خاموشی رہی...... سنگین، گمبھیر خاموشی۔ ڈیمین خود بھی اپنے ہاتھوں کو گھور رہا تھا۔ اسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گڑبڑ کیا ہے۔

''آپ بچے کی انگلیوں کی پوروں کو دیکھیں۔ کتنی چکنی اور ہموار ہیں۔ میں دعوے سے کہتی ہوں کہ اس کے فنگر پرنٹس کوئی نہیں لے سکتا''۔

کیتھی نے اور غور سے اپنے بیٹے کے ہاتھ کو دیکھا۔ اس بار وہ سمجھ گئی کہ نجومی عورت ٹھیک کہہ رہی ہے۔

''یہ کوئی بینک لوٹ لے تو اسے کوئی نہیں پکڑے گا''۔ نجومی عورت نے ہنستے ہوئے کہا۔ پھر وہ ہنستی رہی۔ کیتھی الجھن میں لپٹی ہوئی خاموشی سے اپنے بچے کے ہاتھوں کو دیکھے جا رہی تھی۔

''تم اس کی قسمت کا حال بتاؤ گی پلیز''۔ کیتھی کے لہجے میں ہلکی سی جھنجلاہٹ تھی۔

''ضرور۔ کیوں نہیں''۔

''تو وقت ضائع نہ کرو۔ ہم یہاں کچھ جاننے کیلئے آئے ہیں''۔

نجومی عورت پھر ننھے ڈیمین کے ہاتھوں کی طرف متوجہ ہوئی۔

مگر اس لمحے باہر سے ایک چیختی ہوئی آواز ابھری۔ وہ آواز ڈیمین کی آیا چیسا کی تھی۔ اور آواز دور کی لگ رہی تھی۔ ''ڈیمین...... ڈیمین...... باہر آؤ ڈیمین۔ میرے پاس تمہارے لئے ایک سرپرائز ہے''۔

کیتھی اور نجومی عورت دونوں ٹھٹھک گئیں۔ اس پکار میں ایک ہذیانی چیخ چھپی تھی۔

''ڈیمین...... باہر آؤ اور دیکھو کہ میں تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں''۔ باہر آیا چیسا پھر چلائی۔

کیتھی نے ڈیمین کو گود میں اٹھایا اور تیزی سے خیمے سے نکلی۔ باہر آ کر وہ رکی اور اس نے حویلی کی سمت دیکھا۔

وہ منظر دیکھ کر وہ بت بن کر رہ گئی!

چیسا چھت پر تنی کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بہت موٹی رسی تھی اور وہ اسے ہلا ہلا کر دکھا رہی تھی کہ پھندا اسکے گلے میں ہے۔

نیچے لوگوں کا ہجوم تھا۔ آواز سن کر وہ سب پلٹ کر اسے دیکھ رہے تھے۔ سبھی مسکرا رہے تھے۔ البتہ کچھ نروس تھے۔ اور کچھ محظوظ ہو رہے تھے۔ کیونکہ چیسا اب بھی جوکر کے گیٹ اپ میں تھی۔ لگتا تھا، وہ کوئی تماشہ دکھانے والی ہے۔

چیسا چھت کے کنارے کی طرف چلی آئی۔ اس کے دونوں ہاتھ پھیل گئے...... اس کرتب باز کے سے انداز میں، جو خود کو آگ لگا کر سوئمنگ پول میں چھلانگ لگانے کے لئے تیار ہو رہا ہو۔

''ادھر دیکھو ڈیمین''۔ چیسا پھر چلائی۔ ''یہ میں تمہارے لئے کر رہی ہوں''۔

اور یہ کہتے ہی وہ چھت سے اتر گئی۔ اس کا جسم نیچے کی طرف لپکا، جس حد تک رسی نے اجازت دی۔ رسی ختم ہوئی تو اس کے جسم کو جھٹکا لگا۔ وہ ٹھہرا...... اور پھر بے جان ہو کر جھولنے لگا۔

ہر طرف خاموشی تھی۔ چیسا مر چکی تھی۔

لان میں تمام لوگ بت بنے کھڑے تھے۔ اوپر کمسن آیا کا بے جان جسم فضا میں معلق تھا اور جھول رہا تھا۔ پھر اچانک ایک چیخ گونجی...... اور وہ چیخ کیتھی کی تھی۔ بڑی مشکل سے کچھ لوگوں نے اسے خاموش کرایا اور اسے حویلی میں لے گئے۔

............x............

ننھا ڈیمین اپنے کمرے میں اکیلا تھا۔ وہ کھڑکی سے باہر لان میں جھانک رہا تھا۔ اب وہاں کام کرنے والوں اور پھیری والوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ اور وہ سب سر اٹھائے اوپر دیکھ رہے تھے۔ جہاں ایک پولیس والا سیڑھی کے ذریعے اوپر چڑھ کر، رسی کاٹ کر لاش اتار رہا تھا۔ پھر وہ لاش کو سنبھال نہ سکا اور لاش سر کے بل گری۔

اب آیا چیسا کسی ٹوٹی پھوٹی گڑیا کی طرح مڑی تڑی پڑی تھی۔ بے جان آنکھیں جیسے آسمان کو تک رہی تھیں۔ اس کے سرخی سے لتھڑے ہوئے ہونٹوں پر لرزہ خیز مسکراہٹ تھی۔

............x............

چیسا کی تدفین سے پہلے کے چند دنوں میں آسمان سیاہ ہوگیا۔ بجلی کی کڑک کسی طوفان کی آمد کا اعلان کر رہی تھی۔ کیتھی کا زیادہ وقت نیم تاریک نشست گاہ میں اکیلے بیٹھے خلاؤں میں گھورتے گزرا۔

کوروز کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا تھا کہ مرتے وقت چیسا کے خون میں الرجی کی دوا بیبیڈرل کی بڑی مقدار موجود تھی۔ اس بات نے الجھن اور بڑھا دی۔ یہ بہت بڑا سوال بن گیا کہ اس نے خودکشی کیوں کی؟

رابرٹ تھورن اخبار نویسوں سے بچنے کے لئے گھر پر ہی وقت گزار رہا تھا۔ وہ کیتھی کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا، جو اسے بتدریج برسوں پرانے ڈپریشن میں دوبارہ اترتی محسوس ہو رہی تھی۔

''تم اس واقعے کا کچھ زیادہ ہی اثر لے رہی ہو''۔ اس رات اس نے کیتھی کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''سوچو، وہ ہمارے گھر کا فرد تو نہیں تھی''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''وہ ہمارے گھر کا فرد ہی تھی''۔کیتھی نے دھیمی آواز میں کہا۔''اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ زندگی بھر ہمارے ساتھ رہنا چاہتی ہے''۔

رابرٹ نے سر جھٹکا۔اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔''تب میرا خیال ہے کہ اس نے ارادہ بدل لیا تھا''۔اس نے کوشش کی تھی کہ اس کا لہجہ سرد نہ ہو۔لیکن لفظوں میں جو جارحیت تھی،اس کا وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

کیتھی اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

''آئی ایم سوری''۔رابرٹ نے کہا۔''دراصل تمہیں اس حال میں دیکھنا میرے لئے بہت اذیت ناک ہے''۔

''میں قصوروار ہوں رابرٹ''۔کیتھی بولی۔''میں ہی اس کی موت کی ذمے دار ہوں''۔

''کیا کہہ رہی ہو؟''رابرٹ حیران رہ گیا۔

''ہاں......پارٹی میں کچھ ہوا تھا''۔

رابرٹ نے بڑی محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔''دل پر کوئی بوجھ ہے تو اتار دو''۔

''پارٹی میں وہ سب کی توجہ کا مرکز بن گئی تھی''۔کیتھی نے کہا۔''میں حسد کا شکار ہو گئی۔میں نے ڈیمین کو اس سے دور کر دیا۔کیسی تنگ نظر ہو گئی تھی میں۔میں اس کے ساتھ توجہ نہیں بانٹنا چاہتی تھی۔میں ساری توجہ خود چاہتی تھی''۔

''تم اپنے ساتھ زیادتی کر رہی ہو''۔رابرٹ نے کہا۔''میں سمجھتا ہوں کہ وہ لڑکی ذہنی مریض تھی''۔

''اگر توجہ کا مرکز بننے کی خواہش کرنا ذہنی مرض ہے تو میں بھی ذہنی مریض ہوں''۔

وہ خاموش ہو گئی۔کہنے کو اور کچھ رہا نہیں تھا۔وہ رابرٹ کی بانہوں میں سمٹ گئی۔وہ اسے تھپکتا رہا۔یہاں تک کہ وہ سو گئی۔رابرٹ جانتا تھا کہ یہ ویسی نیند ہے،جیسی وہ برسوں پہلے لیتی تھی،جب وہ لبریم دوا لیتی تھی۔شاید چیسا کی موت کے شاک نے اسے پھر لبریم لینے پر مجبور کر دیا تھا۔

اگلی صبح کیتھی نے چیسا کی آخری رسومات میں شرکت کی۔ڈیمین کو وہ اپنے ساتھ لے کر گئی تھی۔تدفین ایک چھوٹے سے قبرستان میں ہوئی۔شرکا میں صرف چیسا کے رشتے دار،کیتھی،ڈیمین اور ایک بوڑھا پادری تھا۔پادری نے مسلسل ہونے والی بوندا باندی سے بچنے کے لئے اپنے سر پر اخبار پھیلایا ہوا تھا۔دوسرے ہاتھ میں مقدس کتاب لئے،وہ اس میں سے دعائیں پڑھ رہا تھا۔

پبلسٹی کے خوف سے رابرٹ تدفین میں شریک نہیں ہوا۔بلکہ اس نے تو کیتھی کو بھی روکنے کی کوشش کی تھی۔لیکن کیتھی کے لئے یہ شرکت ضروری تھی۔وہ مرنے والی سے محبت کرتی تھی۔آخری سفر کے لئے وہ اسے الوداع کیسے نہ کرتی۔

قبرستان کے باہر کچھ رپورٹرز جمع تھے۔قبرستان کے گیٹ پر دو امریکی فوجی موجود تھے،جنہوں نے انہیں اندر جانے سے روک دیا تھا۔انہیں رابرٹ نے عین وقت پر ایمبیسی سے بھیجا تھا۔

رپورٹرز میں حنیف بھی تھا۔وہ دور کے درختوں کے پاس کھڑا اپنے جادوئی لینس کے ذریعے تقریب کو دیکھ رہا تھا۔وہ لینس اتنا طاقتور تھا کہ دور درخت پر ایک دوسرے سے لڑنے والی دو مکھیوں کے ہر ایکشن کو عکس بند کر سکتا تھا۔وہ کیمرے کی مدد سے ایک ایک چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔مرنے والی کے روتے ہوئے لواحقین،کیتھی تھورن جو کہ شاک کی حالت میں تھی اور بچہ جو بے چینی سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

اس وقت وہ بچہ ہی حنیف کی توجہ کا مرکز تھا۔اور لینس کے ذریعے اسے تکتے ہوئے وہ شٹر دبانے کے لئے کسی مناسب لمحے کا منتظر تھا۔

پھر وہ لمحہ آ ہی گیا!

بچے کے چہرے کے تاثرات بدلے۔اس نے پلکیں پٹ پٹائیں۔ایک پل کو وہ خوف زدہ لگا۔مگر اگلے ہی پل پرسکون ہو گیا۔یہ سب اس وقت ہوا،جب اس کی آنکھیں قبرستان کے دور افتادہ حصے میں کسی نکتے پر مرکوز تھیں۔

تصویر کھینچتے ہی حنیف نے کیمرے کا رخ اس طرف کیا،جدھر بچہ دیکھ رہا تھا۔لیکن وہاں اسے قبر کے کتبوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیا۔مگر وہ دیکھتا رہا۔بالآخر اسے تحرک دکھائی دیا۔ایک سیاہ دھبہ سا حرکت کرتا دکھائی دیا تھا۔

حنیف فوکس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔بالآخر وہ اسے دیکھنے میں کامیاب ہو گیا۔وہ ایک بڑا اور سیاہ کتا تھا۔وہ ساکت بیٹھا آگے کی طرف دیکھ رہا تھا۔حنیف کو افسوس ہوا کہ وہ بلیک اینڈ وائٹ فلم استعمال کر رہا ہے۔کیونکہ کتے کی زرد آنکھیں اجاگر ہوتیں تو وہ تصویر بہت ڈراؤنی ہوتی۔بہرحال اپرچر کو کھول کر کسی حد تک تاثر تو وہ اب بھی اجاگر کر سکتا تھا۔

اس کام سے نمٹا تو وہ مطمئن تھا۔وقت ضائع بہرحال نہیں ہوا تھا۔لیکن نجانے کیوں وہ کچھ بے چین تھا۔پہاڑی چوٹی سے اس نے دیکھا۔تابوت اب قبر میں اتارا جا رہا تھا۔اتنی دور سے بچہ اور کتا بہت چھوٹے نظر آ رہے تھے۔لیکن ان کے درمیان جو خاموش رابطہ تھا،وہ بالکل واضح تھا۔

............x............

اگلے روز پھر بارش ہوئی......اور مسز بے لاک کا نزول بھی!

مسز بے لاک آئرش تھی۔اس نے حویلی کا گیٹ کھولتے ہی اعلان کیا۔''میں نئی آیا ہوں''۔

گارڈ نے اسے روکنے کی کوشش کی۔مگر وہ اسے جھڑک جھٹک کر اندر چلی گئی۔اس کا جارحانہ انداز توہین آمیز بھی تھا اور پرکشش بھی۔

''میں جانتی ہوں کہ یہ وقت آپ لوگوں کے لئے دشوار ہے''۔اس نے اپنا کوٹ اتارتے ہوئے کہا۔وہ رابرٹ اور کیتھی سے مخاطب تھی۔''آپ میری یہ بات یاد رکھیں۔جو کوئی بھی مرگلی آیا رکھتا ہے،وہ اپنے لیے مصیبت کو دعوت دے رہا ہوتا ہے''۔

رابرٹ اور کیتھی کو اس کی خود اعتمادی نے گنگ کر دیا۔

''آیا کو بھاری بھرکم ہونا چاہئے......میری طرح''۔مسز بے لاک نے ہنستے ہوئے کہا۔''یہ ہلکی پھلکی آیائیں تو بس ہفتے دو ہفتے کے لئے ہوتی ہیں''۔

رابرٹ اور کیتھی بھی سحر زدہ سے بیٹھے تھے۔مسز بے لاک کے لئے بھاری بھرکم بھی بہت ہلکا لفظ معلوم ہوتا تھا۔

کوٹ اتار کر لٹکانے کے بعد مسز بے لاک نے اپنا سوٹ کیس اٹھایا۔''اب جلدی سے بتائیں،بچہ کہاں ہے؟''

''میں تمہیں لے چلتی ہوں''۔کیتھی نے زینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''میں چاہتی ہوں کہ میری اور اس کی پہلی ملاقات میں کوئی مخل نہ ہوتا کہ ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ لیں''۔

کیتھی کو حیرت ہوئی۔عجیب بدتمیز اور منہ پھٹ عورت ہے۔''بچہ بہت شرمیلا ہے۔نئے لوگوں سے آسانی سے نہیں گھلتا ملتا''۔

''میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میرے ساتھ ایسا نہیں ہوگا''۔

''میں پھر کہوں گی......''

''آپ مجھے موقع تو دیں''۔مس بے لاک نے کہا اور اپنا سوٹ کیس لے کر زینے کی طرف بڑھ گئی۔

چند لمحے خاموشی رہی۔پھر رابرٹ اور کیتھی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔رابرٹ نے تائید میں سر ہلایا۔لیکن اس کی نگاہوں میں بے یقینی تھی۔''بہرحال......یہ عورت مجھے اچھی لگی''۔اس نے کہا۔

''مجھے بھی''۔

''یہ تمہیں ملی کہاں؟''

''مجھے......؟یہ مجھے ملی ہے؟''کیتھی نے حیرت سے کہا۔

''تو اور کیا؟''

''میں تو سمجھ رہی تھی کہ یہ تمہاری دریافت ہے''۔

ایک لمحے کی ہچکچاہٹ کے بعد رابرٹ نے پکارا۔''مسز بے لاک''۔

اتنی دیر میں مسز بے لاک دوسری منزل کی لینڈنگ پر پہنچ چکی تھی۔اس نے وہاں سے نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔''یس مسٹر تھورن؟''

''معاف کرنا۔تم نے ہمیں کنفیوز کر دیا ہے''۔

''وجہ؟''

''تم یہاں آئیں کیسے؟''

''ٹیکسی سے اور ٹیکسی میں نے واپس بھیج دی ہے''۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔تمہیں یہاں بھیجا کس نے ہے؟''

''ایجنسی والوں نے''۔

''آپ کی ایجنسی والوں نے اخبار میں خبر پڑھی کہ آپ کے بچے کی آیا مر گئی ہے۔چناں چہ انہوں نے دوسری آیا بھیج دی''۔

رابرٹ کو یہ بات کچھ غیر فطری لگی۔لیکن لندن میں بے روزگاری کی گھمبیر صورت حال کے پیش نظر بات سمجھ میں آتی تھی۔''بہت ہی زبردست کارکردگی ہے''۔وہ بڑبڑایا۔

''میں ایجنسی فون کر کے تصدیق کروں؟''کیتھی نے پوچھا۔

''جی ہاں ضرور۔اور اس دوران آپ چاہیں تو میں باہر بارش میں انتظار کر سکتی ہوں''۔

''نہیں۔اس کی ضرورت نہیں''۔

''میں آپ کو کوئی غیر ملکی ایجنٹ لگتی ہوں؟''مسز بے لاک نے پوچھا۔

''نہیں۔میں ایسا نہیں سمجھتا''۔رابرٹ نے لطف لینے والے انداز میں کہا۔

''اتنے یقین سے نہ کہیں''۔مسز بے لاک کا انداز بھی مزاحیہ ہو گیا۔''کون جانے،میرے سوٹ کیس میں ٹیپ ریکارڈر چھپے ہوں۔اپنے گارڈ سے کہیں کہ تلاشی تو لے لے''۔

رابرٹ اور کیتھی ہنسنے لگے۔مسز بے لاک بھی ہنس رہی تھی۔

''تم جاؤ۔چیکنگ ہم بعد میں کرالیں گے''۔رابرٹ نے کہا۔

رابرٹ اور کیتھی ڈرائنگ روم میں چلے آئے۔کیتھی نے ایجنسی فون کر کے مسز بے لاک کے بارے میں معلوم کیا۔وہاں سے بتایا گیا کہ مسز بے لاک ایک بے حد تجربہ کار آیا ہے۔اس کے چال چلن کی تصدیق کرنے والے بڑے اور اہم لوگ ہیں۔الجھن صرف اتنی تھی کہ ایجنسی کے ریکارڈ کے مطابق مسز بے لاک ان دنوں روم میں ملازمت کر رہی تھی۔بہرحال یہ ممکن ہے کہ صورت حال ابھی حال ہی میں تبدیل ہوئی ہو۔ایجنسی والوں نے کہا کہ اسے یقیناً منیجر نے بھیجا ہوگا۔وہ دو ہفتے کی چھٹی پر ہے۔اس کے آنے کے بعد اس سے تصدیق کرا دی جائے گی۔

کیتھی نے ریسیور رکھنے کے بعد رابرٹ کی طرف دیکھا۔رابرٹ نے کندھے جھٹک دیے۔بہرحال وہ دونوں ہی خوش تھے کہ ایک بڑا مسئلہ بیٹھے بٹھائے حل ہو گیا۔یہ اور اچھی بات تھی کہ اپنے عجیب طرز عمل کے ساتھ مسز بے لاک زندگی سے بھرپور عورت تھی۔اور ان کے گھر کو ایسی ہی عورت کی ضرورت تھی۔

اوپر مسز بے لاک کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اوجھل ہو چکی تھی۔وہ اب دھندلائی ہوئی آنکھوں سے سوتے ہوئے بچے کو بغور دیکھ رہی تھی۔اس کی تھوڑی کھڑکی کے چھجے پر ٹکی تھی۔وہ شاید بارش دیکھتے دیکھتے سو گیا تھا۔

مسز بے لاک مسحور ہو کر وارفتہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔اس کی سانسوں کی آواز سے بچے کی آنکھ کھلی۔دونوں کی آنکھیں ملیں۔بچے کے جسم میں اینٹھن سی دکھائی دی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

وہ تن کر بیٹھ گیا۔

''ڈرو نہیں ننھے بچے......'' مسز بے لاک نے محبت بھری سرگوشی میں کہا۔ ''میں یہاں تمہاری حفاظت کے لئے آئی ہوں''۔

باہر بجلی کا ایک زبردست کڑاکا ہوا۔ پھر بارش شروع ہوگئی، جو دو ہفتے تک جاری رہی۔

............x............

معمول سے زیادہ بارش کے نتیجے میں انگلستان کے مضافاتی علاقے نباتاتی زندگی سے دھڑک اٹھے۔ جولائی آتے آتے پری فورڈ سبزے سے لہلہا اٹھا۔ لان کے عقب میں واقع جنگل بہت زیادہ گھنا ہوگیا۔ ایسے میں حیوانی زندگی خوب پنپتی ہے۔ ہورٹن کو ڈر تھا کہ اب خرگوش اپنی پناہ گاہوں سے نکلیں گے اور لان پر حملہ آور ہوں گے۔ چناں چہ اس نے ان کے لئے جگہ جگہ جال بچھا دیئے۔ رات کی تاریکی میں ان کی چیخوں سے سناٹا مجروح ہونے لگا۔

پھر کیتھی کے منع کرنے پر ہورٹن نے جال بچھانا چھوڑ دیا۔ مگر وجہ صرف کیتھی کا منع کرنا نہیں تھی۔ اصل میں وہ زد میں آئے ہوئے خرگوشوں کو لانے کیلئے جنگل میں داخل ہونے سے ڈرنے لگا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ جھاڑیوں کے عقب سے اسے دیکھا جا رہا ہے۔

اس نے یہ بات اپنی بیوی کو بتائی تو وہ ہنس دی۔ ''ارے...... وہ ہنری ہنجم کا بھوت ہوگا''۔ اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا

لیکن ہورٹن بہت سنجیدہ تھا۔ ''کچھ بھی ہو۔ اب میں جنگل میں کبھی نہیں گھسوں گا''۔ اس نے کہا۔

یہی وجہ تھی کہ جب نئی آیا مسز بے لاک نے ڈیمین کو جنگل میں لے جانا شروع کیا تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اور مسز بے لاک ڈیمین کے ساتھ کئی گھنٹے جنگل میں گزارتی تھی۔ وہاں دلچسپی کی ایسی کون سی چیز ہے، یہ سوچ کر ہورٹن متوحش ہوتا رہتا تھا۔

پھر ایک دن کپڑے دھونے میں اپنی بیوی کا ہاتھ بٹاتے ہوئے ہورٹن کو ننھے ڈیمین کے کپڑوں میں الجھے ہوئے کئی لمبے بال ملے، جو یقیناً کسی جانور کے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ ڈیمین کسی جانور سے کھیلتا رہا ہے۔

ہورٹن کی پریشانی اور بڑھ گئی۔ لیکن پری فورڈ میں ایسے واقعات تو ابھی اور ہونے تھے۔

ایک بات یہ تھی کہ کیتھی اب اپنے بچے کو بہت کم وقت دے رہی تھی۔ چناں چہ بچے کے معاملات پر نئی آیا پوری طرح چھا گئی تھی۔ تاہم اس سے انکار ممکن نہیں تھا کہ مسز بے لاک ایک بے حد اہل گورنس ہے۔ اور اس نے بچے کا دل جیت لیا تھا۔ صاف نظر آتا تھا کہ ڈیمین مسز بے لاک سے بہت محبت کرتا ہے۔ لیکن یہ بات بہر حال پریشان کن بھی تھی اور غیر فطری بھی کہ وہ آیا کی قربت کو اپنی ماں کی قربت پر ترجیح دیتا تھا۔ یہ بات تمام ملازمین نے محسوس کر لی تھی ......اور وہ اس پر بات چیت بھی کرتے تھے۔ انہیں اپنی مالکن پر ترس آتا تھا، جس کا جائز حق ایک ملازمہ کو مل گیا تھا۔ ان کے بس میں ہوتا تو وہ مسز بے لاک کی چھٹی کرا دیتے۔ لیکن وہ دیکھ رہے تھے کہ آیا کا اثر و نفوذ ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے۔

یہ بات کیتھی نے بھی محسوس کی تھی۔ مگر وہ بے بس تھی۔ ایک بار حسد کا شکار ہو کر اس نے اپنے بچے کے لئے کسی اور کی محبت میں مداخلت کی تھی۔ اس کے نتیجے میں بے چاری چیسا زندگی سے محروم ہوگئی تھی۔ اب وہ یہ حماقت دوسری بار نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اب ڈیمین سے اس کی کوئی اور محبت نہیں چھیننا چاہتی تھی۔

مسز بے لاک کو آئے ہوئے دو ہفتے ہوئے ہوں گے کہ اس نے اپنی اقامت تبدیل کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ بیس منٹ میں رہتی تھی۔ لیکن اب وہ اوپر، ڈیمین کے کمرے کے عین سامنے والے کمرے میں منتقل ہونا چاہتی تھی۔ اس نے کیتھی سے پوچھا تو کیتھی نے اجازت دے دی۔

کیتھی خود ایک قدامت پسند گھرانے میں پلی بڑھی تھی۔ وہاں بچے کی پرورش، اس کی نگہداشت اور تربیت صرف اور صرف ماں کی ذمے داری تھی......لیکن کیتھی جانتی تھی کہ یہاں ماحول مختلف ہے۔ اسے شوہر کا نہ صرف گھر میں، بلکہ ضرورت پڑنے پر گھر سے باہر بھی ساتھ دینا ہے۔ چناں چہ اس نے اپنے بچے کے معاملے میں خود کو اور پیچھے ہٹا لیا۔

اس نئی آزادی اور اس کے نتیجے میں ملنے والی فرصت کو وہ بڑے سلیقے سے استعمال کر رہی تھی۔ اس طرح کہ اس کا شوہر اس سے بہت خوش تھا۔ صبح کے وقت وہ فلاحی کاموں میں حصہ لیتی۔ شام سیاسی ٹی پارٹیوں کے نام تھی۔ اب وہ خوب صورت، نازک طبع اور تنہائی پسند عورت نہیں تھی۔ اب وہ توانائی سے لبریز پر اعتماد بیوی تھی، جو اپنے شوہر کے قدم سے قدم ملا کر چل رہی تھی۔ رابرٹ تھورن بہت خوش تھا۔ وہ یہی کچھ تو چاہتا تھا۔ لیکن کبھی اسے ایسا لگتا کہ یہ تبدیلی بے سبب نہیں۔ اور اس کا سبب کوئی اچھا نہیں۔ بلکہ پریشان کن ہے۔

اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کا یہ خیال خطرناک حد تک درست ہے۔

رابرٹ تھورن بے حد مصروف زندگی گزار رہا تھا۔ اسے تیل کے بحران سے نمٹنے کی ذمے داری سونپی گئی تھی۔ اس سلسلے میں اسے سعودی عرب کے شیوخ سے سرکاری نوعیت کی ملاقاتیں کرنی تھیں۔ صدر امریکا کو اس سے بڑی امیدیں تھیں۔ سعودی عرب کے بعد اسے ایران کا دورہ کرنا تھا۔ اور ان دوروں میں اسے تنہا جانا تھا۔ کیونکہ سفارتی دورے میں بیوی کی موجودگی عربوں کے نزدیک کمزوری کی دلیل ہوتی۔

اس نے یہ بات کیتھی کو بتائی تو اسے حیرت ہوئی۔ ''میری سمجھ میں تو نہیں آئی یہ بات''۔

''یہ ان کی معاشرت کے لحاظ سے ہے۔ ان کا طرز فکر ہے''۔ رابرٹ نے کہا۔ ''اب میں ان کے ملک جا رہا ہوں۔ تو مجھے اس کا خیال رکھنا ہوگا''۔

''انہیں تمہارا خیال نہیں رکھنا چاہیے؟'' کیتھی نے تیز لہجے میں کہا۔

''ایسی بات نہیں۔ وہ خیال کرتے......''

''تو میں کوئی ثقافتی شے ہوں''۔

''کیتھی......''

کیتھی نے دوبارہ اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں نے ان شیوخ کو دیکھا ہے۔ ان کے حرم بھی دیکھے ہیں۔ وہ کہیں بھی جائیں، کسی نہ کسی کو پسند کر لیتے ہیں۔ ان کے حرم میں ایک اور عورت کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ تو کیا وہ تم سے بھی یہی چاہیں گے''۔

''نہیں بھئی''۔ رابرٹ نے اسے ٹالنا چاہا۔ رات بہت ہو چکی تھی اور وہ جھگڑا نہیں چاہتا تھا۔

''تم مجھے بہلا رہے ہو''۔

''میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ یہ دورہ بہت اہم ہے''۔

''اور اس اہمیت کے پیش نظر اگر وہ تم سے عیاشی کو کہیں گے تو تم انکار نہیں کرو گے؟''

رابرٹ کا تحمل جواب دینے لگا۔ ''ہماری غرض اتنی بڑی ہے کہ وہ کچھ بھی کہیں، میں مان لوں گا۔ میں انکار نہیں کر سکتا''۔

کیتھی چند لمحے اسے گھورتی رہی۔ پھر بولی۔ ''اور اس تصویر میں، میں کہاں ہوں؟''

''اپنے مقام پر! یہاں! تم جو کچھ کر رہی ہو، وہ بھی اتنا ہی اہم ہے''۔

''پھر وہی بہلانے کی کوشش......''

''میں تمہیں بہلا نہیں رہا، سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں......''

''یہی نا کہ تم ان کی ہر بات مان لوگے۔ نہ مانے تو یہ بے چاری دنیا تباہ ہو جائے گی۔ تم مجبور ہو''۔

''ایک حد تک یہ سچ ہے۔ اپنے قومی مفادات کی خاطر میں کچھ بھی کر سکتا ہوں''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

کیتھی اسے گھورتی رہی۔ اس کی نگاہوں میں اتنی سختی، اتنی نفرت تھی کہ رابرٹ دہل گیا۔ ''میرے خیال میں تم ان کا کھلونا ہو اور میں تمہارا کھلونا ہوں۔ چلو...... بس اب سو جاؤ''۔

رابرٹ نے دانستہ باتھ روم میں زیادہ دیر لگائی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ باہر آئے گا تو کیتھی سو چکی ہوگی۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ وہ جاگ رہی تھی اور اس کی منتظر تھی۔ اس کے انداز میں محبت تھی...... درگزر تھا۔ ''سوری رابرٹ'' اس نے کہا ''میں تمہاری مجبوری سمجھتی ہوں۔ بس تم سے دور رہنے کا خیال مجھے ناقابل برداشت معلوم ہوتا ہے''۔

''تم جانتی ہو۔ میرا بھی یہی حال ہے''۔ رابرٹ نے کہا۔

مگر رابرٹ کو چند لمحے بعد اندازہ ہوگیا کہ کیتھی کی محبت میں محبت کم اور جارحیت بہت...... بہت زیادہ ہے۔ اسے ہر ہر پل توہین کا احساس ہوتا رہا۔

کیتھی تو سو گئی۔ مگر رابرٹ کی نیند اڑ گئی تھی۔ وہ کھڑکی کے پاس جا بیٹھا۔ وہ پورے چاند کی رات تھی۔ اس کھڑکی سے جنگل دکھائی دیتا تھا۔ رابرٹ جنگل کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ پورا منظر ساکت تھا...... جیسے جنگل سو رہا ہو۔

لیکن اس سکوت، اس عدم تحرک کے باوجود اسے ایسا لگا، جیسے جنگل اسے گھور رہا ہو۔ قریب ہی دوربین رکھی تھی۔ جو پرندوں کے دیکھنے کیلئے استعمال کرتے تھے۔ رابرٹ نے دوربین اٹھائی اور آنکھوں سے لگالی۔

شروع میں تو اسے اندھیرے کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیا۔ پھر اسے دو دہکتے ہوئے کوئلے سے نظر آئے۔ جن پر چاندنی منعکس ہو رہی تھی۔ وہ زرد آنکھیں حویلی ہی کی سمت دیکھ رہی تھیں۔ اس کے جسم میں کپکپی سی دوڑ گئی۔ اس نے دوربین ہٹا دی۔

پھر وہ باہر نکلا اور زینے کی طرف چل دیا۔ لان عبور کر کے وہ گیٹ کی طرف بڑھا، جو جنگل کی جانب کھلتا تھا۔ وہ گیٹ سے نکل کر آگے بڑھا۔ وہ ننگے پاؤں ہی نکل آیا تھا۔ وہاں گہرا سناٹا تھا۔ جھینگر تک کی آواز نہیں تھی۔ اور کوئی کشش اسے جنگل کی طرف کھینچ رہی تھی۔

جنگل کی سرحد پر رک کر اس نے دوربین آنکھوں سے لگائی۔ ایک پل کو دہکتے ہوئے کوئلوں جیسی وہ زرد آنکھیں اسے نظر آئیں۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ غائب ہوگئیں۔

وہ پلٹا، اسی لمحے اس کا پاؤں کسی نرم اور گیلی چیز سے مس ہوا۔ وہ گھبرا کر ہٹا اور ایک طرف جھکا۔ اس نے نیچے دیکھا۔ چاندنی میں صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ایک مردہ خرگوش تھا...... سرکٹا خرگوش۔ اس کا جسم ابھی گرم تھا۔ جہاں اس کا سر رہا ہوگا، وہاں کی زمین خون سے رنگین ہو رہی تھی۔

اگلے صبح رابرٹ جلدی جاگا اور اس نے ہورٹن سے استفسار کیا۔ ''کیا تم اب بھی خرگوش کے لئے جال بچھا رہے ہو''۔

''جی نہیں''۔ ہورٹن نے جواب دیا۔

رابرٹ اسے اپنے ساتھ وہاں لے گیا۔ جہاں رات اس نے سربریدہ خرگوش دیکھا تھا۔ اب وہاں خرگوش کا محض ڈھانچا تھا۔ اس کا گوشت کھایا جا چکا تھا۔ ڈھانچے پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ ہورٹن نے ہاتھ ہلا کر مکھیوں کو اڑایا اور جھک کر ڈھانچے کا جائزہ لیا۔

''کیا خیال ہے تمہارا؟'' رابرٹ نے اس سے پوچھا۔ ''کیا اس جنگل میں کوئی درندہ آگیا ہے؟''

''کچھ کہہ نہیں سکتا جناب۔ لیکن میرے خیال میں ایسا نہیں ہے''۔ ہورٹن نے کہا۔ پھر اس نے مردہ خرگوش کی طرف اشارہ کیا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اب وہ بولا تو اس کے لہجے میں بدمزگی تھی ''درندے بھوک کے لئے شکار کرتے ہیں اور وہ سر چھوڑ دیتے ہیں۔ جبکہ آپ نے رات کو دیکھا، خرگوش کا دھڑ سلامت تھا اور سر غائب تھا۔ اس خرگوش کو جس نے بھی مارا ہے۔ اپنے نفس، اپنے باطن کی لذت کے لئے مارا ہے۔ تفریح کے لیے''۔

''اس کی لاش کہیں دور پھینک دو۔ اور گھر میں کسی سے تذکرہ نہ کرنا'' واپسی کے دوران رابرٹ نے ہورٹن سے کہا۔

گیٹ پار کر کے وہ مختلف سمتوں میں چل دیئے۔ اچانک ہورٹن رکا اور پلٹا۔ ''سر، یہ جنگل مجھے اچھا نہیں لگتا۔ اور مجھے یہ بھی نامناسب لگتا ہے کہ مسز بے لاک آپ کے بیٹے کو اس جنگل میں لے کر جائے''۔

''تو تم اسے منع کر دینا۔ تفریح کیلئے یہ اتنا بڑا لان کم تو نہیں''۔ رابرٹ نے کہا۔

اس شام ہورٹن نے مسز بے لاک کو ٹوک دیا۔ تب اس رات رابرٹ تھورن کو پہلی بار ایسا لگا کہ اس کے گھر میں کوئی کمی ہے۔ اس رات مسز بے لاک اسے ڈرائنگ روم میں لے گئی۔

وہ بہت غصے میں تھی۔ ''میں اسے پسند نہیں کرتی کہ مجھے کسی دوسرے ملازم کی زبانی کوئی حکم ملے۔ اور یہ بات نہیں کہ میں نافرمان ہوں۔ بس میں یہ چاہتی ہوں کہ میرے لئے جو بھی حکم ہو، مجھے براہ راست دیا جائے''۔ اس کا انداز جارحانہ تھا۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے''۔ رابرٹ تھورن نے بے پروائی سے کہا۔ مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مسز بے لاک کی آنکھیں غصے سے دہک اٹھی تھیں۔

''ایک بڑے گھر اور ایک عام گھر میں یہی تو فرق ہوتا ہے مسٹر تھورن۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہاں انچارج کوئی بھی نہیں ہے۔ یہ گھر مرکزیت سے محروم ہے مسٹر تھورن''۔ یہ کہہ کر وہ پلٹی اور کمرے سے چلی گئی۔

رابرٹ اس کی بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جہاں تک گھر کا تعلق تھا تو کیتھی یہاں انچارج تھی۔ لیکن وہ خود زیادہ وقت گھر سے باہر گزارتا تھا۔ تو کیا مسز بے لاک اسے یہ بتانے کی کوشش کر رہی ہے کہ جیسا نظر آ رہا ہے، حقیقت میں ویسا نہیں ہے۔ یہاں کے معاملات کیتھی کے قابو میں نہیں ہیں۔ یا کیتھی یہاں کے معاملات سے بے تعلق ہو گئی ہے۔

............x............

اپنے ڈربے نما فلیٹ میں حنیف جاگ رہا تھا۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اس کے ڈارک روم میں تھورن فیملی کی تصویریں بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ اس نے ابھی آیا چیسا کی تدفین والی تصویروں کے پرنٹ نکالے تھے۔ قبروں کے کتبوں کے درمیان کتے کا کلوز اپ تھا۔ پھر تھورن کے بیٹے کا کلوز اپ تھا۔ سالگرہ کی تقریب کی تصویریں الگ تھیں۔ کیتھی آیا کو دیکھ رہی ہے۔ آیا چیسا الگ تھلگ...... اکیلی کھڑی ہے جو کر کے کاسٹیوم میں۔

یہ آخری تصویر حنیف کے لئے بے حد پرکشش تھی۔ کیونکہ اس تصویر میں آیا کے سر سے ذرا اوپر ایک عجیب سا دھبہ تھا۔ شاید وہ کوئی تکنیکی خامی تھی۔ لیکن ایسا لگتا تھا کہ وہ بعد کے المیے کی علامت تھی...... نشانی اس موت کی۔ شاید وہ رنگوں کی پروسیسنگ میں کسی گڑبڑ کی وجہ سے تھی، جس کے نتیجے میں آیا چیسا کے سر اور گردن کے گرد موہوم سی دھند کا ایک ہالہ سا بن گیا تھا۔ عام طور پر ایسی نقص والی تصاویر کو وہ ردی قرار دے کر پھینک دیتا تھا۔ یا تلف کر دیتا تھا۔ لیکن یہ تصویر اس نے محفوظ کر لی تھی۔ کیونکہ اس کے کھینچے جانے کے بعد جو المیہ رونما ہوا تھا، اس نے اس دھبے کو، اس ہالے کو علامتی رنگ دے دیا تھا۔ جیسے وہ دھبہ دھبہ نہ ہو، نحوست کا...... تباہی کا سایہ ہو۔

اور آخری تصویر آیا چیسا کی رسی سے جھولتی ہوئی لاش کی تھی۔ واقعات کے تسلسل کو انجام تک پہنچانے والی ہولناک حقیقت! سچ تو یہ ہے کہ تھورن فیملی سے متعلق وہ تصاویر کسی ڈراؤنی فلم کی اسٹلز لگتی تھیں۔ اور حنیف اس پر خوش تھا۔ اس نے ایک مثالی گھرانے کو اپنا سبجیکٹ بنایا تھا اور ان میں چھپا ہوا غیر معمولی پن اجاگر کیا تھا۔ ایسا غیر معمولی پن جو ان لوگوں میں کسی اور کو کبھی نظر نہیں آیا تھا۔ اور اب اس نے ان پر ریسرچ بھی شروع کر دی تھی۔ امریکا میں اپنے ایک رابطے کو اس نے تھورن فیملی کا بیک گراؤنڈ معلوم کرنے اور ایسی معلومات فراہم کرنے پر مامور کیا تھا، جو اخبار نویسوں تک سے پوشیدہ ہوں۔

اب وہ معلومات اسے حاصل ہو گئی تھیں!

اسے پتا چل گیا تھا کہ کیتھی کا تعلق ایک جلاوطن روسی فیملی سے تھا، جس نے امریکا میں سیاسی پناہ حاصل کی تھی۔ اس کے باپ نے ایک آفس بلڈنگ کی چھت سے چھلانگ لگا کر خودکشی کی تھی۔ اس کی موت کے ایک ماہ بعد کیتھی پیدا ہوئی۔ اور ایک سال بعد اس کی ماں دوسری شادی کر کے نیو ہمپشائر چلی آئی۔ اس کے دوسرے شوہر نے کیتھی کو اپنا نام دیا۔

گزشتہ چند برسوں میں کیتھی نے جتنے بھی انٹرویو دیئے تھے، ان میں اس نے کبھی اپنے سوتیلے باپ کا حوالہ نہیں دیا تھا۔ حنیف کا اندازہ تھا کہ اس حقیقت کا شاید خود کیتھی کو بھی علم نہیں ہوگا۔ اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ لیکن اس کے نتیجے میں اسے ضرورت پڑنے پر کیتھی پر بالادستی حاصل ہو سکتی تھی۔

بہر حال اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ صحیح راستے پر چل رہا ہے۔

ابھی تک اس کے پاس خود رابرٹ تھورن کی کوئی تصویر نہیں تھی۔ تاہم اسے امید تھی کہ اگلے روز آل سینٹس چرچ میں ہونے والی شادی میں اسے یہ موقع بھی مل جائے گا۔ یہ یقینی تھا کہ رابرٹ تھورن اس شادی میں شرکت کرے گا۔ وہ مقام حنیف کے نکتہ نظر سے آئیڈیل نہیں تھا۔ لیکن اب تک خوش قسمتی نے اس کا ساتھ دیا تھا۔ اور اس کا خیال تھا کہ آگے بھی یہ سلسلہ چلے گا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

شادی کی تقریب سے پہلے رابرٹ تھورن نے ایمبیسی میں اپنے معمول کے تمام کام چھوڑ دیے۔ ہفتے کے روز کام کچھ زیادہ ہی ہوتا تھا۔اس کے بجائے وہ کیتھی کو ایک لمبی مضافاتی ڈرائیو پر لے گیا۔ وہ کیتھی کے ساتھ اپنے پچھلے تنازعے کے بارے میں بہت فکرمند تھا۔اس لئے وہ کیتھی کے ساتھ تنہائی میں وقت گزارنا اور یہ سمجھنے کی کوشش کرنا چاہتا تھا کہ معاملات میں کہاں اور کس نوعیت کی خرابی ہے۔

اس کی یہ ترکیب کارگر ثابت ہوئی۔ کیونکہ گزشتہ کئی ماہ میں وہ پہلا موقع تھا کہ کیتھی پرسکون دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے رابرٹ کا ہاتھ تھام رکھا تھا اور گردوپیش کی خوب صورتی میں کھوئی ہوئی تھی۔

دوپہر کو انہوں نے کنگ لیئر کا میٹنی شو دیکھا۔ڈراما کیتھی پر بہت اثرانداز ہوا۔اس کی آنکھوں میں بار بار آنسو آرہے تھے۔ پھر اپنے بچے کی موت پر لیئر کا وہ دکھ بھرا مکالمہ آیا ...... کتے سانس لے رہے ہیں، چوہے سانس لے رہے ہیں، پھر ایسا کیوں ہے میرے بچے کہ تمہاری سانسوں کی ڈور ٹوٹ گئی ہے......اور کیتھی کو اپنے اندر کوئی نازک سی چیز ٹوٹتی محسوس ہوئی......اور وہ باقاعدہ رونے لگی۔

رابرٹ نے اسے خود سے قریب کیا اور اسے تھپکنے لگا۔

وہ باہر نکلے اور دوبارہ کار میں آبیٹھے۔کیتھی نے مضبوطی سے رابرٹ کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ڈرامے کی جذباتیت نے ان دونوں کے درمیان ایک ایسی قربت پیدا کر دی تھی، جس سے وہ گزشتہ کئی مہینوں میں محروم رہے تھے۔

وہ ایک چشمے کے پاس رکے۔کیتھی کی آنکھیں پھر بھیگنے لگیں۔ دلوں کی قربت کے ان لمحوں میں وہ اپنے خوف کے متعلق باتیں کر رہی تھی......ڈیمین کو کھو دینے کا خوف۔

''اگر ڈیمین کو کچھ ہو گیا تو میں جی نہیں سکوں گی'' اس نے کہا۔

''اسے کچھ نہیں ہوگا کیتھی'' رابرٹ نے اسے یقین دلایا''زندگی اتنی بے رحم نہیں ہوتی''

وہ ایک اونچے درخت کے نیچے گھاس پر بیٹھ گئے۔کیتھی چشمے پر نظریں جمائے سرگوشی میں بول رہی تھی۔''میں......میں بہت خوفزدہ ہوں''۔

''ڈرنے کی کوئی بات نہیں''۔

اب وہ ایک ٹڈے کو دیکھ رہی تھی، جو گھاس پر ادھر سے ادھر پھدکتا پھر رہا تھا۔

''تمہیں خوف کس بات کا ہے؟''

''میں ہر چیز سے خوف زدہ ہوں۔کون سی ایسی چیز ہے، جس سے ڈر نہ لگے''۔

رابرٹ نے حیرت سے اسے دیکھا۔لیکن بولا کچھ نہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ کیتھی وضاحت کرے۔

''مجھے ہر اچھی چیز کا خوف ہے کہ وہ کھو جائے گی، مٹ جائے گی۔ مجھے ہر بری چیز کا خوف ہے۔ کیونکہ میں اس کے مقابلے میں کمزور ہوں اور ہار جاؤں گی۔ مجھے تمہاری کامیابی سے ڈر لگتا ہے کہ وہ ناکامی میں بدل جائے گی اور مجھے خوف ہے کہ نہ تمہاری کامیابی میں میرا کچھ دخل ہے، نہ میں تمہیں ناکامی سے بچا سکتی ہوں۔اور مجھے ڈر ہے کہ تم امریکہ کے صدر بن جاؤ گے۔اور تمہاری بیوی خاتون اول کے منصب کی اہل نہیں ہوگی''۔

''اب بھی تم تقریباً وہی ذمہ داریاں نبھا رہی ہو......اور بڑی خوب صورتی سے نبھا رہی ہو''۔

''لیکن مجھے ان ذمہ داریوں سے نفرت ہے''۔

بات بہت سادگی سے، بڑی سچائی سے کہی گئی تھی۔اور وہ پہلا موقع تھا کہ کیتھی نے اس طرح کھل کر اظہار کیا تھا۔اس سے ان کے درمیان اچھی فضا پیدا ہو گئی تھی۔

''تمہیں شاک نہیں لگا یہ سن کر''؟ کیتھی نے پوچھا۔

''کچھ لگا تو ہے۔مگر زیادہ نہیں'' رابرٹ نے جواب دیا۔

''تم جانتے ہو، مجھے اپنے اور تمہارے باہمی تعلق کے ساتھ کیا کچھ پسند ہے''؟

رابرٹ نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں چاہتی ہوں کہ ہم امریکہ واپس چلے جائیں''۔

رابرٹ گھاس پر لیٹ گیا اور درخت کے پتوں کو تکنے لگا۔

''میں وہاں جانا چاہتی ہوں'' جو ہمارا اصل گھر ہے۔ جہاں مجھے تحفظ کا احساس ہو''۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔کیتھی نے رابرٹ کے سینے پر سر رکھ دیا تھا۔

''اور مجھے سب سے زیادہ تحفظ کا احساس تمہاری قربت میں ہوتا ہے''۔ چند لمحے بعد کیتھی نے کہا۔

''ہاں۔میں سمجھتا ہوں''

کیتھی نے آنکھیں موندلیں۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔''یہ نیوجرسی ہے۔ ہے نا؟'' اس نے سرگوشی میں کہا۔''اور ہمارا چھوٹا سا فارم...... پہاڑی کے اوپر۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ہم یہی رہیں گے نا؟''

''یہ بہت اونچی پہاڑی ہے کیتھی''۔ رابرٹ نے کہا۔

''میں جانتی ہوں۔ جانتی ہوں کہ ہم کبھی اسے عبور نہیں کر سکیں گے''

اسی وقت ہوا کا ایک جھونکا آیا۔درخت کے پتے جیسے کھلکھلا کر ہنس دیے۔چھن کر آتی ہوئی دھوپ ان کے چہروں پر تھرکنے لگی۔

''ممکن ہے، ڈیمین اسے عبور کر لے'' رابرٹ نے کہا۔''کون جانے، اس میں ایک شاندار کاشت کار چھپا ہو''۔

''اس کا کوئی امکان نہیں۔ وہ خالص تمہارا بیٹا ہے......سر سے پاؤں تک''۔

رابرٹ نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ وہ درخت کے پتوں کو تکتا رہا۔

''ایک بات بتاؤں......عجیب سی بات۔ایسا لگتا ہے کہ اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے''۔

رابرٹ کہنی کے بل اٹھا اور اس نے کیتھی کے چہرے کو بہت غور سے دیکھا۔ وہاں اداسی ہی اداسی تھی۔''یہ بات کیوں کہی تم نے؟''

اس نے کندھے جھٹک دیے، جیسے کہہ رہی ہو کہ اس بات کی وضاحت کرنا اس کیلئے بہت مشکل ہے۔ بالآخر اس نے کہا۔''وہ بے حد خود کفیل بچہ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ دنیا میں اسے کسی کی ضرورت نہیں''۔

''کیا واقعی ایسا لگتا ہے؟''

''جیسے ایک بچے کو اپنی ماں سے وابستگی ہوتی ہے، اسے مجھ سے ذرا بھی نہیں ہے۔ایک بات بتاؤ رابرٹ، تم اپنی ماں سے بہت قریب نہیں تھے کیا؟''

''میں تو تھا''۔

''اور اپنی بیوی سے؟''

ان کی آنکھیں ملیں۔رابرٹ نے بڑی محبت سے اس کا ہاتھ سہلایا۔ ''تم جانتی ہو کہ میرے لئے تم کتنی اہم ہو۔تمہارے بغیر میں کچھ بھی نہیں''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

’’میں چاہتی ہوں، سب کچھ ایسا ہی رہے جیسا اس وقت ہے۔ میں چاہتی ہوں، وقت یہیں ٹھہر جائے‘‘ کیتھی نے خواب ناک لہجے میں کہا۔

’’جانتی ہو کیتھی، جب میں پہلی بار تم سے ملا تو میں نے سوچا، دنیا میں تم سے خوبصورت کوئی ہو ہی نہیں سکتا‘‘۔

وہ مسکرائی...... جیسے وہ لمحہ اسے بھی یاد آ گیا ہو۔ پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

’’اور کیتھی، یقین کرو۔ میں آج بھی یہی سمجھتا ہوں‘‘۔ رابرٹ نے رومان انگیز لہجے میں سرگوشی کی۔

’’میں تم سے محبت کرتی ہوں رابرٹ تھورن‘‘۔

’’میں بھی۔ اور تم یہ بات جانتی ہو‘‘۔

کیتھی کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ’’میں نہیں چاہتی کہ اب تم مجھ سے کبھی کوئی بات کرو۔ بس میں تمہاری یہ بات ہمیشہ کیلئے اپنی سماعت میں محفوظ رکھنا چاہتی ہوں‘‘۔

پھر جب ان کی آنکھیں کھلیں تو اندھیرا ماحول پر چھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

............x............

اس رات وہ پری فورڈ واپس آئے تو سب سو چکے تھے۔ انہوں نے آتش دان دہکایا اور نرم چرمی کاؤچ پر بیٹھ گئے۔

’’کیا وائٹ ہاؤس میں بھی ہم یہ سب کر سکیں گے؟‘‘ کیتھی نے پوچھا۔

’’یہ سوال بہت قبل از وقت ہے‘‘۔ رابرٹ نے جواب دیا۔

’’پھر بھی مجھے جواب دو‘‘۔

’’کوئی وجہ نہیں کہ ہم وائٹ ہاؤس میں بھی ایسے نہ رہ سکیں‘‘۔

اس بار بھی ان کی قربت میں کیتھی کی جارحیت غالب تھی۔

............x............

اگلی صبح روشن تھی۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ نو بجے تک رابرٹ شادی کی تقریب کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ زینے کے پاس آ کر اس نے کیتھی کو پکارا۔

’’ابھی تو میں تیار نہیں ہوئی ہوں‘‘۔ اوپر سے کیتھی کا جواب آیا۔

’’ہم لیٹ ہو جائیں گے‘‘۔

’’مجھے بھی یہی لگتا ہے‘‘۔

’’تم جانتی ہو۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ ہمارے انتظار میں تقریب ہی لیٹ کر لیں۔ اور یہ شرمندگی کی بات ہوگی۔ کوشش تو کرو کہ ہم وقت پر پہنچ جائیں‘‘۔

’’میں کوشش کر رہی ہوں‘‘۔

’’ڈیمین تیار ہو گیا ہے؟‘‘

’’شاید ہو گیا ہو‘‘۔

’’میں لیٹ نہیں ہونا چاہتا‘‘۔

’’اچھا...... مسز ہورٹن سے کہو کہ ہمارے لیے کچھ ٹوسٹ بنا دیں‘‘۔

’’مجھے بھوک نہیں ہے‘‘۔

’’لیکن مجھے تو ہے‘‘۔

’’اچھا...... تم جلدی کرو‘‘۔

باہر ہورٹن نے گاڑی لا کر پورچ میں کھڑی کر دی تھی۔ رابرٹ نے اسے اشارے سے بتایا کہ چند منٹ اور لگیں گے۔ پھر وہ مسز ہورٹن کو ٹوسٹ تیار کرنے کی ہدایت دینے کچن میں چلا گیا۔

کیتھی اپنے کمرے سے نکل کر ڈیمین کے کمرے کی طرف بڑھی۔ وہ پکار رہی تھی۔ ’’چلو ڈیمین، ہم تیار ہو گئے۔ بس اب چلنا ہے‘‘۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ لیکن وہاں ڈیمین اسے نظر نہیں آیا۔ باتھ روم کی طرف سے ٹب میں پانی کی چھپ چھپ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ باتھ روم میں داخل ہوئی تو اس کا منہ بن گیا۔ ڈیمین ابھی باتھ ٹب میں ہی تھا۔ مسز بے لاک اسے نہلا رہی تھی۔

’’مسز بے لاک، میں نے تم سے کہا تھا کہ اسے جلدی تیار......‘‘

’’آپ مائنڈ نہ کریں مادام۔ میرے خیال میں ڈیمین کے لیے پارک جانا زیادہ بہتر رہے گا‘‘۔ مسز بے لاک نے کہا۔

’’میں نے تمہیں بتایا تھا کہ یہ ہمارے ساتھ چرچ جائے گا‘‘۔

’’ایسے خوب صورت دن ننھے بچوں کیلئے چرچ کوئی مناسب جگہ نہیں‘‘۔

کیتھی نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ یوں مسکرا رہی تھی، جیسے اس کے نزدیک یہ قطعاً غیر اہم بات ہے۔ ’’ویل آئی ایم سوری۔ لیکن اس کا چرچ جانا بہت زیادہ اہم ہے‘‘۔ کیتھی نے سخت لہجے میں کہا۔

’’یہ بہت چھوٹا ہے۔ چرچ میں ہنگامے کے سوا کیا کرے گا‘‘۔

اس کے لہجے میں اور اس کے انداز میں کوئی بات تھی۔ جس معصومیت اور سکون سے وہ بر ملا اس کے حکم کو ٹال رہی تھی، اس نے کیتھی کو غصہ دلا دیا۔ خود پر قابو پانے کے لئے اسے دانت پر دانت جمانے پڑے۔ ’’تم سمجھ نہیں رہی ہو مسز بے لاک۔ میں کہہ رہی ہوں کہ یہ ہمارے ساتھ چرچ جائے گا‘‘۔

مسز بے لاک کے جسم میں واضح تناؤ نظر آیا۔ کیتھی کا لہجہ اسے بہت سخت اور توہین آمیز لگا تھا۔ بچے نے بھی یہ بات محسوس کر لی تھی اور اپنی آیا سے چپک گیا تھا اور ماں کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

’’کیا یہ پہلے کبھی چرچ گیا ہے؟‘‘ چند لمحوں کی سنگین خاموشی کے بعد بالآخر مسز بے لاک نے پوچھا۔

’’میں نہیں سمجھتی کہ اس سے کوئی فرق......‘‘

’’کیتھی‘‘۔ اسی لمحے نیچے سے رابرٹ کی پکار سنائی دی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''ایک منٹ رابرٹ''۔کیتھی نے وہیں سے جواب دیا۔اب وہ مسز بے لاک کو گھور رہی تھی۔جواباً مسز بے لاک بھی اسے گھور رہی تھی۔''میں تم سے کہہ رہی ہوں کہ فوراً بچے کو تیار کردو''۔اس بار کیتھی کا لہجہ بہت سخت تھا۔

''میں معذرت خواہ ہوں کہ میں اپنے دل کی بات ضرور کہوں گی۔آپ چار سال کے بچے سے یہ توقع نہیں رکھ سکتیں کہ وہ ایک کیتھولک شادی کی رسومات کو سمجھے گا اور ان سے لطف اندوز ہوگا''۔

کیتھی نے ایک گہری سانس لی۔''مسز بے لاک، میں اور میرا شوہر......ہم دونوں کیتھولک ہیں''۔

''ہوتے رہیں''۔

اس کھلی بدتمیزی اور نافرمانی نے کیتھی کو ہلا کر رکھ دیا۔''تم میرے بچے کو تیار کرکے پانچ منٹ کے اندر کار میں پہنچا دو یا پھر اپنے لیے کوئی اور ملازمت تلاش کرنے کے لئے نکل کھڑی ہو''۔

''میرا خیال ہے،اب یہ تو مجھے کرنا ہی ہوگا''۔

''فیصلہ تمہیں ہی کرنا ہے''۔

''میں سوچوں گی''۔

''مجھے امید ہے کہ تم سنجیدگی سے سوچو گی''۔

چند لمحے بہت سنگین خاموشی رہی۔پھر کیتھی جانے کیلئے پلٹی۔

''میں ایک بات بتادوں''۔مسز بے لاک نے کہا۔''یہ اچھا فیصلہ نہیں ہے۔اسے چرچ لے جا کر آپ پچھتائیں گی''۔

''جو میں نے کہا ہے، وہ کرو''۔کیتھی نے کہا اور کمرے سے نکل آئی۔

پانچ منٹ سے پہلے ہی تیار ڈیمین کار میں موجود تھا!

انہیں شیپرٹن سے ہو کر جانا تھا، جہاں نیا ہائی وے بن رہا تھا۔وہاں ٹریفک جام تھا۔اس کا مطلب تھا......مزید تاخیر۔تھورن فیملی کی لیموزین میں خاموشی اور زیادہ سنگین ہو گئی۔

''کوئی بات ہے؟''رابرٹ نے کیتھی کے تاثرات بھانپتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں......کچھ نہیں''۔

''تم غصے میں ہو؟''

''کوشش کررہی ہوں کہ غصہ نہ کروں''۔

''بات کیا ہے؟''

''کوئی خاص بات نہیں''۔

''کم آن......بتاؤ نا''۔

''ارے وہی مسز بے لاک''،کیتھی نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا

''ہوا کیا؟''

''میرے اور اس کے درمیان تلخی ہوگئی''۔

''کس سلسلے میں؟''

''وہ ڈیمین کو پارک لے جانا چاہتی تھی''۔

''اس میں تو کوئی خرابی نہیں''۔

''چرچ کے بجائے......''کیتھی نے وضاحت کی۔''اور اس نے اسے ہمارے ساتھ نہ بھیجنے کی سرتوڑ کوشش کی''۔

''ممکن ہے،ڈیمین سے دور ہو کر اسے تنہائی کا احساس ہوتا ہو''۔

''ایسا ہے تو یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں''۔

رابرٹ نے کندھے جھٹک دیئے اور کھڑکی سے باہر ہائی وے کے تعمیراتی کام کو دیکھنے لگا۔گاڑی ایک ایک انچ کرکے بڑھ رہی تھی۔وہ دانت پیسنے لگا۔''ہورٹن......ہم کسی طرح آگے نہیں نکل سکتے؟''اس نے کہا۔

''نہیں سر،یہ ممکن نہیں،لیکن اجازت ہو تو میں بھی مسز بے لاک کے بارے میں کچھ کہوں''۔

''کہو''۔رابرٹ نے نرم لہجے میں کہا۔

''برخوردار کے سامنے کہنا مجھے اچھا نہیں لگے گا''۔

کیتھی نے ڈیمین کو دیکھا،جو اس گفتگو سے بے نیاز اپنے نئے جوتے کے تسموں سے کھیل رہا تھا۔''کوئی بات نہیں ہورٹن،تم کہو''۔اس نے ڈرائیور سے کہا۔

''میں سمجھتا ہوں کہ اس کی قربت بچے کے لئے اچھی نہیں۔وہ گھر کے اصولوں کا خیال نہیں رکھتی''۔

''تم کن اصولوں کی بات کررہے ہو؟''رابرٹ نے کہا۔

''سر......میں زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا''۔

''لیکن میں جاننا چاہتا ہوں''۔

''ہمارا اصول ہے کہ تمام ملازم کھانا ساتھ کھاتے ہیں اور برتن باری باری دھوتے ہیں''۔

رابرٹ نے کن انکھیوں سے بیوی کو دیکھا۔ہورٹن کی شکایت اسے سنگین نہیں لگ رہی تھی۔

''لیکن مسز بے لاک ہمارے ساتھ کھانا نہیں کھاتی۔ہم سب کھانا کھا چکیں تو وہ نیچے آتی ہے اور اکیلی بیٹھ کر کھانا کھاتی ہے''۔

''اور......یہ تو بری بات ہے''۔رابرٹ نے بناوٹی فکرمندی سے کہا۔

''اور وہ برتن کبھی نہیں دھوتی۔اس کے جھوٹے برتن ہمیشہ ہم لوگ دھوتے ہیں......باری باری''۔

''ہم اس سے بات کریں گے اس سلسلے میں''۔

''پھر ایک اصول ہے کہ رات کو لائٹس آف ہونے کے بعد کسی ملازم کو اپنے کمرے سے نہیں نکلنا چاہئے''۔ہورٹن نے مزید کہا۔''لیکن میں نے بارہا آدھی رات کے بعد اسے جنگل میں جاتے دیکھا ہے اور ایسے میں وہ دبے پاؤں چلتی ہے جیسے سب سے چھپ کر جارہی ہو''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اس بار رابرٹ اور کیتھی دونوں سوچ میں پڑ گئے۔ ان کی آنکھوں میں الجھن تھی۔ ’’یہ تو واقعی عجیب بات ہے‘‘۔ رابرٹ بڑبڑایا۔

’’اور معاف کیجئے گا۔ اب جو میں کہوں گا، وہ کہنا نامناسب معلوم ہوتا ہے، مگر بات ہی کچھ ایسی ہے‘‘۔ ہورٹن بولا۔ ’’سب ملازم جانتے ہیں کہ وہ ٹوائلٹ پیپر استعمال نہیں کرتی۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نا۔ جب سے وہ آئی ہے، اس کے باتھ روم میں ٹوائلٹ پیپر کا رول ویسے کا ویسا ہی ہے۔ اتنے عرصے میں ہم سب تین چار رول ٹوائلٹ پیپر کے تبدیل کر چکے ہیں‘‘۔

عقبی سیٹ پر رابرٹ اور کیتھی کے درمیان پھر نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔ کہانی کی پراسراریت بڑھتی جا رہی تھی۔

’’میں تو دو جمع دو چار والا آدمی ہوں جناب۔ میرا خیال ہے، وہ جنگل میں حوائج ضروریہ سے فارغ ہوتی ہے اور میرے خیال میں یہ بدتہذیبی ہے۔ وہ خود ایسی ہے تو آپ کے بیٹے کو کیا سکھائے گی‘‘۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ رابرٹ اور کیتھی حیران تھے۔

’’ایک اور بات ہے جناب، جو مجھے بہت غلط لگتی ہے‘‘۔

’’وہ بھی بتا دو ہورٹن‘‘۔ رابرٹ نے کہا۔

’’وہ ٹیلی فون استعمال کرتی ہے......اور وہ بھی ٹرنک کالز کے لئے۔ وہ روم فون کرتی ہے‘‘۔

اپنی پوری بات کہہ کے ہورٹن ڈرائیونگ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ایک جگہ موقع ملا تو اس نے گاڑی آگے نکال لی۔ رابرٹ اور کیتھی اس کی باتوں پر غور کر رہے تھے۔ بار بار وہ ایک دوسرے کو دیکھتے۔

’’آج اس کا رویہ کھلم کھلا گستاخانہ تھا‘‘۔ بالآخر کیتھی نے کہا۔

’’تم اسے نکالنا چاہتی ہو؟‘‘

’’میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ تم اپنی بتاؤ‘‘۔

رابرٹ نے کندھے جھٹک دیئے۔ ’’میرے خیال میں ڈیمین اس سے بہت مانوس ہو چکا ہے‘‘۔

’’میں جانتی ہوں‘‘۔

’’اور اس بات کی ایک اہمیت ہے‘‘۔

’’ہاں۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو‘‘۔ کیتھی نے سرد آہ بھر کے کہا۔

’’لیکن تم چاہو تو اسے جواب دے دو‘‘۔

کیتھی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ ’’ممکن ہے، وہ خود ہی چلی جائے‘‘۔

ڈیمین ان دونوں کے درمیان بیٹھا کار کے فرش کو تک رہا تھا۔ اس کی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔

گاڑی بہت آہستہ آہستہ اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی۔

آل سینٹس چرچ ایک بہت بڑا چرچ تھا......سترہویں صدی کے طرز تعمیر کا نمونہ، جس میں اٹھارویں، انیسویں اور بیسویں صدی کی جھلکیاں بھی شامل ہو گئی تھیں۔ کیونکہ اس میں مسلسل اضافے ہوتے رہے تھے، سامنے والا بہت بڑا اور بھاری دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ دن ہو یا رات، اندر ہمیشہ روشنی رہتی تھی۔

شادی کی یہ تقریب بڑی تقریب تھی، چرچ کی سڑک کے اطراف میں عوام الناس کا ہجوم تھا، بعض لوگوں کے ہاتھوں میں پلے کارڈ تھے، جن پر کمیونسٹ پارٹی کے حق میں نعرے لکھے تھے۔ ان میں ہر طبقے کے لوگ تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ اس تقریب میں بڑے لوگ آئیں گے۔ وہ ان کے دیدار کے لئے بھی آئے تھے، اس کے نتیجے میں ٹریفک اور سست ہو گیا تھا۔ سڑک پر گاڑیوں کی ایک قطار تھی، جو رک رک کر چل رہی تھی۔ جو گاڑی گیٹ کے سامنے پہنچتی، وہ رکتی، لوگ اترتے اور گاڑی آگے بڑھ جاتی اور دوسری گاڑی آگے آ جاتی۔

وہ لوگ دیر سے نکلے تھے۔ اس لیے ان کی گاڑی بہت پیچھے تھی۔ اس وقت وہ ایک بلاک پیچھے تھے۔ یہاں سیکورٹی والے زیادہ نہیں تھے۔ لہٰذا کار کے گرد لوگ جمع ہو گئے تھے اور وہ بڑی ڈھٹائی اور دیدہ دلیری سے کار کے اندر جھانک رہے تھے۔ کار چیونٹی کی رفتار سے رینگ رہی تھی۔ تماشائیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔

ڈیمین اس دوران اونگھتا رہا تھا، اب اچانک اس کی آنکھ کھلی اور اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ جھانکتے ہوئے لوگوں کو دیکھ کر وہ چونکا اور گھبرا گیا۔ کیتھی نے اسے خود سے قریب کر لیا اور سامنے دیکھنے لگی۔

باہر لوگوں کی تعداد بڑھ گئی اور ساتھ ہی دھکم پیل شروع ہو گئی۔ ایک شخص نے جو حلیے سے لفنگا لگ رہا تھا، کھڑکی کے شیشے کو تھپتھپانا شروع کر دیا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ کار میں گھسنا چاہ رہا تھا۔

کیتھی سہم گئی اور بدن چرانے لگی۔ وہ شخص اسے دیکھ کر وحشیانہ انداز میں ہنسنے لگا۔

’’خدا کی پناہ۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟‘‘ کیتھی نے گھبرا کر کہا۔

’’اس پورے بلاک میں ٹریفک جام ہے‘‘۔ ہورٹن بولا۔

’’تم کسی طرح گاڑی نکال نہیں سکتے‘‘۔

’’گاڑی سے گاڑی جڑی ہوئی ہے میڈم‘‘۔

باہر سے شیشے کو تھپتھپانے کی آواز اور بلند ہو گئی تھی۔ کیتھی نے گھبرا کر آنکھیں موند لیں۔ جیسے اس طرح سماعت کے دروازے بھی بند ہو جائیں گے۔

’’ارے ادھر دیکھیں......کمیونسٹ‘‘۔ ہورٹن بولا۔

’’ہم یہاں سے نکل نہیں سکتے کسی طرح؟‘‘ کیتھی کے لہجے میں التجا تھی۔

ادھر ڈیمین کی آنکھوں سے خوف جھلکنے لگا۔ ماں کو خوف زدہ دیکھ کر وہ بری طرح ڈر گیا تھا۔

’’سب ٹھیک ہے بیٹے......سب ٹھیک ہے‘‘۔ رابرٹ نے بچے کو چمکارا۔ ’’یہ لوگ ہمیں تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔ یہ بس دیکھنا چاہتے ہیں کہ اندر کون کون ہے‘‘۔

لیکن بچے کی آنکھیں پھیلتی جا رہی تھیں اور اس کی نظریں لوگوں پر نہیں تھیں۔ بلکہ وہ اوپر......کافی اوپر کچھ دیکھ رہا تھا......اور جو کچھ دیکھ رہا تھا، اس نے اسے دہشت زدہ کر دیا تھا۔

رابرٹ تھورن نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ اسے چرچ کے میناروں کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔

’’ڈیمین ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تھوڑی دیر میں ہم چرچ کے اندر ہوں گے‘‘۔

لیکن ڈیمین کی آنکھوں میں دہشت کا تاثر ہر گزرتے لمحے کے ساتھ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ اس کا جسم تن گیا......اور جیسے جیسے چرچ کا ٹاور قریب آتا محسوس ہو رہا تھا، اس کے جسم کا تناؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

’’ڈیمین......بیٹے......‘‘ رابرٹ نے پکارا۔ پھر اس نے اشارے سے کیتھی کو اس کی طرف توجہ دلائی۔ ڈیمین کا چہرہ جیسے پتھرا گیا تھا۔

اب لوگ پیچھے رہ گئے تھے اور چرچ بالکل سامنے آ گیا تھا۔

’’ڈیمین، اب ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ اب یہاں کوئی نہیں ہے، ہم چرچ پہنچ گئے ہیں‘‘۔ کیتھی نے بچے کا رخسار تھپتھپایا۔

لیکن بچے کی آنکھیں چرچ پر جمی تھیں اور ہر لمحہ پھیلتی جا رہی تھیں۔

’’کیا ہوا ہے اسے؟‘‘ رابرٹ نے پوچھا۔

’’پتا نہیں‘‘۔ کیتھی نے کہا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''کیا بات ہے ڈیمین؟'' رابرٹ نے بچے کو چمکارا۔

کیتھی نے ڈیمین کی طرف ہاتھ بڑھایا، جسے ڈیمین نے دبوچ لیا۔ وہ ماں کی آنکھوں میں گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دہشت تھی۔ ''یہ تو بری طرح دہشت زدہ ہے''۔ کیتھی نے کہا۔ پھر وہ ڈیمین کی طرف مڑی۔ ''کیوں ڈر رہے ہو؟ یہ تو چرچ ہے بیٹے''۔

یہ سن کر تو ڈیمین ہانپنے لگا۔ اس کے ہونٹ سپید پڑ گئے تھے، آنکھوں میں کھلی دہشت تھی۔

''مائی گاڈ''۔ کیتھی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

''اس کی طبیعت خراب ہو رہی ہے''۔ رابرٹ بھی گھبرا گیا۔

''اس کے ہاتھ پاؤں برف کی طرح ٹھنڈے ہو رہے ہیں''۔

لیموزین اچانک چرچ کے گیٹ کے سامنے رک گئی۔ دروازہ کھولا گیا اور چرچ کے باوردی خدمت گار نے ڈیمین کو اتارنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اس لمحے ڈیمین کی دہشت انتہا کو پہنچ گئی۔ اس نے کیتھی کا لباس مٹھی میں دبوچا اور اس سے چپک گیا۔ اب وہ دہشت بھری آواز میں رو رہا تھا۔

''ڈیمین...... کیا کر رہے ہو؟'' کیتھی چلائی۔ ''کیا ہو گیا ہے تمہیں؟'' اس نے ڈیمین کو الگ کرنے کی کوشش کی۔ مگر ڈیمین اور شدت سے اس سے لپٹ گیا۔

''رابرٹ...... کچھ کرو''۔ کیتھی نے رابرٹ سے کہا۔

''ڈیمین''۔ رابرٹ چلایا۔

''ارے...... یہ تو میرے کپڑے پھاڑ رہا ہے''۔

رابرٹ نے بچے کو تھام کر زبردستی الگ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن بچہ ماں کو چھوڑنے کے لئے تیار ہی نہیں تھا، اب وہ ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔ کیتھی کے بال اس کی مٹھی میں آ گئے اور کیتھی کے چہرے پر خراشیں پڑ گئیں۔

''خدایا...... مدد!'' کیتھی گھبرا کر چلائی۔

''ڈیمین...... چھوڑو ممی کو...... چھوڑ دو''۔ رابرٹ اسے کیتھی سے الگ کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا۔

پھر اچانک ڈیمین دہشت سے چلانے لگا...... گلا پھاڑ کر۔ لوگ جمع ہو گئے۔ اب سب اسے قابو کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہورٹن بھی بچے کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن بچہ تو وحشی جانور بن گیا تھا۔ وہ ماں کا منہ نوچ رہا تھا۔ دوسری طرف اس کے ہاتھ میں ماں کے بالوں کا ایک گچھا تھا۔

''اسے ہٹاؤ...... کوئی ہٹاؤ اسے''۔ کیتھی بھی دہشت زدہ ہو گئی تھی۔ اسی لمحے ڈیمین کی انگلی اس کی آنکھ میں گھسی۔ کیتھی نے گھبرا کر بلا ارادہ اسے مارنا شروع کر دیا۔ رابرٹ نے جیسے تیسے اسے کیتھی سے الگ کیا اور اسے سینے سے بھینچ لیا۔

''گاڑی چلاؤ...... آگے بڑھاؤ''۔ رابرٹ نے چیخ کر ہورٹن سے کہا۔ یہ کہہ کر وہ بچے کو دبوچے ہوئے لپک کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

بچہ اب بھی ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔ رابرٹ نے جلدی سے دروازہ بند کیا۔ ہورٹن نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اب گاڑی بہت تیزی سے چرچ سے دور ہو رہی تھی۔

''مائی گاڈ...... مائی گاڈ''۔ کیتھی دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بری طرح سسک رہی تھی۔

گاڑی جیسے جیسے چرچ سے دور ہو رہی تھی، بچے کا جسم ڈھیلا پڑتا جا رہا تھا۔ پھر اس کا سر ایک طرف ڈھے گیا۔ وہ اتنا نڈھال ہو چکا تھا کہ اب اس میں ہلنے کی سکت بھی نہیں تھی۔ اس کا چہرہ پسینے میں تر تھا۔ رابرٹ اب بھی اس کے ہاتھوں کو قابو میں کیے بیٹھا تھا۔ کیتھی جیسے شاک میں تھی، اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے پر خراشیں تھیں، ایک آنکھ اس حد تک متورم تھی کہ تقریباً بند ہو گئی تھی۔

پری فورڈ پہنچتے ہی رابرٹ نے ڈیمین کو اس کے کمرے میں پہنچایا۔ پھر وہ اس کے پاس بیٹھ کر خاموشی سے کھڑکی کے باہر دیکھتا رہا۔ بچہ اب شاید اپنے کیے پر خوف زدہ تھا۔ وہ باپ سے نظریں نہیں ملا رہا تھا۔ کیتھی بھی وہیں بیٹھی تھی۔

مسز بےلاک کمرے میں داخل ہوئیں۔ ''آپ جائیں۔ میں اسے سنبھال لوں گی''۔ اس نے رابرٹ سے کہا۔

اس کی آواز سن کر ڈیمین نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ اسے دیکھتے ہی اس کی کیفیت بدل گئی۔ وہ ایک دم پرسکون ہو گیا۔

''یہ وہاں دہشت زدہ ہو گیا تھا''۔ کیتھی نے آیا کو بتایا۔

''یہ چرچ جانا پسند نہیں کرتا''۔ مسز بےلاک نے کہا۔ ''یہ پارک جانا چاہتا تھا''۔

''یہ بالکل...... بالکل جانور بن گیا تھا''۔ رابرٹ بولا۔

''اسے غصہ تھا''۔ مسز بےلاک نے کہا اور بڑھ کر ڈیمین کو گود میں اٹھا لیا۔ ڈیمین اس سے لپٹ گیا، جیسے کوئی بچہ اپنی ماں سے لپٹتا ہے۔ رابرٹ اور کیتھی نے خاموشی سے وہ منظر دیکھا...... اور پھر ایک ساتھ کمرے سے نکل گئے۔

....................☆....................

''میں کہہ رہا ہوں، کوئی گڑبڑ ہے...... بڑی گڑبڑ''۔ ہورٹن نے اپنی بیوی سے کہا۔

رات کا وقت تھا اور وہ دونوں کچن میں تھے۔ ہورٹن چرچ جانے اور آنے کا احوال سنا رہا تھا اور اس کی بیوی بڑی توجہ سے سن رہی تھی۔

''یہ مسز بےلاک مجھے ٹھیک نہیں لگتی''۔ ہورٹن نے کہا۔ ''اور اس بچے کے ساتھ بھی کوئی ٹیڑھا معاملہ ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ یہ مکان ہی اچھا نہیں ہے''۔

''تم کچھ زیادہ ہی وہم کر رہے ہو''۔ اس کی بیوی بولی۔

''تم میری بات کیسے سمجھ سکتی ہو۔ تم نے وہ سب کچھ دیکھا جو نہیں''۔

''ارے بچے ضد بھی کرتے ہیں...... مچلتے بھی ہیں''۔

''مگر وہ حیوان کی ضد تھی...... ایک بپھرے ہوئے حیوان کی''۔

''بچہ توانائی سے بھرپور ہے۔ بس اتنی سی بات ہے''۔

''ایسا کب سے ہے؟ سوچ کر بتاؤ''۔

اس کی بیوی نے سر جھٹکا، جیسے اس بات کو اہمیت دینے کیلئے تیار نہ ہو۔ اس نے فریج کھول کر سبزیاں نکالیں اور انہیں کاٹنے لگی۔

''تم نے کبھی اس کی آنکھوں میں دیکھا ہے''۔ ہورٹن نے کہا۔ ''وہ کسی جانور کی آنکھیں لگتی ہیں...... گھورتی ہوئی منتظر اور چوکنی آنکھیں۔ انہیں دیکھ کر لگتا ہے کہ جو کچھ اسے معلوم ہے، وہ ہم نہیں جانتے۔ وہ جہاں جا چکا ہے، ہم نے وہ جگہ کبھی دیکھی ہی نہیں۔ وہ بہت جاننے والی، باخبر آنکھیں ہیں''۔

''تم ہانکنے پر آؤ تو ہانکتے ہی چلے جاتے ہو''۔

''اچھا...... خود دیکھ لینا۔ میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ یہاں ایسا کچھ ہو رہا ہے، جو بہت برا ہے''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''دنیا میں ہر جگہ ہی کچھ نہ کچھ برا ہو رہا ہے''۔اس کی بیوی نے بے پروائی سے کہا۔

''بہر حال مجھے یہ اچھا نہیں لگتا۔میں سوچ رہا ہوں کہ ہمیں یہاں سے رخصت ہو جانا چاہئے''۔ہورٹن کے لہجے میں سنگینی تھی۔

عین اس وقت رابرٹ اور کیتھی اوپری منزل کے برآمدے میں بیٹھے تھے۔ڈیمین سو چکا تھا۔وہ دونوں اندھیرے میں بیٹھے کلاسیکی موسیقی کے ریکارڈ سن رہے تھے۔وہ دونوں خاموش تھے،کیتھی کا چہرہ متورم تھا اور وہ بار بار آئی واش کا ٹکور کر رہی تھی۔اس کی آنکھ کی سوجن ذرا کم ہو گئی تھی۔

اس واقعے کے متعلق انہوں نے آپس میں کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔بس انہیں ایک دوسرے کی قربت کا احساس تھا۔وہ دونوں جس خوف سے دوچار تھے،والدین اس طرح کے خوف میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں،جب انہیں پہلی بار اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ان کے بچے کے ساتھ کوئی سنگین مسئلہ ہے۔جب تو وہ خاموش رہتے ہیں،وہ خوف ایک وہم سا لگتا ہے اور اس پر بات کریں تو وہی خوف حقیقی بن جاتا ہے......زندہ حقیقت!

سو وہ دونوں بھی خاموش تھے......اس موضوع پر بات کرنے سے گریزاں!

''تمہارے خیال میں ڈاکٹر کو بلانے کی ضرورت نہیں؟'' بالآخر رابرٹ نے خاموشی ختم کی۔

کیتھی نے جواب نہیں دیا۔بس نفی میں سر ہلا دیا۔

''سوچ لو''۔

''ارے نہیں،معمولی سی خراشیں ہیں''۔

''میں تمہارے لیے نہیں،ڈیمین کے لیے پوچھ رہا ہوں''۔

کیتھی کندھے جھٹک کر رہ گئی۔''ہم ڈاکٹر کو بتائیں گے کیا؟''

''ہمیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔بس اس کا معائنہ کرا لیں گے''۔رابرٹ نے کہا۔

''معائنہ تو پچھلے مہینے ہی ہوا ہے،وہ پوری طرح صحت مند ہے،بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ کبھی ایک دن بھی بیمار نہیں پڑا''۔

رابرٹ نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔وہ بھی یہی سوچ رہا تھا۔''واقعی......یہ تو ہے،عجیب سی بات ہے،ہے نا؟''

''تمہیں عجیب لگتا ہے''۔

''ہاں،مجھے تو عجیب لگتا ہے''۔

رابرٹ کا لہجہ عجیب سا تھا۔کیتھی نے چونک کر اسے دیکھا۔''کیا مطلب؟''

''نہ خسرہ،نہ چیچک۔بلکہ اسے تو کھانسی نزلہ بھی کبھی نہیں ہوا،سچ تو یہ ہے کہ اسے کبھی چھینک تک نہیں آئی''۔

''تو؟'' کیتھی کا لہجہ مدافعانہ تھا۔

''میں کہہ......میرا مطلب ہے،یہ غیر معمولی بات ہے''۔

''مجھے تو ایسا نہیں لگتا''۔

''مجھے لگتا ہے''۔

''ہمارا بچہ بچوں کی انتہائی صحت مند قسم سے تعلق رکھتا ہے''۔

رابرٹ چونکا اور ساکت ہو گیا۔سینے میں جیسے سخت سی گرہ پڑ گئی ہو۔راز اب بھی اس کے سینے میں محفوظ تھا۔وہ کبھی یہ بات نہیں بھولا تھا کہ ڈیمین اس کی اولاد نہیں ہے۔لیکن اس کے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں تھا،اس نے وہی کیا جو اسے کرنا چاہئے تھا۔اسے دھوکہ نہیں کہا جا سکتا۔یہ فریب دہی ہرگز نہیں ہے اور اس کے نتیجے میں ان کی زندگی میں کتنی بہت سی خوشیاں آئی تھیں۔مگر آج اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ سازگار وقت میں راز کو راز رکھنا مشکل نہیں ہوتا۔لیکن اب......اس کے اندر وہ راز مچل رہا تھا......زبان پر آنے کے لیے،کھلنے کے لیے۔

''دیکھو......اگر تمہارے یا میرے ساتھ کبھی کوئی نفسیاتی مسئلہ رہا ہوتا،کوئی ذہنی اختلال رہا ہوتا تو میں آج کے واقعے کے بعد ضرور فکر مند ہوتی۔مگر ایسی کوئی بات نہیں ہے''۔

رابرٹ نے غور سے اسے دیکھا......اور پھر نظریں چرانے لگا۔

''میں سوچتی رہی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ہمارا بچہ صحت مند ہے۔اس کی ددھیال اور ننھیال دونوں میں صحت مندی قابل رشک رہی ہے''۔

رابرٹ نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا،نظر اٹھانے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

''بس وہ ڈر گیا تھا اور ڈرنا بچوں کے لئے بالکل فطری ہے''۔

رابرٹ نے اثبات میں سر ہلایا۔وہ پیشانی ملنے لگا۔وہ کیتھی کو حقیقت بتانے کے لیے بے تاب ہو رہا تھا۔وہ راز پر سے پردہ ہٹانا چاہتا تھا،لیکن اسے احساس تھا کہ بہت دیر ہو چکی ہے۔کیتھی سب کچھ جاننے کے بعد اس سے نفرت ہی کرے گی۔ممکن ہے،اسے بچے سے بھی نفرت ہو جائے۔نہیں......اب بتایا نہیں جا سکتا۔اس نے سوچا۔

''میں مسز بےلاک کے بارے میں سوچتی رہی ہوں''۔اچانک کیتھی نے کہا۔

''کیا؟''

''یہی کہ اسے نکالنا ٹھیک نہیں ہوگا''۔

''آج تو اس کا رویہ بہت اچھا تھا''۔

''ممکن ہے،ڈیمین نے وہ باتیں سن لی ہوں جو ہورٹن اور ہم مسز بےلاک کے بارے میں کر رہے تھے''۔کیتھی نے پرخیال لہجے میں کہا۔''اور جو کچھ ہوا،وہ اسی کا ردعمل ہو''۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو''۔رابرٹ نے تائید کی۔

بات واقعی سمجھ میں آنے والی تھی۔اس خیال نے کہ مسز بےلاک کو نکالا جا سکتا ہے،ڈیمین کو عدم تحفظ میں مبتلا کیا ہوگا......اور اس کے نتیجے میں وہ خوف زدہ ہو گیا ہوگا۔بظاہر تو وہ نہیں سن رہا تھا،مگر عجب نہیں کہ وہ سر جھکائے سب کچھ غور سے سن رہا ہو اور مسز بےلاک سے بچھڑنے کے خیال نے اسے دہشت زدہ کر دیا ہو۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو''۔رابرٹ نے دہرایا۔اس کے لہجے میں امید تھی۔

''میں سوچتی ہوں کہ اسے اور ذمے داریاں سونپ دوں''۔کیتھی نے کہا۔''اس طرح کچھ وقت وہ گھر سے دور بھی رہے گی''۔

''کیسی ذمے داریاں؟''

''شام کو سودا سلف لانے کے لیے اسے بھیجوں......اور خود وہ وقت ڈیمین کے ساتھ گزاروں''۔

'اب سودا کون لاتا ہے؟''

''مسز ہورٹن''۔

''یہ بات......یہ تبدیلی مسز ہورٹن کو بری تو نہیں لگے گی؟''

''پتا نہیں۔لیکن میں ڈیمین کے ساتھ زیادہ وقت گزارنا چاہتی ہوں''۔

''میرے خیال میں یہ سوچ عقل مندانہ ہے''۔

کیتھی نے منہ پھیر لیا۔چند لمحے رابرٹ کو ایسا لگا کہ سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے،مگر پھر اس نے دیکھا کہ کیتھی رو رہی ہے۔اسے روتا دیکھ کر اس کا دل کٹنے لگا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

وہ بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ کچھ بھی تو نہیں کر سکتا تھا اس کے لئے!

''تم نے ٹھیک سمجھا کیتھی''۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''ڈیمین نے ہماری گفتگو سن لی تھی۔ یہی حقیقت ہے، سیدھی سی بات ہے''۔

''کاش یہی بات ہو''۔ کیتھی کی آواز لرز رہی تھی۔

''میں بتا رہا ہوں، یہی بات ہے''۔

کیتھی نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ اس کے آنسو رک گئے تھے، پھر وہ اٹھی اور اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ ''میرے خیال میں ایک سخت دن گزارنے کے بعد جلدی سو جانے میں ہی عافیت ہے۔ میں سونے جا رہی ہوں''۔

''میں کچھ دیر یہاں بیٹھوں گا''۔ رابرٹ نے کہا۔

کیتھی رابرٹ کو اپنی سوچوں میں گھرا چھوڑ کر اندر چلی گئی۔

رابرٹ اب جنگل کی سمت دیکھ رہا تھا۔ لیکن درحقیقت وہ کچھ بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے تصور میں روم کا وہ اسپتال تھا، جہاں ڈیمین اسے ملا تھا۔ اس نے وہاں کھڑکی کے پاس خود کو کھڑے دیکھا۔ وہ فادر سے بچہ لینے کے سلسلے میں رضامندی ظاہر کر رہا تھا۔ آخر اس نے فادر سے بچے کی ماں کے بارے میں کیوں نہیں پوچھا؟ کہاں سے آئی تھی وہ؟ اور بچے کا باپ کون تھا؟ اور باپ وہاں موجود کیوں نہیں تھا؟ وہ پچھلے چار برس میں بھی یہ سب سوچتا رہا تھا...... اور اس نے کچھ مفروضوں کی تھپکی سے خود کو بہلا لیا تھا۔ ممکن ہے، بچے کی ماں کوئی دہقان لڑکی ہو اور چرچ سے اس کا تعلق ہو اور اسی وجہ سے وہ کیتھولک چرچ کے اسپتال میں زچگی کے لیے آئی ہو۔ ورنہ وہ اسپتال بہت مہنگا تھا اور ممکن ہے کہ وہ خود بھی یتیم ہو...... نہ ماں باپ، نہ رشتے دار اور عجب نہیں کہ وہ بن بیاہی ماں ہو۔ اس سے بچے کے باپ کا وہاں موجود نہ ہونا سمجھ میں آتا ہے اور جاننے کو کیا تھا؟ کچھ بھی نہیں! اور فرق بھی کچھ نہیں پڑتا تھا۔ بچہ خوب صورت اور صحت مند تھا اور ہر اعتبار سے مکمل اور نارمل۔

رابرٹ نہ تو خود پر شک کرنے والا آدمی تھا نہ ہی اسے خود کو الزام دینے کی عادت تھی۔ اس وقت بھی اس کا ذہن دلیلیں تلاش کر رہا تھا کہ اس نے جو کچھ کیا، درست تھا۔ اس وقت وہ الجھا ہوا بھی تھا اور مایوس بھی۔ اس وقت وہ باطنی طور پر کمزور ہو رہا تھا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ مجھ سے غلطی ہوئی...... میں نے غلط فیصلہ کیا؟ کیا مجھے سب کچھ معلوم کرنا چاہیے تھا؟

اب ان سوالوں کے جواب ملنا ممکن نہیں تھا۔ صرف چند افراد کو اس معاملے کا علم تھا اور اب ان میں سے کون کہاں تھا، کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان جاننے والوں میں سسٹر ٹریسا تھی، فادر اسپلیٹو تھا اور فادر ٹیسون تھا۔ صرف تین افراد! اور اب نجانے وہ کہاں ہوں گے؟

..................☆..................

اس طویل رات کی تاریکی میں وہ بے حد خاموشی سے اپنے کام میں مصروف تھے، وہ دل و جان سے کام کر رہے تھے، اس احساس کے تحت کہ انہیں اس کام کے لیے منتخب کر کے درحقیقت ایک بڑا اعزاز دیا گیا ہے۔ کرۂ ارض کی پوری تاریخ میں اس سے پہلے صرف دو بار یہ کوشش کی گئی تھی اور ناکام ہو گئی تھی۔ ان تینوں کو احساس تھا کہ اس بار ناکامی نہیں ہونی چاہیے۔

اب سب کچھ بس ان تینوں کے ہاتھ میں تھا۔ سب کچھ مقررہ وقت پر ہوا تھا اور کسی کو پتا نہیں چلا تھا۔ ولادت کے بعد سسٹر ٹریسا نے نومولود کے ماتھے، بازو اور جسم سے بال صاف کیے اور اس کے جسم پر خوشبودار پاؤڈر لگا کر بدبو کو دبانے کی کوشش کی۔ تاکہ جب وہ رابرٹ تھورن کے سامنے پیش کیا جائے تو قابل قبول لگے۔ بچے کے سر پر بہت گھنے بال تھے اور وہ بہت موٹے اور کھڑے بال تھے۔ سسٹر ٹریسا نے ہیئر ڈرائر سے انہیں سیٹ کیا، ساتھ ہی اس نے بالوں کے درمیان کھوپڑی پر اس کے برتھ مارک کو چیک کیا۔ وہ موجود تھا، لیکن آسانی سے نظر آنے والا نہیں تھا۔

یہ طے تھا کہ رابرٹ تھورن ٹریسا اور فادر ٹیسون سے کبھی نہیں مل سکے گا۔ ولادت کے وقت فادر ٹیسون نیچے تہہ خانے میں مصروف تھا، جہاں دونوں لاشوں کو تابوت میں رکھ کر بھجوانے کی تیاری کی جا رہی تھی۔ پہلی لاش رابرٹ تھورن کے بچے کی تھی، پہلی آواز نکالنے سے پہلے ہی ہمیشہ کے لیے خاموش کرا دیا گیا تھا۔ دوسری لاش جانور کی تھی، جسے ایک انسانی بچے کی ماں بننا پڑا تھا...... وہ اس بچے کی ماں تھی، جو زندہ تھا اور جسے رابرٹ تھورن کو سونپا جانا تھا۔

باہر ایک ٹرک کھڑا تھا، جو ان لاشوں کو سرویٹری لے کر جاتا، جہاں سینٹ انجلو کے قبرستان میں گورکن ان کے لیے قبریں کھودنے کے بعد لاشوں کی آمد کے منتظر تھے۔

یہ منصوبہ شیطان کے پیروکاروں نے بنایا تھا اور اسپلیٹو اس کا انچارج تھا۔ بڑی احتیاط کے ساتھ اس نے اپنے دو معاونین کا انتخاب کیا تھا۔ سسٹر ٹریسا سے تو وہ پوری طرح مطمئن تھا۔ یعنی آخری لمحوں میں ٹیسون نے اسے فکرمند کر دیا تھا۔ پستہ قد اور منحنی عالم منصوبے کے ساتھ جوشیلے پن کی حد تک مخلص تھا۔ لیکن اس کے یقین کی بنیاد صرف خوف پر تھی۔ آخری دن وہ ایسے ڈانواں ڈول ہوا کہ اسپلیٹو پریشان ہو گیا۔ ٹیسون خود کو پرعزم ظاہر کر رہا تھا۔ لیکن اصل میں وہ بس خود کو اس کام کا اہل ثابت کرنے کے لیے یہ سب کچھ کر رہا تھا۔ وہ یقین سے محروم تھا، جو کچھ وہ کر رہے تھے، وہ اس کی اہمیت بھول بیٹھا تھا۔ وہ صرف اپنی ذمے داری کے حوالے سے ملنے والی اپنی اہمیت پر غور کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اسپلیٹو اس حد تک بددل ہوا کہ اس نے اسے ٹیم سے نکالنے کا ارادہ کر لیا۔ کیونکہ ان میں سے کوئی ایک بھی ناکام ہو جاتا تو ناکامی کا ذمے دار تینوں کو ٹھہرایا جاتا اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ منصوبہ ناکام ہو جاتا تو ایک ہزار سال بعد ہی وہ اگلی کوشش کر سکتے تھے۔ ایک ہزار سال!

لیکن آخر میں ٹیسون نے خود کو اہل ثابت کر دیا۔ بلکہ اس نے ایک غیر متوقع بحران پر بڑی مستعدی سے قابو پایا۔ بچہ ابھی مرا نہیں تھا۔ کریٹ میں سے اس کی آواز سنائی دی تھی۔ اس وقت کریٹ کو ٹرک میں رکھا جا رہا تھا۔ ٹیسون کریٹ اٹھا کر دوبارہ اسے اسپتال کے تہہ خانے میں لے گیا۔ وہاں اس نے اس امر کو یقینی بنا دیا کہ اب بچے کی آواز کبھی بلند نہیں ہوگی۔ اس کارکردگی نے اسے اندر سے ہلا کر رکھ دیا۔ لیکن بہرحال اہمیت اس بات کی تھی کہ اس نے کام کر دیا۔

اس رات اسپتال میں سب کچھ نارمل تھا۔ ڈاکٹر اور نرسیں اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ کسی کو شبہ بھی نہیں ہوا کہ ان کے درمیان کچھ ہو رہا ہے۔ جو کچھ ہوا تھا، وہ اتنی رازداری اور درستی کے ساتھ کیا گیا تھا کہ رابرٹ تھورن سمیت کسی کو اندازہ تک نہیں ہوا۔

..................☆..................

جنگل کی طرف دیکھتے ہوئے رابرٹ کو احساس ہوا کہ اب اس جنگل سے اسے خوف کا احساس نہیں ہو رہا ہے۔ پہلے تو اسے لگتا تھا کہ وہاں موجود کوئی چیز اسے بہت بری نظروں سے گھور رہی ہے۔ لیکن اس وقت جنگل پرسکون لگ رہا تھا۔ وہاں پہلے جیسا سناٹا بھی نہیں تھا۔ جھینگر بول رہے تھے اور مینڈک ٹرا رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ جنگل میں زندگی معمول پر آ گئی ہے۔

ادھر دیکھتے دیکھتے اچانک رابرٹ کی نظر ڈیمین کے کمرے کی کھڑکی کی طرف اٹھ گئی۔ وہاں نائٹ بلب روشن تھا۔ رابرٹ نے سوتے ہوئے پرسکون بچے کا تصور کیا۔ ایک خوف زدہ کر دینے والے دن کا یہ اختتام بہت مناسب ہوتا کہ وہ اپنے بچے کو سکون سے سوتے ہوئے دیکھ لے۔

اس نے سوئچ آف کر کے اندھیرا کیا اور باہر راہداری میں نکل آیا۔

باہر اندھیرا تھا اور ہوا کی سنسناہٹ کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔ وہ اندازے سے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ چند لمحے اس نے ٹٹول کر لائٹ کا سوئچ تلاش کرنے کی کوشش کی، وہ نہیں ملا تو وہ اندھیرے میں ہی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ وہ لینڈنگ پر پہنچ گیا۔ اسے احساس ہوا کہ مکان میں ایسا اندھیرا تو کبھی نہیں ہوتا۔

وہ دیوار کے ساتھ لگ کر آہستہ آہستہ بڑھتا رہا۔ پھر اس کا ہاتھ سوئچ پر پڑا۔ اس نے سوئچ دبایا۔ لیکن روشنی نہیں ہوئی۔ وہ اس اندھیرے میں ہی آگے بڑھ گیا، ایک موڑ مڑنے کے بعد وہ بڑے ہال میں پہنچ گیا۔

سامنے اسے ڈیمین کا کمرا نظر آیا۔ دروازے کی نچلی درز سے روشنی کی لکیر سی باہر آ رہی تھی۔ لیکن وہ اچانک اپنی جگہ جم کر رہ گیا۔ کیونکہ اسے ایسا لگا کہ اس نے کوئی آواز سنی ہے، وہ ہلکی سی غراہٹ سے مشابہ آواز تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے پہچان پاتا، وہ معدوم ہو گئی۔ اب پھر خاموشی تھی۔

اس نے قدم بڑھانے کا ارادہ کیا۔ اسی لمحے وہ آواز پھر سنائی دی۔ اس بار آواز زیادہ بلند تھی۔ اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ پھر اس کی نظریں اٹھیں...... اور اسے وہ آنکھیں نظر آئیں، اس کے منہ سے گھٹی گھٹی چیخ نکلی اور اس نے خود کو دیوار سے چپکا لیا۔

غراہٹ کی آواز اور زیادہ بلند ہو گئی۔ پھر اندھیرے میں اچانک ایک جسیم کتا نمودار ہوا اور بچے کے دروازے کے آگے تن کر کھڑا ہو گیا۔

رابرٹ تھورن جیسے پتھر کا بت بن گیا۔ کتے کی غراہٹ بھی بڑھ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں سیاہ چمک اور نمایاں ہو گئی تھی۔ ''ہش...... ہش......'' رابرٹ نے لرزتی آواز میں کتے کو ہشکارا۔

کتے نے اپنا پیٹ فرش سے لگایا، جیسے خود کو حملہ کرنے کے لیے تیار کر رہا ہو۔

اسی وقت مسز بے لاک اپنے کمرے سے نکل آئی۔ ''چپ ہو جاؤ''۔ اس نے کتے سے کہا۔ ''جانتے نہیں، یہ گھر کے مالک ہیں''۔

کتا ایک پل میں نارمل ہو گیا اور دم ہلانے لگا۔ ڈراما اچانک ختم ہو گیا، مسز بے لاک نے سوئچ دبایا اور اگلے ہی ثانیے ہال جگمگانے لگا۔ رابرٹ اب بھی سانس روکے ہوئے، کتے کو گھورے جا رہا تھا۔ ''یہ...... یہ کیا ہے؟'' وہ ہکلایا۔

''میں سمجھی نہیں سر''۔

''یہ کتا''۔

''میرے خیال میں شیپرڈ نسل کا ہے''۔ مسز بے لاک نے معصومیت سے کہا۔ ''خوب صورت ہے نا؟ ہمیں جنگل میں ملا تھا''

کتا اب مسز بے لاک کے قدموں میں لوٹ رہا تھا۔

''تمہیں اس کی اجازت کس نے دی؟''

''میرا خیال تھا کہ ہمیں چوکیداری کیلئے کتے کی ضرورت ہے اور ننھا ڈیمین اس سے بہت محبت کرتا ہے''۔

ساز/قسط نمبر (4)

رابرٹ اب ابھی شاک کی حالت میں تھا۔ وہ بدستور دیوار سے چپکا کھڑا تھا۔

مسز بے لاک اس کی حالت سے لطف لے رہی تھی۔ ''لگتا ہے، اس نے خوف زدہ کر دیا آپ کو''۔

''ہاں''۔

''اب آپ اس کی افادیت خود دیکھ لیں۔ یہ چوکی داری کتنی اچھی کرے گا''۔ مسز بے لاک نے کہا۔ ''یقین کریں، بے حد شان دار محافظ کتا ہے۔ آپ کی غیر موجودگی میں یہ بچے کی حفاظت کرے گا۔ آپ یقیناً شکرگزار ہوں گے''۔

''میری غیر موجودگی میں''۔

''ابھی آپ کو ایران کے ٹرپ پر جانا ہے نا''۔

''تمہیں اس ٹرپ کے بارے میں کیسے پتا چلا''؟

مسز بے لاک نے کندھے جھٹک دیے۔ ''مجھے نہیں پتا تھا کہ یہ اتنا بڑا راز ہے''۔

''یہاں تو میں نے کسی سے یہ بات نہیں کی''۔

''مجھے مسز ہورٹن نے بتایا تھا''۔

رابرٹ نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ اب وہ پھر کتے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''کتا کوئی مسئلہ نہیں۔ گوشت کے چند پارچے اس کیلئے بہت ہیں......''

''میں اس کتے کو یہاں دیکھنا نہیں چاہتا''۔ رابرٹ نے سخت لہجے میں کہا۔

مسز بے لاک نے حیرت اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''کیا بات ہے، آپ کو کتے اچھے نہیں لگتے''؟

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''جب ضرورت محسوس کروں گا تو کتے کا انتخاب میں خود کرونگا''

''ڈیمین اس سے بہت مانوس ہو چکا ہے جناب۔ اور میرے خیال میں اسے کتے کی ضرورت ہے''۔

''اس کا فیصلہ میں کروں گا''۔

''بچوں کے لئے جانوروں کی اہمیت بہت زیادہ ہوتی ہے سر''۔ مسز بے لاک اسے یوں دیکھ رہی تھی جیسے اسے کوئی پیغام پہنچانے کی کوشش کر رہی ہو۔

''تم کچھ کہنا چاہتی ہو مسز بے لاک''؟ رابرٹ نے کہا۔ ''اگر ایسی کوئی بات ہے تو کھل کر کہو''۔

''مجھے نہیں کہنا چاہئے جناب۔ آج کل آپ ویسے ہی ذہنی دباؤ کا شکار......''

''میں سننا چاہتا ہوں۔ تم بتاؤ''۔

''میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آپ کا بچہ تنہائی کا شکار ہے''۔

رابرٹ کا جسم تن گیا۔ وہ جملہ اسے بہت سخت لگا تھا۔ ''وہ کیسے''؟

''وہ ماں کی توجہ کو ترستا ہے سر''۔

رابرٹ کے لئے وہ دھماکہ تھا۔ وہ سن ہو کر رہ گیا۔

''اب آپ میری بات سمجھ گئے ہوں گے۔ اس لئے میں کچھ کہنا نہیں چاہتی تھی۔ آپ کو تکلیف بھی پہنچی اور آپ پریشان بھی ہوئے''

''تمہارا مطلب ہے کہ کیتھی کو ڈیمین سے دلچسپی نہیں ہے!'' رابرٹ کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ایسا لگتا ہے کہ وہ بچے کو پسند نہیں کرتیں اور بچہ ان کی پسندیدگی کو محسوس بھی کرتا ہے''۔

رابرٹ گنگ ہو کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔

''کبھی کبھی تو میں سوچتی ہوں کہ اس بے چارے کے پاس میرے سوا کچھ بھی نہیں ہے''۔ مسز بے لاک نے مزید کہا۔

''میرا خیال ہے کہ تم غلطی پر ہو مسز بے لاک''۔ بالآخر رابرٹ بولا۔

''اب اس کے پاس میرے علاوہ یہ کتا بھی ہے۔ وہ اس کتے سے بہت پیار کرتا ہے، سر پلیز...... اسے اس سے محروم نہ کریں''۔

رابرٹ تھورن نے چند لمحے اس بے حد جسیم کتے کو غور سے دیکھا۔ پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ ''مجھے یہ کتا پسند نہیں''۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے کہا۔ ''کل اس کتے کو پاؤنڈ لے جانا''۔

''پاؤنڈ''؟ مسز بے لاک کی سانسیں رکنے لگیں۔

''ہاں...... ہیومن سوسائٹی''۔

''مگر وہاں تو کتوں کو ہلاک کر دیا جاتا ہے''۔

''اس سے بچنا چاہو تو اس کتے کو نکال دو''۔ رابرٹ کے لہجے میں قطعیت تھی۔ ''کل بہر حال یہ مجھے یہاں نظر نہیں آنا چاہئے''۔

مسز بے لاک کے چہرے پر سختی چھا گئی۔ رابرٹ تھورن پلٹا اور واپس چل دیا۔ عورت اور کتا دونوں اسے جاتے دیکھتے رہے۔ دونوں کی آنکھوں میں رابرٹ کیلئے نفرت کے الاؤ دہک رہے تھے۔

..................☆..................

رابرٹ تھورن اس رات سو نہیں سکا۔ وہ بیڈ روم کی بالکنی میں بیٹھا سگریٹ پر سگریٹ پھونکتا رہا۔ اس کا حلق کڑوا ہو گیا۔ کئی بار اس نے سوتی ہوئی کیتھی کے رونے اور سسکنے کی آواز سنی۔ وہ ڈپریشن کا پرانا بھوت تھا جو اس کا پیچھا کرنے کیلئے لوٹ آیا تھا یا وہ خواب میں دن بھر کے واقعات دہرا رہی تھی۔ یہ فیصلہ کرنا رابرٹ کے لئے ممکن نہیں تھا، کاش آدمی دوسروں کے خواب دیکھ سکتا۔

حقیقت سے فرار حاصل کرنے کے لئے وہ قیاس اور تصور کے پانیوں میں اتر گیا۔

وہ اس امکان پر سوچ رہا تھا کہ کیا آدمی کے خوابوں سے دوسروں کو آگہی ہو سکتی ہے۔ دماغ کی سرگرمیاں ایک برقی رو کی مرہون منت ہوتی ہیں۔ تو کیا انہیں ٹی وی اسکرین پر نہیں دیکھا جاسکتا؟ بلکہ خواب کو ویڈیو ٹیپ پر منتقل کیا جائے، تاکہ تمام جزئیات سمیت اسے جب چاہیں دیکھ لیں۔ خود اس کے ساتھ اکثر ایسا ہوا تھا کہ اس نے کوئی پریشان کن خواب دیکھا۔ صبح اٹھا تو اسے بس یہ احساس تھا کہ وہ خواب ناخوش گوار تھا۔ لیکن خواب کی تمام جزئیات محو ہو چکی تھیں۔ البتہ خواب کی چھوڑی ہوئی پریشانی موجود تھی۔ اگر خواب ویڈیو ٹیپ پر ریکارڈ کیے جاسکتے تو......؟

یہ خیال بہت پرلطف، مگر بے حد خطرناک تھا، ایسا ہوتا تو دنیا کے بڑے اور اہم لوگوں کے خواب محفوظ کر لئے جاتے اور آنے والی نسلیں انہیں ٹی وی اسکرین پر دیکھتیں۔ نپولین کے...... ہٹلر کے...... لی ہاروے اوسوالڈ کے خواب! اگر اوسوالڈ کے خوابوں کا ریکارڈ موجود ہوتا تو کون جانے کہ صدر کینیڈی ابھی زندہ ہوتے۔

بہر حال یہ ناممکن ہے۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ مستقبل میں ایسا ہونے لگے!

انہی سوچوں میں اس نے رات گزار دی اور صبح ہو گئی۔

صبح کیتھی بیدار ہوئی تو اس کی آنکھ کی سوجن اتنی بڑھ چکی تھی کہ آنکھ پوری طرح بند ہو گئی تھی، رابرٹ نے اسے سمجھایا کہ اب ڈاکٹر کو دکھانا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ ان کے درمیان بات نہیں ہوئی۔ کیتھی گم صم تھی اور رابرٹ اپنی مصروفیات کے بارے میں سوچ رہا تھا، اسے ایران کے ٹرپ کے سلسلے میں تمام انتظامات مکمل کرانے تھے، لیکن اب اچانک وہ سوچ رہا تھا کہ اسے نہیں جانا چاہئے۔ وہ کیتھی اور ڈیمین، دونوں کی طرف سے فکر مند تھا۔ یہی نہیں، وہ خود اپنی طرف سے بھی پریشان تھا، لیکن اس کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

فضا میں کچھ بے یقینی سی تھی...... اور زندگی کچے کمزور دھاگے سے لٹکی ہوئی کوئی بھاری چیز معلوم ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے اسے کبھی موت کا خیال نہیں آیا تھا۔ موت اس کے لئے بہت دور از کار شے تھی۔ لیکن اس وقت وہ اسے اپنی شہ رگ کے پاس محسوس کر رہا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ زندگی کو کوئی سنگین خطرہ لاحق ہے۔ کیسے؟ کس طرف سے؟ اس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

اپنی لیموزین میں بیٹھ کر سفارت خانے جاتے ہوئے اس نے اپنی بیمہ پالیسی، کاروباری اور مالی معاملات کے بارے میں ہدایاتی نوٹس لکھے کہ اگر وہ مر جائے تو ان ہدایات پر عمل کیا جائے۔ وہ بے اختیار، بلا ارادہ لکھ رہا تھا۔ اسے یہ احساس بھی نہیں تھا کہ آج سے پہلے اس نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ بلکہ ایسا کرنے کا کبھی سوچا بھی نہیں۔

نوٹس مکمل کرنے کے بعد اسے اس بات کا احساس ہوا تو وہ دہل گیا، اس کا جسم تن گیا، جیسے کسی خطرے کا سامنا کرنے کیلئے تیار ہو رہا ہو۔ سفارت خانہ قریب آ رہا تھا اور اسے یہ احساس تھا کہ کسی بھی لمحے کچھ ہونے والا ہے۔

لیموزین رکی۔ رابرٹ نیچے اترنے لگا، اسی لمحے اس نے ان دونوں افراد کو تیزی سے اپنی طرف لپکتے ہوئے دیکھا۔ ایک کے ہاتھ میں کیمرا تھا، جس سے وہ تصویریں کھینچے جا رہا تھا، جبکہ دوسرا سوالات کی بوچھاڑ کر رہا تھا۔

رابرٹ سفارت خانے کی طرف بڑھا، مگر وہ دونوں پھرتی سے اس کے راستے میں آ گئے۔ ''آپ نے آج کا رپورٹر پڑھا ہے مسٹر تھورن''؟

''نہیں...... میں نے دیکھا بھی نہیں''۔

''اس میں آپ کے بچے کی آیا کے بارے میں آرٹیکل چھپا ہے۔ وہ آیا جس نے خودکشی......''

''میں نے کہا نا کہ میں نے نہیں دیکھا''۔ رابرٹ نے دہرایا۔

''اس میں لکھا ہے کہ مس چیسا نے خودکشی کرنے سے پہلے ایک رقعہ تحریر کیا تھا''۔

''احمقانہ بات ہے...... کھوکھلی قیاس آرائی......''

''آپ ذرا اس طرف دیکھیں پلیز......'' وہ حنیف تھا۔ کیمرے سے کلک کی آواز سنائی دی۔

''پلیز...... ہٹو۔ مجھے جانے دو''۔ رابرٹ نے حنیف سے کہا جو اس کے اور سفارتخانے کے دروازے کے درمیان حائل ہو گیا تھا۔

''کیا یہ سچ ہے کہ وہ منشیات استعمال کرنے کی عادی تھی''؟ دوسرے صحافی نے پوچھا۔

''نہیں...... یہ غلط ہے''۔

''کورونر کی رپورٹ کہتی ہے کہ مرتے وقت اس کے خون میں''

''وہ تو الرجی کی دوا تھی''۔ رابرٹ نے دانت بھینچ کر کہا۔ ''وہ الرجی کی مریض تھی......''

''لیکن دوا اس نے ضرورت سے زیادہ استعمال کی تھی...... بلکہ کافی زیادہ''۔

''آپ پلیز...... اسی طرح کھڑے رہیں''۔ حنیف نے استدعا کی

''تم میرے راستے سے ہٹتے ہو یا نہیں''۔ رابرٹ غرایا۔ اس کا تحمل جواب دے رہا تھا۔

''میں تو اپنا کام کر رہا ہوں جناب۔ اپنا فرض پورا کر رہا ہوں''۔

رابرٹ ایک طرف ہٹ کر جگہ بننے کے بعد آگے بڑھنے لگا، مگر وہ پھر سامنے آ گئے۔

''بتائیں نا مسٹر تھورن، وہ منشیات لیتی تھی''؟ صحافی نے اپنا سوال پھر دہرایا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں''۔

''مگر وہ آرٹیکل......''

''اس آرٹیکل میں کیا لکھا ہے، مجھے اس کی پروا نہیں''۔

''زبردست! شان دار! یہ ہوئی نا بات۔ ایک لمحے یونہی کھڑے رہئے''۔ حنیف نے چہک کر کہا۔

کیمرا رابرٹ کے چہرے سے بہت قریب تھا۔ رابرٹ نے جھٹکے سے اسے ہٹایا، کیمرا حنیف کے ہاتھ سے نکلا اور فٹ پاتھ پر گرا۔ رابرٹ خود بھی کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ بات اتنی بڑھ جائے گی، اس نے یہ نہیں سوچا تھا۔ پھر اس نے جھنجھلا کر کہا۔ ''تم لوگوں میں لحاظ بالکل نہیں ہے، کسی کی عزت نہیں کر سکتے تم''۔

حنیف گھٹنوں کے بل بیٹھا ٹوٹے ہوئے کیمرے کو دیکھ رہا تھا، پھر اس نے سر اٹھا کر رابرٹ کو دیکھا۔

''مجھے افسوس ہے''۔ رابرٹ کی آواز لرز رہی تھی۔ ''مجھے بل بھیج دینا، یہ نقصان میں ادا کروں گا''۔

''کوئی بات نہیں مسٹر ایمبیسیڈر ایسا کریں کہ......''

لیکن رابرٹ آگے بڑھا اور سفارت خانے کی طرف چل دیا۔

سفارت خانے کے گیٹ سے ایک فوجی لپکا ہوا آیا، اس نے یہ منظر تاخیر سے دیکھا تھا اور اب شاید نتائج دیکھنے کی غرض سے چلا آیا تھا۔

''تمہارے صاحب نے میرا کیمرہ توڑ دیا''۔ حنیف نے کہا۔

فوجی نے چند لمحے جائزہ لیا، پھر دروازے کی طرف پلٹ گیا، حنیف اور صحافی مخالف سمت میں چل دیے۔

رابرٹ تھورن کے کمرے میں جیسے زلزلہ آیا ہوا تھا، ایران کا ٹرپ خطرے میں تھا۔ کیونکہ رابرٹ تھورن نے بغیر کسی وضاحت کے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ ''بس میں نہیں جا سکتا''۔

اس دورے کی منصوبہ بندی اسکے اسٹاف کی دو ہفتے کی مسلسل محنت کا نتیجہ تھی، اس کے دونوں معاون وحشت زدہ تھے کہ ان کی محنت پر پانی پھر گیا ہے۔

''آپ یہ دورہ منسوخ نہیں کر سکتے''۔ ان میں سے ایک نے احتجاج کیا۔ ''سب کچھ طے ہو جانے کے بعد یہ ممکن نہیں کہ آپ فون کریں اور کہیں......''

''دورہ منسوخ نہیں، ملتوی کیا جا رہا ہے''۔

''انہیں توہین کا احساس ہوگا''۔ دوسرا معاون بولا۔

''ہونے دو''۔

''لیکن سر، کوئی وجہ تو ہو''۔

''میں اس وقت سفر کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں، یہ اچھا وقت نہیں ہے''۔

''آپ کو احساس ہے کہ داؤ پر کیا کچھ لگا ہوا ہے''۔

''ڈپلومیسی''۔

''جی نہیں۔ معاملہ اس سے بڑھ کر ہے''۔

''ان کے پاس...... ہے اور انکے پاس طاقت ہے''۔ رابرٹ نے کہا۔ ''اب یہ حقیقت تبدیل تو نہیں ہو سکتی''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

’’اسی لئے تو یہ ضروری......‘‘

رابرٹ نے اس کی بات کاٹ دی۔’’میں کسی اور کو بھیج دوں گا‘‘۔

’’جناب صدر کی خواہش تھی کہ آپ جائیں‘‘۔

’’میں ان سے بات کرلوں گا۔ میں انہیں سمجھا دوں گا‘‘۔

’’سر آپ جانتے ہیں کہ اس دورے کی منصوبہ بندی کب سے کی جارہی تھی‘‘۔

’’تم اسے دوبارہ پلان بھی کرسکتے ہو‘‘۔ رابرٹ نے چیخ کر کہا۔

اس کے اس غیر معمولی ردعمل کے نتیجے میں خاموشی چھا گئی، پھر اچانک انٹرکام کا بزر بولا۔ رابرٹ نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔’’ییس‘‘؟

’’روم سے کوئی فادر ٹیسون آئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انہیں آپ سے کوئی ذاتی کام ہے......ارجنٹ نوعیت کا‘‘۔ سیکریٹری نے بتایا۔

’’میں نے تو کبھی یہ نام نہیں سنا‘‘۔ رابرٹ نے بلا جھجک کہا۔

’’وہ کہتے ہیں کہ انہیں صرف دو منٹ دے دیئے جائیں، معاملہ کسی اسپتال سے متعلق ہے‘‘۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد سیکریٹری نے کہا، شاید اس دوران اس نے ملاقاتی سے وضاحت طلب کی تھی۔

’’ممکن ہے، عطیے کا خواہاں ہو‘‘۔ رابرٹ کے معاونین میں سے ایک نے کہا۔

’’ٹھیک ہے، اندر بھیج دو انہیں‘‘۔ رابرٹ نے گہری سانس لے کر کہا۔

’’مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ اتنے نرم دل ہیں‘‘۔ دوسرا معاون بولا۔

’’ارے بھئی...... پبلک ریلیشنز کی بات ہے‘‘۔ پہلے نے خیال آرائی کی۔

’’ایران کے بارے میں حتمی فیصلہ نہ کریں سر‘‘۔ دوسرے نے کہا۔’’اس وقت آپ پریشان ہیں، بعد میں سکون سے سوچئے گا اس پر‘‘۔

’’فیصلہ تو ہو چکا ہے۔ رابرٹ کے لہجے میں تھکن تھی‘‘۔ یا تو کوئی اور جائے گا، یا یہ دورہ ملتوی ہوگا‘‘۔

’’ملتوی......؟ کب تک‘‘؟

’’جب تک میں مناسب نہ سمجھوں، اس وقت تک کے لئے التوا ضروری ہوگا‘‘۔

آفس کا دروازہ کھلا، راہ داری میں ایک چھوٹے قد کا دبلا پتلا شخص کھڑا نظر آیا۔ وہ چوغہ پہنے ہوئے تھا۔ اس کے جسم کا تناؤ اور انداز کی عجلت اتنی دور سے بھی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی تھی۔ اپنی اندر دھنسی ہوئی آنکھوں سے وہ رابرٹ کو التجائیہ نظروں سے تک رہا تھا۔

رابرٹ کے معاونین الجھ گئے، وہ رکے رہیں یا کمرے سے نکل جائیں۔ وہ فیصلہ نہیں کر پارہے تھے۔

پادری کی تیز نظروں نے رابرٹ کو پریشان کردیا تھا۔

’’میں آپ سے اکیلے میں بات کرسکتا ہوں‘‘؟ پادری نے اطالوی لہجے میں کہا۔

’’آپ اسپتال سے متعلق بات کرنا چاہتے ہیں نا‘‘؟

’’جی ہاں‘‘۔

ایک لمحہ سوچنے کے بعد رابرٹ نے دونوں معاونین کو جانے کا اشارہ کیا، اس دوران پادری اندر آچکا تھا۔ معاونین کے جاتے ہی اس نے دروازہ اندر سے بند کردیا۔ وہ پلٹا تو اس کے چہرے پر دکھ اور اذیت کا تاثر تھا۔

’’جی فرمایئے‘‘۔ رابرٹ نے کشیدہ لہجے میں کہا۔

’’ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے‘‘۔ پادری بولا۔

’’کک......کیا مطلب‘‘؟

’’آپ میری بات دھیان سے سنیں‘‘۔ پادری نے ہلے بغیر کہا۔ وہ بند دروازے سے پیٹھ لگائے کھڑا تھا۔

’’آپ کچھ کہیں تو‘‘۔

’’تمہیں کرائسٹ کو اپنا نجات دہندہ مان لینا چاہئے۔ اب یہ ضروری ہوگیا ہے کہ تم یسوع مسیح کے ہیرو کار بن جاؤ‘‘۔

چند لمحے خاموشی رہی، رابرٹ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہے۔

’’پلیز موسیو......‘‘ فادر کے لہجے میں التجا تھی۔

’’معاف کیجئے گا۔ آپ کسی ذاتی نوعیت کے معاملے پر مجھ سے بات کرنا چاہتے تھے۔ یہی بتایا تھا نا آپ نے‘‘؟

’’تم باقاعدگی سے عبادت کرو۔ مسیح کو اپنے اندر اتار لو۔ اپنے وجود میں شامل کرلو، صرف اسی طرح تم شیطان کے بیٹے کو شکست دے سکتے ہو‘‘۔

کمرے کی فضا کشیدگی سے سنسنا رہی تھی۔ رابرٹ نے انٹرکام کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

’’وہ ایک قتل کرچکا ہے اور پھر قتل کرے گا۔ وہ اس وقت تک قتل کرتا رہے گا، جب تک اسے ہر وہ چیز حاصل نہ ہوجائے تو تمہاری ملکیت ہے‘‘۔

’’آپ باہر جائیں اور انتظار کریں‘‘۔ رابرٹ نے فادر سے کہا۔

پادری اب آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی آواز التجا کی شدت سے لرز رہی تھی۔’’صرف مسیح کے ذریعہ تم اس سے لڑ سکتے ہو۔ تم کرائسٹ کو پوری طرح اپنا لو‘‘۔

رابرٹ نے انٹرکام کا بٹن دبا دیا۔

’’میں نے دروازہ لاک کردیا ہے مسٹر تھورن‘‘۔ پادری نے کہا۔

’’ییس سر‘‘۔ انٹرکام پر سیکریٹری کی آواز ابھری۔

’’سیکورٹی گارڈ کو طلب کرلو‘‘۔ رابرٹ نے انٹرکام پر کہا۔

’’کیا کہہ رہے ہیں سر‘‘؟ سیکریٹری نروس ہوگئی۔

’’میں التجا کررہا ہوں موسیو، میری بات سمجھیں اور مان لیں‘‘۔ پادری کے لہجے میں التجا کی تڑپ تھی۔

’’سر......‘‘؟ انٹرکام پر سیکریٹری نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا

’’جس رات آپ کا بیٹا پیدا ہوا، میں وہاں اسپتال میں موجود تھا مسٹر تھورن‘‘۔ پادری نے کہا۔

رابرٹ کو ایسا جھٹکا لگا کہ وہ سانس لینا ہی بھول گیا۔

’’میں...... میں دائی کا رول کررہا تھا۔ میں اس ولادت کا عینی شاہد ہوں‘‘۔ پادری نے اٹک اٹک کر مزید کہا۔

انٹرکام پر سیکریٹری آواز پھر ابھری۔ اس بار اس کے لہجے میں پریشانی تھی۔’’مسٹر تھورن...... آپ کیا کہہ رہے تھے، معاف کیجئے، میں نے سنا نہیں‘‘۔

’’کچھ نہیں۔ میں میری اگلی ہدایت کی منتظر رہو‘‘۔ رابرٹ نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

’’میں تم سے التجا کرتا ہوں......‘‘ پادری کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

’’تم چاہتے کیا ہو‘‘؟

’’میں تمہیں بچانا چاہتا ہوں مسٹر تھورن، تاکہ مجھے بخشش مل جائے۔ میں بخش دیا جاؤں‘‘۔

’’تم میرے بیٹے کے بارے میں کیا جانتے ہو‘‘؟ رابرٹ نے پوچھا۔

’’سب کچھ...... ہر بات‘‘۔

’’کچھ بتاؤ بھی تو‘‘۔

پادری کا جسم اب لرز رہا تھا۔ اس کی آواز جذبات سے بوجھل تھی۔’’میں نے اس کی ماں کو دیکھا تھا‘‘۔ وہ بولا۔

’’یعنی میری بیوی کو‘‘؟

’’نہیں۔ اس کی ماں کو۔ اس کی ماں کو جو اب تمہارا بچہ ہے‘‘۔

رابرٹ کے چہرے پر درشتی چھا گئی’’تم مجھے بلیک میل کررہے ہو‘‘؟

’’نہیں جناب‘‘۔

’’تو پھر؟ اور کیا چاہتے ہو تم‘‘؟

’’میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں‘‘۔

’’کیا بتانا چاہتے ہو‘‘؟

’’اس کی ماں کی حقیقت‘‘۔

’’تو بتاؤ۔ ایسا کیا ہے بتانے کو‘‘۔

’’اس کی ماں ایک سادہ گیدڑ تھی۔ وہ گیدڑ کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا‘‘۔ پادری کی آواز سسکیوں سے بوجھل تھی۔

ایک دھماکے سے کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک فوجی اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے رابرٹ کے معاونین اور اس کی سیکریٹری تھی۔ رابرٹ کا چہرہ دھواں ہورہا تھا اور جسم ساکت تھا، جبکہ پادری کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

’’کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے سر‘‘؟ فوجی نے رابرٹ سے پوچھا۔

’’آپ کی آواز مجھے عجیب سی لگی سر اور کمرے کا دروازہ لاک تھا۔ میں نے سوچا......‘‘ سیکریٹری کے لہجے میں معذرت تھی۔

’’میں چاہتا ہوں کہ اس شخص کو یہاں سے لے جاؤ‘‘۔ رابرٹ نے کہا۔’’اور یہ دوبارہ یہاں نظر آئے تو اسے جیل میں ڈلوا دو‘‘۔

کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ فوجی پادری پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ فادر ٹیسون آہستہ سے پلٹا اور خود ہی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے پر پہنچ کر وہ پلٹا اور اس نے رابرٹ کو دیکھا۔’’خود کو کرائسٹ کی امان میں دیدو‘‘۔ اس نے اداس لہجے میں کہا۔

پھر وہ کمرے سے نکل گیا۔ فوجی اس کے پیچھے تھا۔ باقی لوگ خاموش کھڑے تھے، سب کے چہروں پر الجھن تھی۔

’’وہ کیا چاہتا تھا سر‘‘؟ رابرٹ کے ایک معاون نے پوچھا۔

’’پتا نہیں‘‘۔ رابرٹ نے سرگوشی میں کہا۔’’مجھے تو لگتا ہے کہ وہ پاگل ہے‘‘۔

..................☆..................

سفارت خانے کے باہر سڑک پر حنیف ایک کار سے ٹیک لگائے، اپنے فاضل کیمرے کو چیک کررہا تھا۔ ٹوٹا ہوا کیمرا اسی کار پر رکھا تھا۔

اچانک اس کی نظر سفارت خانے کے گیٹ پر پڑی۔ دبلا پتلا پادری ایک فوجی کے ساتھ سیڑھیوں سے اترتا نظر آیا، اس نے جلدی سے ان دونوں کی دو تصویریں کھینچ لیں، اس دوران فوجی کی نظر اس پر پڑی اور وہ اس کی طرف چلا آیا۔ وہ اسے ناخوش گوار نظروں سے دیکھ رہا تھا۔’’اپنے کیمرے کی بدولت آج تم خود کو خاص پریشانی میں مبتلا کرچکے ہو‘‘۔ اس نے کہا۔’’کیا ابھی تسلی نہیں ہوتی تمہاری‘‘۔

حنیف مسکرایا۔’’میری تسلی اتنی آسانی سے کہاں ہوتی ہے‘‘۔ وہ بولا......اور اس نے فوجی کے چہرے سے کیمرے کو تقریباً ملاتے ہوئے اس کے دو کلوز اپ بنا ڈالے۔

فوجی دانت پیستے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔

حنیف نے فوکس تبدیل کیا اور مختصر الموجود پادری کو تلاش کرنے لگا۔ پھر اس نے پادری کی ایک اور تصویر کھینچ لی۔

اس رات حنیف اپنے ڈارک روم میں اپنی بنائی ہوئی تصویروں کو الجھن بھری متجسس نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اپنے فاضل کیمرے کی کارکردگی چیک کرنے کی غرض سے اس نے مختلف رفتار اور ایکسپوزرز کے ساتھ 36 تصویریں بنائی تھیں۔ ان میں سے تین تصویروں میں نقص نظر آرہا تھا اور یہ وہی نقص تھا، جو چند ماہ پہلے ڈیمین تھورن کی آیا کی تصویر میں نظر آیا تھا۔ اس بار وہی نقص پادری کی تصویروں میں تھا۔ اس بار بھی وہ رنگوں کی خرابی کا نتیجہ معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن اس بار وہ نقص ایک سے زائد تصویروں میں ظاہر ہوا تھا۔ اتفاق سے وہ تمام تصویریں پادری کی تھی۔ رنگوں کے امتزاج کی اس خرابی نے ایک دھبے کی شکل اختیار کرلی تھی، اور وہ دھبہ پادری کی تمام تصویروں میں اس کے سر پر چھایا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ دھبو وہاں موجود ہے اور تصویر درست کھنچی ہے۔

حنیف نے ڈویلپر سے فوٹو اٹھائے اور روشنی کے نیچے رکھ کر غور سے ان کا معائنہ کرنے لگا۔ دو تصویریں پادری اور فوجی کی تھیں، پھر فوجی کے دو کلوز اپ تھے اور اس کے بعد پادری کا لانگ شاٹ۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

پادری اور فوجی کی مشترکہ تصویروں میں وہ دھبہ پادری کے سر کے گرد موجود تھا، لیکن حیرت انگیز طور پر اس کے بعد فوجی کی تصویروں میں وہ دھبہ ندارد تھا۔ لیکن پادری کی اکیلی تصویر میں وہ پھر نمودار ہو گیا تھا۔ وہ آخری تصویر کسی اور کی تھی۔ اس لئے دھبہ بھی اس میں چھوٹا نظر آ رہا تھا، یعنی وہ پادری کی تصویر کے سائز سے مطابقت رکھتا تھا۔ آیا کی تصویر کی طرح ان تصویروں میں بھی وہ ہالہ سا نظر آ رہا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ آیا کی تصویر میں اس ہالہ نما دھبے نے آیا کے چہرے کو چھپا لیا تھا، جبکہ پادری کی تصویروں میں وہ ہالہ پادری کے سر کے اوپر تھا۔ ایک فرق اور تھا، آیا کے چہرے پر وہ دھبہ ٹھہرا ہوا تھا، جبکہ پادری کے سر کے اوپر وہ حرکت کرتا محسوس ہوتا تھا۔

حنیف اس کے بارے میں سوچتا اور الجھتا رہا۔ اس نے کہیں پڑھا تھا کہ فلم کے رنگ صرف روشنی ہی کے نہیں، بلکہ غیر معمولی حدت کے معاملے میں بھی حساس ہوتے ہیں۔ یہ مضمون اس نے فوٹو گرافی کے کسی رسالے میں پڑھا تھا۔ وہ مضمون انگلینڈ کے مشہور آسیب زدہ مکانوں کی تصویروں کے بارے میں تھا، ان تصویروں میں بھوت جیسے ہیولوں کے خاکے سے ابھر آئے تھے، جس شخص نے مضمون لکھا تھا، اسے فوٹو گرافک سائنس کا ماہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس نے خیال ظاہر کیا تھا کہ درجۂ حرارت کی تبدیلی نائٹریٹ پر اثر انداز ہوتی ہے۔ لیبارٹری کے تجربات اس امر کی تصدیق کرتے تھے کہ جیسے روشنی فلم کے رنگوں پر اثر انداز ہوتی ہے ویسے ہی درجۂ حرارت کی تبدیلی کا بھی فلم کے رنگوں پر اثر پڑتا ہے۔

یہ بات طے ہے کہ توانائی حرارت ہے اور حرارت توانائی۔ اگر بھوتوں کا وجود ہے تو بعض مخصوص اور نامعلوم عوامل کی موجودگی میں کسی خاص صورتحال میں ان کے عکس سیلو لائیڈ پر منتقل بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس مضمون میں توانائی کا انسانی جسم سے کوئی نہیں قائم کیا گیا تھا۔ حالاں کہ توانائی تو انسانی جسم میں بھی ہوتی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے، تو کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کسی بیرونی اثر کے تحت، تشویش یا کشیدگی کی صورت میں وہ توانائی جسم کی سطح پر نمودار ہو جائے۔

سب جانتے ہی کہ تشویش توانائی کو بڑھاتی ہے۔ اسی اصول کے تحت پولی گراف ٹیسٹ کیا جاتا ہے، جس سے پتا چل جاتا ہے کہ آدمی سچ بول رہا ہے یا جھوٹ۔ توانائی برقی رو کی شکل میں ہوتی ہے اور برقی رو حرارت ہے۔ تو عین ممکن ہے کہ تشویش کے نتیجے میں جو حدت پیدا ہوتی ہے، وہ انسان کے گوشت سے گزر کر سطح پر...... یعنی جلد تک آجاتی ہو۔ یعنی جو لوگ بہت پریشان اور متوحش ہوں، ان کی یہ حدت تصویر پر بھی اثر انداز ہوتی ہو۔

حنیف کی جسم میں سنسنی سے دوڑنے لگی۔ وہ اپنے فلم ایملشن کے چارٹس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ بالآخر اسے روشنی کے معاملے میں سب سے کم حساس فلم مل گئی۔ وہ ٹرائی ایکس 600 فلم تھی...... ایک نئی فلم۔ وہ اتنی احساس فلم تھی کہ موم بتی کی روشنی میں بھی بہت تیز ایکشن کو عکس بند کر سکتی تھی۔ حرارت کے معاملے میں بھی وہی سب سے کم حساس فلم تھی۔

اگلی صبح اس نے ٹرائی ایکس 600 کے دو درجن رول خریدے، ساتھ ہی اس نے تمام ضروری فلٹرز بھی لئے، جن کی آؤٹ ڈور فوٹو گرافی کے دوران ضرورت پڑ سکتی تھی۔ فلٹر روشنی کو بھی کم کر سکتے تھے، لیکن شاید حرارت پر اثر انداز نہیں کر سکتے تھے۔

اب اسے ایسے سبجیکٹس کی تلاش تھی جو بہت بڑی پریشانی سے، کسی بحران سے دوچار ہوں۔ اس کے لئے وہ اسپتال چلا گیا، اس نے ایسے کئی مریضوں کی تصویریں کھینچیں، جنہیں معلوم تھا کہ ان کے جینے کا کوئی امکان نہیں اور وہ کبھی بھی مر سکتے ہیں۔ کسی انسان کے لئے اس سے بڑے بحران کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن نتیجہ مایوس کن تھا، اس کی کسی تصویر پر کوئی دھبہ نہیں تھا، یہ ثابت ہو گیا کہ اس دھبے کا موت کی آگہی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

حنیف کی جستجو اور بڑھ گئی۔ لیکن وہ مایوس نہیں ہوا، کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ کوئی بے حد اہم بات دریافت کرنے والا ہے۔ اپنے ڈارک روم میں اس نے آیا اور پادری کے نئے فوٹو گراف بنائے۔ تجربے کے طور پر اس نے مختلف کاغذ استعمال کیے، پھر اس نے تصویروں کو انلارج کر کے اچھی طرح جائزہ لیا۔ انلارجمنٹ کے بعد یہ بات سامنے آگئی کہ دھبہ محض دھبہ نہیں۔ وہ کوئی چیز ہے...... مادی چیز۔ انسانی آنکھ اسے نہیں دیکھ سکتی تھی، لیکن نائٹریٹ نے اسے ایکسپوز کر دیا تھا، اس کا مطلب تھا کہ فضا میں غیر مرئی چیزیں بھی موجود ہوتی ہیں۔

ایک ہفتے تک وہ صرف اس معاملے میں الجھا رہا، اسے کسی اور بات کا خیال ہی نہیں آیا۔ لیکن بالآخر وہ پھر رابرٹ تھورن کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔

رابرٹ تھورن کو کئی جگہ تقریریں کرنی تھیں، حنیف کے لئے وہاں پہنچنا کچھ مشکل نہیں تھا۔ رابرٹ ایک مقامی یونیورسٹی کے کیمپس گیا، اس نے ایک بزنس لنچ اٹینڈ کیا۔ دو ایک فیکٹریوں کی تقریبات میں اس نے شرکت کی۔ اس کا بات کرنے کا اسٹائل بڑا دلنشیں تھا، اس کے انداز میں ایک جوشیلا پن تھا، جو اس کی سچائی کا غماز تھا۔ حنیف نے دیکھا کہ وہ جہاں بھی خطاب کرتا ہے، سامعین کے دل جیت لیتا ہے۔ یہ صلاحیت ثبوت تھی کہ وہ سیاست کے میدان میں بہت کامیاب رہے گا۔ وہ لوگوں میں تحریک پیدا کر دیا تھا اور لوگ اس کی باتوں پر یقین کرتے تھے خاص طور پر مزدوروں اور کارکنوں کے حلقے میں وہ بہت مقبول تھا۔

''ہمارا معاشرہ بہت سے طبقوں میں منقسم ہے''۔ وہ ہر روز لیکچر میں کہتا۔ ''جوان اور بوڑھے...... امیر اور غریب۔ لیکن میرے نزدیک دو طبقے سب سے اہم ہیں۔ ایک وہ جنہیں اپنے لئے کچھ کرنے کا موقع ملا اور دوسرے وہ جنہیں کبھی کوئی موقع نہیں ملا اور لوگوں کو برابر کے مواقع نہ ملیں تو پھر جمہوریت محض ایک کھوکھلا لفظ ہے...... ایک بدصورت جھوٹ......''

اور ایسے موقعوں پر وہ لوگوں میں گھل مل جاتا۔ معذور لوگ نظر آتے تو وہ خود ان کی طرف لپکتا، لوگ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے، وہ اسکے کہے ہوئے ہر لفظ پر پوری طرح یقین کر لیتے تھے۔

بہرحال حقیقت یہ تھی کہ لوگ اس کے جس جوش کو سراہتے تھے، وہ اس کے اندر کی مایوسی اور اس کی ٹوٹ پھوٹ کا ردعمل تھا۔ یہ عام لوگوں سے خطاب درحقیقت اس کا فرار تھا...... اپنی نجی زندگی کے پریشان کن معاملات سے فرار۔ درحقیقت وہ بہت پریشان تھا۔ وہ جہاں بھی جاتا، اسے احساس ہوتا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ دو بار سامعین کے ہجوم میں اس کی نظر چوغے پر پڑی...... ویسا چوغہ جیسے پادری پہنتے ہیں۔ اسے احساس ہوا کہ پادری ٹیسون اس کا پیچھا کر رہا ہے، لیکن اس نے یہ بات کسی کو نہیں بتائی۔ کیونکہ عین ممکن تھا کہ یہ اس کا وہم ہو۔

بہرکیف وہ اس کا عادی ہو گیا۔ تقریر کرتے ہوئے اسکی متلاشی نگاہیں ہجوم میں فادر ٹیسون کو ڈھونڈتیں اور اسے یقین ہوتا کہ وہ وہاں موجود ہوگا۔ اس نے ٹیسون کے الفاظ کو رد کر دیا تھا۔ اس کے خیال میں وہ پاگل تھا۔ وہ کوئی مذہبی جنونی تھا جو خوامخواہ اس کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ اسے محض اتفاق ہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ حوالہ اس کے بیٹے کا دے رہا تھا، جس کے بارے میں صرف رابرٹ تھورن ہی جانتا تھا کہ وہ اس کا بیٹا نہیں، لے پاک ہے۔

لیکن اس سب کے باوجود اس کے کہے ہوئے الفاظ رابرٹ کی سماعت میں گونجتے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ جو کچھ فادر ٹیسون نے کہا، ناممکن ہے۔ پھر بھی اس کا ہر لفظ آسیب کی طرح اس کے پیچھے لگا ہوا تھا اور رابرٹ کو جدوجہد کرنا پڑتی تھی کہ اس کا دماغ انہیں سچ نہ مان لے۔

کبھی رابرٹ کو یہ خیال آتا کہ ہو نہ ہو، یہ ٹیسون قاتل ہے۔ اسے قتل کرنا چاہتا ہے، کیونکہ مشہور اور بڑے لوگوں کے قتل کے معاملے میں یہ ہوتا رہا ہے کہ ان کے قاتلوں نے اپنے ہدف سے ذاتی ملاقات کی کوشش کی، جیسے کہ ٹیسون اس سے ملا۔ ان میں صدر کینیڈی کا قاتل لی ہاروے اوسوالڈ بھی تھا۔

لیکن جلد ہی رابرٹ نے اس خیال کو مسترد کر دیا۔ اگر وہ اسی طرح لوگوں کے ہجوم میں اپنی موت تلاش کرتا رہا تو وہ گھر سے نکلنے کے قابل ہی نہیں رہے گا، اس کے باوجود وہ سو رہا ہو یا جاگ رہا ہو، ٹیسون کا خیال اس کے ذہن پر ہر وقت سوار رہتا تھا۔ جلد ہی رابرٹ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اگر ٹیسون پاگل دیوانہ ہے تو وہ خود بھی اس سے کم نہیں رہا ہے۔ ٹیسون شکاری ہے تو وہ شکار ہے اور شکار ہر وقت اپنے شکاری کے بارے میں سوچتا رہا ہے۔ اتنا تو شاید ٹیسون بھی اس کے متعلق نہیں سوچتا ہوگا۔

پری فورڈ میں بظاہر تو سکون تھا۔ سطح پر سب کچھ ٹھیک تھا، لیکن تہ میں کوئی لاوا سا پک رہا تھا۔ اندر تشویش کی آگ دہک رہی تھی، رابرٹ اور کیتھی ایک دوسرے سے کم ہی ملتے تھے، رابرٹ اپنی مصروفیات کی وجہ سے اس سے دور ہو گیا تھا اور جب وہ یکجا ہوتے تو ان کی گفتگو سطحی ہوتی۔ کوئی پریشان کن موضوع چھیڑنے سے دونوں ہی گریز کر رہے تھے۔

کیتھی اپنے وعدے کے مطابق ڈیمین کو زیادہ وقت دے رہی تھی۔ لیکن اس کے نتیجے میں فاصلہ اور بڑھ رہا تھا، ڈیمین بس جیسے تیسے اس کی قربت میں وقت گزار لیتا تھا، وہ خاموش رہتا، جیسے طوعاً و کرہاً اسے برداشت کر رہا ہو، جب مسز بے لاک شاپنگ کر کے واپس آتی تو اسے دیکھ کر وہ کھل اٹھتا۔

اپنی آیا کے ساتھ وہ ہنستا بھی تھا اور کھیلتا بھی تھا۔ لیکن کیتھی سے وہ کھنچا کھنچا رہتا، کیتھی اسے اس کے خول سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کرتی رہی۔ وہ اس کے لئے رنگ لائی، کلرنگ بکس لائی، بلاکس کے گیم لائی، چلنے والے کھلونوں کے ڈھیر لگا دیئے، لیکن وہ اپنے بچے کا التفات نہیں جیت سکی۔ البتہ ایک شام ڈیمین نے ایک کتاب میں غیر معمولی دلچسپی لی، جس میں جانوروں کی تصویریں تھیں، یہ ردعمل دیکھ کر کیتھی نے فیصلہ کیا کہ وہ اسے چڑیا گھر لے کر جائے گی۔

اس آؤٹنگ کیلئے اس نے اسٹیشن ویگن میں ضرورت کی تمام چیزیں رکھ لیں، اس روز اسے احساس ہوا کہ وہ نارمل لوگوں سے کتنی مختلف زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کا بچہ ساڑھے چار سال کا ہو چکا تھا اور اب تک اس نے چڑیا گھر نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایسے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، جہاں انہیں سب کچھ بغیر کوشش کے...... خود بخود مل جاتا تھا۔ اس وجہ سے اس کا بچہ بچپن کے ایڈونچرز سے محروم رہا تھا اور شاید اسی وجہ سے وہ تفریح کے شعور سے بے خبر رہ گیا تھا۔

وہ دن کیتھی کو اچھا لگ رہا تھا، کیونکہ اس کے بچے کی آنکھوں میں زندگی کی چمک لہرا رہی تھی۔ وہ اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھا تھا اور بہت خوش نظر آ رہا تھا، کیتھی کو لگا کہ بالآخر اس نے ایک درست فیصلہ کر لیا ہے۔

ڈیمین صرف خوش نہیں تھا، وہ باتیں بھی کر رہا تھا۔ ہپو پوٹے مس اس کے منہ سے نہیں نکل پا رہا تھا، بالآخر جب اس نے صحیح ادائیگی کر لی تو وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگا۔ کیتھی کے دل میں پہلی بار پھول کھل اٹھے، بچوں کی ہنسی ماؤں کے دلوں میں کس طرح پھول کھلاتی ہے، یہ اسے پہلی بار معلوم ہوا تھا۔ اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔

شہر کی طرف ڈرائیو کرتے ہوئے وہ مسلسل باتیں کرتی رہی۔ ڈیمین بہت غور سے سن رہا تھا۔ شیر، بندر اور گوریلوں کی باتیں، وہ اسے بتا رہی تھی کہ گلہری دراصل چوہوں کے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ گھوڑے اور گدھے ایک ہی نسل سے ہیں۔ اس نے ڈرائیو کرتے ہوئے جانوروں سے متعلق ایک نظم گھڑ کر اسے سنا ڈالی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

ڈیمین بہت خوش تھا، وہ بار بار اس نظم کی فرمائش کرر ہا تھا......اور کیتھی سنائے جا رہی تھی۔

یوں ہنستے بولتے وہ چڑیا گھر پہنچ گئے۔

وہ موسم سرما کا ایک چمکدار اتوار تھا۔ ایسے دن میں لندن میں کوئی ان ڈور نہیں رہنا چاہتا، چڑیا گھر میں ہر طرف لوگوں کا ہجوم تھا۔ گھاس پر لوگ بیٹھے...... لیٹے تھے۔ دھوپ میں جسم سینکے جا رہے تھے، تازہ ہوا پھیپھڑوں میں اتاری جا رہی تھی۔

آوازوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ جانور بھی بہت خوش ہیں۔ ان کی غراہٹیں اور دہاڑیں دور تک سنائی دے رہی ہیں۔

کیتھی نے دو پاؤنڈ ادا کئے اور ایک پرام کرائے پر لے لیا۔ ڈیمین کو اس میں بٹھا کر وہ پرام دھکیلتی ہوئی چل دی۔

سب سے پہلے انہوں نے راج ہنسوں کو دیکھا......خوب صورت راج ہنس! بچوں کا ایک چھوٹا سا گروپ اپنے ہاتھوں سے انہیں ڈبل روٹی کے ٹکڑے کھلا رہا تھا۔ کیتھی نے آگے بڑھ کر اپنے اور پرام کے لئے جگہ بنائی، لیکن اس وقت تک ہنس کھانے میں دلچسپی کھو بیٹھے تھے۔ وہ تیرتے ہوئے جھیل کی دوسری طرف چل دیئے، وہ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔ بچے انہیں بلا رہے تھے، لیکن ہنسوں نے انہیں نظر انداز کر دیا۔

کیتھی ڈیمین کا پرام دھکیلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ جاتے جاتے اس نے دیکھا، ہنس اب پھر بچوں کی طرف واپس آرہے تھے، جیسے ان کی بھوک لوٹ آئی ہو۔

لنچ کا وقت ہو رہا تھا، ہجوم اور بڑھ گیا تھا۔ کیتھی کوئی ایسا پنجرہ تلاش کر رہی تھی، جہاں لوگوں کا ہجوم نہ ہو۔ داہنی جانب پریری کتوں کا بورڈ لگا تھا۔ کیتھی ڈیمین کو بتا رہی تھی کہ وہ صحرائی کتے ہیں، امریکا میں انہیں پالا بھی جاتا ہے۔

قریب پہنچ کر کیتھی نے دیکھا کہ وہاں بھی لوگوں کا رش ہے۔ سب لوگ اچک اچک کر ایک گڑھے میں جھانک رہے تھے۔ کیتھی نے بڑی مشکل سے جگہ بنائی اور ڈیمین کو لے کر آگے بڑھی۔ وہ کتوں کی بس ایک جھلک دیکھ سکے۔ کیونکہ اچانک ہی کتوں میں افراتفری مچ گئی اور وہ ادھر ادھر اپنے غاروں میں جا چھپے۔ لوگوں میں مایوسی پھیلی اور وہ تتر بتر ہو گئے۔ ڈیمین نے سر اٹھا کر دیکھنے کی کوشش کی اور پھر مایوسی سے ماں کو دیکھنے لگا۔

”شاید ان لوگوں کا بھی لنچ ٹائم ہو گیا ہے“۔ کیتھی نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

وہ آگے بڑھ گئے۔ کیتھی نے سینڈوچ خریدے، ڈیمین اور وہ کھانے لگے، وہ گھاس پر جا بیٹھے تھے۔

”اب چل کر بندروں کو دیکھتے ہیں“۔ کیتھی نے کہا۔ پھر ڈیمین سے پوچھا۔ ”بندر دیکھیں گے“؟

ڈیمین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

منکی ہاؤس بہت بڑا تھا۔ جا بجا سائن نصب تھے، بندروں کے پنجرے دکھائی دیئے تو ڈیمین کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس کا انداز ہیجانی تھا۔ پہلی بار وہ کسی جانور کو دیکھ رہا تھا وہ ایک ریچھ تھا، جو مشینی انداز میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ جنگلے کے اس پار بہت سے لوگ اسے دیکھ رہے ہیں۔ مگر وہ ان کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

لیکن کیتھی اور ڈیمین قریب پہنچے تو ریچھ کو نجانے کیسے ان کی موجودگی کا احساس ہو گیا، وہ چلتے چلتے رکا، ان کی طرف دیکھا اور دانت نکوسنے لگا۔ اس کے جسم کے بال کھڑے ہو گئے تھے۔

وہ دونوں آہستہ آہستہ آگے بڑھ گئے۔

برابر والے پنجرے میں ایک بہت بڑی جنگلی بلی تھی۔ وہ بھی انہیں دیکھ کر ساکت ہو گئی، اس کی زرد آنکھیں ان پر جمی تھیں۔

اگلے پنجرے میں ایک بڑا بندر تھا۔ انہیں دیکھ کر وہ دانت نکوسنے لگا۔ وہاں سے گزرنے والے سینکڑوں افراد میں سے وہ صرف ان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

اب کیتھی کو احساس ہونے لگا کہ وہ دونوں جانوروں پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ وہ دونوں مختلف پنجروں کے سامنے سے گزرتے رہے، کیتھی سب کچھ بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے ایک بات سمجھ لی، تمام جانور چوکنے پن سے صرف اور صرف ڈیمین کو دیکھ رہے تھے اور ان کے انداز میں خوف تھا۔

لگتا تھا کہ ڈیمین کو بھی اس بات کا احساس ہو گیا ہے۔

”شاید یہ سوچ رہے ہیں کہ تم کوئی بہت لذیذ اور خوش ذائقہ چیز ہو“۔ کیتھی نے ہنستے ہوئے ڈیمین سے کہا۔ ”اور تم ہو بھی“۔

کیتھی ڈیمین کو پنجروں سے دور ایک اور راستے پر لے گئی۔ سامنے والی بلڈنگ کی طرف سے قہقہوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کیتھی کو اندازہ ہو گیا کہ وہ منکی ہاؤس ہے، وہ آنے والوں کا سب سے مقبول مقام تھا، وہاں ایک لمبی قطار تھی۔ کیتھی نے ڈیمین کو گود میں اٹھایا اور قطار میں شامل ہو گئی۔

جہاں وہ تھے، وہاں سے انہیں نظر تو کچھ نہیں آرہا تھا لیکن بچوں کے قہقہوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ دور کے کسی پنجرے میں بندر زبردست کرتب دکھا رہے ہیں۔ وہ ڈیمین کو گود میں لئے، جگہ بنائی آگے بڑھتی رہی، یہاں تک کہ اس منظر کی جھلک انہیں بالآخر نظر آ گئی۔

اس پنجرے میں کافی تعداد میں چھوٹے بندر تھے اور زبردست موڈ میں تھے۔ وہ لٹکے ہوئے ٹائروں پر جھولتے ہوئے مختلف سمتوں میں لمبی اونچی چھلانگیں لگا رہے تھے۔ دیکھنے والوں کے لئے وہ بہت خوش کن منظر تھا، وہ طرح طرح کے کرتب دکھا رہے تھے۔

کیتھی اور زور لگانے لگی، وہ جلدی سے وہاں پہنچ جانا چاہتی تھی، تاکہ ڈیمین کو وہ منظر دکھا سکے۔

بندر یا تو تماشائیوں کی طرف سے بے خبر تھے، یا انہیں ان کی موجودگی کی پروا نہیں تھی، لیکن جیسے ہی کیتھی ڈیمین کو گود میں لئے آگے بڑھی اور ان کے سامنے آئی، پنجرے کے اندر کا ماحول اور بندروں کا موڈ یک لخت تبدیل ہو گیا۔ بندروں کا کھلنڈرا پن معدوم ہو گیا۔ ایک ایک کر کے انہوں نے سر گھمائے، ان کی آنکھیں ان کے حلقوں میں تیزی سے گردش کرنے لگیں، جیسے وہ نروس ہو گئے ہوں۔ ان کی نگاہیں لوگوں کی بھیڑ میں جیسے کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔

لوگوں کو بھی چپ لگ گئی، وہ یہ سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ بندروں نے اچھل کود کیوں چھوڑ دی ہے اور انہیں امید تھی کہ ابھی کسی بھی لمحے بندر دوبارہ کھلنڈرا پن شروع کر دیں گے۔

بندر دوبارہ ایکشن میں آئے......لیکن لوگوں کی توقع کے بالکل برعکس۔

پنجرے میں اچانک ایک باریک اور طویل چیخ ابھری۔ وہ تنبیہی چیخ تھی یا خوف کا اظہار، یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ بہر حال اگلے ہی لمحے وہ چیخ اجتماعی چیخ بن گئی۔ تمام بندر ایک آواز ہو کر چیخ رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی پنجرہ جیسے تحریک سے لبالب بھر گیا، بندر اب یوں دیوانہ وار اچھل رہے تھے، جیسے پنجرے سے نکل بھاگنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ ان کا رخ پنجرے کی پچھلی دیوار کی طرف تھا، جو تاروں کی بنی ہوئی تھی۔ اس دیوار میں ایک کھڑکی بھی تھی۔

بندر اب ایسے دہشت زدہ تھے، جیسے کسی نے ان کے درمیان کسی خوں خوار درندے کو لا چھوڑا ہو۔ وہ ایک دوسرے کو نوچنے بھنبھوڑنے لگے۔ خون بہنے لگا، لوگ منہ پھاڑے حیران اور خاموش کھڑے تھے۔ لیکن ڈیمین ہنس رہا تھا، ان کی طرف اشارے کرتے ہوئے ہنس ہنس کر بے حال ہوا جا رہا تھا۔

پنجرے میں وحشت اور خوف اور بڑھ گیا، ایک بڑا بندر تاروں سے بنی ہوئی چھت پر چڑھ گیا، وہاں اس کا سر تاروں کے درمیان ایک پھندے میں پھنس گیا۔ وہ کچھ دیر نکلنے کی کوشش میں ہاتھ پاؤں مارتا رہا اور پھندا کستا گیا، بالآخر اس کا جسم بے جان ہو کر جھولنے لگا۔

چڑیا گھر کے منتظمین دوڑے ہوئے آئے، کچھ دروازے کی طرف لپکے، پنجرہ بندروں کی حیوانی چیخوں سے گونج رہا تھا۔ وہ بری طرح دہشت زدہ تھے اور ایک دیوار سے دوسری دیوار تک پاگلوں کی طرف دوڑ رہے تھے، ان میں سے ایک نے کنکریٹ کے فرش سے اپنا سر ٹکرانا شروع کر دیا۔ اس کی تھوتھنی اور جسم لہولہان ہو گیا، وہ سر پٹکتا رہا، یہاں تک کہ لڑکھڑا کر گرا اور ختم ہو گیا۔ اس کے اردگرد دوسرے بندر چیخ اور اچھل رہے تھے، منظر کا ڈراؤنا پن انتہا کو پہنچ گیا تھا۔

دروازہ کھلا تو بندروں نے وہاں سے بھی نکلنے کی کوشش کی۔ اس کے نتیجے میں تماشائیوں میں بھی بھگدڑ مچ گئی۔ کیتھی کو بھی دھکے لگے، لیکن وہ جیسے بت بن گئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔ اس کا بچہ اس کی گود میں اب بھی ہنس رہا تھا، اشارے کر رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا، جیسے وہ اپنی وحشیانہ ہنسی سے جانوروں کو اور دہشت زدہ کر رہا ہو......انہیں مرنے پر اکسا رہا ہو اور کیتھی پر یہ واضح ہو چکا تھا کہ جانور اس کے بچے سے ڈر رہے ہیں۔ اس تباہ کن لمحے کا محرک اس کا بچہ ہی ہے اور اب اس کے دیکھتے ہی دیکھتے تباہی عروج کو پہنچ رہی تھی۔

اور اچانک کیتھی چیخنے لگی!

..................☆..................

اس رات کیتھی دیر سے گھر واپس آئی۔ ڈیمین گاڑی میں سو چکا تھا۔ چڑیا گھر سے نکلنے کے بعد کیتھی صرف ڈرائیو کر رہی تھی، ڈیمین خاموش بیٹھا تھا۔ وہ الجھا ہوا بھی تھا اور دکھی بھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس سے کون سی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اس نے کیتھی کو خوش کرنے کے لئے وہ نظم دہرانے کی ناکام کوشش کی، جو اس نے چڑیا گھر جاتے ہوئے اسے سنائی تھی۔ لیکن کیتھی گُنگ بیٹھی تھی۔ وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے سامنے دیکھتے ہوئے ڈرائیو کرتی رہی۔ اندھیرا چھانے لگا تو ڈیمین نے اشارے سے اسے بتایا کہ وہ بھوکا ہے، لیکن کیتھی خاموشی سے ڈرائیو کرتی رہی۔ آخر ڈیمین سیٹ پر ست کر لیٹ گیا۔ وہاں کمبل موجود تھا، اس نے کمبل اوڑھا اور سو گیا۔

کیتھی بے مقصد ڈرائیو کئے جا رہی تھی۔ اصل میں وہ اس خوف کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کر رہی تھی، جو دھیرے دھیرے اس کے دل و دماغ کو، اس کے پورے وجود کو جکڑ رہا تھا۔ وہ خوف ڈیمین کے بارے میں تھا نہ مسز بے لاک کے بارے میں۔ وہ خوف اس کے اپنے لئے تھا۔ یہ خوف کہ وہ پاگل پن کی طرف بڑھ رہی ہے۔

پری فورڈ میں رابرٹ تھورن اس کا منتظر تھا۔ اسے امید تھی کہ وہ بہت خوش و خرم اور تازہ دم واپس آئے گی۔ اس نے کیتھی کے انتظار میں کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ اب وہ کھانے کی چھوٹی میز پر بیٹھے تھے۔ کیتھی اعصاب زدہ لگ رہی تھی اور خاموش بیٹھی کھانا ٹونگ رہی تھی۔ رابرٹ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

’’کیتھی...... تم ٹھیک تو ہو‘‘؟ اس نے پوچھا۔

’’ہاں، ٹھیک ہوں‘‘۔

’’تو اتنی چپ چپ کیوں ہو‘‘؟

’’کچھ بھی نہیں، بس تھک گئی ہوں‘‘۔

’’پورا دن باہر رہی ہو نا‘‘؟

’’ہاں‘‘۔

کیتھی کے انداز میں کھنچاؤ بھی تھا۔ وہ مختصر جواب دے رہی تھی۔ بلکہ شاید سوال اسے مداخلت لگ رہے تھے۔ ’’اچھا لگا‘‘؟

’’ہاں‘‘۔

’’تم اتنی ڈسٹرب کیوں لگ رہی ہو‘‘؟

’’کیا ایسا ہے‘‘؟ کیتھی کے لہجے میں بناوٹی حیرت تھی۔

’’کیا بات ہے؟ کوئی گڑبڑ‘‘؟

’’گڑبڑ کیا ہو سکتی ہے‘‘؟

’’مجھے کیا معلوم۔ تم اپ سیٹ لگ رہی ہو‘‘۔

’’کچھ نہیں۔ تھک گئی ہوں، ایک اچھی نیند کی ضرورت ہے‘‘۔

کیتھی مسکرائی، لیکن رابرٹ کو ایک نظر میں اندازہ ہو گیا کہ وہ جھوٹی مسکراہٹ ہے۔ وہ پریشانی سے اسے دیکھتا رہا۔ ’’ڈیمین تو ٹھیک ہے نا؟‘‘

’’ہاں‘‘۔

’’تمہیں پورا یقین ہے؟‘‘

’’ہاں‘‘۔

رابرٹ اب بھی اسے دیکھ رہا تھا اور وہ نظریں چرا رہی تھی۔ ’’دیکھو..... اگر کوئی گڑبڑ ہوتی تو تم مجھے بتاتیں، بتاتیں نا؟ مجھ سے تو تم کچھ نہیں چھپاتیں۔ میرا مطلب ہے، ڈیمین کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات......‘‘

’’ڈیمین کے بارے میں؟ رابرٹ...... ڈیمین ہمارا بیٹا ہے۔ اس کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات ہو ہی نہیں سکتی، ہم تو خوش نصیب ہیں، خدا نے ہمیں بہت بڑا تحفہ دیا ہے ڈیمین کی صورت میں‘‘۔ اس نے رابرٹ کو تکتے دیکھا تو مسکرائی، لیکن اس مسکراہٹ میں خوشی نہیں تھی۔

’’تم سنجیدگی سے کہہ رہی ہو‘‘۔

’’سوچو نا رابرٹ۔ تھورن فیملی کا کوئی بچہ اچھا ہی ہو سکتا ہے نا۔ یہ تو خون کی بات ہے۔ اچھا خون، اچھی اولاد‘‘۔

رابرٹ کو پھر احساس جرم ستانے لگا۔ ’’لیکن مجھے لگتا ہے، کوئی گڑبڑ ہے‘‘۔

کیتھی نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ پھر وہ ساکت بیٹھی چند لمحے کھانے کی پلیٹ کو گھورتی رہی۔

’’کیتھی..... کیا بات ہے۔ مجھے بتاؤ نا‘‘۔ رابرٹ اب گھبرا گیا۔

’’میرا خیال ہے......‘‘ کیتھی اپنی آواز پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ’’مجھے ڈاکٹر کی ضرورت ہے‘‘۔ اس نے سر اٹھایا۔ اس کی نگاہوں میں اذیت تھی۔ ’’مجھے خوف ستا رہے ہیں، ایسے خوف جو کسی نارمل انسان کو کبھی نہیں ستاتے‘‘۔

’’کیتھی...... کیسے خوف؟‘‘ رابرٹ نے سرگوشی میں کہا۔ ’’وضاحت کرو‘‘۔

’’میں بتا دوں تو تم مجھے پاگل سمجھنے لگو گے‘‘۔

’’نہیں...... یہ ناممکن ہے‘‘۔ رابرٹ نے اسے یقین دلایا۔ ’’تم جانتی ہو کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں‘‘۔

’’تو پھر میری مدد کرو‘‘۔ کیتھی گڑگڑانے لگی۔ ’’پلیز میرے لئے کسی ڈاکٹر کا بندوبست کرو‘‘۔

کیتھی کی آنکھ سے ایک آنسو اس کے رخسار پر پھسل آیا۔ رابرٹ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ’’تم فکر نہ کرو۔ ڈاکٹر کا بندوبست ہو جائے گا۔‘‘

اب کیتھی رو رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس گزرے ہوئے دن کی یاد اس کے حافظے سے کبھی نہیں مٹے گی۔ ہمیشہ اس کے اندر موجود رہے گی۔

..................☆..................

سائیکیٹرسٹ انگلینڈ میں اتنے عام نہیں، جتنے امریکا میں ہیں۔ اسی لئے رابرٹ تھورن کو ایک ایسے سائیکیٹرسٹ کی تلاش میں، جس پر وہ اعتماد بھی کر سکے، خاصی جستجو کرنا پڑی۔

اس کا نام چارلس گریئر تھا۔ اس کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ تاہم تجربہ بہت وسیع تھا اور بڑے اہم لوگوں نے اس کا نام تجویز کیا تھا۔ کافی عرصے سے وہ جارج ٹاؤن میں رہا تھا اور اس نے کئی امریکی سینیٹرز کی بیویوں کا علاج کیا تھا۔

اس وقت رابرٹ تھورن چارلس گریئر کے دفتر میں اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

’’سیاست دانوں کی بیوی کا عام طور پر مسئلہ مے نوشی کی کثرت کا ہے‘‘۔ چارلس گریئر کہہ رہا تھا۔ ’’شاید اس کی بنیادی وجہ ان کا احساس تنہائی ہوتا ہے...... یہ احساس کہ انہیں ترک کر دیا گیا ہے اور یہ خوف کہ وہ اپنی شناخت سے محروم ہو گئی ہیں‘‘۔

’’آپ اعتماد کی اہمیت تو سمجھتے ہیں‘‘۔ رابرٹ نے کہا۔

’’میرے پاس دینے کے لئے اس کے سوا کچھ ہے بھی نہیں۔ یہی میری کامیابی کا راز ہے‘‘۔ چارلس گریئر نے جواب دیا۔ ’’لوگ اپنے راز مجھے سونپ دیتے ہیں، جبکہ وہ کسی اور سے بات کرتے ہوئے ڈرتے ہیں اور انہیں بوجھ بھی اتارنا ہوتا ہے۔ مجھے کچھ بھی بتاتے ہوئے وہ نہیں ہچکچاتے۔ اس یقین کے ساتھ بتاتے ہیں کہ ان کا راز میرے پاس محفوظ رہے گا۔ میں آپ سے صرف رازداری ہی کا وعدہ کر سکتا ہوں‘‘۔

’’تو میں اپنی بیوی کو آپ کے پاس بھیج دوں؟‘‘

’’ان سے اصرار کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ صرف انہیں میرا فون نمبر دے دیں‘‘۔

’’یہ بات نہیں کہ وہ ڈاکٹر سے گریزاں ہو۔ اصل میں اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اسے......‘‘

’’گڈ۔ ویری گڈ‘‘۔

رابرٹ تھورن اٹھ کھڑا ہوا۔ ’’اس سے ملاقات کے بعد آپ مجھے فون کریں گے‘‘۔

’’میرا خیال ہے، نہیں‘‘۔ ڈاکٹر نے صاف گوئی سے کام لیا۔

’’میرا مطلب ہے، شاید آپ کے پاس مجھے بتانے کے لئے کچھ ہو......‘‘

’’دیکھئے...... میں جو کچھ بتاؤں گا، انہی کو بتاؤں گا‘‘۔

’’اگر کوئی پریشانی کی بات ہو......‘‘

’’آپ کی بیوی میں خودکشی کا رجحان تو نہیں ہے؟‘‘

’’جی نہیں‘‘۔

’’تو پھر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میرا خیال ہے، معاملہ اتنا سنگین نہیں، جتنا آپ سمجھ رہے ہیں‘‘۔

رابرٹ دروازے کی طرف بڑھا۔ اس کی پریشانی کافی حد تک کم ہو گئی تھی۔

’’مسٹر تھورن‘‘۔ ڈاکٹر نے اسے پکارا۔

’’جی؟‘‘ رابرٹ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

’’آپ آج یہاں کیوں آئے؟‘‘

’’آپ سے ملنے کے لئے‘‘۔

’’کس وجہ سے؟‘‘

رابرٹ نے کندھے جھٹک دیئے۔ ’’دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ کیسے ہیں‘‘۔

’’کوئی خاص بات کرنا چاہتے تھے آپ مجھ سے؟‘‘

رابرٹ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ چند لمحے سوچا، پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ ’’کیا آپ کے خیال میں مجھے کسی سائیکیٹرسٹ سے ملنا چاہئے؟‘‘

’’یہ فیصلہ تو آپ ہی کر سکتے ہیں‘‘۔

’’آپ کے خیال میں مجھے نفسیاتی امداد کی ضرورت ہے؟‘‘

’’آپ خود بتائیں‘‘۔

’’میرے خیال میں مجھے ضرورت نہیں‘‘۔

رابرٹ پلٹا اور آفس سے نکل آیا۔

اپنے دفتر پہنچ کر رابرٹ چارلس گریئر سے اپنی گفتگو کے بارے میں سوچتا رہا۔ کیا واقعی اسے خود بھی کسی سائیکیٹرسٹ کی ضرورت ہے؟ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ چارلس گریئر سے بات کرے۔ وہ اسے وہ باتیں بتانا چاہتا تھا، جو اس نے کبھی کسی سے نہیں کہی تھیں۔ لیکن اس سے کچھ فائدہ نہیں تھا۔ جو جھوٹ اس نے تخلیق کیا تھا، اسے اس کے ساتھ جینا تھا۔ وہ جھوٹ اس کی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت بن گیا تھا۔ لیکن یہ بھی سچ تھا کہ وہ کسی کو بتا کر دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا تھا۔

دن سست رفتاری سے گزرتا رہا۔ رابرٹ اپنے لئے ایک اہم تقریر تیار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگلی شام اسے کچھ ممتاز کاروباری لوگوں کے سامنے وہ تقریر کرنی تھی۔ رابرٹ کا خیال تھا کچھ عرب نمائندے بھی وہاں موجود ہوں گے۔ اس اعتبار سے اس تقریر کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی تقریر مصالحانہ ہو تا کہ عربوں کی ناراضی کچھ کم ہو۔ عربوں اور اسرائیل کے درمیان مسلسل تنازعے کے نتیجے میں امریکا اور عربوں کے درمیان اختلافات کی خلیج دن بہ دن بڑھتی جا رہی تھی۔ رابرٹ جانتا تھا کہ عرب اور اسرائیل کے درمیان دشمنی کی نوعیت تاریخی ہے۔ وہ ایسی دشمنی تھی، جس کی بنیاد مذہبی تھی۔ اسی لئے رابرٹ ان دنوں بائبل کا مطالعہ کر رہا تھا۔ تا کہ اس دشمنی کو بہتر طور پر سمجھ سکے۔ پھر یہ بھی تھا کہ سامعین بائبل کے حوالوں سے متاثر بھی ہوتے تھے۔

اس نے لنچ کا آرڈر دیا اور اپنا کمرا بند کر کے مطالعہ کرنے بیٹھ گیا۔ اس نے ضروری کتابیں جمع کر لی تھیں۔

بچپن کے بعد وہ پہلا موقع تھا کہ وہ بائبل کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اس کی روشنی میں مشرق وسطیٰ کی صورت حال کو سمجھتے ہوئے وہ مسحور سا ہو گیا۔ اس نے پڑھا کہ پہلی بار خدا نے ابراہیمؑ سے وعدہ کیا تھا کہ سرزمین مقدس ان کی اولاد کو ملے گی اور وہ مقدس سرزمین دریائے نیل سے لے کر لبنان اور دریائے فرات تک تھی۔ رابرٹ نے اٹلس کا جائزہ لیا اور سوچا کہ اسرائیل تو اس موعود مملکت کا ایک بہت چھوٹا حصہ ہے، یعنی اصل سرزمین سے تو اسرائیل اب بھی محروم ہے۔ تو کیا ایسا ہے کہ اسرائیل کی توسیع پسندی کا محرک خدا کا وہی وعدہ ہے۔

اور رابرٹ نے ہنستے ہوئے سوچا...... خدا نے وعدہ کیا ہے تو خدا پورا بھی کرے گا۔

’’اگر تم نے اور تمہاری آنے والی نسلوں نے وہ وعدہ پورا کیا، جو مجھ سے کیا ہے تو میں بھی اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ میں کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، تم نے وعدہ نبھایا تو میں تمہاری نسل میں خدا ترس لوگ پیدا کروں گا...... اور تمہیں ایک عظیم مملکت عطا کروں گا‘‘۔

یہ خدا کے الفاظ تھے!

رابرٹ تھورن کی سمجھ میں یہ بات آتی تھی۔ وہ وعدہ مشروط تھا۔ یہودیوں نے خدا سے کیا ہوا وعدہ پورا نہیں کیا، اس لئے وہ بے گھر اور ذلیل و خوار پھر رہے ہیں اور پھر یہ تاریخی روایت بھی ہے کہ یہودیوں نے ہی عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد ہی یہودیوں کو بتا دیا گیا تھا کہ......

’’اب تم تتر بتر ہو جاؤ گے اور جن اقوام میں بھٹکتے پھرو گے، ان کے درمیان تم بہت حقیر تعداد میں ہو گے، تم غلامی کی زندگی گزارو گے...... اس وقت تک جب تک تمہارے پیش رو خدا کے غضب کو دعوت نہیں دیتے‘‘۔

یہ صاف اور واضح پیش گوئی تھی جو درست ثابت ہوئی تھی۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں یہودیوں کا قتل عام ہوتا رہا تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ کیا ان کے پیش رؤں نے خدا کے غضب کو دعوت دی ہے؟ کیا یہودیوں کا اچھا وقت آ گیا ہے؟

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

رابرٹ تھورن نے تاریخی حوالوں کا جائزہ لیا۔ یہودیوں کی ذلت اور خواری کا آغاز حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں ہوا، جب وہ اسرائیل سے نکالے گئے۔ پھر بھاگتے ہوئے یہودیوں کا قتل عام صلیبیوں نے کیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ 1000ء میں بارہ ہزار یہودی قتل ہوئے، وہ تمام یہودی جنہوں نے انگلینڈ میں پناہ لی تھی، یا تو نکال دیئے گئے یا پھانسی چڑھا دیئے گئے۔ پھر 1298ء میں فرانس، بواریا اور آسٹریا میں ایک لاکھ یہودی قتل کیے گئے۔ ستمبر 1306ء میں ایک لاکھ یہودی موت کے خوف سے فرار ہوئے۔ 1348ء میں یہودیوں پر الزام لگا کہ دنیا پر سیاہ طاعون کی آفت وہی لائے ہیں۔ چنانچہ ایک لاکھ سے زیادہ یہودیوں کو چن چن کر قتل کیا گیا۔ اگست 1492ء میں جب کولمبس ایک نئی دنیا دریافت کر رہا تھا، ہسپانویوں نے پانچ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا اور پانچ لاکھ کو اپنی سرحدوں سے باہر دھکیل دیا۔ پھر ہٹلر کا تباہ کن دور آیا، جس میں 60 لاکھ سے زیادہ یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ایک کروڑ دس لاکھ یہودی بے گھری اور عسرت کا شکار ہوئے اور دنیا میں بکھر گئے۔ اس وقت یہی ان کی تعداد تھی۔ وہ صرف ایک کروڑ دس لاکھ بچے تھے۔

شاید یہ مسلسل بے گھری اور خطرات کا ہی نتیجہ تھا کہ یہودیوں نے بے پناہ عزم کے ساتھ اپنے لئے ایک علیحدہ اور آزاد وطن کی جدوجہد کی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر جنگ کو اپنی آخری جنگ...... اپنی بقا کی جنگ سمجھ کر لڑتے تھے اور ایسے لوگوں سے کون جیت سکتا ہے؟

کتاب مقدس میں خدا کا جو وعدہ تھا، رابرٹ تھورن نے اس کی تشریح کا جائزہ لیا۔ تشریح بتاتی تھی کہ خدا کے دعوے کی تین اہم مشقیں تھیں۔ ایک تو وطن کے تحفے کا وعدہ تھا۔ دوسرا یہ تھا کہ آل ابراہیم علیہ اسلام ایک عظیم قوم بنے گی اور تیسرا اور سب سے بڑا وعدہ نجات دہندہ کی واپسی کا تھا۔

اس کے مطابق یہودیوں کی اسرائیل واپسی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ ظہور سے جڑی ہوئی تھی۔ اگر یہ تشریح درست ہے تو اس کا مطلب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کا وقت نزدیک ہے۔ اس دوسرے ظہور کے متعلق تفصیلات نہیں تھیں کہ یہ کب اور کیسے ہوگا۔ تمام پیش گوئیاں علامتی اور دیومالائی دھند میں لپٹی ہوئی تھیں۔

کیا یہ ممکن ہے کہ اس وقت مسیح علیہ السلام روئے زمین پر موجود ہوں۔ کیا پتا، ان کی ولادت ہوگئی ہو اور وہ اس وقت دنیا میں، لوگوں کے درمیان چل پھر رہے ہوں۔

رابرٹ تھورن بنیادی طور پر سوچنے والا آدمی تھا۔ وہ اس سلسلے میں امکانات تلاش کرتا اور ان پر غور کرتا رہا، اب اگر عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہو چکے ہیں تو وہ چوغہ تو نہیں پہنتے ہوں گے اور ان کے سر پر کانٹوں کا تاج بھی نہیں ہوگا۔ وہ عام لباس پہنتے ہوں گے...... سوٹ...... ٹائی؟ لیکن اگر وہ پیدا ہو چکے ہیں تو خاموش کیوں ہیں؟ دنیا کی اس ابتر حالت پر کچھ بولتے کیوں نہیں؟

رابرٹ ان تمام خیالات کو اپنے گھر لے گیا...... ساتھ ہی وہ تمام کتابیں بھی، جن سے وہ مدد لے رہا تھا۔

کیتھی سونے کے لئے چلی گئی اور مکان تاریکی اور خاموشی میں ڈوب گیا۔ رابرٹ نے اپنی اسٹڈی میں وہ کتابیں کھولیں اور مزید غور و فکر کرنے لگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے خیال نے اس کے تصور کو مہمیز کر دیا تھا۔

کتاب پیش گوئی میں لکھا تھا کہ مسیح علیہ السلام زمین پر واپس آئیں گے تو ان کا سامنا دجال سے ہوگا۔ دجال جو شیطان کا بیٹا ہے۔ تب نیکی اور بدی، خیر اور شر کے درمیان آخری معرکہ ہوگا۔ تب آخری تباہی ہوگی...... دنیا کا خاتمہ...... قیامت!

اچانک اس مکمل سکوت میں رابرٹ تھورن کو ایک آواز سنائی دی۔ وہ مکان کے اوپری حصے سے آئی تھی...... کسی کے سسکنے کی آواز! دو تین سسکیوں کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔

رابرٹ اٹھا اور اوپر گیا۔ چند لمحے وہ کیتھی کو تکتا رہا۔ وہ سو رہی تھی، لیکن وہ پرسکون نیند نہیں تھی۔ وہ بے چین تھی۔ اس کا چہرہ پسینے میں نہایا ہوا تھا وہ اسے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ پرسکون ہوگئی۔ رابرٹ کمرے سے نکل آیا۔

تاریک ہال میں ٹٹول ٹٹول کر زینے کی طرف بڑھتے ہوئے وہ مسز بے لاک کے کمرے کے سامنے سے گزرا۔ دروازہ ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ کھڑکی سے اندر آتی چاندنی میں مسز بے لاک سوتی نظر آ رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ گوشت کا کوئی پہاڑ سانس لے رہا ہے۔

رابرٹ تھورن آگے بڑھتے بڑھتے ٹھٹھک کر رک گیا۔ مسز بے لاک کے چہرے کو دیکھ کر اسے شاک لگا تھا۔ اس کا چہرہ خوفناک حد تک سفید ہو رہا تھا۔ لیکن اس نے گہرے رنگ کی لپ اسٹک لگائی ہوئی تھی، جو خون کا تاثر اجاگر کر رہی تھی۔ کچھ اس لئے کہ لپ اسٹک بے ڈھنگے پن سے لگائی گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ خون پیتے پیتے سو گئی ہے۔

رابرٹ کی رگوں میں خون جمنے لگا۔ وہ کسی اعتبار سے کوئی عام منظر نہیں تھا اور بات ناقابل فہم بھی تھی۔ اپنے کمرے کی خلوت میں مسز بے لاک نے ادافروش عورتوں کا سا حلیہ بنایا تھا۔

رابرٹ دروازہ بند کر کے نیچے چلا آیا۔ اب وہ پھر کتابوں کو دیکھ رہا تھا، لیکن وہ ارتکاز سے محروم ہو چکا تھا۔ کھلے صفحات پر اس کی نظریں ٹھہر نہیں رہی تھیں...... ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔

پھر اس کی نظریں کتاب دانیال کے کھلے صفحے پر جم گئیں۔ وہ پڑھنے لگا......

''......اور تب اس قابل نفرت ہستی کو عروج حاصل ہوگا، جسے خدا کی تائید حاصل نہیں ہوگی۔ وہ جھوٹے اور جعلی طریقوں سے وجود میں آئے گا اور فریب کے زور پر مملکت حاصل کرے گا۔ فوجیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گی اور ٹوٹ پھوٹ جائیں گی۔ اس کا ہر عمل منافقانہ اور دھوکے اور فریب پر مبنی ہوگا۔ بہت تھوڑے لوگوں کے ساتھ وہ بہت زیادہ قوت حاصل کر لے گا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بے پناہ دولت حاصل کر لے گا۔ وہ وہ کچھ کرے گا، جو اس کے باپ دادا، پردادا نے بھی کبھی نہیں کیا ہوگا۔ وہ بڑی طاقتوں کے خلاف منصوبے بنائے گا اور فتح یاب ہوگا۔ وہ خود کو ہر دیوتا سے برتر ثابت کرے گا اور وہ خداؤں کے خدا کے خلاف لرزہ خیز باتیں کرے گا۔ وہ اس وقت تک پنپے گا، پھلے پھولے گا، جب تک اس کی زیادتیوں اور عیاریوں کے خلاف برہمی اور نفرت انتہا کو نہیں پہنچے گی۔ کیونکہ جو کچھ طے کیا جا چکا ہے، وہ تو ہو کر رہنا ہے۔

رابرٹ نے اپنی دراز کھولی اور ٹٹول کر سگریٹ نکالی۔ سگریٹ سلگا کر وہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اصل میں جو کچھ اس نے اوپر مسز بے لاک کے کمرے میں دیکھا تھا، اس نے اسے ڈسٹرب کر دیا تھا۔ اس طرف سے دھیان ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا، جو اسے اس کی ریسرچ پر توجہ مرکوز نہیں کرنے دے رہی تھی۔

کتاب کہتی تھی کہ یہودی سرزمین مقدس میں واپس آئیں گے تو وہی عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کا وقت ہوگا اور عیسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ دجال سے ہوگا۔ دونوں الگ الگ پلیں بڑھیں گے اور مقام حاصل کریں گے، یہاں تک کہ ان کے مقابلے کا وقت آ جائے گا۔

رابرٹ پھر مختلف کتابوں کی ورق گردانی کرنے لگا!

......اس دن سے ڈرو۔ وہ بہت بے رحم، بہت ہولناک دن ہوگا۔ اس کی گرمی اور طوالت سے انسان پناہ مانگیں گے۔ اس دن زمین سمیٹ دی جائے گی...... اور انسان عدم ہو جائے گا...... نایاب!

اور خدا ان لوگوں پر اپنے قہر کا سخت ترین وار کرے گا، جنہوں نے مقبوضہ بیت المقدس کے خلاف جنگ چھیڑی۔ ان کے جسموں سے گوشت گل کر بہہ جائے گا۔ ان کی آنکھیں اپنے حلقوں میں سڑ جائیں گی اور ان کی زبانیں ان کے مونہوں میں ٹھٹھر جائیں گی......

شیطان درندے کو بھیجے گا...... پوری قہرناکی اور قہرسامانی کے ساتھ، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے پاس وقت کم ہے۔ تو جو بھی ایمان والا سمجھنا چاہے، وہ سمجھ لے کہ درندے کا انسانی نمبر 666 ہے......

رابرٹ نے کتابیں بند کیں اور لیمپ بجھا دیا۔ دیر تک وہ خاموش بیٹھا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا...... یہ کیسی کتابیں ہیں...... کس نے لکھی ہیں...... اور کیوں لکھی گئی ہیں؟ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کیوں وہ ان پر یقین رکھتا ہے، مگر دوسری طرف انہیں مسترد بھی کرتا ہے۔ ان کتابوں پر یقین کرنے سے کوشش اور جدوجہد بے سود اور لاحاصل ثابت ہوتی ہے۔ کیا یہ سچ ہے کہ انسان محض کھلونا ہے...... خدا کا یا شیطان کا؟ کیا ہم محض کٹھ پتلیاں ہیں، جن کی ڈور آسمان سے ہلائی جا رہی ہے، کیا جنت اور دوزخ کا وجود ہے؟ اسے احساس تھا کہ یہ سوال بچکانہ ہیں۔ اس کے باوجود وہ اس پر غور کرنے پر مجبور تھا۔

ابھی حال ہی میں اسے احساس ہوا تھا کہ اس کے اندر ایسی قوتیں ہیں، جن پر اس کا قابو نہیں ہے اور وہ قوتیں بامقصد اور مرکوز ہیں۔ اس احساس نے اسے کمزوری کا، اپنے فانی ہونے کا اور بے بسی کا شدید احساس دلایا تھا۔ ایک وہی نہیں، تمام انسان بے بس ہیں۔ کسی انسان نے پیدا ہونے کی خواہش کی نہ مرنے کی۔ وہ تو مجبور ہے، نہ اپنے ارادے سے پیدا ہوتا ہے، نہ اپنی مرضی سے مرتا ہے لیکن زندگی گزارنے کے اس عمل میں وہ کتنی اذیتیں اٹھاتا ہے۔

وہ کاؤچ پر لیٹ کر سو گیا۔ اس کے خواب خوف سے چھلکتے ہوئے خواب تھے۔ اس نے خود کو عورتوں کے لباس میں دیکھا جبکہ اسے احساس تھا کہ وہ مرد ہے اور وہ ایک پرہجوم سڑک پر تھا۔ ایک پولیس مین کو اس نے روکا۔ وہ پولیس والے کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ راستا بھول گیا ہے اور خوف زدہ ہے۔ لیکن پولیس والا ٹریفک کنٹرول کرنے میں لگا ہوا تھا۔ اس کی طرف توجہ ہی نہیں دے رہا تھا۔ گاڑیاں رابرٹ کے اتنے قریب سے گزر رہی تھیں کہ اسے تقریباً چھو رہی تھیں۔ ادھر ہوا بہت تیز چل رہی تھی...... اتنی تیز کہ اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ پھنس گیا ہے۔ اس نے مدد کے لئے پکارا، لیکن ہوا کے شور میں کوئی اس کی آواز نہیں سن سکا۔ جبکہ پولیس والا اس کے وجود کو ماننے سے ہی انکاری تھا۔

اچانک ایک سیاہ کار ڈگمگاتی ڈولتی اس کی طرف لپکی۔ اس نے ہٹنے کی کوشش کی۔ لیکن ہوا کے جھکڑوں نے اسے واپس دھکیل دیا۔ کار قریب آئی تو اس نے ڈرائیور کا چہرہ دیکھا۔ اس کا چہرہ نقوش سے...... خدوخال سے محروم تھا۔ لیکن وہ ہنس رہا تھا، جہاں دہانہ ہونا چاہئے تھا، وہاں سے گوشت چر گیا تھا اور خون نکل رہا تھا۔

کار اب بہت قریب آ چکی تھی!

ٹکر ہونے ہی والی تھی کہ رابرٹ کی آنکھ کھل گئی۔ اس سے سانس نہیں لی جا رہی تھی اور وہ پسینے میں شرابور تھا۔ دھیرے دھیرے وہ خواب کی گرفت سے آزاد ہو گیا، اب وہ ساکت و صامت لیٹا تھا۔

اس نے آنکھیں کھولیں اور سر گھما کر دیکھا۔ صبح ہونے والی تھی، مکان میں گہری خاموشی تھی۔ رابرٹ کا جی چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ بڑی مشکل سے اس نے اندر ابھرنے والی اس خواہش پر قابو پایا۔

..................☆..................

کاروباری لوگوں سے رابرٹ تھورن کا خطاب مے فیئر ہوٹل میں ہونا تھا۔ سات بجے تک ہوٹل کا کنونشن روم کھچا کھچ بھر چکا تھا۔ رابرٹ نے اپنے معاونین سے کہہ دیا تھا کہ اس خطاب کی پریس کوریج ضروری ہے۔ چنانچہ انہوں نے شام کے اخبارات میں یہ اطلاع شائع کرا دی تھی۔ چنانچہ وہاں متوقع شرکا کے علاوہ پریس رپورٹرز بھی موجود تھے، ان کے علاوہ عام سڑک چھاپ لوگ بھی موجود تھے، جنہیں پیچھے کھڑے ہونے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ کمیونسٹ پارٹی نے رابرٹ تھورن میں خصوصی دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

پچھلی کئی بار سے ان کے نمائندے رابرٹ کی تقریر سننے تو نہیں، مداخلت کرنے اور اسے گڑبڑانے کی نیت سے آتے تھے۔ رابرٹ کو امید تھی کہ وہ آج رات بھی موجود ہوں گے۔

لیکٹرن کی طرف بڑھتے ہوئے رابرٹ کو فوٹوگرافرز کا ایک چھوٹا سا گروپ نظر آیا۔ ان میں وہ بھی تھا، جس کا کیمرا اس نے سفارت خانے کے سامنے توڑ دیا تھا۔ اب وہ ایک نیا کیمرا لئے کھڑا تھا، اسے اپنی طرف متوجہ پا کر وہ فوٹوگرافر مسکرایا۔ جواباً رابرٹ بھی مسکرایا۔ دراصل اسے فوٹوگرافر سے اس کشادہ دلی کی توقع نہیں تھی۔

رابرٹ ہال میں خاموشی ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ پھر اس نے تقریر شروع کی۔ اس نے عالمی معیشت کا نقشہ کھینچا اور ایک کامن مارکیٹ کی اہمیت اجاگر کی۔ ''ایک شخص کو کچھ خریدنا ہے اور دوسرے کو وہی کچھ بیچنا ہے تو امن کی اہمیت خود بہ خود سامنے آتی ہے''۔ وہ کہہ رہا تھا ''اور اگر کسی کو کچھ خریدنا ہے اور وہ ضرورت کی چیز ہے اور دوسرا جس کے پاس وہ چیز ہے، وہ اسے فروخت نہیں کرنا چاہتا، تو یہ جنگ کی طرف اٹھنے والا پہلا قدم ہے۔ ہم انسانوں کو بنیادی اہمیت کی یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اصل میں ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ زمین اور قدرتی وسائل میں برابر کے ساجھے دار، کیونکہ قدرت نے جو کچھ دیا ہے، وہ تمام انسانوں کے لئے ہے۔ خدا نے ہوا کو انسانوں کی اجارہ داری سے محفوظ کر کے ہمیں یہ اہم نکتہ سمجھا دیا ہے۔ ہم نہ سمجھیں، یہ الگ بات ہے''۔

وہ بڑی موثر تقریر کر رہا تھا۔ تمام لوگ سحر زدہ ہو کر سن رہے تھے، ہال میں خاموشی تھی۔

اب وہ معیشت اور سیاسی ابتری کا باہمی تعلق بیان کر رہا تھا۔ وہ حاضرین میں موجود عربوں کو خاص طور پر دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''غربت کا احتجاج تو ہماری سمجھ میں آتا ہے، لیکن ہمیں ذہن میں رکھنا چاہئے کہ تعیشات کی کثرت کے نتیجے میں جو شکایات پیدا ہوتی ہیں، وہ تہذیبوں کو تہس نہس کرتی رہی ہیں۔ انسانی تاریخ اس پر گواہ ہے......''

وہ پرجوش لہجے میں بول رہا تھا۔ حنیف اس کے چہرے کو کلوز اپ میں فوکس کر کے تصویریں بنا رہا تھا۔

''یہ ایک اداس کن مگر کڑوا سچ ہے''۔ رابرٹ کہہ رہا تھا۔ ''زمانہ قدیم کے مصر میں جو لوگ بڑا مقام و مرتبہ اور منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوتے......''

''زمانہ قدیم کی کیا بات ہے، تمہاری اپنی بھی یہی پوزیشن ہے''۔ مجمع میں سے کسی نے بلند آواز میں کہا۔

رابرٹ کہتے کہتے رکا اور اندھیرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا، لیکن یہ پتا نہ چل سکا کہ بولنے والا کون تھا اور آواز بھی دوبارہ نہیں سنائی دی۔ ''فراعنہ کے دور میں مصر میں جو لوگ صاحب اقتدار و ثروت گھرانوں میں......''

''ہاں ہاں......آج کی بات چھوڑو، ہمیں اس دور کے بارے میں بتاؤ''۔ وہ آواز پھر ابھری۔ اس کے ساتھ ہی مجمع میں غصیلی سی ہلچل مچی۔ رابرٹ نے پھر نگاہ پر زور دیا اور اسے نظر آ گیا۔ وہ ایک طالب علم تھا، اس کے چہرے پر داڑھی تھی۔ وہ نیلی جینز پہنے تھا اور کمیونسٹ معلوم ہوتا تھا۔ ''مسٹر تھورن، تم غربت کے بارے میں کچھ جانتے بھی ہو''۔ لڑکے نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''زندگی میں ایک دن بھی تمہیں پیٹ بھرنے کے لئے محنت نہیں کرنی پڑی''۔

لوگوں نے غصے سے اسے دیکھا۔ کچھ اس پر چلائے بھی۔ لیکن رابرٹ نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روکا۔ ''یہ نوجوان کچھ کہنا چاہتا ہے، ہمیں اس کی بات بھی سننی چاہئے''۔ اس نے نرم لہجے میں کہا۔

لڑکا آگے بڑھ آیا۔ رابرٹ اسے تھکا دینا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ خوب بولے، اس طرح اس کا امیج بھی بنے گا۔

''آپ ساجھے داری کی بات کرتے ہیں تو اپنی دولت دوسروں کے ساتھ شیئر کیوں نہیں کرتے''۔ لڑکے نے چیخ کر کہا۔ ''اپنی دولت کا حساب بھی ہے آپ کے پاس۔ کتنے ہزار ملین ڈالر ہیں آپ کے پاس اور دنیا میں ہر روز کتنے لوگ بھوک سے مر رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ جو ریزگاری آپ بڑی بے پروائی سے جیب میں ڈال کر پھرتے ہیں، اس سے کتنے بھوکوں کو پیٹ بھر کر کھانا مل سکتا ہے۔ جو تنخواہ آپ اپنے شوفر کو ہفتہ وار دیتے ہیں، اس میں انڈیا کی ایک بڑی فیملی کا پورا مہینہ گزر سکتا ہے۔ آپ کے چالیس ایکڑ کے لان میں جو گھاس ہے، وہ بنگلہ دیش کی آدھی آبادی کو ایک وقت کی خوراک دے سکتی ہے۔ جو رقم آپ اپنے بچے کی برتھ ڈے پارٹی پر خرچ کرتے ہیں، اس رقم میں ایتھوپیا کی پوری آبادی ایک دن پیٹ بھر سکتی ہے۔ آپ دوسروں سے کہتے ہیں کہ اپنی دولت شیئر کرو۔ ذرا خود بھی تو شیئر کر کے دکھائیں۔ کوئی مثال تو قائم کریں۔ چار سو ڈالر کا سوٹ پہن کر غربت کے بارے میں تقریر تو کوئی بھی کر سکتا ہے، اثر کہاں سے آئے گا؟''

لڑکے نے سامعین پر بہت اچھا تاثر چھوڑا تھا۔ لوگوں نے تالیاں بجائیں۔

''تمہاری بات مکمل ہو گئی؟'' رابرٹ نے پیچھے کھڑے لڑکے سے پوچھا۔

''نہیں، ابھی تو مجھے بہت کچھ کہنا ہے''۔ لڑکے نے کہا۔ ''یہ تو تھی ذاتی بات۔ اب ذرا قومی اور بین الاقوامی سطح پر بات کر لیں۔ آپ ابھی زمین اور وسائل کو شیئر کرنے کی بات کر رہے تھے اور آپ نے کہا کہ ایک شخص کو کسی چیز کی ضرورت ہو اور وہ اسے خریدنے کا خواہش مند ہو، جبکہ دوسرا شخص جس کے پاس اس کی مطلوبہ چیز ہو اور وہ بیچنا نہ چاہے تو جنگ کی طرف پہلا قدم ہے۔ یہ ہے آپ کا فلسفہ۔ میرے نزدیک یہ جانوروں کی سوچ ہے، انسان مادی ضرورت کے لئے جنگ کرے تو انسانیت کے مرتبے سے گر جاتا ہے اور یہ حیوانیت ہے......''

''میں یہ......میرا مطلب......'' رابرٹ نے کہنا چاہا۔

''مجھے بات پوری کرنے دیں، میں یہاں لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کے عزائم کیا ہیں۔ وسائل اور دولت کی امریکا میں کمی نہیں، ذرا یہ بتائیں کہ آپ انہیں کہاں استعمال کر رہے ہیں۔ سب سے زیادہ خرچ آپ ہتھیاروں پر کر رہے ہیں نا! کیا یہ سچ نہیں کہ آپ نے ایٹمی اسلحے کے انبار لگا رکھے ہیں؟ کس لئے؟ یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں، دو شہروں پر ایٹم بم گرا کے آپ اس کا عملی جواب دے چکے ہیں، اب آپ وسائل شیئر کرنے کی بات کرتے ہیں تو عربوں کو اپنا تیل آپ کے ساتھ شیئر کرنا چاہئے، یہی کہہ رہے ہیں نا آپ؟ تو آپ اپنا کچھ ان کے ساتھ شیئر کیوں نہیں کرتے؟ آپ ایٹمی ٹیکنالوجی پوری دنیا کے ساتھ شیئر کیوں نہیں کرتے؟ بلکہ آپ تو پوری دنیا کو اس سے روکتے ہیں۔ آپ نہیں چاہتے کہ کوئی اور ایٹمی طاقت ہو۔ آپ نہیں چاہتے کہ کسی کے پاس آپ کے مقابلے کا اسلحہ ہو، کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ دنیا بھر کے حکمراں بننا چاہتے ہیں۔ آپ دنیا کو اپنی انگلیوں پر نچانا چاہتے ہیں۔ اب ذرا اپنی باتوں میں ربط قائم کیجئے۔ اگر عرب اپنا تیل آپ کو نہیں دیں گے تو آپ ان سے جنگ پر مجبور ہو جائیں گے۔ اصل میں یہی کہہ رہے تھے نا آپ؟ تو حقیقت بس یہ ہے کہ آج آپ عربوں سے ڈپلومیسی سے کام لے رہے ہیں۔ مگر دس سال......بیس سال بعد آپ اپنے اسلحے کے زور پر پوری دنیا کے وسائل پر قبضہ کریں گے۔ یہی ہونا ہے، یہی آپ کا ارادہ ہے۔ آپ نے جاپان پر ایک نہیں، دو ایٹم بم گرائے۔ صرف یہ چیک کرنے کے لئے کہ جو بم آپ نے بنائے ہیں، وہ واقعی تباہ کن ہیں۔ پھر آپ نے اور بھیانک بم بنائے اور بناتے چلے گئے۔ شخصی آزادی، بنیادی انسانی حقوق اور جمہوریت کے فروغ کے نام پر آپ نے ویت نام، کوریا اور ایران میں اپنے اسلحے کو آزمایا اور آنے والے وقت میں آپ عرب اور ایران میں وہاں کے عوام کے بنیادی حقوق کے نام پر لڑیں گے اور ان کے وسائل پر قابض ہو جائیں گے۔ آپ کے منہ سے انسانیت کی بات اچھی نہیں لگتی۔ آپ کا عمل انسان دشمنی کا ہے، انسان دوستی کا نہیں''۔

تالیوں کا حجم اس بار اور زیادہ تھا۔ رابرٹ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''یہ سب قیاس آرائیاں ہیں اور کچھ نہیں''۔

''ایک بات بتائیں۔ آپ کتنے دولت مند ہیں؟ راک فیلر جتنے؟''

''نہیں......ایسا بھی نہیں''۔

''جب راک فیلر کو نائب صدر مقرر کیا گیا تو اخبارات میں ان کی آمدنی کی تفصیل چھپی۔ لکھا گیا کہ ان کی آمدنی تین سو ملین ڈالر سے کچھ ہی زیادہ ہے اور وہ '' کچھ ہی زیادہ '' کتنا تھا......پتا ہے آپ کو؟ 33 ملین ڈالر! وہ گننے کے قابل رقم نہیں تھی۔ وہ راک فیلر کی ریزگاری تھی۔ جبکہ اس وقت دنیا کی آدھی آبادی بھوک اور عسرت کا شکار تھی۔ مجھے یہ تو بتا دیں کہ اتنی دولت کس کام کی۔ کیوں لوگ اتنی دولت کماتے ہیں اور سنبھال کر رکھتے ہیں؟''

''میں راک فیلر نہیں ہوں''۔

''سب کہنے کی باتیں ہیں۔ راک فیلر بھی یہی کہتا تھا''

''اچھا......اب تم مجھے جواب دینے کا موقع دو گے؟''

''ایک بچہ! ایک بھوکا بچہ! صرف ایک بھوکے بچے کے لئے کچھ کر دو۔ ہم تمہیں درست مان لیں گے۔ کم از کم ایک بار اپنے منہ سے نہیں، بڑھتے ہوئے ہاتھ سے بات ثابت کر کے دکھاؤ۔ عمل کر کے دکھاؤ۔ بڑھاؤ ہاتھ......''

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''میرا خیال ہے، میں یہ پہلے ہی کر چکا ہوں''۔ رابرٹ تھورن نے کہا۔

''تو وہ بچہ کہاں ہے اس وقت؟ کہاں ہے وہ بچہ، جسے تم نے بچایا تھا۔ ہمیں بتاؤ نا مسٹر تھورن''۔

''میرا خیال ہے، ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں، جن کی ذمے داری ایک بھوکے بچے سے کہیں زیادہ ہے''۔

''مسٹر تھورن، جب تک آپ پہلے بھوکے بچے کو نہیں بچاتے، دنیا کو بچانے کی بات نہیں کر سکتے''۔

اب لوگ اس نوجوان کے ساتھ ہو گئے تھے۔ اس کے ہر جملے پر تالیاں بج رہی تھیں۔

رابرٹ خود کو گھرا ہوا محسوس کرنے لگا۔ ''تم اندھیرے میں کھڑے مجھ پر وار پہ وار کئے جا رہے ہو......'' اس نے کہا۔

''تو لائٹس آن کرا دو...... تب میں تم پر اور زیادہ وار کروں گا اور وہ بھی زیادہ بلند آواز میں''۔ لڑکے نے چیلنج کیا۔

لوگ ہنسنے لگے۔ رابرٹ کے اشارے پر لائٹس آن کر دی گئیں۔ رپورٹرز اور فوٹو گرافرز اٹھنے لگے۔ وہ سب پلٹ کر پیچھے کھڑے لڑکے کو دیکھ رہے تھے۔ حنیف کو پچھتاوا ہو رہا تھا کہ وہ دور کا لینس کیوں نہیں لایا۔ اب وہ فوکس کر رہا تھا تو لڑکے کے ساتھ کئی ایک افراد فریم میں آ رہے تھے۔

اسٹیج پر رابرٹ پرسکون تھا۔ لیکن روشنی ہوتے ہی اس کا انداز یک لخت بدل گیا۔ اب اس کی نگاہیں لڑکے پر نہیں، کہیں اور تھیں...... اور جس پر تھیں، وہ لڑکے کے پیچھے قدرے نیم تاریکی میں تھا۔ وہ مختصر الوجود پادری ٹیسون تھا۔ اپنے ہاتھوں میں ہیٹ دبوچے، اسے بھینچتا ہوا وہ بہت نروس دکھائی دے رہا تھا۔ رابرٹ کو اس کا چہرہ نہیں دکھائی دے رہا تھا، لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ پادری ہی ہے اور اس خیال نے اسے جیسے پتھرا دیا۔

''کیا بات ہے مسٹر تھورن؟'' لڑکے نے چیلنج کیا۔ ''تمہارے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہا؟''

رابرٹ تھورن اچانک ہی جیسے اپنی توانائی سے محروم ہو چکا تھا، وہ گنگ کھڑا تھا اور ایک نامعلوم خوف اس کے رگ و پے میں دوڑ رہا تھا اور وہ پادری کو گھورے جا رہا تھا۔

اسٹیج سے نیچے حنیف نے رابرٹ کی ٹھٹھری ہوئی نگاہ کو دیکھا اور اپنا کیمرا لئے ہوئے پلٹ گیا۔ رابرٹ اسی طرف کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس نے بغیر سوچے سمجھے کئی تصویریں کھینچ لیں۔

''کم آن مسٹر تھورن''۔ لڑکے نے پھر چیلنج کیا۔ ''اب تو میں تمہیں نظر آ رہا ہوں نا۔ کچھ تو کہو، تمہیں کیا کہنا ہے''۔

''میرا خیال ہے، تمہاری...... بعض باتیں...... معقول ہیں''۔ رابرٹ نے اٹک اٹک کر کہا۔ ''ہم سب کو دولت کی منصفانہ تقسیم کے لئے کام کرنا چاہئے۔ میں اس سلسلے میں کافی کچھ کرتا رہا ہوں، لیکن مزید کرنے کی کوشش کروں گا''۔

اس کی بات نے نہ صرف لڑکے کو، بلکہ تمام سامعین کو حیران کر دیا، وہ ان کے لئے قطعی غیر متوقع جواب تھا۔

کسی نے چیخ کر لائٹس آف کرنے کو کہا۔ اندھیرا ہو گیا۔ رابرٹ پھر اندھیرے میں گھورنے لگا۔ ذرا دیر بعد اس کی آنکھیں اندھیرے سے ہم آہنگ ہوئیں تو پادری کا چوغہ اسے صاف نظر آیا۔

اس نے دیکھ لیا تھا کہ پادری مسلسل اس کا پیچھا کر رہا ہے!

..................☆..................

حنیف اس رات دیر سے گھر واپس پہنچا۔ اس نے فلمیں ڈویلپر میں رکھ دیں۔ امریکی سفیر رابرٹ کی شخصیت میں بڑی عجیب سی کشش تھی۔ آج اس کشش میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔

حنیف کی چھٹی حس بہت توانا تھی۔ یہ کہنا بہت ہوگا کہ وہ سونگھ لیتا تھا۔ اس وقت بھی اس نے خوف کی بو سونگھ لی تھی۔ اپنے کیمرے کے ویو فائنڈر سے رابرٹ تھورن کو دیکھتے ہوئے اسے واضح طور پر اس کے خوف کا اندازہ ہو گیا تھا اور اس کے نزدیک وہ بے نام خوف بھی نہیں تھا، کیونکہ اس نے دیکھا تھا کہ رابرٹ تھورن نے کچھ دیکھا تھا...... آڈیٹوریم کی تاریکی میں اس نے کسی کو دیکھا تھا...... اور اس کے بعد ہی وہ خوف زدہ ہوا تھا اور روشنی کم سہی، اور کیمرے کا اینگل وائیڈ سہی، لیکن حنیف نے اس کی نگاہ کے تعاقب میں کیمرے کو لے جا کر تصویریں بہر حال لی تھیں۔ اسے امید تھی کہ فلمیں ڈیولپ ہوں گی تو اسے یقیناً کوئی کام کی چیز ملے گی۔

اسے بھوک کا احساس ہونے لگا۔ واپس آتے ہوئے اس نے کھانے کا کچھ سامان خریدا تھا۔ اس میں سے چکن تکہ نکال کر وہ ڈبل روٹی کے ساتھ کھانے لگا، کھانے کے دوران اس کا ذہن خالی رہا۔

کھانے کے بعد وہ ڈارک روم میں چلا گیا، وہاں اس نے محلول میں سے پروف شیٹس نکال کر کلپ کے سہارے لٹکا دیں۔ جو کچھ اس کی نگاہوں کے سامنے تھا، اسے دیکھ کر وہ فتح مندی کے احساس سے سرشار ہو گیا۔ اس کی خوشی کی کوئی حد نہیں تھی۔

اس نے تیز روشنی کی اور شیٹس کو اسٹینڈ میں نصب محدب عدسے کے سامنے رکھ کر تصویروں کا جائزہ لیا، خوشی اس کے چہرے سے عیاں تھی اور خوشی کا سبب وہ تصویریں تھیں جو اس نے ہال کے عقبی حصے کی لی تھیں۔ تاریکی میں اگرچہ کوئی چہرہ، کوئی جسم نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن وہ رنگین دھبہ...... وہ دھند کا سا ہالہ بے حد نمایاں اور صاف دکھائی دے رہا تھا۔

مگر اسی لمحے حنیف کی نظر ایک اور چیز پر پڑی۔ ''لعنت ہو''۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

تصویر میں ایک موٹا آدمی تھا، جو سگار پی رہا تھا۔ جسے وہ رنگین دھبہ یا ہالہ سمجھ رہا تھا، وہ اس کے سگار کے دھویں کا شاخسانہ بھی ہو سکتا تھا۔

اس نے عقبی حصے کی تصویروں کے تین نیگیٹو منتخب کئے اور انہیں انلارجر میں لگا دیا۔ پرنٹ نکلنے میں پندرہ منٹ لگتے، وہ پندرہ منٹ اسے بہت بھاری لگ رہے تھے۔ اس کا بس چلتا تو جادو کے زور پر ایک سیکنڈ میں وہ تصویریں بڑی کر دیتا۔

پندرہ منٹ بعد وہ انلارج ہوئی تصویروں کو غور سے دیکھ رہا تھا، اس کا دل سینے میں دھڑ دھڑ کر رہا تھا۔

وہ دھواں نہیں تھا۔ اس کا رنگ اور اس کی ماہیت دھویں سے بالکل مختلف تھی اور سگار پینے والے اور اس ہالے نما دھبے کا درمیانی فاصلہ بھی بہت زیادہ تھا۔ اگر اسے سگار کا دھواں مان لیا جاتا تو اتنا بڑا بادل سا تخلیق کرنے کے لئے موٹے آدمی کو بہت سارا دھواں اگلنا پڑتا اور اگر وہ اتنا دھواں اگلتا تو اس کے آس پاس کے لوگ ڈسٹرب ہوئے بغیر نہ رہتے۔ لیکن ارد گرد کے لوگ بڑی بے نیازی سے سامنے کی طرف توجہ مرکوز کئے دیکھ رہے تھے اور بھوت جیسا وہ دھبہ آڈیٹوریم کے انتہائی عقبی حصے میں لٹکا ہوا نظر آ رہا تھا۔

حنیف نے اس تصویر کو اسٹینڈ میں نصب محدب عدسے کے سامنے رکھ کر دیکھا۔ چند لمحے وہ بڑی باریک بینی سے اس ہالے نما دھبے کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر وہ بری طرح چونکا۔ اس دھبے کے ذرا نیچے اسے پادری کے چوغے کا بالائی حصہ صاف نظر آیا، اس کے منہ سے ہلکی سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ یہ تو وہی دبلا پتلا چھوٹے قد کا پادری معلوم ہوتا تھا، ایسا لگتا تھا کہ رابرٹ تھورن اور اس کے درمیان کوئی تعلق ہے۔

''او مائی گاڈ''۔ حنیف نے پیشانی کو ملتے ہوئے کہا۔

سنسنی کے احساس نے پہلے اس کی بھوک اڑائی تھی۔ مگر اب بھوک جگا دی۔ وہ مرغی کے دوسرے پیس پر ٹوٹ پڑا۔

''اب میں اس احمق کو پکڑ سکوں گا۔ اب وہ بچ کے کہاں جائے گا''۔ وہ سنسنی آمیز لہجے میں بڑبڑایا۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہی وہ سو گیا۔

اگلی صبح اس نے پادری کی وہ تصویر بڑی کی جو اس نے سفارت خانے کی سیڑھیوں پر اس وقت لی تھی، جب وہ امریکی فوجی کے ساتھ سفارت خانے سے باہر آ رہا تھا۔ وہ تصویر لے کر وہ اپنی مہم پر نکل کھڑا ہوا۔

وہ متعدد گرجاؤں میں گیا۔ پھر لندن پیرش کے مقامی آفس میں گیا، لیکن کسی نے پادری کو نہیں پہچانا۔ سب نے یہی کہا کہ اگر وہ یہاں کسی گرجا میں پادری ہوتا تو وہ اسے پہچان لیتے، وہ شہر سے باہر کسی چرچ میں ہوگا۔

حنیف کو اندازہ ہو گیا کہ اس کا کام کچھ اتنا آسان نہیں، جتنا اس نے سوچا تھا۔

ایک دور از کار خیال کے تحت وہ اسکاٹ لینڈ یارڈ بھی گیا اور ان کا مجرموں کا تصویری ریکارڈ چیک کیا لیکن وہ بھی بے سود ثابت ہوا

اب ایک ہی امکان رہ گیا تھا۔ اس نے پادری کو سفارت خانے سے باہر آتے دیکھا تھا، اس کا مطلب تھا کہ سفارت خانے میں کوئی نہ کوئی اسے پہچانتا ہوگا۔

سفارت خانے میں داخل ہونا آسان نہیں تھا۔ بغیر اپائنٹ منٹ کے اور کاغذات چیک کئے سیکورٹی والے کسی کو اندر نہیں جانے دیتے تھے۔ حنیف بھی استقبالیہ ڈیسک سے آگے نہیں جا پایا۔

''میں مسٹر رابرٹ تھورن سے ملنا چاہتا ہوں''۔ اس نے کہا۔ ''انہوں نے میرے نئے کیمرے کے بل کی ادائیگی کا وعدہ کیا تھا''

استقبالیہ کاؤنٹر والوں نے سفیر سے رابطہ کیا۔ بات کچھ آگے بڑھی، حنیف سے کہا گیا کہ وہ لابی میں موجود فون کے پاس چلا جائے سفیر صاحب کے دفتر سے اس کی فون پر بات ہو جائے گی۔

حنیف کو صرف چند لمحے انتظار کرنا پڑا۔ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھایا، دوسری طرف رابرٹ تھورن کی سیکریٹری تھی۔

''آپ مجھے بل کی رقم بتا دیں''۔ سیکریٹری کہہ رہی تھی۔ ''آپ کو چیک بذریعہ ڈاک بھیج دیا جائے گا''۔

''مسٹر تھورن سے بالمشافہ بات کرنا چاہتا ہوں''۔ حنیف نے کہا۔ ''میں انہیں یہ بھی تو دکھاؤں گا کہ ان کی ادا کی ہوئی رقم کا انہیں کچھ فائدہ بھی ہوا ہے یا نہیں''۔

''یہ تو ممکن نہیں۔ سفیر صاحب اس وقت ایک اہم میٹنگ میں ہیں''۔

اب حنیف نے آخری داؤ کھیلا۔ ''بات یہ ہے کہ میرا ایک ذاتی مسئلہ ہے، جس میں وہ میری مدد کر سکتے ہیں''۔ اس نے کہا۔ ''مجھے ایک پادری کی تلاش ہے، وہ میرا رشتہ دار ہے، وہ یہاں کسی کام سے آئے تھے، میں سوچتا ہوں، ممکن ہے کوئی مجھے ان کے بارے میں بتا سکے''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

دوسری طرف سورج اوراس کے دوست عقب کی صورت حال دیکھ کر بھونچکارہ گئے تھے صاف نظر آرہا تھا کہ ان کے ساتھیوں کی بڑی تعداد چپکے سے میدان چھوڑ گئی ہے۔

سیکریٹری چند لمحے ہچکچائی۔ بات اسے کچھ عجیب لگی تھی۔

''وہ بہت چھوٹے قد کے ہیں''۔ حنیف نے کہا۔

''کیا وہ اطالوی ہیں؟''

''وہ اٹلی میں کافی عرصہ رہے ہیں''۔ حنیف نے تکا لگایا۔

''ان کا نام ٹیسون تو نہیں''۔

''میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ دراصل یوں سمجھیں کہ میں مدتوں کے بچھڑے ایک رشتے دار کو تلاش کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔ میرے ماموں بہت پہلے میری ماں سے بچھڑ گئے اورانہوں نے عیسائیت قبول کرلی تھی۔ اس کے نتیجے میں انہوں نے نام بھی بدل لیا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ میری والدہ بستر مرگ پر ہیں اورایک بار اپنے بھائی سے ملنا چاہتی ہیں۔ ان کا نام مجھے نہیں معلوم۔ بس یہ بتا سکتا ہوں کہ میری والدہ کی طرح ان کا قد بھی چھوٹا ہے اوروہ بہت دبلے پتلے ہیں۔ پادری ہیں اورکافی عرصہ اٹلی میں گزار چکے ہیں۔ ابھی ایک ہفتہ یا دس دن پہلے میرے ایک دوست نے انہیں سفارت خانے سے نکلتے دیکھا تھا آپ کے ہاں آنے والوں کا ریکارڈ تو ہوتا ہوگا''۔

''ہاں، ٹیسون نامی ایک پادری یہاں آئے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ روم سے آئے ہیں''۔

''آپ کو پتا ہے کہ وہ کہاں رہتے ہیں؟''

''نہیں''۔

''کیا وہ سفیر صاحب سے ملنے آئے تھے؟''

''میرا......خیال ہے، ہاں''۔ سیکریٹری کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

''تو ممکن ہے، سفیر صاحب کو ان کا ایڈریس معلوم ہو''۔

''پتا نہیں۔ میرے خیال میں تو یہ ممکن نہیں''۔

''کیا یہ ممکن ہے کہ آپ ان سے پوچھ لیں''۔

''کوشش کرسکتی ہوں......''

''کب تک معلوم کریں گی؟''

''وقت لگے گا۔ ابھی فی الحال تو ممکن نہیں''۔

''میری ماں، بہت بیمار ہے، وہ ہاسپٹل میں ہے۔ میرے خیال میں وقت کم ہی رہ گیا ہے''۔ حنیف نے لہجے میں دکھ سموتے ہوئے کہا۔

رابطہ منقطع ہوگیا۔ حنیف وہیں بیٹھا رہا۔

اوپر رابرٹ تھورن کے کمرے میں انٹرکام کا بزر چیخا۔ رابرٹ نے ریسیور اٹھایا۔ ''یس؟''

''سر......دو ہفتے پہلے آپ سے ایک پادری نے ملاقات کی تھی۔ ان سے کیسے رابطہ کیا جاسکتا ہے''۔

رابرٹ کام میں بری طرح الجھا ہوا تھا۔ لیکن پادری کے حوالے سے اس کے جسم میں سرد لہری سی دوڑ گئی۔ ''کون پوچھ رہا ہے؟''

''وہ فوٹوگرافر جس کا کیمرا آپ کے ہاتھ سے ٹوٹ گیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ پادری اس کا ماموں ہے''۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر رابرٹ تھورن نے پوچھا۔ ''وہ موجود ہے''۔

''جی سر''۔

''اسے اوپر بھیج دو''۔

نیچے لابی میں فون کی گھنٹی پھر بجی۔ حنیف نے ریسیور اٹھایا۔ ''مسٹر تھورن آپ سے ملنا چاہتے ہیں''۔ سیکریٹری کی آواز سنائی دی

چند لمحے بعد حنیف رابرٹ تھورن کے پرشکوہ آفس میں بیٹھا تھا۔ رابرٹ کے انداز میں تپاک تھا۔

''معذرت چاہتا ہوں کہ آپ کو ڈسٹرب کیا''۔

''ایسی کوئی بات نہیں''۔

وہ پہلا موقع تھا کہ حنیف اپنے کسی ہدف کے روبرو بیٹھا تھا۔ چنانچہ وہ نروس بھی تھا، کیمرے سے اچانک تصویر کھینچ لینا کچھ مشکل نہیں۔ صرف کسی کمزور لمحے کا انتظار چوکنا رہ کر کرنا ہوتا ہے۔ مگر سامنے بیٹھ کر بات کرنا اور بات ہے۔

''میں آپ سے اس کیمرے کے متعلق معذرت بھی کرنا چاہ رہا تھا''۔ رابرٹ نے کہا۔

''بہرحال وہ کیمرا پرانا تھا''۔

''میں نئے کیمرے کی قیمت ادا کرنا چاہتا ہوں''۔

''اس کی ضرورت نہیں......''

''میرے لئے یہ ضروری ہے''۔

''جیسی آپ کی مرضی''۔ حنیف نے کندھے جھٹک دیئے۔

''آپ مجھے کسی اعلیٰ ترین کیمرے کا نام اورمیک بتائیں۔ میں کسی کو بھیج کر ابھی منگوادوں گا''۔

''آپ کی بڑی مہربانی......''

''بتائیں تو''۔

''جرمن میک کیمرا ہے......پینٹا فلیکس 300''۔

''اب میری سیکریٹری کو بتا دیجئے گا کہ کیمرا آپ کو کہاں پہنچایا جائے''۔

حنیف نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ اب وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ جیسے ایک دوسرے کو تول رہے ہوں، سمجھ رہے ہوں، حنیف جانتا تھا کہ وہ اپنے مدمقابل پر ایک گھٹیا آدمی کا تاثر چھوڑتا ہے اوروہ اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کا عادی تھا۔

''میں آپ کو دیکھتا رہا ہوں......بارہا......مختلف مقامات پر''۔ رابرٹ نے کہا۔

''میری کوشش بھی یہی ہوتی ہے''۔

''آپ بہت منہ پھٹ ہیں''۔

''جی شکریہ''۔ حنیف نے کہا۔ ''گزشتہ رات وہ لڑکا آپ کے لئے خاصا مسئلہ بن گیا تھا''۔

''ہاں۔ میں جانتا ہوں، اس کی باتیں بے وزن نہیں تھیں''۔

وہ دونوں جانتے تھے کہ وہ وقت گزاری کررہے ہیں۔ دونوں میں سے کوئی بھی پہل کرنا نہیں چاہتا تھا۔

''میں نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔ بلکہ اس کے موقف کو تسلیم کیا۔ اب اخبارات مجھے کمیونسٹ قرار دینے لگیں گے''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

رابرٹ بولا۔

''وہ کمیونسٹ نہیں، مسلمان تھا''۔

''اوہ......'' رابرٹ کے لہجے میں حیرت تھی۔ پھر وہ بولا ''اور مسلمان تو تم بھی ہو؟''

''جی ہاں''۔

''اور کسی بچھڑے ہوئے عیسائی رشتے دار کو تلاش کر رہے ہو؟''

''جی ہاں''۔

'اور وہ ٹیسون نام کا پادری ہے؟''

''پادری تو وہ ہے۔ لیکن میں نام کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ وہ میرا ماموں ہے اور برسوں پہلے میری ماں سے بچھڑا تھا''۔

رابرٹ نے غور سے حنیف کو دیکھا، اس کی نگاہوں میں مایوسی تھی۔ ''تو تم ذاتی طور پر اس سے ناواقف ہو؟''

''جی ہاں۔ لیکن انہیں تلاش کر رہا ہوں''۔

رابرٹ اپنی کرسی پر ڈھے سا گیا۔ اس کی مایوسی واضح تھی۔

''مجھے یہ بتائیں کہ آپ سے وہ کس سلسلے میں ملے تھے؟'' حنیف نے پوچھا۔

''وہ ایک ہاسپٹل کے حوالے سے مجھ سے ملے تھے۔ عطیہ مانگ رہے تھے''۔ رابرٹ نے گہری سانس لے کر کہا۔

''کون سا ہاسپٹل؟''

''روم میں کوئی ہاسپٹل ہے۔ میں زیادہ نہیں جانتا''۔

''انہوں نے آپ کو اپنا ایڈریس دیا؟''

''نہیں۔ دراصل جس وقت وہ آئے، میں کچھ پریشان تھا۔ میں نے ان سے چیک بھجوانے کا وعدہ کر لیا، مگر اب مجھے یہ نہیں معلوم کہ چیک کہاں بھجوانا ہے''۔

حنیف نے سر کو تفہیمی جنبش دیتے ہوئے کہا۔ ''تب تو ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں''۔

''ٹھیک کہہ رہے آپ''۔

''یعنی وہ آئے اور چلے گئے۔ بس؟''

''جی ہاں''۔

''اور اس کے بعد آپ نے انہیں نہیں دیکھا؟''

رابرٹ کا جبڑا تن گیا۔ حنیف اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ رابرٹ تھورن کچھ چھپا رہا ہے۔ ''نہیں...... کبھی نہیں''۔ بالآخر چند لمحوں کے توقف کے بعد رابرٹ تھورن نے کہا۔

''میں نے سوچا...... ممکن ہے، وہ آپ کے تقریری پروگراموں میں شرکت کرتے رہے ہوں''۔

ان کی آنکھیں پھر ملیں اور دیر تک الجھی رہیں۔ رابرٹ کو احساس ہو رہا تھا کہ فوٹو گرافر اس کے ساتھ چوہے بلی والا کھیل کھیل رہا ہے۔

''آپ کا نام کیا ہے؟''

''حنیف...... حنیف ارشد''۔

رابرٹ پھر اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے نگاہیں ہٹا لیں۔ اب وہ کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟''

''مجھے اس شخص کو تلاش کرنے میں بہت دلچسپی ہے۔ وہ پادری...... میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اس کے ساتھ بہت عجلت برتی۔ اب مجھے غلطی کا احساس ہو گیا ہے، میں اس کی تلافی کرنا چاہتا ہوں''۔

''عجلت کی وضاحت نہیں کریں گے آپ؟''

''میں نے اسے زیادہ وقت نہیں دیا۔ اس کی بات نہیں سنی۔ میرا برتاؤ اچھا نہیں تھا''۔

''میرے خیال میں وہ اس کا عادی ہو گا۔ عطیات مانگنے والے تو یہ سب کچھ......''

''اسے جلد از جلد تلاش کرنا میرے لئے بہت ضروری ہے۔ اس کی بہت اہمیت ہے میرے لئے''۔

رابرٹ کے چہرے پر ایک نظر ڈالنے سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ بات اس سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ حنیف کو یہ احساس بھی ہو رہا تھا کہ کوئی بڑا اہم معاملہ اس پر کھلنے والا ہے۔ اب بس اسے اپنے پتے ٹھیک طرح سے کھیلنے تھے۔ ''مجھے کچھ پتا چلا تو میں آپ کو بتا دوں گا''۔ اس نے کہا۔

''میں بہت شکر گزار ہوں گا''۔

''ایسی کوئی بات نہیں''۔

رابرٹ نے سر ہلایا۔ حنیف اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے رابرٹ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ''جناب سفیر، آپ بہت فکر مند دکھائی دے رہے ہیں۔ ایسے میں میں دنیا کی عافیت کی دعا ہی کر سکتا ہوں''۔

''ارے نہیں''۔ رابرٹ مسکرا دیا۔

''میں آپ کے پرستاروں میں سے ہوں۔ اس لئے آپ کے پیچھے لگا رہتا ہوں''۔

''شکریہ''۔

حنیف دروازے کی طرف بڑھا۔ مگر رابرٹ نے اسے پکار لیا۔ ''مسٹر حنیف......''

''سر''؟ حنیف نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

''آپ نے اس پادری کو خود کبھی نہیں دیکھا''۔

''نہیں''۔

''دراصل آپ نے کہا کہ وہ میرے تقریری پروگراموں میں آتا ہو گا۔ اس پر میں نے سوچا کہ شاید......''

''نہیں سر''۔

''اچھا ٹھیک ہے''۔

چند لمحے وہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر حنیف دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ مگر پھر وہ پلٹا۔ ''مجھے آپ کی تصویریں لینے کا موقع مل سکتا ہے...... میرا مطلب ہے، نجی زندگی کی تصویریں! گھر پر...... فیملی کے ساتھ''؟

''ابھی تو مناسب وقت نہیں ہے''۔ رابرٹ تھورن نے کہا۔

''چند ہفتے بعد سہی''۔

''میں تمہیں کال کر دوں گا''۔

''میں انتظار کروں گا''۔

''میں کال ضرور کروں گا''۔

حنیف چلا گیا۔ رابرٹ بند دروازے کو تکتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ شخص کوئی بات...... اہم بات جانتا ہے، جو اس نے ظاہر نہیں کی۔ بات قابل غور یہ تھی کہ پادری کے بارے میں وہ کیا جان سکتا ہے اور اگر کچھ نہیں جانتا تو وہ پادری کا حوالہ لے کر اس سے ملنے کے لئے کیوں آیا۔ اسی کے پاس کیوں آیا، جبکہ اس سے ملنا آسان بھی نہیں تھا۔ زندگی اتفاقات سے عبارت ہوتی ہے۔ بظاہر یہ بھی ایک اتفاق معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن رابرٹ تھورن کی چھٹی حس کچھ اور کہہ رہی تھی۔

..................☆..................

ایڈگرڈو ٹیسون کے لئے زندگی چرچ میں بھی ویسی ہی بھیانک تھی، جیسی سحر روئے زمین پر۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے جیسے اور بہت سے لوگوں کی طرح روم کے شیطان پرست حلقے میں شامل ہو گیا تھا۔ نسلاً وہ پرتگیزی تھا...... ایک ماہی گیر کا بیٹا، جو ایک حادثے میں زندگی ہار بیٹھا تھا۔ اس وقت ٹیسون بہت چھوٹا بچہ تھا۔

اس کے بچپن کی یاد مچھلیوں کی بساندھ میں لپٹی ہوئی تھی۔ مچھلیوں کی وہ بساندھ اس کی ماں کے وجود میں رچ بس چکی تھی۔ آخری وقت میں اس کی ماں اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ اس میں آگ جلانے کی بھی طاقت نہیں تھی اور وہ کچی مچھلیاں کھاتی تھی۔ یہی اس کی موت کا سبب بنا۔

آٹھ سال کی عمر میں وہ ماں سے بھی محروم ہو گیا۔ تب وہ چرچ کے زیر اہتمام چلنے والے یتیم خانے میں پہنچا دیا گیا۔ وہاں خدا پرستوں کے ہاتھوں ان کی مرمت کا سلسلہ شروع ہوا جو اس وقت تک نہیں رکا جب تک اس نے کردہ اور ناکردہ تمام گناہوں کا اعتراف نہیں کر لیا اور اسے پاک نہیں کر دیا گیا۔ دس سال کی عمر تک وہ کرائسٹ کا ہو چکا تھا، لیکن اس وقت تک اس کی عمر کوڑوں کے نشانات سے پوری طرح سیاہ ہو چکی تھی۔

خدا کا خوف مار مار کر اس کے اندر گہرائی تک اتارا گیا تھا۔ اس خوف کے تحت اس نے اپنی زندگی چرچ کو سونپ دی۔ آٹھ سال تک وہ دن رات بائبل کو گھول کر پیتا رہا۔ اس نے خدا کی محبت اور اس کے قہر و غضب کے بارے میں پڑھا۔ پچیس سال کی عمر میں وہ لوگوں کو بچانے اور پاک کرنے کی غرض سے میدان عمل میں اتر آیا۔ وہ مشنری بن گیا۔ پہلے وہ اسپین اور پھر مراکش گیا اور خدا کے پیغام کی تبلیغ کرتا رہا۔ مراکش سے وہ جنوب مشرقی افریقہ کے اندرونی علاقوں میں گیا۔ وہاں اس نے بے شمار لوگوں کو عیسائی بنایا، طریق کار اس کا وہی تھا، جو اس پر آزمایا گیا تھا۔ جو کچھ اسے ملا تھا، وہ وہی کچھ لوٹا رہا تھا۔ جیسے وہ پٹتا رہا تھا، ویسے ہی وہ انہیں پیٹتا تھا۔ اس دوران اسے احساس ہو گیا کہ مذہبی جنون کی اس گرمی میں دوسروں کی اذیت میں اسے جنسی مسرت حاصل ہوتی ہے۔

جن افریقیوں کو اس نے عیسائی بنایا تھا، ان میں ٹوبو نامی ایک لڑکا بھی تھا۔ ٹوبو اسے پرستش کی حد تک چاہنے لگا، اس چاہت میں وہ دونوں خدا اور انسانوں کے قوانین کی تکذیب و توہین کے مرتکب ہوتے ہوئے گناہ کے راستے پر چل پڑے۔ ٹوبو کا تعلق کیکو یو قبیلے سے تھا۔

قبیلے والوں نے ایک دن ٹیسون اور ٹوبو کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ ٹوبو کو بدترین سزا ملی۔ اس کے جسم کے نازک اعضا کاٹ دیئے گئے، ٹیسون بال بال بچا اور وہاں سے بھاگا۔ یہ اطلاع تو اسے صومالیہ میں ملی کہ کیکو یو قبیلے والوں نے اس کا بدلہ فرانسسکو کے ایک مشنری سے لیا۔ انہوں نے زندہ اس کی کھال اتاری اور اسی عالم میں اسے صحرا میں چلنے پر مجبور کیا۔ یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

ٹیسون جبوتی، وہاں سے عدن، عدن سے جکارتہ بھاگا۔ وہ بھاگتا ہی رہا۔ لیکن ہر جگہ اسے اپنے لئے خدا کے قہر و غضب کی موجودگی کا احساس ستاتا رہا، موت دبے پاؤں اس کا پیچھا کر رہی تھی۔ بعض اوقات وہ اس کے بہت قریب کسی پر وار کرتی۔ وہ مسلسل خوف زدہ رہتا کہ اگلا نشانہ وہ ہو گا۔ بائبل کے حوالے سے وہ جانتا تھا کہ خدا کا غضب کتنا سریع الاثر ہوتا ہے۔ وہ بہت تیزی سے حرکت کرتا۔

نیروبی میں اس کی ملاقات باوقار فادر اسپلیٹو سے ہوئی۔ اس نے اسپلیٹو کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا۔ اسپلیٹو نے اسے تحفظ دینے کا وعدہ کیا اور اسے اپنے ساتھ روم لے گیا۔ وہاں شیطان پرستوں کی برادری میں شامل ہونے کے بعد اسے اطمینان نصیب ہوا۔ یہ وہ لوگ تھے، جن کے درمیان خدائی قانون موجود نہیں تھی۔ وہ جسم کی تمام خوشیوں اور آسائشات کو جائز سمجھتے تھے اور ان کے پیچھے بھاگتے تھے۔ ٹیسون بھی ان کے رنگ میں رنگ گیا۔ وہ اچھوتوں کی وہ برادری تھی، جس نے اپنے تئیں باقی دنیا کو اچھوت سمجھ رکھا تھا۔ وہ شیطان کی پوجا کرتے تھے۔ ان کیلئے خدا کا مذاق اڑانا اور اسے برا بھلا کہنا بھی شیطان کی عبادت کے مترادف تھا۔

اس برادری میں اکثریت ورکنگ کلاس کے لوگوں کی تھی۔ لیکن چند پروفیشنل اور بڑے مقام و مرتبے والے لوگ بھی ان میں موجود تھے۔ باہر...... ظاہری طور پر وہ سب معزز لوگ تھے اور عزت کی زندگی گزار رہے تھے، خدا کو ماننے والوں کے مقابلے میں یہ ان کا سب سے قیمتی ہتھیار تھا۔ ان کا مشن خوف و ہراس پھیلانا اور باغیانہ رویوں کو فروغ دینا تھا۔ دجال کی آمد تک وہ انسانوں کے درمیان تفرقہ ڈالتے تھے۔ جہاں موقع ملتا، وہ ابتری پھیلاتے،

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

تمام مذاہب میں فرقہ وارانہ نفرت پھیلانا ان کا نصب العین تھا۔

اس برادری کا اپنا بے حد قدیم قبرستان تھا۔ اس کا نام سینٹ اینجلو کا قبرستان تھا اور وہ روم کے نواحی علاقے میں واقع تھا۔

آئرلینڈ میں جو کچھ بھی ہو رہا تھا، شیطانی برادری اس میں سے بیشتر کا کریڈٹ لیتی تھی۔ بالوک اور بالام نامی دو تنیں تھیں، جو آئرش تھیں، آئرلینڈ کے دھماکوں میں ان کا بھی دخل تھا۔ بالام ایک دھماکے میں خود اپنے ہی ہاتھوں ماری گئی تھی۔ ایک مارکیٹ کے ملبے میں اس کے جسم کی باقیات ملی تھیں۔ انہیں تدفین کے لئے اٹلی لایا گیا تھا اور اس کی تدفین سینٹ اینجلو کے قبرستان میں ہوئی تھی۔

بالام کی شیطان سے غیر معمولی عقیدت اور محبت کے اعتراف کے طور پر اسے شیطانوں کے سب سے بڑے دیوتا ٹکولا کی خانقاہ کے سائے میں دفن کیا گیا۔ اس تدفین میں شیطان کے پانچ ہزار چیلوں نے شرکت کی۔ ٹیسون اس تقریب سے بے حد متاثر ہوا۔ اس کے بعد وہ سیاسی طور پر کچھ زیادہ ہی سرگرم ہو گیا۔ وہ خود کو اسپلیٹو کے لئے قابل اعتماد ثابت کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا۔

اس کی کوششیں رنگ لائیں، اسے بڑے اہم کام سونپے جانے لگے، شیطان کے پجاریوں کے لئے کمیونسٹ بڑی نعمت تھی۔ پہلے مرحلے پر وہ ایشیا میں کمیونسٹوں کا غلبہ دیکھنا چاہتے تھے۔ پھر کمیونسٹ پوری دنیا پر چھا جائیں، یہی ان کا خواب تھا۔ اسی طرح وہ خدا کا نام دنیا سے مٹا سکتے تھے۔

کچھ اہم کام سرانجام دینے کے بعد ٹیسون کا شمارہ برادری کے لیڈروں میں ہونے لگا۔ اسپلیٹو نے اسے کئی اہم مہمات پر افریقہ بھیجا۔ کیونکہ افریقہ سے وہ واقف تھا۔ وہاں اس نے سیاسی بے چینی اور ابتری پھیلانے کیلئے بہت کام کیا۔ اس کی پوزیشن اور مستحکم ہو گئی۔

پھر وہ وقت آ گیا، جس کی پیش گوئی الہامی کتابوں میں کی گئی تھی۔ جب دنیا کی تاریخ کو بالکل اچانک اور فیصلہ کن انداز میں بدل جانا تھا۔ زمین کے وجود میں آنے کے بعد یہ تیسرا موقع تھا کہ شیطان نے براہ راست اپنی اولاد کو زمین پر لانے کی کوشش کی تھی، اس کی ولادت، پرورش، نگہداشت اور تربیت کی ذمے داری اس کے چیلوں کو نبھانی تھی۔ پہلے دوبار اس کی کوششیں ناکام ہو گئی تھیں۔ خدا کے نام لیواؤں نے بروقت درندے کا پتا چلا کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا...... اس سے پہلے کہ وہ اقتدار تک پہنچتا۔

لیکن اس بار منصوبہ مکمل اور بے داغ تھا۔

اس منصوبے پر عمل کرنے والے تین افراد میں ٹیسون کا منتخب ہونا کوئی حیرت انگیز بات نہیں تھی۔ اس نے اپنی وفاداری اور عقیدے کی پختگی بارہا، بات کی تھی...... اور بہت موثر انداز میں ثابت کی تھی۔ اس کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ احکامات پر بلا جھجک اور بے چون و چرا عمل کرتا تھا۔ اسے جو کام سونپا گیا تھا، وہ سب سے سخت اور بے رحمانہ تھا، کسی معصوم کی جان لینا صرف اس لئے کہ اس کی خالی جگہ پر کسی اور کو پہنچانا ہو، کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔

اسپلیٹو کے ذمے اس فیملی کا انتخاب تھا، جہاں ابن ابلیس کی پرورش کرانی تھی۔ اسے اڈاپٹ کرانے کی کارروائی بھی اس کی ذمے داری تھی۔ سسٹر ماریا ٹریسا کو ابن ابلیس کی پیدائش کرانے کا کام سونپا گیا تھا، ٹیسون کو اصل بچے کو ہلاک کرنا، بچے اور مادہ گیدڑ کی تدفین کرانا اور تمام شہادتوں کو مٹانے کی ذمہ داری دی گئی تھی۔

ٹیسون بہت پر جوش تھا۔ برادری میں اسے اہمیت حاصل ہو چکی تھی اور اس کام کے بعد تو اس کا مقام و مرتبہ کچھ اور ہی ہو جاتا۔ شیطان پرست قیامت تک اسے پوجتے، وہ یہ بھول گیا کہ کبھی وہ خدا پرست اور دین دار تھا۔

لیکن معاہدے پر عمل درآمد کے دن قریب آنے لگے تو ٹیسون میں ایک تبدیلی رونما ہوئی۔ وہ کمزور پڑنے لگا، کمزوری محسوس کرنے لگا، اس کی پیٹھ پر زخموں کے برسوں پرانے نشانات میں سوزش ہونے لگی۔ ہر رات اس کی اذیت بڑھتی گئی اور سونا ناممکن ہوتا گیا۔ پانچ راتیں ایسی گزریں کہ خیالی ہیولے اسے ستاتے رہے۔

اس کے تصور میں ٹوبو آیا...... افریقی لڑکا، جو اس سے محبت کرتا تھا۔ وہ ہاتھ پھیلا کر اس سے درد مانگ رہا تھا، پھر اس نے کھال اترے ایک شخص کو صحرا میں تپتی ریت پر چلتے رحم کی بھیک مانگتے دیکھا۔ یہ وہ پادری تھا، جسے قبائلیوں نے اس کے حصے کی سزا دی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا...... کیا میری قربانی رائیگاں جائے گی اور اس نے ساحل پر ایک چار سالہ بچے کو دیکھا، جو اپنے باپ کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا اور اس نے اپنی دم توڑتی ماں کو دیکھا، جو اس سے معذرت کر رہی تھی کہ وہ اتنی کم عمری میں ہمیشہ کے لئے اسے چھوڑ کر جا رہی ہے...... وقت کے، تقدیر کے رحم و کرم پر چھوڑ کر۔ اس کی آنکھ کھلی تو وہ رو رہا تھا۔ دوبارہ وہ سویا تو اس نے خواب میں عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، وہ اس سے کہہ رہے تھے...... خدا معاف کرنے والا ہے۔ بس برائی کے راستے سے ہٹ جاؤ۔

ان راتوں نے، ان خوابوں نے ٹیسون کو ہلا کر رکھ دیا۔ اسپلیٹو نے اس کی حالت محسوس کر لی اور اسے بلا کر اس سے اس سلسلے میں پوچھا۔ لیکن ٹیسون جانتا تھا کہ اب وہ اتنا آگے جا چکا ہے کہ پیچھے ہٹنا ممکن نہیں۔ اب وہ ڈگمگایا تو اس کی زندگی تک خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ اس نے اسپلیٹو کو یقین دلایا کہ وہ اپنی ذمے داری بحسن و خوبی نبھائے گا۔ اس نے کہا کہ اس کی پیٹھ کے پرانے زخم تکلیف دے رہے ہیں، اس پر اسپلیٹو نے اسے سکون بخش دوائیں دیں۔

اس کے بعد اپنی ذمے داری پوری کرنے تک ٹیسون دواؤں کے زیر اثر رہا۔ خوابوں کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔

چھ جون کو شام چھ بجے...... چھٹے ماہ کے چھٹے دن اور چھٹے گھنٹے میں جو کچھ ہوا، وہ آخری سانس تک بھولنے والا نہیں تھا۔ زچگی کے دوران مادہ گیدڑ کی چیخیں آسمان تک پہنچنے لگیں۔ سسٹر ماریا نے ایتھر دے کر اسے خاموش کر دیا۔ جانور کے اعتبار سے بچہ بہت بڑا تھا۔ اس کا پیٹ چاک کر کے ہی بچے کو نکالا جا سکتا تھا۔ بچے کے باہر آتے ہی ٹیسون نے اسپلیٹو کے دیے ہوئے پتھر سے مادہ گیدڑ کا سر کچل دیا۔ اس عمل نے اسے اس عمل کے لئے تیار کر دیا، جو اسے انسانی بچے کے ساتھ دہرانا تھا۔

لیکن جب انسانی بچہ اس کے سامنے لایا گیا تو وہ ڈگمگا گیا۔ بچہ نہایت خوب صورت تھا، ٹیسون پہلو بہ پہلو لیٹے دونوں بچوں کو دیکھتا رہا، ایک خون میں لتھڑا ہوا بال دار بچہ تھا۔ دوسرا نرم و نازک، خوب صورت اور گورا چٹا، اور انسانی بچہ اسے یوں دیکھ رہا تھا، جیسے وہ اس کے لئے معتبر ہو۔

ٹیسون جانتا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے اور اس نے وہ کیا۔ لیکن اپنا کام وہ صفائی سے نہیں کر سکا، اسے ایک سے زیادہ وار کرنے پڑے، بلکہ ایک آخری وار تو اسے بچے کا تابوت کھول کر کرنا پڑا۔ اس وقت وہ بری طرح سسک رہا تھا اور رابرٹ تھورن کے تابوت میں پڑے بچے کے سر پر پتھر کا آخری وار کرنے سے پہلے اسے بچے پر محبت آئی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ اسے اٹھا کر سینے سے لگا لے اور اسے لے کر کہیں بھاگ جائے...... دور...... بہت دور، جہاں تحفظ ہو۔ وہ ایسا کر بھی گزرتا۔ لیکن اس نے دیکھا کہ وہ پہلے ہی بچے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا چکا ہے۔ اب وہ بچہ نارمل زندگی کے قابل نہیں رہا تھا، چنانچہ اس بار اس نے پتھر اٹھایا اور جذبۂ ترحم کے ساتھ بچے کے سر پر وار کیا، جیسے انسان ناکارہ گھوڑے پر رحم کرتا ہے اور وہ وار کرتا رہا، یہاں تک کہ بچہ ساکت ہو گیا۔

اس رات تاریکی میں ٹیسون کے آنسوؤں سے بھیگے ہوئے چہرے کو کسی نے نہیں دیکھا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کے بعد، اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ اگلی صبح وہ روم سے نکل بھاگا، چار سال وہ مارا مارا پھرا۔ اس نے بلجیئم میں مزدوری کی، اسے نشہ آور ادویات کی ضرورت تھی...... پیٹھ کی اذیت سے بچنے کے لئے نہیں...... جو کچھ اس نے کیا تھا، اس کی کرب ناک یاد کو مٹانے کیلئے۔ وہ اکیلا تھا، کسی سے بات نہیں کرتا تھا۔ بالآخر ایک اسپتال میں معائنے کے بعد یہ تشخیص ہو گئی کہ اس کی پیٹھ کی اذیت کا سبب ٹیومر تھا اور وہ ریڑھ کی ہڈی سے اتنا قریب تھا کہ اس کا آپریشن نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ٹیسون جانتا تھا کہ وہ مر رہا ہے۔ اسی لئے وہ تلافی کرنا چاہتا تھا، اس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ خدا بہت رحم والا، بہت معاف کرنے والا ہے۔ جو کچھ اس نے کیا تھا...... بگاڑا تھا، اسے سنوارنے کی کوشش کر کے وہ خدا کی معافی کا حق دار بن سکتا تھا۔

اپنی بچی کھچی طاقت مجتمع کر کے وہ اسرائیل گیا۔ اذیت کو سلانے والی مارفین اس کے ساتھ تھی۔ اسے بیوگن ہیگن نامی شخص کی تلاش تھی۔ وہ ایک نام تھا جو شاید وقت کے آغاز سے اب تک شیطان سے منسلک تھا۔ 1092ء میں بیوگن ہیگن ہی تھا، جس نے شیطان کی اولاد کو تلاش کر کے اسے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ پھر 1710ء میں بھی بیوگن ہیگن ہی تھا، جس نے دوسرے ابن ابلیس کو طاقت حاصل کرنے سے پہلے ہی ختم کر دیا تھا۔ یہ بیوگن ہیگن ایک لقب تھا...... خدا کے شکاریوں کا لقب! ان کا کام شیطان کے بیٹے کو روئے زمین پر پہنچنے سے روکنا تھا۔

بیوگن ہیگن کی تلاش میں ٹیسون کو سات ماہ لگے۔ کیونکہ وہ گمنامی پسند کرتا تھا اور وہ ایک زیر زمین قلعے میں رہتا تھا۔ وہ بھی ٹیسون کی طرح وہاں اپنی موت کا منتظر تھا۔ وہ بھی ایک اذیت سے دوچار تھا۔ ناکامی کا احساس بھی مارے ڈال رہا تھا۔ اسے علم تھا کہ شیطان کی کارروائی کا وقت آ پہنچا ہے۔ لیکن وہ شیطان کو روکنے میں ناکام رہا تھا، ابن ابلیس پیدا ہو چکا تھا!

ٹیسون نے بوڑھے بیوگن ہیگن کے ساتھ چھ گھنٹے گزارے۔ بیوگن ہیگن یاس انگیز خاموشی سے ٹیسون کی بات سنتا رہا، سب کچھ سننے کے بعد اس نے کہا۔ ”میں یہاں سے نہیں نکل سکتا۔ کوئی ایسا شخص جس کی بچے تک براہ راست رسائی ہو، وہ مجھ سے یہاں آ کر ملے“۔

ٹیسون کو احساس تھا کہ اس کے پاس وقت بہت کم ہے۔ وہ لندن چلا آیا۔ یہ بہت ضروری تھا کہ وہ رابرٹ تھورن سے ملے اور اسے قائل کرے۔ تاکہ جو کچھ کیا جانا چاہئے، کیا جا سکے۔ وہ خدا سے اپنے لئے پناہ مانگتا رہا۔ کیونکہ جانتا تھا کہ شیطان اسے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا اور وہ شیطان کے حربوں کو جانتا سمجھتا تھا اس نے اپنے بچاؤ کی ہر ممکن تدبیر کر لی تھی۔ وہ رابرٹ تھورن سے ملنے اور اسے قائل کرنے تک زندہ رہنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گیا تو خدا اس کے گناہوں کو بخش دے گا۔

سوہو کے علاقے میں اس نے ایک کمرے کا فلیٹ کرائے پر لیا اور اسے اپنے لئے کسی چرچ کی طرح محفوظ قلعے میں تبدیل کر دیا۔ اس کا ہتھیار خدا کا کلام تھا۔ اس نے کمرے کی دیواروں کے چپے چپے کو، حتیٰ کہ کھڑکیوں تک کو بائبل کے صفحات چپکا کر چھپا دیا تھا۔ اس کیلئے اسے بائبل کی 70 کتابوں سے مدد لینا پڑی۔ اس کے علاوہ جا بجا...... ہر زاویے پر اس نے صلیبیں آویزاں کر دی تھیں۔ اپنی صلیب میں اس نے جگہ جگہ آئینے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جڑ دیئے تھے اور اسے گلے میں ڈالے بغیر وہ باہر نہیں نکلتا تھا۔ آئینے کے ان ٹکڑوں سے باہر دھوپ منعکس ہوتی تھی۔

لندن پہنچ کر اسے اندازہ ہو گیا کہ رابرٹ تھورن تک پہنچنا آسان نہیں ہے۔ دوسری طرف پیٹھ کی اذیت اس کے لئے ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ رابرٹ تھورن سے اس کے دفتر میں جو ملاقات ہوئی، وہ ناکام ثابت ہوئی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اس کے بعد ہم اوسگلیا تھ کا آدھا حصہ ہی اپنے قبضے میں واپس لانے میں کامیاب ہوئے۔ یہ قبضہ ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا ہے مگر ہم وہاں ایک بار پھر قتل و غارت گری ہونے کے منتظر ہیں۔ ہمیں ایک بڑے حملے کی امید ہے، ممکن ہے کہ اب ہونے والا حملہ سب سے زیادہ بھیانک اور خطرناک ثابت ہو۔

اس روز بھی وہ جنگلے کے پیچھے سے رابرٹ تھورن کو دیکھ رہا تھا۔ رابرٹ چند مقتدر شخصیات کے ساتھ چیلسی کے ایک پس ماندہ علاقے میں سستے مکانات کے ایک پروجیکٹ کا افتتاح کرنے کے لئے آیا ہوا تھا۔

''مجھے اس پروجیکٹ کا افتتاح کرتے ہوئے خاص طور پر خوشی محسوس ہو رہی ہے''۔ رابرٹ نے بلند آواز میں کہا۔ ہوا کے مخالف رخ خطاب کرنے کی وجہ سے اسے چیخنا پڑ رہا تھا۔

جنگلے کے دوسری طرف علاقے کے سوسوا سو غریب افراد کھڑے تھے۔ ''یہ پروجیکٹ اس علاقے کے مکینوں کی زندگی سنوارنے کی خواہش کا مظہر ہے''۔

یہ کہہ کر رابرٹ تھورن نے پھاوڑا اٹھایا اور اس سے مٹی ہٹا کر کام کا افتتاح کیا۔ اس کے ساتھ ہی بینڈ نے ایک دھن چھیڑ دی۔ رابرٹ اور اس کے ساتھ والے مقتدر لوگ عوام سے ہاتھ ملانے کے لئے جنگلے کی طرف بڑھے۔

رابرٹ کی کوشش تھی کہ وہاں موجود ہر شخص سے ہاتھ ملائے...... کچھ لوگ زیادہ پرجوش تھے۔ وہ تو ہاتھ چومنے کی کوشش کر رہے تھے۔

لیکن اچانک رابرٹ کو ٹھہر جانا پڑا۔ ایک ہاتھ نے پوری قوت سے اس کا گریبان پکڑ لیا تھا۔

''کل......'' ٹیسون نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔ وہ رابرٹ تھورن کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا، جن سے اب خوف جھلک رہا تھا۔ ''......ایک بجے کیوز گارڈن میں مجھ سے ملو''۔ اس نے بات پوری کی۔

''چھوڑو مجھے''۔ رابرٹ نے گھبرا کر کہا۔

''پانچ منٹ......صرف پانچ منٹ مجھے موقع دو۔ پھر تم کبھی میری صورت بھی نہیں دیکھو گے''۔

''میں کہتا ہوں، ہاتھ ہٹاؤ''۔

''تمہاری بیوی کی زندگی خطرے میں ہے۔ تم نے کچھ نہ کیا تو وہ مر جائے گی''۔ ٹیسون نے کہا۔

رابرٹ تھورن نے جھٹکے سے خود کو چھڑایا۔ اب جو اس نے ادھر ادھر دیکھا تو ٹیسون غائب ہو چکا تھا۔ وہ جنگلے کے پیچھے اجنبی چہروں کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔ اسی وقت فلیش بلب چمکنے لگے۔ اس کی تصویریں کھینچی جا رہی تھیں۔

..................☆..................

رابرٹ تھورن کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں آتا تھا کہ فادر ٹیسون کے سلسلے میں کیا رویہ اختیار کرے۔ وہ پولیس کو ٹیسون کے پیچھے لگا سکتا تھا۔ پولیس پادری کو جیل میں بند کر دیتی، لیکن شکایت کنندہ کی حیثیت سے رابرٹ کو عدالت میں پیش ہونا پڑتا۔ پھر فادر ٹیسون سے پوچھ گچھ کی جاتی اور جو کچھ وہ کہتا، اخباروں میں چھپتا اور ساری دنیا کو معلوم ہو جاتا۔ یہ وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا...... کسی بھی قیمت پر نہیں۔ کیونکہ پادری کا مسئلہ صرف اور صرف اس کا بیٹا ڈیمین تھا۔ ڈیمین اور اس کی پیدائش اور یہ وہ معاملہ تھا جو رابرٹ نے پوری دنیا سے چھپایا تھا۔

تو اب پادری کے معاملے میں وہ کسی سے بھی مدد نہیں لے سکتا تھا۔ مدد لیتا تو مدد کرنے والے پر وہ راز کھل جاتا۔

ایسے میں اسے اس فوٹو گرافر حنیف ارشد کا خیال آیا۔ اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا کہ اسے بتائے کہ جس شخص کی اسے تلاش ہے، وہ اسے مل گیا ہے۔ لیکن اس نے فوراً ہی ہاتھ کھینچ لیا۔ اس فوٹو گرافر کا تعلق پریس سے تھا اور پریس والوں سے زیادہ خطرناک کوئی نہیں ہوتا۔

لیکن اپنا بوجھ اتارنے کیلئے کوئی تو ہو۔ کوئی تو ہو، جس سے وہ بات کر سکے۔ کیونکہ یہ حقیقت تھی کہ پادری نے اسے خوف زدہ کر دیا تھا۔ جو کچھ پادری کہنا چاہتا تھا، رابرٹ اسے سننے سے خوف زدہ تھا۔

اس صبح رابرٹ اپنی کار خود لے کر نکلا۔ ہورٹن سے اس نے کہا کہ وہ کچھ وقت اکیلے گزارنا چاہتا ہے۔ وہ ادھر ادھر ڈرائیو کرتا رہا، آفس وہ اس ڈر سے نہیں گیا کہ وہاں وہ پوچھیں گے کہ وہ لنچ کے لئے کہاں جا رہا ہے۔ اسے یہ احساس ہو گیا تھا کہ فادر ٹیسون کے بلاوے کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں ہے۔ البتہ بالمشافہ حوصلہ شکنی کی صورت میں یہ امکان تھا کہ وہ مایوس ہو کر اس کا پیچھا چھوڑ دیتا۔

رابرٹ کو اب اسی میں بہتری نظر آ رہی تھی کہ وہ فادر کا سامنا کرے، اسے کھل کر بولنے کا موقع دے اور اس کی ہر بات سنے۔ ابھی آخر میں اس نے خطرناک بات کہی تھی......اس نے کہا تھا کہ کیتھی کی جان کو خطرہ ہے۔ اس نے کہا تھا کہ اگر وہ ملنے نہیں آیا تو کیتھی مر جائے گی۔

اور رابرٹ کے لئے کیتھی کی اہمیت ہر چیز سے زیادہ تھی!

وہ ساڑھے بارہ بجے کیوز گارڈن پہنچا۔ اس نے گاڑی پارکنگ میں کھڑی کی۔ وہیں بیٹھ کر وہ ریڈیو پر خبریں سنتا رہا۔ وقت رینگ رینگ کر گزر رہا تھا۔

لیکن اس کا دھیان خبروں میں نہیں تھا۔ وہ اس وقت زندگی کے بارے میں فلسفیانہ انداز میں سوچ رہا تھا۔ موت انسان کے وجود میں ٹائم بم کی طرح نصب ہوتی ہے۔ جسم کے اندرونی اعضا کی طرح۔ وقت آتا ہے تو بم پھٹ جاتا ہے۔ اور یہ دور تو ایسا ہے کہ پلوٹینیم جیسی چیز ہر کسی کو دستیاب ہے۔ چھوٹے چھوٹے بے حیثیت ممالک بھی خود کو ایٹمی جنگ کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ ان میں کچھ خودکشی کا رجحان رکھنے والے بھی ہیں۔ وہ اپنے ساتھ دوسروں کو لے بیٹھنے میں کوئی عار محسوس نہیں کریں گے۔ اس نے صحرائے سینائی کے بارے میں سوچا...... وہ زمین جس کا خدا نے ایمان والوں سے وعدہ فرمایا۔ تو کیا وہ زمین ایمان والوں کو اس وقت ملے گی، جب دنیا میں تمام زندگی کا ٹائم بم پھٹنے والا ہو گا۔

اس نے ڈیش بورڈ پر رکھی گھڑی میں وقت دیکھا۔ ایک بج رہا تھا۔ وہ کار سے نکلا اور آہستہ قدموں سے چلتا ہوا پارک میں داخل ہو گیا۔ اس نے رین کوٹ پہن لیا تھا اور آنکھوں پر چشمہ لگا لیا تھا تاکہ پہچانا نہ جا سکے۔

اس نے پادری کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ پھر وہ اسے نظر آ گیا۔ لیکن اسے دیکھ کر وہ جیسے پتھر کا بت بن گیا۔ اس کی طرف بڑھنے کو اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ ٹیسون ایک بنچ پر بیٹھا تھا۔ اس کی طرف اس کی پشت تھی۔ پادری نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ خاموشی سے پلٹ کر جا بھی سکتا تھا اور اسے پتا بھی نہ چلتا۔ لیکن اب وہ منہ چھپانا نہیں چاہتا تھا۔

چنانچہ وہ گھوم کر پادری کے سامنے چلا گیا۔

پادری نے اتنا اچانک اسے نمودار ہوتے دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اس کا چہرہ پسینے میں نہایا ہوا تھا اور اعصابی کشیدگی اس کے چہرے پر صاف لکھی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے دونوں سامنے کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

''مجھے پولیس کو ساتھ لانا چاہئے تھا''۔ رابرٹ نے تیز لہجے میں کہا۔

''اس سے تمہیں کچھ فائدہ نہیں ہوتا''۔

''بہرحال جو کہنا ہے، جلدی سے کہہ دو''۔

ٹیسون کی پلکیں پھڑپھڑائیں اور ہاتھوں میں لرزش نظر آنے لگی۔ لگتا تھا کہ وہ کسی اندرونی اذیت سے لڑ رہا ہے۔ ''جب یہودی سرزمین، مقدس میں واپس آئیں گے......''۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔

''کیا؟''۔

''جب یہودی سرزمین مقدس میں واپس آئیں گے۔ ایک شہاب ثاقب آسمان پر نظر آئے گا اور مملکت روم کو دوبارہ عروج حاصل ہو گا۔ تب تم اور میں مر جائیں گے''۔

رابرٹ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ یہ شخص تو سو فی صد پاگل ہے۔ اس نے سوچا۔ وہ ایک نظم کے مصرعے تھے جو وہ سنا رہا تھا۔ انداز ایسا تھا، جیسے وہ کسی ٹرانس میں ہے۔

''تب بحر ابد سے وہ اٹھے گا۔ سمندر کے دونوں کناروں پر وہ فوجیں جمع کرے گا۔ وہ بھائی کو بھائی سے لڑائے گا۔ یہاں تک کہ کچھ بھی نہیں بچے گا''۔

اب پادری کا جسم یوں لرز رہا تھا کہ اس کی بوٹی بوٹی، جسم کا ریشہ ریشہ تھرکتا دکھائی دے رہا تھا۔

رابرٹ تھورن اس کے اور قریب ہو گیا۔ اس کی لرزتی آواز سننا اور سمجھنا بھی آسان نہیں تھا۔

''کتاب انکشافات میں یہ سب پیش گوئیاں موجود ہیں''۔ پادری کہہ رہا تھا۔

''میں یہاں مذہبی وعظ سننے کے لئے نہیں آیا ہوں''۔ رابرٹ نے خشک لہجے میں کہا۔

''شیطان اپنے سب سے زبردست اور آخری معرکے میں ایک انسانی شخصیت کو استعمال کرے گا، جو پوری طرح اس کے زیر اثر ہو گا۔ کتاب دانیال اور کتاب لیوک میں......''۔

''تم نے کہا کہ میری بیوی خطرے میں ہے''۔ رابرٹ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''تم ارض مقدس جاؤ۔ قدیم شہر جیزریل میں مگیدو نامی قصبے میں، وہاں تمہیں بوڑھے بیوگن ہیگن سے ملنا ہو گا۔ صرف وہی بتا سکتا ہے کہ اس بچے کو کیسے ختم کیا جائے......''۔

''میری بات سنو......''۔

''جسے بھیڑ نے نہیں بچایا، اسے لازماً درندہ پھاڑ کھائے گا''۔

''خاموش ہو جاؤ''۔

ٹیسون خاموش ہو گیا۔ اس نے لرزتے ہاتھ سے اپنی پیشانی اور بھوؤں سے پسینہ پونچھا۔

''میں یہاں آیا تو صرف اس لئے کہ تم نے کہا تھا کہ میری بیوی کی جان خطرے میں ہے''۔ رابرٹ نے کہا۔

''میں نے جاگتی آنکھوں سے دیکھا تھا مسٹر تھورن۔ خدا نے مجھے پیش بینی کی صلاحیت دی ہے۔ جو کچھ مستقبل میں ہونے والا ہے، وہ میں ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں، اس پر میرا اختیار نہیں۔ میں اپنی مرضی سے کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ اصل میں خدا دکھاتا ہے......''۔

''تم نے کہا تھا کہ میری بیوی......''۔

''وہ ماں بننے والی ہے''۔

رابرٹ کے لئے وہ دھماکہ تھا۔ وہ گنگ ہو کر رہ گیا۔ بات اتنی خلاف توقع تھی کہ چند لمحے وہ کچھ بول ہی نہیں سکا۔ پھر اس نے کوشش کر کے خود کو سنبھالا۔ ''میرا خیال ہے کہ تم غلطی پر ہو''۔ بالآخر اس نے کہا۔

''مجھے یقین ہے کہ وہ ماں بننے والی ہے''۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔ اس کا امکان بھی نہیں۔ فادر اسپلیٹو نے کہا تھا کہ اب وہ کبھی ماں نہیں بن سکے گی''۔

''اس لئے کہ تم اولاد ابلیس کو گود لے لو۔ اور اس نے جھوٹ کہا تھا۔ اب میں تمہیں خبردار کر رہا ہوں کہ وہ اس بچے کو پیدا ہونے نہیں دے گا۔ وہ اسے رحم مادر ہی میں قتل کرنے کی کوشش کرے گا''۔ یہ کہتے کہتے ٹیسون کی ہلکی سی چیخ نکلی۔ درد نے بڑا شدید وار کیا تھا۔

''تم کس کی بات کر رہے ہو؟ کون قتل کر دے گا؟''۔ رابرٹ کے لہجے میں الجھن تھی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''تمہارے بیٹے کی مسٹر تھورن...... بلکہ نام نہاد بیٹے کی۔ کیونکہ درحقیقت وہ شیطان کا بیٹا ہے۔ وہ تمہارے اصل بچے کو پیدا ہونے سے پہلے ہی قتل کر دے گا۔ اور یہی نہیں، اس کے بعد وہ تمہاری بیوی کو بھی ختم کر دے گا اور جب اسے یقین ہو جائے گا کہ تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے، اب صرف اس کا ہے تو مسٹر تھورن، تمہاری ضرورت بھی نہیں رہے گی۔ تب وہ تمہیں بھی ختم کر دے گا''۔

''بس بہت ہو گیا۔ اتنے چھوٹے معصوم بچے کے متعلق ایسی باتیں کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی''۔

''وہ معصوم نہیں، شیطان کا بیٹا معصوم کیسے ہو سکتا ہے''۔ ٹیسون نے بلا جھجک کہا۔ ''تمہاری دولت اور طاقت کی مدد سے وہ زمین پر شیطان کی مملکت قائم کرے گا...... ایک نقلی خدائی سلطنت۔ حالاں کہ وہ براہ راست شیطان سے احکامات لے رہا ہوگا......''۔

''تم پاگل ہو''۔ رابرٹ نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

''اسے ختم کرنا ہوگا مسٹر تھورن۔ یہ بہت ضروری ہے''۔ ٹیسون کے حلق سے پھر ایک کراہ نکلی اور اس کی ایک آنکھ سے آنسو چہرے پر پھسل آیا۔

رابرٹ تھورن سحر زدہ سا اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ وہ ہل بھی نہیں سکتا ہے۔

''پلیز مسٹر تھورن''۔ ٹیسون اب رو رہا تھا۔

''تم نے مجھ سے پانچ منٹ مانگے تھے''۔

''تم مگید و جاؤ اور بیوگن ہیگن سے ملو۔ جلدی کرو۔ کہیں دیر نہ ہو جائے''۔

رابرٹ نے نفی میں سر ہلایا۔ اس نے لرزتی ہوئی انگلی ٹیسون کی طرف اٹھائی۔ ''جو تم نے کہا، میں نے سن لیا۔ اب تم میری بات غور سے سن لو''۔ اس نے سخت تنبیہی لہجے میں کہا۔ ''اب اگر مجھے تمہاری صورت نظر آئی تو میں تمہیں گرفتار کرا دوں گا''۔ یہ کہہ کر وہ مڑا اور دروازے کی طرف چل دیا۔

ٹیسون رندھی ہوئی، آنسوؤں سے بھیگی آواز میں اسے پکار رہا تھا۔ ''ٹھیک ہے مسٹر تھورن۔ اب ہماری ملاقات جہنم میں ہوگی۔ وہاں ہم اپنی مشترکہ سزا بھگت رہے ہوں گے''۔

............x............

اگلے ہی لمحے رابرٹ تھورن جا چکا تھا۔ ٹیسون اکیلا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھاما ہوا تھا۔ کئی منٹ تک وہ اسی حال میں اپنے آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن وہ رک ہی نہیں رہے تھے۔ اس کے ذہن میں بس ایک ہی خیال تھا۔ کھیل ختم ہو گیا تھا...... اور وہ ناکام ہو چکا تھا۔

دھیرے دھیرے اٹھتے ہوئے اس نے پارک کا جائزہ لیا۔ پارک اب خالی تھا اور وہاں سناٹا تھا۔ نجانے کیوں وہ سکوت اور عدم تحرک اسے بہت غیر معمولی لگ رہا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی خلا میں کھڑا ہے، جہاں ہوا نے بھی اپنی سانس روک لی ہے۔

پھر اچانک اسے وہ ہلکی ہلکی آواز سنائی دینے لگی۔ ابتدا میں وہ بہت دور کی آواز تھی...... دور کی اور بہت دھیمی آواز! لیکن پھر بتدریج اس میں شدت آتی گئی۔ یہاں تک کہ اس کے اردگرد کی فضا اس کی گونج سے مرتعش ہو گئی۔ اور اس آواز کا حجم اب بھی مسلسل بڑھ رہا تھا۔

ٹیسون نے گھبرا کر اپنے گلے میں پڑی ہوئی صلیب ہاتھ میں تھام لی۔ اس کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں اور اس نے خوف زدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ آسمان تاریک ہوتا جا رہا تھا اور ہوا میں بہ تدریج تیزی آ رہی تھی۔ پھر ہوا اتنی تیز ہو گئی کہ درختوں کو دیکھتے ہوئے لگتا تھا کہ ہوا انہیں اکھاڑ پھینکے گی۔

ہوا اب غضب ناک ہو گئی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں حمائلی صلیب دبوچے ہوئے ٹیسون اٹھا اور سڑک کی طرف چلنے لگا۔ اپنی دانست میں وہ تحفظ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لیکن وہ وہاں پہنچا تو ہوا کا غیض و غضب اور بڑھ گیا۔ وہاں اس کے اردگرد ہوا بگولوں کی شکل میں ناچ رہی تھی۔ ردی کاغذ اور سڑک کا کوڑا کچرا اس کے ساتھ گھوم رہا تھا۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے اور سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ پھر ہوا کا ایک زبردست تھپیڑا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔

سڑک کے پار اسے ایک چرچ نظر آ رہا تھا۔ وہ سڑک پار کرنے کی نیت سے فٹ پاتھ سے اترا تو ہوا اس پر عقاب کی سی تیزی سے جھپٹی۔ ہوا کی مخالف سمت عافیت کی طرف بڑھنے کے لئے اسے بہت زور لگانا پڑ رہا تھا۔ اب ہوا کے شور کے ساتھ ایک شیطانی آواز بھی تھی، جو اسے اپنے کان میں چنگھاڑتی محسوس ہو رہی تھی۔

ہوا سے لڑنے کی جدوجہد میں نڈھال ہوتا، سسکتا کراہتا ٹیسون آگے بڑھ رہا تھا۔ گرد کے جھکڑ نے اسے کچھ دیکھنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ نہ تو اس نے دیکھا، نہ ہی اسے آواز سنائی دی، بہرحال ایک ٹرک اس کی طرف آ رہا تھا۔ ٹرک ڈرائیور بھی گرد کی وجہ سے کچھ دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر بریک لگائے۔ لیکن بہت تیز رفتاری کی وجہ سے رفتار کم ہونے میں بھی وقت لگا۔

ٹائروں کے زمین پر رگڑنے کی آواز ٹیسون کے بہت قریب سے آئی تھی۔ اسے خود بھی حیرت ہوئی کہ وہ ٹرک کی لپیٹ میں آنے سے کیسے بچ گیا۔ بہرحال رفتار کم کرتے کرتے ٹرک قریب ہی پارک ہوئی گاڑیوں کی قطار میں گھس گیا۔ پھر ایک زوردار دھماکے کے بعد ٹرک رک گیا۔

ہوا اچانک رک گئی تھی۔ لوگ چیختے چلاتے ہوئے ٹیسون کے پاس سے گزر کر بدنصیب ٹرک کی طرف جا رہے تھے۔ ٹرک میں ڈرائیور کا خون میں نہایا ہوا سر کھڑکی پر لٹکا ہوا تھا۔ سر سے خون بہہ کر چہرے کو بھگوتے ہوئے اس کے کپڑوں پر گر رہا تھا۔

اوپر آسمان پر زبردست گڑگڑاہٹ ہوئی۔ ٹیسون بیچ سڑک پر کھڑا خوف سے لرزتے ہوئے بچے کی طرح رو رہا تھا۔ سامنے چرچ کے عین اوپر بجلی کا زبردست کڑاکا ہوا۔ اسے سنتے ہی ٹیسون پارک کی طرف واپس بھاگا۔

ایک اور کڑاکے کے ساتھ زبردست بارش شروع ہو گئی۔ آسمان پر کوڑوں کی طرح لہرانے والی بجلی اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ ٹیسون اپنی پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔ لیکن آسمانی بجلی اس کا پیچھا کئے جا رہی تھی۔ بجلی تڑپ کر نیچے آئی۔ ٹیسون بال بال بچا۔ ایک بے حد بڑا درخت بجلی کی لپیٹ میں آ گیا۔

اب ٹیسون کے حلق سے ڈری ڈری چیخیں نکل رہی تھیں اور وہ اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔ پھر اسے بھاگنے میں دشواری کا احساس ہوا۔ اگلے ہی لمحے وجہ بھی اس کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ کیچڑ میں آ گیا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور کیچڑ سے نکلنے کی کوشش کی۔ اس کے قدم بہرحال سست پڑ گئے تھے۔ بجلی آسمان کی انگلی کی طرح اس کی طرف لہرا رہی تھی۔ اگلے ہی لمحے پارک کی ایک چوبی بینچ آسمانی بجلی کی لپیٹ میں آئی اور ماچس کے پیکٹ کی طرح چرمرا کر رہ گئی۔

ٹیسون نے جھاڑیوں میں چھلانگ لگا دی اور ان کے درمیان بھاگتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ ایک ذیلی سڑک پر نکل آیا۔ اسی لمحے آسمان پر پھر کڑاکا ہوا اور بجلی زمین کی طرف لپکی۔ اس بار ایک لیٹر باکس اس کا نشانہ بنا، جس کے پاس سے محض ایک ثانیہ پہلے ٹیسون گزرا تھا۔ دھات کا لیٹر باکس کسی معمولی سی بالٹی کی طرح فضا میں اچھلا اور چند لمحے بعد زمین پر آ گرا۔

ٹیسون کی سانس سینے میں نہیں سما رہی تھی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھتا رہا۔ اس کی نظریں مشتعل آسمان پر تھیں۔ بارش اتنی تیز تھی کہ اسے اپنے چہرے پر تھپیڑ برستے محسوس ہو رہے تھے۔ نگاہ اور منظر کے درمیان آسمان سے زمین تک پانی کی چادر حائل تھی، جس کی وجہ سے شہر کا منظر بے حد دھندلا نظر آ رہا تھا۔

لندن شہر میں لوگ بارش سے بچنے کے لئے پناہ کی تلاش میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ کھڑکیاں دھڑا دھڑ بند ہو رہی تھیں۔ چھ بلاک دور ایک اسکول ٹیچر پرانے طرز کی کھڑکی سے الجھی اسے بند کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کلاس کے بچے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک پٹ والی پرانے طرز کی ایسی کھڑکی تھی، جسے کھولنے کے لئے اس کے پٹ کو اٹھا کر ایک پول کی مدد سے ٹھہرایا جاتا ہے۔ اب وہ ٹیچر کھڑکی بند کر رہی تھی تو اسے پول کو ہٹا کر پٹ کو گرانا تھا۔ اس ٹیچر بے چاری نے کبھی فادر ٹیسون کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ نہ ہی وہ یہ جانتی تھی کہ اس وقت فادر ٹیسون کی قسمت اس کی قسمت سے جڑ گئی ہے۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس وقت پھنکارتے ہوئے اس موسم میں فادر ٹیسون اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔

اکھڑتی سانسوں کے ساتھ اپنے پیچھے لگے قہر و غضب سے بھاگتا ٹیسون اس تنگ گلی میں داخل ہوا۔ وہ اب بھی دوڑ رہا تھا۔ بجلی کے کڑاکے اب کافی پیچھے رہ گئے تھے۔ لیکن ٹیسون کی طاقت بھی جواب دے رہی تھی۔ ہر دھڑکن اسے ڈنک کی طرح لگ رہی تھی۔

موڑ مڑ کر وہ سانس درست کرنے کے لئے ایک بلڈنگ کے نیچے کھڑا ہوا۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور وہ سانس کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی نگاہیں دور پارک پر جمی تھیں، جہاں بجلیاں اب بھی لہرا رہی تھیں۔ اوپر کی طرف دیکھنے کا اسے خیال ہی نہیں آیا۔ حالاں کہ وہاں کچھ ہو رہا تھا۔

تیسری منزل کی اس کھڑکی کا پول ڈھیلا ہو چکا تھا۔ ٹیچر اس کے نچلے حصے کو اس کے کنڈے سے نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پول کا بالائی حصہ جن کیلوں کی مدد سے کھڑکی کے پٹ سے جوڑا گیا تھا، وہ زنگ آلود ہو کر دھیرے دھیرے جگہ چھوڑتے چھوڑتے اب پول کو پوری طرح آزاد کر رہی تھیں۔ ادھر ٹیچر نے پول کو کنڈے سے نکالا، ادھر بالائی حصہ بھی نکلا اور پول عمودی حالت میں زمین کی طرف گرنے لگا۔ ٹیچر نے اسے پکڑنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ نیزے ہی کی رفتار سے گر رہا تھا۔ اس کا نکیلا دھاتی حصہ نیچے تھا۔

ٹیسون عین اس جگہ کھڑا تھا۔ پول اس کے سر میں گھسا تھا اور اس کے پورے جسم کے وسطی حصے سے گزر کر زمین میں دھنس گیا۔ پول نے ٹیسون کو جیسے پرو دیا تھا۔ خون نہ نکلا ہوتا تو اسے دیکھ کر کسی بڑے کھلونے ہی کا خیال آتا۔

پورے لندن میں موسم گرما کی بارش اچانک ہی رک گئی تھی!

اسکول کی ٹیچر نے تیسری منزل سے نیچے جھانکا اور اس منظر کو دیکھ کر پاگلوں کی طرح چلانے لگی۔

دوسری سڑک پر پارک کے سامنے لوگ الٹے ہوئے ٹرک سے ڈرائیور کی خون میں لت پت لاش نکال رہے تھے۔

بادل چھٹے اور سورج نے دوبارہ سر اٹھایا اور یوں چمکنے لگا، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

کچھ چھوٹے بچے پادری کی پول کے ساتھ گڑی لاش کے گرد جمع ہو گئے تھے اور متجسس نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ پادری کے ہیٹ سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور چہرے پر حیرت کا تاثر منجمد ہو گیا تھا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

ایک بڑی سبز رنگ کی مکھی اس کے مردہ ہونٹوں پر منڈلا رہی تھی، جیسے اس کے کھلے ہوئے منہ میں گھسنے کا ارادہ رکھتی ہو۔

............x............

یہ اس واقعے کی اگلی صبح کی بات ہے۔ پیری فورڈ کے گیٹ پر ہورٹن نے اخبارات اکٹھا کئے اور سن روم میں لے گیا، جہاں رابرٹ اور کیتھی بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ کمرے سے نکلتے ہوئے ہورٹن نے دیکھا کہ مسز تھورن کا چہرہ اب بھی ستا ہوا تھا اور وہ اعصابی کشیدگی کا شکار لگ رہی تھیں۔ پچھلے کئی ہفتوں سے ان کا یہی حال تھا۔ ہورٹن کا خیال تھا کہ یہ اس ڈاکٹر کی وجہ سے ہے، جس سے ملنے ہفتے میں دو تین بار وہ لندن جاتی تھیں۔ انہیں لے کر وہی جاتا تھا۔

ابتدا میں تو ہورٹن یہ سمجھا کہ یہ کسی جسمانی عارضے کے لئے ہے لیکن پھر ایک دن بلڈنگ کے بورڈ پر اس نے پڑھ لیا کہ ڈاکٹر گریئر سائیکیٹرسٹ ہے۔ خود ہورٹن کو کبھی کسی ماہر نفسیات کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ بلکہ اس کے جاننے والوں میں بھی کسی نے یہ چونچلا نہیں پالا تھا۔ اس کا اپنا نظریہ یہ تھا کہ نفسیاتی معالج بس ایک کام کرتے ہیں...... یہ کہ اپنے مریض کو پاگل پن کی سرحد کے پار دھکیل دیتے ہیں اور ڈاکٹر گریئر سے ملنے کے بعد مسز تھورن کی کیفیت اس کے سامنے تھی اور اس کے اندازے کی تائید کر رہی تھی لندن کے سفر کے دوران مسز تھورن خوش مزاجی اور زندہ دلی کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ لیکن واپس آتے ہوئے وہ بجھی بجھی، اعصاب زدہ اور چپ چپ رہتی تھیں۔

اور یہ حقیقت تھی۔ جب سے کیتھی نے ڈاکٹر گریئر سے ملنا شروع کیا تھا، اس کا مزاج برہم رہنے لگا تھا۔ وہ اچھے موڈ میں کم ہی نظر آتی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ اس کے دل و دماغ اور اعصاب پر کوئی بہت بھاری بوجھ ہے، جس سے وہ چٹخی جا رہی ہے۔ گھر کے ملازموں سے وہ دور ہو گئی۔ مختصر اور درشت احکامات کے سوا وہ کوئی بات نہیں کرتی تھی۔ اور اپنے بیٹے سے بھی اس کا تعلق تقریباً منقطع ہو چکا تھا۔ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ بچہ پہلے اس کی طرف سے بے پروا تھا۔ لیکن پچھلے چند ہفتوں سے اسے ماں کی طلب ہونے لگی تھی۔ لگتا تھا کہ چند ہفتے پہلے تک جو کیتھی اس کی محبت جیتنے کی کوشش کرتی رہی تھی، وہ اب بار آور ثابت ہو رہی تھیں۔ مگر اب کیتھی کو اس کی محبت کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ چنانچہ ڈیمین ماں سے محروم ہی تھا۔

خود کیتھی کو بھی یہ تھراپی اپنے لئے بوجھ معلوم ہو رہی تھی۔ کیونکہ اس نے اپنی تشویش کی سطح کو کھرچ کر دیکھا تھا تو اسے تشویش اور مایوسی کے گہرے اتھاہ اور تاریک کنویں کے سوا کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ جو زندگی وہ گزار رہی تھی، وہ کنفیوژن سے جنگ کے سوا کچھ بھی نہیں تھی، بلکہ اب تو وہ اپنی شناخت بھی کھو رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کون ہے۔ ہاں اسے یاد تھا کہ وہ کون ہوا کرتی تھی اور کیا چاہتی تھی۔ لیکن اب وہ سب کھو چکا تھا۔ مستقبل کا تصور کرتی تو اسے اندھیرے کے سوا کچھ بھی دکھائی نہ دیتا۔ خوف اس کے لئے روزمرہ کی چیز بن گیا تھا۔ فون کی گھنٹی بجتی تو وہ لرز اٹھتی۔ پریشر کوکر کی آواز سے وہ دہل جاتی۔ ٹی پاٹ کی سیٹی اس کے اعصاب پر بم کی طرح گرتی۔ وہ اس مقام پر پہنچ گئی تھی، جہاں ہر دن گزارنا اس کے حوصلے پر بڑا بار تھا اور حوصلہ ہر روز کم ہوتا جا رہا تھا۔

آج کا دن اس کے لئے اور سخت تھا۔ وہ جانتی تھی کہ بچا کھچا حوصلہ آج اور کمزور ہو جائے گا۔ وجہ یہ تھی کہ آج اس پر ایک ایسا انکشاف ہوا تھا جو فوری عملی اقدام کا تقاضہ کر رہا تھا۔ اور اسے ڈر تھا کہ اس سلسلے میں اس کا اپنے شوہر سے تصادم ہو گا۔ کیونکہ وہ اس کے مجوزہ عملی اقدام کی مخالفت کرے گا۔ اس کے علاوہ ڈیمین بھی اس کے لئے بوجھ بنتا جا رہا تھا۔ صبح ہی سے اس کے آس پاس منڈلانا اور اس کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا ڈیمین کا معمول ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی وہ سن روم میں ایک پہیوں والا کھلونا پرشور انداز میں دوڑاتا پھر رہا تھا۔ کھلونا بار بار کیتھی کی کرسی سے ٹکراتا۔ اور کیتھی کو یقین تھا کہ ڈیمین بالارادہ اسے اس کی کرسی سے ٹکرا رہا ہے۔ اور ڈیمین اپنے منہ سے ریلوے انجن کی سی آواز نکال رہا تھا۔

''مسز بے لاک''۔ بالآخر کیتھی نے بلند آواز میں پکارا۔

رابرٹ تھورن اس وقت اخبار کھول رہا تھا۔ کیتھی کے لہجے کی تندی نے اسے دہلا دیا۔ ''کیا بات ہے ڈیئر، کوئی گڑبڑ ہے؟''۔ اس نے پوچھا۔

''ڈیمین۔ میں یہ شور برداشت نہیں کر سکتی''۔

''اب ایسا بھی نہیں ڈیئر کہ یہ......''۔

''مسز بے لاک''۔ کیتھی نے پھر پکارا۔

بھاری بھرکم آیا تقریباً بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ ''جی مادام؟''۔

''بچے کو یہاں سے لے جاؤ''۔ کیتھی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''لیکن کیتھی ڈیئر، یہ بے چارہ بس کھیل ہی تو رہا ہے''۔ رابرٹ نے احتجاج کیا۔

''تم اسے یہاں سے لے جاؤ''۔ کیتھی نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے دہرایا۔ وہ مسز بے لاک سے مخاطب تھی۔

''بہت بہتر مادام''۔ مسز بے لاک نے کہا۔

مسز بے لاک ڈیمین کا ہاتھ تھام کر اسے کمرے سے باہر لے گئی۔ ڈیمین نے پلٹ کر اپنی ماں کو دیکھا۔ رابرٹ تھورن کو اس کی آنکھوں میں دکھ اور اذیت نظر آئی تو وہ تڑپ اٹھا۔ کیتھی اسے نظر انداز کر کے ناشتے میں مصروف رہی۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کیتھی کہ ہم نے بچے کی آرزو کیوں کی تھی''۔

''اپنے امیج کے لئے''۔

''کیا؟ کیا کہہ رہی ہو؟''۔ رابرٹ کو شاک لگا۔

''بچہ کیوں نہ ہوتا رابرٹ''۔ کیتھی نے کہا۔ ''ایک خوب صورت فیملی خوب صورت بچے کے بغیر کیسے مکمل ہو سکتی ہے''۔

اس کے لہجے نے رابرٹ کو ہلا دیا۔ ''کیتھی......''۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ ہے نا؟ یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں تھا کہ بچے کو پالنے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ ہم نے تو صرف یہ سوچا کہ ایک خوب صورت بچے کے ساتھ ہماری تصویریں اخبارات میں چھپیں گی تو لوگوں کو کیسا لگے گا۔ وہ ہمارے بارے میں اچھے انداز میں سوچیں گے۔ ہمارا امیج بہتر ہو گا''۔

رابرٹ گنگ ہو کر رہ گیا۔ وہ منہ کھولے حیرت سے کیتھی کو گھور رہا تھا۔

کیتھی بھی اس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھنے لگی۔ ''میں نے غلط تو نہیں کہا۔ ٹھیک ہے نا؟''۔

''کیا یہ وہ نفسیاتی امداد ہے، جو ڈاکٹر گریئر سے تمہیں مل رہی ہے؟''۔

''ہاں''۔

''تب تو میرا خیال ہے کہ مجھے اس سے بات کرنی ہو گی''۔

''ضرور کرو۔ اسے بھی تم سے کوئی بات کرنی ہے''۔

کیتھی کا انداز بے حد بلاواسطہ اور سرد تھا۔ رابرٹ کا خیال تھا کہ جو کچھ کیتھی کہنا چاہتی ہے، وہ سمجھ رہا ہے۔ ''تم ہی بتا دو، کیا بات ہے؟''

''بات یہ ہے رابرٹ کہ ہم ایک مسئلے سے دوچار ہیں''۔

''کچھ بتاؤ تو''۔

''مجھے اب کوئی بچہ نہیں چاہئے رابرٹ''۔

رابرٹ اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور مزید وضاحت کا منتظر تھا۔

''تمہیں اس میں کوئی اعتراض تو نہیں؟''

''میں تو تمہاری خوشی میں خوش ہوں۔ جو تمہاری مرضی''۔ رابرٹ نے کہا۔

''تو تمہیں اسقاط حمل پر کوئی اعتراض نہیں؟''

رابرٹ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ ایسا ذہنی جھٹکا تھا، جس سے وہ آسانی سے نہیں سنبھل سکتا تھا۔

''میں امید سے ہوں رابرٹ۔ کل صبح مجھے پتا چلا ہے''۔ کیتھی نے کہا۔

چند لمحے خاموشی میں گزرے۔ رابرٹ کا سر گھوم رہا تھا۔

''تم نے میری بات سنی بھی؟'' کیتھی نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

''یہ...... یہ کیسے ممکن ہے؟'' رابرٹ کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی۔

''ممکن تو ہے۔ کبھی کبھی حفاظتی انتظامات غیر موثر ہو جاتے ہیں''۔

''تمہیں یقین ہے کہ تم امید سے ہو؟''

''بالکل یقین ہے۔ ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا ہے''۔

رابرٹ کا چہرہ سپید پڑ گیا تھا۔ ہاتھ لرز رہے تھے اور وہ میز کو گھور رہا تھا۔ ''تم نے کسی کو بتایا اس بارے میں؟'' اس نے پوچھا۔

''صرف ڈاکٹر گریئر کو معلوم ہے''۔

''تمہیں یقین ہے؟''

''کس بارے میں پوچھ رہے ہو......؟ یہ کہ میں اسقاط چاہتی ہوں؟''

''نہیں......وضع حمل کے بارے میں''۔

''مجھے پورا یقین ہے''۔

رابرٹ کا جسم شل ہو گیا تھا۔ لگتا تھا کہ ایک انگلی ہلانا بھی اس کے اختیار میں نہیں ہے اور وہ خلا میں کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ہاتھ

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

لیکن رابرٹ جواب دینے کے قابل نہیں تھا۔کیتھی نے ہاتھ بڑھا کر اخبار اس سے لے لیا۔اس نے دیکھا، وہ بڑی خوف ناک تصویر تھی۔ایک کھڑکی کا پول ایک شخص کے جسم کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوا زمین میں گڑ گیا تھا۔کیپشن تھا...... پادری پر اسرار حالت میں مصلوب۔ نا قابل فہم المیہ۔

کیتھی نے اخبار سے سر اٹھا کر اپنے شوہر کو دیکھا۔وہ بہت الجھن زدہ اور دہلا ہوا نظر آ رہا تھا، اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھاما، جو برف کی طرح سرد ہو رہا تھا۔''رابرٹ ......کیا بات ہے؟''اس نے پکارا۔

رابرٹ اٹھا اور کمرے سے نکلنے لگا۔

''تم اسے جانتے تھے؟''

رابرٹ نے جواب نہیں دیا۔کیتھی نے پھر تصویر کو دیکھا۔وہ خبر پڑھنے لگی۔اسی دوران اسے رابرٹ کی کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔جب تک وہ اٹھ کر جھانکتی، رابرٹ کی گاڑی باہر جا چکی تھی۔

کیتھی پھر خبر پڑھنے لگی............

بشپ انڈسٹریل اسکول کی تیسری جماعت کی ٹیچر مسز جیمز کے لئے وہ دن اور دنوں کی طرح ہی شروع ہوا تھا۔وہ جمعے کا دن تھا۔جس وقت بارش شروع ہوئی، وہ بچوں کو ریڈنگ کرانے کی تیاری کر رہی تھیں، حالانکہ بارش کا رخ ایسا نہیں تھا کہ کھڑکی سے اندر آتی۔لیکن بارش کے شور سے بچنے کے لئے انہوں نے کھڑکی بند کرنے کا فیصلہ کیا۔وہ اسکول کی انتظامیہ کو اس پرانی کھڑکی کے بارے میں کئی بار خبردار کر چکی تھیں کہ اسے کھولنے کے لئے پٹ میں اٹکایا جانے والا پول ڈھیلا ہو چکا تھا۔

بہرحال کل وہ پول پوری طرح اپنے کنڈے سے نکل گیا اور تیسری منزل سے عمودی حالت میں نیچے گرا۔بدقسمتی سے ایک راہ گیر اسی وقت بارش سے پناہ لینے کے لئے بلڈنگ کے نیچے آ کر کھڑا ہوا تھا۔پول اس کے سر پر گرا اور پورے جسم کو پروتا ہوا زمین میں گڑ گیا۔وہ موقعے پر ہی ختم ہو گیا۔

پولیس نے ابھی تک اس راہ گیر کی شناخت جاری نہیں کی ہے اور اس کے لواحقین کو تلاش کر رہی ہے؟

کیتھی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔بظاہر تو رابرٹ سے اس کا کوئی تعلق نظر نہیں آ رہا تھا۔اسی الجھن میں اس نے رابرٹ کے دفتر فون کیا۔لیکن وہ ابھی تک وہاں نہیں پہنچا تھا۔ اس نے پیغام چھوڑا کہ وہ آفس پہنچتے ہی گھر فون کر لے۔

دوپہر ہو گئی اور رابرٹ نے کال نہیں کیا۔گویا وہ ابھی تک آفس نہیں پہنچا تھا۔

اب کیتھی نے اپنے سائیکیٹرسٹ ڈاکٹر گریٹر کو فون کیا۔''لیکن وہ بھی مصروف تھا اور فون اٹینڈ نہیں کر سکتا تھا۔اس کے بعد اس نے آخری کال اسپتال میں کی اور اسقاط حمل کے انتظامات کے سلسلے میں بات کر لی۔

..................X..................

اخبار میں پادری کی آخری تصویر دیکھنے کے بعد رابرٹ تھورن اپنی گاڑی میں بیٹھ کر لندن کی طرف چلا۔ وہ بہت تیز ڈرائیو کر رہا تھا لیکن اس کا ذہن اس سے زیادہ تیزی سے سوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کیتھی حاملہ تھی، پادری کی بات درست ثابت ہوئی تھی اور اب جو کچھ بھی ٹیسون نے اس سے کہا تھا، وہ اس میں سے کسی ایک بات کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے پادری کی پارک میں آخری ملاقات کو یاد کرنے کی کوشش کی۔ٹیسون نے کیا کیا کہا تھا۔اس نے کوئی نام لیا تھا اور چند مقامات کے نام تھے، جہاں جانے کو وہ کہہ رہا تھا...... کسی سے ملنے کو کہہ رہا تھا۔لیکن اب اسے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔وہ کوشش کر رہا تھا کہ خود کو پر سکون کر لے۔اب تک جو کچھ بھی ہوا، وہ اسے یاد رہے۔

کیتھی سے اس کی گفتگو...... پھر وہ گمنام فون کال آئی تھی۔''آج کے اخبار پڑھو''۔اس آواز نے کہا تھا۔آواز جانی پہچانی لگ رہی تھی، لیکن وہ اسے پہچاننے میں ناکام رہا تھا۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسا کون ہے جو پادری کے اس سے تعلق سے باخبر ہے۔

یہ سوچتے ہوئے اسے اچانک اس فوٹو گرافر حنیف کا خیال آ گیا۔بالکل درست...... وہ آواز اسی کی تھی۔

اپنے آفس پہنچ کر رابرٹ نے خود کو اپنے کمرے میں بند کر لیا۔پھر اس نے انٹر کام پر اپنی سیکریٹری کو حنیف کا فون ملانے کی ہدایت کی۔

تھوڑی دیر بعد سیکریٹری نے بتایا کہ حنیف کے فون نمبر پر ریکارڈ ڈ پیغام چل رہا ہے کہ وہ اس وقت باہر ہے۔

رابرٹ نے اس سے نمبر لیا اور خود ملا کر دیکھا۔ریکارڈ ڈ پیغام حنیف کی اپنی آواز میں تھا اور وہ وہی آواز تھی، جس نے صبح فون کر کے اسے اخبار پڑھنے کا مشورہ دیا تھا۔سوال یہ تھا کہ حنیف نے فون پر اپنا نام کیوں نہیں بتایا؟ وہ کس طرح کا کھیل کھیل رہا ہے؟

پھر سیکریٹری نے اسے بتایا کہ کیتھی نے کال کیا تھا اور اسے فون کرنے کو کہا تھا۔لیکن رابرٹ نے فی الوقت اسے فون کرنا مناسب نہیں سمجھا۔وہ جانتا تھا کہ وہ اس سے اسقاط حمل کے بارے میں بات کرے گی اور ابھی وہ اس موضوع پر بات کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

''وہ اسے مار ڈالے گا''۔اس کے کانوں میں فادر ٹیسون کی آواز گونجی۔''وہ اسے رحم مادر ہی میں ختم کر دے گا''۔

رابرٹ نے ڈاکٹر چارلس گریٹر کا نمبر ملایا۔''میں آ رہا ہوں، مجھے تم سے ایک اہم معاملے پر بات کرنی ہے''۔

..................X..................

ڈاکٹر گریٹر کے لئے اس کی آمد غیر متوقع نہیں تھی۔وہ کیتھی کی ذہنی ابتری اور پراگندگی کو دیکھ چکا تھا۔اینگزائٹی اور ٹوٹ پھوٹ کے درمیان ایک بہت باریک لکیر ہوتی ہے۔ پچھلے چند دنوں میں وہ کیتھی کو اس لکیر کے دونوں طرف ڈولتے دیکھ چکا تھا۔وہ اس کیفیت کو سمجھ سکتا تھا۔اسے ڈر تھا کہ کیتھی کی دہشت حد سے گزر سکتی ہے...... اس حد تک کہ وہ اپنی جان لینے کی کوشش بھی کر سکتی ہے۔

''کوئی بھی نہیں جان سکتا کہ خوف کتنی گہرائی تک سرایت کر چکا ہے''۔ڈاکٹر نے رابرٹ سے کہا۔''لیکن میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ مسز تھورن جذباتی ٹوٹ پھوٹ کے بہت قریب ہیں''۔

رابرٹ تھورن اعصاب زدہ سا بیٹھا ڈاکٹر گریٹر کو ادھر ادھر ٹہلتے دیکھ رہا تھا۔

''میں یہ سب پہلے بھی دیکھ چکا ہوں۔یہ ایسا ہے، جیسے مال گاڑی دھیرے دھیرے رفتار پکڑتی ہے''۔

''تو تمہارے خیال میں اس کی حالت پہلے سے زیادہ ابتر ہے؟''رابرٹ نے لرزتی آواز میں پوچھا۔

''میں یہ کہوں گا کہ وہ ابتری کی طرف تسلسل کے ساتھ بڑھ رہی ہیں''۔

''تم اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے؟''

''میں ہفتے میں دو بار انہیں وقت دیتا ہوں۔لیکن میرے خیال میں انہیں مستقل نگہداشت کی ضرورت ہے''۔

''تم دبے لفظوں میں اسے پاگل قرار دے رہے ہو؟''

''میرے خیال میں وہ ایک خیالی دنیا میں جی رہی ہیں اور وہ خیالی دنیا بہت خوف ناک ہے۔مسز تھورن اس خوف کے زیر اثر جی رہی ہیں''۔

''میں نہیں سمجھا، تم کس خیالی دنیا کی بات کر رہے ہو''۔

گریٹر سوچ میں پڑ گیا، جیسے فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا ہو کہ کھل کر بات کرے یا نہیں۔بالآخر اس نے کہا۔''ان کی ایک فنتاسی تو یہ ہے کہ ان کے خیال میں ان کا بچہ درحقیقت ان کا نہیں ہے''۔

رابرٹ تھورن کے لئے وہ دن ہی ایسا تھا۔شاک پر شاک لگ رہے تھے۔وہ بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا، جیسے مفلوج ہو گیا ہو۔

''اب میں اسے خوف نہیں کہوں گا۔بلکہ اسے ان کی دبی ہوئی، مچلی ہوئی خواہش قرار دوں گا۔لاشعوری طور پر وہ ماں بننا نہیں چاہتی تھیں۔اب اس خواہش کو پورا کرنے کی یہی ایک صورت ہے کہ وہ سمجھیں کہ ان کا بچہ دراصل ان کا نہیں ہے۔کم از کم جذباتی سطح پر وہ یہی سمجھتی ہیں''۔

رابرٹ ابھی تک نہیں سنبھلا تھا کہ اس پر کچھ تبصرہ کر پاتا۔

''دیکھئے...... میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ ان کے لئے بچے کی کوئی اہمیت نہیں ہے''۔گریٹر نے وضاحت ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔''اس کے برعکس وہ بچہ ہی ان کی زندگی کی اہم ترین چیز ہے۔لیکن کسی نامعلوم سبب سے وہ اس سے خطرہ محسوس کر رہی ہیں۔خطرے کی نوعیت کا میں اندازہ نہیں لگا سکا ہوں''۔

بالآخر رابرٹ تھورن کی زبان کھلی۔''لیکن اسے بچے کی بہت شدید آرزو تھی''۔

''آپ کی خاطر......! آپ کی خوشی کے لئے؟''

''نہیں...... ہرگز نہیں۔یہ اس کی اپنی آرزو تھی۔وہ ماں بننا چاہتی تھی''۔

''لاشعوری طور پر وہ ماں بن کر خود کو آپ کا اہل ثابت کرنا چاہتی تھیں۔انہیں ڈر تھا کہ یہ نہ ہوا تو وہ آپ کے نزدیک بے وقعت ہو جائیں گی''۔

رابرٹ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔اس کی نگاہوں میں مایوسی تھی۔

''اور اب ماں بننے کے بعد وہ محسوس کرتی ہیں کہ وہ ایک ماں کے فرائض ادا کرنے کی اہلیت سے محروم ہیں''۔چارلس گریٹر نے اپنی بات جاری رکھی۔''چناں چہ وہ اپنی نااہلی چھپانے کے لئے عذر تراشنے کی کوشش کرتی ہیں۔وہ سوچتی ہیں کہ یہ بچہ ان کا نہیں ہے۔بلکہ یہ تو شیطان کا......''۔

''کیا......؟ کیا......؟''رابرٹ دہل کر رہ گیا۔

''وہ اس سے محبت نہیں کر سکتیں''۔گریٹر نے کہا۔''اب اس کی وجہ بھی ظاہر کرنی ہو گی۔کیونکہ ایک ماں کے لئے یہ غیر فطری بات ہے۔سو انہوں نے یہ وجہ گھڑ لی......''۔

''وہ کہتی ہے کہ بچہ شیطان ہے؟''رابرٹ نے لرزتی آواز میں پوچھا۔اس کا بہت برا حال تھا۔چہرہ خوف سے کھنچ رہا تھا۔

''اس وقت ان کے لئے یہ سوچنا ضروری ہے۔ایک اور بچہ ان کے لئے تباہ کن ہو گا''۔

''کیسے؟ اس طرح...... یعنی وہ اسے بھی شیطان سمجھے گی؟''

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

’’میں خوف زدہ ہوں‘‘۔رابرٹ نے سرگوشی میں جواب دیا۔

’’یہ تو فطری ہے،صورت حال ہی ایسی ہے‘‘۔

’’کچھ بہت خوف ناک ہورہا ہے،اور بہت خوف ناک ہونے والا ہے‘‘۔

’’بہرحال آپ دونوں اس سے گزر جائیں گے......خیروعافیت کے ساتھ‘‘۔

’’تم سمجھ ہی نہیں رہے ہو‘‘۔

’’میں سمجھ رہا ہوں مسٹر تھورن‘‘۔

’’نہیں ڈاکٹر،دراصل تم کچھ بھی نہیں جانتے‘‘۔

’’آپ یقین کریں،میں جانتا بھی ہوں اور سمجھتا بھی ہوں‘‘۔

رابرٹ کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں،اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

’’آپ بہت دباؤ میں ہیں،بڑا بوجھ ہے آپ پر۔آپ کو اس کا پوری طرح اندازہ بھی نہیں ہے‘‘۔

’’میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے‘‘۔

’’سب سے پہلے تو آپ کو اسقاط کی منظوری دینی چاہئے‘‘۔

رابرٹ نے سر اٹھایا اور ڈاکٹر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔پھر اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔’’نہیں،ہرگز نہیں‘‘۔

’’یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ‘‘۔ڈاکٹر کے لہجے میں حیرت تھی۔’’دیکھیں،اگر آپ کسی مذہبی فلسفے کے تحت انکار کررہے ہیں تو......‘‘

’’نہیں‘‘۔

’’تو آپ اس کی ضرورت کو سمجھیں......‘‘۔

’’نہیں۔مجھے اس کی ضرورت نظر نہیں آتی‘‘۔رابرٹ کے لہجے میں قطعیت تھی۔’’اور میں اس کی اجازت نہیں دوں گا‘‘۔

’’یہ ضروری ہے مسٹر تھورن‘‘۔

’’نہیں‘‘۔

چارلس گریئر اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔وہ رابرٹ تھورن کو بڑی بدمزگی سے دیکھ رہا تھا۔’’میں آپ کے انکار کی وجہ جاننا چاہوں گا‘‘۔

رابرٹ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔’’مجھے پہلے ہی خبردار کردیا گیا تھا کہ یہ حمل ضائع کردیا جائے گا۔لیکن میں اس خطرے سے لڑوں گا۔میں اسے بچانے کی کوشش کروں گا‘‘۔

ڈاکٹر کی نگاہوں میں الجھن بھی تھی اور فکرمندی بھی۔

’’میں جانتا ہوں کہ میری بات سن کر تم سمجھو گے کہ میں بھی پاگل ہوں۔اور ممکن ہے،ایسا ہو بھی‘‘۔رابرٹ نے کہا۔

’’ایسا کیوں کہہ رہے ہیں آپ؟‘‘

رابرٹ کے جبڑے بھنچ گئے۔’’یہ حمل برقرار رہ گیا تو میں یقین کرنے سے بچ جاؤں گا اور میں یقین نہیں کرنا چاہتا‘‘۔

’’کیسا یقین؟‘‘

’’وہ یقین جو میری بیوی کو ہے۔یہ یقین کہ میرا بچہ......‘‘رابرٹ کہتے کہتے رکا۔الفاظ جیسے اس کے حلق میں پھنس گئے۔وہ اٹھ کھڑا ہوا۔اس کی آنکھوں کا تاثر اس درندے کا سا تھا،جس نے خطرے کی بو سونگھ لی ہو اور چوکنا ہوگیا ہو۔ایک وجدانی سوچ ایک مہیب موج کی طرح اس کے اندر چھا گئی تھی۔اسے احساس ہورہا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔

’’مسٹر تھورن؟‘‘

’’معاف کرنا ڈاکٹر......‘‘۔

’’پلیز مسٹر تھورن،آپ بیٹھ جائیں‘‘۔

لیکن رابرٹ نے سر جھٹکا اور کمرے سے نکل گیا۔باہر نکلتے ہی وہ زینے کی طرف لپکا۔بلڈنگ سے نکل کر وہ بھاگتا ہوا اس طرف بڑھا،جہاں اس نے کار پارک کی تھی،پریشانی کا احساس اس کے وجود میں بھرتا چلا جارہا تھا۔

وہ کار کے پاس پہنچا۔اس نے چابی نکال کر دروازہ کھولا۔کار اسٹارٹ کرتے ہی اس نے ایکسیلیٹر دبایا اور پوری رفتار کے ساتھ یوٹرن لیا۔اسے احساس ہورہا تھا کہ کوئی بڑی بات ہونے والی ہے،اسے فوری طور پر گھر پہنچنا چاہئے۔

اس نے گاڑی کو ہائی وے پر ڈال دیا۔پیری فورڈ تک آدھے گھنٹے کی مسافت تھی۔مگر نجانے کیوں،اسے محسوس ہورہا تھا کہ وہ وقت پر گھر نہیں پہنچ پائے گا۔سڑک پر ٹریفک معمول کے مطابق تھا۔وہ بار بار ہارن بجاتا اور گاڑیوں کو اوورٹیک کرتا جارہا تھا۔

پیری فورڈ ہاؤس میں کیتھی کو بھی نامعلوم تشویش کا احساس ہورہا تھا۔ایک بے نام خوف تھا جو اس کے دل میں چٹکیاں لے رہا تھا۔اس سے بچنے کے لئے اس نے خود کو گھریلو کاموں میں الجھا لیا تھا۔اس وقت وہ دوسری منزل کی لینڈنگ پر پودوں کو پانی دینے والا جھرنا ہاتھ میں لئے کھڑی تھی۔وہ یہ سوچ رہی تھی کہ بالکنی پر لٹکے ہوئے گملوں تک کیسے پہنچے۔اسے ان پودوں کو پانی دینا تھا۔لیکن ڈر تھا کہ پانی دو منزل نیچے ٹائلڈ فلور پر بکھر جائے گا۔اس کے عقب میں پلے روم تھا،جہاں ڈیمین اپنے پہیوں والے کھلونے کو دوڑاتے ہوئے ٹرین کی سی آوازیں نکال رہا تھا۔وہ کھلونے پر سوار تھا اور اسے تیز سے تیز تر کئے جارہا تھا۔اس رفتار کی مناسبت سے ٹرین کی آواز بھی بڑھتی جارہی تھی۔

مسز بے لاک پلے روم کے ایک گوشے میں یوں آنکھیں بند کئے کھڑی تھی،جیسے مصروفِ دعا ہو۔وہ کیتھی کو نظر نہیں آرہی تھی۔

ہائی وے پر رابرٹ تھورن اپنی کار پاگلوں کی طرح چلا رہا تھا۔اب اس کی گاڑی روڈ M40 پر تھی،جو اسے سیدھا پیری فورڈ لے جاتا۔اس کے چہرے سے اعصابی کشیدگی ہویدا تھی۔اسٹیئرنگ وہیل کو اس نے سختی سے دبوچ رکھا تھا۔کار کی ہر حرکت کے ساتھ اس کے جسم میں کھنچاؤ نظر آتا تھا۔کار سیاہ چکنی سڑک پر اتنی تیزی سے دوڑ رہی تھی کہ باہر سے دیکھنے والوں کو بس ایک نقرئی لکیر سی نظر آتی۔اس کے مقابلے میں وہ کاریں،جنہیں وہ پیچھے چھوڑ رہی تھی،ساکت نظر آرہی تھیں۔رابرٹ تھورن پسینے میں نہا گیا تھا۔آگے نظر آنے والی ہر کار اس کے لئے اوورٹیک کرنے والا ہدف تھی۔وہ ہارن بجائے جارہا تھا اور اس کے جواب میں ہر کار اسے راستہ دے رہی تھی۔پولیس کا خیال آیا تو اس نے عقب نما آئینے میں دیکھا۔وہاں اسے ایک بڑی سیاہ کار اپنی کار کے پیچھے نظر آئی۔وہ اس کا پیچھا کررہی تھی اور اس کا اس کی کار سے درمیانی فاصلہ مسلسل کم ہوتا جارہا تھا۔

رابرٹ کے چہرے پر خوف کا تاثر جم کر رہ گیا!

پیری فورڈ میں ڈیمین اپنی کھلونا گاڑی کی رفتار مسلسل بڑھا رہا تھا۔ہال وے میں کیتھی تھورن ایک اسٹول لے آئی تھی،اور اب اس پر چڑھ رہی تھی۔ڈیمین کے کمرے میں مسز بے لاک بچے کو یوں گھور رہی تھی،جیسے اپنے وجود کی پوری قوت سے بچے کو گاڑی مزید تیز چلانے کی تلقین کررہی ہو،اور وہ اس میں کامیاب بھی تھی۔کیوں کہ ڈیمین اپنی گاڑی کی رفتار بڑھائے جارہا تھا۔اس کے چہرے پر اور آنکھوں میں وحشت سی وحشت تھی۔

اپنی کار میں رابرٹ تھورن نے ایکسیلیٹر پر دباؤ ڈالا۔یہاں تک کہ مزید دبنے کی گنجائش نہیں رہی۔سیاہ کار اب بہت قریب آگئی تھی۔عقب نما میں وہ اس کے ڈرائیور کو دیکھ سکتا تھا،جو بے حد سرد نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔رابرٹ کا اسپیڈومیٹر 90 پر تھا۔پھر سوئی بڑھتے بڑھتے 110 پر جا پہنچی۔ لیکن سیاہ کار سے درمیانی فاصلہ جوں کا توں تھا۔

رابرٹ اب ہانپ رہا تھا وہ جانتا تھا کہ وہ معقولیت اور ہوش وحواس سے دور جاچکا ہے۔اسے گاڑی روک دینی چاہئے تھی۔لیکن وہ نہیں روک رہا تھا۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ سیاہ گاڑی اسے اوورٹیک کرے۔اس کی کار اس رفتار کے نتیجے میں احتجاجی آوازیں نکال رہی تھی۔لیکن اسے پروا نہیں تھی۔

’’نہیں......‘‘۔اس نے کراہتے ہوئے کہا’’نو......نو......‘‘۔

سیاہ گاڑی اب اس کی گاڑی کے ساتھ چل رہی تھی۔اور پھر وہ دھیرے دھیرے آگے نکلنے لگی۔رابرٹ اسٹیئرنگ پر ہاتھ مار مار کر جیسے اپنی گاڑی سے رفتار بڑھانے کا مطالبہ کررہا تھا۔

سیاہ گاڑی آگے نکل رہی تھی۔اب رابرٹ نے دیکھا کہ سیاہ گاڑی کے عقبی حصے میں ایک تابوت رکھا ہے۔

پیری فورڈ میں ڈیمین کی کھلونا گاڑی کی رفتار بڑھ گئی تھی۔بے جان کھلونا گاڑی پر جیسے دیوانگی طاری تھی۔وہ پورے کمرے میں ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر ناچتی پھر رہی تھی۔ باہر ہال وے میں اسٹول پر چڑھی کیتھی بالکنی سے لٹکے ہوئے پودوں کے گملوں کی طرف ہاتھ بڑھا رہی تھی۔

ہائی وے پر سیاہ جنازہ گاڑی رابرٹ کی کار کو اوورٹیک کرچکی تھی۔رابرٹ تھورن کے حلق سے خون کو ٹھٹھرا دینے والی چیخ نکلی۔اسی لمحے پیری فورڈ ہاؤس میں ڈیمین تھورن کی کھلونا گاڑی میزائل کی طرح کمرے سے نکلی اور اسٹول سے ٹکرائی۔کیتھی کے قدم اکھڑے اور وہ آگے کی طرف گری۔اس کے دونوں ہاتھ کچھ تھامنے کی کوشش میں مچلے۔لیکن وہاں خلا کے سوا کچھ نہیں تھا۔اس نے بالکنی کی ریلنگ پکڑنے کی کوشش کی۔وہ اسے تو نہیں پکڑ سکی۔لیکن گولڈ فش کا گول باؤل بھی اس کے ساتھ ہوگیا۔کیتھی کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور وہ گرتی گئی۔

چیخ معدوم ہوئی اور نیچے فرش پر کیتھی کے ٹکرانے کی آواز ابھری۔ایک لمحے بعد گولڈ فش کا باؤل فرش سے ٹکرایا اور کرچی کرچی ہوگیا۔

کیتھی فرش پر بے حس وحرکت پڑی ہوئی تھی،جبکہ اس کے پہلو میں ایک نازک گولڈ فش فرش پر پھیلے پانی میں تڑپ رہی تھی۔

..................×..................

رابرٹ تھورن اسپتال پہنچا۔اخباری نمائندے وہاں پہلے سے موجود تھے۔رابرٹ کی آنکھوں کے سامنے فلیش بلب جگمگانے لگے۔رپورٹرز چیخ چیخ کر اس سے سوالات کر رہے تھے۔رابرٹ بڑی مشکل سے جگہ بناتا اس دروازے کی طرف بڑھا،جس پر......انتہائی نگہداشت کا کمرا......تحریر تھا۔

وہ گھر پہنچا تو اس نے مسز بے لاک کو ہسٹیریائی کیفیت میں پایا تھا۔بڑی مشکل سے اس نے اسے بتایا کہ کیتھی دوسری منزل سے گر گئی ہے اور اسے ایمبولینس میں سٹی ہاسپٹل لے جایا گیا ہے۔

’’مسٹر تھورن،آپ کی اہلیہ کی کیا کنڈیشن ہے؟‘‘۔ایک رپورٹر نے چیخ کر پوچھا۔

’’مجھے راستہ دو‘‘۔رابرٹ نے کہا۔

’’کہتے ہیں کہ وہ اوپر سے گری ہے‘‘۔

’’مجھے اندر جانے دو‘‘۔

’’وہ بچ جائیں گی نا......؟‘‘

رابرٹ دروازہ کھول کر اندر گیا۔دروازہ بند ہوا تو رپورٹرز کی آوازوں سے چھٹکارا ملا۔وہ ہال میں تیز قدموں سے بڑھتا رہا۔

’’ایمبیسڈر تھورن؟‘‘۔

’’جی......میں رابرٹ تھورن ہوں‘‘۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

ڈاکٹر تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔''میرا نام بیکر ہے''۔

''میری بیوی کا کیا حال ہے؟''۔رابرٹ نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

''وہ بہت بری طرح گری ہیں۔سر کی اندرونی چوٹیں ہیں۔کالربون میں فریکچر ہے۔کچھ اندرونی جریان خون بھی ہے۔تاہم وہ سنبھل جائیں گی''۔

''وہ......حاملہ بھی ہے''۔

''جی ہیں......''

رابرٹ کی سانسیں رکنے لگیں۔''کیا......کیا حمل ضائع ہو گیا؟''

''جہاں فرش پر وہ گری تھیں،وہاں کے خون کا میں تجزیہ کرانا چاہتا تھا۔لیکن ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی آپ کے بیٹے کی گورنس پوری طرح صفائی کر چکی تھیں''۔

رابرٹ کا جسم لرزنے لگا۔وہ سہارے کے لئے دیوار سے ٹک گیا۔

''یہ حادثہ کیسے ہوا،ہم اس کی تفصیل کسی کو نہیں بتائیں گے۔عام لوگوں کو جتنا کم معلوم ہو،اتنا ہی اچھا ہے''۔ڈاکٹر نے کہا۔

رابرٹ اسے غور سے دیکھنے لگا۔ڈاکٹر کو احساس ہو گیا کہ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔

''آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی بیوی نے چھلانگ لگائی تھی دوسری منزل سے؟''

''کیا......چھلانگ لگائی!''۔

''جی ہاں،دوسری منزل کی بالکنی سے۔آپ کے بچے اور گورنس کی نگاہوں کے سامنے''۔

رابرٹ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔پھر اس نے دیوار کی طرف منہ پھیر لیا۔اس کے کندھوں کی لرزش سے ڈاکٹر نے سمجھ لیا کہ وہ رو رہا ہے۔

''جس طرح وہ گری تھیں،ایسے میں عموماً پہلے سر زمین سے ٹکراتا ہے۔اس اعتبار سے آپ خود کو خوش قسمت سمجھ سکتے ہیں۔وہ سر کے بل گری ہوتیں تو بچ نہیں سکتی تھیں''۔

رابرٹ نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔وہ اپنے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''خود کو سنبھالیں۔روئیں نہیں۔آپ کو تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ وہ بچ گئیں۔اور اگر مناسب خیال رکھا گیا تو وہ دوبارہ ایسی کوشش نہیں کریں گی۔میری اپنی سالی میں خودکشی کا رجحان تھا۔وہ ٹوسٹر لے کر باتھ ٹب میں جالیٹی۔بجلی کا زبردست شاک لگا تھا''۔

رابرٹ نے پلٹ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔''اب وہ کہاں ہیں؟''

''سوئٹزرلینڈ میں''۔

''میں اپنی بیوی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں''۔

''اوہ سوری۔وہ روم نمبر 4A میں ہیں''۔

رابرٹ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق چل دیا۔

کیتھی کے کمرے میں خاموشی اور اندھیرا تھا۔کارنر میں ایک نرس کرسی پر بیٹھی کسی میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی۔رابرٹ کمرے میں داخل ہوتے ہی ٹھٹھک گیا۔اسے شاک لگا تھا۔کیتھی کی حالت ایسی تھی کہ اس سے دیکھا نہیں جا رہا تھا۔اس کا چہرہ متورم اور نیلا ہو رہا تھا۔پلازما کی بوتل سے ایک ٹیوب سوئی کے ذریعے اس کے بازو میں لگی ہوئی تھی۔دوسرے ہاتھ پر پلاسٹر چڑھا تھا۔وہ بے ہوش تھی۔اس کے چہرے پر زندگی کی کوئی رمق نہیں تھی۔

''یہ سو رہی ہیں''۔نرس نے کہا۔

رابرٹ بوجھل قدموں سے بڑھا اور بیڈ کے قریب جا کھڑا ہوا۔

کیتھی کو نجانے کیسے اس کی موجودگی کا احساس ہوا۔وہ کراہی اور اس نے بہت آہستہ سے سر گھمایا۔

''کیا یہ تکلیف میں ہے؟''۔رابرٹ نے لرزتی آواز میں نرس سے پوچھا۔

''یہ بہت طاقتور مسکن دواؤں کے زیر اثر ہیں''۔نرس نے جواب دیا۔

رابرٹ کیتھی کے پاس بیٹھ گیا۔پھر اس نے سر بیڈ پر ٹکایا اور رونے لگا۔کچھ دیر بعد اسے احساس ہوا کہ کیتھی کا ہاتھ اس کے سر پر ہے۔

''رابرٹ......''کیتھی نے سرگوشی میں پکارا۔

رابرٹ نے سر اٹھا کر دیکھا۔کیتھی آنکھیں کھولنے کے لئے جدوجہد کر رہی تھی۔

''کیتھی''۔رابرٹ کی آنسوؤں میں بھیگی ہوئی آواز سسکی سے مشابہ تھی۔

''اسے مجھ کو قتل نہ کرنے دینا رابرٹ''۔کیتھی نے کہا۔پھر اس کی آنکھیں مند گئیں اور وہ سو گئی۔

..................x..................

رابرٹ آدھی رات کے بعد گھر واپس پہنچا۔دیر تک وہ نیچے اندھیرے میں کھڑا رہا۔یہ وہ جگہ تھی،جہاں کیتھی گری تھی۔ٹائل کے فرش پر کیتھی کے خون کے ہلکے ہلکے دھبے نظر آ رہے تھے۔وہ عجیب سی کیفیت میں ان دھبوں کو دیکھتا رہا۔تھکن تو اس کے جسم کے ریشے ریشے میں سرایت کر گئی تھی۔اور وہ نیند کو ترس رہا تھا۔جو المیہ رونما ہوا تھا،اس کے احساس سے بچنے کے لئے ایک نیند ہی کا راستہ رہ گیا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ ایک دن میں......صرف ایک دن میں زندگی یوں بدل گئی ہے کہ اب کبھی پہلے جیسی نہیں ہو سکے گی۔ایسا لگ رہا تھا کہ کسی کی بددعا لگ گئی ہے یا اس پر کوئی لعنت مسلط ہو گئی ہے۔

رابرٹ وہیں کھڑا زینے کو دیکھتا رہا۔وہ اوپر چڑھا اور اس لینڈنگ کو دیکھنے لگا،جہاں سے کیتھی نے چھلانگ لگائی تھی۔اس نے کودنے کے لئے تیار ہوتی ہوئی کیتھی کا تصور کرنے کی کوشش کی۔ایک بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔اگر کیتھی سنجیدگی سے اپنی جان لینا چاہتی تھی تو اسے دوسری منزل کے بجائے چھت سے کودنا چاہئے تھا۔اور خودکشی کے اور بھی بہت طریقے تھے۔گھر میں نیند کی گولیاں بھی بڑی مقدار میں موجود تھیں۔ریزر بلیڈ بھی موجود تھے۔اور بھی بہت کچھ تھا۔کودنے کی کیا ضرورت تھی۔اور وہ بھی ڈیمین اور مسز بےلاک کی آنکھوں کے سامنے!

اسے پھر پادری ٹیسون کا خیال آیا اور اس کی تنبیہہ یاد آئی۔''وہ اس بچے کو رحم مادر ہی میں ختم کر دے گا۔پھر وہ تمہاری بیوی کو قتل کرے گا۔اور جب اسے یقین ہو جائے گا کہ اب تمہاری ہر چیز کا وارث وہ ہے تو وہ تمہیں بھی......''

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور ذہن سے یہ سب کچھ جھٹکنے کی کوشش کی۔اسے پول میں پروئے ہوئے ٹیسون کی تصویر یاد آئی۔پھر فوٹو گرافر جیننگز کی فون کال کا خیال آیا۔اور یہ یاد آیا کہ جنازہ گاڑی کو دیکھ کر ہائی وے پر اس کی کیا کیفیت ہوئی تھی۔کیسے اسے یقین تھا کہ گھر پر کچھ بہت ہی برا ہونے والا ہے۔سائیکیٹرسٹ نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ وہ اعصابی دباؤ میں ہے۔بعد میں اس کے طرز عمل نے یہ بات ثابت کر دی تھی۔کیتھی کے خوف اسے بھی منتقل ہو گئے تھے۔اسے کوشش کرنا ہو گی کہ وہ ہوش مند رہے......پاگل پن سے محفوظ!

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اسے جسمانی کمزوری کا احساس ہو رہا تھا۔اندھیرے میں سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ اس وقت نیند بہت ضروری ہے۔ایک بھرپور نیند لے کر وہ اٹھے گا تو صورت حال سے نمٹنے کے لئے تیار ہوگا۔کھوئی ہوئی توانائی بحال ہو چکی ہوگی۔

اپنے کمرے کے دروازے پر رکا۔اس نے تاریک ہال میں ڈیمین کے کمرے کی طرف دیکھا۔دروازے کی نچلی درز سے روشنی کی لکیر باہر آرہی تھی۔اس نے تصور میں ڈیمین کو پرسکون نیند سوتے دیکھا۔اس کا جی چاہا کہ وہ بچے کو دیکھے۔وہ دبے قدموں اس کے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔وہ خود کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ڈرنے کی بات نہیں۔لیکن ڈر اس کے اندر موجود تھا۔اس یقین دہانی سے اسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

اس نے ڈیمین کے کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھولا......اور وہ بھی بڑی آہستگی سے۔لیکن دروازہ کھلتے ہی جو کچھ اسے نظر آیا۔اس نے اسے دہلا دیا۔اس کا جسم لرزنے لگا۔

ڈیمین سو رہا تھا۔لیکن وہ اکیلا نہیں تھا۔اس کے ایک جانب مسز بے لاک دونوں ہاتھ سینے پر باندھے خلا میں گھور رہی تھی اور دوسری جانب وہ بے حد جسیم کتا بیٹھا تھا،وہی کتا،جسے اس نے چند ہفتے پہلے بھی دیکھا تھا۔وہی کتا،جسے اس نے جنگل میں دیکھا تھا۔وہ کتا بے حد چوکنا انداز میں بیٹھا اس کے بیٹے کی رکھوالی کر رہا تھا۔

رابرٹ کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں۔اس نے بڑی آہستگی سے دروازہ بند کیا اور بغیر چاپ پیدا کئے الٹے پیروں واپس ہوا۔اپنے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر اس نے سکون کا سانس لیا۔وہ وہاں کھڑا اپنی سانس درست کرنے کی کوشش کرتا رہا۔اس کا جسم اب بھی لرز رہا تھا۔

اسی وقت جیسے خاموشی کا شیشہ چٹخ گیا۔وہ فون کی آواز تھی۔وہ دروازہ کھول کر تیزی سے فون کی طرف لپکا۔

''ہیلو......؟''اس نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

''میں حنیف بول رہا ہوں۔یاد ہے......وہ فوٹو گرافر جس کا کیمرا آپ نے توڑا تھا''۔

''ہاں۔مجھے یاد ہے''۔

''میں چیلسی میں ہوں۔آپ فوراً مجھ سے ملنے یہاں آجائیں''

''کیا بات ہے؟''۔

''کچھ تو ہے مسٹر تھورن۔اور ایسا ہے کہ آپ کو معلوم ہونا چاہئے''۔

..................x..................

حنیف کا اپارٹمنٹ پس ماندہ علاقے میں تھا۔رابرٹ کو اسے تلاش کرنے میں بہت دشواری پیش آئی۔ادھر بارش بھی شروع ہوگئی تھی۔سب کچھ دھندلا دھندلا نظر آرہا تھا۔عین اس وقت جب وہ مایوس ہونے لگا تھا،اسے وہ بلڈنگ نظر آگئی۔

حنیف اپنے اپارٹمنٹ کی بے ترتیبی پر شرمندہ تھا۔اسے احساس تھا کہ اس کا مہمان بہت بڑا آدمی ہے۔اس کے آنے سے پہلے اسے صفائی کرنی چاہئے تھی۔اس نے جلدی جلدی میلے کپڑے الماری میں ٹھونسے۔بیڈ پر بکھرے ہوئے کمبل کو تہہ کیا۔پھر اس نے دروازہ کھولا۔کیونکہ وہ کھڑکی سے رابرٹ تھورن کو آتا ہوا دیکھ چکا تھا۔

پانچویں منزل پر پہنچتے پہنچتے رابرٹ ہانپ چکا تھا۔اس کا چہرہ راکھ رنگ ہو رہا تھا۔

''آپ پسند کریں تو میں آپ کو برانڈی پیش کروں؟''۔

''پلیز......''۔

''لیکن یہ آپ کے شایان شان نہیں۔آپ تو بہت اعلیٰ درجے کی پیتے ہیں''۔

''کوئی بات نہیں۔اس وقت تو مجھے ڈرنک کی ضرورت ہے''۔

حنیف نے دروازہ بند کیا اور کوٹھری میں چلا گیا۔رابرٹ تھورن اس کے ڈارک روم کا جائزہ لے رہا تھا۔وہاں سرخ چمک دار روشنی تھی۔دیواروں پر جابجا فوٹو گراف لٹکے ہوئے تھے۔وہ سب بڑے سائز کے تھے۔

حنیف ایک بوتل اور دو گلاس اٹھا لایا۔ایک گلاس بھر کر اس نے رابرٹ کی طرف بڑھایا۔''یہ لیجئے۔یہ آپ کو دھماکہ جھیلنے کے قابل بنا دے گی''۔

رابرٹ جام لے کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''چیئرز''۔حنیف نے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا۔''سگریٹ پئیں گے؟''۔

رابرٹ نے نفی میں سر ہلایا۔فوٹو گرافر کے انداز کی بے پروائی اس کے اعصاب پر مزید بوجھ ڈال رہی تھی۔''تم مجھے کچھ بتانا چاہتے تھے''۔اس نے حنیف کو یاد دلایا۔

''جی ہاں''۔

''میں تمہاری بات سمجھ نہیں سکا تھا۔ایسا کیا ہے،جو مجھے معلوم ہونا چاہئے؟''۔

حنیف اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔''آپ کو ابھی تک معلوم نہیں؟''۔

''نہیں''۔

''تو پھر آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟''۔

''تم نے فون پر کوئی واضح بات جو نہیں کی تھی''۔

حنیف نے سر ہلایا۔''جی ہاں۔میں واضح بات کر بھی نہیں سکتا تھا۔کیونکہ جو کچھ ہے،وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے''۔

''کچھ بتاؤ تو،کیا ہے؟''۔

''فوٹو ہیں''۔حنیف نے گلاس خالی کر کے رکھا اور ڈارک روم میں چلا گیا۔پھر اس نے اشارے سے رابرٹ کو بلایا۔''میں نے سوچا،پہلے آپ کو انٹرٹین کروں''۔

''میں بہت تھکا ہوا ہوں''۔

''جو میں دکھانے والا ہوں،اسے دیکھ کر آپ کا دل پھر سے دھڑکنے لگے گا''۔

''اس نے چند فوٹوز کے اوپر لگی اسپاٹ لائٹس آن کیں۔رابرٹ اس کے پاس ہی ایک اسٹول پر بیٹھ گیا تھا۔

''ان تصویروں کو پہچانتے ہیں آپ؟''۔

وہ ڈیمین کی چوتھی سالگرہ پارٹی کی تصویریں تھیں۔ایک تصویر میں ڈیمین کی پہلی آیا چیسا جوکر کے کاسٹیوم میں اکیلی کھڑی تھی۔پس منظر میں حویلی تھی۔''ہاں،پہچانتا ہوں''۔رابرٹ نے کہا۔

''اب ایک نظر اس تصویر کو دیکھیں''۔حنیف نے تصویر ہٹائی۔اس کے نیچے ایک اور تصویر تھی۔اس میں جھولا جھولتے ہوئے بچے تھے اور کیتھی انہیں دیکھ رہی تھی۔

حنیف نے وہ تصویر بھی ہٹائی۔نیچے ایک اور تصویر تھی۔ وہ بھی چیسا کی تھی۔اس تصویر میں چیسا اداس نظر آرہی تھی۔اس کے پس منظر میں بھی حویلی تھی۔''اس تصویر میں آپ کو کوئی غیر معمولی بات نظر آرہی ہے؟''۔

''نہیں''۔

حنیف نے انگلی سے تصویر کے اس حصے کو سہلایا،جہاں چیسا کی گردن اور سر کے پاس دھند کا دھبہ سا تھا۔''پہلے میں اسے تصویر کا نقص سمجھا تھا''۔حنیف نے کہا۔''لیکن آپ اگلی تصویر میں دیکھیں''

اس تصویر میں چیسا چھت سے لٹکی ہوئی تھی۔وہ اس کی خودکشی کے بعد کی تصویر تھی۔

''میں کچھ سمجھا نہیں''۔

''ابھی سمجھ جائیں گے''۔

حنیف نے وہ تصویریں ہٹائیں اور تصویروں کی ایک اور گڈی اٹھائی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اس میں سب سے اوپر پادری ٹیسون کی تصویر تھی۔ جس میں وہ امریکن ایمبیسی سے نکل کر باہر آ رہا تھا۔ ''اس تصویر کے بارے میں کیا کہتے ہیں آپ؟''۔

رابرٹ نے تصویر دیکھی اور پھر بدمزگی سے اسے دیکھا۔ ''یہ تمہیں کہاں سے ملی؟''۔

''یہ میں نے کھینچی ہے''۔

''تم نے کہا تھا کہ تم اس شخص کو ڈھونڈ رہے ہو۔ اور یہ تمہارا رشتہ دار ہے''۔

''میں نے جھوٹ کہا تھا۔ آپ بس تصویر کو غور سے دیکھیں''۔ حنیف نے تصویر میں پادری کے سر پر لٹکے ہوئے دھندنما دھبے کو انگلی سے چھوا۔

''یہ...... یہ اس کے سر پر سایہ......؟''۔

''جی ہاں، اور یہ تصویر دیکھیں۔ یہ اس تصویر کے دس دن بعد کھینچی گئی ہے''۔ حنیف نے تصویر ہٹا کر دوسری تصویر دکھائی۔ وہ آڈیٹوریم کے عقبی حصے میں لوگوں کے ایک گروپ کی تصویر تھی۔ ٹیسون کا چہرہ تو تصویر میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن پادریوں والا لبادہ واضح تھا۔ اس تصویر میں بھی جہاں پادری کا سر ہوگا، وہاں دھند کا وہی دھبہ نظر آ رہا تھا۔

''میرا اندازہ ہے کہ یہ اسی پادری کی تصویر ہے۔ اس کا چہرہ تو نظر نہیں آ رہا ہے۔ لیکن دھند کا وہ دھبہ نمایاں ہے''۔ حنیف نے کہا۔

رابرٹ تصویر کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں الجھن تھی۔

''تو پھر آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟''

''تم نے فون پر کوئی واضح بات جو نہیں کی تھی''۔

حنیف نے سر ہلایا۔ ''جی ہاں۔ میں واضح بات کر بھی نہیں سکتا تھا۔ کیوں کہ جو کچھ بھی ہے، وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے''۔

''کچھ بتاؤ تو، کیا ہے؟''

''فوٹو ہیں''۔ حنیف نے گلاس خالی کر کے رکھا اور ڈارک روم میں چلا گیا۔ پھر اس نے اشارے سے رابرٹ کو بلایا۔ ''میں نے سوچا، پہلے آپ کو انٹرٹین کروں''۔

''میں بہت تھکا ہوا ہوں''۔

''جو میں دکھانے والا ہوں، اسے دیکھ کر آپ کا دل پھر سے دھڑکنے لگے گا''۔

اس نے چند فوٹوز کے اوپر لگی اسپاٹ لائٹس آن کیں۔ رابرٹ اس کے پاس ہی ایک اسٹول پر بیٹھ گیا تھا۔

''ان تصویروں کو پہچانتے ہیں آپ؟''

وہ ڈیمین کی چوتھی سالگرہ پارٹی کی تصویریں تھیں۔ ایک تصویر میں ڈیمین سی پہلی آیا چیسا جوکر کے کاسٹیوم میں اکیلی کھڑی تھی۔ پس منظر میں حویلی تھی۔ ''ہاں، پہچانتا ہوں''۔ رابرٹ نے کہا۔

''اب ایک نظر اس تصویر کو دیکھیں''۔ حنیف نے تصویر ہٹائی۔ اس کے نیچے ایک اور تصویر تھی۔ اس میں جھولا جھولتے ہوئے بچے تھے اور کیتھی انہیں دیکھ رہی تھی۔

حنیف نے وہ تصویر بھی ہٹائی۔ نیچے ایک اور تصویر تھی۔ وہ بھی چیسا کی تھی۔ اس تصویر میں چیسا اداس نظر آ رہی تھی۔ اس کے پس منظر میں بھی حویلی تھی۔ اس تصویر میں آپ کو کوئی غیر معمولی بات نظر آ رہی ہے؟''

''نہیں''۔

حنیف نے انگلی سے تصویر کے اس حصے کو سہلایا، جہاں چیسا کی گردن اور سر کے پاس دھند کا دھبہ سا تھا۔ ''پہلے میں اسے تصویر کا نقص سمجھا تھا''۔ حنیف نے کہا ''لیکن آپ اگلی تصویریں دیکھیں''۔

اس تصویر میں چیسا چھت سے لٹکی ہوئی تھی۔ وہ اس کی خودکشی کے بعد کی تصویر تھی۔

''میں کچھ سمجھا نہیں''۔

''ابھی سمجھ جائیں گے''۔

حنیف نے وہ تصویریں ہٹائیں اور تصویروں کی ایک اور گڈی اٹھائی۔ اس میں سب سے اوپر پادری ٹیسون کی تصویر تھی، جس میں وہ امریکن ایمبیسی سے نکل کر باہر آ رہا تھا۔ ''اس تصویر کے بارے میں کیا کہتے ہیں آپ؟''

رابرٹ نے تصویر دیکھی اور پھر بدمزگی سے اسے دیکھا۔ ''یہ تمہیں کہاں سے ملی؟''

''یہ میں نے کھینچی ہے''۔

''تم نے کہا تھا کہ تم اس شخص کو ڈھونڈ رہے ہو اور یہ تمہارا رشتے دار ہے''۔

''میں نے جھوٹ کہا تھا۔ آپ بس تصویر کو غور سے دیکھیں''۔ حنیف نے تصویر میں پادری کے سر پر لٹکے ہوئے دھندنما دھبے کو انگلی سے چھوا۔

''یہ...... یہ اس کے سر پر سایہ......؟''

''جی ہاں اور یہ تصویر دیکھیں، یہ اس تصویر کے دس دن بعد کھینچی گئی ہے''۔ حنیف نے تصویر ہٹا کر دوسری تصویر دکھائی۔ وہ آڈیٹوریم کے عقبی حصے میں لوگوں کے ایک گروپ کی تصویر تھی۔ ٹیسون کا چہرہ تو تصویر میں نہیں نظر آ رہا تھا۔ لیکن پادریوں والا لبادہ واضح تھا۔ اس تصویر میں بھی جہاں پادری کا سر ہوگا، وہاں دھند کا وہی دھبہ نظر آ رہا تھا۔

''میرا اندازہ ہے کہ یہ اسی پادری کی تصویر ہے۔ اس کا چہرہ تو نظر نہیں آ رہا ہے۔ لیکن دھند کا وہ دھبہ نمایاں ہے''۔ حنیف نے کہا۔

رابرٹ تصویر کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں الجھن تھی۔

''آپ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کریں کہ پادری کا سر کہاں ہونا چاہئے۔ تب آپ دیکھیں گے کہ اس تصویر میں دھند کا یہ دھبہ سر سے اتر کر گردن تک آ پہنچا ہے۔ دس دن پہلے کی تصویر میں یہ اس کے سر اور چہرے پر تھا۔ یہ جو کچھ بھی ہے، متحرک ہے۔

رابرٹ نے تصویر کو غور سے دیکھا۔ حنیف کی بات درست تھی۔ وہ گنگ ہو کر رہ گیا۔

حنیف نے وہ تصویر ہٹائی اور اس کی جگہ اخبارات کے صفحۂ اول پر شائع ہونے والی ٹیسون کی موت کے بعد کی تصویر رکھ دی۔ ''اب دیکھیں''۔

رابرٹ کو فرق نظر آ گیا۔ پہلی تصویروں میں دھند کا وہ دھبہ متحرک تھا۔ جبکہ اس آخری تصویر میں وہ ساکت تھا۔ آیا چیسا کی تصویروں میں یہی فرق نظر آ رہا تھا۔ جس تصویر میں وہ چھت سے لٹکی نظر آ رہی تھی، اس میں دھند کا وہ دھبہ ساکت تھا۔

''بات آپ کی سمجھ میں آ رہی ہے؟'' حنیف نے پوچھا۔

رابرٹ کچھ بولنے کے قابل نہیں تھا۔ وہ ساکت و صامت بیٹھا تھا۔

اچانک ایک خودکار ٹائمر کی آواز گونجی۔ حنیف نے ایک اور لائٹ آف کر دی۔ پھر وہ رابرٹ کی طرف مڑا، جو اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ''میں بھی اس کی وضاحت نہیں کر سکتا۔ اس لئے تو میں نے تفتیش شروع کی تھی''۔

اس نے کیمیائی محلول میں چٹکی ڈال کر ایک بڑی کی ہوئی تصویر پکڑی اور باہر نکالی۔ اسے جھٹک کر وہ خشک کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر وہ اس تصویر کو روشنی کے سامنے لے گیا۔

''پولیس میں میرے اچھے خاصے تعلقات ہیں۔ انہوں نے مجھے کچھ نیگیٹیو دیئے تھے، جن سے میں نے تصویریں بڑی کر کے بنائی ہیں۔ کورونر کی رپورٹ کے مطابق وہ کینسر کے آخری اسٹیج پر تھا۔ تقریباً ہر وقت وہ مورفین کے اثر میں رہتا تھا۔ دن میں تین بار وہ مورفین کے انجکشن لیتا تھا''۔

رابرٹ تھورن کی نظر اس بڑی کی ہوئی تصویر پر پڑی تو وہ پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔ وہ تین تصویریں تھیں...... پادری کی برہنہ لاش کی تصویریں!

''ظاہری طور پر...... بیرونی طور پر اس کا جسم بالکل نارمل تھا''۔ حنیف کہہ رہا تھا۔ ''لیکن آپ ذرا اس کی بائیں ران کے اندر والے حصے کو دیکھیں''۔ یہ کہہ کر اس نے رابرٹ کی طرف طاقت ور محدب عدسہ بڑھایا۔

رابرٹ نے بہ غور جسم کے مجوزہ حصے کو دیکھا۔ بہت غور سے دیکھنے پر اسے وہ نشان نظر آیا۔ وہ گودا ہوا نشان لگتا تھا۔ ''یہ کیا ہے؟''

''چھ کے تین ہندسے...... چھ سو چھیاسٹھ''۔

''کسی نازی عقوبتی کیمپ کی نشانی؟''

''پہلے میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ لیکن ڈاکٹر کی رپورٹ کہتی ہے کہ یہ گودا گیا ہے۔ عقوبتی کیمپوں میں یہ سب کچھ نہیں ہوتا تھا۔ یہ تو خود کردہ معلوم ہوتا ہے''۔

ان دونوں کے درمیان نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔ رابرٹ کی نگاہوں میں الجھن تھی۔

حنیف نے ایک اور تصویر اٹھائی اور اسے روشنی کے سامنے لے آیا۔ ''یہ وہ کمرا ہے، جہاں وہ رہتا تھا۔ سوہو میں ایک کمرے کا چھوٹا سا اپارٹمنٹ۔ میں نے وہ فلیٹ دیکھا ہے۔ ہم وہاں پہنچے تو فلیٹ چوہوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ نمکین گوشت کا ادھر کھایا ٹکڑا چھوڑ گیا تھا، چوہے دعوت اڑا رہے تھے''۔

رابرٹ تھورن نے تصویر کا جائزہ لیا۔ وہاں صرف ایک میز، ایک بیورو اور بیک بیڈ تھا۔ دیواروں پر مڑے تڑے صفحے چپکائے گئے تھے، جو بے حد عجیب لگ رہے تھے۔ اس کے علاوہ ہر جگہ بڑی بڑی صلیبیں لٹکی ہوئی تھیں۔

''یہ جو کاغذ ہیں، یہ بائبل کے صفحات ہیں''۔ حنیف نے وضاحت کی۔ ''ہزاروں صفحات! دیوار پر ایک انچ کی جگہ بھی ایسی نہیں تھی، جہاں بائبل کا صفحہ نہ چپکایا گیا ہو۔ حد یہ ہے کہ اس نے کھڑکیوں کو بھی ان صفحات سے ڈھانپ دیا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ کسی شیطانی چیز کو کمرے میں داخل ہونے سے روک رہا تھا''۔

رابرٹ تھورن حیرت زدہ بیٹھا اس تصویر کو تکے جا رہا تھا۔

''اور صلیبیں بھی لاتعداد تھیں۔ اکتالیس صلیبیں تو صرف داخلی دروازے پر گاڑی گئی تھیں''۔ حنیف نے کہا۔

''وہ...... وہ پاگل تھا!'' رابرٹ نے سرگوشی میں کہا۔

حنیف نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ جانتے ہیں کہ بات یہ نہیں ہے''۔

حنیف نے ایک دراز کھولی اور ایک بوسیدہ سا فولڈر نکالا۔ ''پولیس نے اسے مذہبی دیوانہ قرار دے کر نظر انداز کر دیا''۔ وہ بولا۔ ''میں ابھی آپ کو دکھاتا ہوں''۔ وہ نشست گاہ میں چلا آیا، رابرٹ تھورن اس کے پیچھے تھا۔ حنیف نے فولڈر کو میز پر الٹ دیا۔ تمام چیزیں میز پر بکھر گئیں۔ ''یہ اس کی ڈائری ہے''۔ حنیف نے بوسیدہ ڈائری اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ اس کے متعلق کچھ نہیں بتاتی۔ ہاں آپ کی...... آپ کی مصروفیات کے متعلق بتاتی ہے۔ آپ آفس سے کب نکلے...... کہاں گئے...... کہاں لنچ کیا...... کہاں تقریر کی......''۔

''ذرا مجھے دکھاؤ''۔

''ضرور دیکھیں''۔

رابرٹ تھورن نے کانپتے ہاتھوں سے ڈائری کھولی اور آہستہ آہستہ ورق گردانی کرتا رہا۔

''اس کا آخری اندراج بتاتا ہے کہ اس کی آپ سے ملاقات طے تھی...... کیوز گارڈن میں۔ اور یہ اندراج اسی تاریخ کا ہے، جب اس کی موت واقع ہوئی۔ میرا خیال ہے، پولیس کو پتا چل جائے تو وہ اس معاملے میں خصوصی دلچسپی لینے لگے گی۔

رابرٹ نے سر اٹھایا اور اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ ''وہ پاگل تھا''۔

''میں ایسا نہیں سمجھتا''۔

حنیف کے لہجے میں دھمکی تھی اور وہ ٹکٹکی باندھے اسے گھور رہا تھا۔ رابرٹ جھرجھری لے کر رہ گیا۔ ''تم کیا چاہتے ہو؟''

''آپ اس سے ملے تھے؟''

''نہیں''۔

''مسٹر ایمبیسیڈر، میرے پاس اور معلومات بھی ہیں۔ لیکن جب تک آپ مجھے حقیقت نہیں بتائیں گے، میں وہ آپ کو نہیں دوں گا''۔

''تمہیں اس معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں ہے؟'' رابرٹ کی آواز پھنکار سے مشابہ تھی۔

''میں آپ کا دوست ہوں، آپ کے کام آنا چاہتا ہوں''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

رابرٹ تھورن کے جسم میں تناؤ تھا اور نظریں حیف کے چہرے پر جمی تھیں۔

''بہت اہم چیزیں یہاں موجود ہیں۔اب چاہیں تو تبادلۂ معلومات کرلیں۔چاہیں تو رخصت ہوجائیں''۔

رابرٹ دانت پیس رہا تھا۔''تم کیا جاننا چاہتے ہو؟''

''آپ نے پارک میں اس سے ملاقات کی تھی؟''

''ہاں''۔

''اس نے کیا کہا آپ سے؟''

''اس نے مجھے تنبیہہ کی تھی''۔

''کس سلسلے میں؟''

''اس نے کہا کہ میری زندگی کو خطرہ ہے''۔

''کس نوعیت کا خطرہ؟''

''اس کی باتیں مبہم اور غیر واقع تھیں''۔

''مجھے بے وقوف نہ بنائیں''۔

''یہ بات نہیں۔اس کی گفتگو ہوش مندانہ نہیں تھی''۔

حنیف ایک قدم پیچھے ہٹا اور اسے اشتباہ آمیز نظروں سے دیکھتا رہا۔

''وہ بائبل سے اقتباس سنا رہا تھا۔مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔میں اسے پاگل سمجھ رہا تھا۔اس کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہی تھیں۔میں سچ بتا رہا ہوں۔مجھے یاد نہیں۔کیوں کہ میری سمجھ میں کچھ آ ہی نہیں رہا تھا''۔

حنیف کے انداز میں اب بھی اشتباہ تھا اور رابرٹ اس سے نظریں چرا رہا تھا۔

''دیکھیں......آپ کو مجھ پر بھروسا کرنا چاہئے''۔حنیف نے کہا۔

''تم نے کہا کہ تمہارے پاس اور اہم معلومات ہیں؟''

''لیکن پہلے آپ کو پوری حقیقت اگلنی ہوگی''۔

''اب میرے پاس بتانے کو کچھ اور ہے ہی نہیں''۔

حنیف نے بے بسی سے کندھے جھٹکے،سر ہلایا اور میز پر بکھری ہوئی چیزوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔اس نے ان میں سے اخبار کا ایک تراشہ نکالا اور رابرٹ تھورن کی طرف بڑھایا۔

''یہ ماہنامہ منجم کا تراشہ ہے۔اس میں ایک غیر معمولی فلکیاتی واقعے کی رپورٹ چھپی ہے۔ایک شہاب ثاقب چمکتا ہوا ستارہ بن گیا......دو ہزار سال پہلے والے ستارۂ بیت اللحم کی طرح''۔

رابرٹ نے اس آرٹیکل کا جائزہ لیا۔وہ بار بار اپنے چہرے سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔

''فرق صرف اتنا ہے کہ یہ تازہ واقعہ مغرب میں ہوا...... براعظم یورپ میں''۔حنیف نے اپنی بات جاری رکھی اور یہ چار سال پرانی بات ہے......تاریخ تھی......6 جون۔یہ تاریخ سن کر آپ کے دماغ میں کوئی گھنٹی بجتی ہے؟''

''ہاں''۔

''تو پھر آپ اس دوسرے تراشے کی اہمیت بھی سمجھ سکیں گے۔یہ روم کے ایک اخبار کے آخری صفحے پر چھپا تھا''۔

رابرٹ نے دوسرا تراشہ لیا اور اسے فوراً ہی پہچان بھی لیا۔وہ کیتھی کی اسکریپ بکس میں موجود تھا۔

''یہ آپ کے بچے کی پیدائش کی خبر ہے۔تاریخ وہی ہے......چار سال پہلے کی 6 جون۔میں اسے اتفاق کہوں گا۔آپ کیا کہتے ہیں؟''

رابرٹ نے تھورن کے ہاتھ اس بری طرح کانپ رہے تھے اور تراشہ اس کے ہاتھوں میں یوں پھڑپھڑا رہا تھا کہ اس سے کچھ پڑھا نہیں جا رہا تھا۔

''آپ کا بیٹا چھ بجے پیدا ہوا تھا''۔

رابرٹ نے پرتشویش نگاہوں سے اسے دیکھا۔مگر بولا کچھ نہیں۔

''میں فادر ٹیسون کی ران کے اس نشان کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔میرا خیال ہے،یہ آپ کے بیٹے کی پیدائش سے تعلق رکھتا ہے۔چھٹا مہینہ،چھٹا دن اور......''۔

''میرا بیٹا مر چکا ہے''۔رابرٹ تھورن اچانک پھٹ پڑا۔''میرا بیٹا مر چکا ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ میں جسے پال رہا ہوں،وہ کس کا بیٹا ہے''۔اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔اس کی سانسیں بے حد ناہموار تھیں۔

''آپ مائنڈ نہ کریں مسٹر تھورن تو میں اس سلسلے میں آپ کی مدد کروں''۔

''نہیں۔یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے''۔

''آپ غلطی پر ہیں جناب''۔حنیف نے سنگین لہجے میں کہا۔''یہ میرا مسئلہ بھی ہے''۔

رابرٹ نے چونک کر اسے دیکھا۔دونوں چند لمحے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔حنیف ڈارک روم میں گیا۔واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک اور تصویر تھی،جس سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔اس نے تصویر کو جھٹکا اور رابرٹ کی طرف بڑھا دیا۔''پادری کے کمرے کے ایک گوشے میں ایک چھوٹا سا آئینہ تھا''۔حنیف وضاحت کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔''تصویریں لیتے ہوئے آئینے میں میرے اپنے عکس کی یہ تصویر بھی بن گئی''۔

رابرٹ نے تصویر کو دیکھا۔اس کے چہرے پر شاک نظر آیا۔

''کیا خیال ہے،غیر معمولی افیکٹ ہے نا؟''حنیف نے کہا۔

رابرٹ اس تصویر کو دیکھے جا رہا تھا۔تصویر میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔اکثر فوٹوگرافر بے دھیانی میں اپنی اس طرح کی تصویر کھینچ جاتے ہیں۔اس تصویر میں غیر معمولی بات یہ تھی کہ حنیف کے سر اور دھڑ میں کوئی رابطہ نہیں تھا۔وہ گردن پر آتے ہوئے اسی دھبے نما پھندے کی وجہ سے ایک دوسرے سے منقطع نظر آرہے تھے۔یہ وہی دھند کا دھبا سا تھا،جو اس سے پہلے آیا چیسا اور فادر ٹیسون کی تصویروں میں وہ دیکھ چکا تھا۔

اور اب وہ دونوں مر چکے تھے!

..................X..................

کیتھی کا حادثہ رابرٹ تھورن کے لئے آئندہ چند روز تک آفس نہ آنے کا بہترین عذر تھا۔اس نے اپنے اسٹاف کو بتایا کہ وہ کیتھی کے لئے ہڈیوں کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر سے ملاقات کے لئے روم جا رہا ہے۔

روم تو اسے جانا تھا......لیکن ایک دوسرے مشن پر۔اس رات اس نے حنیف کو سب کچھ بتا دیا تھا۔یہ تجویز حنیف کی ہی تھی کہ تفتیش کا آغاز وہیں سے کیا جائے،جہاں ڈیمین پیدا ہوا تھا۔ وہیں سے انہیں اس تصویری معمے کے گم شدہ ٹکڑے ملیں گے۔

اس نے بڑی خاموشی سے سفر کا انتظار کیا۔اسے پریس سے بچنا تھا۔اس نے روم جانے کے لئے ایک پرائیویٹ جیٹ طیارہ کرائے پر لیا۔طیارہ روم کے اس رن وے پر اترا،جہاں عام لوگوں کی رسائی نہیں تھی۔

روانگی سے پہلے حنیف تحقیقی مواد جمع کرنے میں مصروف رہا۔اس کے پاس بائبل کے کئی مختلف پرنٹ،پراسرار اور شیطانی علوم پر تین کتابیں اور باب الفتن کے ذیل میں ترتیب دی گئی احادیث کا ایک مجموعہ تھا۔

رابرٹ تھورن نے بڑے ہیٹ اور دھوپ کے چشمے کی مدد سے اپنا حلیہ ایسا بنا لیا تھا کہ کوئی اسے رابرٹ تھورن کی حیثیت سے شناخت نہیں کر سکتا تھا۔پیری فورڈ میں خاموشی تھی۔رابرٹ خاموش گھر میں چکراتا پھرا۔اسے احساس ہوا کہ ہورٹن اور اس کی بیوی گھر چھوڑ کر جا چکے ہیں۔

وہ کچن میں داخل ہوا تو مسز بے لاک نے اسے دیکھتے ہی کہا۔''وہ دونوں چلے گئے''۔

مسز بے لاک سنک کے پاس کھڑی ترکاری کاٹ رہی تھی۔اس سے پہلے یہ کام ہمیشہ مسز ہورٹن کرتی تھی۔

''چلے گئے؟''رابرٹ کے لہجے میں الجھن تھی۔''واپس کب آئیں گے؟''

''کبھی نہیں۔وہ ملازمت چھوڑ گئے ہیں۔انہوں نے آپ کے لئے ایڈریس دیا ہے۔آپ ان کی پچھلے ماہ کی تنخواہ اس ایڈریس پر انہیں بھیج سکتے ہیں''۔

رابرٹ کے لئے وہ بہت بڑا شاک تھا۔''انہوں نے کوئی وجہ نہیں بتائی؟''اس نے مسز بے لاک سے پوچھا۔

''آپ فکر نہ کریں سر۔میں سب سنبھال لوں گی''۔

''مگر انہوں نے کوئی وجہ تو بتائی ہوگی''۔

''مجھے تو نہیں بتائی۔ویسے بھی وہ مجھ سے بات کم ہی کرتے تھے۔اصل میں ہورٹن یہ گھر چھوڑنے پر اصرار کر رہا تھا۔مسز ہورٹن جانا نہیں چاہتی تھی''۔

رابرٹ پریشانی سے اسے گھورتا رہا۔اسے مسز بے لاک اور ڈیمین کو گھر میں اکیلا چھوڑنے کے خیال سے خوف آرہا تھا۔لیکن وہ کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔اسے تو ہر حال میں جانا تھا۔

''میں چند روز کے لئے شہر سے باہر جاؤں تو تم کام چلا لوگی؟''

''کیوں نہیں سر۔گھر میں ضرورت کی ہر چیز دو ہفتے کے لئے موجود ہے۔بلکہ میرا خیال ہے،ڈیمین کو یہ خاموشی اور سکون اچھا لگے گا''۔

رابرٹ نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔کچن سے نکلتے نکلتے وہ پلٹا۔''مسز بے لاک؟''

''یس سر؟''

''وہ کتا؟''

''آپ بے فکر رہیں سر۔شام تک وہ اس گھر سے جا چکا ہوگا''۔

''مجھے یہ بتاؤ کہ وہ ابھی تک گھر میں کیوں ہے''۔

''میں اسے باہر چھوڑ آئی تھی سر۔لیکن وہ دوبارہ آگیا۔یہ حادثے والی رات کی بات ہے۔ڈیمین کے اصرار کی وجہ سے مجھے اسے کمرے میں لانا پڑا۔میں نے اسے سمجھایا تھا کہ آپ یہ پسند نہیں کریں گے۔مگر صورت حال کے پیش نظر میں نے مناسب یہی سمجھا کہ......''۔

''میں اس کتے کو یہاں اب نہ دیکھوں''۔

''بہت بہتر جناب۔میں آج ہی ہیومن سوسائٹی کو فون کردوں گی''۔

رابرٹ جانے کے لئے مڑا۔

اسی لمحے مسز بے لاک نے اسے پکارا۔''مسٹر تھورن؟''

رابرٹ پلٹا۔''کیا بات ہے؟''

''آپ کی وائف اب کیسی ہیں؟''

''وہ بہ تدریج سنبھل رہی ہے۔اب کچھ بہتر ہے''۔

''کیا میں ڈیمین کو لے کر ان سے ملنے جا سکتی ہوں۔آپ تو جا رہے ہیں نا''۔

رابرٹ چند لمحے اسے بغور دیکھتا رہا۔وہ تولئے سے اپنے ہاتھ خشک کر رہی تھی۔اس وقت وہ خالص گھریلو عورت لگ رہی تھی۔اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس عورت کو اتنا ناپسند کیوں کرتا ہے۔''نہیں مسز بے لاک،تم نہ جانا۔میں واپس آجاؤں تو اسے ماں سے ملا لاؤں گا''۔

''بہت بہتر جناب''۔

رابرٹ پلٹا اور باہر نکل آیا۔

گھر سے نکل کر وہ اپنی کار خود ڈرائیو کر کے اسپتال گیا۔وہاں ڈاکٹر بیکر سے اس کی بات ہوئی۔ڈاکٹر نے بتایا کہ کیتھی اس وقت جاگ رہی ہے اور خاصی پرسکون ہے۔''میں اسے کسی سائیکیٹرسٹ کو دکھانا چاہتا ہوں۔آپ کی اجازت درکار ہے''۔ڈاکٹر نے کہا۔

رابرٹ نے اسے چارلس گریئر کا فون نمبر نوٹ کرادیا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

پھر وہ کیتھی کے کمرے میں گیا۔ اسے دیکھ کر کیتھی کے ہونٹوں پر کمزوری مسکراہٹ ابھری۔ ''ہیلو''۔ اس کی آواز سرگوشی جیسی تھی۔

''ہیلو کیتھی۔ کچھ بہتر محسوس کر رہی ہو؟''

''ہاں، کسی حد تک''۔

''ڈاکٹر کہہ رہا ہے، تم ٹھیک ہو جاؤ گی''۔

''مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے''۔

رابرٹ نے کرسی کھینچی اور اس کے پاس بیٹھ گیا۔ کیتھی اس عالم میں بھی اتنی خوب صورت لگ رہی تھی کہ اسے حیرت ہونے لگی۔ کھڑکی سے اندر آتی دھوپ اس کے بالوں سے کھیل رہی تھی۔

''تم اچھے لگ رہے ہو''۔ کیتھی نے کہا۔

''میں تمہارے بارے میں یہی بات سوچ رہا تھا''۔

وہ مسکرائی۔ ''میں جانتی ہوں کہ فی الوقت میں قابل دید نہیں ہوں''۔

رابرٹ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔

''کیسا عجیب وقت ہے یہ''۔

''کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے''۔ رابرٹ نے کہا۔

''کیا یہ ممکن ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے؟''

''میرا خیال ہے، سب ٹھیک ہو جائے گا''۔

''تو پھر سب کچھ غلط کیوں ہو رہا ہے؟''

رابرٹ نے سر جھٹک دیا۔ اس بات کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

''اگر ہم بہت برے لوگ ہوتے تو میں کہتی، ٹھیک ہے۔ ہم اس کے مستحق تھے۔ لیکن ہم نے تو کوئی برائی نہیں کی۔ پھر ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟''

''یہ تو میں بھی سوچتا ہوں''۔ رابرٹ نے کہا۔

کیتھی اتنی دکھی، اتنی پریشان حال لگ رہی تھی کہ رابرٹ کا دل بھر آیا۔ ''مجھے چند روز کے لئے شہر سے باہر جانا ہے۔ تم اسپتال میں محفوظ رہو گی''۔

کیتھی کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اس نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔

''ایک ضروری کام سے جانا ہے''۔ رابرٹ نے وضاحت کی۔ ''ایسا کہ ٹالا نہیں جا سکتا''۔

''کتنے دن کے لئے جا رہے ہو؟'' کیتھی نے پوچھا۔

''تین دن کے لئے، تمہیں ہر روز کال کروں گا''۔

کیتھی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ رابرٹ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کیتھی کا پیشانی کو چوما۔

''رابرٹ؟''

''کہو، کیا بات ہے؟''

''وہ کہتے ہیں کہ میں نے چھلانگ لگائی تھی''۔ کیتھی کی نگاہوں میں بچوں کی سی الجھن تھی۔ ''انہوں نے تمہیں بھی یہی بتایا ہے''۔

''ہاں''۔

''ذرا سوچو تو۔ میں ایسا کیوں کرنے لگی''۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ہمیں یہی سمجھنے کی تو کوشش کرنی ہے''۔

''کیا میں پاگل ہوں؟''۔

رابرٹ اسے غور سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''شاید ہم سبھی پاگل ہیں''۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔

''کیتھی اپنا چہرہ اس کے چہرے کے بہت قریب لے آئی۔ ''میں نے خود چھلانگ نہیں لگائی تھی''۔ ''ڈیمین نے مجھے دھکا دیا تھا''۔

خاموشی کے چند طویل لمحے گزرے۔ پھر رابرٹ کمرے سے نکل آیا۔

.................X.................

چھ نشستوں والے لیئر جیٹ میں رابرٹ تھورن اور حنیف ارشد کے سوا کوئی نہیں تھا۔ جہاز روم کے تاریک آسمان میں پرواز کر رہا تھا۔ جہاز کے اندر کے ماحول میں کشیدگی اور خاموشی تھی۔ حنیف اپنی کتابیں کھولے بیٹھا تھا۔ ''آپ یاد کریں...... بتائیں کہ فادر ٹیسون نے آپ سے کیا کہا تھا۔ کوشش کریں کہ لفظ بہ لفظ دہرا دیں''۔

''سب کچھ دھندلا دھندلا ہے۔ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں آتا''۔ رابرٹ کے لہجے میں اذیت تھی۔

''آپ بالکل شروع سے بتائیں، کوشش تو کریں''۔

رابرٹ پادری ٹیسون سے اپنی ملاقات یاد کرنے لگا۔ ''کچھ ایسی بات کہی تھی اس نے...... سمندر سے ابھر کی...... فوجوں کی...... موت کی...... اور سلطنت روما کی......''۔

''ذہن پر اور زور دیں''۔

''میں نے دھیان بھی نہیں دیا۔ میں تو اسے پاگل سمجھ رہا تھا''۔

''دھیان سے نہ سہی، مگر آپ نے سنا تھا۔ یاد کریں''۔

''مجھے کچھ یاد نہیں''۔

''میں کہہ رہا ہوں نا، ذہن پر زور دیں''۔

رابرٹ کے چہرے پر فرسٹریشن تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور ذہن پر زور دینے کی کوشش کی۔ لیکن ذہن پوری طاقت سے مزاحمت کر رہا تھا۔ ''مجھے کچھ کچھ یاد آ رہا ہے''۔ اس نے کہا۔ ''وہ مجھے اچھا کرسچن بننے کی تلقین کر رہا تھا...... خوشامد کر رہا تھا۔ کہہ رہا تھا...... یسوع مسیح کے بن جاؤ''۔

''کس لئے؟''

''شیطان کے بیٹے کو شکست دینے کے لئے''۔

''اور کیا کہا تھا اس نے؟''

''ہاں...... وہ کسی بوڑھے آدمی کے متعلق بات کر رہا تھا......''۔

''بوڑھا آدمی؟ کیسا بوڑھا آدمی؟''

''اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے جا کر اس بوڑھے شخص سے ملنا چاہئے''۔

''ذہن پر اور زور دیں''۔

''مجھے اور کچھ یاد نہیں آ رہا ہے''۔

''اس نے بوڑھے شخص کا نام بھی تو بتایا ہوگا''۔

''مم...... مگدو...... ماگدو...... نہیں مکیدو۔ لیکن نہیں، یہ تو جگہ کا نام تھا''۔

''کون سی جگہ؟'' حنیف اس پر مسلسل دباؤ ڈال رہا تھا۔

''اس نے کہا تھا کہ مجھے مکیدو جا کر اس بوڑھے سے ملنا چاہئے۔ ہاں...... مجھے پکا یاد ہے۔ اس نے اسی جگہ کا نام لیا تھا''۔

حنیف نے بریف کیس کھول کر ایک نقشہ نکالا۔ اس کا انداز ہیجانی تھا۔ مکیدو...... مکیدو بڑبڑاتے ہوئے وہ نقشے پر انگلی لہرا رہا تھا۔

''تم نے یہ نام سنا ہے؟'' رابرٹ نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے، یہ جگہ اٹلی میں ہے''۔

لیکن اس کا خیال غلط تھا۔ اٹلی میں ہی نہیں، یورپ کے کسی بھی ملک میں اس نام کا کوئی شہر، کوئی قصبہ نہیں تھا۔ حنیف آدھے گھنٹے تک نقشے کو ٹٹولتا رہا۔ پھر اس نے نقشے کو تہہ کرتے ہوئے مایوسی سے سر جھٹکا۔ پھر اس نے رابرٹ کو دیکھا، جو اتنی دیر میں گہری نیند سو چکا تھا۔ اس نے رابرٹ کو جگایا نہیں۔ وہ اپنی کتابوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اب وہ نزول مسیح ؑ کی پیش گوئیوں کا مطالعہ کر رہا تھا۔ ایک بات طے تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے پہلے خروج دجال ہونا تھا۔ دجال جسے عیسائی اینٹی کرائسٹ کہتے ہیں...... مسیح دجال!۔

بائبل میں لکھا تھا...... مسیح دجال کی آمد ہوگی، جو انسانی روپ میں ابلیس کی اولاد ہوگا۔ وہ چار ٹانگوں والے جانور سے زنا کے نتیجے میں پیدا ہوگا۔ جیسے مسیح علیہ السلام نے محبت، نرمی اور مہربانی کو فروغ دیا تھا، ویسے ہی یہ اینٹی کرائسٹ دنیا میں نفرت اور خوف پھیلائے گا۔ اسے احکامات براہ راست جہنم سے ملیں گے۔

جہاز کے پہیے رن وے سے ٹکرائے تو جہاز کو جھٹکا لگا۔ حنیف نے اپنی کتابیں سمیٹیں اور باہر دیکھا۔ روم میں بارش ہو رہی تھی۔ آسمان پر بجلی کے کوڑے گڑگڑاہٹ کے ساتھ لہرا رہے تھے۔

وہ تیزی سے سنسان ایئرپورٹ سے نکلے اور منتظر ٹیکسی تک پہنچے۔ ٹیکسی میں حنیف نے تھوڑی سے نیند لے لی۔ رابرٹ تھورن خاموش بیٹھا اپنے اور کیتھی کے بارے میں سوچتا رہا۔ کیا دن تھے، جب وہ دونوں جوان تھے، خوش امیدی سے سرشار تھے۔ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے سڑکوں پر بے فکری سے سڑگشت کرتے تھے، ان دنوں وہ کتنے معصوم تھے۔ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت تھی۔ کیتھی کے جسم کی خوشبو، اس کی ہنسی کی کھنک اسے اب بھی یاد تھی۔ وہ روم کو ایسے دریافت کر رہے تھے، جیسے کولمبس نے امریکا دریافت کیا تھا اور روم انہیں اپنا لگتا تھا...... ذاتی ملکیت۔

رابرٹ سوچ رہا تھا کہ اب شاید وہ کبھی پہلے جیسے نہیں ہو سکیں گے۔ وہ کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔

ٹیکسی ایک دم سے رکی۔ جھٹکا لگا تو وہ اپنے خیالوں کی دنیا سے باہر آ گیا۔

''آپ کی منزل آ گئی جناب''۔ ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔

حنیف کی آنکھ بھی کھل گئی تھی۔ رابرٹ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر الجھن تھی۔ ''یہ وہ جگہ نہیں ہے''۔ بالآخر اس نے کہا۔

''یہی جگہ ہے سر''۔ ڈرائیور منمنایا۔

''نہیں۔ وہ اینٹوں سے بنی پرانے طرز کی عمارت تھی''۔ رابرٹ نے کہا۔ ''مجھے اچھی طرح یاد ہے''۔

''کیا پتا درست ہے؟'' حنیف نے پوچھا۔

''ہاسپٹل ڈی سینٹو یہی ہے''۔ ڈرائیور کے لہجے میں اصرار تھا۔

''یہ بہت مختلف ہے''۔ رابرٹ بھی مصر تھا۔

اس بار ڈرائیور نے اطالوی زبان میں کچھ کہا۔

''یہ کیا کہہ رہا ہے؟'' حنیف نے رابرٹ سے پوچھا۔

''اس کا کہنا ہے کہ یہاں آگ لگی تھی''۔

''آگ!''

''شاید پرانی عمارت میں آگ لگ گئی تھی۔ اس پر یہ نئی عمارت تعمیر کی گئی ہے''۔

ڈرائیور نے پھر اطالوی جھاڑی۔ حنیف سوالیہ نظروں سے رابرٹ کو دیکھ رہا تھا۔

''تین سال پہلے آگ لگی تھی...... خطرناک آگ۔ بہت لوگ جل مرے تھے''۔ رابرٹ نے اسے بتایا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

رابرٹ نے ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور اس سے انتظار کرنے کو کہا۔ پہلے تو اس نے انکار کر دیا۔ لیکن رابرٹ نے ڈالر دکھائے تو اس نے جلدی سے ہامی بھر لی۔ رابرٹ نے ٹوٹی پھوٹی اطالوی میں اسے سمجھایا کہ وہ روم سے واپسی تک اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔

''میں اپنی بیوی کو فون کر کے بتا دوں۔ پھر واپس آتا ہوں''۔ ڈرائیور نے کہا۔

رابرٹ اور حنیف اسپتال میں داخل ہو گئے۔ انہیں ابتدا میں ہی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ آدھی رات کے بعد کا وقت تھا۔ اسپتال کے ذمہ داروں سے صبح سے پہلے ملاقات نہیں ہو سکتی تھی۔ حنیف اپنے صحافی ہونے کا فائدہ اٹھانے کی کوششوں میں لگ گیا۔

ادھر رابرٹ کو ایک ایسی نن مل گئی، جو انگریزی بول سکتی تھی۔ اس نے تصدیق کی کہ تین سال پہلے اسپتال میں اتنی خوف ناک آگ لگی تھی کہ کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ پرانی عمارت پوری طرح تباہ ہو گئی تھی۔

''سب کچھ تو نہیں تباہ ہوا ہوگا''۔ رابرٹ نے کہا۔ ''اسپتال کے ریکارڈز......''۔

''میں اس وقت یہاں نہیں تھی۔ لیکن لوگ کہتے ہیں کہ کچھ بھی نہیں بچا تھا''۔

''ممکن ہے، ریکارڈ کہیں اور رکھا جاتا ہو''۔

''میں کچھ کہہ نہیں سکتی''۔

رابرٹ کو مایوسی ہوئی۔ نن اس سے زیادہ کچھ بتا نہیں سکتی تھی۔ ''اصل میں میرا معاملہ بہت اہم ہے''۔ اس نے کہا۔ ''میں نے یہاں سے ایک بچے کو گود لیا تھا۔ میں اس بچے کے والدین کے متعلق جاننا چاہتا ہوں''۔

''یہاں ایسا کچھ بھی نہیں ہوا''۔

''میرا معاملہ ذرا مختلف ہے۔ وہ ایک انڈر اسٹینڈنگ کے تحت ہوا تھا''۔

''دیکھیں آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہاں یہ کام ریلیف ایجنسی کی وساطت سے ہوتا ہے''۔

''یہ بتاؤ، جو بچے یہاں پیدا ہوتے ہیں، ان کا ریکارڈ تو رکھا جاتا ہے''۔

''جی ہاں''۔

''تو اگر میں تمہیں بچے کی تاریخ پیدائش دوں تو......''۔

''اس کا کچھ فائدہ نہیں''۔ حنیف نے بات کاٹ دی۔

رابرٹ نے سر گھما کر دیکھا۔ حنیف اس طرف آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی مایوسی تھی۔

''آگ ریکارڈ روم سے ہی شروع ہوئی تھی''۔ حنیف نے بتایا۔ ''کاغذات تمام وہیں تھے۔ ریکارڈ روم تو پہلے ہی مرحلے میں خاک ہو گیا۔ پھر زینوں نے آگ پکڑی۔ تیسری منزل کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ تو جہنم کی مثال بن گئی تھی''۔

''تیسری منزل؟''

''وہاں نرسری تھی اور میٹرنٹی وارڈ تھے۔ سب کچھ راکھ ہو گیا تھا''۔

رابرٹ تھورن کو چکر آنے لگے۔ وہ لڑکھڑایا۔ مگر دیوار سے ٹک گیا۔

''معاف کیجئے گا۔ مجھے جانا ہے''۔ نن نے کہا۔

''پلیز...... دو منٹ اور دے دو مجھے''۔ رابرٹ نے التجائیہ لہجے میں کہا۔ ''مجھے اسٹاف کے بارے میں بتائیں۔ بہت لوگ بچے بھی تو ہوں گے''۔

''جی ہاں۔ کچھ لوگ تھے''۔

''ایک لمبے قد کا، بھاری بدن کا پادری تھا''۔

''اس کا نام فادر اسپلیٹو تھا؟''

''ہاں...... ہاں۔ یہی نام تھا اس کا''۔ رابرٹ کے لہجے میں سنسنی در آئی۔

''وہ یہاں چیف آف اسٹاف تھا''۔

''ہاں۔ وہ انچارج تھا، کیا وہ......''۔

''وہ بچ گیا تھا''۔

''کیا وہ یہاں موجود ہے؟''۔

''نہیں''۔

''تو پھر کہاں......''۔

''وہ سوبیا کو کی خانقاہ میں ہے۔ بچنے والوں میں سے بہت سے وہاں لے جائے گئے تھے۔ ان میں سے کچھ مر گئے۔ مجھے اسپلیٹو نہیں معلوم۔ ممکن ہے، وہ بھی مر گیا ہو۔ بہر حال آگ سے وہ بچ نکلا تھا۔ مجھے یاد ہے۔ لوگ کہتے تھے کہ اس کا بچ جانا معجزہ ہی ہے۔ آگ لگی تو وہ تیسری منزل پر تھا''۔

''سوبیا کو''۔ حنیف نے دہرایا۔

نن نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''وہاں سانتا بنی ڈکٹس کی خانقاہ ہے''

وہ باہر نکلے اور ٹیکسی کی طرف لپکے۔ حنیف پھر اپنا نقشہ کھول کر بیٹھ گیا۔ سوبیا کو اٹلی کی شمالی سرحد کے قریب تھا۔ وہاں پہنچنے کے لئے انہیں لمبا سفر کرنا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور پھر آنا کانی کرنے لگا۔ رابرٹ نے اسے پھر لفٹ دکھائے اور وہ پھر راضی ہو گیا۔

حنیف نے اسے نقشہ دکھا کر سمجھایا۔ کیوں کہ اب اس میں جاگنے کی ہمت نہیں تھی۔

لیکن سفر شروع ہوا تو ان سے سویا نہیں گیا۔ حنیف نے اپنی کتابیں کھول لیں۔ ٹیکسی اس وقت مضافات سے گزر رہی تھی۔

''افوہ......''۔ اچانک حنیف کے منہ سے نکلا۔

رابرٹ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ اس وقت بائبل کھولے بیٹھا تھا۔

''یہ تو بائبل میں موجود ہے...... پیش گوئیوں والے باب ہیں۔ ''جب یہودی سر زمین اسرائیل میں واپس آئیں گے......''۔

''ہاں۔ یہ وہی نظم ہے''۔ رابرٹ نے ہیجانی لہجے میں کہا۔ ''اس میں کسی کومٹ کا بھی تذکرہ ہے''۔

''جی ہاں اور سلطنت روما کا عروج۔ یہ سب اینٹی کرائسٹ کی آمد کی نشانیاں ہیں''۔ حنیف نے کہا۔ ''اینٹی کرائسٹ...... ابلیس کا بیٹا''

ٹیکسی بڑھ رہی تھی۔ رابرٹ نے اپنا بریف کیس کھول کر وہ بائبل نکالی، جس سے وہ چند روز پہلے اپنی تقریر کی تیاری میں مدد لے رہا تھا۔ وہ اصل میں بائبل کی تشریح تھی۔ اس کی مدد سے وہ نشانیوں کو سمجھ سکتے تھے۔

''یہودی اسرائیل پر قابض ہو چکے ہیں''۔ حنیف نے کہا۔ ''کومٹ بھی سامنے آ چکا ہے؟ رہی سلطنت روم کے عروج کی بات تو یہ عیسائیت کے عروج کی طرف اشارہ ہے۔ بعض مشرقین کے خیال میں اس کا اشارہ یورپ کی مشترکہ منڈی کی طرف ہے''۔

''بات سمجھ میں آتی ہے''۔

''لیکن اس کا مطلب کیا ہے کہ وہ بحر ابد سے ابھرے گا''۔

''یہ تو وہی نظم ہے، جو ٹیسون نے سنائی تھی''۔ رابرٹ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''ہاں...... یہی کہا تھا اس نے۔ اور کہا تھا...... بحر ابد کے دونوں طرف فوجیں ہوں گی۔ ہاں...... یہ بھی کہا تھا اس نے''

رابرٹ ذہن پر مزید زور دے رہا تھا کہ کچھ اور بھی یاد آ جائے۔ وہ کڑھ رہا تھا کہ اس نے ٹیسون کی بات توجہ سے کیوں نہیں سنی۔

''مشرقین کا کہنا ہے کہ بحر ابد دراصل دنیائے سیاست کو کہا گیا ہے۔ سیاست ہی وہ سمندر ہے جس میں ہمیشہ مد و جزر رہتا ہے اور انقلابی طوفان آتے رہتے ہیں''۔

وہ دونوں اب ایک دوسرے کو غور سے دیکھ رہے تھے۔

''اس کا مطلب ہے کہ ابلیس کا بیٹا دنیائے سیاست سے ابھرے گا''۔ رابرٹ نے کہا۔

رابرٹ نے کچھ نہیں کہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ بھی تو دنیائے سیاست سے تعلق رکھتا ہے۔

..................x..................

سانتا بنی ڈکٹس کی خانقاہ پتھروں سے تعمیر کئے گئے ایک قلعے میں تھی۔ اب امتداد زمانہ کے ہاتھوں قلعہ بوسیدگی کا شکار تھا۔ لیکن وہ اب بھی مضبوطی اور وقار کا مظہر نظر آتا تھا۔ وہ ہیروڈ کے زمانے کی یادگار تھا اور ان گنت انقلاب بھگت چکا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جرمن فوجی یہاں قابض ہو گئے تھے۔ انہوں نے تمام راہبوں کو گولیوں سے بھون ڈالا تھا اور یہاں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کر لیا تھا۔ 1946ء میں خود اطالویوں نے اس پر بم باری کی تھی۔

ان تمام باتوں کے باوجود خانقاہ ایک مقدس اور متبرک جگہ تھی۔ ایک پہاڑی پر ایستادہ اس عمارت کی دیواروں میں صدیوں سے کی جانے والی دعاؤں کی گونج سنائی دیتی تھی۔ وہ صدیوں کی امین تھی۔

ٹیکسی خانقاہ کے سامنے رکی تو اس کے مسافر محو خواب تھے۔ ٹیکسی ڈرائیور کو انہیں جھنجھوڑنا پڑا۔ ''سینور...... اٹھ جائیں''۔

حنیف نے جاگتے ہی کھڑکی کا شیشہ اتارا اور صبح کی ٹھنڈی اور تازہ ہوا پھیپھڑوں میں بھر لی۔ پھر اس نے منظر کا جائزہ لیا۔ وہ بڑی سرسبز جگہ تھی۔

''یہ سانتا بنی ڈکٹس ہے''۔ حنیف نے تبصرہ کیا۔

''ہم عمارت تک نہیں جا سکتے؟''۔ رابرٹ نے ٹیکسی ڈرائیور سے پوچھا۔

ڈرائیور نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے''۔ حنیف نے تائید کی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

انہوں نے ڈرائیور سے کہا کہ وہ کچھ دیر سو لے۔ پھر وہ خانقاہ کی طرف چل دیئے۔

وہاں پہنچنے کے لئے انہیں کمر تک اونچی گھاس کے درمیان چلنا پڑا۔ان کی پینٹیں رانوں تک بھیگ گئیں۔راستہ بہت ہی دشوار تھا اوران کا لباس اس کے لحاظ سے بالکل غیر موزوں تھا۔آدھے راستے میں ہی ان کی سانس پھول گئی۔حنیف سانس درست کرنے کیلئے رکا اوراس دوران اس نے گرد و پیش کی کچھ تصویریں بنا ڈالیں۔

کیمرا اس کے پاس تھا۔''ناقابل یقین''۔اس نے استعجابیہ لہجے میں کہا۔

رابرٹ آگے نکل چکا تھا۔اس نے پلٹ کر اسے دیکھا اور چڑچڑے پن سے کہا''اب آ بھی جاؤ''۔

حنیف کیمرا لٹکائے تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔وہ دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔گہرے سناٹے میں ان کے سانسوں کی آواز کے سوا کوئی آواز نہیں تھا۔مگر ذرا دیر بعد انہیں دور سے مناجات کی آواز سنائی دینے لگی، جو راہب مل کر پڑھ رہے تھے۔

''یہ بڑی اداس جگہ ہے''۔حنیف نے کہا''اب وہ خانقاہ کے دروازے پر پہنچ گئے تھے۔''ذرا یہ آواز تو سنیں،اس میں کیسا دکھ ہے''

مناجات کی آواز اب در و دیوار سے پھوٹتی محسوس ہو رہی تھی۔وہ محرابی دروازے سے گزر کر اندر داخل ہوئے۔ابھی تک انہیں مناجات گانے والے نظر نہیں آئے تھے۔

اب وہ ایک راہ داری میں تھے۔''میرا خیال ہے،اسی طرف چلنا ہے،ذرا کیچڑ کا خیال رکھیں''۔حنیف نے کہا۔

آگے براؤن رنگ کا فرش تھا۔جس کا رنگ جگہ جگہ سے اڑ رہا تھا،آگے انہیں ایک بھاری دروازہ نظر آ رہا تھا۔مناجات کی آواز اب اور بلند ہوگئی تھی۔

پھر دروازہ کھلا۔سامنے ایک پرشکوہ منظر تھا۔انہیں ایسا لگا کہ وہ کسی صدیوں پرانے معبد میں داخل ہو رہے ہیں۔ایسا لگتا تھا کہ وہ کسی بہت بڑی ہستی کے روبرو پیش ہو رہے ہیں۔انہیں وہاں عجیب سے روحانی تقدس کا احساس ہو رہا تھا۔بلکہ انہیں کسی کی جسمانی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا۔

وہ بہت بڑا اور قدیم طرز کا کمرا تھا۔سامنے سنگی قدمچے ایک بہت بڑی قربان گاہ تک جا رہے تھے۔قربان گاہ کی دیوار پر ایک چوبی صلیب آویزاں تھی،جس پر پتھر سے تراشی ہوئی مسیح کی شبیہہ منقش تھی۔اس کمرے کی چھت گنبد نما تھی، جو اوپری حصے میں بالکل کھلی ہوئی تھی اور آسمان نظر آ رہا تھا۔اس وقت چھت سے ہلکی ہلکی روشنی نیچے اتر رہی تھی۔اس روشنی میں مسیح کی شبیہہ جگمگا رہی تھی

''کیسا تقدس آمیز ماحول ہے۔دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بہت پرانا معبد ہے''۔

رابرٹ نے اثبات میں سر ہلایا۔اس کی نگاہیں کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔پھر وہ راہبوں کے ایک گروہ پر جم گئیں۔وہ بنچوں پر گھٹنوں کے بل بیٹھے دعا کر رہے تھے۔انہوں نے اپنے چہرے چادروں میں چھپائے ہوئے تھے۔ان کی مناجات میں جذباتیت تھی۔لیکن نہ جانے کیوں وہ اعصاب کو بوجھل کر رہی تھیں۔ان کی آواز کبھی نیچی ہوتی،کبھی بلند ہوتی اور کبھی ایسا لگتا ہے کہ آواز ہے ہی نہیں۔

حنیف نے اپنا لائٹ میٹر نکالا اور اس کے ذریعے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

''ہٹاؤ اسے''۔رابرٹ نے سخت لہجے میں کہا،

''مجھے فلیش لائٹ لانی چاہئے تھی''۔حنیف نے بے دھیانی میں کہا۔

''میں کہہ رہا ہوں،ہٹاؤ اسے''۔

حنیف نے بدمزگی سے اسے دیکھا لیکن لائٹ میٹر بہرحال ہٹا دیا۔

رابرٹ بہت بے چین اور مضطرب نظر آ رہا تھا۔اس کے گھٹنے لرز رہے تھے۔جیسے کوئی قوت اسے گھٹنوں کے بل جھک کر دعا کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔

''آپ ٹھیک تو ہیں؟''حنیف نے اس سے پوچھا۔اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

''میں کیتھولک ہوں''۔رابرٹ نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

پھر اچانک اس نے اندھیرے میں کچھ دیکھا اور اس کا چہرہ جیسے ٹھٹھر کر رہ گیا۔حنیف نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔وہ ایک وھیل چیئر تھی اور اس پر ایک بے حد جسیم شخص بیٹھا تھا۔گھٹنوں کے بل سر جھکائے ہوئے راہبوں کے برعکس وہ وھیل چیئر پر تن کر بیٹھا تھا۔اس کے بازو خمیدہ تھے اور سر ایک طرف ڈھلکا ہوا تھا۔وہ فالج زدہ لگ رہا تھا۔

''کیا یہی فادر اسپلیٹو ہے؟''۔حنیف نے سرگوشی میں سوال کیا۔

رابرٹ نے اثبات میں سر ہلایا۔وہ بہت اعصاب زدہ لگ رہا تھا۔

وہ دونوں آگے بڑھے تاکہ اس شخص کو غور سے دیکھ سکیں۔

اور جب انہوں نے اسے دیکھا تو لرز کر رہ گئے۔اس کے آدھے چہرے کا گوشت پگھل کر بہہ گیا تھا۔ایک پتھرائی ہوئی آنکھ اوپر کی طرف دیکھتی محسوس ہو رہی تھی۔حالاں کہ وہ اس آنکھ سے دیکھنے کے قابل نہیں تھا۔اس کا داہنا ہاتھ بھی جھلسا ہوا تھا۔

.................×.................

''ہمیں نہیں معلوم کہ یہ کچھ دیکھ اور سکتے ہیں یا نہیں''۔فادر اسپلیٹو کے قریب کھڑا ہونے والا راہب کہہ رہا تھا''آتش زنی کے واقعے کے بعد سے کسی نے کبھی ان کی آواز نہیں سنی۔انہیں بولتے ہی نہیں دیکھا''۔

وہ لوگ اس وقت ایک اجڑے ہوئے باغیچے میں کھڑے تھے، جو یقیناً کبھی بہت خوب صورت رہا ہوگا۔وہ راہب فادر اسپلیٹو کی وھیل چیئر کو یہاں تک لایا تھا۔عبادت ختم ہو چکی تھی۔وہ اور راہب اس کے پیچھے پیچھے آئے تھے۔پھر وہ آگے چلے گئے۔بات کرنے والے راہب نے ان کے دور جانے کا انتظار کر لیا۔

''ہم لوگ ان کا خیال رکھتے ہیں۔انہیں کھلاتے پلاتے ہیں،ہم دعا کرتے ہیں کہ سزا پوری ہونے کے بعد خداوند ان کو شفا عطا فرمائے''۔

''سزا؟''۔رابرٹ نے حیرت سے دہرایا۔

''راہب نے اثبات میں سر ہلایا''جو چرواہا اپنی بھیڑوں کو چھوڑ دے،اس کا سیدھا ہاتھ ناکارہ ہو جاتا ہے اور آنکھ بصارت کو کھو بیٹھتی ہے''۔

''تو کیا یہ اپنے مقام اور مرتبے سے گر چکے ہیں''۔

''جی ہاں''۔

''میں وجہ پوچھ سکتا ہوں''۔

''کرائسٹ کو چھوڑنے کے جرم میں''۔

رابرٹ اور حنیف کے درمیان نظروں کا تبادلہ ہوا۔دونوں کی نگاہوں میں الجھن تھی۔

''آپ کو کیسے پتہ چلا کہ انہوں نے کرائسٹ کو چھوڑ دیا تھا؟''۔رابرٹ نے راہب سے پوچھا۔

''انہوں نے خود اعتراف کیا ہے''۔

''لیکن آپ تو کہتے ہیں کہ یہ بات نہیں کرتے''۔

''میں تحریری اعتراف کی بات کر رہا ہوں۔ان کا بایاں ہاتھ کسی حد تک کام کرتا ہے''۔

''اعتراف کی نوعیت کیا تھی؟''۔رابرٹ کو کرید لگی ہوئی تھی۔

رابرٹ چند لمحے ہچکچایا''آپ کس استحقاق کے تحت پوچھ رہے ہیں''۔

''یہ بے حد اہم معاملہ ہے......زندگی اور موت کا معاملہ۔میری التجا ہے کہ ہم سے تعاون کیجئے''۔

راہب چند لمحے رابرٹ کو غور سے دیکھتا رہا۔پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔''آیئے میرے ساتھ''۔

اب وہ اسپلیٹو کی کوٹھری میں تھے۔وہاں ایک گدے اور ایک سنگی میز کے سوا کچھ نہیں تھا۔یہاں بھی چھت کھلی ہوئی تھی۔دھوپ اور بارش کے لئے کہیں کوئی آڑ نہیں تھی۔ایک دن پہلے ہونے والی بارش کا کچھ پانی فرش پر جمع تھا۔گدا گیلا ہو رہا تھا۔رابرٹ سوچ رہا تھا کہ کیا سب لوگ یہ بے آرامی اور تکلیف جھیلتے ہیں......یا یہ اسپلیٹو کی سزا کا حصہ ہے۔

''انہوں نے اس میز پر کوئلے سے اپنا اعتراف لکھا تھا''۔راہب نے کہا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

وہ میز کو دیکھنے کے لئے آگے بڑھے۔ وہ کوئلے سے بنی ہوئی ایک عجیب قسم سی علامتی ڈرائنگ تھی۔

''یہ بات انہوں نے یہاں آنے کے بعد پہلے ہی دن بنایا تھا۔'' راہب نے بتایا'' کوئلہ ہم نے یہیں میز پر چھوڑ دیا تھا۔ مگر انہوں نے دوبارہ اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا''۔

وہ ایک انسانی پتلے کی ٹیڑھی میڑھی اور بے حد بچکانہ ڈرائنگ تھی۔ پتلے کے سر کے گرد ایک نیم دائرہ تھا۔ اس نیم دائرے کی شکل کی لکیر پر 6 کے تین ہندسے بنے ہوئے تھے۔ ویسے ہی جیسے انہوں نے مردہ فادر ٹیسون کی ران پر گودے ہوئے دیکھے تھے۔

حنیف انہیں بہت غور سے دیکھ رہے تھے۔

''یہ جو نیم دائرہ ہے نا۔ یہ چادر میں چھپے ہونے کی علامت ہے۔ راہب اپنا چہرہ چھپاتے ہیں نا''۔ راہب نے کہا۔

''یہ انہوں نے خود کو بنایا ہے؟'' حنیف نے راہب سے پوچھا۔

''ہم سب کا یہی اندازہ ہے''۔

''ان چھ کے ہندسوں کا کیا مطلب ہے؟''۔

''یہ شیطان کا ہندسہ ہے''۔ راہب نے بلا تامل کہا۔'' جب کہ سات یسوع مسیح کا ہندسہ ہے''۔

''تو یہ تین چھ کیوں؟''۔

''ہمارے خیال میں یہ شیطانی تثلیث کی علامت ہے۔ شیطان، اینٹی کرائسٹ اور جھوٹا نبی''۔ راہب نے وضاحت کی۔'' دراصل جہاں خیر ہے، وہاں شر بھی تو ہے، یہی تو انسان کی آزمائش ہے''۔

''آپ اسے اعتراف کیوں سمجھتے ہیں؟''۔ حنیف نے اعتراض کیا۔

''دیکھیں نا، آپ کی طرح ہمیں بھی یقین ہے کہ فادر اسپلیٹو نے یہ خود کو بنایا ہے اور اس پر یہ جہنمی نیم دائرہ بنانے کا مطلب اعتراف ہی ہو سکتا ہے''۔

''مگر آپ اس جرم کی تشخیص نہیں کر سکتے، اس کی نوعیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے، جس کا یہ اعتراف ہے؟''۔

''تفصیلات کی کوئی اہمیت نہیں''۔ راہب بولا'' اہمیت اس بات کی ہے کہ وہ شرمندہ ہے اور سزا کا خواہش مند ہے''۔

رابرٹ اور حنیف کے درمیان نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔ رابرٹ تھورن کے چہرے پر تناؤ تھا۔

''میں ان سے بات کر سکتا ہوں؟''۔ رابرٹ نے راہب سے پوچھا

''اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا''۔

رابرٹ نے فادر اسپلیٹو کو دیکھا۔ اسکے پتھرائے ہوئے چہرے کو دیکھ کر وہ جھرجھری لے کر رہ گیا'' فادر اسپلیٹو''۔ اس نے پکارا۔'' میرا نام تھورن ہے......رابرٹ تھورن''۔

فادر اسپلیٹو کی طرف سے کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوا۔ وہ پتھرائی ہوئی آنکھ سے اوپر دیکھتا رہا،

''میں نے آپ سے کہا نا، یہ لاحاصل ہے''۔ راہب نے کہا۔

لیکن اتنی مشقت اٹھا کر اتنی دور آنے کے بعد رابرٹ رکنے والا نہیں تھا'' فادر اسپلیٹو، ایک بچہ تھا، جو تم نے مجھے گود دیا تھا۔ یاد ہے نا؟ میں اس بچے کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں''۔

''پلیز سینیور......''۔ راہب کے لہجے میں التجا تھی۔

''تم نے ان کے سامنے اعتراف کیا ہے''۔ رابرٹ تھورن مشتعل ہو کر چیخنے لگا'' اب میرے سامنے بھی اعتراف کرو۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ جس بچے کو میں نے تمہارے کہنے پر اپنا بیٹا بنایا ہے، وہ کس ہے''۔

''معاف کیجئے گا، آپ مجھے مجبور کر رہے ہیں......''۔ راہب الجھن محسوس کر رہا تھا اور مداخلت کرنا چاہتا تھا۔

''فادر اسپلیٹو میری بات سن رہے ہونا؟ مجھے بتاؤ''۔ رابرٹ دہاڑا۔

رابرٹ نے اسپلیٹو کی وہیل چیئر کی جانب ہاتھ بڑھانا چاہا۔ لیکن حنیف اس کے راستے میں حائل ہو گیا۔

''فادر اسپلیٹو......خدا کے لئے جواب دو۔ مجھے بتاؤ، اس بچے کی ماں کہاں ہے۔ کون تھی وہ؟ پلیز...... مجھے بتاؤ''۔

اور اچانک ہی ماحول تبدیل ہو گیا۔ خانقاہ میں گھنٹیاں بجنے لگیں۔ وہ کان پھاڑ دینے والی آواز تھی۔ جس نے انہیں دہلا دیا۔ حنیف اور رابرٹ دونوں کے جسموں میں لرزش تھی۔ گھنٹیوں کی آواز خانقاہ کی سنگی دیواروں سے ٹکرا کر واپس آ رہی تھی، اس کا حجم بڑھ رہا تھا۔

پھر رابرٹ کی نظر فادر اسپلیٹو کے ہاتھ پر پڑی۔ وہ کپکپا رہا تھا...... نقاہت کے باوجود وہ اٹھ رہا تھا'' کوئلہ''۔ رابرٹ حلق کے بل چلایا۔'' اسے کوئلہ دو''۔

حنیف تیزی سے حرکت میں آیا۔ اس نے میز پر رکھا ہوا کوئلے کا وہ بڑا ٹکڑا اٹھا کر فادر اسپلیٹو کے ہاتھ میں دے دیا۔

گھنٹیاں اب بھی بج رہی تھیں۔

فادر اسپلیٹو کا کوئلے والا ہاتھ سنگی میز پر حرکت کر رہا تھا۔ میز پر بھدے حروف نمودار ہو رہے تھے......

''یہ......یہ تو کوئی لفظ ہے''۔ حنیف نے ہذیانی انداز میں کہا'' سی......ای......آر......''۔

فادر اسپلیٹو کا ہاتھ بری طرح لرز رہا تھا۔ لیکن وہ لکھنے کے لئے زبردست جدوجہد کر رہا تھا۔ اس کا منہ کھل گیا تھا اور وہ کراہ رہا تھا۔ اس سے اس اذیت کا اندازہ ہوتا تھا۔ جس سے وہ گزر رہا تھا۔

''پلیز فادر......لکھو......پورا کرو''۔ رابرٹ نے التجا کی۔

''وی......ٹی......''۔ حنیف لکھے ہوئے حروف پڑھ رہا تھا۔

اور اچانک گھنٹیوں کے آواز معدوم ہو گئی۔ فادر اسپلیٹو کی لرزتی انگلیوں کی گرفت سے کوئلے کا ٹکڑا نکل گیا اور اس کا سر دوبارہ وہیل چیئر کی پشت گاہ سے جا ٹکا۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ اس کا چہرہ پسینے میں نہایا ہوا تھا۔

گھنٹیوں کی بازگشت بھی ختم ہو گئی۔ وہ سب خاموش کھڑے میز پر کوئلے سے لکھے حروف کو دیکھ رہے تھے۔

''سرویٹ......''۔ رابرٹ کے منہ سے نکلا۔

''سرویٹ''۔ حنیف نے دہرایا۔

''کیا یہ اطالوی زبان کا لفظ ہے؟''۔ رابرٹ نے راہب سے پوچھا۔

راہب نے پہلے میز پر لکھے حروف اور پھر فادر اسپلیٹو کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن تھی۔

''کیا یہ آپ کے لئے قابل فہم ہے لفظ ہے؟''۔

''میرے خیال میں انہوں نے سرویٹری لکھنے کی کوشش کی ہے'' راہب نے کہا۔

''اس کا مطلب؟''۔

''یہ ایک پرانا...... بے حد پرانا قبرستان ہے۔ سینٹ انجلو کا قبرستان......شیطان کے پرستاروں کا قبرستان''۔

فادر اسپلیٹو کا اکڑا ہوا جسم پھر مرتعش ہو گیا تھا۔ اس کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ لگتا تھا وہ کچھ بولنے، کچھ کہنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن بالآخر اپنی کوشش میں ناکامی کے بعد وہ خاموش ہو گیا۔

رابرٹ اور حنیف راہب کی طرف متوجہ ہوئے جو فادر کو دیکھ کر بدمزگی سے سر ہلا رہا تھا۔'' اب سرویٹری کھنڈرات کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ ہاں، وہاں ٹیکولا کے مقبرے کی باقیات ضرور موجود ہیں''۔

''ٹیکولا کون؟''۔ حنیف نے پوچھا۔

''شیطان پرستوں کا دیوتا۔ اس قبرستان میں کبھی بھینٹ بھی دی جاتی تھی''۔

''فادر نے اس قبرستان کا نام کیوں لکھا؟''۔

''یہ تو مجھے نہیں معلوم''۔

''اچھا......قبرستان کہاں ہے؟''۔

''وہاں کچھ بھی نہیں ہے سینور......قبروں کے سوا۔ اور کچھ وحشی کتے بھی ہیں وہاں''۔

''یہ ہے کہاں؟''۔ حنیف کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی اور اصرار بھی۔

''روم کے شمال میں، کوئی پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ تمہارے ٹیکسی ڈرائیور کو معلوم ہوگا''۔ راہب نے خشک لہجے میں کہا

..................x..................

ٹیکسی ڈرائیور کو جگانا بے حد صبر آزما ثابت ہوا۔ آنکھ کھلتے ہی وہ رفع حاجت کے لئے کھیت کی طرف دوڑ گیا۔ واپس آ کر اس نے ان کی نئی فرمائش سنی تو پچھتانے لگا کہ لالچ میں آ کر اس نے خود کو برا پھنسا لیا ہے۔

''خوف خدا رکھنے والے اس قبرستان کا رخ بھی نہیں کرتے''۔ اس نے فریاد کرنے والے انداز میں کہا'' اور ہم رات سے پہلے وہاں پہنچ بھی نہیں سکیں گے''۔

جو طوفانی بارش انہوں نے روم میں دیکھی تھی، وہ اطراف میں بھی پھیل گئی تھی۔ بارش میں ان کو کم رفتار سے سفر کرنا پڑ رہا تھا۔ پھر انہیں ہائی وے پر ایک پرانی اور شکستہ سڑک پر سفر کرنا پڑ رہا تھا۔ اس سڑک پر پانی جمع تھا اور کیچڑ بھی کافی تھی۔ ایک جگہ ٹیکسی ڈگمگائی......اس کا پچھلا پہیہ ایک گڑھے میں دھنس گیا۔ ان تینوں کو ٹیکسی سے نکل کر زور لگانا پڑا۔ اس میں وقت الگ ضائع ہوا۔ وہ دوبارہ ٹیکسی میں بیٹھے تو ان کے کپڑے تر ہو چکے تھے اور جسم کپکپا رہے تھے۔

حنیف نے گھڑی میں دیکھا۔ شام ہو چکی تھی۔ اس کے فوراً بعد وہ بے خبر سو گیا۔ کئی گھنٹے بعد اس کی آنکھ کھلی تو اس احساس کی وجہ سے کہ ٹیکسی چل نہیں رہی ہے۔ اس کے برابر رابرٹ کروٹ لیٹے بے خبر سو رہا تھا۔ اگلی سیٹ سے ڈرائیور کے خراٹوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

حنیف نے دروازہ کھولا۔ باہر گہرا اندھیرا تھا۔ وہ لڑھکتا ہوا قریبی جھاڑی کی طرف گیا اور وہاں بیٹھ کر پیشاب کرنے لگا۔

اس کا اندازہ تھا کہ وہ صبح کاذب کا وقت ہے۔ آسمان پر روشنی کی پہلی جھلک نظر آنے لگی تھی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں ہیں۔ گرد و پیش نظر آتا تو کچھ اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

بالآخر اس کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ منزل پر پہنچ چکے ہیں۔ سامنے لوہے کا ایک جنگلا تھا، جس پر نکیلی کیلیں لگی تھیں۔ اس جنگلے کے عقب میں آسمان کی دھیمی روشنی میں اسے دور تک قبروں کے کتبے نظر آ رہے تھے۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

وہ ٹیکسی میں گیا اور چند لمحے رابرٹ کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے گھڑی پر نظر دوڑائی۔ پانچ بجنے میں دس منٹ کم تھے۔ پھر وہ اترا اور دبے قدموں ڈرائیور کی طرف گیا اور اگنیشن سے چابی نکال لی۔ چابی لے کر وہ ڈگی کی طرف گیا۔ آہستگی سے اس نے اس کا پٹ کھولا۔ پٹ اوپر اٹھتے ہوئے خاصی آواز ہوئی۔ لیکن سوئے ہوئے دونوں افراد کی نیند میں کوئی خلل نہیں پڑا۔

حنیف نے ڈگی میں سے اپنا کیمرا کیس اٹھایا، کیمرے میں فلم کا نیا رول ڈالا۔ پھر فلیش چیک کیا۔ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ فلیش ٹھیک کام کر رہی تھی۔ چند لمحے اس نے نظر بحال ہونے کا انتظار کیا۔ پھر اس نے ڈگی کا جائزہ لیا۔ تیل میں لتھڑے کارٹن کے درمیان اسے جیک کی راڈ نظر آئی۔ اس نے راڈ اٹھائی اور اسے اپنے بیلٹ میں اڑس لیا۔

آہستگی سے ڈگی بند کر کے وہ زنگ آلود جنگلے کی طرف بڑھا۔ وہ اندر گھسنے کے لئے مناسب جگہ تلاش کر رہا تھا۔ زمین گیلی تھی۔ اسے سردی لگ رہی تھی۔ اور کپکپی چڑھ رہی تھی۔ لیکن اسے کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آئی۔

ایک جگہ ایک درخت نظر آیا۔ اس درخت کی مدد سے وہ جنگلے پر چڑھا۔ اسے اپنا کیمرے اور اس کے متعلقہ آلات کی بھی فکر تھی۔ اسی وجہ سے دوسری طرف اترتے ہوئے اس کا پاؤں پھسلا۔ اس کا کوٹ پھٹ گیا۔ لیکن وہ خود بہر حال عافیت سے دوسری طرف پہنچ گیا ہے۔ اس کے آلات بھی محفوظ رہے۔

اپنے کیمرے کو لے کر وہ آگے بڑھتا رہا۔ آسمان پر روشنی بڑھتی جا رہی تھی۔ اب وہ گردوپیش کو اس کی جزئیات سمیت دیکھ سکتا تھا۔ بیشتر کتبے بہت پرانے اور بوسیدہ تھے۔ بعض قبریں ڈھے گئی تھیں۔ ان کے درمیان چوہے دوڑتے پھر رہے تھے۔ وہ اتنے نڈر تھے کہ انہیں اس کی موجودگی کی بھی پروا نہیں تھی۔ کچھ قبروں میں گھس رہے تھے اور کچھ قبروں سے نکل رہے تھے۔

وہاں بہت اونچی گھاس بھی تھی۔ بعض جگہوں پر تو وہ قدم آدم سے بڑھ کر تھی۔ اور گھاس میں جھاڑیاں کہاں ہیں، یہ پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ سخت سردی کے باوجود حنیف کے مسامات پسینہ اگل رہے تھے۔ اسے رہ رہ کر احساس ہو رہا تھا کہ اسے چھپ کر دیکھا جا رہا ہے۔ جیسے بھوت اور بدروحیں ہر قدم پر اس کی نگرانی کر رہی ہیں۔

وہ چند لمحے رکا...... وہ خود کو پرسکون کرنے اور ان سوچوں سے چھٹکارا دلانے کے لئے۔ اس لمحے اس کی نظریں اوپر کی طرف اٹھیں اور اس شے پر جم کر رہ گئیں۔

وہ دیو قامت سنگی مجسمہ بلندی سے اسے گھور رہا تھا۔ اس کے چہرے پر شدید غصے کا تاثر تھا۔ حنیف کو لگا کہ اس غصے کا سبب اس کی دخل اندازی ہے۔ سر اٹھا کر دیکھتے ہوئے اس کی سانسیں اور تیز اور پرشور ہو گئیں۔ مجسمے کی حلقوں سے ابلتی آنکھیں اسے حکم دیتی محسوس ہو رہی تھیں۔ یہ حکم کہ وہ فوراً اس قبرستان سے نکل جائے۔

حنیف کی ذہنی کیفیت ذرا بہتر ہوئی تو اس نے مجسمے کو ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔ اس کا چہرہ انسانی، لیکن اس کے تاثرات حیوانی تھے۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا، جیسے وہ شدید غصے میں ہو۔ اپنے خوف پر قابو پاتے ہوئے حنیف نے اپنا کیمرا سنبھالا اور مجسمے کی تین تصویریں بنا لیں۔

اس نے دوبارہ سر اٹھا کر مجسمے کو دیکھا، اس کا چہرہ انسانی تھا، لیکن اس پر تاثر وحشی جانوروں کا سا تھا، تنگ پیشانی پر سلوٹیں، بہت بڑی اور پھولی ہوئی ناک اور چیخنے کے انداز میں کھلا ہوا منہ، جیسے وہ غیض وغضب میں ہو۔

حنیف کے وجود میں خوف کی لہر دوڑ گئی، وہ مجسمہ تھا ہی ایسا ڈراؤنا!

ادھر ٹیکسی میں سوئے ہوئے رابرٹ کی پلکیں لرزیں۔ دھیرے دھیرے اس نے آنکھیں کھولیں، چند لمحوں میں اسے یہ احساس ہوا کہ حنیف ارشد ٹیکسی میں موجود نہیں ہے، وہ ٹیکسی سے نکلا تو اسے قبرستان نظر آیا۔

اس وقت سپیدۂ سحر پھوٹ رہا تھا۔

''حنیف......'' اس نے حنیف کو پکارا۔

لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ جنگلے کی طرف بڑھا اور حنیف کو دوبارہ پکارا۔

اس پکار کے جواب میں گویا اسے دور سے ایک آواز سنائی دی...... تحریک کی آواز! وہ آواز قبرستان کے اندر سے آئی تھی، جیسے کوئی اس کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہو۔

رابرٹ نے جنگلے کی سلاخیں تھامیں اور خاصی کوشش کے بعد جنگلے پر چڑھا، پھر اس نے دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔

''حنیف......!'' اس نے پھر پکارا۔

اس کی طرف بڑھتی ہوئی آہٹوں کی آواز معدوم ہو چکی تھی۔ رابرٹ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا، پھر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ پتلی کیچڑ میں اس کے جوتوں سے چرچر کی آواز نکل رہی تھی۔ پھر اسے وہ بڑے جسیم چوہے نظر آئے۔ انہیں دیکھ کر اس کے اعصاب جواب دینے لگے، وہاں ایسی بھیانک خاموشی اور سکوت تھا، جس کا اسے پہلے تجربہ ہو چکا تھا۔ وہ ایسی خاموشی تھی، جیسے گردوپیش کے ماحول نے بھی سانس روک لی ہو۔ اسے یاد آیا، پہلی بار ایسا سناٹا اس نے پیری فورڈ میں محسوس کیا تھا۔ یہ اس رات کی بات تھی جب اسے احساس ہوا تھا کہ جنگل کی جانب سے ان دیکھی آنکھیں اسے دیکھ رہی ہیں۔

وہ رک گیا، اس وقت یہاں بھی اسے ایسا ہی لگ رہا تھا کہ اسے چھپ کر دیکھا جا رہا ہے۔ وہ ٹٹولنے والی نگاہوں سے گردوپیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس کی نظریں ایک بہت بڑی صلیب پر جم کر رہ گئیں۔ وہ الٹی صلیب تھی، جو زمین میں گاڑھی گئی تھی۔

اسے دیکھ کر رابرٹ تھورن کا جسم تن سا گیا۔

اچانک صلیب کے عقب سے پھر آہٹ سنائی دی۔ اس بار وہ آہٹ تیزی سے اس کے قریب آ رہی تھی، اس کا جی چاہا کہ وہ پلٹے اور بھاگ کھڑا ہو لیکن یہ اس کے بس میں نہیں تھا۔ اس کے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے تھے۔

آہٹ بہت قریب آ گئی تھی، خوف سے رابرٹ تھورن کی آنکھیں پھیلنے لگیں۔

''مسٹر تھورن!''

وہ حنیف کی آواز تھی، اگلے ہی لمحے وہ جھاڑیوں سے برآمد ہوا۔

رابرٹ کی سانس سینے میں نہیں سما رہی تھی، اس کا جسم لرز رہا تھا۔

حنیف کے ہاتھ میں جیک کی راڈ تھی اور وہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ''مل گیا مسٹر تھورن۔ میں نے تلاش کر لیا''۔ اس نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا ''کیا مل گیا؟''

''آپ آئیں تو۔ میرے ساتھ چلیں''۔

وہ دونوں جھاڑیوں کی طرف بڑھ گئے۔ حنیف قبروں کے کتبوں سے بچ کر چلنے کی کوشش کر رہا تھا، اس کی رفتار تیز تھی۔ رابرٹ کے لئے اس کے ساتھ چلنا دشوار تھا۔

سامنے ایک سطح قطعۂ زمین نظر آ رہا تھا۔ ''وہ دیکھیں، وہ رہیں''۔ حنیف نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

رابرٹ نے اشارے کی سمت دیکھا۔ وہ برابر برابر دو قبریں تھیں۔ اس قبرستان کی دوسری قبروں کے برعکس وہ بہت پرانی نہیں لگ رہی تھیں۔ ایک بڑی قبر تھی اور دوسری بہت چھوٹی۔ دونوں پر کتبے نصب تھے، جن پر صرف نام اور تاریخیں کندہ تھیں۔

''تاریخیں دیکھیں''۔ حنیف نے سنسنی آمیز لہجے میں کہا۔ ''دونوں پر ایک ہی تاریخ لکھی ہے...... 6 جون...... 6 جون! چار سال پہلے کی 6 جون۔ ایک ماں کی قبر ہے اور دوسری بیٹے کی''۔

رابرٹ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور قبروں کے پاس جا کھڑا ہوا۔ وہ انہیں گھور رہا تھا۔

''پورے قبرستان میں یہی قبریں ہیں جو نئی کہی جا سکتی ہیں''۔ حنیف نے کہا۔ ''باقی قبریں تو اتنی پرانی ہیں کہ ان کے کتبے بھی مٹ گئے ہیں۔ ان پر کیا تھا، پڑھا ہی نہیں جا سکتا''۔

رابرٹ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جھکا اور ہاتھ سے کتبوں کو صاف کرنے لگا، جن پر گرد جمی تھی۔

اب وہ کتبوں کی تحریر پڑھ سکتا تھا۔

''کیا لکھا ہے؟'' حنیف نے پوچھا۔

''یہ لاطینی زبان ہے''۔

''لکھا کیا ہے؟''

''موت اور پیدائش میں...... دو نسلیں ہم آغوش ہوتی ہیں''۔

''اوہ......''

''تم نے خوب دریافت کیا انہیں''۔ رابرٹ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

حنیف اس کے پاس ہی گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی کہ رابرٹ تھورن کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔ رابرٹ کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ رو رہا تھا۔ حنیف اس کے آنسو تھمنے کا انتظار کرتا رہا۔

''یہی ہے۔ میں جانتا ہوں، یہی ہے''۔ رابرٹ سسکیوں کے درمیان کہہ رہا تھا۔ ''میں جانتا ہوں، میرے بچے کو یہیں دفن کیا گیا ہے''۔

''اور یہ دوسری قبر غالباً اس عورت کی ہے، جس کے بچے کو آپ پال رہے ہیں''۔

رابرٹ نے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا اور کتبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''اس پر یہی لکھا ہے...... ایک ماں اور اس کا بچہ''۔

''آپ نے اسپلیٹو سے یہی تو کہا تھا۔ اس نے بتا دیا۔ یہ آپ کے بچے کی قبر ہے اور دوسری آپ کے لے پالک کی ماں کی''۔

''لیکن یہاں کیوں؟ انہیں اس قبرستان میں کیوں دفن کیا گیا؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں''۔

''ان کیلئے یہ خوف ناک جگہ ہی رہ گئی تھی؟''

حنیف اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ یہ الجھن تو اسے بھی تھی۔ ''اس الجھن کو سلجھانے کی ایک ہی صورت ہے''۔ اس نے کہا۔ ''ہم اتنی دور بلاوجہ تو نہیں آئے ہیں، ہمیں اپنا کام مکمل کرنا چاہیے''۔

یہ کہہ کر اس نے جیک راڈ اٹھائی اور کدال کی طرح قبر کے سینے میں اتار دی۔ راڈ اگلے ہی لمحے کسی چیز سے ٹکرائی۔ ''یہ کام کچھ ایسا مشکل بھی نہیں ہے''۔ اس نے کہا۔ ''قبر بہ مشکل ایک ڈیڑھ فٹ گہری ہے''۔

اس نے جیک راڈ سے قبر کھودنی شروع کی۔ درمیان میں وہ رک کر مٹی ایک طرف جمع کرتا جا رہا تھا۔

''آپ میرا ہاتھ نہیں بٹائیں گے؟'' اس نے رابرٹ سے اپیل کی۔

رابرٹ ایک لمحے کو ہچکچایا۔ پھر اس نے جیک راڈ اس سے لے لی۔

مگر ہاتھوں سے مٹی ہٹاتے ہوئے اسے اپنی انگلیاں سن محسوس ہو رہی تھیں۔

آدھے گھنٹے کی مشقت کے دوران وہ پسینے میں نہا گئے۔ ان کے چہروں اور لباسوں پر مٹی جم گئی۔ بالآخر مٹی ہٹ گئی۔ اب سیمنٹ کی دو سلیں نظر آ رہی تھیں۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

وہ دونوں بیٹھ کر سوچتے رہے۔ بالآخر رابرٹ نے کہا۔ ''اب کیا کریں؟''

''سونگھیں۔ بو آرہی ہے؟''

''ہاں''۔

''انہوں نے جلدی میں کام کیا ہوگا۔ حفظان صحت کے اصولوں کا خیال نہیں رکھا''۔

رابرٹ کے چہرے پر اذیت کا سایہ لہرا گیا۔ لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔

''پہلے کون سی دیکھیں گے؟''۔ حنیف نے پوچھا۔

رابرٹ ہچکچایا۔ ''کیا یہ ضروری ہے؟''

''جی ہاں''۔

''مجھے یہ غلط لگتا ہے۔ جیسے ہم گناہ کر رہے ہوں''۔ رابرٹ بولا۔

''آپ کہیں تو میں ٹیکسی ڈرائیور کو مدد کے لئے بلالاؤں''۔

رابرٹ نے دانت پر دانت جما دیئے۔ یہ اسے گوارا نہیں تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''چلیں پھر آجائیں۔ پہلے بڑی قبر دیکھی جائے''۔ حنیف نے جیک راڈ سے سیمنٹ کی سل کے پہلو کی جانب وار کیا۔ ذرا دیر میں اتنی جگہ بن گئی کہ جیک کی راڈ کو وہاں پھنسایا جاسکتا تھا۔ راڈ پھنسا کر وہ زور لگانے لگا۔ اس کی انگلیاں دکھ گئیں۔ لیکن سل کو وہ اٹھا نہیں سکا۔

''بہت بھاری ہے''۔ اس نے کراہتے ہوئے کہا۔ ''آپ میری مدد کیوں نہیں کرتے''۔

رابرٹ جلدی سے اس کی مدد کو بڑھا۔ اب وہ دونوں مل کر زور لگا رہے تھے۔ دونوں ہانپنے لگے۔ بالآخر سل ایک جھٹکے سے اتر گئی۔ وہ دونوں دور جا گرے۔ وہ دونوں سنبھل کر اٹھے اور انہوں نے قبر میں جھانکا۔

''میرے خدا''۔ حنیف کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

وہ ایک گیدڑ کا ڈھانچہ تھا۔ کہیں کہیں گوشت اب بھی رہ گیا تھا۔ اس سے چیونٹیاں اور طرح طرح کے کیڑے مکوڑے لپٹے ہوئے تھے، اندر مکھیاں اور بھڑیں بھی تھیں۔

رابرٹ گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ حنیف جلدی سے سیمنٹ کی سل کو اس کی جگہ پر دھکیلنے لگا۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ مکھیوں سے بچنے کے لئے پیچھے ہٹا اور کیچڑ میں گر گیا۔ اٹھتے ہی اس نے واپس بھاگنے کی کوشش کی۔

لیکن رابرٹ نے پیچھے سے اسے پکڑ لیا۔

''کیا بات ہے؟ نکلیں نا یہاں سے''۔

''نہیں......'' رابرٹ چلایا۔

''چلیں نا۔ نکلیں یہاں سے''۔

''نہیں۔ ہمیں دوسری قبر بھی دیکھنی ہے''۔

''اس کی کیا ضرورت ہے۔ جو دیکھنا تھا، ہم دیکھ چکے ہیں''۔

''دوسری قبر دیکھنا ضروری ہے''۔ رابرٹ نے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔ ''ممکن ہے، اس میں بھی جانور ہو''۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

''ممکن ہے، میرا بیٹا زندہ ہو...... کہیں اور ہو''۔

حنیف پلٹ آیا۔ رابرٹ کی آنکھوں میں جو دکھ تھا، اس نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

چند لمحے بعد وہ سیمنٹ کی دوسری سل سے زور آزمائی کر رہے تھے۔ وہ چھوٹی بھی تھی اور اسی لئے نسبتاً ہلکی بھی تھی۔ اسے اٹھانے میں انہیں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔

جو کچھ اس قبر میں تھا، اسے دیکھ کر رابرٹ کا چہرہ دکھ سے بھینچ سا گیا۔ اس قبر میں ایک انسانی بچے کی باقیات تھیں۔ اس کی نازک کھوپڑی جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی۔ صاف پتا چلتا تھا کہ اس کے سر پر وار کیا گیا تھا۔

رابرٹ بری طرح سسک رہا تھا۔ ''میرے بچے کا سر!''۔

حنیف نے قبر میں جھانکا۔ اس منظر نے اسے بھی دہلا دیا۔ ''اومائی گاڈ!''

''انہوں نے اسے مار ڈالا۔ قتل کر دیا''۔ رابرٹ ہذیانی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''اب ہمیں یہاں سے نکلنا چاہئے''۔ حنیف نے سل کو دوبارہ سرکا کر قبر کو بند کر دیا۔

''ان بدبختوں نے میرے بچے کو قتل کر دیا''۔ رابرٹ ہذیانی انداز میں چلایا۔

حنیف نے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے زبردستی واپسی کے لئے کھینچنے لگا۔ وہ عملاً اسے گھسیٹ رہا تھا۔ مگر پھر اچانک وہ ٹھٹھک گیا۔ اسے لگا کہ خوف سے اس کا جسم پتھرا گیا ہے۔

''مسٹر تھورن''۔ اس نے دھیرے سے اسے پکارا۔

رابرٹ نے پلٹ کر اس کی نگاہ کے تعاقب میں دیکھا۔ اسے بھی خون اپنی رگوں میں جمتا محسوس ہوا۔

وہ جرمن نسل کا سیاہ شیفرڈ کتا تھا۔ اس کی دونوں آنکھیں ایک دوسرے سے بہت قریب تھیں اور ان میں وحشیانہ چمک تھی۔ اس کے ادھ کھلے منہ سے رال بہہ رہی تھی اور حلق میں کہیں گہرائی سے ہلکی ہلکی خوف ناک غراہٹیں ابھر رہی تھیں۔

رابرٹ اور حنیف ساکت و صامت کھڑے تھے۔

کتا آہستہ آہستہ جھاڑیوں سے باہر آیا اور ان کی طرف بڑھنے لگا۔ اب انہیں اس کا پورا جسم نظر آرہا تھا۔ وہ مرگھلا چرخ سا تھا۔ اس کے سر کی بائیں جانب ایک بڑا زخم تھا...... گھناؤنا زخم!

جھاڑیوں میں پھر حرکت ہوئی۔ ایک اور کتے کا سر نمودار ہوا۔ وہ سرمئی رنگ کا تھا۔ اس کی تھوتھنی پر زخم تھا۔

پھر ایک اور کتا نمودار ہوا...... پھر ایک اور...... ایک اور......۔

اچانک قبرستان تحرک سے بھر گیا۔ ہر طرف سے کتے نمودار ہو رہے تھے...... پاگل کتے...... وحشی کتے۔ ان کی تعداد دس تھی۔ رابرٹ اور حنیف اپنی جگہ پتھر کے بت بنے کھڑے تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ ان کے جسم کی معمولی سی جنبش بھی کتوں کو اکسانے کا سبب بن جائے گی۔

''ان میں سے مردہ لاشوں کی سی بدبو اٹھ رہی ہے''۔ حنیف نے سرگوشی میں کہا۔ ''آہستہ آہستہ پیچھے ہٹئے''۔

وہ دونوں سانس بھی بڑی آہستگی سے لے رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے۔ ایک طرف سر جھکائے ہوئے کتے ان کی طرف بڑھتے رہے، ان کا انداز ایسا تھا، جیسے شکار پر جھپٹنے کی تیاری کر رہے ہوں۔

اسی وقت رابرٹ لڑکھڑا گیا۔ اس کے حلق سے بے ساختہ آواز نکلی۔ حنیف نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''سنبھل کر......! اور پرسکون رہئے''۔ اس نے تسلی سے سر گھما کر دیکھا۔ جنگلا اب بھی کوئی سو گز دور تھا۔

رابرٹ پھر لڑکھڑایا اور حنیف سے چمٹ گیا۔ ان دونوں کے جسم لرز رہے تھے۔

پھر ان کی پیٹھیں کسی ٹھوس چیز سے ٹکرائیں۔ رابرٹ کا جسم بید مجنوں کی طرح لرزنے لگا۔ وہ مہیب سنگی مجسمے تک پہنچ گئے تھے اور اس وقت مجسمے کے قدموں میں نصب قربان گاہ کے پتھر پر کھڑے تھے۔

یہاں پھنس کر وہ گھر گئے۔ کتے اب نیم دائرے کی شکل میں انہیں گھیر لینے والے انداز میں اس طرح حرکت کر رہے تھے کہ ان کے بھاگنے کی ہر راہ مسدود ہو گئی تھی۔

ایک لمحہ ایسا تھا کہ شکار اور شکاری، دونوں ساکت تھے۔ سورج نکل چکا تھا۔ کتے شفق کی سرخی میں نہائے ہوئے تھے اور وہ سب یوں ساکت تھے، جیسے حرکت میں آنے کے لئے کسی خاص اشارے کے منتظر ہوں۔

لمحے گزرتے گئے۔ جسموں کا تناؤ بڑھتا گیا۔ کتے زمین سے پیٹ چپکائے جھپٹنے کے لئے تیار تھے۔

پھر بالکل اچانک اعلان جنگ کے طور پر حنیف نے ہاتھ میں تھامی ہوئی جیک راڈ کو پہلے کتے کی طرف گھمایا۔ اس کے ساتھ ہی دھماکہ خیز انداز میں سکوت کا خاتمہ ہو گیا۔ کتے فضا میں اچھلے......۔

رابرٹ اور حنیف پلٹ کر بھاگے۔ لیکن حنیف ابتدا ہی میں گر گیا۔ ایک کتے نے عقب سے اس کی گردن دبوچ لی تھی۔ وہ لڑھک رہا تھا اور کتوں سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے گلے میں پڑے ہوئے کیمرے نے اسے کتے کے دانتوں سے بچایا۔ کتوں کے نکیلے دانتوں نے کیمرے کا لینس توڑ ڈالا۔ وہ اس کے گوشت میں دانت گاڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

کتے حنیف میں اس طرح الجھے کہ رابرٹ کو بھاگنے کا موقع مل گیا۔ وہ جنگلے کی طرف لپک رہا تھا کہ اچانک ایک جسیم کتا اس پر حملہ آور ہوگیا۔ رابرٹ کو کتے کے دانت اپنی پیٹھ میں اترتے محسوس ہوئے۔ وہ آگے بڑھنے کی کوشش کررہا تھا۔ لیکن کتا اس سے بری طرح لپٹا ہوا تھا۔ رابرٹ گھٹنوں کے بل گر گیا۔ وہ اب بھی آگے بڑھنے کی کوشش کررہا تھا۔ مگر اب اور کتے بھی اس طرف آگئے تھے اور اس پر جھپٹ رہے تھے۔ فضا میں ان کے چمکتے دانت اور اچھلتی رال دکھائی دے رہی تھی۔ وہ دیوانہ وار ہاتھ چلاتے ہوئے انہیں ہٹانے کی کوشش کررہا تھا۔ لیکن جنگلے کی طرف بڑھنے کی اس کی ہر کوشش ناکام ہوگئی تھی۔

کوئی اور چارہ نہ پا کر اس نے خود کو گیند کی طرح گول کیا اور لڑھکنے کی کوشش کی۔ دانت اس کی پشت میں گڑے جارہے تھے۔ ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ ایک لمحے کو اسے حنیف کی جھلک نظر آئی۔ وہ بھی لڑھک رہا تھا۔

خود رابرٹ کو اب درد کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے ذہن میں بس ایک خیال تھا...... یہ کہ اسے یہاں سے بچ کر نکلنا ہے۔ اس نے اٹھ کر چاروں ہاتھ، پیروں پر آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ کتے اس کی پیٹھ سے چمٹے ہوئے تھے۔ لیکن وہ ایک ایک انچ کرکے جنگلے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اچانک اس کا ہاتھ کسی سرد سخت چیز سے ٹکرایا تھا۔ وہ جیک راڈ تھی، جو حنیف نے کسی کتے کو کھینچ کر ماری تھی۔ اس نے اسے مضبوطی سے تھاما اور پیٹھ سے چمٹے ہوئے کتوں کی طرف گھمایا۔

کتوں کی چیخوں سے اسے اندازہ ہوا کہ اس کا راڈ گھمانا کارآمد ثابت ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے سر کے اوپر خون کا فوارہ سا اچھلا اور ایک کتا چکراتا ہوا اس کے سامنے زمین پر گرا اور ساکت ہوگیا۔

اس کامیابی نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔ اس نے راڈ پھر گھمائی اور گھماتا چلا گیا۔ یوں اسے اٹھنے کا موقع مل گیا۔

ادھر حنیف مسلسل لڑھکتے لڑھکتے ایک درخت تک پہنچ گیا۔ کیمرا اب بھی اس کے گلے سے لٹکا ہوا تھا اور کتے اس کے کیمرے پر مسلسل حملہ کررہے تھے۔ اسی وقت اس کی فلیش لائٹ میں جھماکا ہوا۔ کتے اس کی روشنی سے گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔

رابرٹ تھورن اب کھڑا ہو چکا تھا اور مسلسل راڈ گھمائے جارہا تھا۔ راڈ بھی کسی کتے کے سر پر لگتی اور کبھی کسی کی تھوتھن پر۔ ساتھ ہی وہ جنگلے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

حنیف کی سمجھ میں آگیا تھا کہ وہ اپنے کیمرے کی فلیش لائٹ کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرسکتا ہے اور وہ کررہا تھا۔ کتے جب بھی قریب آتے وہ فلیش کا بٹن دبا دیتا۔ روشنی کا جھماکا ہوتا اور کتے گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتے۔ اس طرح سے وہ بھی جنگلے تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔

وہ رابرٹ کے پاس پہنچ گیا۔ رابرٹ جنگلے پر چڑھنے کی کوشش کررہا تھا اور وہ فلیش لائٹ کی مدد سے کتوں کو دور رکھ رہا تھا۔ ان کے کپڑے پھٹ گئے تھے اور چہرہ زخمی تھا۔

رابرٹ جنگلے پر چڑھ رہا تھا۔ تیزی سے چڑھنے کی کوشش میں نکیلے جنگلے نے اس کی بغل کو زخمی کردیا۔ اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ بہرحال اس نے خود کو گرنے سے بچایا اور جنگلے پر چڑھ کر دوسری طرف چھلانگ لگادی۔

اب حنیف جنگلے پر چڑھ رہا تھا۔ وہ اب بھی اپنی فلیش کو استعمال کررہا تھا۔ جنگلے پر چڑھنے کے بعد دوسری طرف چھلانگ لگانے سے پہلے اس نے کیمرے کو کتوں کی طرف اچھال دیا۔ کتے کیمرے پر جھپٹے اور اس کی دھجیاں اڑانے میں مصروف ہوگئے۔

رابرٹ زمین پر بیٹھا رو رہا تھا۔ حنیف نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اٹھایا اور اسے سہارا دے کر ٹیکسی کی طرف لے چلا۔

ٹیکسی ڈرائیور نے نیند بھری آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ اس کے حلق سے دہشت بھری چیخ نکلی اور آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے اگنیشن کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ لیکن وہاں چابی تھی ہی نہیں۔ وہ باہر نکلا۔ اس نے رابرٹ کو گاڑی میں بٹھانے میں حنیف کی مدد کی۔

رابرٹ ٹیکسی کی عقبی نشست پر ڈھیر ہوگیا۔

حنیف گاڑی کی چابی نکالنے کے لئے ڈِکی کی طرف جھپٹا۔ اس نے پلٹ کر کتوں کی طرف دیکھا۔ وہ پاگل ہوئے جارہے تھے۔ غراتے ہوئے وہ جنگلے سے ٹکریں مار رہے تھے۔ ایک کتے نے تو جنگلے کو پھلانگنے کی کوشش بھی کی اور تقریباً کامیاب ہوگیا۔ آخری لمحوں میں جنگلے کی کیل اس کی گردن میں گھسی۔ اس کی گردن سے خون کا فوارہ سا بلند ہوا وہ پلٹ کر گرا اور دوسرے کتوں نے لمحوں میں اسے چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔

حنیف نے چابی ڈرائیور کو دی اور خود پچھلی سیٹ پر ڈھیر ہوگیا۔

ٹیکسی تیز رفتاری سے بڑھی۔ ڈرائیور نے عقب نما آئینے میں انہیں دیکھا اور جھرجھری لے کر رہ گیا۔ وہ انسان نہیں لگ رہے تھے۔ ان کے لباس چیتھڑوں میں تبدیل ہو چکے تھے۔ ان کے چہروں اور جسموں سے جابجا خون رس رہا تھا اور وہ ایک دوسرے سے لپٹ کر ننھے بچوں کی طرح رو رہے تھے۔

.................☆.................

ٹیکسی ڈرائیور انہیں اسپتال لے گیا، جہاں انہیں ایمرجنسی روم میں لے جایا گیا۔ پھر اس نے کار سے ان کا سامان نکالا اور اپنی ٹیکسی لے کر نکل بھاگا۔

رابرٹ تو غشی کی حالت میں تھا۔ حنیف سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ اس کام میں وہ ماہر بھی تھا۔ اس نے ایسی معقول کہانی گھڑی کہ اسپتال والوں کو یقین آگیا۔ ''ہم نشے میں تھے''۔ اس نے انہیں بتایا۔ ''اس حال میں ہم ایک ایسی جاگیر میں داخل ہوگئے، جہاں تنبیہی بورڈ نصب تھے کہ وہاں رکھوالی کے لئے خوں خوار کتے موجود ہیں۔ وہاں کتوں نے ہمیں گھیر لیا......''

''وہ جاگیر کہاں تھی؟'' اس سے پوچھا گیا۔

''روم کے مضافات میں''۔ حنیف نے بلا جھجک کہا۔ ''لیکن میں نے بتایا نا کہ ہم نشے میں تھے، ہم اس کی نشان دہی نہیں کرسکتے۔ وہاں مجھے اتنا یاد ہے کہ وہاں نکیلی سلاخوں والا جنگلا بھی تھا۔ میرا دوست اس جنگلے پر چڑھا تھا اور اسے زخم بھی لگا''۔

ان کی مرہم پٹی بھی کی گئی اور ٹیٹنس کے انجکشن بھی لگائے گئے۔ ''ایک ہفتے بعد دوبارہ آنا ہوگا تمہیں''۔ ڈاکٹر نے کہا۔ ''ہم بلڈ ٹیسٹ کے ذریعے تصدیق کریں گے کہ انجکشن موثر ثابت ہوئے ہیں یا نہیں''

اسپتال میں ہی انہوں نے کپڑے بدلے اور باہر نکل آئے۔ حنیف نے عقل مندی کی تھی کہ اسپتال والوں کو رابرٹ تھورن کے متعلق نہیں بتایا تھا۔ باہر آتے ہی انہوں نے ایک عام سے ہوٹل کا رخ کیا اور فرضی ناموں سے کمرا لیا۔

اس وقت رابرٹ کیتھی سے رابطہ کرنے کی کوشش میں مصروف تھا اور حنیف کمرے میں ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔

''وہ تمہیں ختم کرسکتے تھے۔ لیکن انہوں نے نہیں کیا''۔ حنیف نے کہا۔ ''وہ میرے پیچھے پڑے رہے، مجھے ختم کرنا چاہتے تھے وہ''۔

رابرٹ نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اس کی شرٹ پر خون کا سیاہ دھبہ نظر آرہا تھا۔

''تم سن نہیں رہے مسٹر تھورن۔ وہ کتے میری جان کے دشمن تھے۔ مجھے ختم کرنا چاہتے تھے'' اس بار حنیف کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

''ہیلو...... ہاسپٹل''۔ رابطہ ملنے پر رابرٹ ماؤتھ پیس میں کہہ رہا تھا۔ ''جی...... میری بیوی روم نمبر 614 میں ہے''۔

''وہ تو میرا کیمرا میرے کام آگیا۔ نہیں تو......'' حنیف بدستور فریاد کئے جارہا تھا۔

''دیکھیں...... آپ کچھ کریں۔ دس از این ایمرجنسی''۔ رابرٹ نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''ہمیں اس سلسلے میں کچھ کرنا ہوگا مسٹر تھورن''۔ حنیف اپنی کہے جارہا تھا۔ ''تم سنتے کیوں نہیں''۔

رابرٹ نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ ''میں سن رہا ہوں۔ تم مگیدو نامی قصبے کو تلاش کرو''۔

''کیسے تلاش کروں؟'' حنیف نے بھنا کر کہا۔

''کچھ کرو۔ کسی لائبریری سے مدد لو......''۔

''لائبریری! او مائی گاڈ''۔

''ہیلو؟'' رابرٹ نے پھر ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''کیتھی؟''

اسپتال میں کیتھی کو اپنے شوہر کے لہجے سے ہنگامی صورت حال کا اندازہ ہوا تو وہ تن کر بیٹھ گئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں فون تھا۔ جبکہ دوسرا ہاتھ پلاسٹر میں تھا۔

''تم ٹھیک ہونا کیتھی؟'' دوسری طرف سے رابرٹ نے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں، تم کیسے ہو؟''

''میں ٹھیک ہوں، تمہاری طرف سے فکر مند ہو رہا تھا''۔

''تم ہو کہاں؟''

''روم میں۔ اگلے ہوٹل میں''۔

''کوئی گڑبڑ؟ کوئی پریشانی؟''

''نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں''۔

''تم بیمار ہو؟''

''نہیں۔ کہا نا کہ مجھے بس تمہاری فکر تھی''۔

''رابرٹ...... تم واپس آجاؤ''۔

''سوری جان۔ ابھی میری واپسی ممکن نہیں''۔

''سنو رابرٹ، میں خوف زدہ ہوں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے''۔

''ڈرنے کی کوئی بات نہیں''۔

''میں گھر فون کئے جارہی ہوں۔ وہاں سے کوئی جواب نہیں مل رہا ہے''۔

اپنے ہوٹل کے کمرے میں رابرٹ نے حنیف کو دیکھا جو عجلت میں قمیض تبدیل کررہا تھا، جیسے اس کا باہر جانے کا ارادہ ہو۔

''رابرٹ...... میرا خیال ہے، مجھے گھر جانا چاہئے''۔ دوسری طرف سے کیتھی نے کہا۔

رابرٹ ایک دم پریشان ہوگیا۔ ''کیتھی...... تم کو کہیں نہیں جانا۔ جہاں ہو، وہی رہو''۔

''تم سمجھ نہیں رہے ہو۔ میں ڈیمین کی طرف سے فکر مند ہوں''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''کیتھی......خبردار۔تم گھر جانے کا سوچنا بھی نہیں''۔

''یہ ضروری ہے رابرٹ......''

''میری بات سنو کیتھی۔تم گھر مت جانا......کسی قیمت پر نہیں۔خواہ کچھ بھی ہو جائے''۔رابرٹ نے تنبیہی لہجے میں کہا۔

کیتھی کو اس کے لہجے کی سنگینی نے چونکا دیا۔''تم بلاوجہ پریشان ہو رہے ہو''۔اس نے تسلی دینے والے لہجے میں کہا۔''میں کوئی گڑبڑ نہیں کروں گی۔ڈاکٹر گریٹر سے میری بات ہوتی رہی ہے۔میری سمجھ میں بہت کچھ آ گیا ہے۔مسائل ڈیمین کی وجہ سے نہیں ہیں۔فساد کی جڑ میں خود ہوں''۔

''کیتھی......''۔

''سنو رابرٹ۔ڈپریشن کے لئے میں ایک دوا لے رہی ہوں،جس کا نام لیتھیم ہے۔مجھے اس سے فائدہ ہے۔میں گھر جانا چاہتی ہوں اور وہاں،میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ تم جلدی سے واپس آ جاؤ''۔وہ کہتے کہتے رکی۔پھر وہ بولی تو اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔''میں چاہتی ہوں کہ سب ٹھیک ہو جائے،میں کوشش کروں گی''۔

''یہ دوا کس نے تجویز کی ہے؟''

''ڈاکٹر گریٹر نے کہا''۔

''بہر حال کیتھی،جب تک میں واپس نہیں آتا،تمہیں اسپتال میں ہی رکنا ہے''۔

''رابرٹ،میں پریشان ہوں۔مجھے گھر جانا ہے''۔

''خدا کے لئے کیتھی،سمجھنے کی کوشش کرو......''۔

''میں ٹھیک ہوں رابرٹ''۔

''نہیں۔تم ٹھیک نہیں ہو۔کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے''۔

''تم بلاوجہ پریشان ہو رہے ہو''۔

''کیتھی پلیز......''۔

''میں گھر جا رہی ہوں رابرٹ''۔

''مت جاؤ......میرے واپس آنے تک''۔

''تم کب واپس آؤ گے؟''

''کل صبح پہنچ جاؤں گا''۔

''لیکن میں پریشان ہوں۔گھر پر کوئی ٹیلی فون نہیں اٹھا رہا ہے،وہاں کوئی گڑبڑ......''۔

''ہاں کیتھی۔وہاں کوئی گڑبڑ ہے''۔رابرٹ نے تیز لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔

کیتھی کے جسم میں سرد لہری دوڑ گئی۔رابرٹ کے لہجے نے اسے دہلا دیا۔''رابرٹ......کیا بات ہے؟کیا گڑبڑ ہے؟''

''اب میں فون پر تو نہیں بتا سکتا''۔رابرٹ نے گھبرا کر کہا۔

''کیا ہو رہا ہے؟ہمارے گھر میں کیا ہو رہا ہے؟''کیتھی کا لہجہ ہذیانی ہو گیا۔

''تم میری بات مانو۔وہاں ہرگز نہ جانا،اسپتال سے ہرگز نہ نکلنا۔میں صبح واپس آ کر تمہیں سب کچھ سمجھا دوں گا''۔

''پلیز رابرٹ......میرے ساتھ ایسا نہ کرو۔میرے اعصاب جواب دے رہے ہیں۔مجھ میں کوئی بڑی گڑبڑ ہے......میرے دماغ میں؟''

''ایسی کوئی بات نہیں کیتھی۔گڑبڑ تمہارے اندر ہرگز نہیں ہے''۔

''تم کیا کہہ رہے ہو رابرٹ۔صاف صاف کہو''۔

ہوٹل کے کمرے میں رابرٹ نے حنیف کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔حنیف نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''رابرٹ......بتاؤ نا،کیا بات ہے''۔

''تو سنو کیتھی۔ڈیمین ہماری اولاد نہیں ہے۔وہ کسی اور کا بچہ ہے......''رابرٹ نے کہا۔

''کیا......؟کیا......!''۔

''تم گھر مت جانا۔یہیں اسپتال میں میری واپسی کا انتظار کرو''۔یہ کہہ کر رابرٹ نے ریسیور رکھ دیا۔

☆

رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔کیتھی اب بھی ریسیور کان سے لگائے ساکت وصامت بیٹھی تھی۔رابطہ کٹنے کے بعد کی ٹون اسے سنائی دے رہی تھی۔لیکن جیسے وہ کچھ نہیں سن رہی تھی۔چند لمحے بعد وہ چونکی اور اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔پھر وہ دیوار پر متحرک سایوں کو گھورتی رہی۔اس کا کمرا اسپتال کی چھٹی منزل پر تھا۔باہر ایک درخت ہوا میں جھوم رہا تھا،اس کا سایہ دیوار پر لہرا رہا تھا۔

وہ خوف زدہ تھی۔لیکن اسے احساس تھا کہ خوف کے ساتھ جو ایک تشویش زدگی کی مستقل کیفیت ہوتی تھی،وہ اب نہیں رہی ہے۔یہ لیتھیم نامی دوا موثر ثابت ہو رہی تھی۔اس کا دماغ روشن رہتا تھا اور وہ ٹھیک سے سوچ سکتی تھی۔

اس نے ریسیور اٹھایا اور گھر کا نمبر ڈائل کیا۔گھنٹی بج رہی تھی۔مگر گھر میں کسی نے فون ریسیو نہیں کیا۔

اس نے ریسیور رکھ دیا۔بیڈ کے سرہانے کی طرف انٹر کام نصب تھا۔اس نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کوشش کر کے بٹن دبایا۔

''یس مادام''۔دوسری طرف سے کسی نے کہا۔

''مجھے اسپتال سے جانا ہے۔کسی ذمے دار آدمی سے میری بات کراؤ''۔

''اس کے لئے تو آپ کو ڈاکٹر سے اجازت لینی ہو گی''۔

''تو پلیز،ان سے میری بات کرائیں''۔

''میں کوشش کرتی ہوں''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

رابطہ منقطع ہوگیا۔کیتھی خاموش بیٹھی رہی۔کچھ دیر بعد ایک نرس کھانا لے کر آئی،لیکن کیتھی کو بھوک نہیں تھی۔

عین اسی وقت وہاں سے کوئی سومیل دور سرویٹری کے قبرستان میں خاموشی تھی۔آسمان پر گھٹا چھائی ہوئی تھی۔اس سناٹے میں مٹی سے پنجوں کے ٹکرانے کی آواز نے خاموشی کو توڑ دیا۔دو کھدی ہوئی قبروں کے گرد جمع مٹی کو دو جسیم کتے اپنے پنجوں کی مدد سے دوبارہ سیمنٹ کی سلوں پر گرا رہے تھے۔وہ میکانیکی انداز میں یہ کام کر رہے تھے۔گیدڑ اور بچے کی باقیات پر مٹی گر رہی تھی۔کیونکہ سلیں ٹھیک طرح سے نہیں رکھی گئی تھیں۔

ان کے عقب میں جنگلے کے پاس ایک کتے کی باقیات پڑی تھیں۔اس کے جسم کا بیشتر حصہ کھایا جا چکا تھا۔اس کے قریب ایک اور کتا بیٹھا تھا۔اس کتے نے آسمان کی طرف منہ اٹھایا اور بھیانک آواز میں رونے لگا۔

وہ آواز پورے قبرستان میں گونج رہی تھی اور بہ تدریج اس کا حجم بڑھتا جا رہا تھا۔پھر قبرستان میں موجود دوسرے کتے بھی اس کی آواز میں آواز ملا کر رونے لگے۔قبرستان اس منحوس کورس کی آوازوں سے بھر گیا۔ایسا لگتا تھا کہ وہ کوئی شیطانی پیغام نشر کر رہے ہیں۔

اسپتال میں اپنے کمرے میں کیتھی نے پھر انٹر کام کی طرف ہاتھ بڑھایا۔اس بار اس کی آواز میں بے تابی تھی۔

''کوئی ہے؟''

''جی مادام؟''

''میں نے تم سے ڈاکٹر سے بات کرنے کو کہا تھا''۔

''میں رابطہ نہیں کر سکی۔وہ اس وقت ایک آپریشن میں مصروف ہیں''۔

کیتھی کے چہرے پر غصے اور جھنجلاہٹ کا تاثر ابھر آیا۔

''تم یہاں آ کر میری مدد کر سکتی ہو؟''

''میں کسی کو بھیجتی ہوں''۔

''پلیز......جلدی کرو''۔

''جی......میں کوشش کروں گی کہ جلد از جلد کسی کو بھیج دوں''۔

کیتھی نے انٹر کام رکھا اور خاصی کوشش کے بعد بستر سے اٹھی۔وہ وارڈروب کی طرف گئی اور اس میں اپنے کپڑے ٹٹولنے لگی۔بالآخر اس نے ایک ڈھیلا ڈھالا لبادہ منتخب کیا،جسے پہننا اس کے لئے نسبتاً آسان تھا۔لیکن جو نائٹ گاؤن وہ پہنے ہوئے تھی،اس میں اوپر گردن تک بٹن لگے ہوئے تھے۔اس نے آئینے میں اپنے عکس کو دیکھا اور فکر مندی سے سوچا کہ اس کا ایک ہاتھ پلاسٹر میں ہے۔ایسے میں وہ اس نائٹ گاؤن کو کیسے اتار سکے گی۔

اس نے بٹن کھولنے کی کوشش کی،لیکن ایک ہاتھ سے بٹن کھولنا بے حد دشوار ثابت ہو رہا تھا۔اس نے گاؤن کو اوپر کر کے اتارنے کی کوشش کی تو گاؤن میں اس کا سر پھنس گیا۔اب اسے گاؤن کے جامنی رنگ کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

قبرستان میں ہوا کی سنسناہٹ بڑھ رہی تھی۔چند لمحوں میں وہ آواز کسی مشتعل درندے کی چنگھاڑ سے مشابہ ہوگئی۔

اسپتال میں اپنے کمرے میں کیتھی پھنسے ہوئے نائٹ گاؤن سے چھٹکارا پانے کے لئے سر توڑ کوشش کر رہی تھی۔لیکن اسے لگ رہا تھا کہ اس کوشش کے نتیجے میں اس کا سر اور گردن اور زیادہ پھنسی جا رہی ہے۔اس احساس کے ساتھ اس کے لئے سانس لینا دشوار ہوگیا اور اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔اس کا دم گھٹ رہا تھا۔

دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی تو وہ پرسکون ہوگئی۔اس کے لئے مدد آ پہنچی تھی۔

''ہیلو......؟''اس نے کہا۔وہ کچھ دیکھ نہیں سکتی تھی۔

کوئی جواب نہیں ملا تو وہ پلٹی۔وہ نائٹ گاؤن کے کپڑے کے پار آنے والے کو دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔''کوئی ہے......؟ کون ہے؟''اس نے پوچھا۔

لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔

پھر کپڑے کے پار اس نے آنے والے کو دیکھ لیا۔اس کی سانسیں رکنے لگیں۔

وہ مسز بے لاک تھی۔اس نے بہت بھدا میک اپ کیا ہوا تھا۔پاؤڈر کی وجہ سے اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔ہونٹوں پر لپ اسٹک اس طرح لگائی گئی تھی کہ وہ خون سے لتھڑے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

بولنا اس کے بس میں نہیں تھا۔وہ بے بسی سے مسز بے لاک کو دیکھتی رہی۔

مسز بے لاک بڑھی اور اس نے کھڑکی کھول دی۔پھر وہ چھٹی منزل کی کھڑکی سے نیچے دیکھنے لگی۔

''پلیز،میری مدد کرو''۔کیتھی نے بہ مشکل سرگوشی میں کہا۔''یہ نائٹ گاؤن میری گردن میں پھنس گیا ہے''۔

مسز بے لاک دانت نکال کر ہنسنے لگی۔اس کے انداز میں کوئی بات تھی،جس سے کیتھی کو خوف آنے لگا۔

''بہت خوب صورت دن ہے کیتھی''۔مسز بے لاک نے کہا۔''پرواز کے لئے بہترین دن''۔

وہ آگے بڑھی اور اس نے نائٹ گاؤن کو مٹھی میں دبوچ لیا۔

''پلیز......پلیز......''کیتھی بچوں کی طرح رو رہی تھی۔

ان دونوں کی نگاہیں ملیں......وہ ایک طویل،مگر آخری لمحہ تھا۔

''تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو اس حال میں''۔مسز بے لاک نے بے رحمی سے کہا۔''مجھے ایک پیار تو دو''۔

وہ آگے بڑھی اور کیتھی گھبرا کر لڑکھڑاتے ہوئے پیچھے ہٹی۔مسز بے لاک اب اسے کھڑکی کی طرف دھکیل رہی تھی۔

اسپتال کے ایمرجنسی والے داخلی دروازے سے ایک ایمبولینس اندر آئی۔اس کا سائرن چیخ رہا تھا اور گھومنے والی سرخ بتی روشن تھی۔اس کے پہیئے چرچرائے......

اسی لمحے اسپتال کی چھٹی منزل کی کھڑکی میں ایک عورت نمودار ہوئی جو جامنی رنگ کے نائٹ گاؤن میں لپٹی ہوئی تھی۔اس کا چہرہ بھی نائٹ گاؤن میں لپٹا ہوا تھا۔اگلے ہی ثانیے وہ کھڑکی سے گرتی نظر آئی۔اس کا پلاسٹر میں لپٹا ہوا ہاتھ بہت عجیب لگ رہا تھا۔

کسی نے اسے نہیں دیکھا۔یہاں تک کہ وہ ایمبولینس کی چھت سے ٹکرائی۔ٹکرا کر اچھلی،پھر ٹکرائی،پھر اچھلی۔پھر لڑھکتی ہوئی ڈرائیو وے میں گر گئی۔نیچے گرنے سے پہلے وہ مر چکی تھی۔

سرویٹری کے قبرستان میں اب سکوت تھا۔قبریں بھر دی گئی تھیں،کتے نجانے کہاں غائب ہوگئے تھے!۔

..................☆..................

وہ تھکن سے چور ہو کر سوئے تھے۔فون کی گھنٹی نے انہیں جگا دیا۔''یس؟''رابرٹ نے ریسیور اٹھاتے ہوئے نیند بھری آواز میں کہا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

دوسری طرف ڈاکٹر بیکر تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی احساس ہو گیا کہ وہ کوئی بری خبر سنانے والا ہے۔

''مجھے خوشی ہے کہ میں نے آپ کو تلاش کر لیا''۔ ڈاکٹر بیکر کہہ رہا تھا۔ ''اس ہوٹل کا نام کیتھی کی نائٹ ٹیبل پر لکھا تھا۔ مگر اس ہوٹل کو تلاش کرنا بہت دشوار ثابت ہوا۔ حیرت ہے کہ آپ ایسے معمولی ہوٹل میں......''۔

''بات کیا ہے؟ مجھے بات بتاؤ''۔ رابرٹ نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

''مجھے افسوس ہے کہ میں پردیس میں فون پر یہ خبر دے رہا ہوں''۔

''کیا ہوا ہے؟'' رابرٹ کے لہجے میں خوف تھا۔

''کیتھی نے اسپتال کی کھڑکی سے چھلانگ لگا دی''۔

''کیا......کیا کہہ رہے ہو؟''

''مجھے افسوس ہے مسٹر تھورن۔ وہ مر چکی ہیں''۔

رابرٹ کے گلے میں جیسے کوئی گولا سا پھنس گیا، وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا۔

''ہم درست تفصیل سے تو بے خبر ہیں''۔ ڈاکٹر بیکر نے کہا۔ ''اس نے اسپتال سے رخصت ہونے کی بات کی تھی۔ پھر اچانک وہ اوپر سے گر گئی......''۔

''وہ......وہ......مر چکی ہے!''۔ رابرٹ سسک رہا تھا۔

''وہ گرتے ہی ختم ہو گئی۔ سر کے بل گری تھی''۔

رابرٹ نے ریسیور سینے سے لگایا اور رونے لگا۔

''مسٹر تھورن''۔ ڈاکٹر اسے پکار رہا تھا۔

اسی لمحے رابطہ منقطع ہو گیا۔

اپنے کمرے کی تاریکی میں رابرٹ رو رہا تھا۔ باہر کاریڈور تک اس کی سسکیوں کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ رات کی ڈیوٹی والے پورٹر نے وہ آواز سنی تو آ کر دروازے پر دستک دی۔ اس کے نتیجے میں اندر خاموشی چھا گئی۔

آدھی رات کے بعد حنیف واپس آیا۔ اس کے چہرے پر تھکن تھی اور انداز سے نڈھال نظر آ رہا تھا۔ اس نے رابرٹ تھورن کو دیکھا جو اپنے بستر پر اوندھا لیٹا تھا۔ ''مسٹر تھورن؟'' اس نے پکارا۔

''کیا ہے؟'' رابرٹ نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''میں پہلے لائبریری گیا۔ پھر ایک آٹو کلب گیا، جو کبھی رائل جیگرافک سوسائٹی کہلاتا تھا''۔

رابرٹ نے جواب نہیں دیا تو وہ بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اسے احساس ہوا کہ رابرٹ کی قمیص پر خون کے دھبے پہلے سے زیادہ پھیل گئے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ خون مسلسل رستا رہا ہے۔ ''میں نے میگیڈو کے بارے میں معلوم کر لیا ہے، اس کا ماخذ لفظ آرمیگیڈون ہے، جس کا مطلب ہے، دنیا کا خاتمہ''۔ اس نے کہا۔

''یہ ہے کہاں؟'' رابرٹ نے پوچھا۔

''زمین سے 50 فٹ نیچے......یروشلم شہر کے باہر۔ وہاں کوئی امریکی یونیورسٹی کھدائی کرا رہی ہے''۔

رابرٹ نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔ حنیف نڈھال انداز میں بستر پر لیٹ گیا۔

''میں وہاں جانا چاہتا ہوں''۔ چند لمحے بعد رابرٹ نے کہا۔

حنیف نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ ''اگر آپ کو اس شخص کا نام یاد آ جائے، جس کا ٹیسون نے حوالہ دیا تھا......''۔

''وہ مجھے یاد آ گیا ہے......بیوگن ہیگن''۔

حنیف نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ اب بھی اس کی آنکھوں میں دیکھنے سے قاصر تھا۔ ''بیوگن ہیگن؟''

''ہاں......اور مجھے وہ نظم بھی یاد آ گئی ہے''۔

حنیف کے چہرے پر الجھن تھی۔ ''یعنی تمہیں بیوگن ہیگن نامی شخص سے ملنا ہے؟''۔

''ہاں''۔

''وہ تو سترھویں صدی کا ایک ایگزارسسٹ تھا۔ جو کتابیں ہمارے پاس ہیں، ان میں سے کسی کتاب میں اس کا تذکرہ ہے''۔

''مجھے سب کچھ یاد آ گیا ہے، ٹیسون کی ہر بات یاد آ گئی ہے۔ اس نے یہی نام بتایا تھا''۔

''بالکل اچانک! حیرت ہے''۔

''جب یہودی سرزمین مقدس میں واپس آئیں گے......'' رابرٹ نظم دہرانے لگا۔ ''......آسمان پر ایک کویت نظر آئے گا۔ جب مقدس روم کی سلطنت کو عروج ہو گا تب ہم سب مر جائیں گے''۔

حنیف غور سے سن رہا تھا۔ رابرٹ کے لہجے کے بے تاثر پن نے اسے چوکنا کر دیا تھا۔ ویسے بھی اسے لگ رہا تھا کہ رابرٹ تھورن میں کوئی بہت بڑی تبدیلی رونما ہوئی ہے۔

''تب وہ بحر ابد سے ابھرے گا......'' رابرٹ کہتا رہا۔ ''دونوں کناروں پر فوجیں ہوں گی۔ وہ بھائی کو بھائی سے لڑائے گا، یہاں تک کہ انسان کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا''۔

وہ خاموش ہو گیا۔ حنیف چند لمحے اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔ خاموشی نہ ٹوٹی تو اس نے پوچھا۔ ''کوئی خاص بات ہے؟''

''کیتھی مر گئی''۔ رابرٹ نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ ''اب میں چاہتا ہوں کہ یہ بچہ بھی مر جائے''۔

وہ دونوں خاموش تھے۔ ان سے سویا نہیں گیا۔ وہ کروٹیں بدلتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

صبح آٹھ بجے حنیف نے فون کیا اور اسرائیل جانے والی دوپہر کی فلائٹ پر سیٹیں بک کرا لیں۔

..................☆..................

رابرٹ نے بہت سفر کئے تھے۔ لیکن وہ اسرائیل کبھی نہیں گیا تھا۔ اس ملک کے بارے میں اس کی معلومات محض اخباری تھیں یا پھر بائبل کے حالیہ مطالعے کی مرہون منت تھیں۔ چنانچہ اس کی جدیدیت نے اسے حیران کر دیا۔ یہ وہ ملک تھا، جس کی تاریخ فرعون کے عہد سے وابستہ تھی اور اب وہاں جدید عمارتیں تھیں، بنجر صحرا کے سینے پر ایک نئی دنیا آباد ہو گئی تھی۔ ہر طرف تعمیرات ہو رہی تھیں۔ ہر طرف دیو قامت کرینیں متحرک نظر آتی تھیں۔

ایئرپورٹ پر سیکورٹی بہت سخت تھی۔ ان کے سامان کی......خاص طور پر حنیف کے سامان کی بہت باریک بینی سے تلاشی لی گئی۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ اسرائیلی دہشت گردی سے بری طرح خائف ہیں۔

ان دونوں کو خاصی دیر ایئرپورٹ پر روکا گیا۔ ان کے چہروں کی خراشیں انہیں مشتبہ بنانے کے لئے کافی تھیں۔ رابرٹ نے ویسے بھی سرکاری پاسپورٹ کے بجائے اپنا نجی پاسپورٹ استعمال کیا تھا۔ کسی کو پتا نہیں چلا کہ وہ ایک اہم امریکی کارندہ ہے۔

انہوں نے ٹیکسی کی اور ہلٹن ہوٹل چلے گئے۔ لابی کی دکان سے انہوں نے اپنے لئے ہلکے ملبوسات خریدے۔ شہر میں گرمی بہت تھی اور عمارتوں میں کنکریٹ کے استعمال نے گرمی میں اضافہ کر دیا تھا۔ رابرٹ کو اتنا پسینہ آیا کہ زخموں کی پٹیاں بھیگ گئیں اور زخموں میں تکلیف ہونے لگی۔ بغل کے نیچے پٹی ہٹائی گئی تو پتا چلا کہ زخم رس رہا ہے۔

''آپ پہلے کسی ڈاکٹر سے رجوع کریں''۔ حنیف نے کہا۔

''نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں''۔ رابرٹ بولا۔ ''تمہیں بس بیوگن ہیگن کو تلاش کرنا ہے''۔

ان کے تیار ہوتے ہوتے اندھیرا ہو چلا تھا۔ وہ شہر کی سڑکوں پر پھرتے رہے۔ اپنی تلاش شروع کرنے سے پہلے انہیں یہ وقت گزاری کرنی تھی۔ رابرٹ کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ دوسرے اس کا پسینہ نہیں رک رہا تھا۔ وہ کچھ کھانے کے لئے ایک کیفے میں چلے گئے۔ رابرٹ کو اپنی توانائی بحال کرنے کی فکر تھی۔ ان کے درمیان خاموشی تھی اور وہ خاموشی حنیف کو پریشان کر رہی تھی۔ وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

اچانک اسے دو خوب صورت عورتیں نظر آ گئیں۔ وہ انہیں دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں۔

''آپ کو پتا ہے، ہمیں اپنا دھیان بٹانے کی ضرورت ہے''۔ حنیف نے رابرٹ سے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''حسن یہود''۔

رابرٹ نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔

حنیف کی نگاہوں کی شہ پا کر دونوں عورتیں ان کی میز کی طرف بڑھ آئیں۔

''سرخ تل والی میری''۔ حنیف نے کہا۔

رابرٹ نے بدمزگی سے اسے دیکھا اور کندھے جھٹک دیئے۔

حنیف نے اٹھ کر دونوں عورتوں کا خیر مقدم کیا اور انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ''انگلش بولتی ہو؟'' اس نے ان کے بیٹھنے کے بعد پوچھا۔

وہ دونوں مسکرا دیں۔ لیکن بولیں کچھ نہیں۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ انگلش سے نابلد ہیں۔

''یہ اور بھی اچھا ہے''۔ حنیف نے کہا۔ ''اب میں جی بھر کے انہیں برا بھلا کہہ سکتا ہوں''۔

رابرٹ کی بدمزگی اور بڑھ گئی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں ہوٹل واپس جا رہا ہوں۔ تم اپنی تفریح کر کے آ جانا''۔

''کم از کم مینو تو چیک کر لیں''۔ حنیف نے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

''مجھے بھوک ہی نہیں ہے۔ تو مینو دیکھ کر کیا کروں گا''۔

رابرٹ کے جانے کے بعد حنیف عورتوں کی طرف مڑا۔ ''میرا ساتھی بہت بدذوق ہے''۔

باہر سڑک پر رابرٹ نے پلٹ کر دیکھا۔ حنیف دونوں عورتوں کی طرف جھک کر گفتگو کر رہا تھا۔

رابرٹ ادھر ادھر پھرتا رہا۔ دکھ اس کے سینے پر کسی بھاری سل کی طرح رکھا تھا۔ اس کی بغل کے نیچے درد لہریں لیتا، پھڑکتا محسوس ہو رہا تھا اور اس اجنبی شہر میں رات کی آوازیں اس کے لئے اجنبی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس وقت موت اسے یہاں آ لے تو وہ کشادہ بانہوں کے ساتھ اسے خوش آمدید کہے گا۔

وہ ایک نائٹ کلب کے سامنے سے گزرا۔ باوردی چوکیدار نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اندر آنے کی ترغیب دی۔ مگر اس نے بڑی بے رخی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ وہ آگے بڑھتا رہا۔ نہ وہ کچھ دیکھ رہا تھا، نہ اسے کچھ سنائی دے رہا تھا۔ اس وقت تو وہ اپنے آپ سے بھی بیگانہ تھا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

آگے اسے ایک سائناگوگ نظر آیا۔ عبادت کرنے والے معبد سے باہر آرہے تھے۔ وہ خاموشی سے اندر چلا گیا۔ قربان گاہ پر ستارۂ داؤد جگمگا رہا تھا۔ اس کے نیچے شیشے کے کیس میں کتاب مقدس کے صفحات نظر آرہے تھے۔ وہ وہاں جا کھڑا ہوا۔

''میں آپ کی کچھ مدد کرسکتا ہوں؟''

وہ آواز ایک تاریک گوشے سے آئی تھی۔ رابرٹ نے پلٹ کر دیکھا۔ ربی باہر آرہا تھا۔ وہ سیاہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ سر پر سیاہ ہیٹ تھا۔

''یہ اسرائیل میں موجود توریت کا قدیم ترین نسخہ ہے''۔ ربی نے شیشے کے کیس میں رکھے ہوئے صفحات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ بحیرۂ احمر کے ساحلی علاقوں سے ملا ہے''۔

رابرٹ نے ربی کو بہت غور سے دیکھا۔ ربی کی نگاہوں میں فخر تھا۔

''اسرائیل کی مٹی کے نیچے تاریخ کے خزانے چھپے ہیں''۔ بوڑھے ربی نے سرگوشی میں کہا۔ ''مجھے تو افسوس ہے کہ اس زمین پر ہم چلتے ہیں''۔ اس نے پلٹ کر رابرٹ کو دیکھا اور مسکرایا۔ ''آپ باہر سے آئے ہیں نا؟''۔

''جی ہاں''۔

''کس سلسلے میں؟''

''مجھے کسی کی تلاش ہے''۔

''میں بھی کسی کی تلاش میں یہاں آیا تھا...... اپنی بہن کی تلاش میں۔ مگر وہ مجھے نہیں ملی''۔ ربی مسکرایا۔ ''کون جانے، جہاں ہم چل رہے ہیں، وہیں کہیں وہ دفن ہو''۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر ربی نے اٹھ کر ایک لائٹ آف کردی۔

''شاید آپ نے ہیوگن ہیگن کا نام سنا ہو''۔ رابرٹ نے کہا۔

''پولینڈ کا رہنے والا ہے؟''

''یہ تو مجھے نہیں معلوم''۔

''یہاں...... اسرائیل میں رہتا ہے؟''

''میرا خیال تو یہی ہے''۔

''وہ کرتا کیا ہے؟''

رابرٹ کو اپنی حماقت پر افسوس ہونے لگا۔ وہ ایک ایسے شخص کو ڈھونڈتا پھر رہا ہے، جس کے بارے میں اسے کچھ بھی معلوم نہیں۔ اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے، شرمندہ لہجے میں کہا۔ ''مجھے معلوم نہیں''

''نام تو جانا پہچانا لگتا ہے''۔

وہ اس اندھیرے میں کچھ دیر کھڑے رہے، ربی ایسے سوچ رہا تھا، جیسے یادداشت پر زور دے رہا ہو۔

''آپ جانتے ہیں، ایگزارسٹ کیا ہوتا ہے؟''

ربی مسکرایا۔ ''شیطان کے حوالے سے......؟''

''جی ہاں''۔

ربی نے ہنستے ہوئے ہاتھ لہرایا۔

''آپ ہنسے کیوں؟'' رابرٹ نے پوچھا۔

''ایسا کچھ ہوتا نہیں ہے''۔

''کیا مطلب؟''۔

''شیطان کوئی حقیقت نہیں ہے''۔ ربی نے کہا اور جس طرف سے آیا تھا، ادھر واپس چل دیا۔

رابرٹ نے توریت کے نسخے پر ایک نظر ڈالی، پھر پلٹا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

..................☆..................

حنیف آدھی رات کے بعد واپس آیا۔ رابرٹ اس کا منتظر تھا۔ ''کر آئے تفریح؟'' اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ ''کیسی رہی؟''۔

''شاندار''۔ حنیف نے ڈھٹائی سے کہا۔

''تم مسلم ہو۔ پھر بھی......''۔

''جبھی تو''۔ حنیف نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''یہ میری قومی غیرت کا معاملہ تھا۔ مجھے یہودیوں سے نفرت ہے۔ تم غلط سمجھ رہے ہو مسٹر تھورن۔ میرا مقصد عیاشی نہیں تھا۔ وہ مجھے ادائیں دکھاتی رہیں۔ انہیں مجھ سے تگڑے مال کی توقع تھی۔ میں نے جی بھر کے ان کا وقت ضائع کیا۔ پھر ان کے ہاتھ پر دس سینٹ کا ایک ایک سکہ رکھ دیا۔ ان کی حیرت میرا انعام تھا۔ پھر انہیں احساس ہوا کہ میں انہیں استعمال کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تو انہیں توہین اور ذلت کا احساس ہوا۔ وہ میرے لئے بونس تھا۔ انہوں نے نفرت سے وہ سکے پھینک دیئے۔ مجھے قہقہے لگانے کا موقع مل گیا۔ یہ تھی میری تفریح''۔

رابرٹ نے اسے ہمدردی سے دیکھا۔ ''یہی تو مسئلہ ہے تم لوگوں کے ساتھ۔ تمہیں نفرت کا سلیقہ بھی نہیں۔ جسم فروش عورتیں تو پہلے ہی اپنی قوم کے لئے ذلت کا نشان ہوتی ہیں۔ انہیں ذلیل کرنے کا کیا حاصل؟ اسی لئے تو تمہاری قوم پیچھے ہے''۔

''یہ آگے پیچھے کا فلسفہ بہلاوا ہے مسٹر تھورن''۔ حنیف نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ شاید اسرائیل کی فضا نے اس کی قومی غیرت وحمیت کو جھنجھوڑ دیا تھا۔ وہ رابرٹ کو تم کہہ کر مخاطب کررہا تھا اور برابری کی سطح پر بات کررہا تھا۔ ''ہم بیک ورڈ سہی۔ لیکن اپنے دشمنوں کو پہچانتے ہیں۔ ان سے سمجھوتہ نہیں کرتے اور ہم اپنی نفرت میں آزاد ہیں۔ تم ترقی یافتہ ہو۔ جمہوریت کے علم بردار ہو۔ لیکن درحقیقت ایک اقلیت نے تمہیں غلام بنا رکھا ہے۔ تم تو اپنے دشمن کو پہچانتے بھی نہیں۔ آنکھیں بند کرکے اپنے چھپے دشمن کی مدد کررہے ہو۔ اسے خود مضبوط کررہے ہو اور جب یہ بات تمہاری سمجھ میں آئے گی تو بہت دیر ہوچکی ہوگی۔ بلکہ شاید تم یہ کبھی سمجھ ہی نہ پاؤ''۔

رابرٹ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''کہاں کی ہانک رہے ہو؟ نشے میں تو نہیں ہو تم؟''

''تم نہیں سمجھ سکتے مسٹر تھورن۔ تمہاری منزل امریکی صدارت ہے۔ یہودیوں کو نہیں نوازو گے تو اپنی منزل پر پہنچ ہی نہیں سکو گے۔ تمہیں یاد ہے، لندن میں تمہاری تقریر کے دوران ایک لڑکے نے مداخلت کی تھی۔ یاد ہے نا؟ میں تمہیں بتاؤں، اس نے تمہارے اور امریکا کے بارے میں جو کچھ کہا تھا، وہ بالکل سچ تھا۔ تم مسلمانوں سے ڈرتے ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ وہی تمہاری تباہی کا سبب بنیں گے اور تم یہودیوں کو پال رہے ہو۔ انہیں تم دوست سمجھتے ہو۔ حالانکہ مسلمان تمہارے قدرتی حلیف ہیں اور تم پر تباہی یہودیوں کی وجہ سے آئے گی، جو تمہارے حقیقی دشمن ہیں''۔

''تمہارے اندر کتنی سیاست بھری ہوئی ہے''۔ رابرٹ نے بدمزگی سے اسے دیکھا۔ ''اور وہ بھی کتنی غلط۔ امریکا اسرائیل کو نہیں پال رہا ہے''۔

''تم نے اسرائیل کا ساتھ نہ دیا ہوتا تو اسرائیل پنپ ہی نہیں پاتا۔ مگر تمہیں نہیں معلوم کہ تم نے آستین میں سانپ پالا ہے''۔

''اچھا بھائی، سوجاؤ''۔ رابرٹ نے بےزاری سے کہا اور آنکھیں بند کرلیں۔

حنیف چند لمحے اسے گھورتا رہا۔ پھر بیڈ پر ڈھیر ہوگیا۔

..................☆..................

صبح حنیف نے رابرٹ کو اٹھا دیا۔ ''اٹھ جاؤ مسٹر رابرٹ۔ آج تمہیں وہاں جانا ہے، جہاں امریکی یونیورسٹی والے کھدائی کررہے ہیں''۔

رابرٹ اٹھا اور تیار ہونے لگا۔

یروشلم کا وہ سیاحتی ٹور ایک منی بس میں ہو رہا تھا۔ ان دونوں کے علاوہ دس پسنجر اور تھے۔ منی بس کا رخ پرانے یروشلم کی طرف تھا۔

دیوار گریہ کے پاس گاڑی رکی۔ تمام لوگ منی بس سے اترے اور تصویریں بنانے لگے۔ کمرشل ازم وہاں بھی موجود تھا اور بےحد واضح تھا۔ روتے، آہ وزاری کرتے یہودیوں کے درمیان پھیری والے اپنا سودا بیچنے کے لئے حلق کے بل آوازیں لگاتے پھر رہے تھے۔ وہاں ہاٹ ڈاگ والے بھی تھے اور کولڈ ڈرنک والے بھی۔ آرائشی اشیا اور نوادرات کی نقلیں بھی کثرت سے بک رہی تھیں۔

اس کے بعد صحرا کا سفر شروع ہوا۔ اس میں دلچسپی کا کوئی سامان نہیں تھا۔ ان کا گائیڈ اس علاقے کے تاریخی پس منظر کے متعلق بےحد تفصیل سے بتا رہا تھا۔ اس نے گولان کی پہاڑیوں کی طرف اشارہ کیا، جہاں عربوں اور یہودیوں کے درمیان بڑے معرکے ہوئے۔ گائیڈ عربوں اور یہودیوں کی دشمنی کے متعلق بتا رہا تھا۔

پھر گائیڈ بھی خاموش ہوگیا۔ ان کا سفر جاری تھا۔

بالآخر وہ منزل پر پہنچ گئے۔ وہاں تک پہنچتے پہنچتے وہ گرمی اور تھکن سے نڈھال ہوچکے تھے۔ جس علاقے میں کھدائی ہو رہی تھی، اسے رسی کی رکاوٹوں کے ذریعے الگ تھلگ کردیا گیا تھا۔

گائیڈ نے انہیں بتایا کہ جہاں کھدائی ہو رہی ہے، وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت تھی۔ یہیں نہروں کا وہ جال تھا، جس کے ذریعے 60 میل دور یروشلم تک پانی پہنچایا جاتا تھا۔ یہیں کہیں وہ قدیم شہر بھی دفن ہے، جس کے بارے میں بہت لوگوں کا خیال ہے کہ وہیں پر بائبل تخلیق کی گئی تھی۔ اس کا نفس مضمون تو پہلے ہی پالیا گیا تھا اور محفوظ کردیا گیا تھا۔ کھدائی کرنے والوں کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ شہر کہاں ملے گا۔ اس لئے یہاں مشینوں سے بڑے پیمانے پر کھدائی کرنے کے بجائے کدال اور پھاوڑوں سے ایک ایک انچ کرکے کھدائی کی جارہی تھی۔

رابرٹ اور حنیف وہاں موجود آثار قدیمہ کے طلبا کی طرف لپکے۔ انہوں نے ان سے ہیوگن ہیگن کے بارے میں پوچھا۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر نفی میں سر ہلائے۔ ''یہ نام تو ہم نے کبھی نہیں سنا''۔ ان میں سے ایک بولا۔

''اور میگیدو نامی قصبے کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟''

''ہاں، اس نام کا ایک شہر تھا۔ صدیوں پہلے تباہی آئی تو وہ زمین میں دفن ہوگیا''۔

''کس نوعیت کی تباہی؟''

''ممکن ہے، زلزلہ ہو۔ ممکن ہے، سیلاب ہو۔ کیونکہ یہاں ہمیں سیپیاں اور چمکیلے پتھر ملے ہیں، جو یہاں کبھی پانی کی موجودگی کی گواہی دیتے ہیں''۔

وہ دونوں وہاں سے ناکام تل ابیب آئے۔ وہاں بازاروں میں گھومتے ہوئے انہوں نے لوگوں سے ہیوگن ہیگن کے بارے میں پوچھا۔ اس کے جواب میں ہمیشہ انہیں چہروں پر سپاٹ پن نظر آیا۔ اس کے باوجود وہ کریدتے رہے، لیکن حاصل کچھ نہیں ہوا۔

رابرٹ اب جھنجلا رہا تھا۔ اس کی طاقت تیزی سے کم ہو رہی تھی۔ اب بھاگ دوڑ کا کام حنیف کے ذمے تھا۔ وہ دکانوں اور فیکٹریوں میں گیا۔ اس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری کھنگال ڈالی۔ یہاں تک کہ وہ پولیس اسٹیشن بھی پہنچ گیا۔

''مجھے تو لگتا ہے کہ ہیوگن ہیگن نے نام بدل لیا ہے''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اگلی صبح حنیف نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ وہ اس وقت ایک پارک میں بینچ پر بیٹھے تھے۔ ''کون جانے اب وہ جارج بیوگن ہے، جم ہیگن ہے یا ازی ہیگن برگ''۔

اس سے اگلے روز وہ تل ابیب سے یروشلم منتقل ہو گئے۔ وہاں انہوں نے ایک چھوٹے سے ہوٹل میں کمرا لے لیا۔ پھر وہ سڑکوں پر نکل کھڑے ہوئے۔ وہ عام لوگوں سے بیوگن ہیگن کے بارے میں پوچھتے رہے کہ شاید کسی نے یہ نام سنا ہو۔ وہ ناکام رہے۔ لگتا تھا، وہ عمر بھر یہ سب کچھ کرتے رہیں تو بھی کچھ نتیجہ نہیں نکلے گا۔

''میں تو ہتھیار ڈالنے کے حق میں ہوں''۔ اس شام اپنے کمرے میں حنیف نے کہا۔

گرمی بہت شدید تھی۔ رابرٹ بیڈ پر لیٹا تھا اور اس کا جسم پسینہ اگل رہا تھا۔

''اگر بیوگن ہیگن کا وجود ہے بھی تو ہم اسے تلاش نہیں کر سکتے''۔ حنیف نے کہا۔ ''اور کون جانے کہ اس کا وجود ہی نہ ہو''۔

رابرٹ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''دیکھو نا، پادری ٹیسون تمام وقت مورخین کے زیر اثر رہتا تھا اور ہم نے اس کے کہے کو اللہ کا حکم سمجھ لیا ہے''۔ حنیف کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔ وہ تو شکر ہے کہ اس نے تمہیں چاند پر جانے کو نہیں کہا۔ ورنہ اس وقت ہم وہاں سردی سے ٹھٹھر رہے ہوتے''۔

رابرٹ اب بھی خاموش تھا۔

حنیف بیڈ پر بیٹھ گیا اور اسے گھورنے لگا۔ ''مسٹر تھورن، پہلے تو بات میری سمجھ میں آئی تھی، مگر اب یہ سب کچھ احمقانہ لگ رہا ہے''۔

رابرٹ نے تائید میں سر ہلایا اور خاصی کوشش کے بعد اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی پٹی اتر گئی تھی اور قمیص کے نیچے زخم نظر آ رہا تھا۔

''اس زخم کی حالت تو مجھے ٹھیک نہیں لگتی''۔ حنیف نے تشویش سے کہا۔

''ٹھیک ہے، اس کی فکر نہ کرو''۔

''مجھے تو یہ انفیکشن لگتا ہے۔

''میں نے کہا نا، پریشانی کی کوئی بات نہیں''۔ رابرٹ نے چڑچڑے پن سے کہا۔

''میں کسی ڈاکٹر سے بات کروں؟''

''تم صرف بڈھے بیوگن ہیگن کو تلاش کرو۔ مجھے صرف اس کی ضرورت ہے''۔ رابرٹ نے بھنا کر کہا۔

حنیف جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے جا کر دروازہ کھولا۔ دروازے پر کوئی بھکاری کھڑا تھا۔ حنیف نے اسے غور سے دیکھا، وہ چھوٹے قد کا دبلا پتلا عرب تھا۔ وہ بوڑھا تھا اور اس کے بدن پر قمیص نہیں تھی۔

''کیا بات ہے؟'' حنیف نے اس سے ترش لہجے میں پوچھا۔

''تم بڈھے کے بارے میں پوچھتے پھر رہے ہو؟''

حنیف نے پلٹ کر رابرٹ کو دیکھا۔ رابرٹ کی آنکھوں میں امید کی چمک لہرا گئی۔ ''کس بڈھے کی بات کر رہے ہو؟'' حنیف نے احتیاط سے کام لینے کا فیصلہ کیا۔

''بازار والوں نے بتایا ہے کہ تمہیں بڈھے کی تلاش ہے''۔

''ہاں......ہم ایک شخص کو ڈھونڈ تو رہے ہیں''۔

''میں تمہیں اس کے پاس لے چلوں گا''۔

رابرٹ کوشش کر کے اٹھا۔ وہ اور حنیف ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''جلدی کرو''۔ بڈھے عرب نے کہا۔ ''اس نے تمہیں فوراً بلایا ہے''۔

وہ دونوں اس کے پیچھے چل دیئے۔

وہ یروشلم کی عقبی گلیوں میں بڑھتے رہے، کوئی کسی سے بات نہیں کر رہا تھا۔ عرب آگے آگے تھا۔ بڑھاپے کے ساتھ اس کی رفتار نہایت قابل رشک تھی۔ اس کا ساتھ دینا ان کیلئے، بالخصوص رابرٹ کے لئے دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ بازار میں کئی بار وہ اسے کھو بیٹھے۔ لیکن آگے جا کر وہ انہیں مل گیا......وہ ان کی تھکن پر حیران ہو رہا تھا اور تفریح بھی لے رہا تھا۔ اس کے اور ان کے درمیان بیس گز کا فاصلہ ضرور رہتا تھا۔

ان گنت گلیوں اور محرابی دروازوں سے گزرنے کے بعد بوڑھا بالآخر رک گیا۔ وہ منزل پر پہنچ گئے تھے۔

لیکن بڈھے کے قریب پہنچ کر وہ حیران رہ گئے۔ سامنے تو ایک دیوار تھی۔ وہ دونوں خوف زدہ ہو گئے۔ کیا بڈھا انہیں کسی سازش کے تحت یہاں لایا ہے۔

''نیچے......!'' بڈھے عرب نے اشارہ کیا۔

ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ''کیا چاہتے ہو؟'' حنیف غرایا۔

''جلدی کرو''۔

ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اب بڈھے کی بات پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

عرب نے جھک کر پتھر کی ایک سل ہٹائی اور اندر داخل ہو گیا۔ وہ بھی اس کے پیچھے چل دیئے۔

اندر اندھیرا تھا۔ عرب نے ایک ٹارچ روشن کر لی تھی اور وہ بہت تیزی سے سیڑھیوں سے اتر رہا تھا۔ سیڑھیاں پھسلواں تھیں اور وہاں سیلن کی بو رچی ہوئی تھی۔ وہ لڑکھڑاتے سنبھلتے اترتے رہے، یہاں تک کہ نیچے مسطح فرش آ گیا۔

وہاں پہنچ کر بڈھا عرب دوڑنے لگا۔ انہوں نے بھی دوڑنے کی کوشش کی۔ لیکن فرش بھی پھسلواں تھا۔ عرب کی ٹارچ کی روشنی کا چھوٹا سا دائرہ ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ مگر ہر لمحے وہ دور سے دور تر ہوتا جا رہا تھا۔

اب وہ ایک سرنگ میں تھے اور جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہے تھے، سرنگ تنگ ہوتی جا رہی تھی......اتنی تنگ کہ ان کے کندھے دونوں طرف کی دیواروں کو چھو رہے تھے، ایسا لگتا تھا کہ وہ سرنگ کبھی آبی نہر رہی ہو گی۔

اب اندھیرا اور گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اندھا دھند آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کے قدموں کی آہٹ کی بازگشت کے سوا وہاں کوئی آواز نہیں تھی۔ ٹارچ کی روشنی کا دائرہ اب بالکل غائب ہو چکا تھا۔

اس احساس نے کہ اب وہاں ان دونوں کے سوا کوئی نہیں ہے، انہیں رفتار کم کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ بس ایک دوسرے کو محسوس کر سکتے تھے اور ایک دوسرے کی اکھڑی ہوئی سانسوں کی آواز سن سکتے تھے۔

''حنیف......'' رابرٹ نے ہانپتے ہوئے پکارا۔

''میں یہاں ہوں''۔

''مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے''۔

''وہ منحوس بڈھا......''۔

''رک جاؤ، میرا انتظار کرو''۔

''اس کی ضرورت نہیں۔ آگے بس ایک ٹھوس دیوار ہے''۔

رابرٹ ٹٹولتا ہوا بڑھا۔ یہاں تک کہ اس کے ہاتھوں نے حنیف کو چھو لیا۔ اور حنیف کے آگے دیوار تھی۔ بڈھا عرب غائب ہو چکا تھا۔

''یہ میں بتا دوں کہ وہ یہاں سے واپس نہیں گیا ہے''۔ حنیف نے کہا۔

حنیف نے جیب سے ماچس نکالی اور ایک دیا سلائی جلائی۔ اس روشنی میں انہوں نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ وہ مقبرہ سا تھا۔ اوپر چھت کی چٹانیں نیچے کو جھکی ہوئی تھیں اور ان میں دراڑیں تھیں جو رس رہی تھیں۔ نیچے بھی نمی تھی اور کئی کاکروچ وہاں رینگ رہے تھے۔

''یہ تو پانی کی لائن لگتی ہے''۔ رابرٹ نے کہا۔

''سوال یہ ہے کہ رس کیوں رہی ہے''۔

دیا سلائی بجھ گئی۔ اب اندھیرا انہیں اور گہرا لگ رہا تھا۔

''یہ تو بے آب و گیاہ صحرا ہے۔ پھر پانی کہاں سے آ رہا ہے!''۔ حنیف بولا۔

''کوئی زیر زمین چشمہ ہو گا......'' رابرٹ نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''اب چلیں......''۔

''اس دیوار کے پار!''۔

نہیں......واپس چلو۔ یہاں سے نکلیں تو''۔

وہ پلٹے اور ٹٹول ٹٹول کر چلنے لگے۔ اندھیرے کی وجہ سے ان کی رفتار بہت کم تھی۔ لیکن نظر نہ آتے ہوئے ایک ایک قدم انہیں ایک میل کا لگ رہا تھا۔ پھر ٹٹول کر چلتے ہوئے حنیف کا ہاتھ ایک خلا سے ٹکرایا۔ ''مسٹر تھورن......؟'' اس نے رابرٹ کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر اس خلا میں چل دیا۔

جس راستے پر وہ چل رہے تھے، اس سے 90 درجے پر یہ طویل راہ داری تھی۔ پچھلی بار وہ اس خلا کو دیکھے بغیر گزر گئے تھے۔

''سامنے روشنی نظر آ رہی ہے''۔ رابرٹ نے سرگوشی میں کہا۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہے۔ اب وہ سرنگ نہیں تھی۔ بلکہ ایک غار تھا۔ راستے میں بڑے بڑے گول پتھر بھی تھے اور غار بتدریج چوڑا ہوتا جا رہا تھا اور سامنے کی روشنی بھی نمایاں ہوتی جا رہی تھی۔

ذرا آگے بڑھ کر انہیں اندازہ ہوا کہ وہ کسی ٹارچ کی روشنی نہیں تھی۔ بلکہ وہ ایک روشن کمرا تھا۔ وہاں دو آدمی تھے، جو ان کے منتظر تھے، ان میں ایک بوڑھا عرب تھا جو انہیں یہاں لایا تھا۔ دوسرا ایک بہت بوڑھا آدمی تھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی اور کھنچاؤ تھا۔ پسینے میں تر اس کی قمیص بدن سے چپکی ہوئی تھی، عقب میں ایک میز تھی، جس پر کاغذات اور تختیاں رکھی تھیں۔

رابرٹ اور حنیف اس کمرے میں داخل ہو گئے۔ روشنی نے ان کی آنکھیں چندھیا دیں۔ وہاں درجنوں لالٹینیں لٹکی ہوئی تھیں۔

وہ دونوں آگے بڑھے ''دو سو درا شمالاؤ'' عرب نے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔

''تم ادائیگی کر سکتے ہو؟'' دوسرے شخص نے ان سے پوچھا۔

رابرٹ اور حنیف نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کندھے جھٹک دیئے۔

''کیا تم......''۔ حنیف نے کہنا چاہا۔

نیکر پہنے ہوئے شخص نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تم بیوگن ہیگن ہو؟''۔

''ہاں''۔

حنیف اسے شک آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ''بیوگن ہیگن سترہویں صدی کا ایگزارسسٹ تھا''۔

''وہ آغاز تھا۔ میں نواں بیوگن ہیگن ہوں''۔

''لیکن تم......''۔

''میں آخری بھی ہوں اور سب سے کمزور بھی''۔

وہ اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔ اس کی جلد بہت پیلی اور شفاف تھی۔ کنپٹیوں کے نیچے نسیں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اس کے چہرے پر تناؤ اور تلخی تھی۔ انداز ایسا تھا، جیسے کوئی ناپسندیدہ کام انجام دینے والا ہو۔

''یہ جگہ کون سی ہے؟''۔ رابرٹ نے پوچھا۔

''جیذریل نامی شہر کا میگید و نامی قصبہ''۔ بیوگن ہیگن نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ ''اسے میرا قلعہ سمجھو یا قید خانہ۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں سے عیسائیت کا آغاز ہوا تھا''۔

''قید خانے کا مطلب؟''۔

''جغرافیائی اعتبار سے یہ عیسائیت کا قلب ہے۔ جب تک میں یہاں ہوں، محفوظ ہوں۔ کوئی مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا''۔ وہ کہتے کہتے رکا اور اس نے ان کا ردعمل سمجھنے کی کوشش کی۔ ان کے انداز میں بے یقینی اور کھنچاؤ تھا۔

''تم میرے اس معاون کو معاوضہ ادا کر سکتے ہو؟''۔ بیوگن ہیگن نے پھر پوچھا۔

رابرٹ نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور کچھ نوٹ نکالے۔ بوڑھا عرب نوٹ لیتے ہی رخصت ہو گیا۔

اب وہ تینوں خاموش بیٹھے تھے۔ کمرے میں سیلن کی بو رچی ہوئی تھی۔ رابرٹ اور حنیف کے جسموں میں کپکپاہٹ تھی۔ وہ اب بھی گردوپیش کا جائزہ لے رہے تھے۔

''اس چوک میں کبھی رومن فوجوں نے مارچ کیا تھا''۔ بیوگن ہیگن نے کہا۔ ''پتھر کی ایک بینچ پر بیٹھے ایک بوڑھے نے سرگوشی میں مسیح علیہ السلام کی پیدائش کی نوید سنائی تھی۔ جو کہانیاں سنائی گئیں، وہ یہیں محفوظ کی گئی تھیں''۔ اس نے عمارت کے کھنڈرات کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس عمارت میں ہی بائبل مرتب کی گئی تھی''۔

عقب کی طرف ایک غار تھا۔ حنیف کی نظریں اس پر جم گئیں۔

بیوگن ہیگن نے بھی اس طرف دیکھا۔ ''شمال سے جنوب تک 35 کلومیٹر پر یہ شہر پھیلا ہوا تھا۔ یہاں ہم چل پھر سکتے تھے۔ لیکن اوپر کھدائی شروع ہوئی تو اس شہر کے حصے بیٹھنے لگے۔ اب وہ کھدائی کرتے ہوئے یہاں تک آ گئے ہیں''۔ اس نے چھت کی طرف اشارہ کیا۔ ''اب یہ سب کھنڈر بن جائے گا''۔ اس کے لہجے میں اداسی در آئی۔ ''اب کیا کیا جائے۔ انسان کی فطرت ہی ایسی ہے''۔

رابرٹ اور حنیف خاموش تھے۔ وہ جو کچھ دیکھ اور سن رہے تھے، اسے ہضم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''وہ چھوٹے قد کا پادری......''۔ بیوگن ہیگن نے پوچھا۔ ''کیا وہ زندہ ہے؟''۔

رابرٹ کو ٹیسون یاد آیا، اس کی موت یاد آئی۔ وہ ہل کر رہ گیا۔ ''نہیں......وہ مر چکا ہے''۔

''او کے مسٹر تھورن، اب کام کی بات ہو جائے''۔ بیوگن ہیگن نے کہا اور سر گھما کر دیکھا۔ ''میں تم سے معذرت چاہتا ہوں۔ میں جو کچھ بھی کہوں گا، وہ صرف مسٹر تھورن کے لئے ہے''۔

''مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ میں اس معاملے میں پوری طرح شریک ہوں''۔ حنیف نے کہا۔

''میں یہ نہیں مان سکتا''۔

''میں ہی انہیں یہاں لایا ہوں''۔

''اس پر یہ تمہارے شکر گزار ہوں گے''۔

''مسٹر تھورن......'' حنیف رابرٹ کی طرف مڑا۔

''ان کی بات مان لو''۔ رابرٹ نے کہا۔

توہین کے احساس سے حنیف کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ''تو میں کہاں جاؤں؟'' اس نے بھنا کر پوچھا۔

''یہاں سے ایک لیمپ لے لو اور جائزہ لیتے پھرو''۔

حنیف نے ایک لیمپ اٹھایا اور رابرٹ کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے باہر تاریکی میں چلا گیا۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ وہ حنیف کے دور جاتے ہوئے قدموں کی چاپ سنتے رہے۔

''تمہیں اس شخص پر اعتبار ہے؟'' بالآخر بیوگن ہیگن نے کہا۔

''ہاں''۔

''میرا مشورہ ہے کہ کسی پر اعتبار مت کرو''۔

بیوگن ہیگن نے چٹانی دیوار میں تراشی ہوئی ایک الماری کھولی اور کپڑے میں لپٹی ہوئی کوئی چیز نکالی۔

''میں تم پر اعتبار کر لوں''۔ رابرٹ نے پوچھا۔

بیوگن ہیگن کرسی پر آ بیٹھا اور کپڑے کی تہیں کھولنے لگا۔ اس میں سے سات خنجر برآمد ہوئے۔ روشنی میں ان سے رنگین شعاعیں خارج ہوتی دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ پتلے خنجر تھے، جن کے دستے ہاتھی دانت کے تھے۔ ہر دستے پر مصلوب مسیح کی شبیہ ابھری ہوئی تھی۔

''مجھ پر نہیں، ان پر بھروسہ کرو''۔ بیوگن ہیگن نے کہا۔ ''صرف یہ خنجر ہی تمہیں بچا سکتے ہیں''۔

عقب کے غاروں میں ہوا ساکت تھی۔ حنیف لیمپ لئے آگے بڑھ رہا تھا۔ اسے دیواروں پر لٹکے نوادرات نظر آئے۔ پھر فرش پر چٹانوں اور مٹی کے درمیان دبے بے شمار انسانی ڈھانچے۔ وہ آگے بڑھتا رہا۔ سرنگ اب تنگ ہوتی جا رہی تھی۔

پیچھے روشن کمرے میں رابرٹ خوف زدہ نگاہوں سے خنجر کو دیکھ رہا تھا۔ ساتوں خنجر ملا کر رکھے گئے تو ان کے دستے صلیب کی شکل بنا رہے تھے۔

''یہ کام کسی مقدس اور متبرک مقام پر کرنا ہوگا''۔ بیوگن ہیگن نے سرگوشی میں کہا۔ ''چرچ میں......اس کا خون قربان گاہ پر بہانا ہوگا''۔

خاموشی چھا گئی۔ بیوگن ہیگن رابرٹ کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا کہ اس نے اس کی بات سمجھ بھی لی ہے یا نہیں۔

''ہر خنجر دستے تک اس کے جسم میں اتارا جائے۔ تم دیکھو کہ دستے کے نچلے حصے پر کرائسٹ کے پیر ہیں، شیطنت ان پیروں تلے روندی جانی چاہئے''۔ بیوگن ہیگن کہہ رہا تھا۔ پھر اس نے ایک خنجر علیحدہ کر کے میز پر رکھا۔ ''یہ پہلا خنجر سب سے اہم ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ صلیب کا مرکز ہے۔ یہ جسمانی قوت حیات کو منقطع کرنے والا ہے۔ دوسرا خنجر روحانی قوت کا خاتمہ کرتا ہے......''۔ اس نے رابرٹ کو دیکھا، جو متوحش دکھائی دے رہا تھا۔ ''تمہارے دل میں اس کے لئے کوئی ہمدردی نہیں ہونی چاہئے''۔ اس نے تہدیدی لہجے میں کہا۔ ''وہ کوئی انسانی بچہ نہیں ہے''۔

رابرٹ کے ہونٹ ہلے۔ لیکن کوئی آواز نہیں نکلی۔ کوشش کے بعد آواز نکلی تو وہ خود اس کے لئے بھی اجنبی تھی۔ ''یہ ہی تو ممکن ہے کہ تم غلطی پر ہو''۔ اس نے کہا۔ ''یہ ہی تو ممکن ہے کہ وہ......''۔

''یہ ممکن نہیں۔ وہ شیطان کا بیٹا ہے''۔

''کوئی ثبوت بھی تو ہو......''۔

''اس کے جسم پر برتھ مارک ہوگا...... پیدائشی نشان......6 کے تین ہندسے''۔

رابرٹ کی سانسیں تیز ہو گئیں۔ ''میں نے ایسا کوئی نشان نہیں دیکھا''۔

''بائبل بتاتی ہے کہ شیطان کے تمام چیلوں کے جسم پر کہیں نہ کہیں یہ نشان ہوتا ہے''۔

رابرٹ کو ٹیسون کی لاش کی تصویر یاد آئی۔ اس کی ران پر وہ نشان تھا۔ گویا وہ شیطان کا چیلا تھا۔ ''لیکن ڈیمین کے جسم پر ایسا کوئی نشان موجود نہیں ہے۔ میں یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہہ رہا ہوں''۔

''یہ ناممکن ہے، نشان ہوگا''۔

''میں نے اسے نہلایا ہے۔ میں اس کے جسم کو پوری طرح دیکھ چکا ہوں''۔

''اگر جسم پر نشان نہیں تو بالوں کے نیچے ملے گا۔ اس کے سر پر تو بہت گھنے بال ہوں گے''۔

رابرٹ کو بچے کی پہلی دید یاد آئی۔ اس کے بال اتنے موٹے، اتنے گھنے تھے کہ وہ حیران رہ گیا تھا۔ ''یہ سچ ہے''۔

''اس کا سر صاف کر دو۔ نشان تمہیں نظر آ جائے گا''۔

رابرٹ نے آنکھیں بھینچ لیں اور دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

''ایک بار کھیل شروع کرو تو پھر ہچکچانا نہیں''۔

رابرٹ نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اب بھی یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

''تمہیں مجھ پر شک ہے؟'' بیوگن ہیگن نے پوچھا۔

''میں یقین سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا''۔

بیوگن ہیگن نے اسے غور سے دیکھا۔ ''پیش گوئی کے عین مطابق تمہارے بچے کو ماں کے پیٹ میں ختم کر دیا گیا۔ پیش گوئی کے مطابق تمہاری بیوی مر گئی......''۔

''مگر وہ ایک جیتا جاگتا بچہ ہے''۔

''تمہیں اور ثبوت چاہئیں؟''

''ہاں''۔

''تو پھر جلدی نہ کرو۔ انتظار کرو''۔ بیوگن ہیگن نے کہا۔ ''پہلے پورا اطمینان کر لو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو، درست ہے۔ بے یقینی کے عالم میں کرو گے تو کچا کام کرو گے...... اور وہ تمہیں شکست دے دیں گے۔ یقین کی بڑی اہمیت ہے''۔

''وہ کون......؟''

''شیطان کے چیلے۔ تم نے بتایا کہ ایک عورت ہے جو بچے کی نگہداشت کرتی ہے''۔

''مسز بے لاک......''۔

بیوگن ہیگن نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ اس کے چہرے پر طمانیت تھی۔ ''اس کا نام بالوک ہے۔ وہ شیطان کے پیروکاروں میں سے ہے۔ اس کے جیتے جی اس بچے پر کوئی آنچ نہیں آ سکے گی۔ وہ تمہیں یہ سب کچھ نہیں کرنے دیں گی''۔

وہ خاموش ہو گئے۔ عقبی غار کی طرف سے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ پھر حنیف نمودار ہوا۔ اس کے چہرے پر خوف اور گھبراہٹ تھی۔ ''یہاں تو ہزاروں انسانی ڈھانچے ہیں......''۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔

''سات ہزار''۔ بیوگن ہیگن نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہوا کیا تھا؟''

''میگید و دراصل آرماگیدون ہے۔ اس کا مطلب ہے......دنیا کا خاتمہ''۔

حنیف آگے بڑھ آیا تھا۔ جو کچھ اس نے دیکھا تھا، اس نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ''اس اعتبار سے تو دنیا کا خاتمہ ہو چکا''۔ اس نے معترضانہ لہجے میں کہا۔

''ہاں ہو چکا، اور مزید کئی بار ہوگا''۔ بیوگن ہیگن نے جواب دیا۔ اس نے خنجروں کو پھر کپڑوں میں لپیٹا اور رابرٹ کی طرف بڑھا دیا۔

رابرٹ انکار کرنا چاہتا تھا۔ لیکن بیوگن ہیگن نے زبردستی اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔

''میں بہت جی چکا''۔ بیوگن ہیگن نے لرزتی آواز میں کہا۔ ''میری دعا ہے کہ میری زندگی رایگاں ثابت نہ ہو''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

رابرٹ اٹھا اور حنیف کے ساتھ واپس چل دیا۔

واپسی کے سفر میں بھی اندھیرا تھا۔ وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ ایک بار انہوں نے پلٹ کر روشن کمرے کی طرف دیکھا۔ اس وقت وہاں اندھیرا چھا گیا۔

یروشلم کی سڑکوں پر بھی وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ رابرٹ کے ہاتھ میں وہ کپڑا تھا، جس میں خنجر لپٹے ہوئے تھے۔ اس کا موڈ بہت خراب تھا۔ وہ گردوپیش سے بے خبر مشینی انداز میں قدم اٹھا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خالی پن تھا۔ حنیف نے اسے ہلانے جلانے، اسے بات کرنے پر اکسانے کی کوشش کی، لیکن رابرٹ ٹس سے مس نہیں ہوا۔

اب وہ ایک تنگ سڑک سے گزر رہے تھے، جہاں تعمیراتی کام ہو رہا تھا۔

''مجھے یہ تو بتا دو کہ اس نے کیا کہا۔ یہ تو میرا حق ہے''۔ حنیف نے کہا۔

لیکن رابرٹ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی رفتار اور تیز ہو گئی۔

''مسٹر تھورن، میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس نے کیا کہا''۔ حنیف نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''سنو...... میں کوئی تماشائی نہیں ہوں۔ اسے تلاش کرنے میں، میں نے اپنا بہت وقت اور توانائی ضائع کی ہے۔ تم میرے ساتھ یہ سلوک نہیں کر سکتے''۔

رابرٹ رک گیا۔ اس نے غصے سے حنیف کو گھورا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس پورے فساد کی جڑ تم ہی ہو۔ یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے''۔

''مطلب کیا ہے تمہارا؟''۔

''تم نے ہی اس تفتیش پر اصرار کیا تھا۔ تم ہی نے میرے دماغ میں یہ بات ڈالی......''۔

''ایک منٹ...... بات سنو......''۔

''وہ تصویریں تم نے ہی کھینچی تھیں......''۔

''سنو تو......''۔

''تم ہی مجھے یہاں لائے......''۔

''بات کیا ہے؟ ہوا کیا ہے؟ کچھ بتاؤ تو''۔

''جبکہ میں تمہیں ٹھیک سے جانتا بھی نہیں''۔ اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور جانے کے لئے پلٹا۔

حنیف نے دوبارہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''تمہیں میری بات سننی ہو گی''

''بہت سن چکا میں تمہاری''۔

''میں تمہاری مدد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں''۔

''بس۔ اب مزید نہیں''۔ رابرٹ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

دونوں اشتعال انگیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ رابرٹ غصے سے کانپ رہا تھا۔

''حیرت ہے کہ میں نے یہ سب کچھ سنا...... اور یقین بھی کر لیا''

''مسٹر تھورن''۔

''مجھے تو لگتا ہے کہ یہ بڈھا کوئی فقیر ہے، جو خنجروں کا کاروبار کرتا ہے''۔

''کیا کہہ رہے ہو تم؟''۔

رابرٹ نے خنجروں والا ہاتھ اوپر اٹھایا۔ ''یہ خنجر ہیں...... ہتھیار! اور وہ چاہتا ہے کہ میں یہ اس معصوم بچے کے سینے میں گھونپ دوں۔ وہ مجھ سے یہ توقع کرتا ہے کہ میں اس ننھے سے بچے کو قتل کر دوں گا''۔

''وہ بچہ نہیں ہے''۔

''وہ بچہ ہے''۔

''خدا کے لئے! تمہیں کتنے ثبوت درکار ہیں......''۔

''تم مجھے کس طرح کا آدمی سمجھتے ہو......'' رابرٹ نے غرایا۔ ''کیا میں ایسا ہوں کہ ایک بچے کو قتل کر دوں گا''۔

''غصہ چھوڑو۔ دماغ سے سوچو......''۔

''نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔ میں یہ سب نہیں کروں گا۔ اچھا...... یہ بتاؤ کہ تم اس پر یقین کرتے ہو؟''۔

''یہ بات سڑک پر نہیں کی جا سکتی۔ ہوٹل چل کر بات کریں گے''۔

..................X..................

ہوٹل کے کمرے میں رابرٹ نے اپنا سوال دہرایا۔ ''کیا تم اس پر یقین کرتے ہو کہ ڈیمین شیطان کی اولاد ہے...... کیا ڈیمین اینٹی کرائسٹ ہے؟''۔

حنیف کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ لگتا تھا کہ وہ اپنے خیالات کو مجتمع کر رہا ہے۔ ''دیکھو مسٹر تھورن، یہ بہت نازک معاملہ ہے''۔ بالآخر اس نے کہا۔ ''میں مسلمان ہوں۔ ایمان گنوانے سے بہت ڈرتا ہوں۔ اللہ نے اپنی تمام کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔ میں بائبل اور توریت سے انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بائبل اور توریت میں تحریف ہوئی ہے۔ تو معاملہ مشتبہ ہو گیا نا۔ ہمارے لئے آزمائش بن گیا کہ ہم بائبل اور توریت کے کسی حصے پر یقین کریں اور کسی پر نہ کریں......''۔

''وہی پرانا جھگڑا......!''۔ رابرٹ نے حقارت سے کہا۔

''ہاں، وہی پرانا جھگڑا جو قیامت تک چلے گا''۔ حنیف نے سرد لہجے میں کہا۔ ''میں تمہارے پوچھنے پر بات کر رہا ہوں۔ تم نہیں سننا چاہتے تو مجھے شوق بھی نہیں ہے سنانے کا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ عیسائی اور یہودی علمانے اللہ کی آیات چھپائی نہ ہوتیں تو دونوں امتیں آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتیں۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ قرآن اللہ کی واحد کتاب ہے، جس میں زبر زیر پیش کی تبدیلی بھی نہیں ہوئی۔ ہم اللہ کے تمام پیغمبروں، اللہ کی تمام کتابوں، تمام فرشتوں اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ جبکہ عیسائی اور یہودی اللہ کے آخری پیغمبر کا انکار کرتے ہیں۔ ذرا ذہن پر زور دو تو سمجھ میں آ جائے کہ کیا درست ہے اور کیا غلط۔ مگر مسئلہ تنگ نظری کا ہے''۔

''میں نے تم سے کچھ اور پوچھا تھا''۔

''میں وہی بتا رہا تھا۔ وضاحت نہیں کروں گا تو بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی اور تمہارا طرز عمل بتاتا ہے کہ تم کچھ سننا نہیں چاہتے''۔

''اچھا، کہو۔ اب میں مداخلت نہیں کروں گا''۔

''میں یہ کہہ رہا تھا کہ قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے اور اسلامی شریعت کے ذریعے اللہ نے دین مکمل کر دیا۔ ہم تمام الہامی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن خود اللہ نے بتایا ہے کہ ان مذاہب کے علما نے ان میں تحریف و ترمیم کی ہے۔ میں بائبل اور توریت کی ہر اس بات پر ایمان رکھتا ہوں، جو قرآن سے متصادم نہیں ہے۔ جو قرآن اور حدیث سے متصادم ہے، وہ میرے نزدیک قابل غور نہیں''۔

''مقصد کیا ہے تمہارا؟''۔

''سن لو۔ میں بتا رہا ہوں۔ میں اس بچے کو جسے تم نے پالا ہے، اینٹی کرائسٹ نہیں مانتا۔ وجہ یہ ہے کہ قیامت سے پہلے کے آخری دور کے بارے میں جتنی تفصیل ہمارے پیغمبرؐ نے بیان فرمائی ہے، اتنی تفصیل کہیں اور نہیں ملتی۔ ہمارے حضورؐ نے اینٹی کرائسٹ یعنی دجال کا مکمل حلیہ اور اس کے دور کی نشانیاں بہت تفصیل سے بیان فرمائی ہیں۔ اس کی رو سے وہ کانا ہو گا۔ اس کے دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو گا اور وہ انہی کے ہاتھوں قتل ہو گا''۔

''تو تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ڈیمین اینٹی کرائسٹ نہیں ہے؟''۔ رابرٹ نے اعتراض کیا۔ ''ابھی وہ صرف پانچ سال کا ہے۔ ممکن ہے، بعد میں کانا ہو جائے اور تمام نشانیوں پر پورا اترے۔ اور کرائسٹ کا نزول بھی ہو جائے۔ ابھی تو وقت ہے۔'' رابرٹ کہتے کہتے چونکا۔ ''ارے...... تمہیں کرائسٹ کے دوبارہ آنے کا یقین ہے؟''۔

''ہم سے زیادہ کسے ہو گا''۔ حنیف نے کہا۔ ''قرآن سے ہی ان کی حقیقت کا پتا چلتا ہے۔ عیسائی کہتے ہیں، وہ مصلوب کر دیئے گئے۔ قرآن میں بتایا ہے کہ انہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ تبھی تو وہ دوبارہ آئیں گے۔ ورنہ کوئی اور پیغمبر تو دوسری بار زمین پر نہیں آیا۔ اس لئے کہ سب نے وفات پائی۔ لیکن عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے۔ یہ ان کی واپسی کی دلیل ہے''۔

''تمہاری بات دل کو لگتی ہے''۔ رابرٹ نے کہا۔

''یہ میری نہیں، قرآن کی...... اللہ کی بات ہے''۔ حنیف نے جلدی سے بولا۔

''اینٹی کرائسٹ کے بارے میں تمہارا مذہب اور کیا کہتا ہے''۔

''بنیادی بات یہ ہے کہ اینٹی کرائسٹ کا ساتھ صرف یہودی دیں گے۔ کیونکہ وہ اسے کرائسٹ تسلیم کریں گے۔ وہ صدیوں سے اس کی آمد کے منتظر ہیں۔ ان کے خیال میں وہ انہیں عروج دلوائے گا۔ وہ اس کے لئے کام کر رہے ہیں۔ اسرائیل کا قیام اور اس کی غاصبانہ توسیع اسی مقصد کے لئے ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف سازشیں کیں، انہیں ایذائیں دیں۔ یہاں تک کہ اپنی دانست میں انہیں قتل کرا دیا اور عیسائی یہودیوں کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان کے فطری حلیف مسلمان ہیں''۔

''واقعی یہ بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن عیسائیوں کی سمجھ میں یہ بات کسی بھی وقت آ سکتی ہے''۔

''میرا خیال ہے، جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول نہیں ہوتا، یہ صورت حال نہیں بدلے گی۔ اس وقت تو میرے خیال میں وہائٹ ہاؤس شیطان کا دارالحکومت ہے۔ امریکا کی جو طاقت ہے، اس کے پیش نظر میں سمجھتا ہوں کہ دجال کو امریکا کی مدد ضرور حاصل ہو گی۔ بلکہ ممکن ہے، امریکا کا سب سے بااختیار شخص وہی ہو۔ امریکا کی پوری قوت اس کے ہاتھ میں ہو''۔

''تمہارا مطلب ہے، وہ امریکا کا صدر بھی ہو سکتا ہے؟''۔

''ممکن ہے''۔ حنیف نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ ''دیکھ لو، اس وقت بھی امریکا ننھے سے بچے اسرائیل کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔ امریکا غلط موقف پر بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ اس کی دہشت گردی کو دہشت گردی نہیں مانتا۔ اسے جدید ترین اسلحے سے لیس کر کے وہ عربوں کے ساتھ زیادتی کر رہا ہے''۔

رابرٹ کسی گہری سوچ میں تھا۔ ''اگلے دس سالوں میں اگر میں زندہ رہا تو امریکا کا صدر بن سکتا ہوں''۔ اس نے پرخیال لہجے میں کہا

''مطلب؟''

''جس بچے کو میں نے اپنا خاندانی نام دیا ہے، وہ بھی تو وہائٹ ہاؤس پہنچ سکتا ہے۔ ہماری دولت پر قابض ہو کر وہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ اس کے پاس معاشی قوت بھی ہو گی۔ اور سیاسی بھی۔ اگر وہ اینٹی کرائسٹ ہے تو......''۔

''میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ وہ اینٹی کرائسٹ نہیں ہے''۔

''تو پھر وہ کیا ہے؟ مجھے اس کو قتل کرنے کو کیوں کہا جا رہا ہے؟''۔

''دیکھو مسٹر تھورن۔ یہ آخری دور ہے۔ اس میں بے شمار فتنے سر اٹھا چکے ہیں اور بے شمار فتنے سر اٹھائیں گے۔ میرے نزدیک یہ عین ممکن ہے کہ وہ شیطان کی اولاد ہو۔ آخر بائبل میں اس کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں اور وہ ان پر پورا اترتا ہے''۔ حنیف نے کہا۔ ''اس لئے میں اس کے قتل کے حق میں ہوں''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''مگر میرا دل نہیں مانتا''۔ رابرٹ نے کہا۔ پھر اچانک بولا ''تم اس معاملے میں دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟''۔

''اب یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ میری اپنی وہ تصویر تمہیں یاد ہے؟ مرنے والوں کی تصویروں پر جو رنگین دھبہ نظر آتا رہا ہے، وہ میری اپنی تصویر میں بھی نمایاں ہے۔ امکان یہ ہے کہ شیطانی قوتیں مجھے راہ سے ہٹانے کی کوشش کریں گی۔ تو میں ان کا پردہ چاک کرنا چاہتا ہوں''۔

''یعنی تمہیں یقین ہے کہ تم مر جاؤ گے؟''۔

''ہرگز نہیں''۔

رابرٹ نے اسے حیرت سے دیکھا۔

''مجھے بیوگن ہیگن کی بات سے اختلاف ہے۔ اس نے کہا کہ وہ اس مقام پر بیٹھا ہے، جہاں عیسائیت کا آغاز ہوا، جو عیسائیت کا قلب ہے اور جب تک وہ وہاں ہے، محفوظ ہے۔ یہ ایمان کی کمی کی بات ہے۔ موت اللہ کا حکم ہے۔ مقررہ وقت پر آتی ہے...... اور جب وقت آئے تو آدمی خود بہ خود اپنی موت کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ موت تو لوگوں کو بیت اللہ شریف میں بھی آجاتی ہے جو ہمارے نزدیک دنیا کا مقصد ترین، متبرک ترین مقام ہے۔ تو ہم مسلمان اس پر یقین رکھتے ہیں کہ موت آنی ہے تو بے سبب بھی آجائے گی اور اللہ کا حکم نہ ہو تو بڑی سے بڑی طاقت بھی ہمیں ختم نہیں کرسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم ایمان پر ہوں تو یقینی موت کے سامنے بھی ڈٹ جاتے ہیں اور فتح یاب ہوتے ہیں۔ شیطانی طاقت کتنی ہی زبردست ہو، ہم اس سے مرعوب نہیں ہوتے۔ جبکہ تم لوگ اپنے طاقت ور کے سامنے سہم جاتے ہو۔ میں موت سے نہیں ڈرتا جتنی زندگی ہے، اتنی جیوں گا۔ اور جب اللہ کا حکم ہوگا تو کوئی مجھے مرنے سے نہیں بچا سکے گا۔''

رابرٹ کسی گہری سوچ میں تھا۔ چند لمحے بعد بولا ''تمہاری باتوں نے مجھے متاثر کیا ہے۔ میں تمہارے مذہب کو غلط سمجھتا رہا ہوں۔''

''ارے میں تو عام سا، بہت گناگار آدمی ہوں...... بے عمل! تم کسی حقیقی مسلمان کو دیکھ لو تو اس کا ایمان تمہیں ہلا کر رکھ دے گا۔''

''اچھا...... اب یہاں سے چلو۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔''

..................☆..................

ریسٹورنٹ میں انہوں نے کھانا کھایا۔ کافی پینے کے دوران حنیف کی نظر اس کپڑے پر پڑی، جس میں خنجر لپٹے ہوئے تھے۔ ''ارے...... تم انہیں ساتھ لے آئے؟''

''ہاں...... بے دھیانی میں لے آیا۔''

''ذرا مجھے دکھاؤ۔''

رابرٹ نے کپڑا اس کی طرف بڑھایا۔ حنیف نے کپڑا کھول کر خنجروں کا معائنہ کیا اور ستائشی لہجے میں بولا ''نوادرات میں سے لگتے ہیں۔ میرا خیال ہے، یہ بہت پرانے اور بے حد قیمتی ہیں۔''

''بیوگن ہیگن کے کہنے کے مطابق یہ روحانی اعتبار سے بہت قیمتی ہیں۔''

''وہ چاہتا ہے کہ تم ان کی مدد سے اسے ختم کرو۔''

اچانک ہی رابرٹ ڈپریس نظر آنے لگا۔ ''ہاں...... مگر میں ایک بچے کی جان نہیں لے سکتا۔ میں ایسا آدمی نہیں ہوں۔''

''میرا مشورہ ہے کہ اس بیوگن ہیگن کی بات پر عمل کرو۔''

وہ باہر نکل آئے۔ اب وہ اس سڑک پر تھے، جس پر تعمیرات کا سلسلہ چل رہا تھا۔ وہاں متعدد بڑی بڑی کرینیں حرکت میں تھیں۔

''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' حنیف نے پوچھا۔

''میں یہ کام ہرگز نہیں کروں گا۔'' رابرٹ نے غصے سے کہا۔ اور بالکل اچانک اس نے کپڑے میں لپٹے ہوئے ان خنجروں کو دور اچھال دیا۔ وہ ایک دیوار سے ٹکرائے اور اچھلتے ہوئے ایک گلی میں جا گرے۔

حنیف نے رابرٹ کی شعلے اگلتی آنکھوں میں دیکھا۔ ''تم نہیں کرو گے تو پھر یہ کام میں کروں گا۔'' اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔ یہ کہہ کر وہ گلی کی طرف مڑا۔

''حنیف......'' رابرٹ نے اسے پکارا۔

''یس سر۔''

''میں اب تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ میں اس پورے معاملے سے اپنا تعلق مکمل طور پر ختم کر رہا ہوں۔''

''تمہاری مرضی۔'' حنیف نے بے پروائی سے کہا۔

اس نے قدم بڑھائے اور گلی میں داخل ہوگیا۔ وہ کپڑے میں لپٹے ہوئے خنجروں کو تلاش کر رہا تھا۔ آواز سے اندازہ ہوا تھا کہ خنجروں کی پیکنگ نہیں کھلی ہے۔ اس نے زمین پر دیکھا، جہاں تعمیراتی کنکروں کا ڈھیر لگا تھا۔ بالآخر اسے کچھ فاصلے پر وہ پیکنگ نظر آگئی۔ وہ اس کی طرف بڑھا۔

رابرٹ اپنی جگہ رک کر حنیف کو دیکھ رہا تھا۔ حنیف کے سر کے عین اوپر ایک کرین بہت بھاری شیشے کا بہت بڑا پیس اٹھائے حرکت کر رہی تھی۔ اچانک وہ جیسے بے قابو ہوگئی۔ شیشہ ادھر ادھر لہرایا۔ پھر رابرٹ نے کرین کا آہنی ہاتھ خود بہ خود کھلتے دیکھا اور شیشہ حنیف کے سر پر گرنے لگا۔

''حنیف، بچو...... اوپر دیکھو۔'' رابرٹ حلق کے بل چلایا۔

حنیف نے پہلے پلٹ کر اسے دیکھا۔ پھر اوپر دیکھا۔ اس دوران بلندی سے دھار کے بل گرتا ہوا شیشہ فاصلہ کافی کم کر چکا تھا۔ اس کے ہوا کو کاٹنے کی وجہ سے خوف ناک سنسناہٹ سنائی دے رہی تھی۔

حنیف بت بن کر رہ گیا۔ بچنے کی مہلت تھی نہ گنجائش۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اور بلند آواز میں کلمہ پڑھنے لگا۔ چلو...... مسلمان بن کر جی نہ سکے تو مسلمان بن کر مر تو لیں...... وہ سوچ رہا تھا۔ اسی لمحے اسے جھٹکا سا لگا۔ جھٹکا یا دھکا!

رابرٹ نے حنیف کو آنکھیں موندتے دیکھا اور کلمہ پڑھتے سنا۔ گلوٹین کی طرح گرتے ہوئے شیشے کی رفتار بہت تیز تھی۔ اور اس کا ہدف حنیف کی گردن تھی۔ یہ طے تھا کہ حنیف کا سر کٹ کر علیحدہ ہو جائے گا۔

شیشہ ساکت و صامت حنیف کی گردن سے ٹکرانے ہی والا تھا کہ رابرٹ نے گھبرا کر آنکھیں بند کرلیں۔

شیشہ ٹوٹنے کی خوف ناک آواز سنائی دی...... پھر لوگوں کا شور۔ رابرٹ نے آنکھیں کھولیں تو حنیف اسے ایک طرف پڑا نظر آیا۔ اس کا سر تو نہیں کٹا تھا۔ لیکن وہ بے حس و حرکت تھا...... مر چکا تھا۔

لوگ حنیف پر جھک کر اسے ہلا جلا رہے تھے۔

پھر ایک حیرت انگیز بات ہوئی۔ حنیف اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر رابرٹ اس کی طرف لپکا۔ ''کیا ہوا...... تم ٹھیک تو ہو؟''

''پتا نہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ میں مر چکا ہوں۔'' حنیف کی آواز اس کے جسم سے زیادہ لرز رہی تھی۔ خنجروں کی پیکنگ اس کے ہاتھ میں تھی۔

''قسمت اچھی تھی کہ بچ گیا۔'' کسی نے تبصرہ کیا۔

''مگر یہ ہوا کیسے؟'' ایک اور تماشائی نے پوچھا۔ ''آنکڑا کیسے کھل گیا؟''

''کرین آپریٹر سے پوچھو۔''

''مگر یہ تو خودکار کرین ہے۔'' ایک اور بولا۔

''تو پھر آنکڑا کیسے کھل گیا؟''

''خودکار مشینوں میں یہ خرابی تو ہوتی ہے۔ کبھی کبھی خود مختار ہو جاتی ہیں۔''

رابرٹ نے سہارا دے کر حنیف کو اٹھایا اور چلتے ہوئے بھی اسے سہارا دیتا رہا۔ ان کا رخ ریسٹورنٹ کی طرف تھا۔

ریسٹورنٹ میں کافی کے چند گھونٹ پینے کے بعد حنیف کے اوسان قدرے بحال ہوئے۔ ''میں حیران ہوں، تم بچ کیسے گئے؟'' رابرٹ نے کہا۔

''میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ تم نے میری جان بچائی ہے۔''

''میں نے! کیا مطلب؟''

''تم ہی نے تو مجھے دھکا دیا تھا۔''

''کیا کہہ رہے ہو۔ میں نے تمہیں آواز دے کر خبردار کیا۔ تم نے مجھے دیکھا، پھر اوپر دیکھا اور ساکت ہوگئے۔ شیشہ تمہاری گردن سے ٹکرانے ہی والا تھا کہ میں نے گھبرا کر آنکھیں بند کرلیں۔ اس سے پہلے کا پورا منظر میں نے دیکھا تھا۔''

حنیف اب اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ ''تو پھر مجھے دھکا کس نے دیا؟''

''دھکا کون دیتا۔ گلی میں کوئی تھا ہی نہیں۔''

''تو پھر؟'' حنیف سوچنے لگا۔ پھر اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ ''میں نے کہا تھا نا کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی کسی کو مار نہیں سکتا۔ مارنے والے سے طاقت ور ہاتھ بچانے والے کا ہے۔''

''ٹھیک کہتے ہو۔'' رابرٹ نے گہری سانس لی۔ ''اور یہ سو فی صد شیطانی قوتوں کا کھیل تھا، خودکار کرین کا آنکڑا مال منزل پر پہنچانے سے پہلے خود بہ خود کیسے کھل گیا۔

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''مگر تم نے تو یہ پھینک دیئے تھے۔ اور انہیں لانے کے چکر میں ہی میں مرتے مرتے بچا ہوں۔ اور میں اپنی بات پر قائم ہوں۔ تم یہ کام نہیں کرو گے تو میں کروں گا۔''

''اب جب تک اپنا یہ فرض پورا نہ کرلوں، میں تمہاری صورت نہیں دیکھوں گا۔''

''تم اسے قتل کرو گے؟''

''ہاں۔''

''یہ تبدیلی کیسے آئی؟''

''میں نے شیطان پر تمہارا حملہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میرا خیال ہے، اس کا اگلا ہدف میں ہوں گا۔ اس سے پہلے میں یہ کام کرلینا چاہتا ہوں۔ لاؤ...... یہ مجھے دے دو۔'' حنیف نے پیکینگ اس کی طرف بڑھادی۔

..................☆..................

لندن واپسی کی فلائٹ آٹھ گھنٹے کی تھی۔ رابرٹ تھورن ساکت بیٹھا تھا۔ اس کا دماغ سن ہو رہا تھا۔ ذہن میں کوئی خیال تھا نہ کوئی خوف، نہ کوئی دکھ اور نہ ہی کوئی الجھن۔ بس یہ غیر شعوری اور احساس زندہ تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

وہ حنیف کی باتوں کو ذہن میں دہرا رہا تھا۔ موت اللہ کا حکم ہے۔ وقت مقرر ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ وقت نہیں آیا ہے تو کوئی مار نہیں سکتا۔ اور یہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ حنیف یقینی موت سے بچ نکلا تھا۔ وہ آنکھیں بند کئے شیشہ گرنے کا منتظر تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ کسی نے اسے دھکا دے دیا تھا، مگر رابرٹ نے خود دیکھا تھا۔ گلی سنسان تھی۔ وہاں حنیف کو دھکا دینے والا کوئی نہیں تھا۔ تو وہ دھکا دینے والا ہاتھ بچانے والے کا تھا...... خدا کا ہاتھ۔ اور وہ شیطان کا ہاتھ تھا، جس نے خود کار کرین کا آنکڑا کھول دیا تھا۔ لیکن خدا کے ہاتھ کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ ناکام ہوگیا تھا۔ تو شیطان سے صرف خدا بچا سکتا ہے...... خدا پر ایمان!

اس کی سوچ کا رخ بدلا۔ وہائٹ ہاؤس شیطان کے چیلوں کے قبضے میں ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی طاقت شیطان کے ہاتھوں میں ہے۔ یہودی عیسائیوں کو استعمال کررہے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ کام خود نہیں کرتے۔ ان کی افرادی قوت کم ہے اور اس میں اضافہ بھی برائے نام ہوتا ہے۔ وہ اپنا ایک آدمی بھی نہیں گنوانا چاہتے۔ چناں چہ وہ یہ کام عیسائیوں سے لے رہے ہیں۔ انہوں نے مسیح کی نبوت کو قبول نہیں کیا تھا۔ ان کے خلاف سازشیں کیں، انہیں اذیتیں دیں اور ان کی موت کا سامان کیا۔ اور اب وہ اسی مسیح کے ماننے والوں کو خدا کے بندوں کے خلاف استعمال کررہے ہیں عیسائی بے وقوف بن رہے ہیں اس سلسلے کو روکنا ہوگا۔ مگر کیسے؟

اس نے سوچا، جب وہ صدر کی حیثیت سے وہائٹ ہاؤس میں جائے گا تو پالیسیوں میں تبدیلی لائے گا۔ یہ سوچتے ہوئے پہلی بار وہ خوف زدہ ہوا۔ اگر خدا کی مرضی یہی ہے کہ وائٹ ہاؤس شیطان کی طاقت کا مرکز بنے تو وہ کچھ نہیں کرسکتا۔ بلکہ اس ارادے کی وجہ سے شیطانی قوتیں اسے راستے سے ہٹانے کی کوشش کریں گی۔ اور اگر خدا کی مرضی اسے بچانے کی نہ ہوئی تو وہ کامیاب ہوجائیں گی۔

اس نے خوف کو ذہن سے جھٹک دیا۔ جو خدا کی مرضی۔ وہ کچھ نہیں کرسکتا۔ بس جب تک زندہ ہے، کچھ اچھا کرنے کی کوشش کرسکتا ہے۔ امریکی عوام کو بے وقوف بنانے کے عمل کو روکنے کی کوشش کرسکتا ہے۔ کیسا المیہ ہے کہ دنیا کی سب سے مستحکم جمہوریت، سب سے بڑی طاقت ایک کمزور اور سازشی اقلیت کے ہاتھوں کھلونا بنی ہوئی ہے۔ امریکی کتنے مظلوم ہیں......!

اس کی سوچوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ جہاز لینڈ کررہا تھا۔

لندن ایئرپورٹ پر ایئر ہوسٹس نے خنجروں والی پیکنگ اسے واپس لی۔ اینٹی ہائی جیکنگ حفاظتی تدابیر کی وجہ سے پیکنگ پرواز کے دوران اس سے لے لی گئی تھی۔

''یہ بہت خوب صورت خنجر ہیں۔'' ایئر ہوسٹس نے کہا۔ ''کہاں سے خریدے آپ نے؟''

''یہ مجھے کسی نے تحفے میں دیئے ہیں۔'' رابرٹ نے پیکنگ کو جیکٹ کی اندرونی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ پھر وہ ٹرمینل میں داخل ہوگیا، جو کہ تقریباً خالی تھا۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ رن ویز پر روشنی کی کمی کی وجہ سے اس کی فلائٹ آخری تھی، جسے لینڈنگ کی اجازت دی گئی تھی۔

باہر پورا شہر دھند کی لپیٹ میں تھا۔ پیری فورڈ جانے کے نام پر ٹیکسی ڈرائیوروں کے منہ اتر گئے۔ رابرٹ کے لئے اس طرح لندن واپس آنا ایک نیا تجربہ تھا۔ ہمیشہ کے برعکس کوئی گاڑی لے کر اسے ریسیو کرنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ ورنہ یہ کام ہورٹن کے ذمے تھا۔ اور گھر پر کیتھی ہونٹوں پر خیر مقدمی مسکراہٹ سجائے اس کی منتظر ہوتی تھی۔ اب ایسا کچھ نہیں تھا تو گھر جانے کے خیال سے اسے وحشت ہورہی تھی۔

ٹیکسی والوں کے انکار پر اس نے پرائیویٹ لیموزین سروس کو فون کرکے گاڑی طلب کی اور کھڑا ہو کر گاڑی کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ تنہائی کا شدید احساس اس کے رگ وپے میں دوڑ رہا تھا اور سردی اس کی ہڈیوں میں اتری جارہی تھی۔

گاڑی آئی اور وہ اس میں بیٹھ گیا۔ دھند ایسی تھی کہ ایک گز آگے دیکھنا بھی مشکل تھا، گاڑی چیونٹی کی رفتار سے چل رہی تھی۔ اور کیونکہ باہر کچھ نظر نہیں آرہا تھا، اس لئے بار بار یہ احساس ہوتا تھا کہ گاڑی چل نہیں رہی ہے، ساکت ہے۔

ایسے میں آدمی سوچنے کے سوا کیا کرسکتا ہے، مگر رابرٹ تھورن سوچنا نہیں چاہتا تھا، مستقبل تو اس کے لمحے کی طرح دھند میں لپٹا ہوا تھا۔ ماضی ختم ہوچکا تھا۔ بس جو کچھ تھا، یہ لمحہ تھا، جس میں وہ اس وقت زندہ تھا۔

اس وقت اسے پیری فورڈ کے آثار نظر آئے۔ وہاں بھی دھند چھائی ہوئی تھی۔ رابرٹ نے اپنا سامان رہائشی عمارت کے سامنے ڈرائیو وے میں رکھا۔ ہر طرف خاموشی اور اندھیرا تھا۔ کار کے جانے کے بعد بھی چند منٹ تک وہ وہیں کھڑا رہا۔ وہ مکان کو دیکھے جارہا تھا۔ یہ وہ جگہ تھی، جہاں کبھی اس کے محبت کرنے والے موجود ہوتے تھے...... وہ لوگ جن سے وہ بھی محبت کرتا تھا۔ اس وقت اندر نہ کوئی روشنی تھی نہ آواز۔

رابرٹ کے تصور میں وہ واقعات پھرنے لگے، جو یہاں رونما ہوچکے تھے۔ اس نے گارڈن میں کیتھرین کو دیکھا، جو اپنے بچے سے کھیل رہی تھی۔ جیسا انہیں دیکھ کر بے ساختہ ہنس رہی تھی۔ برآمدے میں بہت سارے لوگ تھے اور قہقہوں کی آوازیں تھیں۔ ڈرائیو وے میں دولت مشترکہ کے اہم ترین لوگوں کی لیموزین گاڑیاں کھڑی تھیں۔

پھر ایک دم تصور ٹوٹ گیا۔ وہاں اس کی دھڑکنوں کے سوا کوئی آواز نہیں تھی اور رگوں میں خون کی گردش کے احساس کے سوا کوئی احساس نہیں تھا۔ اب یہ جگہ ایک قبرستان تھی...... یادوں کا قبرستان!

اپنا حوصلہ مجتمع کرکے وہ داخلی دروازے کی طرف بڑھا اور ٹھٹھرے ہوئے ہاتھ میں چابی تھام کر اسے کی ہول میں ڈالا۔ عقب سے اسے آہٹ سی سنائی دی۔ اس آواز میں متحرک تھا، جیسے کوئی تیز رفتاری سے اس کی طرف دوڑ رہا ہو۔ اور وہ آواز پیری فورڈ سے متصل جنگل کی طرف سے آرہی تھی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

رابرٹ کی سانسیں تیز ہوگئیں۔ اس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا، اس نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ کوئی اس کے پیچھے آیا ہے۔ مگر جب اس نے کھڑکی کے شیشے سے جھانکا تو اسے دھند کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ لمحاتی خوف اس کے تخیل کا پیدا کردہ تھا۔ اس نے سوچا کہ اسے اپنے اس رجحان سے لڑنا ہوگا۔

دروازے کا بولٹ چڑھا کر وہ ایک لمحہ تاریکی میں کھڑا اندر کی سن گن لیتا رہا، مکان میں ہیٹنگ سسٹم آن تھا۔ بڑے کلاک کی ٹک ٹک کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

وہ مرسڈیز کی طرف بڑھا۔ اس نے دروازہ کھولا اور اگنیشن میں چابی لگائی۔ فیول ٹینک چوتھائی بھرا تھا، یعنی لندن تک پہنچنے کے لئے کافی تھا۔ اس نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا اور چابی بھی اگنیشن میں لگی رہنے دی۔ اس نے گیراج کے آٹو میٹک دروازے کو کھولنے کے لئے سوئچ آن کیا۔ دروازہ کھلا۔ سامنے ڈرائیو وے نظر آرہا تھا، دھند گیراج میں گھسنے لگی۔

اس لمحے اس نے پھر وہ متحرک بھری آواز سنی۔ اس نے سوئچ آف کرکے دروازہ بند کیا اور کان لگا کر سننے کی کوشش کی۔ لیکن کوئی آواز نہیں تھی۔ شاید وہ بھی اس کے تخیل کا کمال تھا۔ وہ کچن میں آیا اور اس نے لائٹ آن کی۔ گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ وہاں سب کچھ معمول کے مطابق ہے، جیسے کہیں کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہی نہ ہو۔ اسٹوو پر بہت دھیمی آنچ میں دلیہ پکنے کیلئے رکھا گیا تھا...... شاید ڈیمین کے ناشتے کے لئے۔ وہاں سب کچھ اتنا نارمل تھا کہ رابرٹ دہل کر رہ گیا۔ کم از کم اسے وہ سب کچھ بہت غیر حقیقی لگ رہا تھا۔

وہ کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔ اس نے جیکٹ کی جیب سے پیکنگ نکالی۔ اسے کھول کر اس نے خنجر کاؤنٹر پر رکھے اور ان کا جائزہ لیا۔ اس ساتوں خنجروں کو دیکھ کر لگتا تھا کہ ان کی دھار حال ہی میں تیز کی گئی ہے۔ ہر خنجر کے پھل میں اسے اپنے چہرے کے ایک حصے کا عکس نظر آرہا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں دیکھیں۔ ان میں وحشت اور عجیب سا پھیکا پن تھا۔ وہ زندگی کی معمولی سی رمق سے بھی محروم تھیں۔

مگر ان خنجروں کا معائنہ کرتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ اسے پسینہ آرہا ہے۔ اچانک اسے اپنی ٹانگوں میں کمزوری محسوس ہونے لگی۔ کمزوری کے اس احساس سے لڑتے ہوئے اس نے کانپتے ہاتھوں سے خنجروں کو دوبارہ کپڑے میں لپیٹ دیا۔ پیکنگ کو اس نے دوبارہ جیکٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔

وہ پینٹری میں داخل ہوا۔ وہاں ایک تنگ چوبی زینہ تھا۔ اوپر ایک بلب روشن تھا۔ وہ جھک کر چڑھنے لگا۔ تاکہ اس کا سر اس بلب سے نہ ٹکرائے۔ وہ زینہ نوکروں کے استعمال کے لئے تھا۔ اس نے اس زینے کو پہلے صرف ایک بار استعمال کیا تھا۔ وہ بھی ڈیمین کے ساتھ چور سپاہی کھیلتے ہوئے۔ اسے یاد تھا کہ اس موقع پر اسے احساس ہوا تھا کہ وائر سے لٹکا ہوا وہ بلب ڈیمین کے لئے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ کہیں وہ ہاتھ اٹھا کر اس تار کو چھولے تو......! اس نے فیصلہ کیا تھا کہ یہاں باقاعدہ وائرنگ کرائے گا۔

اس پرانے مکان میں ایسی کئی چیزیں اسے خطرناک لگتی تھیں۔ ان میں اوپری منزل کی کھڑکیاں بھی تھیں، جو بہت آسانی سے کھل جاتی تھیں۔ کچھ بالکونیاں تھیں جو جھولتی تھیں۔ ان کی ریلنگ کو مرمت کی ضرورت تھی۔

اس تنگ زینے پر بڑھتے ہوئے اسے ایسا لگ رہا تھا کہ یہ کوئی خواب ہے اور ابھی کسی بھی لمحے ساتھ لیٹی ہوئی کیتھرین اسے جگا دے گی۔ اور پھر وہ اسے بتائے گا کہ اس کا تخیل کیا کیا کمالات دکھا رہا ہے۔ وہ اسے تسلی دے گی اور اپنے لمس سے اس کی پریشانی اور وحشت دور کردے گی۔ پھر ڈیمین کمرے میں آئے گا۔ اس کے تازہ گلابی چہرے پر خوشی کی چمک ہوگی۔

وہ پہلی منزل کی لینڈنگ پر پہنچ گیا۔ اس نے تاریک ہال میں قدم رکھا۔ اب وہ پھر یروشلم والی بے چینی اور بے یقینی محسوس کر رہا تھا۔ وہ دل میں دعا کرنے لگا کہ وہ ڈیمین کے کمرے میں جائے تو اس کا کمرا خالی ہو۔ وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔ مکان میں ایسی خاموشی اور اندھیرا ہے۔ کاش مسز بے لاک ڈیمین کو لے کر کہیں چلی گئی ہو۔

لیکن نہیں۔ اسے ان کی سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ موجود تھے۔ اس کے دل کی دھڑکنیں بے ربط اور سانسیں ناہموار ہونے لگیں۔ وہ دونوں سو رہے تھے مسز بے لاک کے خراٹوں کی آواز صاف طور پر سنائی دے رہی تھی۔

وہ دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا اور وہ آوازیں سنتا رہا۔ پھر وہ دبے قدموں اپنے کمرے میں گیا اور لائٹ آن کردی۔

اس کا بستر صاف ستھرا اور بے شکن تھا، جیسے یہاں اس کی آمد کی توقع کی جارہی تھی۔ وہ بستر پر بیٹھ گیا۔ اس کی نظر نائٹ ٹیبل پر رکھی اپنی اور کیتھرین کی فریم شدہ تصویر پر پڑی۔ وہ دونوں کتنے جوان، زندگی سے کتنے لبریز نظر آرہے تھے۔

وہ بستر پر لیٹا۔ اسے احساس بھی نہیں ہوا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے ہیں آنسو اس کے رخساروں پر پھسلتے، بہتے رہے۔ نیچے کلاک نے دو بجائے۔ وہ اٹھا اور باتھ روم میں چلا گیا۔ اس نے لائٹ آن کی اور دہل کر رہ گیا۔

کیتھرین کا باتھ روم تلپٹ ہو رہا تھا۔ اس کے میک اپ کی چیزیں چاروں طرف بکھری ہوئی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ وہاں چند جنونیوں نے عالم وحشت میں کوئی جشن منایا ہے۔ پاؤڈر کے جار اور فیس کریم کی شیشیاں فرش پر ٹوٹی پڑی تھیں۔ فرش کے ٹائل رنگ رنگ کی لپ اسٹک سے لتھڑے ہوئے تھے۔ ٹوائلٹ میں ہیئر برش اور کرلز یوں پھنسے ہوئے تھے۔ جیسے کسی نے انہیں گٹر میں بہا دینے کی کوشش کی ہو۔ وہ پورا منظر زبردست جنون آمیز اشتعال کا مظہر تھا۔ رابرٹ کسی بھی طرح اس سے نظر نہیں چرا سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ جس کا بھی کام ہے، اس سے کرنے والے کی کیتھرین سے شدید نفرت ظاہر ہو رہی ہے۔ اور یہ کام کرنے والا کوئی بچہ نہیں ہوسکتا۔ جار جس وقت سے فرش پر ٹپکے گئے تھے، ان کی چیزیں دور دور تک دھبے ڈال گئی تھیں۔ وہ کسی بڑے کی قوت تھی۔ بلکہ درحقیقت کوئی جنونی، کوئی دیوانہ ہی یہ سب کچھ کرسکتا تھا۔ ایسا جنونی، ایسا دیوانہ جو اندر ہی اندر نفرت سے پھنک رہا ہو۔

وہ منظر دیکھ کر رابرٹ سن ہو کر رہ گیا تھا۔ اس نے ٹوٹے ہوئے آئینے میں اپنے ٹوٹے پڑے عکس کو دیکھا۔ اس بکھرے ہوئے عکس میں بھی اس کے چہرے پر سختی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر دراز کھولی، لیکن اس کی مطلوب چیز وہاں موجود نہیں تھی۔ پھر اس نے کیبنٹ کھولی اور اسے ٹٹولنے لگا۔ بالآخر اس کی انگلیاں مطلوبہ چیز سے ٹکرائیں۔ اس نے اسے نکال لیا۔ وہ الیکٹرک ریزر تھا۔ اس کا ننھا سا سوئچ اے سی پر منتقل کیا اور اسے آن کیا۔ ریزر کی گنگناہٹ سنائی دینے لگی۔ اس نے اسے آف کردیا۔

اسی لمحے اسے آواز سنائی دی...... کوئی آہٹ، آہٹ کی وہ آواز اوپری منزل پر محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کان لگائے سنتا رہا۔ بالآخر آواز معدوم ہوگئی۔ وہ پھر بھی کان لگائے رہا۔ وہ سانس بھی بہت آہستہ لے رہا تھا۔ لیکن وہ آہٹ دوبارہ نہیں سنائی دی۔

اس کے اوپری ہونٹ پر پسینے کے قطرے ابھر آئے تھے۔ اس نے انہیں پونچھ دیا۔ اسے احساس تھا کہ اس کے ہاتھ میں لرزش ہے۔

وہ باتھ روم سے نکل آیا۔ کمرے سے نکل کر اس نے تاریک ہال میں ادھر ادھر دیکھا۔ وہ آگے بڑھنے لگا۔ چوبی فرش اس کے قدموں تلے چرچرا رہا تھا۔ ڈیمین کے کمرے سے پہلے مسز بے لاک کا کمرا تھا۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ رابرٹ نے اندر دیکھا۔ مسز بے لاک سیدھی لیٹی تھی، اس کا ایک ہاتھ نیچے لٹکا ہوا تھا۔ اس کے ناخن پر خون جیسی سرخ نیل پالش لگی تھی۔ اس کے چہرے پر بہت زیادہ اور بہت بھدا میک تھا۔ ہونٹ لپ اسٹک سے اور چہرہ پاؤڈر سے بری طرح لتھڑا ہوا تھا۔ اس میں روژ اور آئی شیڈر کا اضافہ بھی تھا۔ رابرٹ ایک بار پہلے بھی اسے اسی حال میں سوتے دیکھ چکا تھا۔ اس وقت بھی اسے خیال آیا تھا کہ ایسا میک اپ گھٹیا بازاری عورتیں ہی کرتی ہیں۔

وہ خراٹے لے رہی تھی۔ اس کا پیٹ کسی متحرک پہاڑ کی طرح نظر آرہا تھا۔

رابرٹ نے دروازے کو بند کردیا۔ اس کے ہاتھ میں اب بھی لرزش تھی۔ وہ دبے قدموں آگے بڑھا، دوسرا دروازہ بھی تھوڑا سا کھلا تھا۔ رابرٹ نے اسے دھکیل کر کھولا۔ اندر داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کیا اور اس سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا۔ اب وہ اپنے لے پالک بیٹے کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے معصوم چہرے پر سکون تھا۔ رابرٹ نے اپنی نظریں ہٹالیں۔ وہ اس کے چہرے کو دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس بچے کو اس نے اپنے بیٹے کی طرح پالا تھا اور وہ اسے اپنا بیٹا ہی سمجھتا تھا۔

مٹھی میں ریزر دبائے وہ آگے بڑھا اور بچے کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اس نے ریزر کو آن کیا۔ سناٹے میں ریزر کی گنگناہٹ بہت بلند آہنگ محسوس ہو رہی تھی۔ بچہ اب بھی بے خبر سو رہا تھا۔ رابرٹ بچے پر جھکا اور اس نے ریزر بچے کی پیشانی پر رکھا۔ بچے کے کچھ بال فوراً ہی صاف ہو کر گر گئے۔ یہ دیکھ کر رابرٹ کو جھٹکا لگا کہ اتنے سے بال کٹنے پر بچہ بدہیئت لگنے لگا ہے۔

اس نے ریزر دوبارہ استعمال کیا۔ کھوپڑی کا ایک اور حصہ بالوں سے پاک ہوگیا۔ بال تکیے پر بکھر گئے۔ بچے کے حلق سے کراہ سی نکلی اور وہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ ہیجان سے لرزتے ہوئے رابرٹ نے ریزر کو پھر استعمال کیا۔ بچے کی پلکیں تھرتھرائیں اور اس نے کروٹ بدلنے کی کوشش کی۔ اس کی نیند اچٹ گئی تھی اور وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

رابرٹ نے پریشان ہو کر اس کے سر کو تکیے پر دبایا۔ بچے نے زور لگا کر اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن رابرٹ نے اسے دبائے رکھا اور ریزر پھر استعمال کیا، کھوپڑی کا ایک اور حصہ صاف ہوگیا۔

بچہ اب بری طرح ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔ وہ دہشت زدہ تھا اور اس کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخیں نکل رہی تھیں۔ رابرٹ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے دوبارہ ریزر استعمال کیا۔ سامنے کا سر تقریباً صاف ہو چکا تھا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اب ریزر کھوپڑی کے عقبی حصے پر چل رہا تھا۔ اچانک...... بالکل اچانک وہ برتھ مارک نمایاں ہوگیا۔ وہ چھ کے تین ہندسے تھے...... 666۔ رابرٹ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔

بچہ آزادی کا احساس ہوتے ہی اچھلا۔ اس نے گہری گہری سانسیں لے کر اپنے تنفس کو بحال کیا اور خوف زدہ نظروں سے رابرٹ کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرا۔ خراشوں سے رستا ہوا خون اس کی انگلیوں پر لگا۔ وہ دہشت بھری نظروں سے اپنی انگلیوں کو دیکھنے لگا۔ پھر بالکل اچانک وہ چیخا اور اس نے رابرٹ کی طرف ہاتھ پھیلائے، جیسے اس کی گود میں سما جانا چاہتا ہو۔ وہ بلک بلک کر رو رہا تھا۔

بچے کی آنکھوں میں جو خوف تھا، اس نے رابرٹ کو ہلا کر رکھ دیا۔ لیکن وہ بچے کو تسلی نہیں دے سکتا تھا۔ ''ڈیمین......'' اس کے منہ سے سسکتی ہوئی آواز نکلی۔

اسی لمحے دروازہ دھماکے سے کھلا اور مسز بے لاک طوفان کی طرح داخل ہوئی۔ اس کے حلق سے خوف ناک آوازیں نکل رہی تھیں۔ اپنے اس بھدے میک اپ میں اس کیفیت میں وہ بہت بھیانک لگ رہی تھی۔

رابرٹ نے بچے کو تھاما۔ اسی وقت مسز بے لاک اس سے ٹکرائی۔ رابرٹ فرش پر جا گرا۔ ڈیمین بری طرح چلا رہا تھا۔ وہ اٹھ کر بیڈ کی طرف بھاگا۔

رابرٹ نے قلابازی کھائی۔ مسز بے لاک اس کا چہرہ نوچنے اور آنکھیں پھوڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اب بھی اس کے اوپر تھی۔ رابرٹ نے اسے کئی گھونسے مارے، لیکن وہ تو گوشت کا پہاڑ تھی اور وہ اس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔ رابرٹ کو اپنی آنکھیں حلقوں سے ابلتی محسوس ہوئیں۔ اس نے اسے دھکیل کر ہٹانے کی کوشش کی۔ لیکن مسز بے لاک نے اس کے ہاتھ میں دانت گاڑ دیئے۔

اس کی اس کشمکش کے نتیجے میں بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ دھماکے سے نیچے آن گرا۔ رابرٹ نے تیزی سے لیمپ اٹھایا اور پوری قوت سے مسز بے لاک کے سر پر دے مارا۔ مسز بے لاک کی آنکھوں میں دھندلاہٹ نظر آئی۔ وہ چکراتے ہوئے پیچھے ہٹی۔ رابرٹ نے لیمپ کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا اٹھا کر اس پر دوبارہ وار کیا۔ مسز بے لاک کے سر سے بہنے والا خون اس کے پاؤڈر تھپے چہرے پر ٹھوڑی تک لکیریں بنا رہا تھا۔ لیکن ابھی اس میں جان تھی۔ وہ اب بھی رابرٹ کو دبوچنے کے لئے ہاتھ بڑھا رہی تھی۔

رابرٹ نے تیسرا وار کیا تو وہ ڈھیر ہوگئی۔ رابرٹ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور بچے کی طرف بڑھا، جس کی آنکھیں دہشت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ رابرٹ نے اسے گود میں اٹھایا اور کھلے دروازے سے ہال میں نکل آیا۔

وہ عقبی زینے پر آیا اور دروازہ بند کر لیا۔ ڈیمین نے ایک ہاتھ سے دروازے کی ناب تھام لی تھی اور دوسرے سے دروازے کو بری طرح پیٹ رہا تھا۔ رابرٹ نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ ہٹایا اور سیڑھیوں سے اترنے لگا۔ ڈیمین اب اس کا منہ نوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک بار تو وہ سیڑھیوں سے گرتے گرتے بچے۔

سیڑھیوں کے درمیان ڈیمین نے جھولتے ہوئے بلب کے تار کو پکڑ لیا۔ رابرٹ نے اس کا ہاتھ جھٹکا۔ مگر اس سے پہلے بجلی کا شاک ان دونوں کو لگ چکا تھا۔ وہ گرے اور سیڑھیوں پر نیچے لڑھکتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ سیڑھیاں ختم ہوگئیں۔

پینٹری کے فرش پر چاروں ہاتھ پاؤں پر چلتے ہوئے رابرٹ نے خود کو بحال کرنے کی کوشش کی۔ ڈیمین اس کے قریب ہی بے ہوش پڑا تھا۔ اس نے اسے اٹھانے کی کوشش کی، لیکن شاک نے اس کے جسم کو جام کر دیا تھا۔ اس سے بچے کو اٹھایا نہیں گیا۔

اسی وقت کچن کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے سر گھما کر دیکھا۔ وہ مسز بے لاک تھی۔ خون میں نہائے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔ رابرٹ نے سنبھل کر اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن اس سے پہلے ہی مسز بے لاک نے اس کے کوٹ کا کالر تھام لیا، اب وہ اسے گھما رہی تھی، رابرٹ نے ایک دراز کا ہینڈل تھامنے کی کوشش کی۔ مگر اگلے ہی ثانیے دراز کا ہینڈل اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ دراز کھنچ کر باہر آ گری اور اس میں موجود چیزیں ادھر ادھر بکھر گئیں۔

مسز بے لاک نے اسے اچھال دیا۔ وہ چکراتا ہوا گرا۔ مسز بے لاک جھپٹ کر اس پر آئی۔ اس کے خون آلود ہاتھ اس کے حلق پر جم گئے۔ وہ پورا زور لگا رہی تھی اور رابرٹ بے بس تھا۔ وہ ان وحشت بھری آنکھوں میں جھانک رہا تھا اور ہاتھ ادھر ادھر گھما رہا تھا، جو وہاں بکھرے ہوئے برتنوں سے ٹکرا رہے تھے۔ آخر اس کا ہاتھ کھانے کے کانٹوں سے ٹکرایا۔ اس نے مضبوطی سے کانٹوں کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور پوری قوت سے کانٹوں کو تیز رفتاری سے اوپر کی طرف لایا۔ کانٹے مسز بے لاک کی دونوں کنپٹیوں سے ٹکرائے۔ اس نے چیخ ماری اور الٹ کر پیچھے کی طرف گری۔

رابرٹ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا۔ مسز بے لاک بھی اٹھ رہی تھی۔ کانٹے اس کی کنپٹیوں میں دھنسے ہوئے تھے اور وہ انہیں نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن وہ نکل نہیں رہے تھے۔

رابرٹ نے فرائنگ پین اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا۔ وہ ڈھیر ہوگئی۔

رابرٹ نے بے ہوش بچے کو اٹھایا اور گیراج کے دروازے کی طرف لپکا۔ گیراج میں داخل ہو کر اس نے اپنی مرسڈیز کا دروازہ کھولا۔ وہ گاڑی میں بیٹھ ہی رہا تھا کہ خوف ناک غراہٹ سنائی دی۔ وہ سر گھما ہی رہا تھا کہ سیاہ رنگ کی کوئی شے اڑتی ہوئی آئی اور اس کے کندھے سے ٹکرائی۔ وہ جھٹکے سے پہلو کے بل کار میں گرا۔

وہ کتا تھا...... سیاہ کتا، جو اس کے کوٹ کی آستین تھام کر اسے کار سے کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بچہ برابر والی سیٹ پر موجود تھا۔ رابرٹ نے دروازے کا ہینڈل تھام کر اسے پوری قوت سے اپنی طرف کھینچا۔ کتے کی تھوتھنی دروازے میں آئی۔ خون کا فوارہ چھوٹا اور کتے کے حلق سے تکلیف بھری غراہٹیں نکلنے لگیں۔ کتے نے اپنی تھوتھنی باہر کھینچی اور دروازہ بند ہوگیا۔

اندر کار میں رابرٹ کار کی چابی سے الجھا ہوا تھا اور باہر کتا پاگل ہوا جا رہا تھا۔ وہ کار کے ہڈ پر چڑھ کر ونڈ شیلڈ پر پوری طاقت سے ٹکریں مار رہا تھا۔ اس کی ہر ٹکر پر ونڈ شیلڈ کا شیشہ لرز کر رہ جاتا تھا۔

رابرٹ کا ہاتھ چابی سے ٹکرایا۔ مگر اسی لمحے چابی اگنیشن سے نکل کر نیچے گر گئی۔ وہ جھک کر اسے تلاش کرنے لگا۔ کتا ونڈ شیلڈ کو توڑنے کی کوشش میں لگا تھا۔ ادھر ڈیمین کے حلق سے کراہیں نکلنے لگیں۔ اب وہ کسمسا بھی رہا تھا۔

رابرٹ کو چابی ملی۔ اس نے چابی اگنیشن میں لگائی۔ مگر اسی لمحے اس کی نظر ونڈ شیلڈ پر پڑی اور وہ دہل کر رہ گیا۔ مسز بے لاک اب بھی زندہ تھی۔ اس کے ہاتھ میں ہتھوڑا تھا اور وہ اپنی رہی سہی توانائی کام میں لاتے ہوئے کار کی طرف جھپٹ رہی تھی۔

رابرٹ نے چابی گھمائی۔ کار اسٹارٹ ہوئی۔ مگر اسی لمحے ہتھوڑا حرکت میں آ چکا تھا۔

ہتھوڑا ونڈ شیلڈ سے ٹکرایا۔ ونڈ شیلڈ میں خاصا بڑا سوراخ نمودار ہوگیا۔ اسی لمحے اس سوراخ میں سے کتے کی تھوتھنی اندر آئی۔ وہ دانت نکوس رہا تھا اور اس کی رال بہہ رہی تھی، رابرٹ نے اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر خنجر نکالا۔ کتے کی تھوتھنی اس کے ہاتھ سے محض دو انچ کے فاصلے پر تھی۔ اس نے پوری قوت سے خنجر کتے کی دونوں آنکھوں کے درمیان گھونپ دیا۔

خنجر دستے تک اتر گیا تھا۔ کتے کا منہ کھلا۔ اس کے حلق سے خوف ناک، اذیت بھری آواز نکلی، جو کتے سے زیادہ کسی گیدڑ کی آواز لگتی تھی۔ پھر وہ پیچھے ہٹا اور ہڈ سے پھسلتا ہوا نیچے جا گرا۔ اب وہ دو پاؤں پر کھڑا ہو کر اگلے دو پیروں سے پیوست خنجر نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی چیخوں نے گیراج کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

رابرٹ نے ریورس گیئر لگایا اور کلچ پر سے پاؤں ہٹا کر ایکسلیٹر دبایا۔ کار پیچھے ہٹی اور کھڑکی سے لٹکی ہوئی مسز بے لاک اس کے ساتھ گھسٹتی گئی۔ وہ کھڑکی پر ہاتھ مار مار کر سسک رہی تھی۔ ''میرا بچہ...... میرا بچہ......'' پھر وہ کھڑکی کو چھوڑنے پر مجبور ہوگئی۔ وہ ڈرائیو وے کی طرف بھاگی۔

اب کار پوری رفتار سے ڈرائیو وے کی طرف سیدھی چل رہی تھی۔ مسز بے لاک سامنے تھی۔ رابرٹ اسے بچانے کے لئے کار گھما سکتا تھا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اس نے پورا ایکسلیٹر دبا دیا۔ کار مسز بے لاک کو روندتی ہوئی باہر نکل گئی۔

ڈرائیو وے کے آخری حصے میں رابرٹ نے گاڑی روکی اور عقب نما آئینے میں دیکھا۔ مسز بے لاک بے حس و حرکت تھی۔ جبکہ نیچے گرا ہوا کتا اکھڑی اکھڑی سانسیں لے رہا تھا۔ یہ طے تھا کہ اب وہ بچ نہیں سکے گا۔

رابرٹ نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

اب وہ ہائی وے پر تھا۔ ڈیمین اب بھی بے ہوش تھا۔ گاڑی اپنی انتہائی رفتار کی حد کو چھو رہی تھی۔ رابرٹ جلد از جلد لندن پہنچ جانا چاہتا تھا۔ صبح ہونے والی تھی۔ دھند کا پردہ دھیرے دھیرے ہٹ رہا تھا۔ کار سنسان سڑک پر کسی جیٹ طیارے کی طرح گویا اڑ رہی تھی۔

پھر بچے کو ہوش آنے لگا۔ وہ کراہ رہا تھا اور کسمسا رہا تھا۔ رابرٹ نے اپنی توجہ سڑک پر مرکوز کر لی۔ وہ اس بچے کی موجودگی تک سے بے خبر ہو جانا چاہتا تھا۔ ''یہ کوئی انسانی بچہ نہیں''۔ وہ حلق کے بل چلایا۔ ''یہ انسان کا بچہ نہیں ہے''۔

بچہ اب بھی کسمسا رہا تھا۔ ابھی تک اس کی بے ہوشی ختم نہیں ہوئی تھی۔

اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ ویسٹ 10 کا موڑ آ رہا ہے۔ اسپیڈ زیادہ ہونے کی وجہ سے گاڑی نے بڑے خطرناک انداز میں موڑ کاٹا۔ وہ کسی حد تک قابو سے باہر بھی ہوئی۔ اس کے نتیجے میں ڈیمین سیٹ سے پھسل کر کار کے فرش پر جا گرا۔

کار اب آل سینٹس چرچ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ڈیمین چونک کر اٹھ بیٹھا۔ وہ رابرٹ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں معصومیت تھی۔

''میری طرف مت دیکھو''۔ رابرٹ نے کراہتے ہوئے کہا۔

''مجھے تکلیف ہو رہی ہے......'' بچے نے تکلیف سے روتے ہوئے کہا۔

''میری طرف مت دیکھو''۔

بچے نے تابع داری سے نظریں جھکا لیں اور کار کے فرش کو دیکھنے لگا۔ وہ بہت سہما ہوا تھا۔

کار پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ چرچ قریب آ رہا تھا۔ رابرٹ نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ آسمان پر اندھیرا چھا رہا تھا، جیسے دوبارہ رات ہو رہی ہو۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

پھر اسے احساس ہوا کہ وہ ایک بہت بڑا تاریک دھبہ ہے، جو حرکت بھی کر رہا ہے اور اس میں بجلی کے سے جھماکے بھی ہو رہے ہیں اور وہ دھبہ زمین کی طرف لپک رہا ہے، جیسے زمین سے ٹکرا کر ہی رکے گا۔

''ڈیڈی......'' روتے ہوئے ڈیمین نے پھر پکارا۔

''مت پکارو مجھے''۔

''میرا جی متلا رہا ہے ڈیڈی''۔

اسی وقت اسے قے ہوگئی۔ رابرٹ اس کی اذیت بھری آواز سننا نہیں چاہتا تھا۔

اچانک تیز بارش شروع ہوگئی۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ کنکر اڑ کر ونڈ شیلڈ سے ٹکرا رہے تھے۔

اسی لمحے گاڑی چرچ کے سامنے رک گئی!

رابرٹ نے کار کا دروازہ کھولا اور ڈیمین کو اس کے نائٹ سوٹ کے کالر سے تھام کر باہر کھینچا۔ بچہ اب ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔ کئی بار اس کی لات رابرٹ کے پیٹ پر لگی۔ بچے کو کار سے اتارنا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ چرچ دیکھ کر پاگل ہوگیا تھا۔

رابرٹ نے کالر چھوڑ کر اس کی ٹانگ تھامی اور اسے باہر کھینچا۔ مگر وہ اس کی گرفت سے آزاد ہو کر بھاگنے لگا۔ رابرٹ اس کے پیچھے دوڑا اور کالر سے تھام کر اسے نیچے پٹخ دیا۔ اوپر آسمان پر زبردست کڑاکا ہوا اور بجلی کی لکیر سی نیچے لپکی۔ بجلی کار کے بہت قریب گری تھی۔

ڈیمین اب بھی جدوجہد کر رہا تھا۔ رابرٹ اس پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ پھر اسے قابو میں کرنے کے بعد وہ اسے گھسیٹتا ہوا چرچ کی سیڑھیوں پر لے چلا۔

سڑک کے اس پار ایک کھڑکی کھلی۔ ایک آدمی نے جھانکا اور چلانے لگا۔

لیکن رابرٹ کو کچھ ہوش نہیں تھا۔ تیز بارش میں چہرے پر دہشت اور وحشت کا تاثر لئے وہ ڈیمین کو گھسیٹتا ہوا چرچ کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ اچانک ہوا کا ایک غراتا ہوا جھکڑ اس کے چہرے سے ٹکرایا۔ اس کی پیش قدمی رک گئی۔ اس نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے اپنے قدموں کو اکھڑنے سے بچالیا۔ تیز ہوا اس کی راہ میں مزاحم ہو رہی تھی۔ اب وہ رینگنے کے انداز میں بڑھ رہا تھا۔

اچانک ڈیمین اس کی گود میں مچلا اور گھومتے ہوئے اس نے رابرٹ کی گردن پر کاٹ لیا۔ رابرٹ تکلیف سے چلایا۔ لیکن اب اسے سب سے زیادہ فکر چرچ میں داخل ہونے کی تھی۔

تیز ہوا کے شور میں بھی قریب آتی پولیس کار کے سائرن کی آواز واضح طور پر سنائی دی۔ پھر سڑک پار کی کھڑکی سے ایک مردانہ آواز نے چیخ کر کہا۔ او بے رحم......خبیث...... بچے کو چھوڑ دے''۔

لیکن رابرٹ کچھ سننے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ دیوانہ وار نوچتے کھسوٹتے بچے اور تیز ہوا سے لڑتے ہوئے وہ چرچ کے گیٹ کی طرف چڑھ رہا تھا۔ بچے کی انگلی اس کی آنکھ کے ڈھیلے سے ٹکرائی۔ رابرٹ گھٹنوں کے بل گر گیا۔ لیکن ہاتھ پاؤں چلانے کے باوجود رابرٹ نے ڈیمین کو نہیں چھوڑا۔ بجلی کا ایک کوندا اس کی طرف لپکا۔ لیکن غائب ہوگیا۔ شاید اس لئے کہ وہ ڈیمین کے ساتھ چرچ کی دہلیز پر قدم رکھ چکا تھا۔

اس نے ڈیمین کو گھسیٹنے کی کوشش کی، لیکن ناکام رہا۔ اس کی توانائی تیزی سے ختم ہو رہی تھی۔ جبکہ بچے کی توانائی بڑھتی محسوس ہو رہی تھی۔ بچے نے پھر آنکھ کے قریب نوچا۔ ساتھ ہی اس کا گھٹنا رابرٹ کے پیٹ سے ٹکرایا۔ رابرٹ بس اتنا کر سکا کہ بچے کو دبوچے رہا۔

بیوگن ہیگن نے کہا تھا کہ اس کا فون کسی مقدس اور متبرک مقام پر گرنا چاہئے...... چرچ میں......قربان گاہ پر۔ لیکن اب رابرٹ کو لگ رہا تھا کہ وہ قربان گاہ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ بہرحال اتنا تو تھا کہ وہ چرچ کی حدود میں ہے۔

اس نے بچے کو گھٹنوں تلے دباتے ہوئے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور خنجروں کی پیکنگ نکالی۔ اسی لمحے رگوں میں خون کو ٹھٹھرا دینے والی ایک چیخ مارتے ہوئے ڈیمین نے لات چلائی، خنجر ادھر ادھر بکھر گئے۔ بچے کو بدستور دبائے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کر قریب پڑا ایک خنجر اٹھالیا۔

پولیس سائرن کی آواز اب بہت تیز تھی۔ پھر وہ اچانک رک گئی۔

ڈیمین حلق کے بل چیخ رہا تھا......

رابرٹ نے خنجر والا ہاتھ فضا میں بلند کیا......

''رک جاؤ''۔ سڑک کی طرف سے آواز سنائی دی۔

رابرٹ نے سر گھما کر دیکھا تو اسے دو باوردی پولیس والے نظر آئے۔ وہ سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک کا ہاتھ اپنے ہالسٹر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

رابرٹ کا ہاتھ قوسی شکل میں اب نیچے کا سفر شروع کر رہا تھا۔ ڈیمین پاگلوں کی طرح چیخ رہا تھا۔ پھر اس کی چیخ فائر کی آواز میں دب گئی۔

ایک لمحے کو جیسے سب کچھ ساکت ہوگیا۔ پولیس مین بھی ساکت تھا......اور چرچ کی دہلیز پر آدھا اندر اور آدھا باہر بیٹھا رابرٹ تھورن جیسے پتھر کا بت بن گیا تھا۔ ڈیمین اب بھی اس کے گھٹنے کے نیچے دبا ہوا تھا۔

اسی وقت دروازے پر پادری نمودار ہوا۔ موسلا دھار بارش کے پیش منظر میں وہ منظر اسے غیر حقیقی لگ رہا تھا......!

..................☆..................

اس المیے کی خبر تیزی سے لندن میں پھیل گئی...... پھر وائر سروس کے ذریعے پوری دنیا کو معلوم ہوگیا۔ لیکن کہانی بہت الجھی ہوئی تھی۔ تفصیلات کے بارے میں تضادات سامنے آ رہے تھے۔ 48 گھنٹے تک اخباری رپورٹر سٹی اسپتال کے ویٹنگ روم میں چپکے رہے۔ حقیقت جاننے کیلئے وہ ڈاکٹروں سے سوال پر سوال کئے جا رہے تھے۔ لیکن ڈاکٹر بھی انہیں نہیں بتا سکے کہ درحقیقت کیا ہوا ہے۔

دو دن بعد صبح کے وقت اسپتال کے چند ترجمان ویٹنگ روم میں داخل ہوئے۔ ٹیلی ویژن کیمرے آن ہوتے ہی انہوں نے سرکاری طور پر بیان جاری کیا۔ آخری میں ساؤتھ افریقہ سے بطور خاص آپریشن کیلئے آنے والے سرجن نے حتمی اعلان کیا۔ ''آج صبح ساڑھے آٹھ بجے مسٹر رابرٹ تھورن وفات پاگئے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''ان کی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ لیکن زخم ایسا تھا کہ وہ اس سے جاں بر نہ ہو سکے۔''

رپورٹرز کے منہ سے تاسف بھری آوازیں نکلیں۔ ڈاکٹر خاموشی کا انتظار کرتا رہا۔ پھر اس نے سلسلہ کلام جوڑا۔ ''اس وقت اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تعزیتی رسومات آل سینٹس چرچ میں ہوں گی، جہاں یہ المناک واقعہ رونما ہوا۔ اس کے بعد لاش تدفین کے لئے امریکا بھجوادی جائے گی۔''

..................☆..................

نیویارک شہر کے جے ایف کے ایئرپورٹ پر لیموزین کاروں کی قطار منتظر تھی۔ خصوصی طیارے سے دو تابوت اتارے گئے اور ایک گاڑی میں پہلو بہ پہلو رکھے گئے۔ پھر یہ سوگوار قافلہ قبرستان کی طرف روانہ ہوا۔

جس ہائی وے پر قبرستان واقع تھا، اس پر اس وقت بڑا ہجوم تھا۔ تابوت لے جانے والی گاڑی کے آگے موٹر سائیکل سوار پولیس مین تھے، جو گاڑی کے لئے راستہ بنا رہے تھے۔

گاڑی قبرستان پہنچی تو وہاں بھی ہجوم اکٹھا ہو چکا تھا۔ وہاں دو طرح کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو تجسس سے بے حال تھے۔ دوسرے وہ جو سوگوار تھے۔ سیکورٹی گارڈز انہیں مقام تدفین تک جانے سے روک رہے تھے۔

پھر امریکی پرچم کے زیر سایہ تدفین کی رسومات کا آغاز ہوا۔ سفید چوغہ پہنے ایک پادری تدفین کرا رہا تھا۔ دونوں تابوت لحد میں اتار دیئے گئے۔ پھر پادری نے الوداعی کلمات ادا کئے۔

''ہم سب ان دو انسانوں کی بے وقت موت پر دکھی ہیں۔'' پادری کہہ رہا تھا۔ ''ہمارے وجود کا ایک حصہ ان کے ساتھ رخصت ہوگیا، جو اب ابدی سفر کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

ہمیں دکھ کرنے کے بجائے ان کی روحوں کے لئے سکون کی دعا کرنی چاہئے۔ اور جو پیچھے رہ گئے ہیں، ان کیلئے صبر کی دعا کی جائے۔ یاد رکھیں، زندگی کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہو، درحقیقت مکمل ہوتی ہے۔ ہمیں اس مختصر وقت کے لئے خداوند کا شکر ادا کرنا چاہئے جو انہوں نے ہمارے درمیان گزارا۔''

تدفین کے شرکاء خاموش تھے۔ ان میں سے کچھ رو رہے تھے۔

''پس ہم ایک عظیم انسان کے فرزند کو خدا کے سپرد کرتے ہیں، جس نے دولت اور آسائشات کے درمیان آنکھ کھولی...... جسے ہر وہ دنیاوی نعمت حاصل تھی، جس کا حصول کسی انسان کے لئے ممکن ہو سکتا ہے۔ لیکن اس موت میں یہ سبق ہی پنہاں ہے کہ صرف دنیاوی آسائشات اور نعمتیں ناکافی ہوتی ہیں اور موت ایک کائناتی حقیقت ہے''۔

قبرستان کے گیٹ کے باہر رپورٹرز یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ فوٹو گرافر ٹیلی فوٹو لینس کی مدد سے تصویریں کھینچ رہے تھے۔ ان میں حنیف ارشد بھی تھا۔ اس کے کندھے پر کیمرا لٹکا ہوا تھا۔ لیکن وہ تصویر نہیں بنا رہا تھا۔

''تم تو خاص خاص تصویریں ہی کھینچتے ہو''۔ ایک رپورٹر نے اسے چھیڑا۔

حنیف نے کندھے جھٹک دیئے۔ وہ بہت سوگوار لگ رہا تھا۔

قریب کھڑے رپورٹرز کے گروپ میں کسی نے کہا۔ ''کس قدر ناقابل یقین المیہ ہے یہ''۔

''میں نہیں مانتا۔ سڑک پر لوگ پہلے بھی اس طرح قتل ہوتے رہے ہیں''۔ دوسرے نے کہا۔

''اس آدمی کا کیا ہوا، جس نے پولیس کو یہ اطلاع دی تھی...... جس نے مسٹر تھورن کو بچے پر تشدد کرتے دیکھا تھا؟''

''وہ نشے میں دھت تھا۔ اس کا چیک اپ کیا گیا تو ثابت ہو گیا کہ اس کے معدے میں شراب کی بھاری مقدار موجود ہے''۔

''یہ ہے نا عجیب بات۔ نشے میں دھت آدمی نے وہ منظر دیکھا اور پولیس کو بھی مطلع کر دیا۔ اسے اتنا ہوش کیسے رہا؟''

''واقعی عجیب بات ہے''۔

''میں تو سوچ رہا ہوں کہ باپ بیٹے کا اتنے سویرے چرچ میں آنا اپنی جگہ کچھ کم عجیب نہیں''۔

''مسٹر تھورن کی بیوی کا انتقال ہوا تھا نا۔ ہو سکتا ہے، وہ دونوں ان کے لئے دعا کرنے آئے ہوں''۔

''مگر کوئی چرچ کی دہلیز پر قتل کرے تو اسے کیا کہیں گے......''۔

''اور وہ بھی اپنے بیٹے کو''۔

''ارے...... دنیا عجیب طرح کے لوگوں سے بھری پڑی ہے''۔

''میرے حلق سے نہیں اترتی یہ بات۔ مجھے تو لگتا ہے کہ کسی بڑی اور اہم بات پر پردہ ڈال دیا گیا ہے''۔

یہ سن کر حنیف تلخی سے مسکرایا۔ حقیقت سے صرف وہ واقف تھا۔

''اور یہ بھی کوئی پہلا موقع نہیں کہ ایسا ہوا ہو۔ مگر وہ معاملات...... خاص طور پر بڑے لوگوں کے، دبا ہی دیئے جاتے ہیں''۔

''اور دبائے جاتے رہیں گے''۔

اندر قبروں پر مٹی ڈالی جا رہی تھی۔ تدفین کے منتخب شرکا میں ایک جوڑا تھا، جو دوسروں سے الگ تھلگ کھڑا تھا۔ ان کو کچھ سادہ لباس والے محافظت کے انداز میں گھیرے ہوئے تھے اور چوکنے انداز میں لوگوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ مرد باوقار اور خوش لباس تھا۔ عورت سیاہ لباس میں تھی اور چہرے پر سیاہ جالی والی نقاب تھی۔ عورت نے ایک پانچ سالہ بچے کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ بچے کا دوسرا ہاتھ گردن سے لٹکی ہوئی پٹی میں لٹکا ہوا تھا۔

''ہم رابرٹ اور کیتھرین تھورن کو ابدی زندگی کے سفر کیلئے خدا حافظ کہتے ہیں''۔ پادری نے کہا۔ ''اب ہماری نگاہوں کا مرکز اس خاندان کا واحد فرد ڈیمین تھورن ہے، جو اب ایک گھر سے دوسرے گھر میں جانے والا ہے۔ خدا اسے نئی محبتیں عطا فرمائے اور ان کے ساتھ وہ پھولے پھلے۔ خدا کرے، وہ اپنے باپ کا لائق جانشین اور انسانیت کا رہنما ثابت ہو''۔

ڈیمین قبروں کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے بہت مضبوطی سے عورت کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔

''اور اب میں آخری بات ڈیمین تھورن سے کہوں گا''۔ پادری نے کہا۔ اس نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور دعا دینے والے انداز میں بولا۔ ''خداوند تمہیں عزت سے اور اپنی تمام نعمتوں سے نوازے۔ کاش تمہیں کرائسٹ کی ابدی محبت حاصل ہو''۔

آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہیں تھا۔ اس کے باوجود ایک زبردست کڑاکا سنائی دیا۔ شاید خدا ناراضی کا اظہار کر رہا تھا۔

تمام لوگ گیٹ کی طرف چل دیئے۔ سادہ لباس والوں میں گھرا جوڑا وہیں رہا۔ یہاں تک کہ تمام شرکا رخصت ہو گئے۔ تب وہ قبر کی طرف بڑھے۔ ڈیمین دونوں قبروں کے درمیان گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

جاتے ہوئے لوگوں نے پلٹ کر دیکھا۔ ان میں سے بیشتر رونے لگے۔

ڈیمین اٹھا اور اپنے نئے سرپرستوں کے ساتھ قبر سے ذرا دور کھڑی صدارتی لیموزین کی طرف چل دیا۔ سادہ لباس والے اب بھی انہیں گھیرے میں لئے ہوئے تھے۔

موٹر سائیکل سوار پولیس والوں کے جلو میں امریکی صدر کی لیموزین رپورٹرز کے درمیان سے گزری۔ فوٹو گرافرز نے عقبی کھڑکی سے باہر گھورتے ہوئے بچے کی تصویریں کھینچیں۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ کار کے اوپر نمودار ہونے والے ایک رنگین دھند نما دھبے کی وجہ سے وہ تمام تصویریں خراب ہو جائیں گی۔

اس بار حنیف نے بھی ڈیمین کی تصویر کھینچی تھی!

☆......☆......☆

قارئین کرام! اس سنسنی خیز ناول کا پہلا حصہ اختتام کو پہنچا۔ عنقریب اس کا دوسرا حصہ بھی آپ ''امت'' کے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں گے۔

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

ماہر آثار قدیمہ کارل بیوگن ہیگن بے حد فکر مند تھا!

فکر کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ زمین کے نیچے ایک مدفون شہر میں مقیم تھا۔ کیوں کہ اسے تو وہ ماحول بہت اچھا لگتا تھا۔ وہاں ٹھنڈک تھی، تاریکی تھی اور گزری ہوئی صدیوں کی خوش بو تھی۔ یہ سب کچھ اسے بہت پسند تھا اور اس سب سے زیادہ اسے وہاں کی تقدس آمیز خاموشی اور سکون اچھا لگتا تھا۔ اس کی فکر مندی کا سبب یہ تھا کہ اب وہ خاموشی مجروح ہورہی تھی۔

بات یہ تھی کہ اب بیوگن ہیگن کو پراسرار آوازیں سنائی دینے لگی تھیں!

بیوگن ہیگن آسانی سے خوف زدہ ہونے والا آدمی نہیں تھا، اس کی عمر ساٹھ کے ہندسے کو چھونے والی تھی۔ اپنی موٹی گردن اور یونانی سورماؤں کے سے چوڑے پر گوشت کندھوں کے ساتھ وہ یقیناً ایک طاقت ور آدمی تھا۔ اس کے سر اور داڑھی کے بال قبل از وقت سفید ہوگئے تھے۔ لیکن اس کی آنکھوں میں درندوں کا شکار کرنے والوں کا سا چوکنا پن تھا۔

ان دنوں وہ اسرائیل کی زمین کے نیچے سے برآمد ہونے والے آثار قدیمہ کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس لئے نہیں کہ وہ دنیا کا ممتاز ترین ماہر آثار قدیمہ تھا۔ درحقیقت وہ دنیا پر شیطان کے وجود کو ثابت کرنا چاہتا تھا۔

جو آوازیں اسے سنائی دیتی تھیں، انہوں نے اسے چوکنا کردیا تھا۔ اس کے پاس خوف زدہ ہونے کی معقول وجہ موجود تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شیطان کے ہاتھوں اموات کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا، اس میں اگلا نمبر اب اس کا تھا۔ اب تک جو لوگ مارے گئے تھے، وہ سب کے سب ابن ابلیس کی حقیقت پر سے پردہ اٹھانے کی کوشش کررہے تھے...... یا سوچے سمجھے بغیر یہ کام کرنے والے تھے۔

بیوگن ہیگن کو خطرے میں محسوس کررہا تھا۔ وہ پہلے مرنے والوں سے بڑھ کر خطرے میں تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اب شیطان سے اس کی کھلی جنگ تھی۔ اس نے شیطان کو اس کے بیٹے کے روپ میں قتل کرنے کی کوشش کی تھی، وہ جانتا تھا کہ اب شیطان اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

بیوگن ہیگن جو شیطان کے وجود کے لئے ثبوت تلاش کررہا تھا، وہ اس کے اپنے لئے نہیں تھی۔ اس کے پاس جو ثبوت موجود تھے، وہ اس کے اپنے لئے بہت کافی تھے۔ اب تک اس نے جو نتائج اخذ کئے تھے، وہ درست ثابت ہوئے تھے۔ بلکہ خوف زدہ ہونے کی حد تک درست ثابت ہوئے تھے، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ اس کے ساتھی مائیکل مورگن کو قائل نہیں کرسکا تھا اور یہ بہت ضروری تھا۔ بیوگن ہیگن جانتا تھا کہ جس نے اینٹی کرائسٹ کو قتل کرنے کی کوشش کی ہو، وہ شیطان کے انتقام سے نہیں بچ سکتا۔

اس نے مورگن سے گزشتہ روز پہلی بار اس موضوع پر بات کی تھی۔ اس وقت وہ سی سائیڈ کے اس خوب صورت کیفے میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ شام کا وقت تھا۔ تپتا ہوا فرش اب ٹھنڈا ہونا شروع ہوگیا تھا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

شروع میں تو مورگن کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا۔ یہ بات بیوگن ہیگن کے لئے ناقابل فہم بھی نہیں تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ ٹھوس شواہد کے بغیر کسی کو قائل نہیں کیا جاسکتا۔

وہ بڑی خوب صورت شام تھی۔ افق پر شفق کے رنگین لہریے تھے۔ شام کے نرم، دم توڑتی دھوپ دیواروں سے چڑھتی اوپر کی طرف جارہی تھی۔ وہ ایسا خوب صورت ماحول تھا کہ چند لمحوں کے لئے خود بیوگن ہیگن کو بھی اپنی بات بے وزن لگنے لگی۔ اسے لگا کہ وہ کسی پاگل پن میں مبتلا ہو گیا ہے۔

لیکن اس وقت اس کے وجود میں ایک آواز ابھری۔ وہ اس کے لئے اجنبی اور نامانوس آواز تھی۔ وہ اسے یہ بتا رہی تھی کہ وہ پاگل نہیں۔ بلکہ صاحب علم ہے اور اسے ایسی اہم معلومات عطا کی گئی ہیں، جن کو کسی دوسرے تک پہنچانا اس کے لئے فرض سے بڑھ کر ہے۔ اگر وہ ان معلومات کو خود تک محدود رکھ کر شیطان کا شکار ہو گیا تو سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا اور اسے جواب دہی کرنی ہوگی۔

بیوگن ہیگن کے لئے یہ بات حیران کن تھی کہ مورگن تو اس کی بات کو مضحکہ خیز سمجھ رہا ہے جب کہ اس کی دوست اس کی بات کو بڑی توجہ اور یقین سے سن رہی ہے۔ سچ تو یہ تھا کہ بیوگن ہیگن کو تو اس لڑکی کی وہاں موجودگی بھی خلاف ضابطہ لگ رہی تھی۔ لیکن مورگن عورتوں کے معاملے میں بہت ندیدا تھا۔ ہمیشہ اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی عورت ہوتی تھی۔ اس لئے اس نے بیوگن ہیگن کے تنہائی میں ملاقات کے اصرار کو نظر انداز کر کے اس لڑکی کی موجودگی میں بات کرنے کو ترجیح دی تھی۔

اس لڑکی کا نام جوآن ہارٹ تھا۔ وہ بے حد حسین لڑکی تھی۔ اس کے بال سیاہ تھے اور آنکھیں ایسی چمکیلی کہ ان میں ستارے اترے ہوئے نظر آتے تھے، بیوگن ہیگن نے اسے دیکھ کر سوچا تھا کہ جب وہ جوان تھا تو ایسی کوئی لڑکی اسے کبھی نظر نہیں آئی تھی۔

وہ فری لانس فوٹو جرنلسٹ تھی۔ بیش قیمت لباس پہنتی تھی۔ پروفیشنل انداز میں گفتگو کرتی تھی۔ بہت بڑے سائز کی جیولری کا شاید اسے ضبط تھا۔ گلے میں موٹے دانوں کی کئی مالائیں پڑی رہتی تھیں۔ سگریٹ وہ بہت زیادہ پیتی تھی اور باتونی بھی بہت تھی۔

جوآن ہارٹ کی وہاں موجودگی کا سبب اس کی کوئی پیشہ ورانہ مصروفیت نہیں تھی۔ وہ وہاں موجود تھی تو صرف اور صرف مائیکل مورگن کی خاطر، جو اس وقت اس کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ حالاں کہ اس کی توجہ کا مرکز صرف اس کا کام تھا۔

جوآن ابھی کچھ دیر پہلے لندن سے آئی تھی۔ لندن اس کا شہر تھا۔

اس وقت بیوگن ہیگن اخبار کی جو خبر مورگن کو دکھا رہا تھا، وہ اس خبر کو پہلے ہی پڑھ چکی تھی ...... امریکی سفیر اس کی بیوی کو سپرد خاک کر دیا گیا ....

مائیکل مورگن بھی وہ خبر پڑھ چکا تھا۔ پڑھتے وقت بھی اس کے انداز میں دل چسپی نہیں تھی تو اب اس وقت کہاں سے آتی۔ ''ہاں ......'' اس نے بے حد عدم دل چسپی سے غیر متجسانہ انداز میں کہا۔ ''بہت دل چسپ! میں متجسس ہو رہا ہوں'' ۔ اس کا لہجہ اس کے الفاظ کی نفی کر رہا تھا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

بیوگن ہیگن جانتا تھا کہ مایوسی ہونے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس نے مائیکل مورگن کو دوسرا اخبار دکھایا جو امریکی تھا۔ صدر امریکہ اور ان کی اہلیہ سوگوار بچے سے تعزیت کر رہے ہیں......

اس کی انگلی تصویر میں موجود چھ سالہ بچے کی طرف اشارہ کر رہی تھی، جس کے بازو پر سیاہ پٹی بندھی تھی۔ بچے کا چہرہ بہت دل کش اور چمک دار تھا۔ ''تم اسے پہچانتے ہو؟'' بیوگن ہیگن نے مائیکل سے پوچھا۔

مائیکل نے دوبارہ تصویر کو بغور دیکھا اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''نہیں''۔

بیوگن ہیگن اس بار خود کو مایوس اور آزردگی سے نہیں بچا سکا۔ ارے...... اس بھری دنیا میں ایک میں ہی ہوں، جو اسے پہچانتا ہوں۔ صرف میں ہوں، جو اس کے بارے میں جانتا ہوں۔ میں دوسروں کو کیسے باور کراؤں۔ کیا دنیا اس کی حقیقت سے بے خبر رہے گی۔ ایسا ہو گیا تو یہ کتنا بڑا المیہ ہوگا...... انسانی المیہ! انسانیت خود کو تباہی سے بچانے کے لئے اس فتنے کا سدباب نہیں کر سکے گی۔ وہ بچے کی تصویر کو گھورتے ہوئے آزردگی سے سوچتا رہا۔ پھر وہ بولا تو اس کے لہجے میں تندی تھی۔ حالاں کہ اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ شاید یہ اندر کی مایوسی کی وجہ سے تھا۔ ''کیا تم نے لیگا ئیل کی دیوار اب تک نہیں دیکھی؟'' اس نے مائیکل مورگن سے پوچھا۔

''ابھی پچھلے ہی ہفتے تو وہ کھدائی کے بعد برآمد ہوئی ہے......'' مائیکل نے کہا۔

لیکن بیوگن ہیگن نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی بات کتنی ہی غیر منطقی اور غیر حقیقی کیوں نہ لگے، اسے جلد از جلد اپنی آگہی مائیکل کو منتقل کرنی ہے۔ وقت بہت کم ہے، اس بات کا اسے رہ رہ کر احساس ہو رہا تھا۔ اس نے تصویر کو انگلی سے تھپتھپایا اور ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ ''یہ ہو بہو لیگائیل کے شیطان کا چہرہ ہے۔ اس میں شک و شبہے کی کوئی گنجائش نہیں کہ یہ لڑکا...... یہ ڈیمین تھورن در حقیقت اینٹی کرائسٹ ہے......''۔

مائیکل مورگن کو یہ سن کر شاک لگا۔ ''کارل، یہ تم......'' اس نے احتجاج کرنے کی کوشش کی۔

لیکن بیوگن ہیگن نے پھر اس کی بات کاٹ دی۔ ''میری بات پر یقین کرو مائیکل۔ میں سچ کہہ رہا ہوں''۔

مائیکل مورگن کے ہونٹوں کی مسکراہٹ ہوا ہو گئی۔ بیوگن ہیگن کے چہرے پر جو سنگینی تھی، اس نے اسے خوف زدہ کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ بوڑھا بیوگن ہیگن کوئی سٹھیایا ہوا آدمی نہیں۔ وہ اس کا استاد ہے۔ آج اس کے پاس جتنا بھی علم ہے، وہ اس بوڑھے شخص ہی کا دیا ہوا ہے۔ ''دیکھو کارل......'' اس نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ ''تم جانتے ہو'' میں آثار قدیمہ کا عالم ضرور ہوں۔ لیکن کوئی مذہبی جنونی نہیں ہوں۔ بلکہ مذہبی جنونی تو میں کبھی بن ہی نہیں سکوں گا۔

''مگر تمہیں معلوم ہے کہ اینٹی کرائسٹ کی آمد کے بارے میں تم نے کہاں پڑھا ہے۔ میں بتاتا ہوں......'' مگر یہ کہتے کہتے بیوگن ہیگن کو احساس ہوا کہ جو حوالہ وہ دینا چاہتا تھا، وہ تو اس کے ذہن میں ہے ہی نہیں، محو ہو چکا ہے۔ اسے احساس تھا کہ وہ بہت تھکا ہوا ہے...... خستہ حال ہو رہا ہے۔ کئی دن سے وہ سویا بھی نہیں ہے۔ اس پر مزید ستم اس کا خوف۔ اور اب اس کی یادداشت ہی اس کا ساتھ چھوڑ رہی ہے۔

مائیکل نے جوآن کی طرف دیکھا۔ مگر ایک نظر میں اسے اندازہ ہو گیا کہ جوآن سے اسے کوئی مدد نہیں مل سکے گی۔ وہ توحیرت زدہ نظر آ رہی تھی اور کسی تنویم زدہ معمول کی طرح بیوگن ہیگن کو تک رہی تھی، اس نے سر جھٹکا اور بیوگن ہیگن کی طرف متوجہ ہوا۔ ''اہم بات یہ ہے کہ کارل کہ حقائق کیا ہیں؟''

بیوگن ہیگن نے سر اٹھایا۔ ''ایک ہفتہ پہلے اس بچے کے باپ نے آل سینٹس چرچ، لندن میں اسے ختم کرنے کی کوشش کی۔ وہ اس بچے کے دل میں خنجر اتار دینا چاہتا تھا''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

جوآن کے جسم میں تھرتھری سی دوڑ گئی۔

مائیکل مورگن نے اخباری تراشوں کا جائزہ لیا۔

"ایک بات ایسی ہے جو اخبارات نے نظر انداز کر دیا ہے"۔ بیوگن ہیگن نے گہری سانس لے کر کہا۔"وہ خنجر اس کے باپ کو میں نے ہی دیئے تھے۔ آل سینٹس چرچ میں میرا دوست فادر جیمز اس پورے واقعے کا عینی شاہد ہے۔ اس نے مجھے خاص طور پر فون کر کے واقعے کی تفصیل بتائی۔ وہ اس خنجروں کو پہچانتا تھا۔ اس نے امریکی سفارت خانے کو قائل کیا کہ وہ یہ خنجر پولیس سے واپس لے کر مجھے بھجوادیں"۔

دیر تک خاموشی رہی۔ مائیکل مورگن اخباری تراشوں کو بھول کر اسے گھورے جا رہا تھا۔ جوآن بھی اسے تک رہی تھی۔ بیوگن ہیگن کو کم از کم یہ اطمینان ضرور ہو گیا کہ اب وہ دونوں پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہیں۔

اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ اب اس کے لہجے میں زور تھا اور بولنے کی رفتار بڑھ گئی تھی، جیسے وہ جلد از جلد یہ بوجھ اتار پھینکنے کا خواہاں ہو۔ اسے یقین تھا کہ اس وقت وہ دونوں شاک میں ہیں اور اس کی گفتگو میں مداخلت نہیں کریں گے۔

"امریکی سفیر کا نام رابرٹ تھورن تھا"۔ اس نے کہا۔"روم کے ایک ہاسپٹل میں اس کی بیوی زچگی کے سلسلے میں داخل تھی۔ اس کے ہاں مردہ بچہ پیدا ہوا۔ اس نے ایک شخص کے اصرار پر جو خود کو پادری ظاہر کر رہا تھا، لیکن درحقیقت شیطان کا پجاری تھا، ایک نومولود بچے کو گود لیا۔ اس کی بیوی کو علم نہیں تھا کہ اس کا اپنا بچہ مر چکا ہے۔ اس بے چاری نے اس بچے کو اپنا بچہ سمجھ کر پالا۔ دونوں اس بچے سے بے حد محبت کرتے تھے۔ لیکن انہیں نہیں معلوم تھا کہ یہ مادہ گیدڑ کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے"۔ بیوگن ہیگن بیوگن نے ایک گہری سانس لی اور پھر سلسلہ کلام جوڑا۔"جلد ہی اس بچے نے ان لوگوں کو تباہ کرنا شروع کر دیا، جو اس کی حقیقت سے باخبر ہو گئے۔ رابرٹ تھورن مدد کے لئے میرے پاس آیا۔ میں نے اس کی کہانی سنی اور سمجھ گیا کہ وہ سچ بول رہا ہے۔ یہ بھی ہے کہ میں بہت عرصے سے علامتیں دیکھ رہا تھا اور میں نے جان لیا تھا کہ آخر میں مجھے ہی کچھ کرنا ہوگا۔ میں نے رابرٹ تھورن کو وہ سات قدیم خنجر دیئے۔ شیطان کا خاتمہ صرف انہی سے ممکن ہے۔ وہ خنجر ہی شیطان کے دل میں اتارے جا سکتے ہیں۔ اس وقت تک رابرٹ تھورن کی بیوی سمیت تین آدمی شیطان کے ہاتھوں مر چکے تھے۔

"رابرٹ تھورن نے وہی کچھ کرنے کی کوشش کی، جو اسے کرنا چاہئے تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ خنجر ابن ابلیس کے دل میں اتارتا، ایک پولیس والے نے اسے شوٹ کر دیا۔ وہ منظر دیکھ کر پولیس والے نے یہی سوچا کہ رابرٹ کو اس کی بیوی کی موت کے صدمے نے پاگل کر دیا ہے اور اس پاگل پن کے زیر اثر وہ اپنے بچے کو اپنے ہاتھوں خود قتل کر رہا ہے......"اتنا کہہ کر بیوگن ہیگن رکا اور اس نے اخبار میں چھپی بچے کی تصویر کی طرف اشارہ کیا۔"بدقسمتی سے وہ بچہ اب بھی زندہ ہے"۔

دیر تک...... بہت دیر تک خاموش رہی۔ پھر مائیکل مورگن نے پوچھا۔"اب وہ بچہ کہاں ہے؟"

"امریکا میں...... اپنے چچا کے پاس"۔ بیوگن ہیگن نے جواب دیا۔"کتاب مقدس میں لکھا ہے کہ اس کی طاقت بے پناہ ہوگی۔ وہ خوب پھلے پھولے گا۔ وہ زبردستوں کو زیر کرے گا اور تقدس کو پامال کرے گا۔ وہ اینٹی کرائسٹ ہے"۔

"تو مائیکل، ہمیں امریکا چلنا چاہئے"۔ جوآن نے خود کو سنبھالتے ہوئے، مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"شٹ اپ"۔ مائیکل نے اسے ڈانٹ دیا۔ اب اس کے نزدیک وہ اخبار کی کوئی سنسنی خیز خبر نہیں تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر بیوگن ہیگن کی بات مستند ہے تو یہ معاملہ بے حد سنگین ہے۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

بیوگن ہیگن جانتا تھا کہ مایوس ہونے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس نے مائیکل مورگن کو دوسرا اخبار دکھایا جو امریکی تھا۔ صدر امریکہ اور ان کی اہلیہ سوگوار بچے سے تعزیت کر رہے ہیں......۔

اس کی انگلی تصویر میں موجود چھ سالہ بچے کی طرف اشارہ کر رہی تھی، جس کے بازو پر سیاہ پٹی بندھی تھی۔ بچے کا چہرہ بہت دل کش اور چمک دار تھا۔ ''تم اسے پہچانتے ہو؟'' بیوگن ہیگن نے مائیکل سے پوچھا۔

مائیکل نے دوبارہ تصویر کو بغور دیکھا اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''نہیں''۔

بیوگن ہیگن اس بار خود کو مایوس اور آزردگی سے نہیں بچا سکا۔ ارے......اس بھری دنیا میں ایک میں ہی ہوں، جو اسے پہچانتا ہوں۔ صرف میں ہوں، جو اس کے بارے میں جانتا ہوں۔ میں دوسروں کو کیسے باور کراؤں۔ کیا دنیا اس کی حقیقت سے بے خبر رہے گی۔ ایسا ہو گیا تو یہ کتنا بڑا المیہ ہوگا......انسانی المیہ! انسانیت خود کو تباہی سے بچانے کے لئے اس فتنے کا سد باب نہیں کر سکے گی۔ وہ بچے کی تصویر کو گھورتے ہوئے آزردگی سے سوچتا رہا۔ پھر وہ بولا تو اس کے لہجے میں تندی تھی۔ حالاں کہ اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ شاید یہ اندر کی مایوسی کی وجہ سے تھا۔ ''کیا تم نے لیگائیل کی دیوار اب تک نہیں دیکھی؟'' اس نے مائیکل مورگن سے پوچھا۔

''ابھی پچھلے ہی ہفتے تو وہ کھدائی کے بعد برآمد ہوئی ہے......'' مائیکل نے کہا۔

لیکن بیوگن ہیگن نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی بات کتنی ہی غیر منطقی اور غیر حقیقی کیوں نہ لگے، اسے جلد از جلد اپنی آگہی مائیکل کو منتقل کرنی ہے۔ وقت بہت کم ہے، اس بات کا اسے رہ رہ کر احساس ہو رہا تھا۔ اس نے تصویر کو انگلی سے تھپتھپایا اور ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ ''یہ ہو بہو لیگائیل کے شیطان کا چہرہ ہے۔ اس میں شک وشبے کی کوئی گنجائش نہیں کہ یہ لڑکا......یہ ڈیمین تھورن در حقیقت اینٹی کرائسٹ ہے......''۔

مائیکل مورگن کو یہ سن کر شاک لگا۔ ''کارل، یہ تم......'' اس نے احتجاج کرنے کی کوشش کی۔

لیکن بیوگن ہیگن نے پھر اس کی بات کاٹ دی۔ ''میری بات پر یقین کرو مائیکل۔ میں سچ کہہ رہا ہوں''۔

مائیکل مورگن کے ہونٹوں کی مسکراہٹ ہوا ہو گئی۔ بیوگن ہیگن کے چہرے پر جو سنگینی تھی، اس نے اسے خوف زدہ کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ بوڑھا بیوگن ہیگن کوئی سٹھیایا ہوا آدمی نہیں۔ وہ اس کا استاد ہے۔ آج اس کے پاس جتنا بھی علم ہے، وہ اس بوڑھے شخص ہی کا دیا ہوا ہے۔ ''دیکھو کارل......'' اس نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ ''تم جانتے ہو' میں آثار قدیمہ کا عالم ضرور ہوں۔ لیکن کوئی مذہبی جنونی نہیں ہوں۔ بلکہ مذہبی جنونی تو میں کبھی بن ہی نہیں سکوں گا۔

''مگر تمہیں معلوم ہے کہ اینٹی کرائسٹ کی آمد کے بارے میں تم نے کہاں پڑھا ہے۔ میں بتاتا ہوں......'' مگر یہ کہتے کہتے بیوگن ہیگن کو احساس ہوا کہ جو حوالہ وہ دینا چاہتا تھا، وہ تو اس کے ذہن میں ہے ہی نہیں، محو ہو چکا ہے۔ اسے احساس تھا کہ وہ بہت تھکا ہوا ہے......خستہ حال ہو رہا ہے۔ کئی دن سے وہ سویا بھی نہیں ہے۔ اس پر مزید ستم اس کا خوف۔ اور اب اس کی یادداشت ہی اس کا ساتھ چھوڑ رہی ہے۔

مائیکل نے جوآن کی طرف دیکھا۔ مگر ایک نظر میں اسے اندازہ ہو گیا کہ جوآن سے اسے کوئی مدد نہیں مل سکے گی۔ وہ توحیرت زدہ نظر آ رہی تھی اور کسی تنویم زدہ معمول کی طرح بیوگن ہیگن کو تک رہی تھی، اس نے سر جھٹکا اور بیوگن ہیگن کی طرف متوجہ ہوا۔ ''اہم بات یہ ہے کہ کارل کہ حقائق کیا ہیں؟''

بیوگن ہیگن نے سر اٹھایا۔ ''ایک ہفتہ پہلے اس بچے کے باپ نے آل سینٹس چرچ، لندن میں اسے ختم کرنے کی کوشش کی۔ وہ اس بچے کے دل میں خنجر اتار دینا چاہتا تھا''۔

جوآن ک جسم میں تھرتھری سی دوڑ گئی۔

مائیکل مورگن نے اخباری تراشوں کا جائزہ لیا۔

''ایک بات ایسی ہے جو اخبارات نے نظر انداز کر دیا ہے''۔ بیوگن ہیگن نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''وہ خنجر اس کے باپ کو میں نے ہی دیے تھے۔ آل سینٹس چرچ میں میرا دوست فادر جیمز اس پورے واقعے کا عینی شاہد ہے۔ اس نے مجھے خاص طور پر فون کر کے واقعے کی تفصیل بتائی۔ وہ اس خنجروں کو پہچانتا تھا۔ اس نے امریکی سفارت خانے کو قائل کیا کہ وہ یہ خنجر پولیس سے واپس لے کر مجھے بھجوا دیں''۔

دیر تک خاموشی رہی۔ مائیکل مورگن اخباری تراشوں کو بھول کر اسے گھورے جا رہا تھا۔ جوآن بھی اسے تک رہی تھی۔ بیوگن ہیگن کو کم از کم یہ اطمینان ضرور ہو گیا کہ اب وہ دونوں پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہیں۔

اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ اب اس کے لہجے میں زور تھا اور بولنے کی رفتار بڑھ گئی تھی، جیسے وہ جلد از جلد یہ بوجھ اتار پھینکنے کا خواہاں ہو۔ اسے یقین تھا کہ اس وقت وہ دونوں شاک میں ہیں اور اس کی گفتگو میں مداخلت نہیں کریں گے۔

''امریکی سفیر کا نام رابرٹ تھورن تھا''۔ اس نے کہا۔ ''روم کے ایک ہاسپٹل میں اس کی بیوی زچگی کے سلسلے میں داخل تھی۔ اس کے ہاں مردہ بچہ پیدا ہوا۔ اس نے ایک شخص کے اصرار پر جو خود کو پادری ظاہر کر رہا تھا، لیکن در حقیقت شیطان کا پجاری تھا، ایک نومولود بچے کو گود لیا۔ اس کی بیوی کو علم نہیں تھا کہ اس کا اپنا بچہ مر چکا ہے۔ اس بے چاری نے اس بچے کو اپنا بچہ سمجھ کر پالا۔ دونوں اس بچے سے بے حد محبت کرتے تھے۔ لیکن انہیں نہیں معلوم تھا کہ یہ مادہ گیدڑ کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے''۔ بیوگن ہیگن بیوگن نے ایک گہری سانس لی اور پھر سلسلہ کلام جوڑا۔ ''جلد ہی اس بچے نے ان لوگوں کو تباہ کرنا شروع کر دیا، جو اس کی حقیقت سے باخبر ہو گئے۔ رابرٹ تھورن مدد کے لئے میرے پاس آیا۔ میں نے اس کی کہانی سنی اور سمجھ گیا کہ وہ سچ بول رہا ہے۔ یہ بھی ہے کہ میں بہت عرصے سے علامتیں دیکھ رہا تھا اور میں نے جان لیا تھا کہ آخر میں مجھے ہی کچھ کرنا ہوگا۔ میں نے رابرٹ تھورن کو وہ سات قدیم خنجر دیئے۔ شیطان کا خاتمہ صرف انہی سے ممکن ہے۔ وہ خنجر ہی شیطان کے دل میں اتارے جا سکتے ہیں۔ اس وقت تک رابرٹ تھورن کی بیوی سمیت تین آدمی شیطان کے ہاتھوں مر چکے تھے۔

''رابرٹ تھورن نے وہی کچھ کرنے کی کوشش کی، جو اسے کرنا چاہئے تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ خنجر ابن ابلیس کے دل میں اتارتا، ایک پولیس والے نے اسے شوٹ کر دیا۔ وہ منظر دیکھ کر پولیس والے نے یہی سوچا کہ رابرٹ کو اس کی بیوی کی موت کے صدمے نے پاگل کر دیا ہے اور اس پاگل پن کے زیر اثر وہ اپنے بچے کو اپنے ہاتھوں خود قتل کر رہا ہے......'' اتنا کہہ کر بیوگن ہیگن رکا اور اس نے اخبار میں چھپی بچے کی تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ ''بد قسمتی سے وہ بچہ اب بھی زندہ ہے''۔

دیر تک......بہت دیر تک خاموش رہی۔ پھر مائیکل مورگن نے پوچھا۔ ''اب وہ بچہ کہاں ہے؟''

''امریکا میں......اپنے چچا کے پاس''۔ بیوگن ہیگن نے جواب دیا۔ ''کتاب مقدس میں لکھا ہے کہ اس کی طاقت بے پناہ ہوگی۔ وہ خوب پھلے پھولے گا۔ وہ زبردستوں کو زیر کرے گا اور تقدس کو پامال کرے گا۔ وہ اینٹی کرائسٹ ہے''۔

''تو مائیکل، ہمیں امریکا چلنا چاہئے''۔ جوآن نے خود کو سنبھالتے ہوئے، مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

''شٹ اپ''۔ مائیکل نے اسے ڈانٹ دیا۔ اب اس کے نزدیک وہ اخبار کی کوئی سنسنی خیز خبر نہیں تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر بیوگن ہیگن کی بات مستند ہے تو یہ معاملہ بے حد سنگین ہے۔

بیوگن ہیگن نے جھک کر اپنے قدموں میں رکھا بیگ اٹھایا۔ وہ بہت شان دار تھا اور اس میں کافی جیبیں تھیں۔ اس نے بیگ میز پر رکھ دیا۔ ''تمہیں یہ بیگ اس بچے کے نئے سر پرستوں تک پہنچانا ہے''۔ اس نے کہا۔ ''اس میں خنجر بھی ہیں اور ایک خط بھی، جس میں ہر بات وضاحت سے تحریر کر دی گئی ہے''۔

مائیکل مورگن سوچ میں پڑ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ بیوگن ہیگن کس طرح کا کام اسے سونپ رہا ہے۔ بیوگن ہیگن جیسے حق شناس اور قادر الکلام آدمی سے یہ کہانی سننا اور بات ہے۔ لیکن کسی معقول آدمی کو یہ سب کچھ بتانا کچھ آسان نہیں۔

''مجھے افسوس ہے کارل''۔ بالآخر اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تم مجھ سے یہ توقع کیسے کر سکتے ہو کہ......''۔

''انہیں خبردار کرنا ضروری ہے''۔ بیوگن ہیگن نے بلند آواز میں کہا۔ قریب کی میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں نے چونک کر بدمزگی سے اسے دیکھا۔ بیوگن ہیگن کی آواز اب سرگوشی جیسی تھی۔ ''میں بوڑھا بھی ہوں اور بیمار بھی۔ میں خود نہیں جا سکتا اور کیوں کہ میں وہ واحد آدمی ہوں، جو یہ سچائی جانتا ہے، لہٰذا......'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔ جو وہ کہنے والا تھا، وہ اس قدر خوف زدہ کر دینے والا تھا کہ اس کی کہنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

''لہٰذا کیا......؟'' مائیکل نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''مجھے کہاں رہنا چاہئے، جہاں میں محفوظ رہ سکوں''۔

مائیکل نے اداسی سے سر ہلایا۔ ''بات یہ ہے میرے دوست......''

بیوگن ہیگن نے پہلے ہی سمجھ لیا کہ وہ کیا کہنے والا ہے۔

''......کہ میری ایک ساکھ ہے۔ میں......''۔

بیوگن ہیگن نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''اسی لئے تو میں یہ کام تمہیں سونپ رہا ہوں۔ تمہاری بات سنی جائے گی۔ اس کا اثر بھی ہوگا''۔

مائیکل مورگن کو اپنے اعصاب چٹختے محسوس ہوئے۔ بیوگن ہیگن کے انداز میں جو شدت اور دیوانگی نظر آ رہی تھی، وہ خوف زدہ کر دینے والی تھی۔ لیکن جو کام وہ اس سے لینا چاہتا تھا، وہ ممکن ہی نہیں تھا۔ ''کم آن کارل''۔ اس نے فریاد کرنے والے انداز میں کہا۔ ''وہ تو مجھے پاگل قرار دے کر مینٹل ہاسپٹل بھجوا دیں گے۔ وہ مجھے لٹکا دیں گے''۔

بیوگن ہیگن اٹھ کھڑا ہوا۔ سورج اب تیزی سے مغرب میں جھک رہا تھا۔ ''چلو......میں تمہیں لیگائیل کی دیوار دکھا دوں''۔ اس نے کہا۔

وہ کوئی التجا نہیں تھی، حکم تھا۔ حکم وہ پہلے بھی دیتا رہا تھا۔ اس کے لہجے میں تحکم مائیکل نے پہلے بھی سنا تھا۔ لیکن ایسا تحکم نہیں۔ اس بار تو لہجے میں قطعیت تھی۔ انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ''ابھی......اسی وقت''؟ مائیکل نے پوچھا۔

''اسی وقت''۔ بیوگن ہیگن نے کہا۔ وہ پلٹ کر نکلا اور باہر کھڑی اپنی جیپ کی طرف بڑھ گیا۔

جوآن کو نظر انداز کئے جانے کا احساس ہوا۔ ''میں بھی چل سکتی ہوں؟'' اس نے پوچھا۔ اس کے ہونٹوں پر بہت من موہنی مسکراہٹ تھی۔

مائیکل مورگن نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تم ہوٹل واپس جاؤ اور وہاں میرا انتظار کرو۔ مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی''۔

''چلو ٹھیک ہے''۔ جوآن نے دل گرفتگی سے کہا۔ ''لیکن یہ بتا دوں کہ میں زیادہ دیر انتظار نہیں کروں گی''۔

''دیکھیں گے''۔ مائیکل نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا اور چلا گیا۔

جوآن اسے دیکھتی رہی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ اسے آخری بار دیکھ رہی ہے......اور اب کبھی نہیں دیکھ سکے گی۔ یہ الگ بات کہ بعد میں بھی اس حقیقت کو قبول کرنے میں اسے بہت وقت لگا اور اس کی وجہ سمجھنے میں اس سے بھی زیادہ......۔

..................X..................

وادئ سیبولان میں بیلوئر کا پرانا قلعہ اپنی بوسیدہ دیواروں سمیت کھڑا سر بلند دکھائی دے رہا تھا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

وہ بارہویں صدی عیسوی سے وہاں موجود تھا...... صلیبی جنگوں کے زمانے سے، جب یورپ سے عیسائی طاقت کے زور پر سرزمین مقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے آزاد کرانے کے لئے آئے تھے۔ یہ قلعہ انہوں نے ہی تعمیر کیا تھا اور بیوگن ہیگن کو وہ ثبوت اس قلعے کے کھنڈرات میں ہی ملا تھا۔ یہ ثبوت کہ اینٹی کرائسٹ اب اس دنیا میں آچکا ہے...... ثبوت کہ اس وقت اینٹی کرائسٹ اس دنیا میں موجود ہے۔

..................X..................

ٹوٹی ہوئی محرابوں اور بوسیدہ دیواروں کے درمیان لمبے بالوں والی بھیڑیں ادھر ادھر چرتی پھر رہی تھیں۔ جیپ کے انجن کی دور سے آتی آواز سنی تو انہوں نے چونکنے انداز میں سر اٹھائے اور ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔ وہ خاموشی اور سکوت کی عادی تھیں۔

صبح ہو رہی تھی۔ سورج کی کرنیں وادی کو منور کرنے لگی تھیں۔ لیکن شفق کی سرخی اب بھی غالب تھی۔ قریبی پہاڑی کی چوٹی پر جیپ نمودار ہوئی اور ڈھلوان کا سفر طے کر کے اس طرف آنے لگی۔ بھیڑیں گھبرا کر ادھر ادھر بھاگنے لگیں۔ ان کے گلے میں پڑی ہوئی گھنٹیوں سے فضا گونج اٹھی۔

جیپ قلعے کی دیوار کے پاس رکی۔ بیوگن ہیگن اور مورگن جیپ سے اترے۔ فضا میں اوائل صبح کی خنکی تھی۔ لیکن مورگن اس طرف سے بے نیاز تھا۔ بیوگن ہیگن جیپ کے عقبی حصے میں آلات کے ڈھیر میں کان کنوں والے ہیلمٹ تلاش کر رہا تھا۔ انہیں جہاں جانا تھا، وہاں انہیں ان کی ضرورت محسوس ہوتی۔ وہاں اتنا اندھیرا تھا کہ ایک لیمپ سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ اس کے علاوہ سروں کے تحفظ کا کوئی بندوبست کئے بغیر وہاں جانا بھی خطرناک تھا۔ اس لئے وہ ہیلمٹ ضروری تھے کہ ان پر ٹارچ بھی نصب ہوتی ہے۔

اونچی نیچی دیوار کے سب سے بلند مقام پر بیٹھے ہوئے اس جسیم کوے پر ان میں سے کسی نے بھی دھیان نہیں دیا، جس کی آنکھوں میں شیطانی چمک تھی، وہ ایک ٹک انہیں دیکھے جا رہا تھا۔

بیوگن ہیگن اور مورگن قلعے کے تاریک بینکوئٹ ہال میں داخل ہوئے، وہاں ساڑھے چھ سوفٹ اونچے اونچے بھاری ستون تھے، جو قلعے کی چھت تک قائم تھے۔ ان کے قدموں کی چاپ سے سوئی ہوئی چمگادڑیں جاگ گئیں اور ادھر ادھر اڑنے لگیں۔ بیوگن ہیگن نے چرمی پاؤچ کو یوں اپنے سینے سے لگا لیا، جیسے اس کے چھن جانے کا ڈر ہو۔ دونوں نے اپنے ہیڈ لیمپس آن کر لئے تھے، وہ صدیوں پرانے زینے سے نیچے اترنے لگے، جہاں حال ہی میں آثار قدیمہ کی ٹیم نے کھدائی کی تھی۔

جہاں کھدائی نامکمل تھی، وہاں لکڑی کے تختے بچھا کر کھدائی کو ڈھانپ دیا گیا تھا۔ وہ تختے ہی کیچڑ اور گڑھوں کے درمیان چلنے میں معاون ثابت ہو رہے تھے۔ دیواروں کے ساتھ کھدائی میں استعمال ہونے والے جدید آلات اور کھدائی کے دوران دریافت ہونے والی قدیم چیزیں ترتیب سے رکھی تھیں۔ ان کو پلاسٹک کی بڑی شیٹوں سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔

پھر مورگن کی نظر اس چیز پر پڑی، جس نے اسے دہلا کر رکھ دیا۔ وہ ایک مجسمہ تھا...... بہ یک وقت خباثتی کا مظہر اور گراہ کن حد تک خوب صورت۔ وہ ایک عورت تھی، جو سرخ رنگ کے ایک درندے پر سوار تھی، اس درندے کے ساتھ مہیب سر تھے اور دس بڑے بڑے سینگ، درندے پر ایک ایسی زبان میں کوئی عبارت تحریر تھی، جو ہزاروں سال سے بولی ہی نہیں گئی تھی۔

مورگن ضعیف الاعتقادی سے بہت دور بھاگتا تھا۔ وہ غیر عقلی باتوں کو آسانی سے تسلیم بھی نہیں کرتا تھا۔ لیکن وہ بے وقوف نہیں تھا۔ اسے ایک نظر میں اندازہ ہو گیا کہ وہ کیا چیز ہے۔ ''بابل کا فاحشہ!'' اس نے بلند آواز میں کہا۔

اس کے کہے ہوئے خوف ناک الفاظ دیواروں سے ٹکرا کر دیر تک اس گھٹی فضا میں ناچتے رہے۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اس نے سر گھما کر دیکھا۔ اس وقت بیوگن ہیگن دیوار کے ایک روزن سے نکل کر غائب ہوتا دکھائی دیا۔ اس نے اس کی آواز نہیں سنی تھی۔ مورگن نے بے ساختہ جھرجھری لی اور اس کے پیچھے لپکا۔ وہ یہاں اس پراسرار اور خوف ناک ماحول میں بابل کو فاحشہ کے مجسمے کے ساتھ ایک پل بھی تنہا نہیں رہنا چاہتا تھا۔

وہ بیوگن ہیگن کے پیچھے ایک اور چیمبر میں داخل ہو گیا۔

اور وہ وہاں موجود تھی...... ریگائیل کی دیوار! بیوگن ہیگن کے ہیلمٹ میں نصب ہیڈ لیمپ کی روشنی اس آرٹسٹ کے کام کو اجاگر کر رہی تھی، جو جینئس تھا اور دیوانگی کی حدیں پھلانگ گیا تھا۔ کیوں کہ ہر رات شیطان کا خوف ناک، پل پل بدلتا چہرہ اسے اپنی جھلک دکھاتا رہتا تھا۔

سب سے بڑی تصویر میں شیطان پختہ کار نظر آ رہا تھا۔ اس کے نقش و نگار کو ابھارتے ہوئے بدنظمی اور انتشار کو پوری فنی مہارت کے ساتھ اس نقش دیوار میں سمو دیا گیا تھا۔ اسے ایک عمودی چٹان کو تھامے زور لگاتے دکھایا گیا تھا۔ اس کے طاقت ور بازو اور ٹانگیں اس مشقت کی وجہ سے تنے ہوئے تھے۔ اس کے بڑے بڑے چمگادڑ جیسے پر اس کو تحفظ دینے والے انداز میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس کا پورا چہرہ سامنے نہیں تھا۔ اس کے نقوش کو دانستہ واضح کر کے نہیں تراشا گیا تھا۔

پھر دوسرا پورٹریٹ تھا۔ اس میں چہرہ پورا تھا۔ سر سے بالوں کے بجائے فورک جیسی زبانوں والے سانپ باہر نکل کر لہراتے نظر آ رہے تھے لیکن اس میں بھی چہرے کے خدوخال بے حد غیر واضح اور مبہم تھے۔

پھر ایک اور پورٹریٹ تھا...... نسبتاً چھوٹا۔ اس میں شیطان بچہ تھا۔ اس تصویر میں چہرہ اور اس کے نقوش بے حد واضح تھے اور وہ چہرہ کسی نومیدہ کلی جیسا شگفتہ اور خوب صورت تھا۔ لیکن سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یہ وہ چہرہ تھا، جسے وہ اخبار کے صفحے پر دیکھ چکا تھا۔ وہ ڈیمین تھورن کا چہرہ تھا!

''میرا خیال ہے، یہ دیکھ کر شاید تم قائل ہو جاؤ گے''۔ بیوگن ہیگن نے کہا۔

لیکن مورگن اس سے پہلے ہی قائل ہو چکا تھا۔

وہ دیوار کی طرف یوں بڑھا، جیسے وہ اسے کھینچ رہی ہو۔ اس پورٹریٹ میں کوئی مقناطیسی کشش تھی، جو اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔

اسی لمحے ایک زبردست کڑاکے کی آواز سرنگ میں گونجی۔ اس کے فوراً بعد زبردست گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ مورگن لڑکھڑایا اور بیوگن ہیگن سے جا ٹکرایا۔ اب وہ دونوں ساکت و صامت کھڑے تھے۔ لمحے دبے پاؤں گزر رہے تھے۔

پھر ان کی نگاہوں کے سامنے کچھ دور سرنگ کی چھت اچانک بیٹھ گئی۔ پتھروں کی برسات ہو رہی تھی اور مٹی اور گرد کا طوفان آیا ہوا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ مٹی اور گرد کے بادلوں میں گھر گئے۔ مورگن کو پھندا لگا اور وہ کھانسنے لگا۔ بیوگن ہیگن البتہ پرسکون تھا۔

مورگن کی کھانسی رکی تو وہ بیوگن ہیگن کی طرف مڑا۔ ''باہر نکلنے کا کوئی اور راستا ہے؟'' اس نے اس سے پوچھا۔

اس وقت کان پھاڑ دینے والا دوسرا دھماکا ہوا۔ اس کے عقب میں بھی سرنگ کی چھت بیٹھ گئی تھی۔

اب بیوگن ہیگن کے چہرے پر بھی دہشت کا تاثر تھا۔ مورگن کے سوال کے جواب میں اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں، کوئی راستہ نہیں''۔ اس نے کہا۔ وہ جانتا تھا کہ اب وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

اب سرنگ میں زیادہ سے زیادہ پانچ فٹ کی وہ جگہ ہی محفوظ تھی، جہاں اس وقت وہ دونوں کھڑے تھے۔ باقی دونوں طرف ملبہ تھا اور بڑے بڑے پتھر برس رہے تھے۔ وہ سرنگ اب ان کا مقبرہ بننے والی تھی۔

اب وہاں موت کی سی خاموشی تھی۔ مورگن نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے بیوگن ہیگن کو دیکھا۔ بوڑھے بیوگن ہیگن کی آنکھیں بند تھیں اور ہونٹ ہل رہے تھے۔ شاید وہ آخری دعا کر رہا تھا۔ وہ خود کو موت کے لئے تیار کر رہا تھا۔

پھر انہوں نے ایک نئی آواز سنی۔ وہ دھیمی اور ڈراؤنی تھی، جس میں تسلسل تھا۔ پہلے تو مورگن اسے نہیں پہچان سکا۔ پھر اس نے چھت میں نمودار ہونے والے اس چھوٹے سے سوراخ کو دیکھا، جس سے مسلسل ریت نیچے گر رہی تھی...... سیٹی جیسی آواز کے ساتھ۔

چند لمحے بعد چھت میں دوسرا سوراخ نمودار ہوا۔ پھر وہ چار ہو گئے...... پھر بارہ۔ اب ان پر ریت برس رہی تھی۔ ریت ان کی آنکھوں میں گر رہی تھی، ان کے دہن میں جا رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کے جوتے ریت میں چھپ گئے۔

بالآخر مورگن کو احساس ہو گیا کہ وہ مرنے والا ہے۔ اس نے نیچے دیکھا۔ بابل کی فاحشہ کا مجسمہ ان کے قدموں میں تھا اور آدھے سے زیادہ ریت میں دفن ہو چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ لاحاصل ہے۔ لیکن پھر بھی وہ جھک کر ہاتھوں سے ریت کو ہٹانے لگا۔

کچھ ہی دیر میں اس کی انگلیاں لہولہان ہو گئیں اور وہ بے بسی سے رونے لگا۔

''اینٹی کرائسٹ ہمارے درمیان موجود ہے''۔ برستی سرسراتی ریت کے درمیان بیوگن ہیگن نے چیخ کر کہا۔ ''ہمیں خود کو خدا کے سپرد کرنا ہے مورگن۔ صرف خدا کو یاد کرو''۔

اس کے جواب میں جیسے باہر قلعے کی دیواریں اور دیو قامت ستون لرزنے لگے۔ گڑگڑاہٹ کی زبردست آواز ابھری جو آخر کار ہیبت اور خوف ناک چنگھاڑ میں تبدیل ہو گئی۔ روتا ہوا مورگن اب بھی زخمی ہاتھوں سے مٹی ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن ریت اس کی کمر تک پہنچ گئی تھی اور اس کی سطح بہت تیزی سے بلند ہو رہی تھی۔

بیوگن ہیگن کی آنکھیں اب بھی بند تھیں۔ وہ دعا کر رہا تھا۔ ''خداوند، ہم پر رحم فرما۔ کرائسٹ جیزز، ہمیں برکتوں سے نواز اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرما......''۔

ریت اب ان کی ٹھوڑیوں تک آ پہنچی تھی۔ مورگن بے حد دردناک آواز میں بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ بیوگن ہیگن بدستور مصروف دعا تھا۔ ''خداوند...... بدی کی قوتوں نے ہمیں زیر کر لیا ہے۔ فتح یاب ہو رہی ہیں۔ لیکن آخری فتح سچائی ہی کی ہو گی۔ یہ آپ ہی کا فرمان ہے خداوند......''۔

ریت اب منہ تک آ گئی تھی۔ پھر ناک...... آن کی آنکھیں...... پھر ان کی پیشانیاں ریت نے ڈھانپ لیں۔ اس کے ہیلمٹس کے ہیڈ لیمپ بجھ گئے۔ ہر طرف خوف ناک اندھیرا چھا گیا...... اور وہاں موت کے سوا کچھ نہیں رہا۔

ایک زبردست دھماکے کے ساتھ پورا قلعہ زمیں بوس ہو گیا۔ کہیں ریت اور پتھروں کے سوا کچھ نہیں رہا۔

لیکن دو چیزیں باقی رہ گئیں تھیں۔ دیوانے مصور ریگائیل کی وہ دیوار...... واحد ٹھوس ثبوت...... معجزانہ طور پر صحیح وسلامت رہی۔ اور اس دیوار کے قریب منوں مٹی کے نیچے بیوگن ہیگن کی چرمی پاؤچ، جس میں خنجر موجود تھے، وہ بھی صحیح وسلامت تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ شیطانی قوتوں سے بڑی کوئی قوت روبہ عمل تھی، جس نے وہ ثبوت بچانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اور ثبوت کا اس طرح بچ جانا اس سب سے بڑی نیکی کی قوت کی موجودگی کا ثبوت تھا۔

گرد و غبار کی اس طوفان میں وہ بہت بڑا کوا فضا میں بلند ہو رہا تھا۔ اوپر پہنچ کر اس نے ملبے کے گرد کئی چکر لگائے اور فاتحانہ آواز میں کئی بار چلایا۔ پھر وہ اڑتا ہوا دور چلا گیا...... ایک چھوٹا سا سیاہ نقطہ لگنے لگا۔

..................X..................

الاؤ کی لرزتی روشنی میں لڑکے کا چہرہ چمک رہا تھا۔ وہ بہت خوف صورت چہرہ تھا۔ بس ایک بات تھی۔ اس کے چہرے پر اتنی گہری سنجیدگی تھی جو ایک ایسے لڑکے پر کبھی بھی اچھی نہیں لگ سکتی، جو ابھی 13 سال کا بھی نہیں ہوا ہو۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اس کی آنکھوں میں عجیب سی اداسی تھی۔ وہ ٹکٹکی باندھے الاؤ میں تھرکتے شعلوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کوئی عجیب سا بنیادی، ازلی دکھ اس کے دل کو گرفت میں لئے ہوئے تھا۔ اپنے وجود کی نامعلوم گہرائیوں میں ایک صدیوں، قرنوں سے بھولی بسری دانش کا احساس اسے ستا رہا تھا۔

''ڈیمین؟''

وہ ویسے ہی ساکت وصامت بیٹھا رہا۔ اس نے وہ آواز نہیں سنی۔ وہ تو زمان ومکاں کی کسی اور مسافت کے کسی لمحے میں الجھا ہوا تھا۔ اس کے ارد گرد مالی درختوں کے مردہ، سوکھے پتوں کو سمیٹ کر یک جا کر رہے تھے۔ لیکن وہ اپنے خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ اسے ان کی موجودگی کا احساس بھی نہیں تھا۔

درحقیقت وہ شکاگو کے شمالی ساحل پر ایک بہت بڑے لان کے بیچ میں کھڑا تھا۔ ایک طرف حد نظر تک وہ لان تھا اور دوسری طرف دیکھا جائے تو قدیم طرز کی ایک بہت بڑی حویلی تھی۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ شفق کی سرخی الاؤ کے شعلوں کا تاثر دے رہی تھی۔

یہ بہت بڑی جاگیر اس کے چچا کی ملکیت تھی۔ چچا اور چچی ہی اب اس کے لئے والدین کی جگہ تھے۔

تو وہ اس وقت چچا کی جاگیر کے وسیع وعریض لان میں کھڑا تھا۔ لیکن اپنے ذہن میں، اپنے تصور میں وہ کہیں اور تھا۔ وہ مسلسل بھڑکتی، کبھی نہ بجھنے والی آگ کے شعلوں کو گھور رہا تھا۔ وہ ایسی آگ تھی جو جلاتی تو تھی۔ لیکن مرنے نہیں دیتی تھی۔ اس کی نگاہ ان شعلوں پر تھی اور اس کے کانوں میں چیخوں اور فریادوں کی آواز گونج رہی تھی۔ وہ ان بدبختوں کی چیخیں تھیں، جو اس آگ میں جل جھلس رہے تھے۔ وہ بدترین اذیت جھیل رہے تھے اور اس اذیت کو بڑھانے والی یہ حقیقت تھی کہ وہ جانتے تھے کہ انہیں اس اذیت سے نجات کبھی نہیں مل سکے گی۔ وہ ان کی ابدی سزا تھی۔

اور وہ جگہ جہنم تھی!

''ڈیمین!''

اس بار اس کا تصور ٹوٹ گیا۔ ڈیمین نے سر جھٹکا اور آواز کی سمت دیکھا۔ اس کی نگاہ غروب ہوتے ہوئے سورج پر پڑی۔ وہ پلکیں جھپکنے لگا۔ سمر ہاؤس کی سرخ کھپریل والی چھت سے منعکس ہوتی ڈوبتے سورج کی کرنوں میں بھی کافی تیزی تھی۔ سر اٹھاتے ہوئے اس کی نظر اپنے کزن پر پڑی جو تیسری منزل کی بالکنی میں کھڑا اسے دیکھ کر زور وشور سے ہاتھ ہلا رہا تھا۔

ڈیمین مارک کو پسند کرتا تھا۔ مارک بہت مہربان تھا۔ اس کا دل بہت کشادہ تھا۔ سات سال پہلے اس نے کھلے دل اور کھلے باہوں کے ساتھ ڈیمین کو اپنی فیمی میں خوش آمدید کہا تھا اور اب ان دونوں میں اتنی اتنی گہری قربت تھی کہ بہت لوگ تو انہیں جڑواں بھائی سمجھتے تھے۔ اس وقت وہ دونوں ملٹری اکیڈمی کی وردی میں تھے۔ تھینکس گونگ کی چھٹیاں منانے کے لئے وہ یہاں آئے تھے۔ تھورن فیملی کا معمول تھا کہ ان تعطیلات کے بعد وہ اپنا سمر ہاؤس چھوڑ کے شہر چلے جاتے تھے۔ سمر ہاؤس جون میں دوبارہ آباد ہوتا تھا۔

ڈیمین نے بھی جواب میں ہاتھ ہلایا۔ ''میں ابھی آیا مارک''۔ اس نے چیخ کر کہا۔

پھر اس نے پلٹ کر ہیڈ مالی سے ہاتھ ملایا۔ ''او کے جم، اب اگلے موسم گرما میں ملاقات ہوگی''۔

بوڑھا جم جواب میں سر بھی نہیں ہلا پایا تھا کہ ڈیمین ایک پیدائشی ایتھلیٹ کی سی پھرتی اور باوقار تحرک سے لان عبور کرتا ہوں حویلی کے داخلی دروازے تک جا پہنچا۔

بالکنی میں کھڑے مارک نے، جسے اب ملٹری اکیڈمی شدت سے یاد آ رہی تھی، اپنا محبوب بگل نکالا اور ''ٹیپس'' کی دھند چھیڑ دی۔

ڈیمین اب 13 سال کا ہونے والا تھا دنیا کی بیشتر تہذیبوں کے خیال میں صدیوں سے یہ تصور چلا آ رہا ہے کہ لڑکا اس عمر میں داخل ہو جائے تو اسے تمام مردانہ قوتیں ودیعت ہو جاتی ہیں۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

چناں چہ رچرڈ تھورن نے اس موضوع پر گفتگو کو بہت سختی سے ممنوعہ قرار دے رکھا تھا۔ اس کی دوسری بیوی این بچوں کی نفسیات کی ماہر تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس واقعے کی خوف ناک یاد ڈیمین کے تحت الشعور میں دبی ہوئی ہے اور کسی نہ کسی وقت شعور کی سطح پر ابھر آئے گی۔ اور جب ایسا ہوگا تو ڈیمین کے رویئے میں کوئی نہ کوئی ایب نارملٹی رونما ہوگی۔ وہ کس نوعیت کی ہوگی، اس کے بارے میں اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

وہ رچرڈ سے یہ سب کچھ کہتی۔ لیکن رچرڈ ایسا کچھ سننا نہیں چاہتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اس نے ڈیمین کی ہر خواہش پوری کی ہے، اسے خوشیاں دیں ہیں، وہ اب بے سکوتی میں کبھی مبتلا نہیں ہوگا۔

مارک کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ اسے بس اتنا بتایا گیا تھا کہ ڈیمین کے والدین ایک خوف ناک حادثے میں ایک ساتھ ہلاک ہوگئے تھے، اسے یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ یہ تذکرہ ڈیمین کیلئے بے حد اذیت ناک ہے۔ لہٰذا وہ کبھی اس موضوع پر ڈیمین سے بات نہ کرے۔

فیملی میں ایک فرد ایسا تھا، جسے یقین تھا کہ ڈیمین کو اس روز کی ہر بات ایسے جزئیات حد سمیت یاد ہے، جیسے کل کی بات ہو۔ وہ ماریان تھورن تھی، جسے سب آنٹی ماریان کہتے تھے۔ وہ ریجنالڈ کی بہن اور رابرٹ اور رچرڈ کی پھوپھی تھی۔ وہ عجیب وغریب اور منفرد عورت تھی، جسے اس کی ضدی طبیعت اور اکھڑپن کی وجہ سے سبھی ناپسند کرتے تھے۔ اس میں ایک برائی یہ بھی تھی کہ دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑانا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ ماریان نے شادی نہیں کی تھی۔ بے شمار لوگوں نے اس کی طرف بڑھنے کی کوشش کی، لیکن اس نے یہ کہہ کر سب کو مسترد کردیا کہ وہ سب اس کی دولت کے لالچ میں اس کے قریب آنے کی کوشش کررہے ہیں۔ اب اس کی توجہ کا مرکز اس کے بھتیجے تھے۔ رابرٹ کو وہ بہت زیادہ چاہتی تھی۔ شاید اس لئے کہ اس نے خاندانی کاروبار اور دولت کو نظرانداز کرکے اپنے طور پر کچھ الگ سا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کی الم ناک اور اچانک موت کا اسے بہت صدمہ ہوا تھا اور اس کی وجہ سے وہ ڈیمین سے نفرت کرتی تھی۔ اس نے ڈیمین کو اس واقعے کا ذمہ دار سمجھا اور اسے کبھی اس پر عاف نہیں کیا۔ اپنے اندر وہ جانتی تھی کہ کسی نہ کسی طور پر ڈیمین ہی اس المیے کا ذمہ دار ہے۔ کیوں اور کیسے؟ اس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

لوگ ماریان کو برداشت کرتے تھے تو صرف اس لئے کہ تھورن انڈسٹریز کے حصص بہت بھاری تعداد میں اس کے پاس موجود تھے، جو کسی کم زور لمحے میں ریجنالڈ نے اسے دے دیئے تھے۔ اس کے نتیجے میں وہ کسی رشتے دار پر بوجھ بننے سے محفوظ رہی۔ بلکہ بہت عیش کی زندگی گزار رہی تھی۔ اس کے پاس جو اسٹاک تھا، وہ اس کی زندگی میں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ کیوں کہ اسے نہ کاروبار میں دل چسپی تھی نہ اس میں کہ کمپنی کو کس انداز میں چلایا جارہا ہے۔ لیکن اس کی موت کی صورت میں یہ خطرہ ضرور تھا کہ وہ کوئی غیر ذمہ دارانہ اقدام نہ اٹھائے۔ اس کی عمر بہت زیادہ تھی اور وہ بڑی آسانی سے کمپنی میں طاقت کا توازن تباہ کرسکتی تھی۔

آنٹی ماریان جانتی تھی کہ اسے ناپسند کیا جاتا ہے۔ ایسا نہیں کہ اسے اس بات کی کوئی پرواہو۔ مقبول تو وہ کبھی بھی نہیں رہی تھی۔ ایسا کم ہی ہوتا تھا کہ کوئی اسے اپنے ہاں ڈنر پر مدعو کرے۔ اس کے اپنے رشتے دار تک اسے نظرانداز کرتے تھے۔ چناں چہ وہ خود بھی ملنے کی کوشش نہیں کرتی تھی۔ لیکن اس سال معاملہ مختلف تھا۔ آنٹی ماریان کو ایک بہت خاص اور اہم بات کہنی تھی۔ چناں چہ اس نے اپنے وقار اور اپنی عزت نفس کو بالائے طاق رکھ دیا۔ وہ تھینکس گوِنگ کے ویک اینڈ پر رچرڈ تھورن کے گھر بن بلایا مہمان بن گی۔

..................X..................

اتوار کی اس رات آنٹی ماریان نے ہال میں دونوں لڑکوں کو گڈ نائٹ کہہ کر رخصت ہوتے دیکھا۔ دروازہ چوپٹ کھلا تھا تاکہ شوفر مرے لڑکوں کا سامان اٹھا کر لیموزین تک لے جاسکے۔ یہ ہمیشہ کا معمول تھا۔ لڑکے دو بیگ لے کر آتے اور واپس جاتے تو ان کے پاس چھ بیگ ہوتے۔

کھلے دروازے سے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اندر آیا۔ رچرڈ تھورن نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لئے۔ وہ 55 سال کا خواب رو آدمی تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی بیوی کو دونوں لڑکوں سے الوداعی گفتگو کیلئے مناسب وقت مل جائے۔ این نے ایک ایسی فیملی میں شادی کی تھی، جہاں دولت بھی تھی اور روایات کی زنجیریں بھی اور یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ دولت سمیت ہر چیز کی زیادتی اپنے ساتھ پے چیدگیاں بھی لاتی ہے۔ وہاں دولڑکے بھی تھے، جو اس کے اپنے نہیں تھے۔

رچرڈ کی پہلی بیوی، مارک کی ماں بہت پیار عورت تھی۔ این اور رچرڈ کے برعکس میری اور رچرڈ کے درمیان عمر کا فرق بہت کم تھا۔ ڈیمین کی اس گھر میں آمد سے ایک سال پہلے میری کار کے ایک حادثے میں چل بسی تھی۔ اس کی موت کے بعد کئی ماہ تک رچرڈ کو تنہا مارک کی نگہداشت کرنی پڑی۔ مارک اس وقت چھ سال کا تھا۔ اس کے کچھ عرصے بعد ڈیمین بھی اس کے پاس آگیا۔

رچرڈ کے دوستوں اور رشتے داروں کو اس کی این سے شادی کی خبر ملی تو انہوں نے سکون کی سانس لی۔ انہیں اطمینان ہوگیا کہ اب دولڑکوں کی پرورش اور تربیت کا بوجھ بانٹنے والا کوئی اور اس کے ساتھ ہے۔

این بہت عقل مند، ذہین اور پرکشش عورت تھی۔ وہ توانائی سے بھرپور بھی تھی اور اسے زندگی سے لطف کشید کرنا بھی آتا تھا اور وہ دوالیوں سے متاثرہ اس فیملی کے لئے ہم دردی اور محبت کا جذبہ بھی رکھتی تھی۔ ڈیمین تو فوراً ہی اس سے مانوس ہوگیا تھا۔ البتہ مارک کو سمجھوتہ کرنے میں کافی وقت لگا تھا۔ فطری بات تھی کہ وہ اس کا موازنہ اپنی ماں سے کرتا، جسے وہ پرستش کی حد تک چاہتا تھا۔

اب، سات سال بعد این بہ یک وقت دونوں لڑکوں کو سینے سے لگائے کھڑی تھی۔ ''وعدہ کرو کہ اچھی طرح رہوگے اور مجھے لکھتے رہا کروگے''۔ وہ دونوں کی پیشانی چومتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اور وہ کوشش کررہی تھی کہ اس کے آنسو نہ نکلیں۔

انہیں دیکھتے ہوئے رچرڈ کو اس خوب صورت عورت پر بہت پیار آیا، جو اس کی زندگی کے کٹھن اور دشوار وقت میں تازہ ہوا کے جھونکے کی طرح چلی آئی تھی۔

مارک این کی آغوش سے نکل کر باپ کی طرف لپکا اور اس سے لپٹ گیا۔ ''ہمارے برتھ ڈے تک کیلئے خدا حافظ ڈیڈ۔ ٹھیک ہے نا؟''

''بالکل ٹھیک''۔ رچرڈ نے اسے تھپکا۔ پھر ڈیمین کو پکارا۔ ''یہاں آؤ ڈیمین...... اپنے اولڈ مین سے بھی لپٹ جاؤ آکر''۔

ڈیمین بھی اس کی طرف لپکا۔ لیکن اس کے انداز میں وہ گرم جوشی نہیں تھی۔

اسی وقت انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی غرض سے شوفر مرے کھنکارا۔

''ہم تمہارا اشارہ سمجھ رہے ہیں مرے''۔ این نے ہنستے ہوئے کہا۔ پھر وہ رچرڈ اور دونوں لڑکوں کی طرف بڑھ گئی۔

بالآخر دونوں لڑکے لیموزین کی عقبی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ دروازے بند ہوئے اور کار روانہ ہوگئی۔

رچرڈ اور این اس وقت تک وہاں کھڑے رہے، جب تک کار نظروں سے اوجھل نہ ہوگئی۔ پھر وہ اندر جانے کے لئے پلٹے۔ اس وقت این نے آنٹی ماریان کو دوسری منزل پر اپنے بیڈروم کی کھڑکی سے جھانکتے دیکھا۔ وہ شاید لڑکوں کو جاتے دیکھ رہی تھی۔ لیکن جیسے ہی این نے اسے دیکھا، اس نے جلدی سے پیچھے ہٹتے ہوئے پردے برابر کردیئے۔

..................X..................

ڈیمین نے پچھلی سیٹ پر پشت گاہ سے سر لٹکاتے ہوئے کہا۔ ''اوبوائے''۔

''واقعی...... کیا ویک اینڈ گزارا ہے ہم نے۔ لگتا تھا، میں اب چیخا اور جب چیخا''۔

''تو آؤ اب چلائیں''۔

وہ دونوں کان پھاڑ دینے والے انداز میں چیخیں مارنے لگے۔ پھر ڈیمین نے شوفر سے کہا۔ ''مرے...... ہمیں سگریٹ تو دو''۔

مرے نے عقب نما آئینے میں ان کے عکس کو گھورتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ ''میرا جواب تمہیں معلوم ہے ڈیمین''۔

ڈیمین نے کندھے جھٹک دیئے۔ ''جب تک میں پوچھوں گا نہیں، مجھے معلوم بھی نہیں ہوگا''۔ اس نے بے پروائی سے کہا۔ پھر اس نے ناک چھنکنے کے

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اس نے عجیب انداز میں ناک کو انگوٹھے اور انگلی سے دبایا اور خیالی غلاظت کو پلٹ کر حویلی کی طرف اچھال دیا۔ ''آنٹی ماریان...... یہ تمہارے لئے ہے...... بطور خاص۔'' اس نے حلق کے بل چیختے ہوئے کہا۔

مارک نے اپنے بگل کو اس کی آواز سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ ''اوکاؤ...... کیسی خوف ناک عورت ہے''۔ اس نے تند لہجے میں کہا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے سمر ہاؤس آنے کی اجازت ہی کیوں دی گئی''۔

''تاکہ وہ اپنی انگلی ہماری طرف لہرا لہرا کر ہمیں برا بھلا کہے اور ہم پر تنقید کرے۔ تاکہ ہمارا ویک اینڈ تباہ ہو جائے، ناخوش گوار گزرے اور تو کوئی وجہ نظر نہیں آئی''۔ ڈیمین نے عالمانہ انداز میں کہا۔

''چلو جان چھوٹی۔ اب کم از کم اس کے ساتھ ڈنر تو نہیں کرنا پڑے گا''۔ مارک بے حد خوش ہو کر بولا۔ ''ارے وہ کم از کم سو سال کی تو ہوگی...... بڈھی پھونس کہیں کی۔ ارے...... یہ بو کیسی ہے؟''

''یہ لیونیڈر ہے احمق''۔ ڈیمین نے شوخی سے کہا۔ ''بڈھی عورتیں اس میں نہاتی ہیں''۔

''لڑکو...... بہت ہو گئی۔ اس بے چاری کی بس اتنی ہی خطا ہے نا کہ......'' مرے نے کہنا چاہا۔

''کہ وہ ہمارے اعصاب پر سوار ہو جاتی ہے''۔ مارک نے اس کا جملہ پورا کیا۔ پھر وہ ہنسنے لگا۔

ڈیمین اچانک سنجیدہ ہو گیا۔ ''مرے ٹھیک کہہ رہا ہے''۔ اپنے انداز پر اسے خود بھی حیرت ہونے لگی۔

مارک نے چونک کر اسے دیکھا کہ کہیں وہ مذاق تو نہیں کر رہا ہے۔ لیکن وہ سنجیدہ تھا۔

''بے چاری بڑھیا کا وقت پورا ہو گیا ہے''۔ ڈیمین نے خود کو کہتے سنا۔ وہ بلا ارادہ بول رہا تھا، جیسے کوئی اس سے کہلوا رہا ہو۔ اس نے دانت پر دانت جما کر خود کو مزید بولنے سے روکنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کی زبان نہیں رکی۔ ''ایسے میں ہمیں اس کا مذاق نہیں اڑانا چاہیے''۔

ڈیمین کا انداز اتنا عجیب تھا کہ مارک خاموش ہو گیا۔ مرے بھی کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر اس نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ ''تم لوگ اپنے نئے پلاٹون لیڈر سے بھی ملے ہو؟''۔

دونوں لڑکوں نے نفی میں سر ہلائے۔

''میرا تو خیال تھا، اب انہیں دوسرا نہیں ملے گا''۔ مرے نے کہا۔

ڈیمین نے کندھے جھٹک دیئے۔

''تمہیں کسی نے بتایا کہ سارجنٹ گڈرچ پر کیا گزری؟'' مرے نے پوچھا۔

''نہیں''۔ ڈیمین نے کھلنڈرے پن سے مارک کے پہلو میں کہنی مارتے ہوئے کہا۔

''کہتے ہیں کہ اس نے خودکشی کر لی''۔ مرے نے کہا اور عقب نما میں لڑکوں کا ردعمل چیک کیا۔ لیکن وہاں کوئی ردعمل نہیں تھا۔ خودکشی کی خبر نے انہیں اپ سیٹ نہیں کیا تھا۔

''بات یہ ہے کہ پلاٹون لیڈر...... ایک جیسے ہی ہوتے ہیں''۔ ڈیمین بولا۔ پھر وہ پلاٹون لیڈر کے انداز میں چیخ کر احکامات جاری کرنے لگا۔ ''اٹین شن، آنکھیں سامنے، کان پیچھے، پیٹ اندر، کولہے باہر''۔

اب دونوں لڑکے کھلکھلا کر ہنس رہے تھے۔ دیر تک وہ ہنستے رہے۔ پھر مارک نے ستائش لہجے میں کہا۔ ''تم پاگل ہو۔ تمہیں یہ بات معلوم ہے......؟''

''ہاں۔ اس کے لئے میں ریاضت کرتا ہوں''۔

مارک پھر ہنسنے لگا۔ ''اب میں بھی ریاضت کروں گا''۔ اس نے اپنا بگل سنبھالا۔

''ایک سوگوار دھن...... آنٹی ماریان کے نام''۔ ڈیمین نے فرمائش کی۔

مارک نے اپنے محبوب بھائی کی فرمائش پوری کی۔ لیکن بگل سے نکلنے والی آواز رگوں میں خون سرد کر دینے والی تھی۔ اور ایسا لگتا تھا کہ وہ آواز فضا میں معلق ہو گئی ہے۔

..................X..................

اس ڈائننگ ٹیبل پر گنجائش بارہ افراد کی تھی۔ لیکن آج رات وہاں صرف چار افراد تھے۔ رچرڈ تھورن میز کے آخری سرے پر اپنی بیوی این کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ پر آنٹی ماریان تھی اور آنٹی ماریان کے برابر ایک ادھیڑ عمر شخص بیٹھا تھا۔ اس کا نام ڈاکٹر چارلس وارن تھا۔ وہ قدیم دینی فن پاروں پر دنیا بھر میں اتھارٹی کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ تھورن میوزیم کا کیوریٹر تھا۔

بٹلر ڈائننگ روم میں داخل ہوا۔ وہ یہ پوچھنے کے لئے آیا تھا کہ کسی کو اور کافی تو درکار نہیں۔ لیکن رچرڈ کے چہرے کے تاثرات سمجھتے ہوئے اس نے یہ بات پوچھے بغیر کھسک لینے ہی میں عافیت جانی۔

آنٹی ماریان کچھ کہنے کی تیاری کر رہی تھی۔ رچرڈ جانتا تھا کہ وہ بہت زور سے بولتی ہے۔ اس لئے وہ نہیں چاہتا تھا کہ بٹلر کچھ سنے۔

''رات کافی ہو گئی ہے اور میں تھکی ہوئی ہوں''۔ آنٹی ماریان نے کہا۔ اس نے ان تینوں کو بغور دیکھا کہ وہ اس کی طرف متوجہ ہیں یا نہیں۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر اس نے سلسلہ کلام جوڑا۔ ''میں گھماؤ پھراؤ کے بغیر سیدھی بات کروں گی۔ میں اب بوڑھی ہو رہی ہوں اور عنقریب مجھے مر جانا ہے''۔ یہ کہہ کر اس نے براہ راست این کو دیکھا۔ ''اپنی سکون کی سانس کو بعد کیلئے بچا رکھو......''۔

این نے احتجاج کرنے کی کوشش کی۔ لیکن آنٹی ماریان نے اسے نظر انداز کر دیا۔

''میں تھورن انڈسٹریز کے 27 فی صد کی مالک ہوں''۔ آنٹی ماریان نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''اپنے حصص کے معاملے میں، میں پوری طرح آزاد ہوں کہ ان کا جو جی چاہے کروں......''۔

''یہ بات ہم بھی جانتے ہیں''۔ رچرڈ نے کہا۔ جب بھی آنٹی ماریان اس موضوع پر بات کرتی تھیں، وہ یہی جواب دیتا تھا۔

''اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ اس وقت تک میں نے سب کچھ تمہارے نام کر رکھا ہے اپنی وصیت میں''۔

''جی ہاں۔ آپ آگے کہیں''۔ رچرڈ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''میں آج تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ اگر تم نے میرے کہنے پر عمل نہ کیا تو......''۔

رچرڈ نے اپنا نیپکن اتار پھینکا۔ انتہائی معمولی درجے کی بلیک میلنگ بھی اس کے لئے ناقابل برداشت ہوتی تھی۔ اس کا مزاج ہی ایسا تھا۔ ''آپ مجھے دھمکی نہ دیں آنٹی ماریان۔ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ......''۔

''یہ ممکن نہیں کہ تمہیں پروا نہ ہو''۔ آنٹی ماریان نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''یہ تین بلین ڈالر کا معاملہ ہے''۔

ڈاکٹر وارن اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے اس ڈسکشن سے شرمندگی ہو رہی تھی۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہاں میری موجودگی کا کیا جواز ہے''۔ اس نے کہا اور جانے کے لئے مڑا۔

''تم یہاں تھورن میوزیم کے کیوریٹر کی حیثیت سے یہاں موجود ہو ڈاکٹر وارن''۔ آنٹی ماریان نے تیز لہجے میں کہا۔ ''اور میوزیم کے 27 فی صد کی بھی مالک ہوں''۔

ڈاکٹر وارن دوبارہ بیٹھ گیا۔ مگر اس کے چہرے سے اکراہ صاف ظاہر تھا۔

آنٹی ماریان اب صورت حال سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہی تھی۔ سب کی توجہ اس پر مرکوز تھی۔ این کی چبھتی ہوئی نگاہیں اسے احساس دلا رہی تھیں۔ مگر وہ پہلے ہی سے واقف تھی کہ وہ اسے پسند نہیں کرتی۔ بلکہ نفرت کرتی ہے۔ لیکن اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی۔ اسے یہ احساس بھی تھا کہ این کا رچرڈ کی زندگی میں داخل ہونا ٹائمنگ کے اعتبار سے ضرورت سے زیادہ پرفیکٹ تھا۔ وہ یہ بھی سمجھتی تھی کہ این کی نگاہ دراصل رچرڈ تھورن کی دولت پر ہے۔ جس طرح سے میری کی موت کے بعد این نے رچرڈ کو گھیرا تھا، وہ ایسا ہی تھا، جیسے کوئی گدھ کسی دم توڑتے ہوئے جان دار کے گرد چکر لگاتا ہے۔

لیکن اس وقت آنٹی ماریان نے ان تمام خیالات کو ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ اپنی توجہ اصل بات پر مرکوز رکھنا چاہتی تھی، جو اسے کرنی تھی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اس نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے بہت صاف اور واضح آواز اور دوٹوک انداز میں کہا۔ ''میں چاہتی ہوں کہ تم دونوں لڑکوں کو ملٹری اکیڈمی سے نکالو اور الگ الگ اسکولوں میں داخل کراؤ''۔

دیر تک خاموشی رہی۔ پھر این نے بھی بے حد مستحکم اور باوقار لہجے میں کہا۔ ''دونوں لڑکوں کا جہاں تک تعلق ہے تو مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ تم کیا چاہتی ہو۔ وہ ہمارے بیٹے ہیں، تمہارے نہیں''۔

وہ جواب آنٹی ماریان کی توقع کی توقع کے عین مطابق تھا۔ وہ زہریلے انداز میں مسکرائی۔ ''میں تمہیں یاد دلا دوں کہ دونوں میں سے ایک بھی تمہارا بیٹا نہیں ہے۔ مارک رچرڈ کا بیٹا ہے......اس کی پہلی بیوی میری سے اور ڈیمین آں جہانی رابرٹ تھورن کا بیٹا ہے''۔

این غصے سے لرز رہی تھی۔ بڑی مشکل سے وہ بس اس میں کامیاب ہوئی کہ اس نے اپنے آنسو روک لئے۔ اس نے کرسی پیچھے ہٹائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''شکریہ آنٹی ماریان، بہت بہت شکریہ''۔

رچرڈ نے بڑی نرمی اور محبت سے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے دوبارہ بٹھا دیا۔ پھر وہ آنٹی ماریان کی طرف مڑا۔ ''آپ یہ تو بتائیں کہ یہ سب کس لئے؟''

''مارک کو ڈیمین سے دور کر دو''۔ ماریان نے کہا۔ اسکی آنکھیں دہک رہی تھیں۔ ''ان کے لئے ایک دوسرے کی قربت مناسب نہیں۔ ڈیمین مارک پر بہت برا اثر ڈالے گا۔ اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔ تم مارک کو تباہ کرنا چاہتے ہو۔ وہ برباد ہو جائے گا۔ سمجھنے کی کوشش کرو''۔

اس بار رچرڈ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''بس بہت ہوگئی۔ آپ نے کہا، میں نے سن لیا۔ چلیں، میں آپ کو آپ کے کمرے تک چھوڑ آؤں''۔

ماریان بھی اٹھی اور اس کے سامنے تن کر کھڑی ہوگئی۔ ''تم اندھے ہوگئے ہو رچرڈ......دانستہ آنکھیں بند کر رہے ہو''۔ اس نے رچرڈ کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔ ''تم جانتے ہو کہ تمہارے بھائی نے ڈیمین کو قتل کرنے کی کوشش......''۔

ڈاکٹر وارن کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اس کے لئے تو وہ نئی خبر تھی۔ یہ بات اسے معلوم نہیں تھی۔

این اچھل کر اٹھی اور اس نے چیخ کر رچرڈ سے کہا۔ ''اسے یہاں سے نکال دو رچرڈ۔ اس عورت کو دھکے دے کر نکال دو''۔

آنٹی ماریان جانتی تھی کہ یہ ابھی نہیں یا کبھی نہیں والی صورت حال ہے۔ ''مجھے بتاؤ کہ رابرٹ نے ڈیمین کو قتل کرنے کی کوشش کیوں کی؟'' اس نے پرزور لہجے میں کہا۔ ''بتاؤ مجھے۔ جواب دو۔ سچائی کا سامنا کرو......بولو''۔

رچرڈ نے بڑی دشواری سے اپنے غصے پر قابو پایا۔ ''رابرٹ بیمار تھا......ذہنی طور پر بیمار''۔ اس نے دانت پر دانت جماتے ہوئے کہا۔

''بس کرو......اس عورت سے بات بھی مت کرو''۔ این چلائی۔

ڈاکٹر وارن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اسے خفت کا احساس بھی ہو رہا تھا۔ اور اس انکشاف نے اسے سنسنی سے دوچار بھی کر دیا تھا۔ وہ ساکت وصامت بیٹھا اپنے نیپکن کو بل دے رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کاش وہ غیر مرئی ہو جائے۔

آنٹی ماریان نے ایک گہری سانس لی اور ایک آخری کوشش کے لئے تیار ہوگئی۔ لیکن اب وہ بولی تو اس کے لہجے میں التجا تھی۔ ''اگر تم ڈیمین کو مارک سے دور نہیں کرو گے تو میں اپنا سب کچھ کسی فلاحی ادارے کو دے دوں گی......کسی بھی فلاحی ادارے کو......''۔

''آپ جو چاہیں کریں''۔ رچرڈ چلایا۔ ''آگ لگا دیں اپنی دولت کو۔ جہاں چاہے، پھینک دیں۔ بس یہ کوشش نہ کریں......''۔

''رچرڈ پلیز، میری بات سنو''۔ آنٹی ماریان رونے لگی۔ ''تم جانتے ہو کہ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں، سچ ہے۔ میں بوڑھی ضرور ہوں۔ مگر پاگل ہرگز نہیں۔ تمہارے بھائی نے ڈیمین کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ کیوں؟''

''نکل جاؤ یہاں سے''۔ این دہاڑی۔ وہ جارحانہ انداز میں بڑھی، جیسے بوڑھی عورت پر ہاتھ اٹھانے کا ارادہ ہو۔ رچرڈ نے اسے روکا۔ لیکن اس نے خود کو چھڑا لیا اور لرزتی انگلی ماریان کی طرف اٹھائی۔ ''اس عورت سے کہو کہ یہاں سے دفع ہو جائے''۔

''میں جا رہی ہوں''۔ ماریان نے بے حد وقار سے کہا۔ اس نے سرخم کرتے ہوئے ڈاکٹر وارن کو گڈ نائٹ کہا اور کمرے سے نکل گئی۔ رچرڈ بھی اس کے پیچھے نکلا۔

ان کے قدموں کی دور ہوتی چاپیں معدوم ہوئیں تو این ڈاکٹر وارن کی طرف مڑی۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولی۔ ''مجھے افسوس ہے چارلس۔ دراصل مجھے اندازہ نہیں تھا کہ......''۔

''نہیں......کوئی بات نہیں''۔ ڈاکٹر چارلس وارن نے جلدی سے کہا۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''کیوں نہ ہم چل کر سلائیڈز سیٹ کر لیں''۔ اس نے موضوع بدلا۔ ''میں تمہیں اور رچرڈ کو کچھ بے حد شاندار چیزیں دکھانا چاہتا ہوں''۔

حالاں کہ وہ بس اس کمرے سے نکل بھاگنا چاہتا تھا!

..................X..................

دوسری منزل کی لینڈنگ پر پہنچتے پہنچتے ماریان رچرڈ سے اپنا ہاتھ چھڑانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ ''میں خود بھی چل سکتی ہوں''۔ اس نے خفگی سے کہا۔

وہ دبیز قالین سے ڈھکے کاریڈور میں خاموشی سے بڑھتے رہے۔

اپنے بیڈروم کے دروازے پر پہنچ کر ماریان رچرڈ کی طرف مڑی۔ ''تمہارے بھائی نے ڈیمین کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور اسی کی وجہ سے وہ مرا۔ یہ حقیقت ہے......''۔

''ہم اس پر بات کر چکے ہیں آنٹی''۔

''رابرٹ کے پاس اس کی کوئی وجہ تو رہی ہوگی''۔

''میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ میں اس موضوع پر بات کرنا پسند نہیں کرتا......خاص طور پر مہمانوں کے سامنے''۔

''مگر کوئی وجہ تو رہی ہوگی''۔

''وہ بیمار تھا آنٹی ماریان۔ ذہنی اور جذباتی طور پر شدید بیمار''۔

''اور ڈیمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ وہ ذہنی اور جذباتی طور پر بیمار نہیں ہے؟''۔

''ڈیمین میں ایسی کوئی بات نہیں''۔ رچرڈ بے اختیار چیخنے لگا۔ اسے یہ تکلیف دہ احساس ستا رہا تھا کہ آنٹی ماریان اسے بے حد آسانی سے غصہ دلا دیتی ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ تحمل سے کام لے تو آنٹی اپنے مؤقف سے شاید دست بردار بھی ہو جائیں۔ اس نے خود کو پرسکون کرنے کی، معقول رویہ اختیار کرنے کی کوشش کی۔

''دیکھیں آنٹی، آپ کی ڈیمین سے نفرت بے بنیاد ہے......غیر معقول ہے''۔

''تم سمجھنے کی کوشش کرو''۔

رچرڈ کو یقین ہوگیا کہ آنٹی ذہنی توازن کھو رہی ہیں۔ ''آپ سو جائیں پلیز''۔ اس نے خشک لہجے میں کہا۔ ''آپ اس وقت اپنے آپے میں نہیں ہیں''۔

آنٹی ماریان نے بھویں اچکا کر اسے دیکھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کو تکلیف پہنچانے کیلئے کیا کیا جائے۔ وہ اسے یاد دلائے گی کہ وہ پوری طرح سے اپنے آپے میں ہے۔ ''ڈیمین کو ترکے میں مجھ سے کچھ نہیں ملے گا۔ کل میں اس کا پورا بندوبست کر لوں گی''۔ یہ کہہ کر اس نے دروازے کے لٹو کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

رچرڈ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''جو آپ کا دل چاہے کریں''۔ اس نے نرم لہجے میں کہا۔ ''کمپنی کے شیئرز آپ کے ہیں۔ ان پر آپ کا اختیار ہے''۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا لہجہ تڑپ کا اظہار کر رہا ہے۔ اسے اپنے دونوں بیٹوں کے مفادات کا تحفظ کرنا تھا۔ اس کیلئے اسے ان شیئرز کی ضرورت تھی ''لیکن میرے گھر میں آپ......''

''میں تمہاری مہمان ہوں۔ یہی نا''۔ ماریان نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''یہ میں بھی جانتی ہوں۔ لیکن مہمان کی حیثیت سے بھی یہ میرا کمرا ہے۔ اور میں تم سے کہہ رہی ہوں کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ ابھی......اسی وقت''۔

رچرڈ نے سرد آہ بھر کر اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا۔ عام طور پر وہ مشکل ترین صورت حال میں بھی پرسکون رہتا تھا۔ لیکن بوڑھی ماریان اسے مشتعل کرنے میں ہمیشہ کامیاب رہتی تھی۔ اس نے آگے جھکتے ہوئے اپنی پھوپھی کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ ''صبح مرے آپ کے لئے گاڑی تیار کر کے رکھے گا''۔ اس نے کہا اور واپسی کے لئے پلٹ گیا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

آنٹی ماریان اسے جاتا دیکھتی رہی، اس کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ پھر وہ پلٹی اور اپنے کمرے میں داخل ہوگئی۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کرلیا۔

..................X..................

رچرڈ نیچے اپنے پرائیویٹ روم میں پہنچا تو ڈاکٹر وارن اور این پروجیکٹر کو سیٹ کر چکے تھے۔ سلائیڈیں تیار تھیں۔ ڈاکٹر وارن تھورن میوزیم میں شروع ہونے والی تازہ ترین نمائش کے آئٹم رچرڈ کو دکھانا چاہتا تھا۔

آثار قدیمہ کی محبت رچرڈ تھورن کو اپنے باپ سے ورثے میں ملی تھی۔ اس میدان میں ریجنالڈ تھورن نے جو کچھ کیا تھا، رچرڈ بڑے خلوص اور لگن سے اسے آگے بڑھا رہا تھا۔ اس کی مالی امداد اور تعاون سے اسرائیل کے ایک چھوٹے سے قصبے کے باہر جو کھدائی ہو رہی تھی، وہاں چند بہت سنسنی خیز چیزیں دریافت ہوئی تھیں۔ وہ گزشتہ بیس سال میں اہم ترین دریافت تھی۔ اس کھدائی کا آغاز ریجنالڈ نے کرایا تھا اور اس کے ثمرات رچرڈ کے حصے میں آرہے تھے۔

رچرڈ نے روشنی مدہم کردی۔ ڈاکٹر وارن نے پروجیکٹر آف کردیا۔ ''ان میں سے بہت سی چیزیں پیک کی جا چکی ہیں اور امریکا بھیجی جا چکی ہیں''۔ چارلس وارن نے وضاحت کی۔ ''پہلا شپ منٹ کچھ ہی دنوں میں پہنچنے والا ہے''۔

پہلی چند سلائیڈز کچھ قدیم برتنوں اور چھوٹے مجسموں کی تھیں۔ انہیں دیکھتے ہوئے رچرڈ آنٹی ماریان کی سونپی ہوئی تلخی اور کشیدگی کو یکسر بھول بیٹھا تھا۔ این اسے دیکھتے ہوئے مسکرائی۔ اس کا جوش، اس کا عزم، تھوڑے لوگوں سے تعلقات...... مگر گہرے تعلقات اور پرانی چیزوں میں اس کی دل چسپی ایسی خصوصیات تھیں، جن کی وجہ سے وہ اس پر ملتفت ہوئی تھی۔

''یہ دیکھیں...... یہ وہ چیز ہے، جس میں آپ بہت دل چسپی لیں گے''۔ چارلس وارن کی آواز نے این کی سوچوں کا سلسلہ منقطع کردیا۔

این نے اسکرین کی طرف دیکھا۔ اس کی سانسیں رکنے لگیں۔ وہ ایک نسبتاً بڑے مجسمے کی سلائیڈ تھی۔ اس جزئیات بے حد واضح اور رنگ بے حد جان دار تھے۔ وہ ایک بے حد حسین عورت کا مجسمہ تھا، جس کے چہرے کے نقوش اس کی گراہی اور بے راہ روی کے غماز تھے۔ اس کا لباس اودا، سرخ اور سنہری رنگ کا تھا۔ وہ زیورات سے لدی پھندی تھی اور فاتحانہ انداز میں سات سروں والے ایک عفریت پر وار تھی۔ ہر سر سے ایک پتلی سی گردن منسلک تھی۔ ہر سر پر سینگ تھی اور بڑے بڑے نکیلے دانت اور باہر نکلی ہوئی پتلی دوشاخہ زبان۔ عورت نے اپنا سر پیچھے کی طرف کیا ہوا تھا اور اس کے بڑے بڑے گھونگھریالے بال لہرا رہے تھے۔ اس کے ہاتھ میں مشروب کا سونے کا پیالہ تھا...... اور لگتا تھا کہ وہ نشے میں ہے۔

''اوہ ڈیر''۔ این بڑبڑائی۔

''ہاں۔ بے شک، وہ خوف ناک لگتی ہے''۔ چارلس وارن نے کہا۔

''یہ بابل کی فاحشہ ہے نا؟'' رچرڈ نے پوچھا۔

چارلس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تم اس کے بارے میں جانتے ہو؟'' این نے رقابت کا بناوٹی اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

اس پر سب ہنسنے لگے۔

چارلس وارن نے ایک پینسل پکڑی اور اسکرین کی طرف بڑھ گیا ''یہ روم کی نمائندگی کرتی ہے''۔ اس نے کہا۔ ''اور یہ جو عفریت کے دس نکیلے سینگ ہیں، یہ وہ دس بادشاہ ہیں، جنہیں ابھی تک کوئی سلطنت نہیں مل سکی ہے۔ لیکن شیطان نے ان سے عارضی قوت دینے کا وعدہ کیا ہوا ہے...... اپنے بیٹے کی دنیا میں آمد کے موقع پر!''

''یہ اس عفریت پر کیوں سوار ہے؟'' این نے اس سے پوچھا۔

''اس کے بارے میں، میں کچھ نہیں جانتا''۔ چارلس وارن نے کہا۔ ''لیکن یہ طے ہے کہ یہ زیادہ عرصہ عفریت پر سواری نہیں کرسکی تھی۔ کتاب پیش گوئی کے مطابق وہ دس بادشاہ اس سے نفرت کریں گے۔ اسے بے لباس کرکے اسے تباہ کریں گے۔ وہ اس کا گوشت کھا جائیں گے اور اسے جلا دیں گے''۔

''زبردست''۔ این نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔ ''ویسے کیا تم ان سب باتوں پر یقین کرتے ہو؟''

''میں سمجھتا ہوں کہ بائبل میں بہت گہرے استعاروں سے کام لیا گیا ہے''۔ چارلس وارن نے کہا۔ ''اب ان کو سمجھنا، ان کی تعبیر و تشریح کرنا ہماری ذمہ داری ہے''۔

''مثلاً...... کوئی مثال دے کر سمجھاؤ''۔ این سحر زدہ سی لگ رہی تھی۔

چارلس وارن کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی۔ وہ کوئی مذہبی آدمی نہیں تھا۔ بلکہ کچھ عرصے پہلے تک تو وہ مذہب پر یقین ہی نہیں رکھتا تھا۔ مذہب سے متعلق چیزوں کے بارے میں اس کی دلچسپی محض عالمانہ تھی۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ اس کا نظریہ بدلنے لگا۔ اسے احساس ہوا کہ خدا موجود ہے۔ اسے ہر بات کے پیچھے اسباب نظر آنے لگے۔ اس نے سمجھ لیا کہ غور کیا جائے تو ہر چیز کی عقلی دلیل موجود ہے۔ ایک ماہر آثار قدیمہ کی حیثیت سے جو فن پارے اس نے دریافت کئے تھے، ان کے درمیان تسلسل تھا۔ ایسا تسلسل جسے اتفاق رار دے کر مسترد نہیں کیا جاسکتا اور جب ایک بار اس نے خدا کے وجود کو تسلیم کرلیا تو سب کچھ بدل گیا۔ اس کا کام، اس کی قوت تجزی، اس کے دوسروں سے تعلق...... غرض ہر چیز کی نوعیت تبدیل ہوگئی اور اسکے اندر یہ باطنی انقلاب ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے آیا تھا۔

کچھ لمحوں کی ہچکچاہٹ کے بعد چارلس وارن نے بالآخر این کے سوال کا جواب پوری سچائی کے ساتھ دینے کا فیصلہ کرلیا۔ ''بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں بہت کافی شواہد موجود ہیں کہ دنیا کا خاتمہ قریب ہے''۔ اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''کیا؟ کیا کہہ رہے ہو؟'' این کو لگا کہ وہ مذاق کررہا ہے۔

''گزشتہ دس برسوں میں بہت کچھ ایسا ہوا ہے، جس کے بارے میں کتاب پیش گوئی میں درج تھا''۔ چارلس نے وارن نے کہا۔ ''زلزلے، طوفان، سیلاب، قحط کی کثرت، فضائی اور آبی آلودگی، موسموں کی حیران کن تبدیلی......''

''مگر یہ سب کچھ تو بہت پہلے سے ہورہا ہے''۔ این کے لہجے میں احتجاج تھا۔

''یہ تو عام باتیں ہیں۔ مگر خاص پیش گوئیاں بھی ہیں۔ کتاب مقدس میں لکھا ہے کہ جب بائبل کا ترجمہ ہر لکھی جانے والی زبان میں ہوجائے گا تو اس کے بعد دنیا کا خاتمہ قریب ہوگا۔ اس صدی کی چھٹی دہائی میں یہ ہوگیا۔ پھر کتاب میں مشرق وسطیٰ میں آخری تباہی کا تذکرہ ہے......''۔

''لیکن......'' این نے کہنا چاہا۔

مگر رچرڈ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''اگر تم مائنڈ نہ کرو تو ہم دوبارہ سلائیڈز پر بات کرلیں۔ اگر دنیا کا خاتمہ اتنا ہی قریب ہے تو میں کم از کم وہ چیزیں تو دیکھ لوں، جن کے لئے میں نے کافی دولت صرف کی ہے''۔

ماحول کی سنگینی یک لخت ختم ہوگئی۔ یہاں تک کہ چارلس کو بھی ہنسی آگئی۔ اس نے ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبایا۔

اگلی سلائیڈ بھی بابل کی فاحشہ کی تھی۔ لیکن یہ تصویر زیادہ فاصلے سے لی گئی تھی اور مجسمے کے پاس ایک جوان عورت کھڑی تھی۔

''یہ لڑکی کون ہے؟'' رچرڈ نے پوچھا۔

''ارے...... میں تو سمجھی تھی کہ تم اسے بھی پہچان لوگے''۔ این نے مزاحیہ انداز میں کہا۔

''یہ میری دوست ہے...... جوآن ہارٹ۔ پیشے کے اعتبار سے جرنلسٹ ہے۔ آپ نے اس کا نام سنا ہوگا۔ یہ مشہور ماہر آثار قدیمہ بوگن ہیگن کی سوانح پر کام کررہی ہے''۔

اگلی سلائیڈ میں جوآن ہارٹ کا کلوز اپ تھا۔ وہ بے حد روشن اور چمک دار آنکھوں والی بے حد حسین عورت تھی۔

''کیا بات ہے چارلس، کوئی چکر تو نہیں؟'' این نے چارلس وارن سے پوچھا۔ ''لگتا ہے، یہ لڑکی تمہیں بہت متاثر کرچکی ہے''۔

چارلس وارن نے سر جھٹکتے ہوئے قہقہہ لگایا۔ ''نہیں ایسا تو نہیں۔ لیکن یہ اپنے کام میں بہت ماہر ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہ عنقریب شکاگو آنے والی ہے۔ یہ محتاط انٹرویو کرنا چاہتی ہے رچرڈ''۔

''میرا انٹرویو؟ مگر کیوں؟''

''کھدائی کے سلسلے میں...... اس نمائش کے سلسلے میں''۔

''تم جانتے ہو کہ مجھے انٹرویو دینا بالکل پسند نہیں''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''میں جانتا ہوں''۔

''کسی بھی طرح کا انٹرویو!''۔

''مجھے معلوم ہے، لیکن میں نے سوچا......''۔

''بس تو یہ بات اس لڑکی کو بتادو''۔

''آل رائٹ......آل رائٹ''۔ چارلس وارن نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ وہ جانتا تھا کہ رچرڈ اپنی نجی زندگی کو نجی رکھنا چاہتا ہے۔ وہ اسے عام لوگوں کی مداخلت سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ انٹرویو سے بچتا رہا ہے۔ سچ یہ تھا کہ چارلس وارن رچرڈ کے اس اصول کا احترام کرتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ تینوں ہال میں کھڑے ایک دوسرے کو گڈ نائٹ کہہ رہے تھے۔

''کل میں شہر جاؤں گا''۔ رچرڈ چارلس وارن کو کوٹ پہننے میں مدد دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''این یہاں رکے گی اور سمر ہاؤس بند کرا کے آئے گی''۔

چارلس وارن نے سر کے تفہیمی جنبش دی۔ ''مہمان نوازی کا شکریہ''۔

''میں پرسوں تم سے ملوں گی''۔ این نے چارلس کیلئے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ''احتیاط سے ڈرائیو کرنا۔ شب بخیر''۔

رچرڈ چارلس کے ساتھ اس کی کار تک گیا۔ ''آنٹی ماریان کے......''

''وہ تو مجھے یاد بھی نہیں''۔ چارلس مسکرایا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ رچرڈ نے کار کا دروازہ بند کیا اور ہاتھ لہراتے ہوئے گڈ بائی کہا۔

چارلس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

رچرڈ واپس پلٹا۔ اس نے گہری سانس لی۔ باہر نکلی ہوئی سانس بادل جیسی بن گئی۔ وہ کہر والی رات تھی۔

..................X..................

نیچے والوں کو پتا بھی نہیں تھا۔ آنٹی ماریان نے اس الوداعی گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا تھا۔ اس نے اپنے رویئے کے سلسلے میں ڈاکٹر وارن سے رچرڈ کی معذرت بھی سنی تھی۔ بستر پر لیٹنے سے پہلے اس نے معمول کے مطابق کھڑکی کھول دی تھی۔ وہ ہمیشہ کہتی تھی کہ تازہ ٹھنڈی ہوا اس کی صحت کے لئے بہت بڑی نعمت ہے۔

لیکن اس رات کھلی ہوئی وہ کھڑکی اس گفتگو کو سننے میں بھی معاون ثابت ہوئی تھی۔ اسے رچرڈ کی معذرت پر افسوس ہوا۔ کیوں کہ اس کے خیال میں وہ قطعاً غیر ضروری تھا۔

''ناشکرے کہیں کے''۔ وہ بڑبڑائی۔ پھر وہ بائبل کے اس بوسیدہ نسخے کی طرف متوجہ ہوگئی۔ ہر رات سونے سے پہلے وہ لازمی اس کا مطالعہ کرتی تھی۔ اس رات اس نے جینیسس کا باب کھولا......1:28

ثمر دار بنو، زمین کو آباد کرو اور تسخیر کرو۔ سمندر کی مچھلیوں پر اور فضا میں اڑتے ہوئے۔

پرندوں پر اور زمین میں بسنے والی ہر مخلوق پر غلبہ حاصل کرو۔

''یہ تو بہت اچھی خیال ہے صاف اور واضح''۔ آنٹی ماریان بڑبڑائی۔ وہ اس آیت کا تعلق تھورن انڈسٹریز کے معاملات سے جوڑ رہی تھی، جس کے 27 فی صد کی وہ مالک تھی، اس کے خیال میں یہ بشارت تھی کہ تھورن انڈسٹریز کو دنیا میں ایسا عروج حاصل ہوگا کہ کسی نے تصور بھی نہیں کیا ہوگا اور اس کے ساتھ ہی اس کا یہ عزم اور پختہ ہو گیا کہ وہ اپنے شیئرز اس شیطان ڈیمین کی گود میں پکے ہوئے پھل کی طرح نہیں گرنے دے گی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اپنے گھر پہنچتے ہی وہ پہلا کام اپنی وصیت تبدیل کرنے کا کرے گی۔ وہ اپنے شیئرز کا مختار کسی مذہبی فلاحی ادارے کو بنائے گی، جو عام لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرتا ہو۔ ان ناشکروں کا یہی علاج ہے......

وہ اپنے ان خیالات میں اتنی محو تھی کہ اسے وہ بہت بڑا سیاہ کوا نظر ہی نہیں آیا کو کھڑکی کی چوکھٹ پر آ بیٹھا تھا اور اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں شیطنت تھی۔

..................X..................

رچرڈ تھورن قریب کی نظر کا پرانے طرف کا چشمہ لگائے اپنے بستر پر نیم دراز کمپنی کی رپورٹس کا جائزہ لے رہا تھا۔ ان رپورٹس کا کافی بھاری پلندہ اس کے سامنے رکھا تھا۔ رات کے وقت وہ اکثر دیر تک یہ کام کرتا تھا۔ لیکن کمپنی کے معاملات اتنے پھیلے ہوئے تھے کہ وہ انتہائی کوشش کے باوجود اپنی معلومات کو اپ ٹو ڈیٹ نہیں کر پاتا تھا۔ کمپنی کی وسعت کی رفتار بھی بہت تیز تھی اور اس کے معاملات میں تبدیلیاں بھی بہت تیزی سے اور جلدی جلدی رونما ہوتی رہتی تھیں۔

مگر آج رات ارتکاز بھی اس کیلئے مسئلہ بن گیا تھا۔ آنٹی ماریان نے جس بے دردی اور غیر ذمہ داری سے اس کے بھائی کی موت کا تذکرہ کیا تھا، اس نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اذیت ناک یادوں میں گھر گیا تھا۔ وہ یادیں اس کے ذہن میں چکرا رہی تھیں......ایسی یادیں جن کے بارے میں وہ یہی بہتر سمجھتا تھا کہ وہ ذہن کے نہاں خانوں میں دفن رہیں۔ اس سلسلے میں تو بس قیاس آرائی ہی کی جا سکتی تھی کہ اس المناک وقوعے کے دوران، اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں رابرٹ کی ذہنی کیفیت کیسی تھی اور یہ بھی کوئی نہیں بتا سکتا کہ رابرٹ زندہ رہتا تو کس مقام تک پہنچتا۔ اس کا صدر امریکا بننا بھی غیر ممکن نہیں تھا۔ لیکن اپنی زندگی کے اہم ترین حصے میں ایک عام مجرم کی طرح ایک کانسٹیبل کی گولی سے اس کا ہلاک ہونا درحقیقت ایک بہت بڑا المیہ تھا۔ وہ انجام رابرٹ کی زندگی اور اس کے امکانات کے کسی بھی طرح شایان شان نہیں تھا۔

''رچرڈ''۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر اپنے بال سنوارتی ہوئی این نے اسے پکارا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

وہ خاصی دیر سے اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس نے چشمہ پیشانی پر چڑھایا اور این کی طرف دیکھا۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھ سے وعدہ کرو......'' این نے کہا۔

''کیسا وعدہ ہنی؟''

این نے سرد آہ بھری۔ اسے اندازہ ہوگیا کہ رچرڈ نے اس کی کہی ہوئی کوئی بات بھی نہیں سنی ہے۔ ''یہی کہ آئندہ آنٹی ماریان کبھی ہمارے گھر نہیں آئیں گے......کبھی نہیں!''۔

''اوہ این، وہ......''۔

''تمہیں مجھ سے وعدہ کرنا ہوگا''۔

''دیکھو، وہ بہت بوڑھی ہیں۔ ان کی عمر 84 سال ہے اور وہ میری سگی پھوپھی ہیں''۔

''مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔ میں بس انہیں برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ مجھ سے نفرت کرتی ہیں اور لڑکوں کو خوف زدہ کرنے کی کوشش......''۔

''کیسی باتیں کرتی ہو۔ لڑکوں کو تو وہ کوئی مزاحیہ کردار لگتی ہیں''۔

''حالانکہ وہ بے حد خطرناک اور شیطانی دماغ کی مالک ہیں''۔

''وہ بوڑھی ہیں اور زیادہ عمر کی وجہ سے سنک گئی ہیں''۔

''بہر حال، لڑکے چاہے بہ ظاہر انہیں کوئی مزاحیہ کردار سمجھتے ہوں۔ لیکن در حقیقت وہ ان کے ساتھ تنہا رہنا پسند نہیں کرتے۔ خاص طور پر ڈیمین''۔

رچرڈ نے اپنا چشمہ اتارا اور اسے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ یہ بات طے تھی کہ اب وہ کام نہیں کر سکے گا۔ اس نے رپورٹس کو یکجا کر کے پلندے کی شکل میں انہیں فرش پر رکھ دیا۔ ''دیکھو......کئی سال میں ایک بار ہی تو وہ آتی ہیں''۔ اس نے معاملے کی سنگینی کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''ان کی زبان کی دھار کا تجربہ ہمیں ہر روز تو نہیں ہوتا''۔

''یہ کوئی مزاحیہ بات نہیں''۔ این نے کہا۔ پھر اس نے کنگھا ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا اور لائٹ آف کر کے بیڈ کی طرف بڑھی۔

رچرڈ ہمیشہ کی طرح اسے سحر زدہ سا، متعجب سا دیکھتا رہا۔ وہ اتنی حسین تھی کہ وہ ہر بار مبہوت ہو کر رہ جاتا تھا۔ ہر بار اسے اپنی خوش بختی پر رشک آتا تھا۔ کیسے ٹوٹ پھوٹ والے عرصے میں وہ اچانک......کسی نعمت عظمیٰ کی طرح اسے مل گئی تھی۔ میری کی اچانک اور المناک موت کے بعد اسے یقین ہوگیا تھا کہ اب وہ کبھی کسی سے محبت نہیں کر سکے گا۔ پھر اچانک این صبح کی ہوا کے نرم جھونکے کی طرح، خدا کی عطا کی ہوئی کسی نعمت کی طرح اس کی زندگی میں چلی آئی۔

وہ پہلی بار واشنگٹن میں ملے تھے۔ وہ کاروبار کے سلسلے میں گیا تھا اور این وہاں اپنے کیریئر کا آغاز کر رہی تھی۔ ابتدا میں این کا انداز فارٹ کرنے والا تھا۔ پھر رچرڈ نے اسے میری کی موت کے بارے میں بتایا۔ اس کے بعد این کا رویہ بہت ہمدردانہ اور محبت آمیز ہوتا گیا۔

شاید اس کے باوجود بھی کچھ نہ ہوتا اور وہ اسے بھول گیا ہوتا۔ لیکن شکاگو واپسی کی فلائٹ میں وہ اسے اپنے برابر والی سیٹ پر بیٹھی ملی۔ اس نے اس وقت بھی یہیں کہا اور اب بھی یہی کہتی تھی کہ وہ اتفاق تھا۔ مگر اس کے بعد رچرڈ کے لئے اس کی بے پناہ کشش سے بچنا مشکل ہوگیا۔ اسے اپنی اور این کی عمروں کے فرق کا احساس تھا۔ وہ اس پر ملتفت تھی تو یہ بلاشبہ اس کے لئے ایک بڑا اعزاز تھا۔

وہ بے حد مختصر، تیز رفتار اور کسی پہاڑی دریا کا سا تند لو افیئر تھا۔ ان کی منگنی کے اعلان نے دنیا کو حیران کر دیا۔ اس وقت تک رچرڈ اس کی محبت میں اتنا سرشکار ہو چکا تھا کہ اسے کسی بات کی پروا نہیں رہی تھی۔ نہ اس بات کی کہ لوگ کیا کہیں گے اور نہ اس کی کہ کاروباری اعتبار سے کس طرح کے اثرات مرتب ہوں گے۔ نہ اسے افواہوں کی فکر تھی اور نہ بچوں کی۔ وہ تو بس اس کا دیوانہ ہو چکا تھا۔

اور اب سات سال بعد بھی اس کی قربت اسے ویسے ہی دیوانہ بنا دیتی تھی۔ این کو اسے ہوش وحواس سے بیگانہ کرنے کا ہنر خوب آتا تھا۔ اسے یاد تھا کہ میری بہت......بہت زیادہ شرمیلی تھی۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' این کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

''تمہارے بارے میں سوچ رہا ہوں''۔

''میرے بارے میں! کیا؟''

''ہم کس طرح ملے تھے۔ اور میں تمہیں کتنا چاہتا ہوں''۔

''اوہ ہو......وہی پرانی بات''۔

رچرڈ ہنس دیا۔ یہ ایک اور خوبی تھی۔ این اسے ہنسانا جانتی تھی۔ وہ اپنی باتوں سے گدگدی کرنا جانتی تھی۔ میری کے ساتھ وہ کبھی ایسے نہیں ہنسا تھا۔ لیکن وہ ان دونوں کا موازنہ کرنے سے بچتا تھا۔ اس کے نتیجے میں اسے احساس جرم ستانے لگتا تھا۔

''پھر وہی احساس جرم؟''

یہ ایک اور بات تھی۔ این اس کا ذہن ایسے پڑھ لیتی تھی، جیسے وہ اس کے لئے کوئی کھلی کتاب ہو۔ ''نہیں''۔ اس نے جھوٹ بولا۔ حالاں کہ وہ جانتا تھا کہ وہ این کو قائل نہیں کر سکے گا۔

''تم نے آنٹی ماریان سے کیا کہا؟'' این نے اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے پوچھا۔

''ارے......کچھ نہیں''۔

''بتاؤ نا۔ تم ان کے ساتھ اوپر گئے تھے نا''۔

''میں نے ان سے کہا کہ انہیں اپنا رویہ درست رکھنا چاہئے۔ معقولیت سے کام لینا چاہئے''۔

''بس؟'' اب وہ اس کے پیروں کے تلوے سہلا رہی تھی۔

''سچ تو یہ ہے کہ میرا لہجہ بہت سخت تھا''۔

وہ اس کے تلوے سہلاتی رہی۔

رچرڈ اداس ہوگیا۔ یہ وہ عورت تھی، وہ کھونا نہیں چاہتا تھا......کبھی نہیں، کسی قیمت پر نہیں۔ ویسے بھی موت اس کے چاہنے والوں پر کئی وار کر چکی تھی۔ باپ، بیوی، چھیتا بھائی......اتنا کچھ تو وہ پہلے ہی کھو چکا تھا۔ اب تو شاید موت میرا پیچھا چھوڑ دے گی۔ اس نے سوچا۔ خدا تو انصاف والا ہے۔ میں اپنے حصے سے زیادہ دکھ اٹھا چکا ہوں۔

اب تو وہ خوش تھا۔ در حقیقت وہ اتنا خوش تھا کہ اس کا جی چاہتا تھا کہ سب کچھ ہمیشہ ایسا ہی رہے۔ این، مارک اور ڈیمین۔ اس کی خوشی کے یہ تین مرکز تھے۔ این سے اسے پہلی نظر کی محبت ہوئی تھی۔ مارک سے بھی اس کی پہلی نظر کی محبت تھی۔ جب اس نے نوزائیدہ مارک کو پہلی بار دیکھا تھا تو اس ننھے بچے کی نزاکت کو بھول کر اس نے بے ساختہ اسے سینے سے لگا کر بھینچ لیا تھا۔ پھر آنے والے برسوں میں اس محبت میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا تھا۔ بلکہ اس میں فخر کا عنصر بھی شامل ہوگیا تھا۔

ڈیمین کا معاملہ البتہ مختلف تھا......مختلف بھی اور دشوار بھی۔ ڈیمین کو دیکھ کر اسے اپنے بھائی کی یاد آتی تھی۔ اس کی وجہ سے وہ اس معصوم بچے سے چڑتا تھا۔ لیکن وقت کے ساتھ اسے ڈیمین سے بھی بیٹے جیسی محبت ہوگئی۔ وہ اس کی کامیابیوں پر، اس کے قد کاٹھ، اس کی شکل وصورت پر فخر کرنے لگا۔ وہ اس کے لئے بھی شفیق باپ بن گیا۔

''ڈیمین بہت پیارا لڑکا ہے''۔ این نے سرگوشی میں کہا۔ اس نے پھر جیسے اس کی سوچیں پڑھ لی تھیں۔ ''میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ آنٹی ماریان اس سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہیں؟''

''یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم ہنی''۔

''انہوں نے تمہیں بھی پریشان کر دیا نا؟''

''ہاں۔ آج کا ڈنر کسی اعتبار سے بھی خوش گوار نہیں تھا''۔

''وہ تمہارے بھائی کی پرانی یادوں کو تازہ کر دیتی ہیں نا۔ وہ تمہارے زخم کریدتی ہیں نا؟''

رچرڈ کا جسم تن گیا۔ کچھ باتیں ایسی تھیں، جو وہ کسی پر بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا......اپنی محبوب بیوی این پر بھی نہیں۔ ''میں اس سلسلے میں بات نہیں کرنا چاہتا''۔ اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

این پسپا ہوگئی۔ وہ تفتیش اس لئے کرتی تھی کہ اسے اس کی پروا تھی۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ کب رک جانا بہتر ہے۔ پھر اس کی آنکھوں میں شرارت چمکنے لگی۔ ''اگر ان کی شادی ہوگئی ہوتی تو وہ ایسی چڑیل نہ بنتیں''۔

''واقعی......ایک اچھا مرد صورت حال کو کیسا تبدیل کر دیتا ہے''۔

''اچھا......میں نے تم سے وعدہ کرنے کو کہا تھا''۔ این اب اس کا سر سہلا رہی تھی۔ ''وعدہ کرو رچرڈ''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''ٹھیک ہے۔ وعدہ رہا۔ اب آنٹی ماریان ہمارے گھر کبھی نہیں آئیں گی''۔ رچرڈ نے کہا اور لائٹ آف کر دی۔

..................X..................

عین اسی لمحے دو اور لائٹس بھی آف ہوئی تھیں۔ آنٹی ماریان کے کمرے کی لائٹ اور آنٹی ماریان کی آنکھوں کی لائٹ!

بوڑھی ماریان مر چکی تھی۔ بوسیدہ بائبل اس کے ہاتھ سے پھسل کر فرش پر گر گئی تھی۔

یہ بات کسی کو نہیں معلوم تھی...... کسی کو بھی نہیں۔ سوائے اس جسیم سیاہ کوے کے جو آنٹی ماریان کے بیڈ روم کی کھڑکی سے باہر پرواز کر گیا تھا اور سیاہ آسمان پر چکرا رہا تھا!۔

..................X..................

اگلی صبح سورے پوری ڈیوڈسن ملٹری اکیڈمی پریڈ گراؤنڈ میں پوری شان و شوکت کے ساتھ موجود تھی۔ اسکول کا بینڈ مارچ کی دھن بجا رہا تھا اور اس کی لے پر پریڈ ہو رہی تھی۔

بیشتر کیڈٹ اپنی آنکھیں کھلی رکھنے کے لئے زبردست جدوجہد کر رہے تھے۔ ان کا بس چلتا تو وہیں سو جاتے۔ اس وقت ان کی تربیت ان کے کام آ رہی تھی۔ وہ روبوٹ کی طرح طے شدہ پروگرام کے تحت اشاروں پر عمل کر رہے تھے۔

بالآخر وہ پلاٹون کے اعتبار سے اسمبلی کی شکل میں کھڑے ہو گئے۔ بینڈ خاموش ہو چکا تھا۔

کرنل اسکول کی عمارت کے صدر دروازے کی سیڑھیوں پر کھڑا تھا۔ نوجوان کیڈٹ اپنی خاص ترتیب میں کھڑے تھے۔ ان کے نظم و ضبط کو دیکھ کر کرنل مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ میں فخر تھا۔ ملٹری میں ہونے کے ناتے وہ ضرورت سے زیادہ موٹا تھا۔ لیکن اسے فکر نہیں تھی۔ کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اب اسے اپنے ملک کی خاطر لڑنے کے لئے زحمت کبھی نہیں دی جائے گی۔'' چناں چہ اس نے خود کو اپنی زندگی کی ایک اہم خوشی فراوانی کے ساتھ دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنے جسم کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔

اس کے ساتھ ایک خوب رو، چست و توانا اور سنجیدہ جوان کھڑا تھا۔ وردی میں اس کے جسم کے مسلز بے حد نمایاں تھے۔ اس کا جسم ایسا تھا کہ اب کرنل اس پر رشک ہی کر سکتا تھا۔

کرنل نے سب سے پہلے تو کیڈٹوں کو تھینکس گونگ کی تعطیلات سے واپسی پر خیر مقدمی کلمات سے نوازا۔ پھر اس نے انہیں آئندہ چند ہفتوں کے عمومی شیڈول سے متعلق معلومات فراہم کیں۔

نیچے پریڈ گراؤنڈ میں مارک نے سرگوشی میں ڈیمین سے کہا۔ ''یہ میرے خیال میں وہی ہے''۔ اس کا اشارہ کرنل کے ساتھ کھڑے فوجی کی طرف تھا۔

''دیکھنے میں تو ٹھیک ٹھاک لگتا ہے''۔ ڈیمین نے جوابی سرگوشی کی۔

''شرط یہ ہے کہ آپ کو گوریلے اچھے لگتے ہوں''۔

''صرف بریڈلے پلاٹون رکی رہے''۔ کرنل کہہ رہا تھا۔ ''دوسری تمام پلاٹونیں کینٹین کی طرف جائیں...... لیس، مارچ......''

بینڈ پھر شروع ہو گیا۔ تمام پلاٹونوں کے رخصت ہونے کے بعد بینڈ پھر خاموش ہوا۔ اب وہاں مارک اور ڈیمین کی پلاٹون کے دو درجن کیڈٹس کے سوا کوئی موجود نہیں تھا۔

''ایٹ ایز''۔ کرنل نے چیخ کر کہا۔

تمام لڑکے قدرے پرسکون ہو گئے۔

کرنل نے سر ہلا کر اپنے ساتھ کھڑے فوجی کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ سارجنٹ ڈینیل نیف ہے۔ یہ سارجنٹ گڈرچ کی جگہ پلاٹون آفیسر کا چارج لے رہا ہے''۔ اس نے کہا۔

کافی عرصے کے بعد کسی نے سارجنٹ گڈرچ کا تذکرہ کیا تھا۔ وہاں کا اصول تھا کہ کیڈٹس کے سامنے حتیٰ الامکان موت کا تذکرہ کرنے سے گریز کیا جاتا تھا۔ حالاں کہ فوج کا موت سے گہرا تعلق ہے اور خودکشی کے متعلق بات کرنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ کیوں کہ یہ وہ موت تھی، جسے فوج میں نامردوں کے بزدلانہ فعل کی حیثیت دی جاتی تھی۔ چناں چہ یہ طے تھا کہ اب بھی سارجنٹ گڈرچ کا نام بھی کسی زبان پر نہیں آئے گا۔ جیسے وہ کبھی تھا ہی نہیں۔

''سارجنٹ نیف ایک بے حد تجربہ کار فوجی ہے''۔ کرنل کہہ رہا تھا۔ ''مجھے یقین ہے کہ اس کی کمان میں محض چند ہفتوں کے اندر یہ پلاٹون اکیڈمی کی سب سے اسمارٹ پلاٹون کہلائے گی''۔ کرنل دوستانہ انداز میں مسکرایا۔ پھر وہ نیف کی طرف مڑا۔ ''اب مزید تعارف تمہاری ذمہ داری ہے سارجنٹ''۔ اس نے کہا۔ ''اب یہ سب تمہارے ہوئے''۔

سارجنٹ نے شاندار طریقے سے کرنل کو سلیوٹ کیا اور پھر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ کرنل اپنے بے ڈول جسم کو فوجیوں کے سے انداز میں مدد کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

پلاٹون کی قطار کے آخر میں ایک بہت بھاری بھرکم لڑکا تھا۔ وہ دوسرے لڑکوں کے مقابلے میں کم از کم چھ انچ لمبا تھا۔ اپنی عمر کے اعتبار سے اس کا قد و قامت اور جثہ غیر معمولی ہی کہا جا سکتا تھا۔ اس کی گردن بہت موٹی اور کلائیاں بہت چوڑی اور پر گوشت تھیں۔ جو قمیص وہ پہنے ہوئے تھا، اس کے ناپ کی ہونے کے باوجود تنگ لگ رہی تھی۔ اس کا نام ٹیڈی تھا۔ اپنے بھدے پن کا بدلہ وہ اپنے کیڈٹ ساتھیوں پر دھونس جما کر، ان کے ساتھ زور زبردستی کر کے لیتا تھا۔ مذاق مذاق میں وہ کسی کے بھی کندھے پر ہتھوڑے جیسا گھونسہ رسید کرتا...... ایسا گھونسہ کہ مضروب کو لگتا کہ اس پر فالج کا حملہ ہوا ہے۔ بیس منٹ تک تو وہ بے چارہ اپنے متاثرہ بازو کو ہلا بھی نہیں پاتا تھا۔

اس وقت ٹیڈی نے نئے پلاٹون آفیسر پر طبع آزمائی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اس پر بہترین تاثر چھوڑنے کے موڈ میں تھا۔ تاکہ سارجنٹ ہمیشہ اسے اہمیت دیتا رہے۔

اس نے سارجنٹ نیف کے سینے پر لگے چمک دار بلوں کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ ''سارجنٹ، یہ تمہارے میڈل......''۔

''تم مجھ سے صرف اس صورت میں بات کرو گے، جب میں تم سے کچھ پوچھوں''۔ سارجنٹ نیف نے گرج کر کہا۔ ''اور تم میرا کہا ہر لفظ غور سے سنو گے۔ کیوں کہ میں اپنی اس نئی جاب میں چاندی کی طرح چمکنے اور نمایاں ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں اور میں صرف اسی صورت میں چاندی کی طرح چمک سکتا ہوں کہ میں تم سب کو روشن اور چمک دار ستارہ بنا دوں۔ تم وہ یونٹ ہو، جس سے میں یہ امید کرتا ہوں کہ اس کی کارکردگی کی چمک اس پریڈ گراؤنڈ میں دیکھنے والوں کی آنکھوں کو چندھیا دے گی''۔

سب خاموش تھے۔

نیف نے چند لمحے توقف کیا۔ پھر زور دے کر پوچھا۔ ''سمجھ گئے تم لوگ؟''۔

پلاٹون کے کیڈٹوں کے چہرے پھیکے پڑ گئے تھے۔ تاہم انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیئے۔ سچ یہ ہے کہ وہ اپنے نئے لیڈر سے بری طرح مرعوب ہو گئے تھے۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

ٹیڈی نے سر جھکالیا۔اس کا حلق حرکت کر رہا تھا، جیسے وہ تھوک نگل رہا ہو...... یا کوئی کڑوی دوا۔اپنے مرعوبین اور متاثرین کے سامنے یوں شرمندہ کیا جانا اسے اچھا نہیں لگا تھا۔کسی نہ کسی طور اسے اس کا بدلہ لینا تھا۔

''ناشتے کے بعد میں تم سب سے باری باری اپنے آفس میں ملنا چاہوں گا''۔نیف نے کہا۔''مگر فی الحال میں تم لوگوں سے نام ضرور پوچھوں گا''۔

نیف مارک کے سامنے آکھڑا ہوا۔وہ اسے استفسار طلب نظروں سے گھور رہا تھا۔

''مارک تھورن''۔مارک تھورن نے کہا۔وہ نیف کی نگاہ اپنے جسم کے آر پار ہوتی محسوس کر رہا تھا۔

''تھورن، مجھے اپنے رینک سے بہت محبت ہے''۔

''مارک تھورن سارجنٹ''۔مارک نے اضافہ کیا۔

''اوہ......تو تم تھورن ہو''۔سارجنٹ نیف مسکرایا۔''اس انسٹی ٹیوٹ سے تمہاری فیملی کا بہت گہرا تعلق ہے۔ہے نا؟''

مارک تھورن نے دولت اور طاقت کے ماحول میں آنکھ کھولی تھی۔اسے سکھایا گیا تھا کہ دوسروں کو اپنی دولت اور طاقت کا احساس دلانا بدتمیزی ہے۔اسے خودنمائی کی ضرورت نہیں۔اس وقت سارجنٹ کی بات سن کر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جواب میں کیا کہے، چناں چہ وہ خاموش رہا۔

لیکن نیف جواب چاہتا تھا۔''جواب دو۔میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟''

مارک نے ڈپلومیسی سے کام لینے کا فیصلہ کیا۔''میرے والد اور تایا یہاں کیڈٹ رہ چکے ہیں''۔اس نے سادگی سے کہا۔

''گڈ''۔نیف کو اس کی حاضر دماغی اور شائستگی اچھی لگی۔''لیکن ایک بات سمجھ لو''۔وہ بولا۔''اس بنیاد پر رعایتوں کی امید کبھی نہ رکھنا۔یہاں موجود تمام لوگ ایک جیسے ہیں...... برابر ہیں''۔

مارک نے تیزی سے سر کو تفہیمی جنبش دی۔''یس سارجنٹ''۔

ٹیڈی کو اس میں اپنے لئے عزت کی بحالی کا موقع نظر آیا۔''یہ مکالمے ہم پہلے بھی سن چکے ہیں''۔اس نے ایسی سرگوشی میں کہا، جو سب کو صاف سنائی دی۔

تمام کیڈٹ اپنی جگہ ٹھٹھر کر رہ گئے۔

نیف ایڑیوں کے بل گھوما۔اس کی انگلی ٹیڈی کی طرف اٹھی۔''لیکن میری موجودگی میں یہ مکالمے تم نے پہلی بار سنے ہیں''۔اس نے برہمی سے کہا۔

ٹیڈی ایک بار پھر سارجنٹ نیف کی تیز نگاہ کے سامنے آنکھیں نیچی کرنے پر مجبور ہوگیا۔اس نے سمجھ لیا کہ یہ نیا آدمی اور طرح کا ہے، ایک بار پھر اسے سب کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا۔

نیف قطار میں آگے بڑھا۔''نام بتاؤ''۔

''میرا نام ڈیمین تھورن ہے سارجنٹ''۔

نیف نے ایک نظر مارک کو دیکھا، پھر اس کی نظر ڈیمین کی طرف پلٹ آئی۔''تم دونوں میں کوئی مشابہت تو نہیں ہے''۔

''ہم کزن ہیں سارجنٹ''۔ڈیمین خطرہ مول لیتے ہوئے مسکرایا۔

نیف کی آنکھوں میں بھی ایک ثانئے کو چمک سی ابھری۔مگر اگلے ہی ثانئے معدوم ہوگئی۔''ٹھیک ہے، لیکن جو میں نے مارک سے کہا، وہ تمہارے لئے بھی ہے۔رعایت کی امید مت رکھنا''۔

ڈیمین نے اثبات میں سر ہلایا۔

نیف آگے بڑھ گیا۔ڈیمین کی نظریں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔اس شخص میں کوئی بات تھی۔اس کی موجودگی ایک طرف اس کے اعصاب پر بوجھ تھی تو دوسری طرف اس کے جسم میں سنسنی بھی دوڑاتی تھی۔اب وہ پوری طرح سے اپنے ردعمل کو سمجھ نہیں پا رہا تھا، بیان نہیں کر سکتا تھا۔

..................X..................

ساٹھ میل دور، شکاگو کے قلب میں رچرڈ تھورن اس لمحے تھورن انڈسٹریز کی وسیع و عریض عمارت کی لابی میں چل رہا تھا۔اس کے ساتھ کمپنی کا صدر بل ایتھرٹن تھا۔لابی میں کچھ لوگ موجود تھے۔لیکن صبح کی ابتدائی ساعتوں میں وہاں بہت ہجوم نہیں تھا۔یا تو وہ لوگ تھے، جو رات کی شفٹ کر کے جا رہے تھے یا وہ لوگ تھے، جن کے لئے کام نشے کی حیثیت رکھتا ہے۔

بل ایتھرٹن بے حد مہربان طبع، خود کو پس منظر میں، بے حد غیر نمایاں رکھنے والا شخص تھا۔وہ چاہتا تو بہت کامیاب جاسوس ثابت ہوتا۔اس کی شخصیت اور رکھ رکھاؤ ایسا تھا کہ دوسروں کو اس کے وجود کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا۔اس کی عمر 64 سال تھی۔زندگی بے حد ہموار تھی۔وہ کوئی جدوجہد کرتا دکھائی نہیں دیتا تھا۔لیکن مناسب رفتار سے، پورے یقین کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھتا نظر آتا تھا۔

تعلیم مکمل کرنے کے فوراً بعد بل نے تھورن انڈسٹریز میں قدم رکھا تھا۔ابتدا میں اس نے پلاننگ اینڈ ڈیولپمنٹ کے شعبے میں کام کیا تھا۔بہ تدریج ترقی کرتے ہوئے وہ ایگزیکٹوز زینے تک پہنچا تھا اور اب وہ اس سے اوپر صرف رچرڈ تھورن تھا، جو کمپنی کا چیف ایگزیکٹو آفیسر اور بورڈ کا چیئرمین تھا۔

بل کو کالج کے دنوں میں محبت ہوئی۔اسی لڑکی سے اس نے شادی کی اور اس شادی کے موقعے پر اس نے جو مکان خریدا، وہ آج بھی اسی مکان میں رہتا تھا۔اس کی بیوی اب بھی وہی تھی اور وہ اس سے پہلے جیسی محبت کرتا تھا۔بیوی سے زیادہ وہ اس کی محبوبہ تھی۔وہ اس کی ندگی میں آنے والی پہلی اور آخری عورت تھی۔وہ کبھی بے وفائی کا مرتکب نہیں ہوا تھا۔اس کی زندگی ایک خاص رفتار سے بہنے والی ندی کی طرح پرسکون تھی۔اس کی زندگی میں اچانک پن کی، کسی حیرت کی کوئی گنجائش نہیں تھی، بلکہ وہ اس پر حیران ہوتا تھا کہ اس کے جاننے والوں کی زندگی میں تبدیلیاں کیسے آتی ہیں۔وہ اتنے متلون مزاج کیوں ہیں۔

بل لگی بندھی زندگی ضرور گزارتا تھا۔مگر نہ وہ کوڑھ مغز تھا، نہ بے وقوف۔ہوتا تو تھورن انڈسٹریز کی صدارت اسے کیسے ملتی۔یہ عہدہ اس نے اپنی ذہانت اور محنت کے زور پر حاصل کیا تھا۔

اس وقت بل کے ذہن پر ایک بوجھ تھا، جو اسے پچھلے کچھ عرصے سے ستا رہا تھا۔اس الجھن کا تعلق پال بوہر سے تھا، جو اسپیشل پروجیکٹس کا ڈائریکٹر تھا اور براہ راست اس کا ماتحت تھا۔

پال بوہر عمر میں بل سے تیس سال چھوٹا تھا۔اس نے کبھی اپنی اس خواہش کو چھپا کر نہیں رکھا تھا کہ وہ بل ایتھرٹن کی جگہ لینا چاہتا ہے۔لیکن بل کو اس سے کوئی پریشانی نہیں تھی، کمپنی کی اندرونی سیاست سے وہ بے نیاز تھا۔وہ اپنے کام سے کام رکھتا تھا اور صرف اپنے کام کی فکر کرتا تھا۔وہ یوں بھی مطمئن تھا کہ اپنا کام وہ پوری دیانت داری اور لگن سے کرتا تھا اور رچرڈ تھورن اس کا سب سے پرانا اور سب سے قریبی دوست تھا اور رچرڈ ایسا آدمی نہیں تھا کہ انقلابی تجاویز اور شعبہ بازیاں اسے ڈانواں ڈول کر سکیں۔بل کو فکر صرف اس بات کی تھی کہ جیسے جیسے وہ پال بوہر کو سمجھ رہا تھا، اس کے جوہر اس پر کھل رہے تھے اور وہ کوئی اچھی تصویر نہیں تھی۔پال بوہر بے حد سفاک، بے رحم اور نہایت بے اصول آدمی کے روپ میں سامنے آ رہا تھا۔وہ جس انداز میں کام کرتا تھا اور کرنا چاہتا تھا، وہ کمپنی کے امیج کے لئے تباہ کن تھا اور یہ بات بہت اہم تھی۔اس بات کا قوی امکان تھا کہ پال بوہر کو اگر مزید ذمہ داری سونپی گئی تو وہ تھورن انڈسٹریز کو کسی بہت بڑی مصیبت میں پھنسا دے گا۔

اس وقت لابی میں رچرڈ تھورن کے ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے بل ایتھرٹن سب کچھ سوچ رہا تھا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

وہ دونوں اس وقت پال بوہر سے ملنے جا رہے تھے۔ ایک زراعتی پلانٹ کے بارے میں فیصلہ ہونا تھا، جو پال بوہر چاہتا تھا کہ تھورن انڈسٹریز خرید لے۔ بل نے اس صبح ضروری کام خاص طور پر نمٹا لئے تھے۔ تاکہ پلانٹ پر پہنچنے سے پہلے وہ رابرٹ تھورن کو اس سلسلے میں اپنے خیالات سے آگاہ کر سکے۔ وہ جانتا تھا کہ پلانٹ پر پہنچنے کے بعد معاملات اس کے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔

رچرڈ تھورن ہمیشہ کی طرح ڈپلومیسی سے کام لے رہا تھا۔ ''سب سے پہلے میں نے یہ بات محسوس کی اور کہی تھی کہ پال بوہر کے ساتھ کام کرنا آسان نہیں۔ وہ ایک دشوار آدمی ہے''۔ اس نے کہا۔ ''لیکن یہ مت بھولو کہ اس جیسا قابل اور لائق آدمی تلاش کرنے میں ہمیں تین سال لگے تھے''۔

وہ دونوں اب ریوالونگ ڈور کے پاس پہنچ رہے تھے۔ ''مجھے اس کی قابلیت اور صلاحیتوں سے انکار نہیں''۔ بل نے کہا۔ ''بات یہ ہے کہ......''۔

''اس کا انداز کار مسئلہ ہے''۔ رچرڈ نے اس کا جملہ پورا کر دیا۔

وہ باہر نکل آئے۔ وہاں رچرڈ کی لیموزین موجود تھی۔

بل نے نفی میں سر ہلا کر اختلاف کا اظہار کیا۔ ''میں اس سے بھی نمٹ سکتا ہوں''۔ اس نے کہا۔ ''میں بہت مختلف اور بہت مشکل لوگوں کے ساتھ کام کر چکا ہوں۔ نہیں رچرڈ، اس کی تجویز مجھے پسند نہیں...... میرے حلق سے اترتی ہی نہیں اور میں اس سلسلے میں کھل کر اظہار کر رہا ہوں...... بغیر کسی لحاظ کے''۔

''تمہیں یہ فکر ہے کہ ہم اس معاملے میں محکمہ انصاف کی طرف سے دشواری میں پڑ جائیں گے؟''

''دیکھو...... وہ بڑے نازک معاملات کو چھیڑ رہا ہے''۔

وہ گاڑی کے پاس پہنچے۔ مرے نے باہر نکل کر ان کیلئے دروازہ کھولا۔

''ہمیں اس کی بات تو سننی چاہئے''۔ رچرڈ نے عقبی نشست پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم اعتراض بہت معقول انداز میں کرتے ہو۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس معاملے میں اعتراض معمول سے زیادہ محتاط لفظوں میں کرو''۔

مرے نے دروازہ بند کیا۔ بل نے رچرڈ کی ڈپومیسی پر ستائشی قہقہہ لگایا۔

..................X..................

اکیڈمی میں بریڈلے پلاٹون اپنے لیڈر سے باری باری ملاقات کے مرحلے میں تھی۔ تمام کیڈٹ سارجنٹ نیف کے دفتر کے باہر راہداری میں کھڑے تھے، نیف ایک ایک کر کے انہیں بلا رہا تھا، جو ابھی اندر نہیں گئے تھے، وہ پرتشویش انداز میں اپنی باری کے منتظر تھے۔

ٹیڈی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا کوشش کر رہا تھا کہ سب لوگ سمجھ جائیں کہ اس وقت وہ بوریت کی انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ اس کیلئے اس بات کی بڑی اہمیت تھی کہ جس شخص نے اس کی کئی بار توہین کی تھی، اس کے بارے میں اس کا انداز جارحانہ ہو اور اسے نڈر سمجھا جائے۔

درحقیقت ٹیڈی سارجنٹ نیف سے بری طرح خوف زدہ تھا کیونکہ نیف زبان درازی اور بدتمیزی کی حد کو پہنچی ہوئی خود اعتمادی سے متاثر ہونے والا آدمی نہیں لگتا تھا۔ اس لحاظ سے پلاٹون میں ٹیڈی کی پوزیشن خطرے میں تھی۔ اب وہ اسے بچانے کی ترکیبیں سوچ رہا تھا۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ اسے اپنے انداز کو یکسر تبدیل کرنا ہوگا لیکن وہ کیا لائحہ عمل اپنائے، یہ ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

اس وقت بھی کچھ خوشامدی کیڈٹ ٹیڈی کے گرد جمع تھے۔ وہ بھی بے زاری اور بوریت ظاہر کرنے میں ٹیڈی کی نقل کر رہے تھے۔

پھر انتظار کی اعصاب شکنی نے ٹیڈی کو کچھ کرنے پر اکسایا۔ وہ سامنے والی دیوار کی طرف بڑھا۔ اس دیوار پر چالیس کے لگ بھگ فریم میں لگے فوٹوگرافس آویزاں تھے۔ وہ اکیڈمی کی فٹ بال کی ٹیموں کی تصویریں تھیں اور زمانی ترتیب میں آویزاں کی گئی تھیں۔ انہیں ترتیب سے دیکھنا بڑا سحر انگیز تھا۔ اس سے کھیل کے ارتقا کی مکمل تصویر سامنے آتی تھی۔ ان سے نسلی تقابل بھی کیا جا سکتا تھا۔ پرانے کیڈٹ کیسے تھے اور موجودہ کیڈٹ کیسے ہیں۔ ان تصویروں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ پرانے لوگ اپنی وردی پر تفخر کرتے تھے جبکہ موجودہ لوگ چڑتے ہیں، اسے پابندی سمجھتے ہیں۔

ٹیڈی کو بالآخر وہ چیز نظر آ گئی، جس کی اسے تلاش تھی۔ ''یہ رہا وہ''۔ اس نے اپنی موٹی بدنما انگلی سے اشارہ کیا۔

اس کے چمچے لپک کر اس طرف چلے آئے۔ ''ذرا اسے دیکھو۔ یہ رابرٹ تھورن ہے۔ کوارٹر بیک کی پوزیشن پر کھیلتا تھا''۔ اس نے کہا۔ اس کے لہجے میں تمسخر تھا اور وہ کن انکھیوں سے ڈیمین تھورن کو دیکھ رہا تھا۔ ''پیسے سے ہر چیز خریدی جا سکتی ہے۔ ثابت ہو گیا نا''۔

ڈیمین دوسری دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ اس نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ ''ٹیڈی''۔ اس کے لہجے میں کھلا انتباہ تھا۔

ٹیڈی نے اپنے چمچوں کو دیکھا۔ ان کے چہروں پر اسے صاف نظر آیا کہ وہ اس سے مزید توقع کر رہے ہیں۔ یہ دیکھتے ہوئے اس نے اور وار کرنے کا فیصلہ کیا۔ ''سوال یہ ہے کہ اسے اپنی رقم کا صلہ بھی ملا یا نہیں''۔

چمچے ہنسنے لگے۔ ڈیمین ٹیڈی پر جھپٹنے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ اچانک نیف کے آفس کا دروازہ کھلا اور مارک تھورن باہر آیا۔ باہر قدم رکھتے ہی اسے فضا میں کشیدگی اور سنگینی کا احساس ہو گیا۔ اس نے یہ بھی سمجھ لیا کہ کشیدگی ڈیمین اور ٹیڈی کے درمیان ہے۔ اس نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور ڈیمین سے کہا۔ ''ڈیمین...... اب تمہارا بلاوا ہے''۔

ڈیمین نے پہلے مارک کی طرف اور پھر ٹیڈی کو دیکھا۔ ''تم آئندہ میرے ڈیڈی کا نام بھی اپنی زبان پر نہ لانا''۔ اس کے لہجے میں حیران کن خوفناکی تھی۔ ''کبھی بھی نہیں۔ یہ میرا مخلصانہ مشورہ ہے''۔ یہ کہہ کر وہ پلٹا اور دروازہ کھول کر نیف کے کمرے میں چلا گیا۔

ٹیڈی نے مارک کو گھور کر دیکھا اور بے حد خراب لہجے میں بولا۔ ''تمہارا کزن خود کو کوئی بہت بڑی چیز سمجھتا ہے''۔ یہ کہہ کر وہ اپنے چمچوں کی طرف مڑا۔ ''میرے ڈیڈی کہتے تھے کہ تھورن فیملی کے لوگ اپنے ہیٹ آرڈر پر مجبوراً تیار کراتے ہیں کیوں کہ اسٹورز پر جو ہیٹ ملتے ہیں، وہ ان کے سروں کے سائز سے بہت ہیں''۔ یہ کہہ کر وہ تمسخرانہ انداز میں ہنسنے لگا۔

دوسرے کیڈٹ بھی ہنسنے لگے۔ کچھ تو اس کے چمچے تھے۔ دوسرے اس کے خوف کی وجہ سے ہنس رہے تھے۔

مارک بڑے پرسکون انداز میں ٹیڈی کی طرف بڑھا۔ ''کیا تم کو ڈاک کے ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے؟'' اس نے چہکتی آواز میں پوچھا۔

ٹیڈی کی سمجھ میں اس بات کا مطلب نہیں آیا۔ ویسے اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ اس میں اس کے لئے کوئی توہین آمیز بات ہے۔ اس کے باوجود اسے یہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ مارک اس سے ٹکرانے کی جرأت کر رہا ہے۔ ڈیمین کی بات اور تھی، وہ سخت مزاج اور سخت جان تھا، لیکن مارک؟ اس کے خیال میں تو مارک میں دم ہی نہیں تھا۔

''کیا...... کیا کہا تم نے؟'' ٹیڈی تن کر کھڑا ہو گیا۔ مارک اس کے سامنے بونا لگ رہا تھا۔

''تمہاری آسانی کیلئے میں دہرا دیتا ہوں''۔ اس صورت حال میں مارک کا سکون غیر معمولی تھا۔ ''میں نے پوچھا، کیا تمہیں ڈاک کے ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے؟''

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''نہیں'' ٹیڈی نے جواب دیا۔اس کی سمجھ میں اب بھی نہیں آیا تھا کہ مارک کس چکر میں ہے۔

''بس تو اس لمحے سے تم یہ مشغلہ شروع کر دو''۔ مارک نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔اس کے ساتھ ہی وہ اچھلا اور پوری قوت سے ٹیڈی کے بائیں جوتے پر اپنا جوتا مارا۔آوازیں بہت زور کی تھی۔

ٹیڈی تو ششدر رہ گیا۔وہ ایسا ساکت ہوا کہ لگتا تھا، سانس لینا بھی بھول گیا ہے۔اسے یہ صدمہ بھی تھا کہ مارک جیسے مسکین لڑکے نے اس کے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔ پہلے تو اس نے بڑی مشکل سے اپنے حلق میں مچلنے والی چیخ کا گلا گھونٹا۔پھر وہ تکلیف کی شدت سے ایک ٹانگ پر اچھلنے لگا۔گزرتے لمحوں کے ساتھ اس کا صدمہ اور بڑھ گیا۔مارک جیسے کم ہمت لڑکے کو یہ جرأت کیسے ہوئی۔آج تک اکیڈمی میں کسی کو اتنی ہمت نہیں ہوئی تھی۔اس کے مقابل تو زبانی طور پر بھی کبھی کوئی نہیں آیا تھا۔کجا یہ کہ جسمانی طور پر اسے تکلیف پہنچائے۔ٹیڈی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

ٹیڈی ذہنی طور پر کبھی مستعد اور تیز لڑکا نہیں رہا تھا۔اس وقت غصہ اسکے اندر بری طرح ابل رہا تھا اور وہ یہ سوچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کا اس غیر متوقع جارحیت پر کیا ردعمل ہونا چاہئے، اس سے پہلے کہ وہ کسی نتیجے پر پہنچتا مارک تمسخرانہ سوگواری سے سر ہلاتے ہوئے دوبارہ اچھلا۔اس بار اس کا نشانہ ٹیڈی کا داہنا پاؤں تھا۔

اس بار ٹیڈی نہ صرف اپنی اذیت بھری چیخ کا گلا نہ گھونٹ سکا، بلکہ اس کے لئے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا بھی ممکن نہیں رہا۔وہ کبھی ایک پیر پر اچھلتا اور کبھی دوسرے پر۔ وہ اچھی خاصی رقص کی پوزیشن تھی......لیکن بے حد اذیت ناک!۔

دوسرے کیڈٹ ٹیڈی کی حالت زار پر ہنسنا چاہتے تھے۔ٹیڈی کا ہر لمحہ پھدکنا منظر ہی ایسا تھا۔لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ابھی یہاں زبردست فائٹ ہونے والی ہے۔وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس میں فاتح کون ہوگا۔ چناں چہ انہوں نے سمجھ لیا کہ ہنسنا ان کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا۔انہوں نے اپنی ہنسی کا گلا گھونٹا اور مارک اور ٹیڈی کیلئے میدان خالی کرنے کے انداز میں پیچھے ہٹنے لگے......

..................X..................

سارجنٹ نیف اپنی ڈیسک کے عقب میں بیٹھا ڈیمین کی فائل کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ڈیمین ڈیسک کے سامنے اسٹینڈ ایٹ ایز پوزیشن میں کڑا تھا۔اس کے انداز میں پختہ کار فوجیوں کا سا وقار تھا۔

نیف کو جس چیز کی تلاش تھی، وہ بالآخر وہ اسے لِ گئی۔گریڈز کی اس لسٹ پر اس نے انگلی پھیری اور بولا۔''ریاضی گڈ، سائنس ویری گڈ، ملٹری ہسٹری......فیئر......'' اس نے بھویں اچکاتے ہوئے ڈیمین کو دیکھا۔''یہاں محنت کی ضرورت اور بہتری کی کافی گنجائش ہے''۔

''یس سارجنٹ''۔ڈیمین نے کہا لیکن اس کی پوری توجہ سارجنٹ کی طرف نہیں تھی۔وہ کھڑکی سے باہر اکیڈمی کی سب سے جونیئر پلاٹون کے لڑکوں کو صبح کے تفریحی وقفے کے دوران ادھر ادھر بھاگتے دیکھ رہا تھا۔

''فزیکل ٹریننگ......شاندار''۔نیف کا تبصرہ جاری تھا۔اس نے فائل ایک طرف ہٹائی اور آگے کی طرف جھکا۔اس نے اپنے دونوں ہاتھ باہر رگڑتے ہوئے ڈیمین سے کہا۔''میں نے سنا ہے کہ تم فٹ بال کے اچھے کھلاڑی ہو''۔

ڈیمین نے کندھے جھٹک دیئے۔وہ جانتا تھا کہ یہ درست ہے۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ اپنے منہ میاں مٹھو بنے۔وہ اس پر یقین رکھتا تھا کہ لفظوں سے کچھ نہیں ہوتا۔عمل خود مکمل ثبوت ہوتا ہے۔کارکردگی خود منہ سے بولتی ہے۔

''جو کچھ حاصل کرو، اس پر فخر کرنا بھی سیکھو''۔سارجنٹ نیف نے گرجدار آواز میں کہا۔ڈیمین چونکا اور جھولنا بھول کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔''فخر بے وجہ ہو تو نقصان دہ ہوتا ہے لیکن فخر کرنے کی معقول وجہ ہو تو فخر کرنا چاہئے''۔سارجنٹ نے اپنی بات پر زور دینے کے لئے میز پر گھونسہ مارا۔

''یس سارجنٹ''۔ڈیمین کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اور کیا کہے۔

نیف نے پھر کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔''آج سہ پہر کو میں تمہارا کھیل دیکھوں گا''۔اس کا انداز ایسا تھا، جیسے وہ ڈیمین کو چیلنج کر رہا ہے۔

ڈیمین نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔سارجنٹ اب اسے ڈسٹرب کر رہا تھا۔

کچھ دیر عجیب سی خاموشی رہی۔ایسا لگتا تھا کہ سارجنٹ نیف اپنے منتشر خیالات کو یک جا کر رہا ہے۔چند لمحے بعد اس نے آنکھیں بند کر لیں، اب وہ بولا تو اس کی آواز جذبات سے بوجھل تھی۔''میں یہاں تمہیں پڑھانے......سکھانے کیلئے ہوں''۔اس نے کہا۔''لیکن یاد رکھو، میں یہاں اس لئے بھی ہوں کہ تمہاری مدد کر سکوں......''۔اس کا انداز ایسا تھا، جیسے اپنی بات مؤثر طور پر کہنے کیلئے اسے مناسب الفاظ کی تلاش میں دشواری ہو رہی ہو۔''کوئی بھی مسئلہ درپیش ہو تمہیں تو میرے پاس چلے آؤ۔تمہیں کبھی بھی خوف زدہ نہیں ہونا......''۔

خوف! کیسا خوف؟ ڈیمین نے چونک کر سوچا۔اب وہ پوری طرح سے نیف کی طرف متوجہ تھا۔

''دن ہو یا رات، مشورے کی ضرورت ہو تو کسی بھی وقت میرے پاس چلے آؤ''۔نیف نے آنکھیں کھولیں۔''تم سمجھ رہے ہو نا؟''

ڈیمین کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا، لیکن اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔''یس سارجنٹ''۔

''ہم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ لیں گے۔مجھے یقین ہے کہ ہماری خوب نبھے گی''۔نیف نے کہا۔اب وہ دوبارہ فائل کی طرف متوجہ ہوا اور ایک خاص پیراگراف تھپتھپانے لگا۔''اوہ......تو تم یتیم ہو''۔

ڈیمین نے اثبات میں سر ہلایا۔''وہ بے چینی محسوس کر رہا تھا۔

نیف کی مسکراہٹ ہمدردانہ تھی۔''میں بھی ہوں''۔اس نے کہا۔''یہ ہمارے درمیان قدر مشترک ہے''۔

ڈیمین نے نیف کو عجیب سی نظروں سے دیکھا۔اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس ملاقات کے دوران کوئی ایسی بات ہو رہی ہے، جسے وہ سمجھ نہیں پا رہا ہے اور یہ بے خبری اسے اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

نیف کے ہونٹوں سے مسکراہٹ بالکل اچانک ہی ہوا ہو گئی۔وہ اٹھا اور تیزی سے کھڑکی کی طرف بڑھا۔اب اس کی آواز پہلے جیسی بے تکلف اور لہجہ پہلے جیسا سدھا تھا۔ اس نے اپنی بھوؤں کو انگلی سے سہلاتے ہوئے کہا۔''فوسٹر کو اندر بھیج دینا''۔

وہ اس بات کا اشارہ تھا کہ ملاقات ختم ہوئی۔

ڈیمین چند لمحے اس کی پیٹھ کو تکتا رہا۔پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

نیف نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی تو سر جھکا کر ٹھوڑی اپنے سینے پر ٹکالی اور یوں سکون کی گہری سانس لی، جیسے کسی بہت اہم اور دشوار ترین مرحلے سے بہ مشکل کامیابی سے گزرا ہو۔

..................X..................

ڈیمین نے باہر راہداری میں قدم رکھا تو عجیب منظر اس کے سامنے تھا۔مارک فرش پر گرا ہوا تھا۔اس کا چہرہ لہولہان تھا۔ٹیڈی اسے مار رہا تھا اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ٹیڈی!'' وہ ڈیمین کی ایسی آواز تھی، جو اس سے پہلے کسی نے کبھی نہیں سنی تھی۔خود ڈیمین نے بھی نہیں۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اس آواز میں گہرائی تھی۔ رگوں میں خون ٹھہرا دینے والی نفرت تھی، غصہ تھا...... اور ایسا تحکم تھا، جس کے سامنے سر نہیں اٹھایا جا سکتا۔

ٹیڈی نے پلٹ کر دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ لیکن جیسے ہی اس نے ڈیمین کی سرد، تیز نگاہوں کو دیکھا، وہ مسکراہٹ ہوا ہونے لگی۔

تمام کیڈٹ خاموش تھے۔

پھر عجیب طرح کی کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ ایسی آواز تھی جیسے دھات کے دو اسکیلوں کو آپس میں ٹکرایا جا رہا ہو۔ ٹیڈی نے سر گھما کر ادھر ادھر دیکھا۔ لیکن اس آواز کا کوئی ظاہری سبب کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہی نہیں، اسے یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ وہ آواز کسی اور کو سنائی نہیں دے رہی ہے۔ دوسرے کیڈٹ متوقع اور منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔ چند لمحوں میں یہ واضح ہو گیا کہ وہ کسی بڑے، جسیم پرندے کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ تھی اور وہ آواز ٹیڈی کو عین اپنے سر کے اوپر کی طرف سے آ رہی تھی۔

ٹیڈی ایڑیوں پر گھوما اور چلایا۔ ''اسے روکو''۔

اگلے ہی لمحے وہ اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا کر جیسے کسی غیر مرئی حملہ آور کو دھکیلنے اور خود کو بچانے کی کوشش کر رہا ہو۔ اسے دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ کوئی غیر مرئی حملہ آور اس کے سر پر وار کر رہا ہے۔

تمام کیڈٹس کے منہ کھل گئے تھے اور وہ ٹیڈی کو گھور رہے تھے، ڈیمین کو دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ کسی ٹرانس میں ہے۔ مارک لڑکھڑاتا ہوا اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا تھا اس کی آنکھوں میں تجسس تھا۔

بالآخر ٹیڈی کے پیروں نے زمین چھوڑ دی۔ ایسا لگتا تھا کہ ہوا کے کسی جھکڑ نے اسے سر کے بالوں سے تھام کر اٹھایا ہے اور دیوار سے لگا دیا ہے۔

اس لمحے نیف کے آفس کا دروازہ کھلا اور نیف باہر آیا۔ اس اچانک مداخلت کے نتیجے میں ڈیمین کا ارتکاز ٹوٹ گیا۔ اس نے اپنا سر جھٹکا اور بار بار اپنی پلکیں جھپکنے لگا۔

ٹیڈی دھپ سے نیچے گرا اور دیوار سے ٹک کر بیٹھ گیا۔ پھڑ پھڑاہٹ کی آواز معدوم ہو گئی تھی۔ تمام کیڈٹ دم بہ خود کھڑے تھے۔

''تم یہ فرش پر بیٹھے کیا کر رہے ہو؟'' نیف نے ٹیڈی کو ڈپٹا۔

ٹیڈی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ فرش پر ایسے بیٹھا تھا، جیسے اب کبھی نہیں اٹھے گا۔ پھر اچانک وہ اپنے جبڑے مسلتے ہوئے دردناک آواز میں رونے لگا۔

''تمہیں کسی نے مارا ہے؟'' نیف نے اس سے پوچھا۔

ٹیڈی اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ''کسی نے نہیں مارا سر''۔ اس نے کہا اور جزوی طور پر اس کا جواب درست تھا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

نیف نے اس کے جواب کو تسلیم کرلیا۔ ’’اوکے‘‘۔ اس نے بلند آواز میں کہا۔ ’’اب فوسٹر میرے کمرے میں آجائے‘‘۔ یہ کہہ کر وہ پلٹا اور اپنے کمرے میں واپس چلا گیا، فوسٹر نامی کیڈٹ اس کے پیچھے تھا۔

نیف کے کمرے کا دروازہ بند ہوگیا۔

راہ داری میں بہت بوجھل خاموشی تھی...... ایسی کہ نا قابل برداشت لگنے لگی تھی۔ تمام کیڈٹس ٹیڈی کو گھیرے کھڑے تھے۔

اچانک ڈیمین ان کے درمیان راستہ بناتا ہوا باہر جانے کے لئے بڑھا۔ مارک اس کے ساتھ تھا۔

بیرونی دروازے کی سیڑھیوں پر مارک نے ڈیمین کو جالیا۔ ’’تم نے کیا کیا تھا اس کے ساتھ؟‘‘ اس نے تفکر آمیز لہجے میں پوچھا۔

’’مجھے نہیں معلوم‘‘۔ ڈیمین نے پوری سچائی سے کہا۔ اس کی اپنی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ کیا ہو رہا ہے اور کون ہے جو یہ سب کر رہا ہے۔ اسے تو ایسا لگ رہا تھا کہ وہ پاگل ہوگیا ہے یا ہونے والا ہے...... اپنے بار ابرٹ تھورن کی طرح!۔

مارک نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے قریب کرلیا۔ دونوں ساتھ ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ ’’مجھے بینڈ جوائن کرنے کے لئے کہا گیا ہے‘‘۔ مارک نے کہا۔

ڈیمین مسکرایا۔ موضوع کی تبدیلی اس کے لئے خوش آئندہ تھی۔ ’’راہ...... یہ تو بہت بڑی خبر ہے‘‘۔ اس نے چہک کر کہا۔ اس ایک لمحے میں وہ پھر پہلے جیسا ہوگیا تھا، بے پروا، زندہ دل اور پر کشش۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ ’’میدان میں پہنچ کر ریس شروع۔ میں تمہیں مناسب لیڈ بھی دوں گا‘‘۔ اس نے چیلنج کیا۔

چند لمحوں بعد وہ خوشی سے چیختے، ہنستے میدان میں دوڑ رہے تھے۔ ان کا انداز کم عمر لڑکوں والا تھا۔

..................X..................

تھورن فیملی کی حویلی معمول کے مطابق موسم سرما کے لئے بند کی جا رہی تھی۔ فرنیچر پر بھاری سفید ڈسٹ کور ڈالے جا رہے تھے۔ خادمائیں مصروف تھیں۔ گھر اب گھر سے زیادہ میوزیم لگ رہا تھا۔

این طعام گاہ سے نکلی اور ماربل کے زینے پر چڑھ کر دوسری منزل کے بیڈ رومز کی طرف جانے لگی۔ حویلی کو موسم سرما کے لئے خیر باد کہنے کا یہ عمل ہمیشہ اسے ایک مشقت لگتا تھا۔ اس لئے وہ اسے بہت تیزی سے نمٹانے کی کوشش کرتی تھی۔

وہ دوسری منزل پر پہنچی۔ وہاں خادمائیں تمام خواب گاہوں سے میلی چادریں سمیٹ کر اکٹھا کر رہی تھیں۔ این کو ایک دروازہ بند نظر آیا۔ ’’جین، آنٹی ماریان تیار ہوگئی ہیں؟‘‘ اس نے ایک خادمہ سے پوچھا۔

جین نے نفی میں سر ہلایا۔ ’’میرا تو خیال ہے کہ وہ ابھی سو کر ہی نہیں اٹھی ہیں۔ میں نے دروازے پر دستک دی لیکن جواب نہیں ملا‘‘۔

این خود آنٹی ماریان کے بیڈ روم کی طرف بڑھی۔ اس نے دروازے پر دوبار زور کی دستک دی۔

کوئی جواب نہیں ملا۔

این نے سر ایک طرف جھکا کر اندر کی آوازیں سننے کی کوشش کی۔ لیکن اندر کوئی آواز نہیں تھی۔ ’’آنٹی ماریان‘‘۔ اس نے پکارا۔ ’’جلدی کریں۔ ورنہ آپ کی فلائٹ مس ہوجائے گی‘‘۔

اب بھی کوئی جواب نہیں تھا۔

این نے اندر جانے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے دروازے کا لٹو گھمایا۔ لٹو گھوم گیا۔ اس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوئی۔

اسے فوری طور پر آنٹی ماریان نظر نہیں آئیں۔ وجہ یہ تھی کہ بیڈ خالی تھا۔ بستر کی چادروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ صاحب بستر نے بے چین رات گزاری ہے۔

این کو خیال آیا کہ آنٹی ماریان باتھ روم میں ہوں گی۔ وہ باتھ روم کی طرف بڑھی تو اسے قالین پر آنٹی ماریان کا بکھرا ہوا وجود نظر آیا۔ ان کا جسم مڑی تڑی حالت میں پڑا تھا۔ ایک نظر دیکھ کر اندازہ ہوجاتا تھا کہ وہ مرچکی ہیں۔ قریب ہی ان کی بوسیدہ بائبل قالین پر الٹی پڑی تھی...... آنٹی ماریان کے پھیلے ہوئے ہاتھ سے صرف چند انچ کے فاصلے پر۔

این کا ہاتھ بے اختیار اپنے منہ کی طرف آیا۔ ورنہ وہ اپنی چیخ نہ روک پاتی۔ اس نے اپنی آنکھیں سختی سے بھینچ لیں اور پلٹ گئی۔ جیسے وہ اس منظر کو اپنی یادداشت اور اپنے تصور سے مٹا دینا چاہتی ہو۔ اب وہ سوچ رہی تھی کہ کاش گزشتہ رات آنٹی ماریان سے اتنی تلخ کلامی نہ ہوئی تھی۔ اب وہ تمام باتیں، سارے اختلافات اسے نہایت بے معنی اور مہمل لگ رہے تھے۔

اس نے آنکھیں کھولیں تو اسے وہ کھلی کھڑکی نظر آئی۔ کھڑکی کا زرد پردہ ہوا سے لہرا رہا تھا۔

..................X..................

شکاگو کے جنوب اور سسیرو کے مغرب میں الی نوائس واقع ہے۔ یہاں وہ نیا پلانٹ تھا، جو پال بوہر چاہتا تھا کہ تھورن انڈسٹریز خریدے۔ پلانٹ کی شیشے کی اونچی دیواریں دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اسے دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ 19 ویں صدی کے کسی لینڈ اسکیپ میں کسی سائنس فکشن فلم کے لئے سیٹ لگایا گیا ہو۔

کھلے میدان میں تھورن انڈسٹریز کا ہیلی کاپٹر اترا تو وہ بھی کسی فلم کا منظر لگ رہا تھا۔ وہیں جدید طرز کی برقی بگھی موجود تھی۔ دیکھنے میں وہ گولف کی گاڑی لگتی تھی۔ فرق یہ تھا کہ اس میں ٹیلی ویژن اور سی بی ریڈیو سسٹم بھی نصب تھا۔

اس کارٹ کو ڈرائیو کرنا ڈیوڈ پیاریان کی ذمے داری تھی، جو تھورن انڈسٹریز کے ایگری کلچرل ریسرچ ونگ کا چیف تھا۔ پال بوہر نے اس کے لئے سفارش کی تھی کہ اس پلانٹ کو چلانے کے لئے وہ تھورن انڈسٹریز کا اہل ترین ایگزیکٹو ہے۔ وہ چھوٹے قد کا دبلا پتلا، جھلسی ہوئی رنگت والا انڈین تھا۔ اس کے لڑکپن کے تجربات اتنے تلخ تھے کہ وہ بھوک کی سختی کو بہت اچھی طرح سمجھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایگری کلچر ونگ میں وہ سب سے پر جوش اور فعال کارکن تھا۔ یہ ونگ تیسری دنیا کو غذا فراہم کرنے کے سلسلے میں نئے طریقے وضع کرنے پر غور وفکر کرتا تھا۔ ڈیوڈ پیاریان کو اس لفظ...... تیسری دنیا سے چڑ تھی۔ اسے غصہ آتا تھا۔ انسانوں کو رنگ، نسل اور مذہب کی بنیاد پر تقسیم کرنے والے اب دنیا کو بھی طبقاتی بنیادوں پر تقسیم کر رہے تھے۔ کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ بھوک سب کے لئے ایک جیسی ہوتی ہے۔ غذا کی ضرورت سب کی ایک جیسی ہوتی ہے۔

ڈیوڈ پیاریان کو بنگلا دیش یاد تھا۔ اس نے بچوں کو دیکھا تھا، جن کے بازو اور ٹانگیں ماچس کی تیلیوں جیسی تھیں اور مٹکے جیسے بڑے پیٹ تھے۔ وہ غول اور غول سڑک پر پھرتے تھے اور ایک نوالہ چھیننے کے لئے کسی کی جان لینے کے لئے بھی تیار رہتے تھے۔

تفریق پسندوں کی یہ اصطلاح تیسری دنیا ڈیوڈ کو احساس کم تری میں مبتلا کر دیتی تھی۔ دوسری طرف اپنے باس پال بوہر کا رویہ بھی اس کے لئے جھنجھلاہٹ کا باعث تھا۔ اس کے بارے میں سوچتا تو ڈیوڈ کی سمجھ میں یہی بات آتی تھی کہ پال بوہر نے بھوک سے سسکتے، بلکتے، دم توڑتے بچے کبھی نہیں دیکھے۔ وہ بھوک کبھی محسوس ہی نہیں کر سکا۔ اسے صرف پرسنٹیج پوائنٹس کا خیال رہتا تھا اور وہ نفع اور نقصان کے گوشواروں میں الجھا رہتا تھا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

وہ اعداد و شمار کا آدمی تھا، اسے یہ خیال نہیں آتا تھا کہ یہ اعداد و شمار بھوک سے لڑنے والے غریب لوگوں کے ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ بھوک حد سے گزر جائے تو بھوک سے نڈھال، کمزور انسان کتنے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ پال بوہر صرف اتنا جانتا تھا کہ اگر دنیا میں بھوکے لوگ موجود ہیں اور آپ کے پاس غذائی اجناس کا کنٹرول ہے تو اس کا مطلب مسلسل ہونے والی معقول آمدنی ہے۔ ڈیوڈ پیاریان کے نزدیک پال بوہر کا رویہ ناجائز حد تک سرد اور سفاکانہ تھا۔ تاہم اس کی تسلی کے لئے یہ بہت تھا کہ دنیا کے بھوکے لوگوں کو کسی بھی طرح پیٹ بھر کھانا میسر آ جائے۔

پال بوہر کا اصرار تھا کہ اس جدید طرز کی گولف گاڑی کو ڈیوڈ ہی ڈرائیو کرے گا۔ انسانیت کی خاطر ڈیوڈ نے اسے قبول بھی کر لیا تھا۔ لیکن اسے وہ ہالی ووڈ کا کسی فلم کا منظر لگ رہا تھا۔ ایسی فلمیں اس نے اپنے لڑکپن میں بہت دیکھی تھیں۔ ایک بڑا سفید پرندہ آسمان سے ٹپکتا ہے۔ اس میں سے ایک سفید فام نجات دہندہ باہر آتا ہے، جو مقامی لوگوں کی مدد کے لئے آیا ہے۔ وہ لوگوں کو سمجھاتا ہے کہ یہ جو آتش فشاں پھٹنے والا ہے، اس کے پھٹنے کی وجہ ان کی بداعمالیاں اور گناہ نہیں ہیں بلکہ یہ ایک قدرتی عمل ہے۔

یہاں جو بڑا سفید پرندہ اترا تھا، وہ تھورن انڈسٹریز کے چھوٹے ہیلی کاپٹروں میں سے ایک تھا اور اس میں سے جو سفید فام برآمد ہوئے تھے، وہ رچرڈ تھورن اور بل ایتھرٹن تھے اور وہ مقامی لوگوں کو کامن مارکیٹ کی اہمیت سمجھانے کے لئے آئے تھے۔ (یہ کامن مارکیٹ کی اصطلاح بھی ڈیوڈ پیاریان کو سخت ناپسند تھی) اس کے نزدیک دس سفید فام قومیں ایشیا اور افریقہ کی رنگ دار قوموں کے خلاف ایک ہو گئی تھیں اور وہ اس دور کی بے شمار قباحتوں کی طرح اس اشتراک کو فطری اور فائدہ مند جاننے پر مجبور تھا۔

ڈیوڈ پیاریان کمپنی کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔ اسے کمپنی کے بڑوں کے نظریاتی اختلافات کا بھی علم تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہ پال بوہر کے لئے ایک بہت بڑا اور اہم موقع ہے۔ اس کے ذریعے وہ رچرڈ تھورن کو یہ باور کرا سکتا تھا کہ اس کا انداز کار کمپنی کی ترقی کے لئے بہترین ہے۔ پیاریان کا خیال تھا کہ پال بوہر نے یونیورسٹی سے پیہم اصرار اور قائل کر کے رہنے کے مضامین میں ڈگری لی ہے۔ اس نے پال بوہر جیسا مستقل مزاج آدمی پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پال میں صحیح وقت پر صحیح جگہ موجود رہنے کی غیر معمولی صلاحیت تھی۔ وہ جانتا تھا کہ کب اسے اپنی رائے پر ڈٹ جانا چاہئے اور کب پسپائی اختیار کرنی چاہئے۔ ہاں پسپائی اختیار کرنا اور بات تھی، لیکن پال بوہر اپنی کسی رائے، کسی نظریے سے دست بردار ہونے کا قائل ہرگز نہیں تھا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اس کے لئے وہ مناسب وقت کا ان تھک انتظار کر سکتا تھا اور اگر اسے لگتا کہ وہ مناسب وقت کبھی نہیں آئے گا، تو وہ کسی بھی طرح وہ کچھ کر گزرتا، جو اس کا کرنے کا ارادہ ہوتا۔ پال بوہر ہر حال میں جیتنے والوں میں سے تھا اور وہ رچرڈ تھورن کو چھوڑ کر کمپنی کے ہر شخص کے لئے خطرہ تھا۔ رچرڈ تھورن بھی صرف اس لئے محفوظ تھا کہ وہ کمپنی کا مالک تھا اور پال بوہر جانتا تھا کہ جب تک وہ زندہ ہے، تھورن انڈسٹریز اسی کی ملکیت رہے گی۔

ہیلی کاپٹر نے لینڈ کیا۔ سب نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملائے۔ پھر چاروں افراد گولف گاڑی میں بیٹھ گئے۔ ڈیوڈ ڈرائیونگ سیٹ پر تھا۔ رچرڈ تھورن اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ باقی دونوں پچھلی نشست پر تھے۔

پال بوہر گاڑی میں بیٹھتے ہی شروع ہو گیا۔ اس کا ہدف رچرڈ تھورن تھا اور اس کی کوشش یہ تھی کہ بل ایتھرٹن کے اعتراضات کو زبان پر آنے سے پہلے ہی پوری طرح غیر مؤثر کر دے۔

''بل اس معاملے میں غلطی پر ہے''۔ پال بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''میری رپورٹ واضح کرتی ہے کہ فی الوقت تھورن انڈسٹریز کے مفادات توانائی اور الیکٹرونکس کے شعبوں میں ہیں۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ جبکہ میرا کہنا یہ ہے کہ ہم اس معاملے میں جانب داری برت کر دوسرے بے حد اہم امکانات کو نظر انداز کرنے کی غلطی کرتے آ رہے ہیں۔ لیکن یہاں، اس پلانٹ پر جو کچھ ہو رہا ہے، اسے نظر انداز کرنا تھورن انڈسٹریز کی کاروباری صحت کیلئے بے حد مضر ہے۔ یہ ہمارے منافع کے مستقبل کے لئے اچھا نہیں۔ ہمارا مستقبل کا ضائع صرف اور صرف قحط میں ہے۔ دنیا میں جہاں قحط پڑے گا، وہیں سے ہمیں کثیر منافع حاصل ہوگا''۔

ایتھرٹن اکراہ بھرے انداز میں کراہا۔ ''تمہارا یہ جملہ تمہارے مزاج کے عین مطابق ہے پال''۔ اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بدمزگی سے کہا۔ اس کے لہجے میں حقارت تھی۔ ''یہ بڑی سنگ دلانہ اور سفاکانہ بات......''۔

''یہ محض ایک سچائی ہے۔ خالص سچائی!'' پال بوہر نے اس کی بات کاٹ دی۔

بل نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے اسے نظر انداز کر دیا۔ اب وہ براہ راست رچرڈ سے مخاطب تھا۔ ''رچرڈ''۔ اس کے لہجے میں بے تابی تھی...... اپیل تھی۔ اگلے بیس برس میں مشرق وسطیٰ سے خریدا جانے والا تیل ہمارے ملک کو بیس بلین ڈالر سالانہ کا پڑے گا۔ خوش حالی دشوار تر ہوتی جا رہی ہے۔ وہ راستے میں پڑی نہیں ملے گی۔ ایک گیلن پیٹرول کی قیمت ایک ڈالر ہو جائے گی تو خوش حالی کہاں سے آئے گی۔ اپنی قوم کے لئے اور پوری دنیا کے لئے ہماری اہم ترین ذمے داری کم قیمت پر توانائی کی فراہمی ہے۔ ہمیں اپنا وقت اور اپنی متبادل توانائی کی تلاش میں صرف کرنی ہوگی۔ جو پروگرام ہم شروع کر چکے ہیں، ان سے پیچھے تو نہیں ہٹا جا سکتا۔ ہم شمسی توانائی، نیوکلیئر توانائی اور ایسے ہی کئی میدانوں میں کام شروع کر چکے ہیں۔ ان میدانوں میں جو ہم نے ترقی کی ہے، کیا اس سے منہ موڑ لیں؟ کیا یہ کام ادھورا ہی ترک کر دیں؟ یہ تو وقت اور دولت کا بدترین زیاں ہوگا''۔

''جہاں تک وقت کا تعلق ہے بل''۔ پال بولا۔ ''تو جتنی دیر تم نے توانائی کی اہمیت پر اور مستقبل پر یہ شاندار گفتگو کی، اس دوران دنیا میں 8 افراد بھوک سے ختم ہو گئے۔ ہر آٹھ اعشاریہ چھ سیکنڈ میں دنیا میں کہیں نہ کہیں ایک انسان بھوک کی وجہ سے مر جاتا ہے۔ ہر ایک منٹ میں 7 افراد۔ ہر گھنٹے میں 420 افراد اور ہر روز دس ہزار افراد بھوک کا شکار ہو کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ یہ ہے صورت حال''۔

بل ایتھرٹن نے اپنا غصہ اور ناپسندیدگی چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی۔ ''تم کہنا کیا چاہتے ہو پال؟''۔

پال کا انداز ایسا تھا، جیسے وہ کسی ناسمجھ بچے کو سمجھا رہا ہو۔ ''میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ توانائی کے حصول کے نئے ذرائع دریافت کرنے کی کیا اہمیت ہے، اگر ان سے استفادے کے لئے روئے زمین پر کوئی انسان ہی نہ رہے''۔

رچرڈ تھورن نے اس موقعے پر مداخلت کا فیصلہ کر لیا۔ ''یہ نقشہ کچھ زیادہ ہی ہولناک نہیں ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ دن بہت قریب آ چکا ہے رچرڈ جب بھوک روئے زمین سے انسانوں کا نشان بھی مٹا دے گی''۔ پال بوہر نے پر جوش لہجے میں کہا۔ ''وہ دن تمہاری توقع سے بہت پہلے آنے والا ہے''۔

''ٹھیک ہے۔ تم اپنی بات پوری کرو''۔ رچرڈ نے کہا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ پال بوہر صورت حال کو بڑھا چڑھا کر ضرور پیش کرتا ہے۔ لیکن اس کے جبلی اندازے خطرناک حد تک درست ہوتے ہیں۔ اور ویسے بھی، دونوں طرف کی بات پوری طرح سننا سودمند ہی ہوتا ہے۔ خواہ کسی کا نکتہ نظر کیسا ہی انتہا پسندانہ ہو۔

پال بوہر نے ڈرامائی انداز میں سکون کی سانس لی۔ وہ اداکار بہت اچھا تھا۔ ''مجھے امید نہیں تھی کہ تم مجھ سے یہ کہو گے''۔

عقبی سیٹ پر بل ایتھرٹن نے سوگوارانہ انداز میں سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔ ڈیوڈ پیاریان نے عقب نما میں یہ منظر دیکھا تو مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ ایک زمانہ تھا کہ سچائی اور خلوص کی اہمیت تھی۔ لیکن یہ دور تھیٹر کے سے انداز کی پرفارمنس کا تھا۔ اور پال بوہر تو اپنا مقصد پورا کرنے کے لئے ہر حال میں راہ نکال لیتا تھا۔

گولف گاڑی تیزی سے گرین ہاؤس کی طرف بڑھ رہی تھی، جو کہ اس کی منزل تھی۔ اس کے چاروں مسافر گفتگو میں اتنے کھوئے ہوئے تھے کہ انہیں وہ گارڈ نظر ہی نہیں آیا، جو انہیں دیکھ کر بہت تن دہی سے ہاتھ ہلا کر اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیوں کہ ابھی ابھی رچرڈ تھورن کے لئے ایک بہت ارجنٹ کال آئی تھی۔

............x............

گرین ہاؤس کے اندر وہ چاروں ایک طویل روش پر آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کی نظروں کے سامنے جو کچھ تھا، اسے ہرے رنگ کا لامتناہی سمندر ہی کہا جا سکتا تھا۔ وہ بالکل خاموش تھے۔ جو کچھ وہ دیکھ رہے تھے، بے حد تعجب خیز تھا۔ وہ گنگ ہو کر رہ گئے تھے۔ وہاں ایک بہت بڑی میز تھی، جس پر غیر معمولی طور پر بڑی ترکاریاں موجود تھیں۔ کدو، لوکی، توری، ٹنڈے، شلغم، مولی، چقندر وغیرہ۔ ان کا سائز دیکھ کر یقین نہیں آتا تھا کہ وہ اصلی ہیں۔

پال بوہر نے دیکھ لیا تھا کہ بل ایتھرٹن بھی بہت متاثر ہوا ہے۔ اس بات سے اسے دلی خوشی ہوئی تھی۔ لیکن ظاہری طور پر وہ بے پروا نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ دھیمی آواز، ڈرامائی انداز میں اپنی Presentation جاری رکھے ہوئے تھا۔ ''کہتے ہیں، کسی زمانے میں ایک شخص تھا، جو ہر ایک سے پوچھتا پھرتا تھا...... کیا سمندر میں ہل چلایا جا سکتا ہے؟ لوگ سمجھتے تھے کہ وہ پاگل ہے۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ بس وہ اپنے وقت سے آگے تھا۔ ایسے لوگ عام انسانوں کو پاگل ہی لگتے ہیں۔ اس کے سوال کا جواب ہے۔ ہاں...... سمندر میں ہل چلایا جا سکتا ہے، کاشت کاری کی جا سکتی ہے۔ نہ صرف کی جا سکتی ہے۔ بلکہ کی جانی چاہئے۔ ہائیڈرو پونکس اس کوشش کا محض نکتہ آغاز ہے''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

وہ اس روش پر آگے بڑھ رہے تھے۔ دونوں اطراف سبزیوں اور ترکاریوں کے قطعے تھے۔ وہاں لگی ہوئی ترکاریوں کے رنگ اپنے قدرتی رنگ سے کہیں زیادہ چمک دار اور سبز تھے۔

آگے بڑھے تو وہ اس حصے میں پہنچے، جہاں مختلف چارٹس اور گرافس آویزاں تھے۔ وہ نباتات کی غیر معمولی نمو سے متعلق تکنیکی معلومات تھیں۔ اس کے علاوہ وہاں نمائشی چیزیں بھی تھیں۔

''یہاں آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ عہد جدید کے کاشت کار کو کیسا ہونا چاہئے'' ۔ پال بوہر کہہ رہا تھا۔ ''وہ یہاں اپنے سینٹرل ٹاور میں کنٹرول پیڈ کے سامنے بیٹھے گا۔ ٹیلی وژن اور کمپیوٹر کے ذریعے اسے اپنے کھیتوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوں گی۔ اس کے لئے ہل چلانے کا کام الٹراسونک لہریں انجام دیں گی، جو ریموٹ کنٹرول کی مدد سے چلنے والے جہاز اس کی زمین پر برسائیں گے۔ اس کے کمپیوٹر کی مشینی انگلیاں کاشت کاری کے تمام مرحلوں میں کام کریں گی۔ وہ انگلیاں ہی پھل اور سبزیاں توڑ کر جمع کریں گی، اور انہیں درجہ بندی کے بعد مختلف کریٹس میں محفوظ کریں گی'' ۔

حیران اور متاثر بل ایتھرٹن نے پہلی بار زبان کھولی۔ ''اور اس سے بھوکے بنگالیوں کو کیا فائدہ ہوگا؟'' ۔

''انہیں غذا میسر آئے گی'' ۔ پال بوہر نے تقریباً چیخ کر کہا۔ اس مرحلے پر وہ خود پر جذباتیت طاری کر رہا تھا۔ ''بنگالی اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ صرف ایک پلیٹ ابلے ہوئے چاول کھا کر وہ دن بھر کڑی مشقت کر سکتے ہیں۔ لیکن اس طرح انہیں دنیا بھر کی نعمتیں مل سکیں گی۔ اس کے بعد وہ کتنی محنت کر سکتے ہیں، اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں'' ۔ وہ سانس لینے کے لئے رکا۔ پھر وہ دوبارہ بولا تو اس کا لہجہ اور پر جوش تھا۔ ''مگر اس کے لئے ہمیں سمندر میں کاشت کاری کرنی ہوگی۔ ہمیں فصلیں تیار ہونے کی رفتار میں اضافہ کرنا ہوگا۔ ہمیں مصنوعی گوشت تیار کرنا ہوگا۔ اور ہمیں...... یعنی تھورن انڈسٹریز کو اس سمت میں پہل کرنی ہوگی...... پہلا قدم بڑھانا ہوگا۔ ہمیں زمین خریدنی ہوگی یا کرائے پر حاصل کرنی ہوگی۔ ہمیں فصلوں پر اور جانوروں پر معقول کنٹرول حاصل کرنا ہوگا۔ ہم ایسی کیمیائی کھاد بنائیں گے، جو غذائی اجناس میں ہر اعتبار سے اضافہ کرے، اسے بڑھائے...... سائز میں بھی اور مقدار میں بھی۔ ہمیں ایسی مشینری بنانی ہوگی، جو بنجر زمینوں کو بھی زرخیز بنا دے۔ جو آلودگی کے باوجود سمندر میں بھی کھیت اگا دے'' ۔

''اور تمہاری حیثیت کیا ہوگی؟'' ۔ بل ایتھرٹن نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''تم اس انقلاب کے رہنما ہو گے...... زار؟'' ۔

پال بوہر کو جیسے توہین کا کوئی احساس نہیں ہوا۔ اس نے خود کلامی کے سے انداز میں، دھیمی آواز میں کہا۔ ''میں آپ کو بتاؤں۔ میکسیکو کے پہاڑی علاقوں میں کبھی ایک قبیلہ آباد تھا۔ ان کی زمین بہت زرخیز تھی۔ مگر وہ آلات کاشت کاری سے محروم تھے۔ ان کے پاس اس زمین سے بھرپور فائدہ اٹھانے کیلئے ٹیکنالوجی نہیں تھی۔ وہاں ایک امریکی کمپنی بھی تھی، جو وہاں سڑکیں بنا رہی تھی، وہ اپنا کام مکمل کر کے وہاں سے رخصت ہونے لگے تو انہوں نے ان میکسیکن لوگوں کو ایک ٹریکٹر دیا اور اس کے استعمال کا طریقہ انہیں سکھایا۔ اس کے بعد ان مقامی لوگوں کو کاشت کاری کا ہنر آ گیا۔ جانتے ہو، انہوں نے اس ٹریکٹر کا کیا کیا؟'' ۔

''انہوں نے اس ٹریکٹر کو کھا لیا'' ۔ پیار یان بولا۔ وہ پہلا موقع تھا کہ اس نے زبان کھولی تھی۔

یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ پال بوہر اس طنز اور تمسخر کو سمجھ نہیں سکا یا اس نے دانستہ اسے نظر انداز کر دیا۔ ''انہوں نے اس ٹریکٹر کے گرد ایک چرچ تعمیر کر دیا'' ۔ اس نے خود اپنے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''اور انہوں نے ٹریکٹر کو قربان گاہ پر رکھ دیا۔ صبح و شام وہ اس کے سامنے گھٹنے ٹیکتے، اس کی پرستش کرتے'' ۔

بل ایتھرٹن کو اس لمحے اپنا جسم سرد ہوتا محسوس ہوا۔ کیا پال بوہر دنیا کی اس طرح کی اکثریت کے لئے خدا بننا چاہتا ہے۔

اسی وقت سفید کوٹ والا ایک ٹیکنیشن بھاگتا ہوا ان کی طرف آیا۔ ''ایکسکیوز می مسٹر تھورن'' ۔ اس نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔ ''آپ کو فون پر بلایا جا رہا ہے۔ کوئی بہت ارجنٹ بات ہے'' ۔

رچرڈ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اپنے تینوں ساتھیوں سے معذرت کی۔ پھر وہ کال ریسیو کرنے کیلئے چلا گیا۔ اس کی عدم موجودگی میں بھی ڈسکشن جاری رہا۔

''تیل کمانے والے ممالک ہماری شہ رگ پر خنجر لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ بات سمجھتے ہو نا تم؟'' ۔ پال، بل ایتھرٹن سے کہہ رہا تھا۔ ہمیں ان کو کنٹرول کرنا ہے۔ جواب میں ہم ان کے پیٹ پر خنجر رکھ سکتے ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ تم بھوکے مر رہے ہو۔ ہمارے پاس غذائی اجناس ہیں۔ وہ تمہیں تیل کے بدلے مل سکتی ہیں۔ کیا تم میری اس پالیسی کو غیر اخلاقی قرار دو گے؟ میں ایسا نہیں سمجھتا۔ ہمارے سامنے بس یہی ایک راستا ہے۔ اور یہ قانون بقا ہے'' ۔

''میں اسے جانوروں کا قانون بقا قرار دوں گا۔ انسانوں کا نہیں'' ۔ بل ایتھرٹن نے حقارت سے کہا۔ ''اور ہم انہی بھوکے لوگوں کو اپنے لئے کاشت کار بنائیں گے۔ یہ تو غلامی کو فروغ دینا ہوا''

''میں انہیں غلام نہیں، خریدار کہوں گا۔ ہر آدمی اپنے پیٹ کا غلام ہے'' ۔

ڈیوڈ پیار یان پال کو ناپسند کرتا تھا۔ اس کے بے رحمانہ رویے اس کے لئے ناقابل قبول تھے۔ لیکن وہ بھوکے کا پیٹ بھرنے کو عبادت سمجھتا تھا۔ اور ڈیوڈ بہر حال بھوک کو مٹانے کی بات کر رہا تھا۔ ''میں پال سے متفق ہوں'' ۔ وہ بولا۔ ''ہمیں اس نئی جہت میں قدم رکھنا چاہئے'' ۔

اسی لمحے رچرڈ تھورن واپس آ گیا۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ ''رات سوتے میں آنٹی ماریان کا انتقال ہو گیا'' ۔ اس نے کہا۔ ''موت دم گھٹنے کی وجہ سے ہوئی'' ۔

بل ایتھرٹن کو دیکھ کر لگتا تھا کہ اسے زبردست شاک لگا ہے۔ ''او ہ رچرڈ...... مجھے بہت افسوس ہے'' ۔

رچرڈ نے اس کے جواب میں سر کو جنبش دی۔ اس وقت وہ اپنے ذہن میں یہ سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے۔ ''اب مجھے تو یہاں سے فوراً جانا ہوگا'' ۔ اس نے بل سے کہا۔ ''تم مجھے ہیلی کا پٹر تک چھوڑ دو گے؟'' ۔

''کیوں نہیں'' ۔

''پال، تم فوراً کوئی فون پکڑو اور بورڈ آف ڈائریکٹرز کو مطلع کرو۔ جو ڈائریکٹرز ملک سے باہر ہیں، انہیں پلانٹ منیجر کی تعیناتی کے بارے میں یقینی اطلاع ہونی چاہئے'' ۔

''اس طرف سے بے فکر رہو رچرڈ'' ۔ پال بوہر نے کہا۔

''تدفین تین دن بعد ہوگی۔ اس دن کے اندر بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ ہونی ہے'' ۔

رچرڈ نے سب سے ہاتھ ملائے اور بل ایتھرٹن کے ساتھ چل دیا۔

پال بوہر نے جاتے جاتے اس کے کوٹ کی آستین تھام لی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''رچرڈ...... کیا یہ ممکن نہیں کہ کل صبح میں ناشتہ تمہارے ساتھ کروں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس پروجیکٹ کے بارے میں حتمی گفتگو کر لی جائے''۔

اس کی بات سن کر بل ایتھرٹن کو جھٹکا لگا۔ وہ تدفین کے موقعے پر بھی کاروباری معاملات کو اولیت دے رہا تھا۔

لیکن رچرڈ کا ردعمل مختلف تھا۔ ''ضرور...... تم صبح آٹھ بجے میرے اپارٹمنٹ آجانا''۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ بل ایتھرٹن اس کے پیچھے تھا۔

ڈیوڈ پیاریان بھی پال بوہر کی بے رحمی پر حیران تھا۔ پال کسی بھی حال میں وقت ضائع کرنے کا قائل نہیں تھا۔ ایک بوڑھی عورت مرگئی تو کیا؟ دنیا کا کوئی کام کسی کی وجہ سے نہیں رکتا ہے۔ پال بوہر تو زندہ ہے۔ وہ اپنے آئیڈیے کو رچرڈ تھورن پر تھوپتا رہے گا۔ یہاں تک کہ تھورن انڈسٹریز اپنی پالیسیوں کے اعتبار سے اس راہ پر چل پڑے گی، جو اس نے سوچی اور تجویز کی ہے۔

پال بوہر نے ڈیوڈ کی سوچوں کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ ''تھورن فیملی شہر واپس آچکی ہے نا؟''۔

ڈیوڈ پیاریان نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ہاں...... آج ہی واپس آئے ہیں وہ''۔

''موسم سرما پھر یہیں گزرے گا''۔ پال نے کہا اور فون کے لئے چل دیا۔ اسے رچرڈ کی ہدایات پر عمل کرنا تھا۔

مرنے کے بعد بھی ماریان تھورن راستے کا کانٹا ہی ثابت ہوئی ہے۔ پال بوہر سوچ رہا تھا۔

............x............

عین اسی لمحے بحر اوقیانوس سے تیس ہزار فٹ اوپر ایک اسرائیلی مسافر بردار طیارہ مغرب کی طرف پرواز کر رہا تھا۔ اسرائیلی ایئر لائنز کا وہ طیارہ تل ابیب ایئرپورٹ سے روانہ ہوا تھا۔

جہاز کے ٹورسٹ سیکشن میں ایک بے حد پرکشش انگریز عورت سفر کر رہی تھی۔ سیاہ بالوں اور نہایت چمکیلی آنکھوں والی اس عورت کا نام جوآن ہارٹ تھا۔ ڈاکٹر وارن نے رچرڈ سے اس کے سلسلے میں بات کی تھی۔ مگر وہ اس گفتگو کے نتائج سے بے خبر رچرڈ تھورن سے انٹرویو کیلئے امریکا جا رہی تھی۔ جب کہ رچرڈ تھورن کو انٹرویو دینا پسند نہیں تھا۔ رچرڈ تھورن کو اس انٹرویو کی صحیح غرض و غایت کا علم بھی نہیں تھا۔ وہ بے چارہ تو یہ سمجھ رہا تھا کہ جوآن ہارٹ اس سے اس کے میوزیم اور آثار قدیمہ پر بات کرنا چاہتی ہے۔

سات سال پہلے جوآن کا عزیز دوست مائیکل مورگن پراسرار انداز میں غائب ہوا تھا۔ اس وقت سے اب تک جوآن اسی معاملے کی تفتیش کرتی رہی تھی۔ اس نے پورا ماضی چھان مارا تھا، ڈیمین تھورن سے تعلق رکھنے والے افراد کی اموات کے بارے میں اس نے نہایت باریکی سے چھان بین کی تھی۔ اس کے علاوہ اس عرصے میں وہ بائبل کو گھول کر پی گئی تھی۔

اب جوآن ہارٹ پر حقیقت پوری طرح کھل چکی تھی۔ وہ محسوس کرتی تھی کہ خدا نے اسے ایک بڑی ذمے داری، ایک بڑے کام کیلئے منتخب کر لیا ہے۔ اگرچہ بیوگن ہیگن نے اپنے روحانی پیش رو کی حیثیت سے مائیکل مورگن کو منتخب کیا تھا۔ لیکن خدا کی مرضی اور تھی۔ بیوگن ہیگن کا انتخاب اس کے ساتھ ہی فنا کے گھاٹ اتر گیا تھا۔

بیوگن ہیگن اور مائیکل کی ملاقات کے دوران وہ بھی موجود تھی۔ اس نے ان کے درمیان ہونے والی اس گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا تھا۔ اور وہ اس وقت وہاں اپنی موجودگی کو محض ایک اتفاق ماننے کی تیاری نہیں تھی۔ بلکہ اس نے ان کے نامکمل چھوڑے ہوئے کام کی تکمیل کو اپنا مشن بنا لیا تھا۔ اس کا مشن یہ تھا کہ اینٹی کرائسٹ اپنی تیرہویں سالگرہ منانے کیلئے زندہ نہ رہے۔ کیوں کہ جس دن وہ تیرہ سال کا ہوگا، اسے معلوم ہو جائے گا کہ درحقیقت وہ کون ہے اور کس کام کیلئے اسے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ اور جب وہ اپنی حیثیت اور اپنی قوتوں سے آگاہ ہو جائے گا تو اسے ختم کرنا ہرگز کوئی آسان کام نہیں ہوگا۔

لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اس کی بات پر کسی کو یقین نہیں تھا، سوائے ایک شخص کے۔ اور اس شخص کو بھی اس سے بنیادی اختلاف تھا۔ اس ایک شخص کے علاوہ سب نے اس کا مذاق اڑایا تھا۔ لوگ اسے توہماتی اور ضعیف الاعتقاد قرار دیتے تھے۔ یہ تو اس کے جاننے والوں کا حال تھا۔ اور جو لوگ اسے ٹھیک سے نہیں جانتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ وہ پاگل ہو چکی ہے۔

بیوگن ہیگن اور مائیکل کی پراسرار گمشدگی کے بعد اس نے اس معاملے کی تحقیق کی تھی۔ یوں اسے حنیف کے بارے میں معلوم ہوا۔ حنیف اس کہانی کا بے حد اہم کردار تھا۔ وہ ہر مرحلے میں رابرٹ تھورن کے ساتھ رہا تھا۔

اس نے حنیف کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ناکام رہی۔ ویسے بھی وہ آزاد پنچھی تھا...... فری لانس فوٹوگرافر۔ وہ کسی اخبار یا رسالے سے وابستہ نہیں تھا۔ سب کا یہی کہنا تھا کہ وہ غیر معمولی تصویریں کھینچتا اور بہت مہنگے داموں فروخت کرتا ہے۔ اس کے ایک دوست کے ذریعے اسے اس کے فلیٹ کا پتا چلا۔

وہ اس پتے پر پہنچی تو وہاں تالا لگا ہوا تھا۔ اس نے سوچا، وہ کہیں گیا ہوا ہوگا۔ وہ دوبارہ گئی، تیسری بار گئی، مگر ہر بار اسے دروازے پر تالا ہی نظر آیا۔ اسنے بلڈنگ کے چوکی دار سے بات کی۔

''تم اس سنکی فوٹوگرافر کے بارے میں پوچھ رہی ہو؟''۔

''ہاں...... وہ فوٹوگرافر ہی ہے''۔

''اور مسلم ہے؟''۔

''ہاں''۔

''وہ تو پچھلے مہینے یہاں سے چلا گیا''۔

''کہاں چلا گیا؟''۔

چوکی دار نے کندھے جھٹکے۔ ''یہ تو مجھے نہیں معلوم''۔

''اس نے کوئی پتا تو چھوڑا ہوگا''۔

''میں نے کہا نا، مجھے نہیں معلوم''۔ چوکی دار نے بے رخی سے کہا۔

''تو کسے معلوم ہوگا؟''۔

''بلڈنگ کے منتظم سے معلوم کرو''۔

''وہ کہاں ملے گا''۔

''ملے گا نہیں، ملے گی''۔ چوکی دار نے کہا۔ ''چوتھی منزل پر اس کا اپارٹمنٹ ہے...... A34''۔ اس نے چوکی دار کا شکریہ ادا کیا اور زینوں کی طرف بڑھ گئی۔

اس دستک کے جواب میں جس خاتون نے دروازہ کھولا، اس کی عمر ساٹھ سے اوپر ہی ہوگی۔ اس کے چہرے سے ہی اس کی بدمزاجی اور چڑچڑے پن کا اندازہ ہو رہا تھا۔ ''کیا بات ہے؟''۔ اس نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔

''مجھے حنیف ارشد سے ملنا ہے''۔

''وہ پاکستان چلا گیا ہے''۔

خاصی دیر جھک مارنے کے نتیجے میں جوآن کو بالآخر حنیف ارشد کا پتہ مل گیا...... پتا بھی اور فون نمبر بھی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

پہلے اس نے فون پر حنیف سے بات کی۔ اس نے اپنا تعارف کرایا تو پتا چلا کہ وہ اس کے نام سے واقف ہے۔ اس نے کہا کہ وہ پاکستان آ کر اس سے ملنا چاہتی ہے تو حنیف بھڑک گیا۔ اس نے ڈیمین اور تھورن فیملی کا حوالہ دیا تو وہ حیران ہوا۔ ''جو کہانی ختم ہوگئی، تم اس میں کیوں دل چسپی لے رہی ہو؟''۔

''کہانی ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ اب شروع ہوئی ہے''۔

''بہر حال میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا''۔

''میں صرف وہ تفصیل جاننا چاہتی ہوں، جس سے اس وقت تمہارے سوا کوئی واقف نہیں''۔

خاصی رد و قدح کے بعد حنیف نے ہامی بھر لی۔ ''اب میں اتنا بداخلاق بھی نہیں ہوں کہ تم اتنی دور سے آؤ اور تم سے نہ ملوں''۔

پاکستان جانے سے پہلے جوآن نے حنیف کے بارے میں معلومات جمع کیں۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس کا کوئی دوست نہیں تھا۔ فیلڈ کے جتنے لوگ اس کے ملنے والے تھے، وہ اس کی زبان سے شاکی تھے۔ سبھی کا کہنا تھا کہ اسے زیادہ دیر برداشت کرنا آسان کام نہیں تھا۔ سب اس پر متفق تھے کہ وہ مسلمان بھی بس نام ہی کا ہے۔ وہ ایسا آدمی ہے جو دیکھے، سمجھے اور پرکھے بغیر کسی بات، کسی چیز پر یقین نہیں کرتا۔ اور تمیز، تہذیب، ادب آداب سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس سے بات کرتے ہوئے بدتمیزی کی توقع رکھنا ضروری ہے۔

جوآن پاکستان جا کر اس سے ملی تو حیران رہ گئی۔ جیسا اس نے سنا تھا، وہ اس سے بہت مختلف آدمی ثابت ہوا۔

وہ کراچی میں چار کمروں کے ایک فلیٹ میں اکیلا رہتا تھا۔ اس نے بڑے تپاک سے جوآن کا خیر مقدم کیا۔ اس کی ظاہری وضع قطع بھی جوآن کے تصور سے مختلف تھی۔

''آؤ...... آرام سے بیٹھو''۔ حنیف نے کہا۔

جوآن بیٹھ گئی۔ مگر اس کی حیرت اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

''تم اتنی حیران کیوں نظر آ رہی ہو؟''۔

''تمہارے بارے میں جو کچھ سنا تھا تم اس سے بالکل مختلف ہو''۔

''ہاں، میں بہت تیزی سے بدلا ہوں۔ اسی لئے تو وطن واپس آ گیا ہوں''۔ حنیف نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''خیر...... یہ بتاؤ، کیا لوگی......؟''۔ جوآن نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ اس نے جلدی سے وضاحت کی۔ ''یہ ذہن میں رکھنا کہ شراب میں سرو نہیں کر سکوں گا اور مجھے اس پر افسوس اور شرمندگی نہیں ہے''۔

جوآن نے دل میں سوچا کہ اکھڑ پن اور بدتمیزی کا تو اب بھی وہی عالم ہے۔ ''کافی پلوا دو''۔ اس نے کہا۔

''میں ابھی بنا کر لاتا ہوں۔ چند منٹ کے لئے معذرت''۔

''اتنی دیر میں اجازت ہو تو میں تمہارا فلیٹ دیکھ لوں''۔

''ضرور''۔

وہ کچن میں چلا گیا۔ جوآن نے فلیٹ کا جائزہ لیا۔ جہاں وہ بیٹھی تھی، وہ ڈرائنگ روم تھا۔ اس کی آرائش میں سادگی تھی۔ پھر ٹی وی لاؤنج تھا۔ وہاں ٹی وی کے علاوہ کمپیوٹر بھی تھا۔ ایک بیڈ روم تھا، جہاں ایک ڈبل بیڈ تھا۔ دوسرے بیڈ روم کو جو زیادہ بڑا تھا، حنیف نے اسٹڈی اور لائبریری بنا دیا تھا۔ دو دیواروں پر شیلف تھے، جن میں سلیقے سے کتابیں رکھی تھیں۔ کتابیں انگلش، عربی اور اردو زبانوں میں تھیں۔ موضوع مشترک تھا۔ وہاں صرف علوم ادیان پر کتابیں تھیں۔ کھڑکی کے ساتھ ایک رائٹنگ ٹیبل تھی اور ایک ریوالونگ چیئر۔

جوآن کی حیرت دوچند ہوگئی۔ ایک ایسا شخص جو خدا پر یقین نہیں رکھتا، اس کے پاس دینی کتب کا اتنا بڑا ذخیرہ!

''آ جاؤ بھئی۔ کافی تیار ہے''۔ حنیف کی آواز آئی۔

جوآن ڈرائنگ روم کی طرف چل دی۔ وہاں حنیف کافی لئے بیٹھا تھا۔ ''کیا تمہارے چہرے کی بناوٹ ہی ایسی ہے کہ ہر وقت حیران نظر آتی ہو؟''۔

''نہیں۔ میں سچ مچ حیران ہوں...... بہت حیران!''۔

''وجہ؟''۔

''وجہ نہیں، وجوہات ہیں''۔ جوآن نے گہری سانس لیکر کہا۔ ''ایک وجہ یہ ہے کہ تم پروفیشنل فوٹو گرافر ہو اور چار کمروں کے اس فلیٹ میں ڈارک روم موجود نہیں ہے۔ دوسرے میری معلومات کے مطابق تم مذہب سے بے تعلق ہو۔ مگر اتنی بڑی لائبریری میں صرف دینی کتب ہیں۔ تیسرے مجھے بتایا گیا تھا کہ تم لباس کے معاملے میں بہت بے ڈھنگے ہو۔ مگر میں تمہیں خوش لباس دیکھ رہی ہوں۔ چوتھے میں نے تمہیں اکھڑ اور بدتمیز نہیں پایا۔ اب بتاؤ، کیا میری حیرت بے جا ہے؟''۔

''نہیں۔ اب میں تمہیں جواب دوں گا۔ فوٹو گرافی میں نے چھوڑ دی۔ اور میں نے سمجھ لیا کہ دین کے علاوہ کوئی پناہ گاہ باقی نہیں رہی ہے۔ باقی تبدیلیاں دین سے تعلق جڑنے کی وجہ سے ہیں''۔

''تم نے فوٹو گرافی چھوڑ دی! تو اب کیا کرتے ہو؟''۔

''اب میں لکھتا ہوں۔ ہوں اب بھی آزاد...... فری لانسر۔ اخبارات میں میرے آرٹیکل شائع ہوتے ہیں''۔

''دین پر؟''۔

''نہیں۔ حالات حاضرہ پر''۔

''اس تبدیلی کی کوئی خاص وجہ؟''۔

''بہت ہی خاص وجہ ہے۔ لیکن......''۔ وہ کہتے کہتے رکا۔ ''اسے بداخلاقی نہ سمجھو تو میں یہ یاد دلا دوں کہ تم یہاں مجھے سمجھنے اور میرے بارے میں جاننے کے لئے نہیں آئی ہو۔ تمہاری یہاں آمد کا مقصد کچھ اور ہے''۔

''مجھے یاد ہے۔ مگر میرے خیال میں تمہاری تبدیلیوں کا تعلق بھی اسی سے ہے۔ خیر...... مجھے رابرٹ تھورن اور ڈیمین تھورن کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ''۔

حنیف نے تمام واقعات یوں دہرائے، جیسے کوئی منظر دیکھ کر بیان کر رہا ہو۔ اس کے بیان میں کہیں کوئی بے ترتیبی نہیں تھی۔ تقدیم و تاخیر کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ واضح اور صاف کہانی تھی۔

''تمہاری کیا رائے ہے اس سلسلے میں؟''۔ جوآن نے پوچھا۔

''جب سے یہ معاملہ سامنے آیا میں نے مطالعہ شروع کیا۔ اسی چیز نے مجھے دین سے قریب کر دیا۔ میں صورت حال کو سمجھنا چاہتا تھا۔ جو میں نے سمجھا تھا، رابرٹ تھورن کو بھی بتا دیا تھا۔ میں نہیں مانتا کہ ڈیمین تھورن اینٹی کرائسٹ یعنی دجال ہے۔ ہاں، میں اسے ایک بہت بڑا فتنہ مانتا ہوں۔ میں اسے شیطان کا نمائندہ تسلیم کرتا ہوں۔ اس لئے کہ تمام متعلقہ لوگوں کی اموات پراسرار طور پر ہوئیں۔ حملہ تو مجھ پر بھی ہوا۔ میں معجزانہ طور پر بچ گیا۔ شاید اس لئے کہ اس وقت تک میرا ایمان قائم ہو چکا تھا کہ اللہ کے حکم کے بغیر مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ ہی سب سے بڑا بچانے والا ہے۔ اور میری زندگی اس بات کا ثبوت ہے''۔

''تم نے پراسرار اموات کی بات کی۔ لیکن رابرٹ تھورن کو تو ایک پولیس مین نے شوٹ کیا...... اور وہ بھی فطری حالات میں''۔ جوآن نے اعتراض کیا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''بظاہر ایسا لگتا ہے کہ کوئی بھی رابرٹ تھورن کو اس حال میں دیکھتا کہ وہ اپنے بچے کو قتل کرنے والا ہے تو اسے شوٹ کر دیتا۔ مگر میں ثابت کر سکتا ہوں کہ وہ شیطان کی کارروائی تھی۔ شیطان اپنے اہم ترین مہرے کو یوں کیسے کٹنے دیتا۔ اس مہرے کو بچانے کے لئے اس نے رابرٹ تھورن کو ختم کرا دیا۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ ڈیمین کے راستے کا ایک کانٹا صاف ہو گیا''۔

''تم یہ کیسے ثابت کرو گے کہ وہ شیطان کی کارروائی تھی''۔

''یہ تو خود پولیس کی رپورٹ بتاتی ہے۔ جس شخص نے پولیس کو رابرٹ تھورن کی وحشت کے بارے میں اطلاع دی، اس کے معدے میں اس وقت اتنی شراب تھی کہ نہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا تھا اور نہ ہی اسے کچھ سجھائی دینا چاہئے تھا۔ پولیس خود اس پر حیران ہے کہ اس نے وہ سب کچھ کیسے دیکھا، سمجھا اور پولیس کو مطلع کیا۔ وہ تو ٹوٹل بلیک آؤٹ کی کنڈیشن میں تھا''۔

''یہ بات معقول ہے۔ مگر رابرٹ تھورن کے وجود سے ڈیمین کو کیا نقصان تھا؟''۔

''پہلا تو یہی کہ رابرٹ تھورن ڈیمین کی اصلیت جان چکا تھا اور اس کی جان کے درپے تھا۔ دوسرا اس بات پہ غور کرو کہ ابن ابلیس کی پرورش کے لئے شیطان کے چیلوں نے رابرٹ تھورن کو ہی کیوں منتخب کیا؟ اس لئے کہ وہ دنیا کے امیر ترین افراد میں سے تھا۔ یہی نہیں، اس نے اپنا ایک سیاسی پس منظر بھی بنا لیا تھا۔ اگر وہ مرنہ جاتا تو اس کا امریکی صدر بننا یقینی تھا اور امریکی صدر ایک ایسی قوت ہے جو پوری دنیا پر اثر انداز ہوتی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت بڑھتی جائیگی۔ مستقبل میں ڈیمین کی منزل بھی یہی ہے''۔

''تو تمہارے خیال میں ڈیمین کی راہ میں اور کانٹے بھی ہیں جو ہٹائے جائیں گے؟''

''ہاں۔ رچرڈ تھورن، اس کی بیوی این، اس کا بیٹا جیمز ...... یہ سب ڈیمین کی راہ کے کانٹے ہیں۔ وہ نکل جائیں گے تو تھورن فیملی کی کاروباری مملکت کا اکلوتا وارث ڈیمین تھورن ہو گا۔ اپنی اس دولت اور سیاسی بیک گراؤنڈ کے ساتھ یہ بات یقینی ہے کہ وہ ایک دن امریکا کا صدر منتخب ہو گا۔ تب شیطان کے لئے پوری دنیا پر غلبہ حاصل کرنا کرنا آسان ہو جائے گا۔ وہ پوری دنیا پر راج کر سکے گا''۔

جوآن جھرجھری لیکر رہ گئی۔ ''تمہارے خیال میں ایسا ہی ہو گا؟''

حنیف مسکرایا۔ ''ہرگز نہیں۔ حق و باطل کے ہر معرکے میں آخری فتح حق کی ہوتی ہے۔ باطل کی فتح خواہ کتنی ہی مکمل نظر آئے، درحقیقت نامکمل اور وقتی ہوتی ہے۔ تاریخ بھی ہمیں یہی بتاتی ہے اور مذہب بھی''۔

''تم ڈیمین کو اینٹی کرائسٹ کیوں نہیں مانتے۔ جب کہ بائبل اس کی تصدیق کرتی ہے۔ کیا تم بائبل پر ایمان نہیں رکھتے؟''

''بالکل رکھتا ہوں۔ میں اللہ کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتا ہوں۔ یہ تو ہمارے ایمان کا لازمی حصہ ہے''۔ حنیف نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''مسئلہ یہ ہے کہ کتابوں میں تحریف، کمی بیشی اور ردوبدل ہوتا رہا ہے۔ علمائے بنی اسرائیل نے تو بڑی شدومد سے یہ کام کیا۔ اپنے مفادات کی خاطر کتاب کے کچھ حصے چھپا لئے اور مفادات ہی کی خاطر کچھ نئے جملے شامل کر دیئے۔ قرآن پاک اللہ کی آخری کتاب ہے اور اللہ کا وعدہ ہے کہ اس میں کبھی تحریف نہیں ہو گی۔ اس کی حفاظت اللہ کے ذمے ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ بائبل اور توراۃ میں لکھی ہوئی کوئی بات قرآن اور حدیث سے متصادم ہو تو اسے نظر انداز کرنا ضروری ہے''۔

''یعنی تم قرآن کو دیگر کتابوں پر فوقیت دیتے ہو۔ کیا یہ تعصب نہیں؟''

''ہرگز نہیں۔ دنیاوی اعتبار سے بھی دیکھیں تو کسی بھی کتاب کا تازہ ترین ایڈیشن سب سے معتبر مانا جاتا ہے۔ جب آخری کتاب آ گئی تو پچھلی تمام کتابیں اہمیت کھو بیٹھیں۔ حتمی شریعت آ گئی تو پچھلی شریعتیں منسوخ ہو گئیں۔ اب کوئی نہ مانے تو نقصان اسی کا ہے''۔

''تو قرآن اینٹی کرائسٹ کے بارے میں کیا کہتا ہے؟''

''قرآن میں دجال کا تذکرہ ہے۔ مگر تھوڑا ہے۔ لیکن جتنا کچھ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں تفصیل سے بتایا ہے، کسی پیغمبر نے نہیں بتایا۔ ظاہر ہے، آپؐ کے بعد کوئی بتانے کے لئے آنے والا جو نہیں تھا۔ ہمیں خبردار کیا گیا ہے کہ دجال آئے گا تو ایمان کو اتنا بڑا خطرہ لاحق ہو گا کہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہی لوگ ایمان کو بچا سکیں گے، جن پر اللہ کی رحمت ہو گی۔ اسی لئے اتنی تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ وہ دور آخر ہو گا۔ قیامت نزدیک ہو گی۔ جب آخری دور کی نشانیاں ظاہر ہوں تو اہل ایمان اللہ کی ڈوری کو مضبوطی سے تھام لیں۔ کیوں کہ ادھر سے ادھر پھسلنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگے گا اور پھسلنے والے کو پتا بھی نہیں چلے گا۔ وہ اسی خوش فہمی میں رہے گا کہ وہ اب بھی ایمان پر ہے۔'' حنیف نے ایک گہری سانس لی''۔ اسی لئے میں وطن واپس آ گیا۔ اب میں لوگوں کو خبردار کر رہا ہوں کہ آخری دور شروع ہو گیا ہے۔ ایمان کی طرف لپکیں اور ان خوش نصیبوں میں شامل ہو جائیں، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کمان میں دجال پر فتح حاصل کریں گے۔ جن کا اس دور آخر میں بھی اللہ کی رحمت سے ایمان پر خاتمہ ہو گا''۔

جوآن چونکی۔ ''مسیح کی کمان میں؟'' اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

حنیف مسکرایا۔ ''ہاں۔ ہمارے حضورؐ نے یہ سب پوری تفصیل سے بتایا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گمراہ کن روایتیں پھیلائی گئی ہیں۔ ایک تو انہیں نعوذ باللہ اللہ کا بیٹا قرار دے کر بدترین شرک کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ بھی غلط روایت ہے کہ انہیں مصلوب کر دیا گیا تھا۔ قرآن میں بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لیا اور اس معاملے کو لوگوں کیلئے مشتبہ بنا دیا گیا۔ شاید اس میں لوگوں کی آزمائش ہو، بہرحال دجال کے فتنے کے سدباب کے لئے عیسیٰ علیہ السلام جس عمر میں اٹھائے گئے تھے، اسی عمر میں واپس آئیں گے۔ دجال کو ختم کریں گے۔ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل......''۔

''ایک منٹ! تم بہت تیز چل رہے ہو''۔ جوآن نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ مسیح کے اٹھائے جانے کی بات سمجھ میں نہیں آتی''۔

''اس لئے نہیں آتی کہ یہ گمراہی نسلوں سے چل رہی ہے۔ یہ اس لئے سمجھ میں نہیں آتی کہ جب آخری کتاب آئی تو اسے تسلیم نہیں کیا گیا اور آخری کتاب کو تسلیم نہیں کرنا تھا، اس لئے پچھلی کتابوں میں تحریف کی گئی۔ آخری پیغمبرؐ کی آمد کی خوش خبری حذف کر دی گئی۔ اس کی نشانیوں کا بیان حذف کر دیا گیا۔ اس لئے عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھائے جانے کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ ورنہ بغیر باپ کے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش تو سمجھ میں آتی ہے نا۔ تو جو اللہ بغیر باپ کے ایک پیغمبر کی ولادت پر قادر ہے، کیا وہ اس پیغمبر کو زندہ آسمان پر نہیں اٹھا سکتا''۔

''یہ بات تو دل کو لگتی ہے''۔ جوآن نے گہری سانس لیکر کہا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''لیکن یہ بتاؤ کہ آخری پیغمبر کے بارے میں جو کچھ کتابوں میں تھا، اسے کتابوں سے خارج کیوں کیا گیا؟ اس پر ایمان کیوں نہیں لائے لوگ؟''

''اس سے پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کہ جب عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں مبعوث ہوئے تو یہودی ان پر ایمان کیوں نہیں لائے۔ جب کہ تورات میں ان کی آمد کی خوش خبری دی گئی تھی اور جب کہ ان کی پیدائش بھی معجزہ تھی اور اللہ نے انہیں وہ معجزے بھی عطا فرمائے تھے، جن کے بارے میں تورات میں پہلے سے بتا بھی دیا گیا تھا۔ بلکہ ایمان لانا تو دور کی بات، یہودی ان کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اپنی دانست میں انہوں نے پیغمبر کو ختم بھی کرا دیا۔

''یہ تو تھا تمہارے اعتراض کا جوابی اعتراض'' حنیف نے گہری سانس لی۔ ''اور اب میں تمہیں تمہارے اعتراض کا جواب دیتا ہوں۔ یہودی علماء میں ایک خرابی شروع ہی میں پیدا ہو گئی تھی۔ وہ ذرا سے دنیاوی فائدے کے لئے کتاب میں ردوبدل کر دیتے تھے۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دینا ان کا شعار بن گیا تھا۔ اللہ کے جس حکم سے انہیں اپنی دانست میں چند پیسوں کا نقصان نظر آتا، وہ اس حکم کو کتاب میں سے نکال دیتے اور فائدے کیلئے کوئی بھی حکم اپنے پاس سے گھڑ کر کتاب میں شامل کر دیتے یہ عمل ثابت کرتا ہے کہ اللہ پر ان کا ایمان نہیں تھا۔ وہ خوف خدا سے عاری تھے۔ خدا کا نام لیتے تھے، مگر اس سے باغی تھے۔ ان اعمال کے نتیجے میں ان کے دل سخت ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اللہ کی شریعت میں نقصان دیکھا تو اس پر اصرار کرنے والے انبیاء کو قتل کرنے لگے۔ یہ روئے زمین پر واحد امت ہے، جس نے انبیا کو قتل کیا ہے۔ اس کے نتیجے میں ان پر نحوست اور ذلت وخواری مسلط ہو گئی۔ عیسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے پیغمبر مان کر بھی نہیں مانا۔ اس لئے کہ وہ اللہ کے جو احکامات لائے تھے، وہ انہیں قبول نہیں تھے۔ انہوں نے ان کے خلاف بھی سازشیں کیں اور ان کے قتل کا اہتمام کیا۔ لیکن اللہ نے اپنے اس پیغمبر کو ان ظالموں کی دست برد سے بچا کر آسمان پر اٹھا لیا۔

''یہ بھی ذہن میں رکھو کہ یہودیوں میں نسلی تفاخر اور تعصب حد سے زیادہ ہے۔ وہ بنی اسرائیل ہیں اور انہیں اس پر فخر ہے۔ تمام انبیاء بنی اسرائیل میں سے تھے۔ یہودیوں کے مفادات پر ضرب پڑی تو انہوں نے ان انبیاء کو بھی قبول نہیں کیا۔ تو وہ بنی اسماعیل کے پیغمبر کو کیسے قبول کرتے''۔

''میں سمجھی نہیں''۔

''حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو فرزند تھے۔ حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل۔ اسحاق علیہ السلام سے بنی اسرائیل کے پیغمبروں کا سلسلہ چلا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام عرب میں آباد ہو گئے تھے۔ جب بنی اسرائیل کی سرکشی اور غرور حد سے گزر گیا تو اللہ نے ان کا غرور توڑنے کے لئے پیغمبری بنو اسماعیل میں منتقل کر دی۔ ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آخری پیغمبر حضرت اسماعیل کی نسل سے تھے۔ اب نام ونسب پر فخر کرنے والے متکبر یہودی ایک ایسے پیغمبر کو کیسے مان لیتے، جو ان کی نسل سے نہیں تھا''۔

''تو انہوں نے اس پیغمبر کے متعلق خوش خبری کو کتاب میں رہنے ہی کیوں دیا۔ پہلے ہی اسے غائب کر دیتے''۔ جو آن نے اعتراض کیا۔

''اللہ نے انہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ پیغمبر آخرالزماںؐ بنی اسماعیل سے ہوگا۔ اس کی ولادت کی اور دیگر تمام نشانیاں کتاب میں موجود تھیں۔ سو وہ اس نجات دہندہ کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ آیا اور انہوں نے اس کی تمام نشانیوں سے اسے پہچان بھی لیا۔ مگر وہ بنی اسرائیل سے نہیں تھا۔ چناں چہ انہوں نے ان نشانیوں سے بھی انکار کر دیا اور کتاب میں بھی اپنی عادت کے مطابق تحریف کر دی''

''تو مسیح دوبارہ آئیں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔ تم لوگ ان کا ساتھ دو گے؟''

''نصیب والے، سچے مسلمان ان کا ساتھ دیں گے''۔

''اس کا مطلب ہے کہ عیسائی، یہودی اور مسلمان ایک ہو جائیں گے''۔

''یہ تم کس بنیاد پر کہہ رہی ہو؟''

''دیکھو نا۔ یہودی اور عیسائی تو اس وقت بھی ایک ہیں اور پھر مسلمان بھی آ ملیں گے''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

’’ایسا نہیں ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کا اشتراک غیر فطری ہے۔ عیسائیوں کے فطری حلیف مسلمان ہیں اور یہودی ان کے دشمن ہیں۔ یہودی تعداد میں، طاقت میں ہمیشہ کم رہے ہیں، لیکن مکاری میں وہ سب سے آگے ہیں۔ انہوں نے عیسائیوں کو ہمیشہ بے وقوف بنا کر استعمال کیا ہے۔ اب بھی کر رہے ہیں۔ عیسائیوں کو مسلمانوں سے لڑا کر وہ دونوں کو کمزور کر رہے ہیں۔ اصل میں وہ اپنے عروج کے خواب دیکھ رہے ہیں‘‘۔

’’یہ تم بغیر دلیل کے کہہ رہے ہو؟‘‘

’’نہیں۔ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ دجال کا خروج ہوگا تو یہودی اس کے ساتھ ہوں گے۔ وہ اس کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں‘‘۔

’’کیسے؟‘‘

’’عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے ان کے انبیا نے انہیں بشارت دی کہ ان کے لئے ایک پیغمبر مسیح آنے والا ہے، جو ان کے لئے نجات دہندہ ہوگا، انہیں ذلت اور خواری سے نجات دے گا اور انہیں بام عروج پر لے جائے گا۔ جب مسیح تشریف لائے تو ان کی بدنصیبی کہ تمام نشانیوں کے باوجود اپنے مفادات کی خاطر ان کا انکار کیا اور محروم رہ گئے۔ عروج کی آس انہیں اب بھی ہے۔ اس لئے وہ اب بھی اس پیغمبر کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ اسی لئے ہمارے ہاں دجال کو مسیح الدجال کہا گیا ہے...... یعنی جھوٹا مسیح۔ اب دجال آئے گا تو وہ اس جھوٹے مسیح پر ایمان لے آئیں گے۔ اس لئے بھی کہ وہ انہیں ان کی برائیوں سے نہیں روکے گا۔ بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کرے گا۔ انہیں تو ایسا ہی رہنا چاہئے تھا۔ تو یہ ہے اصل سیناریو، جو ہمیں پوری تفصیل سے دکھایا گیا ہے‘‘۔

’’لیکن یہودی اس بات کا اعلان نہیں کرتے کہ وہ کسی مسیح کے منتظر ہیں‘‘۔ جوآن نے اعتراض کیا۔

’’وہ اعلان کرنے کے قائل نہیں۔ ان کے اعمال گواہی دیتے ہیں۔ وہ ہیکل سلیمانی کو زندہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہوں نے اس سرزمین پر اپنے لئے ایک وطن حاصل کیا، جہاں وہ اس کے استقبال کی تیاری کر رہے ہیں‘‘۔

’’تو یہ ہے تم لوگوں کا دجال کا تصور!‘‘۔

’’یوں کہو کہ یہ ہے اینٹی کرائسٹ کی حقیقت، آخری کتاب اس لئے آئی تھی کہ سب سے پہلے تمام اہل کتاب اس پر ایمان لائیں۔ اب اہل کتاب نے اس سے منہ موڑ لیا تو انہیں حقیقت کا علم کیسے ہوگا‘‘۔

’’تم نے مسیح کے مصلوب ہونے کے بارے میں کہا کہ اس معاملے کو مشتبہ کر دیا گیا‘‘۔

’’میں نے نہیں کہا، یہ قرآن میں خود اللہ نے فرمایا ہے‘‘۔

’’اور تم نے کہا کہ شاید اس میں لوگوں کی آزمائش ہو۔ اس کی وضاحت کرو‘‘۔

’’دیکھو، یہ کہہ دینا کسی کے لئے بھی بہت آسان ہے کہ میں اللہ پر ایمان لایا۔ لیکن اللہ آدمی کے ایمان کی آزمائش ضرور فرماتا ہے۔ تاکہ دیکھے کہ کون صحیح معنوں میں ایمان لایا اور کون اس معاملے میں کمزور ہے۔ اب اللہ قرآن میں فرماتا ہے کہ ہم نے عیسیٰ ؑ کو اٹھا لیا اور معاملے کو لوگوں کے لئے مشتبہ کر دیا۔ اللہ قادر مطلق ہے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ وہ چاہتا تو اس معاملے کو صریح اور یقینی بنا دیتا۔ لیکن اس نے مشتبہ بنایا تو اس میں بھی کوئی مصلحت ہوگی۔ وہ آزمائش بھی ہو سکتی ہے...... بلکہ ہے۔ کچھ لوگ یہ آیت پڑھ کر بھی کہتے ہیں کہ جی نہیں، انہیں تو مصلوب کر دیا گیا تھا۔ تو وہ صاحب ایمان تو نہ ہوئے۔ ایمان کا تو تقاضہ ہے کہ اللہ نے جو کہا، آپ نے بغیر کسی بحث کے، بغیر دلیل و جواز کے، بغیر کسی توجیہہ کے اسے قبول کر لیا، جب کہ اللہ اس سے پہلے بھی اپنی قدرت ثابت کر چکا ہے آپ پر۔ اسی کا بنایا ہوا نظام ہے کہ مرد اور عورت ملتے ہیں تو اس کے نتیجے میں وہ جب چاہے، عورت کے رحم میں نطفہ قرار پاتا ہے۔ اس کے بعد بچہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن حضرت بی بی مریم پاک تھیں۔ آپ کو کبھی کسی مرد نے نہیں چھوا۔ اس کے باوجود اللہ نے بغیر کسی حیلے کے عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے پیٹ سے پیدا فرمایا۔ جب اللہ نے یہ بات بتائی تو ایمان والے اس پر ایمان لے آئے۔ گویا اس کی قدرت پر ایمان لے آئے اور ان میں ایسے بھی تھے کہ جنہوں نے حیلے کی تلاش میں اللہ پر مکروہ ترین بہتان لگا دیا۔ ذرا سوچو تو، اللہ کے بارے میں کہی جانے والی بدترین بات ہے۔ کیا تم عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتی ہو؟‘‘

جوآن کے جسم میں تھرتھری دوڑ گئی۔ ’’نہیں...... ہرگز نہیں۔ یہ تو واقعی بہت خوف ناک بات ہے‘‘۔

’’بہرحال، میں یہ کہہ رہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا معجزہ بھی آزمائش بن گیا اور کمزور ایمان والے لوگ اس کی وجہ سے بدترین گناہ کے مرتکب ہوئے اب جو اہل ایمان اس پر ایمان لے آئے کہ اللہ بغیر حیلے اور سبب کے پیدائش پر قادر ہے، ان کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے کو مشتبہ بنا کر اٹھایا جانا آزمائش بن گیا۔ بھئی اللہ کہتا ہے کہ عیسیٰ کو مصلوب نہیں کیا گیا۔ بلکہ میں نے واپس بلا لیا، تو اس پر ایمان لے آؤ جب کہ اللہ تنبیہی اشارے کے طور پر آگے فرماتا ہے کہ لوگوں کے لئے معاملے کو مشتبہ بنا دیا گیا، گویا اس نے اپنی رحمت سے خبردار بھی کر دیا کہ یہ تمہارے لئے آزمائش ہے۔ یعنی آزمائش بھی لی اور اس میں سرخرو ہونے کا التزام بھی عطا کر دیا۔ اب کوئی غلط راہ پر چلے تو یہ اس کی بدنصیبی ہے‘‘۔

’’اب اصل بات کی طرف آئیں۔ تمہارے خیال میں ڈیمین اینٹی کرائسٹ نہیں ہے‘‘۔

’’نہیں۔ البتہ وہ یقینی طور پر ایک فتنہ ہے، جسے شیطان نے کھڑا کیا ہے‘‘۔

’’میں اس کے سدباب کے لئے نکل رہی ہوں۔ تم میرے ساتھ چلو‘‘۔

’’سوری۔ میں اپنے مشن میں مصروف ہوں‘‘۔

’’تمہارا مشن کیا ہے؟‘‘

’’اپنی قوم کو...... اور امت مسلمہ کو خبردار کرتے رہنا۔ بتاتے رہنا کہ چھوٹے چھوٹے نیک عمل کرتے رہو۔ اللہ سے رابطہ رکھو۔ کیوں کہ یہ فتنوں کا دور ہے۔ کسی بھی وقت بڑی آزمائش کی گھڑی آ جائے گی، جس میں ایمان والوں کو فتح ہوگی۔ تو تم اس وقت سے ڈرو۔ اللہ سے رابطہ رکھو۔ بڑی نہ سہی، چھوٹی نیکیاں کرتے رہو۔ تاکہ اس آزمائش میں وہ تم کو بچا لے۔ کیوں کہ بچے گا وہی، جسے وہ بچائے گا۔ میں لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہم فتنوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ اوپر سے، نیچے سے، دائیں بائیں سے، آگے پیچھے سے فتنے ہم پر برس رہے ہیں اور ان فتنوں کی پہچان آسان نہیں ہے۔ ان کو غور سے دیکھو، پہچاننے کی کوشش کرو اور پہچان کر ان سے بچو اور اللہ کو خوش کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ کرتے رہو۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

تا کہ وہ تمہیں ان فتنوں سے بچائے اور ان خوش نصیبوں میں شامل فرمائے، جو فتح یاب ہوں گے اور دنیا پر حکمرانی کریں گے۔ میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ جو ایسا نہیں کریں گے، غفلت میں پڑے رہیں گے، ان کے ایمان اور سارے اعمال غارت ہو جائیں گے"۔

"تو تم میرا ساتھ نہیں دو گے؟" جوآن کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"میں تمہیں ایک مشورہ دوں گا"۔ حنیف نے بے حد خلوص سے کہا۔ "تم ڈیمین کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو۔ وہ جب، جس کے ہاتھوں چاہے گا، اس فتنے کو ختم کرا دے گا۔ تم ایک ایسا کام کرو، جس کا اجر بڑا ہے...... بہت بڑا"۔

جوآن نے کچھ نہیں کہا۔ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتی رہی۔

"تم اپنی قوم کو جگانے کی کوشش کرو۔ اس بدترین شرک کے خلاف مؤثر انداز میں لکھو۔ لوگوں کو بتاؤ کہ اللہ واحد ہے، احد ہے، یکتا ہے۔ اس جیسا کوئی نہیں۔ وہ ہر ضرورت سے پاک اور بے نیاز ہے۔ اس کا کوئی رشتے دار نہیں۔ نہ وہ کسی سے ہے اور نہ کوئی اس سے ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اس کے بیٹے نہیں، اس کے بندے اور پیغمبر ہیں۔ دوسری بات یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام مصلوب نہیں کئے گئے، بلکہ اللہ نے انہیں اٹھالیا۔ وہ اسی عمر میں دوبارہ آئیں گے اور دجال کا خاتمہ کریں گے اور ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی اللہ کی شریعت کو پوری طرح نافذ فرمائیں گے اور تیسری بات یہ کہ یہودی روئے زمین پر سب سے بڑا فتنہ ہیں۔ وہ عیسائیوں کے حلیف نہیں، حریف ہیں۔ ان کی سازشوں سے خبردار رہیں۔ ان کے کہنے پر مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں نہ کریں۔ انہیں قوت فراہم نہ کریں۔ ورنہ وہ آخر میں خود ان کے خلاف استعمال ہو گی"۔ حنیف کہتے کہتے رکا۔ اس نے گہری سانس لی اور سلسلۂ کلام پھر جوڑا۔ "یقین کرو مس ہارٹ، اس کا اثر ہو نہ ہو، یہ بہت بڑا کام ہے۔ تم اپنی قوم کی بہت بڑی خدمت کرو گی اور اللہ کے ہاں تمہیں اتنا اجر ملے گا کہ تمہارے تصور میں بھی نہیں آسکتا"۔

جوآن چند لمحے سوچتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ "مسٹر ارشد، میں تم سے بہت متاثر ہوئی ہوں۔ تم نے بہت اندر، بہت گہرائی میں مجھے جھنجھوڑا ہے۔ تمہاری تمام باتیں مؤثر ہیں۔ میں قرآن کا مطالعہ بھی ضرور کروں گی۔ مگر پہلے مجھے ڈیمین کو روکنا ہے۔ یہ کام میں بعد میں کروں گی"۔

"سب سعادتیں اللہ کی طرف سے ہیں"۔ حنیف نے سرد آہ بھر کر کہا۔ "میں اب بھی یہی کہوں گا کہ ڈیمین کو بھول جاؤ اور یہ کام کرو۔ کون جانے، وہ بعد تمہارے نصیب میں ہی نہ ہو، جس پر تم تکیہ کر رہی ہو۔ کون جانے ڈیمین والا کام تمہارے بس کا نہ ہو"۔

"نہیں مسٹر ارشد۔ میری پہلی ترجیح ڈیمین ہی ہے"۔

"میں تمہارے لئے دعا ہی کر سکتا ہوں"۔

اور اب جوآن ہارٹ اپنے اس مشن پر نکلی ہوئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ خدا نے اسے اپنا پیغام رساں بنایا ہے۔ اگرچہ بیوگن ہیگن نے مائیکل مورگن کو اپنا روحانی قائم مقام بنایا تھا، لیکن وہ دونوں ہی ختم ہو چکے تھے۔ وہ ان کی اس میٹنگ میں شریک تھی۔ اس اعتبار سے اسے خدا نے خود منتخب کیا تھا۔ اس کی وہاں موجودگی محض اتفاق نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے سب کچھ سنا تھا اور اس پر یقین بھی کیا تھا۔

یہ بات سات سال پرانی تھی۔ اس نے اس سلسلے میں بہت لوگوں سے بات کی۔ جو اسے جانتے تھے، وہ ہنس کر کہتے کہ یہ اس کے زرخیز تخیل کا کرشمہ ہے اور جو اس سے ناواقف تھے، وہ اسے پاگل سمجھتے تھے۔ کسی کو اس کی بات پر یقین نہیں تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ خود جوآن کو بھی کبھی کبھی لگتا کہ وہ پاگل ہو گئی ہے۔ اسے خود بھی کامل یقین نہیں تھا۔ لیکن تین ہفتے پہلے اسے بیلوائر کیسل کے تازہ دریافت شدہ آثار قدیمہ پر ایک خصوصی آرٹیکل لکھنے کو کہا گیا۔ وہ وہاں پہنچی۔ وہاں کھدائی کے دوران بیسویں صدی کے دو انسانوں کی ہڈیاں بھی پائی گئی تھیں۔ دونوں مرد تھے اور جوآن جانتی تھی کہ وہ کون ہیں۔ برسوں سے وہ سوچتی تھی کہ وہ کہاں غائب ہو گئے۔ اب اسے پتا چل گیا کہ وہ اسی ختم ہو گئے تھے اور وہ ان کی واحد رازدار ہے۔ اب اس کو ان کا مشن مکمل کرنا ہے۔

وہاں اسے ایک حتمی ثبوت بھی مل گیا...... یگائیل کی دیوار! شیطان کے بچپن کے چہرے کو دیکھ کر اس نے پہچان لیا کہ وہ ڈیمین تھورن ہے۔ اس کے بعد مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں تھی۔

تب پہلی بار اسے یقین ہوا کہ وہ پوری طرح ہوش مند ہے۔ تب اس نے حنیف کو تلاش کیا اور اس سے ملی۔ لیکن خواہش کے باوجود وہ اس کا مشورہ نہ مان سکی۔ سب سے پہلے تو اسے بیوگن ہیگن اور مائیکل مورگن کا ادھورا مشن مکمل کرنا تھا۔ باقی بعد کی باتیں تھیں۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ عیسائی دنیا کے لئے کچھ ضرور کرے گی، جو حنیف ارشد نے کہا ہے۔

مگر پہلے یہ مشن تھا اور وہ مشن یہ تھا کہ اینٹی کرائسٹ اپنی تیرہویں سال گرہ تک زندہ نہ رہے۔ اس سے پہلے ہی مر جائے۔ کیوں کہ جس روز وہ تیرہ سال کا ہو گیا، اسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون ہے۔ اس کے بعد اسے تباہ کرنا ناممکن نہیں تو دشوار ترین کام ضرور ہو جائے گا۔ وہ اس دن سے پہلے ہی رچرڈ تھورن سے مل کر اسے خبردار کر دینا چاہتی تھی کہ اس کے زیر سایہ اینٹی کرائسٹ پرورش پا رہا ہے...... اور انسانیت کو بچانے کی خاطر اسے ختم کرنا رچرڈ تھورن کی ذمے داری ہے۔

یہ آسان کام نہیں تھا۔ لیکن خدا کی پیغام رساں ہونے کی حیثیت سے وہ اس سلسلے میں بے حد پرجوش تھی۔ وہ رچرڈ تھورن کو خبردار کرنے کے لئے نکلی تھی!

..................X..................

شکاگو میں رچرڈ تھورن کے اپارٹمنٹ میں بوہر ڈائننگ روم میں بیٹھا رچرڈ کے ساتھ ناشتہ کر رہا تھا۔ ناشتے کے دوران وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے، دونوں ہی اصل موضوع پر بات کرنے سے گریز کر رہے تھے۔

"آپ اس نمائش کا افتتاح کب کریں گے؟" پال بوہر نے پوچھا۔ وہ رچرڈ کو خوش کرنے کے لئے آثار قدیمہ میں اپنی دلچسپی ظاہر کر رہا تھا۔ ورنہ اسے آثار قدیمہ میں ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔

رچرڈ کے جواب دینے سے پہلے ہی بٹلر ڈائننگ روم میں آیا۔ اس کے ہاتھ میں چاندی کی ٹرے تھی، جس پر نیم برشت انڈے رکھے تھے۔

"اس کا انحصار اس پر ہے کہ باہر سے نوادرات کے کریٹ کب موصول ہوتے ہیں"۔ رچرڈ نے کہا۔ "ویسے میرا اندازہ ہے کہ ایسٹر کے قریب ہم نمائش شروع کر سکیں گے"۔

تھوڑی دیر بعد بٹلر برتن سمیٹ کر لے گیا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''پال......تمہاری رپورٹ شان دار ہے۔ میں حیران ہوں کہ تم نے صرف ایک ماہ میں اتنا کام کیسے کرلیا''۔ رچرڈ نے بات شروع کی۔

پال بوہر کے تجربے نے اسے بتادیا کہ اگلا جملہ ''لیکن'' سے شروع ہونے والی ہے۔ یہ بات اس کے لئے مایوس کن تھی۔ مگر اس نے عقل مندی سے کام لیتے ہوئے رچرڈ تھورن کو اس لفظ کی ادائیگی سے بچالیا۔ اس نے خود ہی اس لفظ کو ادا کردیا۔ ''لیکن......؟''

رچرڈ مسکرایا۔ ''لیکن میرے خیال میں اپنے ٹاپ کے لوگوں کی مکمل رضامندی کے بغیر اتنے بڑے اور انقلابی پروجیکٹ کو شروع کرنا مناسب نہیں ہوگا''۔

''میں جانتا ہوں۔ بل ایتھرٹن اس کا مخالف ہے''۔ پال نے کہا۔

''ہاں۔ اور وہ میرے لئے بے حد معتبر ہے۔ تمہارے لئے بھی ہونا چاہئے۔ وہ کوئی تیز رفتار نوجوان تو نہیں ہے۔ لیکن اپنے کام کی مکمل سوجھ بوجھ ہے اسے''۔ رچرڈ کہتے کہتے رکا اور اس نے کافی کا ایک طویل گھونٹ لیا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ تم بل کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی، اس کے ساتھ چلنے کی کوشش کرو۔ اس کے نتیجے میں تمہارا عمل ارتقا تیز ہوجائے گا''۔

پال بوہر جانتا تھا کہ جو کچھ وہ کہنے والا ہے، وہ اس کے لئے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ لیکن اس نے یہ خطرہ مول لینے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ آدمی بہت محتاط رہے تو پیش قدمی مشکل ہوجاتی ہے۔ اس نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ ''رچرڈ......اگر میرے معاملے میں بل ایتھرٹن کی انانیت اسی طرح رہتی ہے اور اگر میرے کیریئر کا ارتقا اس میں مضمر ہے کہ میں ایک ایسے شخص کو خوش رکھنے کی کوشش کروں، جو مجھے سخت ناپسند کرتا ہے......تو میرے خیال میں کارپوریشن کے لئے......تمام متعلقہ افراد کے لئے بہتری اسی میں ہے کہ میں استعفادے دوں......کمپنی چھوڑ دوں''۔

''احمقانہ بات ہے''۔ رچرڈ نے کہا۔ پھر وہ مسکرایا۔ ''دیکھو پال......تمہارا وقت بھی آئے گا''۔

پال بوہر نے اثبات میں سر ہلایا۔ دل ہی دل میں وہ مسکرایا تھا۔ لیکن اس مسکراہٹ کو ہونٹوں تک لانا مناسب نہیں تھا۔ ''ٹھیک ہے رچرڈ۔ اس وقت کے آنے تک مجھے اپنے اچھوتے خیالات اور آئیڈیا کو سردخانے میں رکھنا ہوگا''۔ بہ شرط یہ کہ میرا وقت آئے۔ دل میں اس نے سوچا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

ناشتے کے بعد وہ باہر آئے اور رچرڈ کی لیموزین کی طرف بڑھے۔ یہ گاڑی رچرڈ کو ایئرپورٹ لے جانے والی تھی۔ واشنگٹن میں رچرڈ کو ایک اہم میٹنگ میں شریک ہونا تھا، جسے آنٹی ماریان کی موت بھی نہیں ٹال سکی تھی۔

رچرڈ نے پال سے ہاتھ ملایا اور اس کا منصوبہ قبول نہ کر کے جو اس کی دل شکنی کی تھی، گویا اس کے ازالے کی کوشش کی۔ ''اس ویک اینڈ پر بچوں کی برتھ ڈے پارٹی ہے۔ تم آؤ گے نا؟ وہیں...... جھیل والے مکان میں''۔

''یہ پارٹی تو میں کسی قیمت پر مس نہیں کروں گا رچرڈ''۔ پال نے بھی بناوٹی جواب دیا۔ ''ویسے ابھی جھیل منجمد تو نہیں ہوئی ہو گی؟''

''کیوں نہیں ہوئی ہو گی''۔ رچرڈ نے پال کا کندھا تھپ تھپایا۔ ''اپنے اسکیٹس لانا نہ بھولنا''۔

پال مسکرایا۔ رچرڈ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ گاڑی روانہ ہو گئی۔

پال چند لمحے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلاتا رہا۔ پھر وہ ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے بزنس سوٹ، ٹائی، اوورکوٹ اور مفلر میں بل ایتھرٹن کا تصور کیا کہ وہ کیسے رچرڈ تھورن کی ذاتی جھیل کی منجمد سطح پر اسکیٹس پہن کر ڈگ لگ ڈولتا پھرے گا۔ اسے ہنسی آ گئی۔ واقعی...... لطف رہے گا! اس نے سوچا۔

..................X..................

لیموزین گیٹ سے نکلی ہی نہیں تھی کہ ایک نہایت پرکشش عورت نے ہاتھ ہلا کر رکنے کا اشارہ کیا۔ رچرڈ کے کہنے پر ڈرائیور مرے نے گاڑی روک دی۔

''مسٹر تھورن''۔ عورت کی آواز بھی بے حد خوب صورت تھی۔ وہ گاڑی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

رچرڈ نے گاڑی کا شیشہ اتارا اور اسے بہت غور سے دیکھا۔ وہ سرخ اونی کوٹ پہنے ہوئے تھی، جس کا خرکا کالر بھی چمک دار سرخ رنگ کا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں سرخ دستانے تھے اور پیروں میں اونچی ایڑی والے سیاہ بوٹ۔ کندھے سے ایک بڑا سا سیاہ ہینڈ بیگ لٹک رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ نگاہوں کو خیرہ کر دینے والی تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ زبردستی مسکرا رہی ہے۔

ایک لمحے کو رچرڈ کا ذہن الجھ سا گیا۔ وہ عورت جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ جب کہ وہ وثوق سے کہہ سکتا تھا کہ وہ اس سے پہلے کبھی نہیں ملا ہے۔ پھر اچانک اسے یاد آ گیا کہ وہ اس سے ملا تو نہیں ہے۔ لیکن بہر حال اسے دیکھ چکا ہے...... وارن کی سلائیڈز میں! ایک سلائیڈ میں وہ بابل کی فاحشہ کے مجسمے کے ساتھ کھڑی تھی۔

وہ جوآن ہارٹ تھی...... مشہور صحافی!

اتنی حسین عورت کو دیکھ کر رچرڈ کو جو دلی مسرت ہوئی تھی، وہ لمحوں میں ہوا ہو گئی۔ وارن نے اسے بتایا تھا کہ یہ صحافی خاتون اس کا انٹرویو لینا چاہتی ہے اور وہ انٹرویو دینے کا قائل نہیں تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ مرے کو گاڑی آگے بڑھانے کا حکم دیتا، جوآن دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔

''سوری مسٹر تھورن، میں خود کو اس طرح آپ پر تھوپنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ آپ واشنگٹن جا رہے ہیں۔ پھر جانے کب موقع ملے''۔

''کوئی بات نہیں''۔ رچرڈ نے خوش اخلاقی سے کہا۔ لیکن لہجہ خشک رکھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کس غرض سے آئی ہے اور بالآخر اسے مایوس ہی جانا تھا۔

''میرا نام جوآن ہارٹ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ چارلس وارن نے آپ سے میرے بارے میں بات کی ہو گی''۔

''ہاں، کی تھی۔ لیکن میں نے اسے بتا دیا تھا کہ......''

''اس نے مجھے بتا دیا تھا کہ آپ انٹرویو نہیں دینا چاہتے''۔ جوآن نے اس کی بات کاٹ دی۔ پھر وہ جلدی سے لہجہ بدل کر بولی۔ ''آپ مجھے یہ تو بتائیں گے نا کہ انٹرویو دینے میں کیا قباحت ہے''۔

نہ چاہتے ہوئے بھی رچرڈ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ ''آپ بہت مستقل مزاج لگتی ہیں خاتون''۔ اس نے کہا اور مرے کو ڈرائیو کرنے کا اشارہ کیا۔

جوآن ہارٹ اپنے بیگ میں کچھ ٹٹولنے لگی۔ اس نے بیگ میں سے ایک بڑا ریشمی رومال نکالا اور اس میں ناک چھنکی۔ عام طور پر خواتین ایسے رومال اسکارف کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ ''مجھے سردی بہت لگتی ہے اور سردی میں نزلہ ضرور ہوتا ہے''۔ اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

''مس ہارٹ، میں......'' رچرڈ نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

''مجھے معلوم ہے۔ آپ نے پہلے کبھی کسی رپورٹر سے بات نہیں کی ہے''۔

''اور اس وقت میں ایئرپورٹ جا رہا ہوں''۔

''دومنٹ...... مجھے صرف دومنٹ چاہئیں آپ سے''۔

''میں پلین مس نہیں کر سکتا۔ اگر آپ چاہیں تو پھر کسی دن......''

''میں نے سنا ہے کہ رچرڈ تھورن کے انتظار کے لئے پروازیں ملتوی ہو جاتی ہیں''۔

''یہ ایسی پرواز نہیں''۔

''تو میں آپ کے ساتھ ایئرپورٹ چل رہی ہوں''۔ جوآن نے اسے بے حد چمکیلی مسکراہٹ سے نوازا۔ ''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''یہ تو تمہیں معلوم ہے''۔ رچرڈ نے کہا اور ایک بٹن دبا دیا۔ ہلکی سی سرسراہٹ کے ساتھ ان کے اور ڈرائیور مرے کے درمیان موٹے شیشے کی ایک دیوار حائل ہو گئی۔ اب وہ صرف انٹرکوم کے ذریعے مرے سے رابطہ کر سکتا تھا اور مرے ان کی گفتگو نہیں سن سکتا تھا۔

جوآن ہارٹ مسکرائی۔ ''مجھے معلوم ہے۔ صدر امریکا کا خصوصی طیارہ ایئرفورس ون کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ ویسے صدر کیلئے آپ کیا خدمات انجام دے رہے ہیں؟ کیا انہیں اس سلسلے میں مشورے دے رہے ہیں کہ ملک کو کامیابی سے کس طرح چلایا جائے''۔

وہ گفتگو طنزیہ نہیں تھی۔ رچرڈ کو اس کی حس مزاح اچھی لگی۔ ''جی نہیں۔ میں سیکریٹری آف اسٹیٹ کا مشیر ہوں''۔ اس نے جواب دیا۔

جوآن ہارٹ نے پھر اپنا بیگ کھولا اور اس بار اس میں سے ایک چھوٹی چرمی نوٹ بک اور ایک سنہری پنسل برآمد کی۔ اب اس کا انداز ایک دم بدل گیا تھا۔ لگتا تھا، نوٹ بک میں کوئی جادوئی قوت ہے۔ اسے چھو کر جیسے اسے کوئی خصوصی طاقت مل گئی ہے۔ اب وہ ایک بے حد پروفیشنل رپورٹر میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اس کی پنسل گویا بیوگن ہیگن کا کدال کرنے والا آلہ تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ بیوگن ہیگن زمین میں چھپے قدیم نوادرات تلاش کرتا تھا، جب کہ وہ سینے میں چھپے بھید ٹٹولنا چاہتی تھی۔

ابو ہارا ایئرپورٹ تک کا آدھا سفر طے ہوا تھا کہ رچرڈ تھورن انٹرویو کے اس کھیل سے اکتا گیا۔ ''تم نے اب تک مجھ سے سات سوال کئے ہیں مس ہارٹ اور ہر سوال کا تعلق دولت سے ہے''۔ اس نے بے زاری سے کہا۔

جوآن پھر مسکرائی۔ ''دولت سے دنیا چلتی ہے...... صرف دولت کے زور پر''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

’’دنیا کا نظام چلانے والی دولت کے علاوہ بھی کچھ چیزیں ہیں‘‘۔

جوآن کو اندازہ تھا کہ رچرڈ بے چین بھی ہو رہا ہے اور جھنجلا بھی رہا ہے۔ مگر وہ جو کچھ اسے بتانے آئی تھی، ابھی نہیں بتا سکتی تھی۔ اسے کچھ وقت درکار تھا۔ ’’یہ بتائیں کہ آپ کے والد نے یہ میوزیم 40ء میں بنایا تھا نا۔ اس پر کتنے اخراجات ہوئے تھے؟‘‘

’’کم و بیش دس ملین ڈالر‘‘۔ رچرڈ نے جواب دیا۔

’’ایک ملین ادھر یا ایک ملین ادھر‘‘۔ جوآن نے ہنستے ہوئے کہا۔ ’’اچھا، آپ کے والد پہلی بار شکاگو آئے تو انہوں نے شپ یارڈ میں کام کیا تھا نا؟‘‘

’’جی ہاں‘‘۔

’’اور وہ آپ کو اور آپ کے بھائی رابرٹ کو ٹھنڈے پانی سے نہانے او فرش پر سونے پر مجبور کرتے تھے۔ تاکہ آپ کو پتا چلے کہ غریب کیسے جیتے ہیں۔ غربت کیا ہوتی ہے‘‘۔

رچرڈ قہقہے لگانے پر مجبور ہو گیا۔ ’’کیا ہمارے بارے میں ایسی باتیں مشہور ہیں؟‘‘

اسی وقت لیموزین رک گئی۔ وہ مشی گن ایونیو کے اس ڈرابرج تک آ پہنچے تھے، جو دریائے شکاگو عبور کراتا ہے۔ سرخ روشنیاں جل بجھ رہی تھیں اور گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ کسی بحری جہاز کے گزرنے کیلئے برج کو اٹھایا جا رہا ہے۔ رچرڈ تھورن نے کار کی کھڑکی سے جھانکا۔ وہ تھورن انڈسٹریز کا ہی ٹینکر تھا۔ یعنی اس کا اپنا جہاز اس کے لئے تاخیر کا سبب بن رہا تھا۔

جوآن نے اسے تبدیلی موضوع کا قدرتی اشارہ سمجھتے ہوئے موضوع تبدیل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے نزدیک یہ مہلت اسے قدرت نے فراہم کی تھی کہ اس دوران وہ رچرڈ کو وہ بات بتا دے، جس کے لئے وہ امریکا آئی ہے۔

’’آپ کبھی بیوگن ہیگن سے ملے تھے؟‘‘ اس نے پوچھا۔

’’نہیں‘‘۔ رچرڈ نے جواب دیا، اسے احساس ہو گیا کہ جوآن نے بالکل اچانک موضوع بدلا ہے۔

’’آپ کو معلوم ہے کہ وہ علوم قدیمہ کے ماہر ہونے کے علاوہ ایگزارسسٹ بھی تھے؟‘‘

’’اگر ایسا ہے بھی تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ......‘‘

’’آپ نے بیلوائر کیسل میں جو کھدائی کروائی ہے، وہیں سے بیوگن ہیگن کا ڈھانچہ بھی ملا ہے‘‘۔ جوآن نے کہا۔ ’’یہ بات آپ کے علم میں ہے؟‘‘

’’کیسا ڈھانچہ مس ہارٹ۔ ابھی تک ان ہڈیوں کو سرکاری طور پر بیوگن ہیگن کی ہڈیاں نہیں قرار دیا گیا ہے‘‘۔

جوآن ہارٹ کے لہجے میں خون کو ٹھٹھرا دینے والا یقین تھا۔ ’’ایک نہیں، دو ڈھانچے مسٹر تھورن‘‘۔ وہ بولی۔ ’’ایک بیوگن ہیگن تھا اور دوسرا ایک جوان ماہر آثار قدیمہ مائیکل مورگن۔ مائیکل میرا منگیتر تھا مسٹر تھورن۔ جس روز وہ غائب ہوا، میں اس کے ساتھ تھی۔ وہ اور بیوگن ہیگن ایک ساتھ کہیں گئے تھے اور اس کے بعد کبھی واپس نہیں آئے‘‘۔

اسی وقت پل گرا دیا گیا اور مرے نے کار آگے بڑھا دی۔

رچرڈ نے غصے سے انٹرکوم کے بٹن پر انگلی ماری۔ ’’مرے...... گاڑی روکو۔ مس ہارٹ کو اترنا ہے‘‘۔

جوآن ہارٹ جانتی تھی کہ وقت کم ہے۔ وہ جلدی جلدی بولنے لگی۔ ’’اپنی موت سے ایک ہفتہ پہلے آپ کے بھائی رابرٹ نے اسرائیل جا کر کارل بگین ہیگن سے ملاقات تھی اور آپ کے بھائی کی موت کے چند روز بعد بیوگن ہیگن اور مائیکل مورگن بیلوائر کیسل میں زندہ دفن ہو گئے۔ ان کے ڈھانچے اب برآمد ہوئے ہیں۔ کیا یہ حقائق آپ کو کچھ سوچنے پر نہیں اکساتے مسٹر تھورن‘‘۔

کیا مصیبت ہے۔ رچرڈ نے سوچا۔ یہ تو کوئی دماغی کیس ہے...... خوب صورت دماغی کیس! اب یہ مجھے بتائے گی کہ کینیڈی کے قتل کے پس پردہ کون لوگ تھے اور وہ کتنی بڑی سازش تھی۔

گاڑی رک گئی تھی۔ رچرڈ نے اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ ’’مجھے بد اخلاقی پر مجبور نہ کرو مس ہارٹ۔ ورنہ مجھے تم کو دھکے دے کر گاڑی سے اتارنا ہوگا۔ دیکھو...... ہم ٹریفک بلاک کر رہے ہیں‘‘۔

’’تمہیں معلوم ہے کہ پولیس نے تمہارے بھائی کو کیوں شوٹ کیا۔ تمہیں معلوم ہے نا مسٹر تھورن؟‘‘ جوآن پاگلوں کی طرح چلائی۔ اس کی آنکھوں کی چمک اور بڑھ گئی تھی۔

’’تمہیں ان خنجروں کے بارے میں علم ہے مسٹر تھورن؟‘‘

مرے گاڑی سے اترا اور اس نے جوآن کی جانب والا دروازہ کھول دیا۔

’’میں صرف اتنا جانتا ہوں مس ہارٹ کہ تم اپنا اور میرا دونوں کا وقت ضائع کر رہی ہو‘‘۔

’’پلیز...... میری بات سنو‘‘۔ جوآن کے لہجے میں اب التجا تھی۔ ’’میں اس اسٹوری پر برسوں سے کام کر رہی ہوں۔ میرا خیال ہے، میں تمام کڑیاں جوڑ چکی ہوں......‘‘۔

رچرڈ باطنی کرب سے کراہا۔ اس کا خیال تھا کہ اپنے بھائی کی موت سے متعلق ان تمام پراسرار اور ناقابل فہم جزئیات کو اس نے کامیابی سے چھپا دیا ہے، جو مذہبی دیوانوں کو اکسانے والی تھیں۔ لیکن ایسا ہوا نہیں تھا۔ ماضی کا ایک بھوت اب اس کے سامنے تھا۔

مرے نے جوآن سے کہا۔ ’’پلیز مادام...... آپ باہر آ جائیں‘‘

’’مسٹر تھورن، تمہیں اندازہ نہیں۔ تم بہت سنگین خطرات میں گھرے ہوئے ہو‘‘۔

مرے نے جوآن کا بازو تھاما اور ضرورت سے زیادہ سختی سے، بے دردی سے اسے گھسیٹا۔

’’دور ہو جاؤ تم اور آئندہ کبھی میرے قریب بھی نہ پھٹکنا‘‘۔ رچرڈ چلایا۔

’’پلیز...... یسوع سے رجوع کرو‘‘۔

’’مرے...... خدا کے لئے، اس عورت کو نکالو‘‘۔

مرے نے گھسیٹ کر جوآن کو کار سے اتارا اور دروازہ بند کر دیا۔

’’کرائسٹ پر اپنا ایمان پختہ کرو‘‘۔ جوآن نے سسکیوں کے درمیان کہا۔ پھر وہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگی۔ ’’ابھی تم نے مجھے نکالنے کیلئے اپنے ڈرائیور کو جس خدا کا حوالہ دیا، صرف وہی تم کو بچا سکتا ہے۔ مسٹر تھورن، یگائیل کی دیوار کو...... اس کی پینٹنگز کو غور سے دیکھو۔ اس میں شیطان کا چہرہ دیکھو اور پھر مجھ سے بات کرو۔ مجھے بتاؤ کہ وہ چہرہ کس کا ہے‘‘۔

’’مرے...... گاڑی بڑھاؤ۔ نکلو یہاں سے‘‘۔ رچرڈ چلایا۔

مرے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور گاڑی اسٹارٹ کی۔

جوآن گاڑی کے ساتھ بھاگی۔ وہ عقبی نشست کے شیشے پر گھونسے برساتے ہوئے چیخ رہی تھی۔ ’’میری بات سنو۔ تمہیں میری بات سننی ہوگی۔ اس میں تمہاری بہتری ہے‘‘۔

کار نے رفتار پکڑی اور آگے نکل گئی۔ جوآن پیچھے رہ گئی۔ اب وہ بیچ سڑک پر کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں سے خوف اور مایوسی کے آنسو بہہ رہے تھے۔ سرد ہوا اس کے کوٹ سے ٹکرا رہی تھی اور اس کا جسم تھرتھرا رہا تھا۔

(جاری ہے)



ریجنالڈ تھورن اپنی کوئی یادگار قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس کے ذہن میں آئی کہ ایک بہترین میوزیم بہت اچھی یادگار ثابت ہوگا۔ وہ اپنے ایک پرانے دوست کے پاس اس سلسلے میں بات کرنے گیا۔ اس کا وہ دوست ایک زمانے میں شکاگو کے عظیم آرکیٹیکٹ لوئس سلیوان کے ساتھ کام کر چکا تھا۔

ریجنالڈ نے اپنے دوست کو بتایا کہ وہ کلاسیکی اور بے حد جدید طرز تعمیری کا امتزاج چاہتا ہے۔ اس کے ذہن میں ایسی عمارت ہے، جو صرف چند برس بعد پرانی اور فرسودہ نہ لگے، وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ اس کا نقشہ کوئی پرانا آرکیٹیکٹ بنائے۔ بلکہ وہ یہ کام کسی ایسے جوان سے لینا چاہتا ہے، جس کا ذہن آئیڈیاز سے بھرا ہو، جسے اپنے اوپر اعتماد ہو اور جو اپنے میدان میں انقلابی کام کرنے کا خواہاں ہو۔ اس نے اپنے دوست سے کہا کہ اس کام کیلئے موزوں آدمی تلاش کرے۔

اور اس کے دوست نے اس کا حق ادا کر دیا۔ اس نے اسے اپنے آفس میں کام کرنے والے ایک اسسٹنٹ سے ملوایا۔ وہ فرینک لائیڈ رائٹ جیسے استاد کا شاگرد تھا۔ اس نے فوراً ہی تھورن میوزیم پر کام شروع کر دیا۔

اب اپنی تعمیر کے چالیس سال بعد تھورن میوزیم اتنا ہی نیا اور خوب صورت لگتا تھا، جتنا افتتاح والے دن لگا تھا۔ اسے جھیل مشی گن کے کنارے تعمیر کیا گیا تھا۔ وہ مشی گن ایونیو کا سب سے مہنگا علاقہ تھا۔ اردگرد کی تمام عمارتوں میں میوزیم سب سے الگ اور ممتاز نظر آتا تھا۔

جوآن ہارٹ کی ٹیکسی میوزیم کے سامنے رکی۔ ہر طرف ایڈورڈ مینچ کی پینٹنگز کے پوسٹر لگے تھے، جن کی اس وقت وہاں نمائش ہو رہی تھی۔ تمام پوسٹرز میں مینچ کی خوف ناک ترین اور شاہکار تصویر ''چیخ'' کو پروجیکٹ کیا گیا تھا۔

جوآن چند لمحے اس شاہکار کو بغور دیکھتی رہی۔ پھر میوزیم میں لے جانے والے ڈھلواں راستے پر چل دی۔ وہ تصویر ''چیخ'' اسے محض تصویر نہیں لگی۔ اس کیلئے وہ تائیدی اشارہ تھی کہ وہ صحیح راستے پر جا رہی ہے۔

اندر ہال کی چھت اتنی اونچی تھی کہ اچھے بھلے انسان بھی بونے لگ رہے تھے۔ وہاں اسے اپنا آپ بہت چھوٹا، بہت کمزور لگنے لگا۔ لیکن اسے اپنی یہاں آمد کا مقصد بہرحال یاد تھا۔ وہ یہاں کس جستجو میں آئی تھی۔

ایک گائیڈ نے اسے دوسری منزل کی گیلری کی طرف بھیج دیا، جہاں چارلس وارن بیلوائر کیسل سے برآمد ہونے والے نوادرات کی نمائش کی تیاری میں مصروف تھا۔

چارلس وارن فوٹو گرافس اور فلور پلانز کے انبار کے درمیان کھڑا تھا۔ وہ این تھورن کو بتا رہا تھا کہ وہ اس نمائش کو کس انداز میں ترتیب دینا چاہتا ہے۔ این تھورن اپنے شوہر کے تمام معاملات میں دلچسپی لینے کی کوشش کرتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ رچرڈ میوزیم میں خاص دلچسپی رکھتا ہے۔ اس لئے وہ میوزیم میں بھی دلچسپی لیتی تھی۔ لیکن وارن نے اسے اتنا متجسس پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، جتنی وہ ان نوادرات کے معاملے میں تھی۔

''ہم اس طرح سے کام کریں گے کہ آنے والا ایک گیلری میں کھڑا ہو تو اسے دوسری گیلری کی جھلک بھی نظر آتی رہے''۔ چارلس کہہ رہا تھا۔

''یہ تو بہت زبردست آئیڈیا ہے...... بے حد تخیلاتی''۔

چارلس مسکرایا۔ ''مجھے بتایا گیا ہے کہ میری وہاں سے روانگی کے بعد ایک چیز اور دریافت ہوئی...... یگائیل کی دیوار۔ تیار ہوتے ہی وہ اسے بھی روانہ کر دیں گے''۔ اس نے فلور پلان میں ایک اور کمرے کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔ ''اس کیلئے بھی میں نے جگہ محفوظ رکھی ہے''۔

یگائیل کی دیوار کے تذکرے پر این کی دلچسپی میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ ''یہ یگائیل کون تھا؟''

''بہت پراسرار کیریکٹر ہے''۔ چارلس نے کہا۔ ''وہ مونک بھی تھا اور ایگزارسسٹ بھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ تیرہویں صدی عیسوی میں تھا۔ کہا جاتا ہے کہ شیطان اس کے پاس آیا تھا اور ظاہر ہے کہ اس کے نتیجے میں اس کا دماغ الٹ گیا''۔

چارلس کو توقع تھی کہ این اس بات پر ہنسے گی۔ زیادہ تر لوگوں کا اس پر یہی ردعمل ہوتا تھا۔ لیکن اسے حیرت ہوئی کہ این مسکرائی بھی نہیں۔

چارلس نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''پھر یگائیل روپوش ہو گیا۔ اس کے کام سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیطان کا چہرہ اس کے دل و دماغ پر ایسے مسلط ہو گیا تھا کہ اس کے بعد وہ اینٹی کرائسٹ کے سوا کچھ پینٹ نہ کر سکا۔ کیونکہ صرف اسی نے اسے دیکھا تھا...... اس کی پیدائش سے لے کر اس کے زوال تک''۔ چارلس نے کندھے جھٹکے۔ ''میرا خیال ہے کہ وہ باقی دنیا کے لئے اس کے چہرے کا ریکارڈ چھوڑ جانا چاہتا تھا۔ اس کے بعد یگائیل کو کبھی نہیں دیکھا گیا۔ بس اب اس کی دیوار ملی ہے''۔

''میرا تو دل چاہ رہا ہے کہ ابھی دیکھ لوں اس دیوار کو''۔ این کے لہجے میں سنسنی تھی اور تاریخی معلومات پر چارلس کیلئے ستائش۔

''اور اب ہم بات کرتے ہیں آپ کے پسندیدہ آئٹم کی...... بابل کی فاحشہ''۔ چارلس نے فلور پلان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اسے ہم یہاں، درمیان میں رکھیں گے...... کمرا نمبر چار میں۔ تاکہ کوئی اسے مس نہ کرے''۔

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ جوآن ہارٹ کمرے میں داخل ہوئی۔

چارلس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''ارے جوآن!'' اس کے لہجے میں خوشی بھی تھی اور حیرت بھی۔ ''بڑے موقعے سے آئی ہو۔ کب آئیں تم؟''

''گزشتہ رات''۔ جوآن مسکرائی۔ لیکن وہ نروس لگ رہی تھی۔

''این...... یہ جوآن ہارٹ ہے۔ اسے تم نے......'' چارلس نے تعارف کرایا۔

''تمہاری سلائیڈ میں دیکھا تھا'' این نے اس کا جملہ مکمل کر دیا۔

چارلس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ہاں...... بابل کی فاحشہ کے مجسمے کے ساتھ''۔

این کے ذہن میں اس پر کئی تبصرے تھے۔ لیکن اس نے انہیں رد کر دیا۔ چند لمحے بعد وہ بولی۔ ''میں این تھورن ہوں۔ مجھے پتا چلا ہے کہ تم میرے شوہر کا انٹرویو کرنا چاہتی ہو''۔

''میں ان کا انٹرویو کر چکی ہوں''۔ جوآن نے کہا۔

چارلس کو اچانک غصہ آ گیا۔ وہ سارا اخلاق بھول گیا۔ ''میں نے تمہیں بہت سختی سے منع کیا تھا......''۔

لیکن جوآن نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''تم سمجھ نہیں سکتے کہ میرے لئے اس کی کتنی اہمیت ہے''۔ وہ بولی۔ ''جواب میں سیدھا صاف انکار میرے لئے قابل قبول نہیں تھا''۔

''تم بہت ضدی معلوم ہوتی ہو''۔ این کا لہجہ مکمل طور پر دوستانہ ہرگز نہیں تھا۔ ''بہرحال تم رچرڈ تک پہنچیں کیسے؟''

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

جوآن ضرورت پڑنے پر ایذا رساں بھی بن جاتی تھی۔ اور اس وقت این تھورن اسے اس پر مجبور کر رہی تھی۔ ''میں نے خود کو پوری طرح اس پر تھوپ دیا''۔ وہ بولی۔ ''میں اس کی بڑی چمک دار کار میں گھس بیٹھی''۔

''اچھا......! وہ تو بہت محظوظ ہوا ہوگا''۔ این نے کہا۔

''نہیں...... ابتدا میں تو نہیں''۔ جوآن بولی۔ وہ یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ اس کا انٹرویو کامیاب رہا۔ وجہ تو اسے نہیں معلوم تھی۔ مگر وہ این کو رقابت میں مبتلا کر دینا چاہتی تھی۔ این اسے بالکل اچھی نہیں لگی تھی۔ جبکہ رچرڈ تھورن اسے بہت اچھا لگا تھا۔ مگر پھر جب وہ خوف زدہ ہوا تھا تو اس نے اسے کار سے نکلوا پھینکا تھا۔ اس وقت تو وہ اسے پسند نہیں کر سکتی تھی۔ ''لیکن رپورٹرز کے بارے میں اس کی کوئی اچھی رائے نہیں ہے''۔ جوآن نے کہا۔

''اس کا خیال ہے کہ رپورٹرز دوسروں کی بدقسمتی پر گزارہ کرتے ہیں''۔ این نے کہا۔ اس نے اخلاقاً بھی یہ بات چھپانے کی کوشش نہیں کی کہ وہ اپنے شوہر کی اس رائے سے متفق ہے۔

لیکن جوآن کی مسکراہٹ اور زیادہ روشن ہوگئی۔ ''گیدڑوں کی طرح؟''۔ اس نے پوچھا۔ وہ این کو تولنے پرکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ سمجھنا چاہتی تھی کہ این کو کس حد تک معلوم ہے۔

''واہ...... کیا خوب موازنہ کیا ہے تم نے''۔ این نے اپنے چہرے کو بے تاثر رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے داد دی۔

چارلس وارن ان دونوں کے اس تصادم سے پریشان تھا۔ وہ اس تصادم کو پوری طرح سمجھ بھی نہیں پا رہا تھا۔ اور اس تصادم کی وجہ تو اس کی سمجھ سے بالکل باہر تھی۔ اس نے اپنے طور پر معاملات کو درست کرنے کی کوشش کی۔ ''جوآن کا خاص موضوع آثار قدیمہ ہے''۔ اس نے کہا لیکن جملہ ادا کرنے کے دوران ہی اسے احساس ہوا کہ اس کا جملہ احمقانہ ہے۔

این نے اس جملے سے فائدہ اٹھایا۔ ''دیکھنے سے ہی لگتا ہے''۔ اس نے تبصرہ کیا۔

اسی وقت چارلس وارن کی جیب میں رکھا ہوا بیپر چیخا۔ چارلس کو یہ چھوٹی سی ڈیوائس بہت بری لگتی تھی۔ کیونکہ اس ڈوری کی وجہ سے وہ چوبیس گھنٹے تھورن انڈسٹریز سے جڑا رہتا تھا...... آزادی سے محروم۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ اس ڈور کو کاٹ ڈالے۔

مگر اس وقت اس سرد، کشیدہ ماحول میں اس کی آواز اسے نعمت لگی۔ اسے اس ماحول سے نکل بھاگنے کا عذر مل گیا تھا۔ ''میں ابھی ایک منٹ میں آیا''۔ اس نے کہا اور دونوں خواتین کو آپس میں نمٹنے کے لئے چھوڑ کر چلا گیا۔

''ایک بات بتاؤں''۔ جوآن ہارٹ نے سرسری انداز میں کہا۔ ''تمہارے شوہر کا پریس والوں کے ساتھ رویہ زیادتی پر مبنی ہے۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ پریس والوں کا رویہ ان کے بھائی کے ساتھ کتنا ہمدردانہ تھا''۔

''کیا مطلب؟''۔ این نے تیز لہجے میں پوچھا۔ وہ یہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ آخر یہ حسین عورت کس چکر میں ہے۔

''رابرٹ تھورن کی موت کی رپورٹنگ اس بات کا ثبوت ہے''۔ جوآن نے کہا۔ ''دیکھو نا، جن حالات میں ان کی موت واقع ہوئی، وہ بے حد غیر معمولی تھے''۔

''اچھا! دراصل میں رچرڈ کے بھائی کو جانتی نہیں تھی''۔ این نے دفاعی انداز میں کہا۔

جوآن نے اسے یوں دیکھا، جیسے بے حد حیران ہوئی ہو۔ پھر اس نے پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ''اوہو...... نجانے کیوں میں بار بار یہ بات بھول جاتی ہوں کہ تم رچرڈ تھورن کی دوسری بیوی ہو''۔

''مس ہارٹ......!''۔ این نے کچھ کہنا چاہا۔

''یعنی سیدھی سی بات یہ ہے ڈیمین رچرڈ تھورن کے بھائی کا بیٹا ہے۔ اور مارک پہلی بیوی سے اس کا بیٹا ہے۔ یعنی حقیقت یہ ہے کہ تم ان دونوں میں سے کسی کی بھی ماں نہیں ہو''۔

''تمہیں تو صفحۂ خواتین سے منسلک ہونا چاہئے''۔ این نے زہریلے لہجے میں کہا۔ اب وہ خود پر قابو کھو رہی تھی۔

''ارے ہاں، تم مجھے ڈیمین کے بارے میں بتاؤ نا''۔ جوآن نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔ ''مجھے بتاؤ نا، وہ کیسا لڑکا ہے۔ ملٹری اکیڈمی میں وہ اچھا وقت گزار رہا ہے نا''۔

این کے ردعمل سے پہلے ہی چارلس وارن آندھی طوفان کی طرح کمرے میں گھس آیا۔ ''این...... تم اس عورت سے مزید ایک لفظ بھی نہ کہنا''۔ اس نے چیخ کر کہا۔ پھر اس نے جوآن کو کندھے سے تھاما اور دروازے کی طرف دھکیلا۔ ''تم نے مجھے بے وقوف بنایا۔ رچرڈ غصے سے پاگل ہو رہا ہے''۔

جوآن کو اب کسی نقصان کا ڈر نہیں تھا۔ ''تم خطرے میں ہو''۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''تم سب خطرے میں ہو''۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے جوآن''۔ چارلس مزید شرمندگی سے بچنے کے لئے اسے کمرے سے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''میں نے یگائیل کی دیوار دیکھی ہے''۔ جوآن نے یوں کہا، جیسے اس جملے سے ہر الجھن دور ہو جائے گی۔

لیکن چارلس وارن پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ وہ بدستور اسے دھکیلتا رہا۔ ''مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ تم نے کیا دیکھا ہے اور کیا نہیں دیکھا''۔

''تمہیں پروا ہونی چاہئے''۔ جوآن نے اپنا کندھا چھڑانے کی کوشش کی۔ ''ڈیمین......''۔

''ڈیمین کے بارے میں کیا کہنا چاہتی ہو تم؟''۔ این نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''وہ...... وہ......''۔ عین وقت پر جوآن نے ارادہ بدل دیا۔ ''میں کچھ کہنا نہیں چاہتا''۔ اس نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

چارلس اور این اسے کاریڈور میں بھاگتے دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔

پھر این چارلس کی طرف مڑی۔ ''یہ سب کیا تھا؟''۔

چارلس نے سوگوارانہ انداز میں سر ہلایا۔ ''مجھے ذرا بھی اندازہ نہیں''۔ وہ بولا۔ ''یسوع مسیح سب سے محبت کرتے ہیں لیکن دوسری طرف ان سے محبت کرنے والوں میں بہت عجیب لوگ بھی ہیں''۔

چارلس بے حد سنجیدہ تھا لیکن این کو اس کی وہ بات بے حد مزاحیہ لگی۔ وہ ہنسنے لگی۔

ذرا دیر بعد وہ یہ بھی بھول گئے کہ جوآن ہارٹ اس کمرے میں آئی تھی۔ وہ نمائش کی ترتیب پر گفتگو کرنے لگے۔

..................×..................

چارلس اور این دونوں کو ایسا لگا تھا کہ جوآن مخبوط الحواسی کے عالم میں اندھا دھند میوزیم سے نکلی ہے، اسے نہیں معلوم کہ اسے کہاں جانا ہے اور کیا کرنا ہے لیکن وہ غلطی پر تھے۔

جوآن ہارٹ نے اپنی زندگی میں اتنے نپے تلے قدم پہلے کبھی نہیں اٹھائے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ شیاطین اس کے تعاقب میں ہیں، اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ وہ خود بھی ایک شیطان کا پیچھا کر رہی ہے۔ وہ جانتی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے۔ وہ اتنی دور سے ایسے ہی تو یہاں نہیں آئی تھی۔ یہ حقیقت کہ یہاں بھی لوگ اسے پاگل سمجھ رہے ہیں، اسے اپنے مقصد سے دور نہیں کر سکتی تھی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اس نے رینٹ اے کار کے شوروم سے ایک کار کرائے پر حاصل کی۔ پھر وہ بڑے استقلال اور تیز رفتاری کے ساتھ شکاگو کے شمال کی طرف چل دی۔ سہ پہر کے وقت وہ اس ملٹری اسکول جا پہنچی، جہاں ڈیمین اور مارک تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

وہ جس وقت وہاں پہنچی، وہاں فٹ بال ٹیم کا پریکٹس سیشن چل رہا تھا۔

ڈیوڈسن ملٹری اکیڈمی میں جسمانی فٹنس کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ ان کا فلسفہ یہ تھا کہ ان کے کیڈٹوں کو سپاہیوں کی حیثیت میں بڑا ہونا ہے اور ایک دن ملک کے دفاع کیلئے دشمن سے جنگ لڑنا ہے۔ اس کیلئے صرف ذہنی مضبوطی سے کام نہیں چل سکتا۔ ایک تن درست اور فعال جسم بھی بہت ضروری ہے سپاہی کو قتل کرنا بھی آنا چاہئے اور اس کیلئے مضبوط جسم بھی ضروری ہے۔ خندقوں میں موٹے اور بھدے فوجیوں کا گزارا نہیں۔

مگر جوآن ہارٹ کو ڈیوڈسن ملٹری اکیڈمی کے مقاصد سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے اپنے کچھ اغراض و مقاصد تھے۔ وہ تو ڈیمین تھورن کا چہرہ دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کا موازنہ دیوانے مصور یگائیل کے بنائے ہوئے چہرے سے کرنا چاہتی تھی۔ جو دیوار پر نقش تھا۔ وہ دیوار جو اس کے محبوب کے شکستہ ڈھانچے کے قریب سے ملی تھی۔

اگر فٹ بال کے وہ کھلاڑی عمر میں کسی قدر بڑے ہوتے تو وہ اس وقت یقیناً اس پر آوازے کس رہے ہوتے اور ماحول بڑی حد تک شوخ ہو چکا ہوتا کیوں کہ مدتوں سے کوئی ایسی حسین اور پرکشش عورت اکیڈمی میں نہیں آئی تھی۔

لیکن وہاں اسے توجہ سے دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ تماشائیوں کے نام پر وہاں محض کچھ والدین تھے، جو تالیاں بجا کر اپنے اپنے بیٹوں کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ وہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے تھے اور ان کی توجہ پوری طرح سے کھیل پر تھی۔

نیف دونوں ٹیموں کا کھیل ایسے دیکھ رہا تھا، جیسے وہ ہی ان کا کوچ ہو۔

جوآن کی نظر ایک لڑکے پر پڑی، جو یونیفارم سے کیڈٹ لگ رہا تھا۔ وہ کھیلنے کے بجائے کھیل رہا تھا۔ جوآن بہرحال پیشہ ور رپورٹر تھی اور تیز نظر رکھتی تھی۔ وہ لڑکا دبلا پتلا تھا۔ اس کے چہرے پر مہاسے تھے۔ اور اس نے جو چشمہ لگا رکھا تھا۔ اس کے عدسے بہت موٹے تھے۔ اس کی پوری توجہ کھیل کے میدان پر تھی۔ یقینی طور پر کوئی کھلاڑی اس کا ہیرو تھا۔

اگر جوآن کی ذہنی حالت بہتر ہوتی تو اسے لڑکے کے ہیرو کو وہ یقینی طور پر پہچان لیتی۔ لیکن اس وقت اس کے تمام حواس صرف ایک نکتے پر مرتکز تھے۔ وہ صرف ایک بات جاننا چاہتی تھی...... ڈیمین تھورن کھیل کے میدان میں موجود ہے یا نہیں۔ اور اگر موجود ہے تو کون ہے۔ کھلاڑی بھاری حفاظتی ہیلمٹ پہنے ہوئے تھے۔ ان کی وجہ سے ان کے چہرے کے نقوش دیکھنا اس کے لئے ناممکن ہو گیا تھا۔

وہ دبلے پتلے کیڈٹ سے یہ پوچھنے ہی والی تھی کہ نیف کے اشارے پر بریک ہو گیا۔ لیکن اپنی دھن میں لگی جوآن کو اس بات کا اندازہ بھی نہیں ہوا۔ اس نے دبلے پتلے لڑکے کا کندھا تھپتھپایا۔ لڑکے نے چونک کر اسے دیکھا۔ ”ڈیمین تھورن بھی کھیل رہا ہے نا؟“۔ جوآن نے اس سے پوچھا۔ اس کی آواز کافی بلند تھی۔

لڑکا ابھی جواب بھی نہیں دے پایا تھا کہ کھیل کے میدان میں ایک لڑکے نے سر گھما کر جوآن کو دیکھا۔ جوآن کو اپنی پشت پر اس کی نگاہیں چبھتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اس چبھن نے اسے گھوم کر اس کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ اسے احساس ہوا کہ بلی جیسی وہ آنکھیں پینٹنگ میں دیکھ چکی ہے۔

اس لمبے لڑکے نے ایک جھٹکے سے ہیلمٹ اتارا۔ جوآن نے دیکھا، وہ وہی چہرہ تھا، جو وہ یگائیل کی دیوار پر دیکھ چکی تھی۔

”وہ ہے ڈیمین تھورن“۔ دبلے پتلے لڑکے نے ہیجانی لہجے میں کہا۔ مگر جوآن اس سے پہلے ہی اسے پہچان چکی تھی۔

جوآن دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹی۔ اس کا خوب صورت چہرہ چٹخے ہوئے آئینے جیسا ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے کا تاثر اس شخص کے چہرے کے جیسا تھا، جو شیطان کے وجود پر یقین رکھتا اور جس نے اپنی آنکھوں سے اس لمحے شیطان کو انسانی روپ میں دیکھ لیا ہو۔

وہ پلٹی اور کھیل کے میدان سے دور جانے لگی۔ اس نے کوشش کی تھی کہ اس کا انداز نارمل رہے۔ وہ کچھ ہی دور گئی ہو گی کہ دہشت نے جیسے اس کے دل کو اپنی مٹھی میں دبوچ لیا۔ وہ بے اختیار پوری قوت سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ وہ اپنے اور اپنی کار کے درمیانی فاصلہ اڑ کر طے کرنا چاہتی تھی۔

اسے اپنی پشت پر...... کندھوں سے ذرا نیچے دہکتی ہوئی چبھن کا احساس ہوا۔ اس کی وجہ اسی لمحے اس کی سمجھ میں آ گئی۔ ڈیمین تھورن اسے گھور رہا تھا۔

وہ اپنی کار تک پہنچی۔ اسی لمحے اسے ایک مردانہ آواز...... نیف کی سنائی دی۔ ”اے تھورن...... تم ادھر آؤ...... فوراً“۔

دہکتی ہوئی چبھن معدوم ہو گئی تھی۔

جوآن اپنے بیگ میں کار کی چابیاں ٹٹول رہی تھی۔ دو مرتبہ چابی اس کے ہاتھ سے پھسل گئی۔ وجہ اس کے ہاتھوں کی لرزش تھی۔ بالآخر اس نے چابی نکالی، گاڑی میں بیٹھی، چابی اگنیشن میں لگائی اور گھمائی۔ انجن غرایا، ٹائر سڑک پر تیز رگڑ سے چلائے اور گاڑی بہت تیز رفتاری سے ڈیوڈسن ملٹری اکیڈمی سے، ڈیمین تھورن کے دہشت زدہ کر دینے والے چہرے سے دور جانے لگی۔

جوآن ہارٹ نے جیتے جاگتے ڈیمین تھورن کو پہلی بار دیکھا تھا۔

.... × ....

وہ گاڑی کو شمال کی سمت دوڑاتی رہی۔ کیوں؟ یہ اسے معلوم نہیں تھا۔ منطقی اعتبار سے تو اسے پلٹ کر شکاگو کا رخ کرنا چاہئے تھا۔ لیکن شاید وہ جانتی تھی کہ وہاں اس کے لئے کوئی مددگار نہیں ہے۔ اسے رچرڈ اور این تھورن سے ملاقات کا اب کوئی موقع کبھی نہیں ملے گا۔ کیونکہ وہ اسے پاگل سمجھتے تھے۔ چارلس وارن سے اسے سب سے زیادہ امید تھی۔ وہ جانتی تھی کہ جیمز پر اسے جتنا یقین ہے، اتنا ہی چارلس کو بھی ہے۔ البتہ اب اس کے یقین کی شدت بڑھ گئی ہے۔ اور اگر وہ جیمز پر یقین رکھتا ہے تو شیطان پر اور اس کی تباہ کن قوتوں پر بھی یقین رکھتا ہو گا۔ لیکن اس کے باوجود وہ جانتی تھی کہ اب چارلس وارن بھی اس کی مدد نہیں کرے گا۔ میوزیم میں جو کچھ ہوا تھا، اس کے بعد تو یہ ممکن ہی نہیں تھا۔

اب وہ یہ سوچ رہی تھی کہ جیمز کے پاس بھی تو طاقت ہے۔ تو پھر وہ لوگوں کو قائل کرنے، یقین دلانے میں اس کی مدد کیوں نہیں کر رہا ہے۔

لیکن ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر یا چرچ میں سروس کے دوران کسی سے یہ پوچھنا کہ کیا تم شیطان کے وجود پر یقین رکھتے ہو...... اور جواب میں یہ سننا...... ہاں کیوں نہیں۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

پیش گوئی کی کتاب میں اس کا حلیہ بیان کیا گیا ہے...... ایک الگ بات ہے اور چارلس وارن جیسے آدمی کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرنا کہ اس کے باس نے جس بچے کو گود لیا ہے، وہ شیطان کا انسانی روپ ہے...... ایک اور بات ہے۔ چارلس وارن اچھا کرسچن بھی تھا اور بے حد عملی آدمی بھی تھا۔ اپنے مذہبی عقائد کی وجہ سے اپنی شاندار ملازمت خطرے میں ڈالنے والا ہرگز نہیں تھا۔

تو اب کون اس کی مدد کرے گا؟ وہ مدد کے لئے کس کی طرف دیکھے؟ اتنے طاقت ور، چالاک اور بھیڑ نظر آنے والے بھیڑیوں کے مقابلے میں کون اس کی مدد کرے گا؟ وہ خودکار انداز میں ڈرائیو کر رہی تھی۔ اس کا ذہن اس مسئلے میں الجھا ہوا تھا اور غیر ارادی طور پر وہ ڈیوڈسن ملٹری اکیڈمی سے دور...... بہت دور نکل جانے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس عالم میں کچھ دیر گزری۔ اب وہ یہ بھی نہیں بتا سکتی تھی کہ وہ کہاں ہے۔

اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ مضافاتی علاقے میں کافی دور نکل آئی ہے۔ وہ زرعی علاقہ تھا۔ جا بجا کھیت اور فارم نظر آ رہے تھے۔ پھر اچانک اسے بھوک کا احساس ستانے لگا۔

وہ میدانی علاقہ تھا۔ جدھر بھی دیکھتی، اسے لامتناہی افق نظر آتا۔ وہ سرد علاقہ تھا کیوں کہ چاروں طرف سے کھلا تھا۔ جس ہائی وے پر وہ ڈرائیو کر رہی تھی، اسکے سوا کوئی سڑک نظر نہیں آ رہی تھی۔

اچانک تیز ہوا چلنے لگی۔ ہوا سے درخت ہلنے لگے۔ وہ درختوں کے پتوں سے لپٹ کر، شاخوں میں چھپ کر روتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ جوآن کو کسی نامعلوم خوف نے گھیر لیا۔ اس نے سوچا کہ اسے شکاگو واپس جانا چاہئے اور اگر یہ ممکن نہیں تو یہیں کہیں کوئی ٹھکانا تلاش کرنا ہوگا، جہاں وہ پیٹ بھی بھر سکے اور رات بھی گزار سکے۔

یہی وہ وقت تھا، جب اچانک گاڑی کا انجن کھانسا...... اور پھر اچانک ہی مکمل طور پر بند ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی چلتی ہوئی ہوا بھی یک لخت ساکت ہو گئی!۔

کار چند لمحے تو اپنی پچھلی رفتار کے زور پر آگے بڑھی۔ مگر اس کی رفتار بہ تدریج کم ہو رہی تھی۔ بالآخر وہ رک گئی۔

اب وہاں مکمل خاموشی تھی۔ کہیں زندگی کے آثار نہیں تھے۔ نہ کوئی جانور نہ انسان، نہ کوئی گھر۔ سڑک پر کوئی دوسری کار بھی نہیں تھی۔

جوآن نے ایکسلیٹر کو دوبارہ پوری قوت سے دبایا اور اگنیشن میں چابی گھمائی۔ لیکن گاڑی نے سانس بھی نہیں لی۔ کمزور بیٹری بھی پوری طرح جواب دینے سے پہلے آخری سانسیں لینے کی کوشش کرتی ہے۔

اس نے کئی بار اگنیشن میں چابی گھمائی۔ مگر بے سود۔ اس نے فیول میٹر کو دیکھا۔ ٹنکی آدھی سے زیادہ فل تھی۔

اس کا مطلب تھا کہ کار میں کوئی گڑبڑ ہے۔

اسے کارل بیوگن ہیگن اور مائیکل مورگن کا خیال آیا۔ اس نے سوچا کہ وہ کیسے مرے تھے۔ اس کے جسم میں سرد لہر سی دوڑ گئی۔ اس سرد لہر کا تعلق باہر کی سردی سے ہرگز نہیں تھا۔

اس نے سوچا، کار میں یہ گڑبڑ کسی اور طرح کی لگتی ہے!۔

اسے احساس ہو گیا کہ کار سے دوبارہ اسٹارٹ ہونے کی امید رکھنا بے سود ہے۔ کار اب اسٹارٹ نہیں ہوگی۔ لیکن اس نے باقی امیدیں نہیں چھوڑی تھیں، اس کے جسم میں تناؤ تھا۔ نبض کی رفتار بہت تیز تھی اور رگوں میں دوڑنے والے خون کی رفتار بھی معمول سے زیادہ تھی۔ وہ مختلف امکانات پر غور کر رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اسے بہت سنگین خطرہ لاحق ہے۔ مگر اسے بچ نکلنے کی کوشش کرنی ہے۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا کہ شاید کہیں زندگی کی کوئی علامت نظر آ جائے...... سڑک پر اس طرف آتی ہوئی کوئی کار، کسی چمنی سے اٹھتا ہوا دھواں، چرتی ہوئی کوئی گائے...... کچھ بھی ہو۔ کچھ تو ہو۔

لیکن نہیں۔ وہاں کہیں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہاں ہر طرف موت جیسے سکوت کی حکمرانی تھی!۔

اس نے دونوں عقب نما آئینوں میں دیکھا۔ پیچھے بھی کوئی حوصلہ افزا صورت حال نہیں تھی۔ کہیں زندگی کے آثار تک نہیں تھے۔ خاموشی ایسی تھی کہ رگوں میں دوڑتا خون پورے جسم میں دھڑکتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ بے حد پر ہول سناٹا تھا۔ اس نے نروس انداز میں کار میں نصب ریڈیو آن کیا۔ وہ ایک کے بعد ایک بٹن دباتی گئی۔ مگر کوئی اسٹیشن نہیں ملا۔ اسٹیشن کیسے ملتا، ریڈیو خاموش تھا۔ اسے سرسراہٹ بھی سنائی نہیں دی تھی۔

اب یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ کار کی بیٹری مکمل طور پر ڈاؤن ہو گئی ہے یا کار ریڈیو میں کوئی خرابی ہے۔

وہ خوف سے بے حال ہو گئی۔ تنہائی کا احساس بہت جان لیوا تھا، اس پر مستزاد یہ احساس کہ دنیا میں اس کا کوئی بھی نہیں ہے۔ سب نے اسے چھوڑ دیا ہے۔

پھر ریڈیو پر سنسناہٹ سی ابھری۔ گویا ریڈیو ٹھیک تھا۔ پھر ایک اسٹیشن سے موسیقی سنائی دی۔ گانا چل رہا تھا...... دھنک سے اوپر...... یہ اس کا پسندیدہ گانا تھا۔ وہ سنتی تو پر امید اور خوش ہو جاتی۔ لیکن اس وقت اس گانے نے اس کا خوف اور بڑھا دیا۔ تنہائی اور اکیلے پن کا احساس اور شدید ہو گیا۔

اس نے سوئی گھمائی۔ اگلے اسٹیشن پر کوئی پر جوش سیاست داں تقریر کر رہا تھا۔ وہ سامعین کے دلوں میں اپنے مخالفین کا خوف پھونکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ اپنے اوصاف بھی بڑھا چڑھا کر بیان کر رہا تھا۔ جوآن کو اچانک ایسا لگا، جیسے وہ کوئی اجنبی زبان بول رہا ہو۔

جوآن کو خوف آنے لگا۔ شاید اس کا دماغ، اس کے ہوش و حواس اس کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ شاید وہ پاگل ہو رہی ہے۔ اس نے ریڈیو آف کر دیا اور نروس انداز میں انگلیوں سے اسٹیئرنگ کو ڈرم کی طرح بجانے لگی۔ وہ زیر لب کچھ بڑبڑا بھی رہی تھی۔ لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ پھر اس کی بڑبڑاہٹ بھی معدوم ہو گئی۔

اس نے پھر سڑک کا، آگے پیچھے جائزہ لیا۔ سڑک اب بھی سنسان تھی اور سناٹا بھی ویسا ہی مہیب تھا۔

یہ وہ وقت تھا کہ اسے وہ بورڈ نظر آیا۔ وہ قسم کھا کر کہہ سکتی تھی کہ ایک لمحہ پہلے وہ بورڈ وہاں موجود ہی نہیں تھا۔ وہ بہت پرانا اور موسم زدہ بورڈ تھا اس پر لکھا تھا...... نینسی ریسٹورنٹ۔ نیچے...... بہت اچھا کھانا نہایت مناسب دام...... لکھا تھا۔ اس کے نیچے کی عبارت جوآن کے لئے زیادہ اہم تھی...... فاصلہ 3 میل۔

اگر وہ اس علاقے میں واقف ہوتی تو علاقے کے بنجر پن کو دیکھتے ہوئے سمجھ لیتی کہ اب اس ریسٹورنٹ کا وجود نہیں رہا ہوگا۔ لیکن وہ تو کسی امید کی تلاش میں تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ تین میل پیدل چل سکتی ہے۔ یہ کوئی بہت زیادہ فاصلہ نہیں۔ اس ریسٹورنٹ کا تصور اس کے لئے بہت خوش آئند تھا، جہاں بہت سارے لوگ کھا پی رہے ہوں گے، ہنس بول رہے ہوں گے۔

وہ ان لوگوں میں شامل ہو جانا چاہتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہاں سے اسے کار کے سلسلے میں بھی مدد مل جائے گی۔ بس یہ ہے کہ وہاں تک پہنچنے کے لئے اسے تین میل پیدل چلنا ہوگا۔

اس نے دروازہ کھولا اور کار سے اتر آئی۔ باہر سردی پہلے سے بھی زیادہ تھی۔ وہ پلٹی کہ کار میں سے اپنا کوٹ نکال لے۔

یہ وہ وقت تھا کہ اس نے پھڑپھڑ پھڑانے کی وہ آواز سنی۔ ساتھ ہی اسے اپنی کار کی چھت کی طرف سے کھرچے جانے کی عجیب سی آواز بھی سنائی دی۔ وہ اچھل کر پیچھے ہٹی۔ اس کے چہرے سے بہ مشکل دو انچ دور، وہ بہت بڑا سیاہ کوا بیٹھا شیطنیت بھری، اندر اتر جانے والی نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔

اس کے حلق سے چیخ نکلی اور وہ لڑکھڑاتے ہوئے مزید پیچھے ہٹی۔ کوے کی چبھتی ہوئی نگاہیں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ ملٹری اکیڈمی میں ڈیمین کی نگاہوں نے بھی ایسے ہی اس کا تعاقب کیا تھا۔

جوآن نے کوٹ ہلاتے ہوئے کوے کو ہشکارا۔ لیکن کوے پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ وہ ہلا بھی نہیں۔ وہیں بیٹھا اسے گھورتا رہا۔

جوآن نے لات مار کر کار کا دروازہ بند کیا اور پیچھے ہٹی۔ اس نے کوٹ پہن لیا تھا۔ مگر اس کے جسم میں اب بھی سردی سے تھرتھری دوڑ رہی تھی۔ اس نے ایک لمحے کیلئے بھی کوے پر سے نگاہیں نہیں ہٹائی تھیں۔ اس کوے میں کوئی ایسی بات تھی کہ وہ اپنے اندر، بہت گہرائی میں اس سے بہت بری طرح خوف زدہ ہو گئی تھی اور پھر اس کی سمجھ میں اس خوف کا سبب بھی آ گیا۔

اسے یقین تھا کہ اس کوے کو شیطان نے بھیجا ہے۔

کوا اب بھی اسی جگہ ساکت و صامت بیٹھا تھا۔ جیسے وہ مطمئن ہو کہ مختصر سی پرواز کے ایک جھپٹے میں وہ اس تک پہنچ سکتا ہے۔

کوے پر نظریں جمائے جمائے وہ الٹے قدموں چلتی رہی...... اس طرف جہاں نینسی ریسٹورنٹ کو ہونا چاہئے تھا۔ وہ چلتی رہی، یہاں تک کہ اس کے اور اس جسیم کوے کے درمیان چالیس گز کا فاصلہ ہو گیا۔ تب اس نے نظریں جھکائیں، دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم پھنسایا اور دعا کرنے لگی۔ وہ لوکا کی عبارت تھی...... خود جیز ز کے الفاظ تھے...... میں تمہیں طاقت دیتا ہوں سانپوں اور بچھوؤں کو کچلنے کی...... اور دشمن کی تمام قوتوں سے نمٹنے کی...... اور کوئی بھی چیز کسی بھی طرح تمہیں تکلیف نہیں پہنچا سکے گی۔

پھر اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''اے خدا، میری مدد کر''۔

اب اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ جسیم کوا غائب ہو چکا تھا۔

اس کے حلق سے مسرت بھری، سکون سے لبریز آواز نکلی۔ جو اس نے سوچا، وہ درست تھا۔ کوا یقیناً شیطان کا فرستادہ تھا...... اور جیز ز کو شیطانی قوتوں پر فوقیت حاصل تھی۔ اس نے اس سے دعا کی اور اس کی دعا بار یاب ہوئی۔ وہ شیطانی کوا فرار ہو گیا۔

اسی وقت وہ جسیم کوا عقب سے چیختا ہوا اس پر حملہ آور ہوا۔ اس کے خوف ناک پنجے اس کی کھوپڑی میں اتر گئے۔

جوآن کی چیخ کوے کی چیخ سے کہیں زیادہ بھیانک تھی۔ اس نے دیوانہ وار ہاتھ چلاتے ہوئے کوے کو دھکیلنے...... ہٹانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ بدستور اس کے سر سے چپکا رہا۔ بلکہ وہ اس کے ہاتھوں پر چونچیں مار رہا تھا اور اس کی چونچ اس کے پنجوں سے کم نکیلی نہیں تھی۔

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

ابتدا میں تو وہ سسکتی اور ہاتھ پاؤں مارتی رہی۔ پھر جیسے وہ توانائی کے آخری قطرے سے بھی محروم ہوگئی۔ وہ اس گڑھے میں ساکت ہو کر لیٹ گئی۔

لمحے دبے پاؤں گزرتے رہے!

پھر ایک آواز ابھری...... ڈیزل انجن کی آواز! دور سے اٹھارہ پہیوں والا بڑا ٹرالہ تیز رفتاری سے آرہا تھا۔

جوآن نے سر اٹھایا۔ کیا یہ ممکن ہے؟ کیا اسے مدد مل سکتی ہے؟ وہ طاقت مجتمع کرکے اٹھی اور اس نے گڑھے سے نکل کر سڑک پر پہنچنے کی کوشش کی۔ لیکن کیچڑ میں اس کا پاؤں پھسلا اور وہ دوبارہ گڑھے میں گر گئی۔ گرنے سے اس کے گھٹنے چھل گئے تھے۔ اس کے ہاتھ خون اور کیچڑ کے آمیزے میں لتھڑے ہوئے تھے۔

اس نے پھر کوشش کی اور بالآخر سڑک پر پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔ ٹرالر اب کافی قریب آگیا تھا۔ وہ سڑک پر آئی اور چیختے ہوئے ہاتھ ہلا ہلا کر اسے رکنے کا اشارہ کرنے لگی۔

صوت و آہنگ کا کھیل بھی عجیب کھیل ہوتا ہے۔ اگر کوئی آواز براہ راست آپ تک پہنچ رہی ہو تو آپ کے لئے یہ بتانا ممکن نہیں ہوتا کہ آواز عقب سے آرہی ہے یا سامنے سے اور بے چاری جوآن ہارٹ تو آنکھوں سے بھی محروم ہو چکی تھی۔ وہ تو بس ہاتھ ہلائے جارہی تھی۔

ٹرالر کارنر سے مڑا تو اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ اتنی چھوٹی سڑک پر ہونی نہیں چاہئے تھی۔ ڈرائیور نے ایک تباہ حال، کیچڑ اور خون میں لتھڑی عورت کو دیکھا، جو بیچ سڑک پر کھڑی مدد کے لئے ہاتھ ہلا رہی تھی اور اس کا رخ مخالف سمت تھا۔

ڈرائیور کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے پاس مہلت ذرا بھی نہیں تھی۔

ٹرالر کی ٹکر نے جوآن کو بیس فٹ اوپر ہوا میں یوں اچھالا، جیسے وہ کانٹے میں پھنسی کوئی مچھلی ہو اور زمین پر آنے سے پہلے وہ مر چکی تھی۔

ٹرالر کے بریک لگے، ٹائر چیخے۔ مگر ٹرالر رکتے رکتے بھی سو گز آگے جا چکا تھا۔

وہ خاموشی مکمل کہلاتی، اگر ٹرالر کے انجن کی آواز نہ ہوتی۔ پھر اوپر آسمان پر چکراتے ہوئے کوے کی مکروہ چیخ فضا میں گونجی۔ وہ آواز ایسی تھی، جیسے شیطان نے فاتحانہ قہقہہ لگایا ہو۔

.................X.................

امریکا میں وسکونسن میں جھیل کے علاقے جیسی خوب صورت جگہیں دو چار ہی ہوں گی اور بہت سے لوگ تمام جھیلوں میں جینیوا جھیل کو خوب صورت ترین جھیل قرار دیتے ہیں۔ اس جھیل کا محل وقوع بھی بہت شان دار ہے۔ یہ شکاگو کے بہت قریب ہے اور وہاں کے متمول لوگوں کیلئے موسم سرما کی تفریحات کا مرکز ہے۔ مگر اتنی قریب بھی نہیں کہ تفریح کے خواہش مند عام لوگوں کے وہاں ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جائیں۔

جینیوا جھیل پر رچرڈ تھورن کا مکان پرانے طرز کا والا تھا۔ اس سے ملحق قدرتی جنگل تھا، جہاں شکار کھیلا جا سکتا تھا۔ پرانے طرز کے اس مکان میں زندگی کی وہ تمام جدید سہولیات میسر تھیں، جو دولت سے خریدی جا سکتی تھیں۔ ان میں ہیلی کاپٹر بھی تھا، ہیلی پیڈ بھی اور مکان کے اندر کلوز سرکٹ ٹیلی ویژن سسٹم بھی۔ دولت مند لوگ جن کے بچے بھی ہوں، عام طور پر اغوا برائے تاوان کی وارداتوں سے بہت خائف رہتے ہیں۔ رچرڈ تھورن بھی اس سے مبرا نہیں تھا۔ کلوز سرکٹ ٹی وی سسٹم اسی کا نتیجہ تھا۔

جھیل کے علاقے میں مواصلاتی نظام نہایت مربوط اور اعلیٰ معیار کا تھا۔ رچرڈ تھورن کے لئے صدر امریکا اور سیکریٹری آف اسٹیٹ تک کی کالیں آتی تھیں۔

تھورن فیملی کے دوستوں کا حلقہ بھی بہت وسیع تھا اور کاروباری تعلقات تو وسیع تر تھے۔ اب ویک اینڈ پر مہمانوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ وجہ یہ تھی کہ لڑکوں کی تیرھوں سال گرہ منائی جارہی تھی۔ رچرڈ تھورن کو ویسے بھی بڑی پارٹیاں کرنے کا شوق تھا۔

ڈیمین کی تاریخ پیدائش تو 6 جون تھی۔ لیکن جب سے وہ یہاں چچا کے گھر آیا تھا، اس کی سال گرہ مارک کے ساتھ منائی جاتی تھی۔ دوسرے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اس کا سبب کنجوسی ہے۔ لیکن رچرڈ کو یہ یاد تھا کہ اس کے بڑے بھائی نے عالم دیوانگی میں ننھے ڈیمین کو قتل کرنے کی کوشش کی تو اس نے اس کی تاریخ پیدائش کو عجیب اور پراسرار سا جواز بنایا تھا اور رچرڈ نہیں چاہتا تھا کہ اب وہ تاریخ کسی کی زبان پر بھی آئے۔

پارٹی سے پہلے والی رات کو ڈیمین اور مارک نشست گاہ میں بیک گیمن کھیل رہے تھے، ہمیشہ کی طرح ڈیمین کو برتری حاصل تھی۔ اگرچہ موجودہ گیم مارک جیت رہا تھا۔

نجانے کیا بات تھی کہ مارک کو ڈیمین سے ہارنا برا نہیں لگتا تھا۔ جبکہ عام طور پر اپنے دوسرے ہم عمر دوستوں سے ہارنا اسے سخت ناپسند تھا۔ مگر ڈیمین کسی سے ہار جائے، یہ بھی اسے گوارا نہیں تھا اور مقابلہ اس کے اور ڈیمین کے درمیان ہو تو فتح و شکست اس کے لئے بے معنی ہو جاتی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ مارک کو ڈیمین کا الم ناک ماضی ہمیشہ یاد رہتا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ ڈیمین نے بڑے بڑے دکھ اٹھائے ہیں اور اپنا سب کچھ کھو کر یہاں آیا ہے۔ مارک شروع ہی سے غیر معمولی طور پر حساس بچہ تھا۔ وہ ڈیمین کو خوش کرنے اور خوش رکھنے کی کوشش میں لگا رہتا تھا۔ اس کیلئے وہ کوئی بھی قربانی دینے کو تیار رہتا تھا۔

نشست گاہ کی ایک دیوار پر ایک بڑے بارہ سنگھے کا سر آویزاں تھا۔ اس بارہ سنگھے کو رچرڈ نے خود شکار کیا تھا۔ وہ ان دنوں کی یادگار تھا، جب اس کی پہلی بیوی میری زندہ تھی۔ ان دنوں اس کا محبوب مشغلہ میری کو لے کر جنگل کی طرف نکل جانا تھا۔

این تھورن کمرے میں داخل ہوئی۔ لیکن دونوں لڑکے کھیل میں ایسے گم تھے کہ انہیں اس کی آمد کا پتا بھی نہیں چلا۔ وہ خاموش کھڑی دونوں کو دیکھتی رہی۔ ان دونوں کی جوڑی بڑی خوب صورت تھی۔

کچھ دیر تو وہ انہیں دیکھتی رہی۔ پھر اس نے مداخلت کی۔ ’’اب بس کرو۔ رات بہت ہوگئی ہے اور کل تم دونوں کے لئے بڑا اہم دن ہے‘‘۔

مارک نے جو کہ پہلی بار گیم جیتنے والا تھا، سر اٹھا کر اسے دیکھا اور بولا۔ ’’کھیل ختم ہی ہونے والا ہے موم۔ بس چند منٹ کی بات ہے۔ پلیز موم‘‘۔ یہ کہہ کر اس نے تائید طلب نظروں سے ڈیمین کو دیکھا۔

ڈیمین کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس کے ہونٹوں پر ایک شریر مسکراہٹ مچلی۔ ’’اوکم آن مارک۔ اگر موم کہتی ہیں کہ سونے کا وقت ہو گیا تو سونے کا وقت ہو گیا‘‘۔ وہ بولا۔

این مسکرائی۔ وہ حقیقی صورت حال کو سمجھ چکی تھی۔ ڈیمین کو شکست سے بچنے کا موقع مل رہا تھا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

مارک بھی مسکرایا۔اس کی آنکھیں بھی چمکنے لگی تھیں۔ ''سنو......کھیل کو یہ چھوڑ دیتے ہیں۔کل صبح مکمل کریں گے۔کیسا آئیڈیا ہے؟''

اس پر ڈیمین اور این بھی ہنسنے لگے۔

انہوں نے ایک دوسرے کو گڈ نائٹ کہا۔دونوں لڑکے اپنے کمروں کی طرف جانے والے چوبی زینے کی طرف بڑھ گئے۔این نے نشست گاہ کی لائٹ آف کی اور کمرے سے نکل آئی۔

''ڈیمین......میں تم سے کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا''۔زینے پر مارک نے ڈیمین سے کہا۔

''کوئی بہت اہم بات ہے؟''ڈیمین نے پوچھا۔

مارک ہنسنے لگا۔''نہیں بھئی۔کوئی بات اہم کہاں ہوتی ہے''۔

''یہ بات ہے تو پوچھ لو''۔ڈیمین نے شاہانہ انداز میں کہا۔

''تمہارے اور نیف کے درمیان کیا چکر ہے؟''

ڈیمین حیرت کے لئے تو تیار تھا۔لیکن اس سوال کی تو اسے دور دور بھی توقع نہیں تھی۔اس نے مارک کو بہت غور سے دیکھا۔پھر بڑے محتاط لہجے میں بولا۔''مطلب کیا ہے تمہارا؟''

مارک زینے پر پہنچ کر رک گیا۔''ایسا لگتا ہے کہ وہ ہر لمحہ تمہیں......صرف تمہیں دیکھتا رہا ہے۔مجھے تو یہ بات بہت عجیب لگتی ہے''۔

''ہاں......یہ ہے تو''۔ڈیمین نے کہا اور راہ داری میں بڑھ گیا۔اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا، پھر پلٹ کر مارک کو دیکھا، جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔''لیکن نیف ایک سارجنٹ ہے اور میرا تجربہ ہے کہ تمام سارجنٹ ہی عجیب ہوتے ہیں''۔پھر اس نے مسخرے پن سے بڑے ادب سے سرخم کیا۔''گڈ نائٹ مارک''۔یہ کہہ کر وہ اپنے بیڈ روم میں چلا گیا۔

..................X..................

اگلے روز شام کو تمام مہمان آ گئے۔ان میں پال بوہر، ڈیوڈ پساریان، بل ایتھرٹن اور ڈاکٹر وارن بھی تھے۔ملٹری اکیڈمی کے چند طالب علم بھی تقریب میں شرکت کے لئے آئے تھے۔

تھورن جیسے متمول گھرانوں میں سال گرہ کی تقریب اور خاص طور پر لڑکوں کی تیرھویں سال گرہ کو ایک طرح کی قبائلی رسم کا درجہ دیا جاتا ہے۔ایک لڑکا لڑکپن کی دہلیز پھلانگ کر جوانی کی حدود میں داخل ہو رہا ہے۔اب وہ مرد کہلائے گا۔اسے اپنی فیملی کی تمام قوتیں حاصل ہوں گی۔اس کے نتیجے میں بے شمار زندگیاں متاثر ہوں گی۔بلکہ کبھی کبھی تو قوموں کی تقدیر بھی بدل جاتی ہے۔تاہم تھورن فیملی نے اس تقریب کے اصل چہرے پر سوشل تقریب کا ماسک چڑھا دیا تھا۔

اونچی چھت والے ڈائننگ روم میں مارک اور ڈیمین مہمانوں میں گھرے تھے۔روشنی بہت مدھم تھی۔فضا خوشبوؤں سے بوجھل تھی۔ڈائننگ روم میں ایک طرف ایک بہت بڑی بونے ٹیبل تھی۔وہ نوادرات میں سے تھی۔رچرڈ کے ایک دوست نے اس کے لئے رچرڈ کی پسندیدگی دیکھنے کے بعد خرید کر اسے تحفے میں دی تھی۔اس وقت اس میز پر انواع واقسام کے کھانے لگے تھے۔بس میٹھے کی کمی تھی اور وہ کسی بھی لمحے آنے والا تھا۔

ڈیمین اور مارک دونوں نے اپنے ہاتھ آنکھوں پر رکھے ہوئے تھے۔''کیا اب ہم دیکھ سکتے ہیں؟''مارک نے بے صبرے پن سے پوچھا۔

''ابھی نہیں''۔این نے محبت سے کہا۔

برابر والے کمرے سے مردانہ آوازوں میں گانے کی آوازیں آ رہی تھیں......ہیپی برتھ ڈے ٹو یو......ہیپی برتھ ڈے ٹو یو......

''اب؟''مارک نے پھر پوچھا۔

مردانہ آوازوں کا آہنگ اور بلند ہو گیا تھا۔ہیپی برتھ ڈے ٹو یو......

''ہاں، اب......''این نے سنسنی آمیز لہجے میں کہا۔

ہیپی برتھ ڈے ٹو ٹو۔گانا ختم ہو گیا۔

دونوں لڑکوں نے آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹا لئے۔

وہ بہت بڑا کیک تھا......اتنا بڑا کہ پوری ملٹری اکیڈمی بھی مدعو ہوتی تو اس کے لئے کافی تھا۔وہ تین منزلہ کیک تھا اور اس کی سب سے اوپری منزل کو دیکھیں تو وہ کیک ہرگز نہیں لگتا تھا۔کیوں کہ وہ تو جنیوا جھیل کا منظر تھا۔بلکہ درحقیقت وہ پوری طرح جنیوا جھیل کا وہ حصہ تھا......وہ منظر تھا، جو ڈائننگ روم کی کھڑکی سے نظر آتا تھا۔جھیل کے کنارے 13 موم بتیاں لگی تھیں۔کیک کے بالائی حصے پر منجمد تھی، جس پر متعدد افراد، جن میں عورتیں بھی تھیں، اسکیٹنگ کرتے نظر آ رہے تھے۔

وہ بلاشبہ بہت انوکھا اور دنیا کا سب سے مہنگا کیک تھا۔شکاگو کے ایک فن کار نے جو کرسمس ونڈوز ڈیزائن کرنے میں مہارت رکھتا تھا، اسے ڈیزائن کیا تھا۔اس فن کار کو بڑی مشکل سے اس پر آمادہ کیا گیا تھا کہ وہ ایک نئے میدان میں اپنے فن کو آزمائے اور اس فن کار نے بھی اپنے فن کو کمال پر پہنچا دیا تھا۔

مارک بے ساختہ تالیاں بجانے لگا۔ڈیمین کے ہونٹوں پر بے حد کشادہ مسکراہٹ تھی۔مہمان بھی تالیاں بجا رہے تھے۔

''بہت شان دار''۔مارک نے کہا۔

''ہیپی برتھ ڈے مائی ڈارلنگز''۔این نے ان دونوں کو لپٹاتے ہوئے کہا۔پھر اس نے ان دونوں کی پیشانیوں پر بوسہ دیا۔

مارک نے خود کو این کی گرفت سے آزاد کرایا اور بے تابانہ کیک کی طرف لپکا۔ڈیمین اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

اسی وقت بوہر کمرے میں داخل ہوا۔سر میں شدید درد کی وجہ سے وہ کچھ دیر کیلئے آرام کی غرض سے دوسرے کمرے میں لیٹ گیا تھا۔اس کا لباس لیٹنے کی وجہ سے شکن آلود ہو گیا تھا۔

سب سے پہلے این نے اسے دیکھا اور ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔''اب کچھ بہتر محسوس کر رہے ہو پال؟''

''بہت بہتر۔شکریہ''۔پال بوہر نے کہا۔دیکھنے میں بھی وہ پہلے سے بہتر لگ رہا تھا۔

''آدھے سر کا درد بہت اذیت دہ ہوتا ہے''۔این بولی۔''میری ایک سہیلی آدھے سر کے درد کی مریض تھی۔وہ کہتی تھی کہ درد کے دوران مجھے ایسا لگتا تھا، جیسے بے شمار بونے میرے سر میں گھسے ہوئے ہیں، ان کے ہاتھوں میں چاقو ہیں اور وہ مجھے چرکے لگا رہے ہیں''۔

پال بوہر مسکرایا۔وہ تائیدی مسکراہٹ تھی......اور ایک موذی تکلیف کے مقابلے میں اس کی بہادری کی غماز بھی۔''گزشتہ چند روز میرے لئے بے حد اعصاب شکن تھے''۔اس نے آہستہ سے کہا۔یہ کہتے ہوئے اس نے بل ایتھرٹن کو دیکھا جو کیک کے پاس کھڑے دونوں لڑکوں کے برابر کھڑا تھا۔دونوں لڑکوں کے انکل کی حیثیت میں، اس کے ہونٹوں پر فخریہ مسکراہٹ تھی۔

مارک بڑی دلچسپی سے کیک پر بنے ہوئے اسکیٹرز کو دیکھ رہا تھا۔ڈیمین نے کیک کی آئسنگ میں انگلی گڑوئی اور چٹخارہ لے کر اپنی انگلی کو چاٹنے لگا۔رچرڈ تھورن بھی لڑکوں کے برابر کھڑا تھا۔اس کا انداز بھی فخریہ تھا۔

وہ بڑا جذبات انگیز منظر تھا۔پال بوہر کا بس چلتا تو وہ بھی اس منظر میں اپنے لئے کوئی کردار منتخب کر لیتا۔

مارک اس کیک کو زیادہ سے زیادہ لوگوں کو دکھانے کا خواہش مند تھا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ این او پال بوہر پر نظر پڑی تو وہ چلایا۔ ''موم! مسٹر بوہر! آئیں نا...... دیکھیں تو، کیسا زبردست کیک ہے''۔

این مسکرائی اور مارک کی طرف بڑھی۔ بوہر کا رخ ڈیمین کی طرف تھا۔

ڈیمین نے پال بوہر کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ وہ مسکرایا اور آہستہ سے سر ہلایا۔ لیکن اس کا خیال تھا کہ پال بوہر دوسری طرف جا رہا ہے۔ ویسے بھی سامنے اتنا لذیز کیک ہو تو لڑکوں کو بڑے لوگوں سے بات کرنا اچھا نہیں لگتا۔

''اکیڈمی کی تربیت کیسی جا رہی ہے ڈیمین؟'' پال بوہر نے قریب آ کر اس سے پوچھا۔

ڈیمین نے کندھے جھٹک دیے۔ ''سب ٹھیک ٹھاک ہے مسٹر بوہر''۔ اس کا لہجہ جتا رہا تھا کہ اس وقت اسے اس موضوع میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اور وہ اس گفتگو کو یہیں ختم کر دینا چاہتا ہے۔

''اور سارجنٹ نیف کیسا لگا تمہیں؟'' پال بوہر نے پوچھا۔

اب ڈیمین متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ''آپ انہیں جانتے ہیں؟'' اس کے چہرے پر حیرت کا تاثر بے حد واضح تھا۔

بوہر ہنسنے لگا۔ ''میں نے اس کے بارے میں معلومات کی تھیں''۔ اس نے ڈیمین کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری وجہ سے ڈیمین۔ میں تمہارے بارے میں پوری طرح باخبر رہنے کی کوشش کرتا ہوں''۔

ڈیمین کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس بات کا کیا مفہوم لے۔ اس کا چہرہ تمتما اٹھا۔ اس نے اپنی توجہ دوبارہ کیک پر مبذول کر لی۔

لیکن پال بوہر کو اس طرح جھٹکا نہیں جا سکتا تھا۔ ''تمہیں معلوم ہے ڈیمین کہ میں تھورن انڈسٹریز کیلئے کیا خدمات انجام دیتا ہوں؟''

ڈیمین نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔ ''نہیں جناب''۔ اس کی آنکھیں بوریت کا اظہار کر رہی تھیں۔ لیکن وہ اظہار بدتمیزی کی حد کو پہنچا ہوا ہرگز نہیں تھا۔

''تمہیں جاننا چاہئے''۔ پال بوہر کے لہجے میں اصرار تھا۔ ''تمہیں تھورن فیملی کے ہر کاروبار سے باخبر ہونا چاہئے۔ ایک دن یہ سب کچھ تمہارا ہی تو ہوگا...... صرف تمہارا!''۔

''میرا اور مارک کا''۔ ڈیمین نے جلدی سے تصحیح کی۔

''میرا مطلب یہی تھا۔ میں نے تمہارا کہا تو جمع کے صیغے میں کہا تھا۔'' پال بوہر نے بھی بہت تیزی سے اس تصحیح کو قبول کر لیا۔ لڑکا بے وقوف نہیں ہے۔ اس نے دل میں سوچا۔ اسے ڈپلومیسی آتی ہے۔ چنانچہ اس نے گفتگو کا رخ بدلا۔ ''تم کسی دن پلانٹ پر آ و نا۔ گھومو پھرو۔ دیکھو''۔ اس نے کہا۔

وہ دعوت ڈیمین کے لئے پرکشش تھی۔ ''میں اپنے دوستوں کو بھی ساتھ لا سکتا ہوں؟'' اس نے پوچھا۔

''کیوں نہیں''۔ پال نے شاہانہ انداز میں کہا۔

اسی وقت رچرڈ تھورن نے چاندی کے چمچے سے ایک بلوری صراحی کو تھپ تھپایا۔ جلترنگ کی اس آواز نے تمام مہمانوں کو اس کی طرف متوجہ کر دیا۔

اگلے ہی لمحے سب کے ہاتھوں میں شمپین کے جام تھے۔ میز کے گرد مہمانوں کے چھوٹے چھوٹے گروپ بن گئے۔ رچرڈ تھورن نے اپنا جام فضا میں بلند کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ ان قیمتی لمحوں میں سے ایک لمحہ ہے، جب مجھ جیسے آدمی کو بھی تقریر کا شوق ہو جاتا ہے۔ تو دوستو، یہ جام خوش قسمتی کے نام...... شکر گزاری کے ساتھ کہ ہمیں بے شمار نعمتیں عطا کی گئیں۔ ہم تھورن فیملی کے لوگوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ جو پوزیشن ہمیں ملی ہے، ہم اس سے عقل مندی کے ساتھ اور بہتری کی سمت میں استفادہ کریں۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ سب کچھ شروع ہی سے ایسا نہیں ہے اور اگر ہم پیہم کوشش نہیں کریں گے تو یہ سب کچھ ہمیشہ رہے گا بھی نہیں۔ جو کچھ ہمیں ملا ہے، ہمیں خود کو اس کا مستحق ثابت کرنا ہوگا۔ بس مجھے یہی کہنا تھا۔ مارک...... خوش ہو جاؤ کہ میں نے باقاعدہ تقریر سے احتراز کیا ہے''۔

''واقعی ڈیڈ۔ میں شکر گزار ہوں''۔ مارک نے کہا۔

اس پر ایک اجتماعی قہقہہ لگا۔

رچرڈ نے ہاتھ لہرا کر لوگوں سے خاموشی اور توجہ کا مطالبہ کیا۔ قہقہے مشینی انداز میں رک گئے، جیسے کوئی سوئچ آف کر دیا گیا ہو۔ ''بہر حال مجھے ایک بات اور کہنی ہے''۔ رچرڈ نے کہا۔ ''اور کوئی لاکھ مجھے روکنے کی کوشش کرے، میں وہ بات کہہ کر رہوں گا''۔

اس کے لہجے کی سنگینی نے تمام مہمانوں کو ٹھٹھرا دیا۔ سسپنس ان کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ انہیں لگ رہا تھا کہ رچرڈ کوئی سخت بات کرنے والا ہے۔

لیکن رچرڈ نے اچانک انداز بدلا اور چہکتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''خواتین و حضرات...... آپ سب جلدی سے کھڑکی کی طرف لپکیں''۔

سب کھڑکی کی طرف لپکے۔ بہت سوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ رچرڈ نے یہ کیوں کہا ہے۔

مارک کو پہلے سے توقع تھی کہ کیک کے بعد کوئی اور حیرت بھی منتظر ہے۔ وہ سب سے پہلے کھڑکی تک پہنچا تھا۔

''پلیز...... تمام لائٹیں آف کر دیں''۔ رچرڈ نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

کمرے میں گھپ اندھیرا ہو گیا۔ ڈائننگ روم کی جس کھڑکی کے پاس وہ کھڑے تھے، وہ بہت بڑی تھی۔ اس کھڑکی سے باہر جھیل کا خوب صورت منظر دکھائی دے رہا تھا۔

پھر باہر...... تاریک آسمان پر روشنی کے انار سے پھوٹے۔ اگلے ہی لمحے ان کے سامنے آتش بازی کا اتنا حسین اور عظیم الشان منظر تھا، جو ان میں سے کسی نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

وہاں رنگ ہی رنگ تھے......سبز، نیلا، زرد اور سرخ......دھنک سے زیادہ چمک دار رنگ۔ آسمان سے جیسے رنگوں اور روشنیوں کی بارش ہو رہی تھی۔ باہر جیسے دن نکل آیا تھا۔ آتش بازی میں راکٹ بھی تھے، انار بھی اور پھل جھڑیاں بھی۔ جھیل سے کوئی ڈیڑھ سوفٹ اوپر آتش بازی اپنے کلائمکس پر پہنچی اور بہ تدریج مدھم ہونے لگی۔

پھر اچانک بالکل اچانک فضا میں تیرتے ہوئے روشن اور رنگ برنگ حرف ابھر آئے......

ہپی برتھ ڈے......مارک اینڈ ڈیمین

لوگ ایسے مبہوت ہوئے تھے کہ سانس لینا بھی بھول گئے تھے، تالیاں کیا بجاتے۔ مگر پھر اچانک وہ سحر ٹوٹا اور تالیاں اس طرح بجیں کہ لگتا تھا، چھت اڑ جائے گی۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا ہے ڈیڈ''۔ مارک نے وفور مسرت سے کہا اور رچرڈ تھورن سے لپٹ گیا۔ ''شکریہ ڈیڈ''۔

ڈیمین نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔ خوشی اسے بھی اتنی ہی ہوئی تھی، جتنی مارک کو۔ لیکن وہ مارک کی طرح اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جذبات کو اندر رکھنے کا قائل تھا......اور اس پر قادر بھی تھا۔

وہاں ایک شخص ایسا بھی تھا، جو دولت کے اس عظیم الشان مظاہرے سے بالکل متاثر نہیں ہوا تھا۔ وہ تھا پال بوہر۔ اس کی نگاہوں کا مرکز ڈیمین تھا۔ موقع ملتے ہی وہ پھر اس کی طرف بڑھا۔ اس نے ڈیمین کے کان میں اس طرح سرگوشی کی کہ کوئی اور نہ سن سکے۔ ''بہت لوگ کہتے ہیں کہ تیرھویں سالگرہ کسی لڑکے کے لئے آغاز بلوغت ہوتی ہے......مردانگی کا آغاز''۔

ڈیمین کچھ نہیں سمجھا۔ تاہم اس نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ ''کیا واقعی؟'' اس کی نگاہیں اب بھی باہر کے منظر پر مرکوز تھیں۔

''تم بھی جان جاؤ گے''۔ پال بوہر نے کہا۔

ڈیمین نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں اور الجھ کر رہ گئیں۔

پال بوہر کا لہجہ بے حد نرم تھا...... جیسے وہ عمل تنویم کر رہا ہو۔ ''اس پر مجھے معاف کرنا کہ میں بائبل سے حوالہ دے رہا ہوں۔ لیکن یہ بائبل میں ہے کہ...... جب میں بچہ تھا، بچوں کے انداز میں سوچتا اور عمل کرتا تھا۔ مگر جب میں مرد بنا تو میں نے سب بچکانہ باتیں چھوڑ دیں......وقت آ رہا ہے ڈیمین کہ تم بھی سب بچکانہ باتیں چھوڑ دو گے۔ اس وقت جب تم اس حقیقت کا سامنا کرو گے......کہ تم درحقیقت کون ہو''۔

''میں کون ہوں؟''

پال بوہر نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ ''یہ ایک عظیم لمحہ ہے ڈیمین۔ مجھے یقین ہے کہ تم بھی اسے محسوس کر رہے ہو گے''۔

ڈیمین ڈسٹرب ہوا تھا۔ لیکن مسحور بھی تھا۔ پہلے تو وہ یہ سمجھا تھا کہ پال بوہر اس کے چچا کی نظروں میں اپنا مقام بنانے کیلئے اس کا دل جیتنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ پچھلے چند ماہ میں وہ اپنے وجود میں ہونے والی انقلابی تبدیلیوں سے جس طرح ڈسٹرب رہا ہے، پال بوہر وہ واحد آدمی ہے، جس نے انہیں زبان دی ہے۔ اسے ایسا لگتا تھا کہ پال بوہر اس کے اندر...... بہت اندر...... بہت گہرائی میں جھانکنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ''میرا خیال ہے، آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں''۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''مجھے یقین نہیں۔ لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے اندر کچھ ہو رہا ہے...... کچھ بہت اہم ہونے والا ہے''۔ یہ کہتے ہوئے اس نے پال بوہر کی آنکھوں میں جھانکا۔

پال بوہر مسکرایا۔ ''اپنی منزل...... اپنے مقدر کے بارے میں شکوک وشبہات! ہے نا؟ اس سے سبھی گزرتے ہیں......تمہارے ڈیڈی، بل ایتھرٹن...... یہاں تک کہ میں بھی''۔ اس نے ایک لمحہ توقف کیا۔ پھر ڈرامائی انداز میں بولا۔ ''تمہیں پتا ہے، میں بھی یتیم ہوں''۔

ڈیمین نے نفی میں سر ہلایا۔

''یہی وجہ ہے کہ تم جس چیز سے گزر رہے ہو، میں اسے سمجھ سکتا ہوں۔ تمہیں پہلی بار ان تبدیلیوں کا احساس جون کے مہینے میں ہوا ہو گا۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟ کیونکہ تمہارا برتھ ڈے جون میں آتا ہے......''۔

ڈیمین حیران رہ گیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، بل ایتھرٹن نے انہیں پکارا۔ ''ارے......تم دونوں باتوں میں لگے ہوئے ہو۔ چلو......تقریب شروع ہو رہی ہے''۔

ان دونوں نے سر گھما کر دیکھا۔ کیک کاٹنے کی تیاری ہو رہی تھی۔

''کم آن ڈیمین''۔ مارک نے پکارا۔ وہ پھونک مار کر موم بتیاں بجھانے کے لئے بے تاب ہو رہا تھا۔

''ارے ہاں......دل میں کوئی خواہش کرنا نہ بھولنا''۔ این نے ان دونوں کو یاد دلایا۔

ڈیمین کو پال بوہر سے جان چھڑانے کا موقع مل گیا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ قبل از وقت اس پر بوجھ لادنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ مارک کی طرف بڑھ گیا۔

دونوں لڑکوں نے گہری سانس لی اور پوری قوت سے پھونک ماری۔ انہوں نے ایک سانس میں پوری کی پوری تیرہ موم بتیاں بجھا دیں۔ سب لوگ تالیاں بجا بجا کر انہیں وش کرنے لگے۔

''چلو بھئی، اب کیک کاٹو''۔ این نے کہا۔ ''دل للچا رہا ہے اور بھوک بھی لگ رہی ہے''۔

''اس سے پہلے میں مارک کو کچھ دینا چاہتا ہوں''۔ ڈیمین نے کہا اور اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔

''اوہو'' مارک کے لہجے میں عیاری تھی۔ ''میں تو تمہارے لئے کچھ لانا بھول ہی گیا''۔ لیکن فوراً ہی اسے ہنسی آ گئی۔ اس نے بھی اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔

دونوں لڑکے کے تحفے ایک ہی ساخت اور ایک ہی سائز کے تھے۔ یہاں تک کہ ریپنگ پیپر بھی ایک جیسا تھا۔ مارک ہنسنے لگا۔ ''اگر تم نے بھی مجھے......'' اس نے کہا۔

''وہی دیا جو میں نے تمہیں دیا ہے......'' ڈیمین نے کہا۔

ان دونوں نے این کو دیکھا اور بولے ''موم؟''۔

دونوں کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ دونوں تحفے ان کیلئے این نے خریدے ہیں۔ این مسکرا دی اور انہیں دیکھتی رہی۔

دونوں لڑکوں نے پرجوش انداز میں اپنے تحفوں کے ریپر ہٹائے۔ دونوں نے باکس میں سے خوب صورت اور چمک دار، مگر ایک جیسے سوئس چاقو نکالے......تمام لوازمات سمیت!

سب لوگوں نے تالیاں بجائیں۔

''مجھے تو سچ مچ اس کی ضرورت تھی'' مارک نے کہا۔

''مجھے بھی''۔ ڈیمین بولا۔ دونوں کو ایک دوسرے کو ٹہوکے دیئے۔

پھر دونوں لڑکوں نے فیصلہ کیا کہ وہ کیک کاٹنے کے لئے وہی چاقو استعمال کریں گے۔ لیکن کیک کاٹنے سے پہلے ڈیمین نے چاقو کی مدد سے کیک کی جھیل پر سے ایک اسٹیکر کو کاٹ کو الگ کر لیا۔ پھر دونوں لڑکوں نے کیک میں چاقو گھونپ دیا۔ مہمان تالیاں بجا رہے تھے۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اگلی صبح جھیل کی منجمد سطح پر دھوپ اٹکھیلیاں کر رہی تھیں۔ جہاں سورج کی کرنیں جھیل کی سطح پر منعکس ہو رہی تھیں، وہاں دھنک کے رنگ پھوٹتے نظر آ رہے تھے۔ فطرت نے اپنے تمام وسائل بروئے کار لاتے ہوئے دن کے وقت آتش بازی کے ایسے عظیم الشان مظاہرہ کا اہتمام کیا تھا، جس کے سامنے رچرڈ تھورن کا دولت کے بل پر پیش کیا گیا شو پھیکا پڑ گیا تھا۔

جھیل سے کئی شاخوں میں تقسیم ہو کر پانی نکل رہا تھا، جو کچھ آگے جا کر دریا کا روپ دھارتا تھا اور پھر بل کھاتا ہوا جنگل کی طرف بہہ رہا تھا۔ وہ دریا بھی اس وقت منجمد تھا۔ یہی وہ جگہ تھی، جہاں آئس ہاکی کا میچ کھیلا جانا تھا۔ دریا کے کنارے قدرتی باؤنڈری کی حیثیت رکھتے تھے۔ یوں کھیل کا میدان بالکل صاف اور واضح تھا۔

سہ پہر کے قریب کھیل کا آغاز ہوا۔ دونوں ٹیمیں بنیادی طور پر تھورن انڈسٹریز کے ایگزیکٹیوز پر مشتمل تھیں۔ ایک ٹیم کی قیادت مارک تھورن کر رہا تھا، جبکہ دوسری ٹیم کا کیپٹن ڈیمین تھورن تھا۔ ان کے اکیڈمی کے ساتھی، ان کے لئے تالیاں بجا رہے تھے۔

بہ ظاہر تو وہ موسم سرما کا ایک تفریحی گیم تھا۔ لیکن پال جانتا تھا کہ داؤ پر کیا کچھ لگا ہوا ہے۔

پال بوہر جانتا تھا کہ بڑی کمپنیوں کے بڑے فیصلے بورڈ روم میں نہیں کئے جاتے۔ وہاں ان کی نوک پلک ضرور درست کی جاتی ہے۔ فیصلے درحقیقت کاک ٹیل پارٹیوں میں، اسکوائش کورٹس میں...... بلکہ آج کل تو خاص طور پر ٹینس کورٹ میں طے پاتے ہیں۔ ایک اچھا بیک ہینڈ اسٹروک ہاورڈ بزنس اسکول میں تین سال کی تعلیم سے زیادہ مؤثر ثابت ہوتا ہے۔ اہمیت اس بات کی ہے کہ آپ اچھا کھیلیں اور کام کے لوگوں سے کھیلیں۔ اگر آپ پرکشش ہیں، خوشامدی ہونے کے ساتھ ساتھ مناسب موقعوں پر خود کو قوت فیصلہ رکھنے والا اور ثابت قدم انسان ثابت کرتے ہیں تو آپ کے ٹینس پارٹنر آپ کو اپنا دوست سمجھیں گے، ضرورت پڑنے پر وہ کاروباری معاملات میں باہر کے لوگوں کے مقابلے میں آپ کو ترجیح دیں گے۔ کیریئر ایسے ہی بنتے ہیں۔

لیکن تھورن فیملی کا پسندیدہ پروگرام ان ڈور گیم نہیں ہو سکتا تھا۔ پورے ہفتے ڈیسک کے پیچھے بیٹھ کر کاروباری معاملات نمٹانے کے بعد ان ڈور گیم سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ چنانچہ رچرڈ تھورن کا پسندیدہ کھیل آئس ہاکی تھا۔

تھورن انڈسٹریز میں یہ مشہور تھا کہ اگر رچرڈ تھورن کی قربت چاہتے ہو تو آئس ہاکی کے کھیل میں کمال حاصل کرو۔ رچرڈ کو نہیں معلوم تھا کہ اس کی کمپنی میں اس انداز سے سوچا جاتا ہے۔

بہرحال اس روز رچرڈ تھورن بہت خوش تھا۔ اس کے تمام ایگزیکٹیوز وہاں موجود تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو عمر کی وجہ سے اب کھیل نہیں سکتے تھے۔ وہاں بیویاں بھی موجود تھیں۔ ان کی وجہ سے ماحول کی رنگینی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ رنگین اونی ٹوپیاں، مفلر، کوٹ اور دستانے۔

دونوں کپتانوں...... مارک اور ڈیمین نے ٹاس کیا کہ پہلے کھلاڑی کے انتخاب کا حق کس کو ملے۔ ڈیمین نے ٹاس جیتا اور خوش ہوا کہ اسے چچا کو اپنی ٹیم میں شامل کرنے کا موقع مل گیا ہے۔ رچرڈ نے اظہار مسرت کے طور پر سرکس کی پھاندنے کے انداز میں چند لمحے کرتب دکھائے۔ پھر وہ ڈیمین کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔

مارک نے بل ایتھرٹن کو منتخب کیا۔ ایتھرٹن نہ تو اچھا کھلاڑی تھا، نہ ہی جسمانی طور پر بہت فٹ تھا۔ لیکن مارک کے نزدیک وہ اس عزت اور احترام کا مستحق تھا۔ ایتھرٹن اسکیٹنگ کرتا ہوا مارک کے برابر پہنچ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر تشکر آمیز مسکراہٹ تھی۔

ڈیمین کا دوسرا انتخاب پال بوہر تھا۔ اسے خود بھی نہیں معلوم تھا کہ اس نے پال کو کیوں منتخب کیا۔ شاید وہ اس توجہ کا صلہ دے رہا تھا، جو پال نے اسے آج دی تھی۔ یا شاید وہ پال بوہر کو اچھا کھلاڑی سمجھتا تھا۔ اس کے خیال میں پال بوہر ایسا کھلاڑی تھا، جس کا مخالف ٹیم میں ہونا نقصان دہ ثابت ہوتا۔

وجہ کچھ بھی رہی ہو، پال بوہر اس پر بہت خوش تھا کہ اسے ڈیمین نے منتخب کیا۔ وہ اسکیٹنگ کرتا ہوا ڈیمین اور رچرڈ کے پاس جا پہنچا۔

مارک کا اگلا انتخاب ڈیوڈ پاساریان تھا۔ ڈیوڈ پرجوش انداز میں میدان میں داخل ہوا۔

دونوں ٹیمیں منتخب ہو گئیں۔ پھر میچ شروع ہو گیا۔

پال بوہر ایک ماہر کھلاڑی تھا۔ اس میں خود اعتمادی بھی تھی اور بے رحمی بھی۔ اور وہ پریکٹس بھی کرتا رہا تھا۔ رچرڈ تھورن نے خود کو بیک پوزیشن میں رکھا۔ وہ خود کو توجہ کا مرکز نہیں بنانا چاہتا تھا۔ بہرحال اس وقت پال بوہر کو دیکھتے ہوئے پہلی بار اسے احساس ہوا کہ پال کھیل کو کھیل نہیں، جنگ سمجھنے کا قائل ہے

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اور وہ ہر قیمت پر جیتنا چاہتا ہے۔

اسے اس پر بھی حیرت ہوئی کہ پال کی اس خصوصیت کا اسے پہلے پتا نہیں چلا۔ حالانکہ انسانوں کو سمجھنے کے معاملے میں وہ کبھی غلطی نہیں کرتا تھا۔

لیکن رچرڈ کی توجہ اس سے ہٹ گئی۔ وہ اپنی توجہ صرف ڈیمین پر مرکوز رکھنا چاہتا تھا۔

ڈیمین حیرت انگیز مہارت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس کم عمری میں ایسی مہارت حیران کن تھی۔ اس کی تیز رفتاری ایسی تھی کہ وہ رنگین بجلی کی ایک لکیر کی طرح نظر آ رہا تھا۔ جو ادھر سے ادھر لپک رہی تھی۔ اس کو دیکھ کر خوشی ہو رہی تھی۔ گیند پر سب سے زیادہ وقت اسی کا قبضہ رہتا تھا۔ اس کا اسٹائل، اس کی طاقت اس کی اسٹک کی زبان بول رہے تھے۔ کھیل کے رخ کا تعین وہی کر رہا تھا۔

بالآخر ڈیمین نے مخالف ٹیم کے دفاعی حصار کو توڑا اور پہلا گول کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ رچرڈ تھورن کی مسکراہٹ فخر آمیز تھی۔ اس کی خوشی بے حد سچی تھی اور ایسی تھی کہ جیسے وہ اس کا حقیقی بیٹا ہو۔ خواتین اور تماشائیوں کی تالیوں میں ڈیمین کے لئے داد و تحسین تھی۔

چارلس وارن نے کھیل میں حصہ نہیں لیا تھا۔ وہ دریا کے کنارے بیٹھا تھا۔ پھر سردی سے اس کا جسم سن ہو گیا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کپڑوں سے برف کے ذرات جھاڑنے لگا، وہ اسکیٹنگ کرتا ہوا این کی طرف بڑھا، جو بڑے توے پر کلیجی اور گردے فرائی کر رہی تھی۔

رات کو جو ملازمین ڈیوٹی پر تھے، انہیں دن میں چھٹی دے دی گئی تھی۔ اب این تھورن خود کام کر رہی تھی۔ وہ ہاٹ ڈاگ، برگر اور اسنیک بڑی مہارت سے تیار کر رہی تھی۔ کوئلوں کی نیلگوں آنچ بہت خوش گوار لگ رہی تھی۔

وارن کو آتے دیکھا تو این نے اسے پکارا۔ ”کیا لو گے چارلس؟“

”ہاٹ ڈاگ“۔ چارلس وارن نے منہ سے بھاپ نکالتے ہوئے کہا۔

این نے کباب بن میں رکھا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔ ”بس؟“

”فی الحال تو اتنا کافی ہے۔ میں سردی دور کرنے کی کوشش کر رہا ہوں“۔ چارلس نے کہا اور دانتوں سے برگر کو کاٹا۔

”تمہاری رپورٹر دوست کے بارے میں، میں نے اخبار میں پڑھا“۔ این بولی۔ ”مجھے بہت افسوس ہوا چارلس“۔

”مجھے تو یقین ہی نہیں آیا وہ خبر پڑھ کر“۔ چارلس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ ہوا کیسے“۔

لیکن اتنی دیر میں این میچ کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

وہ بہت بڑا کوا ان دونوں کو نظر نہیں آیا، جو بیس فٹ دور ایک اونچے درخت کی شاخوں میں بیٹھا انہیں سرد تیز نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

اندر میدان میں رچرڈ نے ڈیمین کو بالکل کلیر پوزیشن میں ایک خوب صورت پاس دیا۔ ڈیمین نے گیند کو روکا اور پھر بہت تیز رفتاری سے اسے اسٹک سے چپکاتے ہوئے گول کی طرف جھپٹا۔

بل ایتھرٹن مارک کی ٹیم کا دفاعی کھلاڑی تھا، وہ ڈیمین کو روکنے کیلئے حرکت میں آیا۔ لیکن وزن زیادہ ہونے کی وجہ سے اس میں پھرتی کا فقدان تھا اور اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ بھی تھی۔

ڈیمین بے حد پر اعتماد انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی رفتار اور ڈاجنگ قابل دید تھی۔ اسے پورا یقین تھا کہ بوڑھے ایتھرٹن کو ڈاج دینا، اس کیلئے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ تیز رفتاری سے ایتھرٹن کی طرف بڑھا۔ انداز ایسا تھا، جیسے وہ سیدھا ان سے ٹکرانے کا ارادہ رکھتا ہے۔

اسی وقت بل ایتھرٹن کا پاؤں پھسلا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی۔ تصادم کے خوف سے اس نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کر لیں۔

اس آخری لمحے میں جب وہ ایتھرٹن سے ٹکرانے والا تھا، ڈیمین نے تیزی سے رخ بدلا اور ایتھرٹن کے بہت قریب، بہت برابر سے نکلتا ہوا گول کی طرف بڑھا۔ اس کے وزن سے اس کے پیروں کے نیچے کی برف تھوڑی سی دبی۔ برف پر بال جیسی ایک لمبی لکیر پڑ گئی۔

بل ایتھرٹن کی آنکھیں کھلیں تو اس نے سمجھنے کی کوشش کی کہ ہوا کیا ہے۔ ڈیمین تو غائب ہی ہو گیا تھا۔ اس نے سر گھما کر دیکھا تو ڈیمین گول کی طرف بڑھتا دکھائی دیا۔ بل پلٹا اور اسکیٹنگ کرتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔ لیکن درمیانی فاصلہ کافی بڑھ چکا تھا۔ جلد بازی کی وجہ سے وہ لڑکھڑایا۔ اس کی وجہ سے بال جیسی وہ لکیر چوڑی ہونے لگی۔ دراڑ بننے لگی۔

پھر جب برف کی وہ دراڑ اس کے آگے آگے بھاگنے لگی۔ یہاں تک کہ ڈیمین کے قدموں کے نیچے برف تڑخنے لگی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

وہ منظر سب سے پہلے پال بوہر نے دیکھا۔فوری ردعمل کے طور پر وہ ان دونوں کی طرف لپکا۔

اچانک......اچانک بہت زوردار آواز میں دو تڑاخے ہوئے اور برف کی سطح دو اطراف سے پھٹ گئی۔ پھر دو اور تڑاخے ہوئے اور بل ایتھرٹن جیسے برف کے ایک چھوٹے سے قطعے پر...... جزیرے پر حرکت کرتا نظر آیا۔

تمام اسکیٹرز اپنی جگہ جم کر رہ گئے تھے۔تماشائیوں کے درمیان سے چیخوں کی آوازیں بلند ہونے لگی۔

پال بوہر ڈیمین تک پہنچ گیا تھا۔اس نے ڈیمین کو کمر سے تھاما، اسے برف سے اٹھایا، اور کسی کھلونے کی طرح دراڑ کے دوسری طرف......محفوظ جگہ پر پہنچا دیا۔ڈیمین بال بال بچا تھا۔

بل ایتھرٹن اب بری طرح دہشت زدہ ہو چکا تھا۔وہ جانتا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔لیکن وہ کر کچھ بھی نہیں سکتا تھا۔اب وہ برف کے تیرتے ڈولتے ہوئے جزیرے پر اکیلا تھا۔

''بل......ساکت ہو جاؤ۔رک جاؤ''۔رچرڈ تھورن چلایا۔

اسی وقت کئی اور تڑاخوں کی آوازیں فضا میں ٹھٹھر کر رہ گئیں۔وہ ہڈیوں کے ٹوٹنے جیسی آوازیں تھیں۔برف اپنی سطح پر جگہ جگہ سے ٹوٹ رہی تھی، بل ایتھرٹن کا جزیرہ اور چھوٹا ہو گیا تھا۔

دوسرے اسکیٹرز وہاں آ کر رک گئے۔برف کے درمیان سوراخ بہت تیزی سے بڑا ہو رہا تھا۔وہ اپنے ہاتھ اور اسکیں ایتھرٹن کی طرف بڑھا رہے تھے۔''ایتھرٹن......تھام لو۔جلدی کرو''۔

لیکن سب کچھ بے سود تھا۔ایتھرٹن کا وزن برف کے جزیرے کا توازن بگاڑ رہا تھا، اسے ایک طرف جھکا رہا تھا۔پھر وہ دھیرے دھیرے برف کی پتلی تہہ کے نیچے مچلتے پانی کے بہاؤ کی طرف پھسلنے لگا۔

کنارے پر این نے اپنے منہ پر سختی سے ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی چیخ کا گلا گھونٹا۔وہ جانتی تھی کہ کیا ہونے والا ہے۔لیکن اسے روکنا اس کے بس میں نہیں تھا۔بلکہ شاید کسی کے بس میں نہیں تھا۔

ڈیمین خود کو پال بوہر کی گرفت سے آزاد کرانے کے لئے سخت جدوجہد کر رہا تھا۔وہ بل ایتھرٹن کی مدد کرنا چاہتا تھا۔لیکن پال بوہر کی طاقت کے سامنے اس کی ایک نہیں چلی۔

''کود جاؤ''۔پیاریان نے چیخ کر کہا۔

لیکن بہت دیر ہو گئی تھی۔آخری تڑاخا بل ایتھرٹن کے قدموں کے عین نیچے ہوا۔وہ سر کے بل سیاہ یخ بستہ پانی میں جا گرا۔

بل ایتھرٹن پوری طرح نیچے چلا گیا تھا۔چند سیکنڈ تو وہ نظر ہی نہیں آیا۔پھر اچانک وہ سطح پر ابھرا۔اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور وہ اکھڑی اکھڑی سانسیں لے رہا تھا۔اس نے برف کی لگر تھامنے کے لئے دستانے میں لپٹا ہوا ہاتھ بڑھایا۔

رچرڈ تھورن کی قیادت میں تمام اسکیٹرز ایک زنجیر کی صورت برف پر سینے کے بل لیٹے تھے کہ......اس طرح کہ ہر شخص نے ایک ہاتھ سے دوسرے کا پاؤں تھام رکھا تھا۔رچرڈ تھورن سب سے آگے تھا۔اس نے ہاتھ بڑھایا اور ایتھرٹن کا تیزی سے ٹھٹھرتا ہوا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی۔

ایتھرٹن کا سر بہ مشکل پانی سے اوپر ابھرا تھا۔اس کی آنکھوں میں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے جانور کے جیسا خوف تھا۔اس نے برف پر، گرفت حاصل کر کے اوپر آنے کی کوشش میں ہاتھ چلایا۔برف کی تیز دھار نے اس کے دستانے کو کاٹ ڈالا۔اس کا ہاتھ اور کلائی زخمی ہو گئی۔اس کا خون برف کی سطح پر پھیل گیا۔

اس کے حلق سے ایک دردناک چیخ نکلی اور اسی لمحے برف کے نیچے پانی کے تیز بہاؤ نے اسے پھر کھینچ لیا اور وہ دوبارہ پانی میں غائب ہو گیا۔

اسکیٹرز بے یقینی کے عالم میں کھڑے ہو گئے۔وہ ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔

اچانک رچرڈ کے پاؤں کے عین نیچے، برف کی سطح کے نیچے ایک چہرہ نمودار ہوا۔وہ بل ایتھرٹن تھا۔اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں ایک تڑپتی ہوئی التجا تھی، وہ خون میں لتھڑے ہاتھوں سے برف کی سطح پر گھونسے مارنے کی کوشش کر رہا تھا۔لیکن اس کے گھونسے طاقت سے محروم تھے۔پھر اس کا منہ کھلا اور وہ چلایا۔لیکن اس کی چیخ کوئی سن نہیں سکا۔شیشے جیسی برف کے نیچے وہ نظر تو آ سکتا تھا۔لیکن اس کی آواز سنائی نہیں دے سکتی تھی۔

اگلے ہی لمحے پانی اسے کھینچ کر دور لے گیا۔کچھ دیر تو وہ اسے اس کی پیچھے چھوڑی ہوئی خون کی لکیر کی وجہ سے دیکھنے کے قابل رہے۔وہ اس لکیر کے ساتھ حرکت کرتے رہے۔لیکن ان کے پاس کرنے کے لئے اب بھی کچھ نہیں تھا۔ وہ اسکیس سے برف کو توڑنے کی کوشش کرتے رہے۔لیکن ناکام رہے اور بل ایتھرٹن کو برف کے نیچے پانی کا بہاؤ کھینچ کر دور لے جاتا رہا۔اب وہ موٹی برف کے نیچے تھا۔خون کی لکیر بھی اب نظر نہیں آ رہی تھی۔

بالآخر ڈیمین نے خود کو پال بوہر کی گرفت سے آزاد کرا لیا۔وہ دوسروں کی طرف لپکا۔وہاں رچرڈ تھورن بے قراری کے عالم میں اپنے اسکیٹس کے تیز دھار والے کناروں کی مدد سے برف کو توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

برف کے نیچے، بل ایتھرٹن کے لئے اب سانس لینا بھی دشوار ہوا جا رہا تھا۔اوپر...... برف کے اوپر اسے وہ لوگ سایوں کی طرح نظر آ رہے تھے، جو اس کی مدد کرنے کی سرتوڑ کوششوں میں مصروف تھے۔ان کی گھٹی گھٹی موہوم سی آوازیں بھی اس تک پہنچ رہی تھیں۔لیکن وہ اپنی آواز ان تک نہیں پہنچا سکتا تھا۔اپنے پھیپھڑے اسے پھٹتے محسوس ہو رہے تھے۔اب ان میں برفیلا پانی بھرنے لگا تھا۔

پھر اوپر اسے روشنی سی نظر آئی۔پانی پیچھے کی نسبت زیادہ صاف ہو گیا تھا۔اسے دریا کے بالکل کنارے ایک درخت نظر آیا، جو کسی حد تک برف میں دبا ہوا تھا۔اس کے ہوش و حواس ساتھ چھوڑ رہے تھے۔مگر اس عالم میں بھی وہ دعا کر رہا تھا۔

پھر ایک معجزہ رونما ہوا۔وہ اچانک اوپر آ گیا۔

سب سے پہلے ڈیمین نے اسے دیکھا۔''وہ دیکھو......وہ رہے وہ......'' وہ چلایا۔

تمام اسکیٹرز درخت کی طرف لپکے۔درخت کے پاس ایک گڑھا سا تھا۔ایتھرٹن کا سر پانی کے اوپر تھا اور وہ سانس لینے کے لئے جدوجہد کر رہا تھا۔

اسکیٹرز رک گئے تھے۔ان کے جھٹکے کی وجہ سے برف چیخنے لگی تھی۔وہ نہ رکتے تو برف ٹوٹ جاتی اور وہ سب پانی میں چلے جاتے۔

''ہم آ رہے ہیں''۔رچرڈ تھورن نے چیخ کر کہا۔

وہ اور ڈیمین بڑی احتیاط سے بڑھنے لگے۔جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہے تھے، برف پتلے کانچ جیسی ہوتی جا رہی تھی۔پھر انہوں نے مدد کے لئے ہاتھ آگے بڑھائے......

ایتھرٹن کا چہرہ صرف ایک لمحہ دکھائی دیا۔پھر ایسا لگا، جیسے کسی قوی ہیکل دیو نے اس کی ٹانگ تھام کر اسے پانی میں کھینچ لیا ہو۔اس کا جسم چند لمحے کسی تاریک دھبے کی طرح نظر آتا رہا اور پھر غائب ہو گیا......جیسے تہ نشین ہو گیا ہو۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''سب لوگ پھیل جائیں''۔ رچرڈ نے پکارا۔ ''وہ پھر غائب ہوگیا ہے''۔

لیکن اب ہر کوشش بے کار تھی۔ بل ایتھرٹن اب کبھی واپس نہ آنے کے لئے گیا تھا۔

درخت کی شاخوں کے درمیان بیٹھے ہوئے جسیم کوے نے ایک کریہہ آواز نکالی اور اڑنے لگا۔ اب وہ ابر آلود آسمان پر چکرا رہا تھا!

..................X..................

بل ایتھرٹن کی موت کو ایک ماہ ہو چکا تھا۔ پال بوہر اب بھی اپنے نئے دفتر کی آرائش میں مصروف تھا۔ اس کے دفتر کی آرائش بل ایتھرٹن کے دفتر سے یکسر مختلف تھی۔ وہ اپنے دفتر کو رچرڈ تھورن کے شکاگو والے اپارٹمنٹ کے ڈائننگ روم کے انداز میں آراستہ کرا رہا تھا۔ آخر ان سب چیزوں کا آغاز اسی جگہ سے تو ہوا تھا۔

آفس کے بیرونی حصے میں جہاں اس کی سیکریٹری اور اسٹینو بیٹھتی تھیں، بہت خوب صورت فریم میں اپنی تصویر آویزاں کرا کے اسے خاص طور پر بڑی خوشی ہوئی تھی۔ یہ پورٹریٹ اسی جگہ لگایا گیا تھا، جہاں کبھی بل ایتھرٹن کا پورٹریٹ آویزاں تھا۔

جنوری کی اس صبح جب اس کے شوفر نے لیموزین تھورن انڈسٹریز کے مین آفس کے سامنے روکی تو اس کا ایگزیکٹو اسسٹنٹ بائرن اس کا منتظر تھا۔ اس نے وہ میگزین اسے تھمایا۔ وہ میگزین درحقیقت اس کے لئے اب تک کی سب سے بڑی خوشی تھا۔

وہ ماہنامہ خوش قسمتی کا تازہ ترین شمارہ تھا اور اس کے سرورق کی زینت وہی تصویر تھی، جو اس کے دفتر کے بیرونی حصے میں آویزاں تھی۔ تصویر کے نیچے کیپشن تھا...... پال بوہر، تھورن انڈسٹریز کے نئے صدر!

بائرن اپنی جگہ ساکت کھڑا اپنے باس کے ردعمل کا منتظر تھا۔

بوہر نے دھیرے سے سر کو جنبش دی۔ ''شکریہ بائرن''۔ پھر وہ آگے بڑھ گیا۔

بائرن کو مایوسی ہوئی۔ ''اوہ...... تو آپ پہلے ہی دیکھ چکے ہیں''۔

پال بوہر نے کھلی بدمزگی سے اپنے اسسٹنٹ کو دیکھا۔ ''تم کہیں یہ تو نہیں سمجھتے کہ ایسی باتیں اتفاقاً ہو جاتی ہیں''۔ اس نے کہا۔ کبھی کبھی بائرن اسے بہت سادہ لوح اور احمق لگتا تھا۔ جبکہ وہ خود دس سال پہلے بائرن کی عمر میں اتنا احمق نہیں تھا۔ کم از کم اپنی یادداشت کے مطابق تو ایسا ہی تھا۔ ویسے عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ بوہر نے اپنی یادوں کیلئے انتخاب کا سسٹم بنا لیا تھا۔ بچپن کی یادوں کو تو وہ پہلے ہی بھلا چکا تھا اور اس کے لڑکپن کی یادیں بھی تیزی سے مٹتی جا رہی تھیں۔

بائرن نے اسے چونکا دیا۔ ''میرا خیال ہے، یہ بہت خوب صورت ہے''۔ اس کا اشارہ خوش قسمتی کے سرورق کی طرف تھا۔

اس بار پال بوہر نے سر کو جنبش دینے کی زحمت بھی نہیں کی۔

وہ دونوں لفٹ کے انتظار میں کھڑے تھے۔ ''پیاریان کی کوئی خیر خبر؟'' پال بوہر نے پوچھا۔

''نہیں جناب''۔ بائرن نے جواب دیا۔ ''وہ تو لگتا ہے کہ بالکل ہی غائب ہوگیا ہے''۔

لفٹ کا دروازہ کھلا اور وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ پال بوہر نے لفٹ میں موجود واحد بٹن دبایا۔ لفٹ اسے اس کے وسیع و عریض آفس کے عقبی دروازے پر لے جانے کے لئے تھی۔

بائرن چند لمحے خاموش رہا۔ لفٹ تیسری منزل کراس کرنے لگی تو اس نے دھماکہ کیا۔ ''رچرڈ فوری طور پر آپ سے ملنا چاہتے ہیں''۔

پال بوہر بری طرح چونکا...... مگر محض ایک لمحے کیلئے، وہ اس کھیل کو پہچان گیا تھا۔ کیونکہ کمپنی میں ٹاپ تک پہنچنے کے دوران وہ خود بارہا یہ کھیل کھیل چکا تھا۔ اصل میں بائرن جو کہنا چاہ رہا تھا، وہ یہ تھا...... رچرڈ اپنی تعطیلات ختم ہونے سے پہلے ہی لوٹ آیا ہے۔ یہ بات مجھے معلوم ہے جبکہ مسٹر بوہر، تم اس سے بے خبر ہو۔ وہ فوری طور پر تم سے ملنا چاہتا ہے۔ اس کا ممکنہ مطلب یہ ہے کہ تم اس کی طرف سے پریشانی میں ہو اور میں نے اسے رچرڈ کہہ کر پکارا ہے۔ جبکہ اس سے پہلے میں اسے مسٹر تھورن کہہ کر پکارتا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ اب میرے اور اس کے درمیان ایک ایسی قربت ارتقا پا رہی ہے، جس کی تمہیں ہوا بھی نہیں لگ سکی۔ جس وقت تم اپنے دفتر کی تزئین و آرائش میں اور خوش قسمتی کے سرورق پر آنے کی کوششوں میں الجھے ہوئے تھے، اس دوران میں نے یہ قربت کمائی ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ رچرڈ...... ہاں مسٹر تھورن نہیں، رچرڈ تم سے فوری طور پر کیوں ملنا چاہتا ہے اور تمہیں یہ بات معلوم نہیں!۔

پال بوہر سمجھ گیا کہ جو کچھ بائرن کہنا چاہتا تھا اور اس نے نہیں کہا، وہ یہی ہے۔ لیکن بائرن یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ کھیل وہ اس میدان کے ماہر ترین کھلاڑی کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ ''اوہ...... تو وہ آ بھی چکے ہیں؟'' اس نے بناوٹی حیرت سے کہا۔ ''مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا''۔ یہ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں چیلنج تھا۔

بائرن بجھ کر رہ گیا۔ ''جی ہاں''۔ اس نے کہا اور اب وہ مزید کچھ کہنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ کیا کہے۔ ''اور غسل آفتابی نے اس کی رنگت کو سنولا دیا ہے''۔ اس نے اضافہ کیا۔

دونوں جانتے تھے کہ یہ جملہ درحقیقت بے بسی کا اظہار ہے!۔

..................X..................

جس وقت پال بوہر آفس میں داخل ہوا، رچرڈ تھورن اپنی بہت بڑی میز کے عقب میں بیٹھا کافی کے گھونٹ لے رہا تھا۔ اس نے پال کو ہیلو کہنے کا موقع بھی نہیں دیا۔ اس نے سخت لہجے میں پوچھا۔ ''یہ پیاریان انڈیا میں کیوں ہے...... اور کیا کر رہا ہے؟''

پال بوہر نے اپنا بریف کیس میز پر رکھا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ یوں اسے سوچنے کا موقع مل گیا کہ اسے جواب میں کیا کہنا ہے اور کہنے سے پہلے اسے ظاہری علامات کا جائزہ بھی لیا تھا۔ رچرڈ تھورف کا کالر کھلا تھا۔ اسے نکٹائی بھی نہیں لگائی تھی۔ اس نے شیو بھی نہیں کیا تھا۔ عام حالات میں وہ اس طرح اپنے دفتر میں آنے کا قائل نہیں تھا۔ یہ صورت حال ایمرجنسی کی غماز تھی۔

اور رچرڈ تھورن غصے کا محض اظہار نہیں کر رہا تھا۔ وہ اس وقت بہت غصے میں تھا۔

''مجھے زمین کی چند مجوزہ خریداریوں کے سلسلے میں اس کا مشورہ درکار تھا''۔ پال بوہر نے کہا۔ ''اور اس سے بہتر کوئی آدمی......''۔

''تو کیا ہم زمینیں خریدنے کا فیصلہ کر چکے ہیں؟'' رچرڈ تھورن کے لہجے میں شاک تھا۔

''آپ نے میری رپورٹ کے اختتامی نوٹ سے مکمل طور پر اتفاق کیا تھا''۔ پال بوہر نے بے حد مدافعانہ انداز میں کہا۔ ''اور کمپنی کی صدارت میں نے اسی شرط پر قبول کی تھی''۔

رچرڈ نے اپنی پیشانی کو انگلیوں سے مسلتے ہوئے ایک گہری سانس لی۔ ''اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ تم مجھے میری اپنی کمپنی سے بے دخل کر دو''۔ اس نے کہا۔ ''تم پہلے مجھے بتاؤ گے۔ اس کے بعد معاملات آگے بڑھاؤ گے۔ اگر میں یہ بات پہلے واضح نہیں کر سکا تھا تو اب کر رہا ہوں''۔

''آپ چھٹی پر گئے ہوئے تھے''۔ پال بوہر نے احتجاج کیا۔ ''میں نے آپ کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا''۔ لیکن یہ کہتے ہوئے خود پال بوہر کو احساس ہو رہا تھا کہ یہ عذر لنگ ہے۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

’’میں کہیں بھی جاؤں، فون پر رابطے میں رہتا ہوں‘‘۔ رچرڈ نے کہا اور تھکے تھکے انداز میں سینے پر ٹھوڑی لگا دی۔ ’’بل ایتھرٹن مجھے مطلع کیے بغیر اس طرح کے فیصلے کبھی نہیں کرتا تھا‘‘۔

’’لیکن میں بل ایتھرٹن نہیں ہوں‘‘۔

’’میں تم سے اس کی امید ہی نہیں رکھتا‘‘ رچرڈ نے تیز لہجے میں کہا۔ ’’لیکن یہ امید بہر حال رکھتا ہوں کہ تم کمپنی کے اخلاقی اور انتظامی ضابطوں کا احترام کرو گے‘‘۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ یہ طے تھا کہ پال بوہر کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے‘‘۔

’’پال‘‘ رچرڈ تھورن کا لہجہ اب نرم تھا۔ ’’تم بہت ذہین آدمی ہو۔ جو پوزیشن تمہیں دی گئی ہے، تم اس کے مستحق ہو۔ لیکن زیادہ تیز چل کر اپنے لئے خرابیاں پیدا کرنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ بات کبھی نہ بھولا کرو کہ اس کمپنی کا مالک کون ہے‘‘

’’آئندہ ایسا کبھی نہیں ہوگا‘‘ پال بوہر نے لہجے میں خلوص سموتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر خاموشی رہی جو پال بوہر کیلئے حوصلہ افزا تھی، پھر اس نے موضوع بدلا۔ ’’آپ کو پاریان کی ضرورت تھی۔ کیوں؟‘‘

’’اس کے P84 یونٹ کے ڈیزائن میں کچھ گڑ بڑ ہے‘‘ رچرڈ نے کہا، ’’اور واکر اس سلسلے میں بہت زیادہ پریشان ہے‘‘ اس جملے کے ساتھ ہی، پال بوہر کی توقع کے عین مطابق رچرڈ تھورن کا رویہ اور انداز یکسر تبدیل ہو گیا۔ اختلافی مسئلے پر تبادلہ خیال ہو چکا تھا اور اب وہ قصہ پارینہ تھا۔ رچرڈ نے اپنی بات پوری طرح واضح کر دی تھی اور بوہر نے معذرت کر لی تھی۔ پال بوہر نے سمجھ لیا کہ اب یہ معاملہ کبھی زیر بحث نہیں آئے گا۔ بشرطیکہ وہ دوبارہ ایسی حماقت نہ کرے اور اگر اس نے دوبارہ ایسی حماقت کی تو کسی وضاحت کی نوبت نہیں آئے گی۔ بس اسے کمپنی سے فارغ کر دیا جائے گا

’’میں جانتا ہوں کہ واکر پریشان رہنے کا عادی ہے‘‘ رچرڈ نے کہا، ’’لیکن اس بار اس کی پریشانی بجا ہے‘‘

’’میں سنبھال لوں گا رچرڈ، آپ فکر نہ کریں‘‘ پال بوہر نے کہا اور جانے کیلئے اٹھ کھڑا ہوا۔

پال بوہر کے جانے کے بعد رچرڈ اٹھا اور کھڑکی کے پاس چلا گیا۔ کھڑکی سے اولڈ واٹر ٹاور کا نظارہ اس کیلئے ہمیشہ سکون بخش ہوتا تھا۔ لیکن اس روز اسے دیکھتے ہوئے اسے سکون کا احساس نہیں ہوا۔ وہ بہت اپ سیٹ تھا۔

بل ایتھرٹن کی المناک موت کے بعد سے کوئی بات اس کے ذہن میں مسلسل چبھ رہی تھی۔ وہ بات کیا ہے، یہ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ اس کے شعور کی گرفت میں آتے آتے اچانک پھسل جاتی تھی۔

............x............

اس کورس کا عنوان تھا...... تاریخ عساکر...... نظریات اور میدان عمل۔ نام سن کر احساس ہوتا تھا کہ یہ بہت دلچسپ مضمون ہوگا۔ لیکن ایسا تھا نہیں۔ اصل میں اس مضمون میں مشہور جنگوں کا تفصیلی جائزہ لیا جاتا تھا...... اور تجزیہ کیا جاتا تھا۔ اس کا مقصد طلبا کے دلوں میں فتح کی اہمیت بٹھانا تھا۔ بہادری کے جذبات ابھارنا تھا۔ کبھی یہ مقصد پورا ہو جاتا تھا۔ اور کبھی نہیں پورا ہوتا تھا، بہر حال وہ سب کیلئے ایک لازمی کورس تھا۔

اس روز تاریخ عساکر کی کلاس میں نیف کا پلاٹون کے بیشتر ممبر موجود تھے، اور موضوع تھا این جنگ جو اٹیلا۔ کلاس انسٹرکٹر دبلا پتلا دراز قد بڈمین تھا۔

بڈمین کو اٹیلا میں ذاتی طور پر دلچسپی تھی، ویسے ہی جیسے شائقین موسیقی کسی کمپوزر سے اور پڑھنے والے لوگ کسی مصنف سے محبت کرتے ہیں۔ وہ جب بھی اٹیلا کے بارے میں پڑھتا تو اسے لگتا کہ تاریخ کے اوراق کے پار وہ اس شخص کی روح تک میں جھانک سکتا ہے۔ اور اس کا خیال تھا کہ اٹیلا کو کوئی صحیح طور پر سمجھ نہیں سکا۔

’’تاریخ بے چارے اٹیلا کے بارے میں جو کچھ بتاتی ہے، وہ سطحی ہے‘‘ بڈمین کہہ رہا تھا۔ ’’اس کے اقدامات کے غلط تشریح و توضیح پیش کی گئی۔ آپ کو یہ بات عجیب لگے گی کہ اٹیلا کے اپنے لوگ بھی اسے محض حکمراں سمجھتے تھے......‘‘

کلاس میں صرف ڈیمین تھا، جو توجہ سے سن رہا تھا، یہ بات اپنی جگہ بے حد عجیب تھی، کیونکہ تاریخ میں وہ کبھی اچھا نہیں رہا تھا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کے اندر تاریخ کیلئے ہمیشہ مزاحمت ابھرتی تھی۔ البتہ پچھلے دو تین ماہ میں وہ ان اہم لوگوں کی زندگی کی تفصیل میں بہت زیادہ دلچسپی لینے لگا تھا‘‘ جو کبھی اس زمین پر جئے تھے...... اور مر گئے تھے۔ اور ان کی زندگی اور موت، دونوں نے بے شمار لوگوں کی زندگیوں کو متاثر کیا تھا۔

’’دوسرے فاتحین کے برعکس اسے تباہی سے کوئی غرض نہیں تھی، اس سے پہلے کے بھی، اور اس کے بعد کے بھی۔

ان دنوں مارک کا ٹیڈی کے ساتھ بہت اچھا وقت گزر رہا تھا۔ ٹیڈی اب بالکل بدل گیا تھا۔ اب وہ مارک اور ڈیمین تھورن کے ساتھ رہنا پسند کرتا تھا۔

اس وقت مارک اور ٹیڈی ساتھ بیٹھے تھے۔ مارک ایک کاغذ پر کچھ لکھ رہا تھا اور ٹیڈی اس کاغذ کو دیکھتے ہوئے اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

’’درحقیقت اٹیلا کو حصول علم کا اتنا شوق تھا کہ اس نے صاحب علم رومیوں کو اپنے دربار میں مقام دیا......‘‘ بڈمین کہہ رہا تھا۔

اسی وقت مارک نے وہ کاغذ ڈیمین کو دکھایا۔ ڈیمین نے کیونکہ وہ کاغذ بالکل اچانک دیکھا تھا۔ وہ اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا اور بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔

بڈمین بولتے بولتے رک گیا۔ ’’یہ کون ہنسا......؟‘‘ اس نے پوچھا

ڈیمین فوراً ہی کھڑا ہو گیا، ’’میں ہنسا تھا سر‘‘

’’یہاں آؤ۔ اور یہ کاغذ اپنے ساتھ لاؤ‘‘

ڈیمین نے حکم کی تعمیل کی۔

مارک اپنی سیٹ پر بیٹھا پہلو بدلتا رہا۔ اسے احساس جرم ستا رہا تھا۔ ٹیڈی نے اس کے پاؤں پر مارتے ہوئے سرگوشی میں کہا، ’’بزدل!‘‘

تمام طلبا متوقع نظروں سے ڈیمین کو دیکھ رہے تھے، ان کی نگاہوں میں خوشی بھی تھی اور خوف بھی۔

بڈمین نے ڈیمین کے ہاتھ سے کاغذ لیا اور دیکھا، وہ اس کی اپنی تصویر تھی...... اور کافی اچھی تصویر تھی۔ تصویر میں اس کے ہاتھوں میں منگولوں کے کٹے ہوئے سر تھے، جنہیں وہ اوپر اٹھا کر دکھا رہا تھا۔

بڈمین کا غصے سے برا حال ہو گیا۔ نہ صرف یہ کہ اس کا مذاق اڑایا گیا۔ بلکہ اس کی آئیڈیل شخصیت اٹیلا کو بھی تضحیک کا نشانہ بنایا گیا۔ اور یہ حرکت بھی کلاس کے ذہین ترین طالب علم نے کی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ حرکت دراصل کسی اور کی ہے۔

بڈمین نے کاغذ کا گولا بنایا اور ڈسٹ بن میں اچھال دیا۔ ’’اس کا مطلب ہے کہ ہماری کلاس میں ایک باصلاحیت مصور موجود ہے‘‘ اس نے خوفناک لہجے میں کہا۔ ’’کیا بات ہے؟ کوئی گڑ بڑ ہے؟ تھورن...... میں تمہیں بور کر رہا ہوں؟‘‘

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

ڈیمین کو کوئی جواب نہیں سوجھ رہا تھا۔

بڈمین نے اسے زیادہ موقع بھی نہیں دیا۔ ''تم اس پیریڈ میں تفریح کر رہے ہو۔ میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اٹیلا کی جنگوں اور اسکی فتوحات کے بارے میں مکمل معلومات رکھتے ہو۔''

ڈیمین نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''جی سر...... اچھی خاصی معلومات ہیں مجھے'' اس کے لہجے کے انکسار میں بھی چیلنج تھا۔

اس کے جواب نے نہ صرف پوری کلاس کو حیران کیا، بلکہ وہ خود بھی اس پر حیران تھا۔

''اچھی خاصی معلومات!'' بڈمین نے تضحیک آمیز لہجے میں دہرایا۔ ''اگر اٹیلا کو اپنی جنگوں کے بارے میں مکمل معلومات کے بجائے صرف اچھی خاصی معلومات ہوتیں تو آج ہم اس کا نام بھی نہ جانتے'' وہ کہتے کہتے رکا اور اس نے آنکھوں کو سکیڑتے ہوئے ڈیمین کو گھورا۔ پھر اس نے تیز لہجے میں کہا ''ڈیمین تھورن، اٹیلا کے نام کے سوا تمہیں کچھ معلوم بھی ہے؟ مثال کے طور پر تم رومیوں سے اس کے تعلق کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟''

ڈیمین نے ایک اور گہری سانس لی۔ ''جی سر، میرا خیال ہے، جانتا ہوں'' اس نے کہا، حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ خود اس کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے...... اور کیوں کر رہا ہے۔

کلاس سرگوشیوں سے بھر گئی۔ سب لوگ سوچ رہے تھے کہ ڈیمین خود کو دلدل میں دھنسائے جا رہا ہے۔ اور سب جانتے تھے کہ وہ ہمیشہ ٹیچرز سے براہ راست تصادم سے احتراز کرتا ہے۔

''تو تمہارا خیال ہے کہ تم جانتے ہو'' بڈمین نے کہا ''چلو...... ذرا چیک کر کے دیکھیں۔ اچھا ڈیمین ستورن، تم مجھے بتاؤ کہ جب اٹیلا نے گاؤل فتح کیا تو اس کی افواج کی تعداد کیا تھی؟''

''پانچ لاکھ کے لگ بھگ سر'' ڈیمین نے جواب دیا، اسے احساس بھی نہیں تھا کہ اس نے جواب دیا ہے۔ اسے سوچنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ وہ خودکار انداز میں پھر بول اٹھا۔ ''لیکن چیلون کی جنگ میں ایٹیس نے اسے شکست دی، یہ 451ء کی بات ہے۔ شکست کھا کر وہ پلٹا اور اس نے شمالی اٹلی کو فتح کیا۔ لیکن وہ روم نہیں گیا۔

بڈمین گنگ ہو گیا۔ اسے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ لیکن اتنے طلبا کی موجودگی میں وہ پیچھے بھی نہیں ہٹ سکتا تھا۔ جو کچھ اس نے شروع کیا تھا، اسے اختتام تک پہنچانا بھی ضروری تھا۔

ویسے اسے ایسا لگا کہ یہ جواب انسا ئیکلو پیڈیا سے لیا گیا ہے اور انسا ئیکلو پیڈیا سے حاصل ہونے والی معلومات نامکمل ہوتی ہیں۔ مثلاً انسا ئیکلو پیڈیا کے کسی کیڑے سے پوچھا جائے تو وہ یہ تو بتا دے گا کہ کولمبس نے امریکا 1492ء میں دریافت کیا۔ لیکن اسے یہ معلوم نہیں ہوگا کہ کولمبس انڈیز میں کیوں موجود تھا اور یہ کہ اسے جستجو کس چیز کی تھی۔

چنانچہ بڈمین نے دوسرا حملہ کیا۔ وہ ایسا سوال تھا، جس کے جواب میں پورا مضمون لکھا جا سکتا تھا۔ ''اس نے روم کو کیوں نظر انداز کر دیا؟''

اس بار بھی ڈیمین ایک لمحہ بھی نہیں جھجکا۔ ''اس کا کریڈٹ عام طور پر پوپ لیواول کی سفارتی مہارت کو دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا اصل سبب اٹیلا کے پاس رسد کی کمی تھی......'' یہ کہتے کہتے ڈیمین کچھ جھجکا۔

بڈمین مسکرایا۔ لڑکا پھنس رہا ہے۔ اس نے سوچا۔

مگر ڈیمین کی آنکھوں کے سامنے ایک منظر لہرا رہا تھا...... جنسی اختلاط کا منظر۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اس کی تشریح و توضیح کرے۔ بالآخر اس نے کہا۔ ''اس کے فوجی جنسی محرومی کی وجہ سے طاعون جیسی بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے۔''

اس خطرناک جملے پر کئی طلبا نے بدمزگی کے اظہار کے لئے ہنکارے بھرے۔

بڈمین کو جلال آ گیا ''خاموش'' اس نے طلبا کو ڈانٹا۔ پھر وہ ڈیمین کی طرف مڑا۔ ''اٹیلا کی تاریخ پیدائش بتاؤ''۔

''وہ کسی کو نہیں معلوم سر۔''

''تخت نشینی کی تاریخ؟''

''445ء تا 453ء۔ اپنی آخری شادی کی تقریب میں نکسیر پھوٹنے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی''۔

اس بار پوری کلاس میں ہلچل مچ گئی۔

''شٹ اپ''۔ بڈمین حلق کے بل چلایا۔ اس کا اعتماد ہل گیا تھا۔ ڈیمین کے نزدیک تر ہوتے ہوئے اس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ''اس کے بھائی کا کیا نام تھا؟''

''بلیدا'' ڈیمین نے کہا۔ اور اس بار بھی اس نے صرف سیدھے جواب پر اکتفا نہیں کیا۔ اس کے اندر معلومات کا ایک ایسا چشمہ ابل رہا تھا، جس کی موجودگی کا اس سے پہلے اسے علم بھی نہیں تھا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اس کی موجودگی کلاس روم میں دھڑکتی محسوس ہو رہی تھی۔ ڈیمین کو یہ معلوم تھا کہ وہ جانتا ہے۔ لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ سب کچھ وہ کیسے جانتا ہے۔ وہ اٹیلا کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا...... ہر بات! وہ ایسا تھا، جیسے وہ اٹیلا کے دماغ میں جھانکنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ وہ اس کے خیالات، اس کے خواب، اس کے داہموں کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا...... ایسے جیسے وہ اس کے اپنے خیالات، خواب اور رابطے ہوں۔ ایسا تھا، جیسے وہ کسی پچھلی زندگی میں اٹیلا سے واقف رہا ہو۔ بلکہ جیسے وہ خود اٹیلا رہا ہو۔

''اٹیلا اور اس کے بھائی بلیدا کو ہن سلطنت 434ء میں ورثے میں ملی تھی'' وہ کہہ رہا تھا ''وہ مملکت ایلپس اور بالٹک سے کیسپیئن کے ساحل تک پھیلی ہوئی تھی''۔ اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر گویا اس مملکت کی وسعت کا اظہار کیا۔ ''دونوں بھائی ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے۔ انہیں ایک دوسرے سے جدا کرنا ممکن نہیں تھا''۔ یہ کہتے ہوئے اس کی نظریں مارک کے چہرے پر جمی تھیں۔

اس کی اس نگاہ نے مارک کے وجود میں ایک سنسنی سی دوڑا دی تھی۔

''...... اگرچہ اس سلسلے میں تاریخ کچھ نہیں بتاتی۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ 435ء اور 439ء کے دوران اٹیلا نے اپنے شمال اور مشرقی سرحدی علاقوں میں وحشیوں کی شورش ضرور کی''۔ اس نے بڈمین کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''اور آگے بڑھوں سر؟''

لیکن بڈمین جانتا تھا کہ اب ڈیمین رکنے والا نہیں۔ اس کا اپنا حال یہ تھا کہ وہ متعجب بھی تھا اور اس لڑکے سے دہشت زدہ بھی۔ لیکن اس کی کوئی باطنی حس اسے تلقین کر رہی تھی کہ اب وہ منظر نامہ تبدیل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ چنانچہ اس نے ڈیمین کو دیکھتے ہوئے سر کو اثباتی جنبش دی۔

''441ء میں سلطنت روما نے اٹیلا کو دیا جانے والا خراج روک دیا۔'' ڈیمین نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''نتیجہ یہ نکلا کہ اٹیلا نے ڈینیوب کے سرحدی علاقے پر حملہ کر دیا۔ وہ زبردست جنگ جو تھا۔ اس کا راستہ روکنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ایک سال بعد رومیوں نے صلح کر لی......''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اب پوری کلاس سحر زدہ ہو کر ڈیمین کو دیکھ رہی تھی۔

''ایک اچھا جنگ جو ہونے کے ساتھ ساتھ اٹیلا ایک ایک چالاک سیاست دان بھی تھا۔'' ڈیمین نے کہا۔ ''اپنی رعایا کے توہمات اور اعتقاد سے فائدہ اٹھانا اسے خوب آتا تھا۔ مثال کے طور پر اسکائی تھین لوگ ننگی تلوار کو دیوتا کا درجہ دے کر اس کی پرستش کرتے تھے۔ اگرچہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ دیوتا اب دنیا سے اٹھ گیا ہے''۔

''ایک دن ایک گڈریا اپنی ایک بھیڑ کی تلاش میں صحرا میں بھٹک رہا تھا کہ اسے ایک تلوار ریت میں اس حد تک دھنسی ہوئی نظر آئی، جیسے کسی نے آسمان سے اسے نوک کے بل زمین پر پھینکا ہو۔ وہ اس تلوار کو نکال کر اٹیلا کے پاس لے آیا۔ اٹیلا نے اس تلوار کو اپنی فوج کے سامنے لہراتے ہوئے دعویٰ کیا کہ اس نے میدان جنگ میں موت پر فتح حاصل کر لی ہے۔

طلبا اب ڈیمین کے ہر لفظ کو پوری توجہ سے سن رہے تھے۔ لیکن مارک ہر گزرتے لمحے کے ساتھ دہشت زدہ ہو رہا تھا۔

اب ڈیمین نے ایک ایسی بات کہی جو بڈمین نے نہ سنی تھی، نہ پڑھی تھی۔ ''ممکن ہے، اٹیلا نے وہ تلوار اس طرح بلند اس لئے کی کہ کبھی اسے بھی یوں اٹھایا جاتا تھا۔ اس کی ماں اسے اس طرح اٹھا کر سورج کے سامنے ہر روز کیا کرتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اگر وہ ہر روز ایک گھنٹے تک اٹیلا کو اپنے ہاتھ میں اٹھا کر سورج کے سامنے رکھے گی تو اس کے بیٹے کو سورج کی تمام طاقت اور توانائی مل جائے گی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس عمل کے نتیجے میں اٹیلا کی جلد جھلس گئی تھی اور اس کی سیاہ رنگت کا سبب یہی تھا۔'' ڈیمین سانس لینے کیلئے رکا۔ اس کا دل سینے میں یوں دھڑ دھڑا رہا تھا، جیسے پسلیوں سے سر ٹکرا رہا ہو۔ ''یہ اس وقت کی بات ہے، جب اٹیلا تین سال کا تھا۔ ''اس نے اپنی بات مکمل کی۔

بڈمین اب حیرت سے منہ کھولے اسے دکھ رہا تھا۔

لیکن ڈیمین کے پاس ابھی کہنے کو اور بھی تھا۔ کوئی طاقت اسے بولنے پر مجبور کر رہی تھی۔ ''اٹیلا اپنے بھائی سے بالکل مشابہ نہیں تھا۔ بات صرف رنگ کی نہیں تھی۔ دونوں کے نقوش میں نام کو بھی مشابہت نہیں تھی۔ اس کا سبب شاید یہ تھا کہ دونوں کے باپ الگ الگ تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ اٹیلا کی ماں نے کھلے عام متعدد لوگوں سے تعلقات استوار کر رکھے تھے''۔

''اٹیلا نے جب پہلی جنگ لڑی تو وہ میری عمر کا تھا۔ اس کی عمر اس عمر کی ایک پینٹنگ موجود ہے، جس میں اس کی تلوار بہ یک وقت تین دشمنوں کو نشانہ بنا رہی ہے۔ اس عمر میں وہ نہایت خوب رو تھا اور خواتین بڑی تعداد میں اس کی آرزو کرتی تھیں۔ اس کے فوراً بعد اس نے شیطان کے پجاریوں سے تعلق جوڑ لیا اور شیطان کی پرستش شروع کر دی......''۔

بڈمین کے نزدیک پانی اب سر سے گزر گیا تھا۔ ''یہ بکواس ہے''۔ اس نے غصے سے کہا۔ ''یہ تمہیں کہاں سے معلوم ہوا؟ مجھے حوالہ دو۔'' ''یہ حوالے کا حکم بڈمین کا خاص ہتھیار تھا۔

پہلی بار ڈیمین کی آواز لڑکھڑائی۔ ''میں...... یہ تو مجھے نہیں معلوم سر''۔ اب اس کے چہرے پر الجھن کا تاثر تھا۔ اس کی خود اعتمادی رخصت ہو چکی تھی۔ وہ یوں کھڑا تھا، جیسے کسی اجنبی مقام پر اچانک آ کھڑا ہوا ہو۔ جیسے اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہو۔

بڈمین نے موقع سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہا۔ ''اور اس کا بھائی...... وہ بھی شیطان کا پجاری بن گیا ہوگا''۔

ڈیمین کا کھویا ہوا اعتماد ایک دم لوٹ آیا۔ ''نہیں سر...... بالکل نہیں''۔ اس نے پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔ ''کیونکہ اس وقت تک اٹیلا اپنے بھائی کو قتل کر چکا تھا''۔

مارک کو اپنی سانسیں رکتی محسوس ہوئیں۔

اب ڈیمین جو کچھ کہہ رہا تھا، اس کا مطلب بھی اسے معلوم نہیں تھا۔ اندر جو معلومات امنڈ رہی تھیں، وہ بس انہیں باہر نکال رہا تھا۔ ''اسے اپنے بھائی کو قتل کرنا ہی تھا۔ کیونکہ وہ تنہا حکمرانی کرنا چاہتا تھا''۔ ڈیمین کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا، جیسے اٹیلا کے سامنے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا ہو۔ ''......اور پھر......'' اس کی آواز دھیمی...... بہت دھیمی ہو گئی، جیسے وہ کوئی بہت بڑا راز منکشف کر رہا ہو''۔ وہ خود کو نمرود اعظم کہنے لگا...... نمرود، خدا کا مقہور...... شیطان کا بیٹا...... اینٹی کرائسٹ''۔

کلاس روم میں سناٹا چھا گیا۔

اسی وقت دروازہ کھلا اور نیف تیز قدموں سے اندر آیا۔ وہ بڈمین کی طرف بڑھا، جو پسینے میں نہایا ہوا پوری جان سے یوں لرز رہا تھا، جیسے کسی بھی لمحے ڈھیر ہو جائے گا۔

نیف نے بڈمین سے سرگوشی میں کچھ کہا۔ بڈمین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

نیف ڈیمین کی طرف مڑا۔ ''تم میرے ساتھ آؤ''۔ اس نے ڈیمین سے کہا۔

ڈیمین خاموشی سے اس کے ساتھ چلا گیا۔

''بلیک بورڈ پر جو کچھ لکھا ہے، اسے اپنی کاپیوں پر اتار لو''۔ بڈمین نے طلبا سے کہا جو اب بھی سکتے کی سی کیفیت میں تھے۔ پھر وہ بھی ڈیمین اور نیف کے پیچھے نکل گیا۔

کلاس میں خوف ناک خاموشی تھی۔ پھر اچانک چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔

............x............

نیف ڈیمین کو راہ داری میں دور لے گیا تاکہ ان کی گفتگو کسی کو سنائی نہ دے۔ بڈمین واش روم کی طرف چلا گیا۔ اس وقت اس شدید پیاس لگ رہی تھی۔

''تم کیا کرنے کی کوشش کر رہے تھے ڈیمین؟''۔ نیف کے لہجے میں برہمی تھی۔ وہ پہلا موقع تھا کہ اس نے ڈیمین کو اس کے پہلے نام سے مخاطب کیا تھا۔

ڈیمین خود ششدر تھا۔ ''میں سوالوں کا جواب دے رہا تھا سارجنٹ''۔

نیف نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں۔ تم خود کو ظاہر کر رہے تھے...... اپنی حقیقت کھول رہے تھے''۔

ڈیمین کو اتنا ہوش بھی نہیں تھا کہ سوچ پاتا...... کہ نیف کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا۔ وہ جو کچھ کر چکا تھا، اسی میں الجھا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جو کچھ وہ کلاس میں کہتا رہا، اسے معلوم کیسے ہوا۔ ''لیکن مجھے ان سوالوں کے جواب معلوم تھے''۔ اس نے وضاحت کی کوشش کی۔ ''کیسے؟''۔ یہ مجھے نہیں معلوم۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجھے معلوم تھا کہ میں سب کچھ جانتا ہوں''۔

نیف کا لہجہ اب بھی سخت تھا۔ ''کچھ بھی ہو۔ تمہیں خود کو نمایاں نہیں کرنا چاہئے۔ تمہیں دوسروں کی نظروں میں نہیں آنا چاہئے''۔

''میں نے ایسی کوئی کوشش کی بھی نہیں''۔ ڈیمین نے احتجاج کیا۔ ''میں تو بس......''۔

نیف نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''وہ دن آئے گا، جب سب جان لیں گے کہ تم کون ہو۔ لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے''۔

یہی بات پال بوہر نے بھی کہی تھی۔ ڈیمین اور الجھ گیا۔ ''کون ہوں میں؟''۔ اب وہ خوف محسوس کر رہا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

یہ سب لوگ اسے اہمیت کیوں دے رہے ہیں۔ ایسا کیا ہے اس میں؟ اسے لگ رہا تھا کہ وہ پاگل ہو جائے گا۔

''تم بائبل پڑھو''۔ نیف نے کہا۔ ''پیش گوئیوں کا باب پڑھو۔ پڑھو...... دیکھو کہ اس میں تمہارے بارے میں...... ہاں تمہارے متعلق کیا لکھا ہے''۔

ڈیمین پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ضرور پڑھنا''۔ نیف کے لہجے میں اصرار تھا۔ ''پڑھو۔ پڑھو گے تو جانو گے۔ جانو گے تو سمجھو گے''۔

ڈیمین اس وقت چیخ چیخ کر رونا چاہتا تھا۔ ''یہ تو بتائیں کہ مجھے کیا سمجھنا ہے''۔ اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ''پلیز...... مجھے بتائیں''۔

نیف چند لمحے اسے بغور دیکھتا رہا۔ پھر وہ بولا تو اس کے لہجے میں ڈیمین کے لئے ادب اور احترام تھا۔ ''آپ کو یہ سمجھنا ہے کہ درحقیقت آپ کون ہیں''۔ یہ کہہ کر اس نے ڈیمین کے سامنے احتراماً سر خم کیا، پلٹا اور چلا گیا۔

ڈیمین وہاں کھڑا رہا۔ بہتے ہوئے آنسو اس کے رخساروں کو بھگو رہے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا بتانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ اسے بائبل ہی سے مدد لینا ہوگی۔ دیکھا تو جائے کہ کتاب میں اس کے بارے میں کیا لکھا ہے۔

اصل میں تو یہ دیکھنا تھا کہ کیا واقعی بائبل میں اس کے بارے میں کچھ لکھا ہے!

............x............

ڈیوڈسن ملٹری اکیڈمی کا بینڈ بڑا زبردست تھا۔ بینڈ کی ضرورت کھیل کے مقابلوں اور دیگر تقریبات کے دوران پڑتی تھی۔ مارک تھورن بگل بجانے والوں کا سربراہ تھا۔

کہتے ہیں کہ بگل کے سر بہت محدود ہوتے ہیں۔ لیکن مارک تھورن نے بگل کے اظہار جذبات کو وسعت اور گہرائی بخشی تھی۔ اسی لئے اسے غیر معمولی طور پر سراہا جاتا تھا۔ مارک کے نزدیک یہ بڑا اعزاز تھا کہ اسکول میں ہر بلاوا اس کے بگل کا مرہون منت ہوتا تھا۔

اس کیلئے اسے دوسرے طلبا کے مقابلے میں آدھا گھنٹا پہلے بیدار ہونا پڑتا تھا۔ مگر یہ بات اسے گراں نہیں گزرتی تھی۔ صبح سویرے وہ اسکول کے لاؤڈ اسپیکر سسٹم پر ''جاگو'' کی دھن بجاتا تو اسے خوشی ہوتی۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اکیڈمی کے لڑکوں کو اس کے بگل کی آواز سے جاگنا برا نہیں لگتا تھا۔ ورنہ لڑکپن کی نیند تو بہت ضدی ہوتی ہے۔ اور صبح بہت سویرے جگائے جانا کسی کو بھی اچھا نہیں لگتا۔ دوسری طرف رات کو سونے کے وقت مارک اپنے بگل پر...... سو جا، رات ہوئی...... کی دھن بجاتا تو سب لڑکوں کے لئے سو جانا جیسے آسان ہو جاتا۔

یہی کیفیت کھانے کے لئے میس کے بلاوے پر ہوتی تھی۔

اس روز کیونکہ بارش کا امکان تھا، اس لئے بینڈ والوں کی پریکٹس ان ڈور ہو رہی تھی۔ ڈومیٹری اس انداز میں بنائی گئی تھی کہ وہاں ان ڈور سرگرمیوں کی گنجائش تھی۔ تمام کمرے دوسری منزل پر تھے۔ اور یہ دوسری منزل ایک بالکونی کی طرح تھی اور عمارت کے چاروں طرف موجود تھی۔ ہر کمرے سے نیچے، عمارت کے وسط میں موجود پریڈ گراؤنڈ کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔

کلاس روم پہلی منزل پر تھے...... اقامتی کمروں کے عین نیچے۔ اس کے نتیجے میں نچلی منزل اتنی ہی کشادہ تھی، جتنی اوپری منزلیں۔ وہاں تمام ان ڈور سرگرمیاں ممکن تھیں۔

اس وقت وہاں بینڈ کی ریہرسل ہو رہی تھی۔ اور پریڈ کی ریہرسل بھی جاری تھی۔

اس وقت مارچ پریڈ کے لئے ''طوفانی'' دھن بجائی جا رہی تھی جو مارک کو بہت پسند تھی۔ وہ دھن میں کھویا ہوا تھا۔ اس کا اوپر اٹھتا، نیچے گرتا پاؤں تال دے رہا تھا۔

وہ سہ پہر کا وقت تھا۔ لیکن باہر اندھیرا چھا رہا تھا۔ وہ خالی پیریڈ تھا۔ جو طلبا بینڈ میں شامل نہیں تھے، وہ یا تو اپنے اپنے کمرے میں مطالعے میں مصروف تھے یا جمنازیم میں کسی ورک آؤٹ میں محو تھے۔

یہی وجہ ہے کہ ڈیمین کو کسی نے نہیں دیکھا، جو اس وقت ایک قبیح حرکت کر گزرا تھا۔ اس نے بڈمین کی بائبل چرا لی تھی۔

لڑکوں کے کمروں میں بائبل نہیں تھی۔ اسکول کی انتظامیہ نے فٹ بال کے کھیل تک پر کتابیں رکھیں تھیں۔ مگر وہ اپنے طلبا کو خوف خدا سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے بائبل فراہم کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

ڈیمین نے سب سے پہلے لائبریری کا رخ کیا تھا۔ لیکن بہت تلاش کرنے پر بھی وہاں اسے بائبل نہیں ملی۔ اس نے اپنے طور پر پوری لائبریری چھان ماری۔ لیکن ناکام رہا۔ کسی سے مدد لینا مناسب نہیں تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بائبل میں دلچسپی کا کسی کو علم ہو۔

وہ وقفے کا انتظار کرتا رہا۔ اس میں عام طور پر طلبا کامن روم یا اپنے کمرے کا رخ کرتے تھے اور ٹیچر اسٹاف روم میں چلے جاتے تھے۔ اور آج تو بینڈ بھی ان ڈور ریہرسل کر رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا...... شور!

وہ ذہین لڑکا تھا...... اپنے لئے راہیں بنانے والا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ اسٹاف میں صرف بڈمین ہی ایسا ہے، جس کے پاس بائبل کی موجودگی کا امکان ہے۔ بس اس کے کمرے کی تلاشی لینی ہوگی۔ اور اس کام کے لئے وقفہ بہت مناسب تھا۔

وقفے میں وہ بڈمین کے کمرے میں چلا گیا۔ اکیڈمی کا ایک اصول تھا۔ کمروں کے دروازے لاک نہیں کئے جاتے تھے۔ دروازے لاک کرنے کا مطلب یہ ہوتا کہ طلبا سے چوری کا خدشہ ہے۔ لہٰذا یہ اکیڈمی کے لئے عزت کا مسئلہ تھا۔

بڈمین کی ڈیسک کے عقب میں رکھے کتابوں کے شیلف میں کنگ جیمز بائبل کے کئی ایڈیشن موجود تھے۔ ڈیمین نے ان میں سے بوسیدہ ترین نسخے کا انتخاب کیا۔ اس کے خیال میں بڈمین کو اس کی کمی کا احساس بھی نہیں ہوگا۔ اس نے سوچا تھا کہ شام میں اس کا مطالعہ کرے گا اور رات کو بائبل دوبارہ اسی جگہ رکھ جائے گا۔

اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے خون اسے اپنی کنپٹیوں پر ٹھوکر مارتا محسوس ہو رہا تھا۔

ان کے کمروں میں دروازے نہیں تھے۔ پردے تھے جو دروازوں کا کام دیتے تھے۔ کسی کے تخلیے کی ضرورت ہوتی تو وہ پردے سرکا کر بند کر دیتا۔

ڈیمین نے کمرے میں داخل ہو کر پردوں کو سمیٹ دیا۔ کرنل کا قول اسے یاد تھا...... لاک کی ضرورت اسے ہوتی ہے، جو کچھ چھپانا چاہتا ہو اور ڈیمین نہیں چاہتا تھا کہ پردے کھنچے دیکھ کر کوئی اس انداز میں سوچے۔

وہ بیٹھ کر خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ اس نے اسے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ ان لمحات کی سنسنی اور ہیجان نے اسے چکرا کر رکھ دیا تھا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اب اسے یہ جاننا تھا کہ وہ درحقیقت کون ہے؟

یہ زاویہ نظر ہی خوف زدہ کر دینے والا تھا۔ دنیا میں کتنے لوگ ایسے ہوں گے جنہیں اگر یہ بتایا جائے کہ انہیں اپنے وجود کو حقیقت کا علم کوئی خاص کتاب پڑھ کر ہوگا، تو وہ اس کتاب کو کھولنے کی ہمت کر سکیں گے۔

لیکن ڈیمین تھورن میں یہ حوصلہ تھا۔ اس نے چرائی ہوئی بائبل جیب سے نکالی اور پیٹ کے بل لیٹتے ہوئے کتاب کو کھولا۔ اس نے وہ صفحات کھولے، جن میں پیش گوئیوں کا باب تھا۔

''پوری دنیا درندے کے بارے میں سوچتی تھی۔ وہ ڈریگن کی پرستش کرتے تھے، جو درندے کی طاقت کا منبع تھا اور وہ درندے کی پرستش کرتے تھے......وہ کہتے تھے...... درندے جیسا کوئی نہیں۔ بھلا کون ایسا ہے جو اس سے جنگ کر سکے؟''

ڈیمین نے کتاب سے سر اٹھایا اور سوچنے لگا۔ اس عبادت کا مطلب کیا ہے آخر؟ اسے مارک کا خیال آیا جو ابتدا ہی سے اس سے پرستش کی حد کو پہنچی ہوئی محبت کرتا تھا اور اب ٹیڈی کا بھی یہی حال تھا۔ اسے پال بوہر کا......اور پھر سارجنٹ نیف کا خیال آیا۔ وہ کس طرح اسے ایک الگ اور ممتاز مقام دیتے تھے۔ وہ اسے احساس دلاتے تھے کہ اس میں کوئی خاص بات ہے۔ وہ اسے خود سے بڑھ کر اہمت دیتے تھے۔ اسے اپنی کھیل کی اہلیت کا خیال آیا۔ عجیب بات تھی۔ کسی بھی میدان میں کوئی بھی اسے شکست نہیں دے پاتا تھا۔

اس کے جسم میں سنسنی دوڑ رہی تھی۔ اس نے اگلی عبارت پڑھی......

''میں نے اسے دیکھا۔ روئے زمین کے تمام بادشاہ اور ان کی فوجیں اس سے برسرپیکار ہونے کے لئے یک جا ہو گئی تھیں اور وہ گھوڑے پر سوار تھا......''۔

ڈیمین کو یاد آیا کہ وہ اٹیلا کو کس قدر واضح طور پر سمجھ رہا تھا اور اسے کیسے صاف مناظر دکھائی دیئے تھے اور کیسے روانی سے وہ باتیں کر رہا تھا......ایسے جیسے وہ خود ہی اٹیلا ہو......گھوڑے پر سوار، اپنے جنگ جوؤں میں گھرا، جو اس کے شیطانی حکم کے منتظر تھے۔

وہ تھوک نگل کر رہ گیا۔ اس کے اندر ایسا طوفان اٹھ رہا تھا، وہ دھماکے سے پھٹ جائے گا۔ وہ بیڈ سے اٹھا اور اضطراب کے عالم میں ٹہلنے لگا۔ اسے حرکت میں آنا تھا۔ اسے کچھ کرنا تھا۔ اگرچہ اس کا خوف بہت بڑا تھا۔ لیکن اپنے بارے میں جاننے کی خواہش اس خوف سے بھی بڑی تھی۔

وہ پھر بیٹھ گیا اور اس نے کتاب اٹھالی۔ پڑھتے ہوئے اس کی آنکھیں جل رہی تھیں......

''اور وہ آتشی درندہ، جسے میں نے دیکھا، وہ دیکھنے میں چیتے جیسا تھا۔ مگر اس کے پاؤں ریچھ کے تھے اور اس کی تھوتھنی شیر کی سی تھی اور ڈریگون اسے اپنی آتشی طاقت دے رہا تھا......طاقت اور قابو پانے کی صلاحیت!''۔

ڈیمین سمجھ رہا تھا کہ وہ عبارت علامتی ہے۔ استعاروں میں، اشاروں میں بات کی جا رہی ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ کیسے، بہرحال وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اٹیلا کا بھی اسی طرح کا نقشہ کھینچا جاتا تھا۔ جنگ سے واپس آنے کے بعد اس کے سپاہی اس کے بارے میں کہانیاں سناتے تھے کہ وہ کتنی بے جگری سے لڑا۔ میدان جنگ میں اس کی وحشت کتنی زیادہ تھی اور لڑتے ہوئے وہ کیسا لگ رہا تھا۔ ڈیمین سمجھ سکتا تھا کہ وہ کہانیاں کس انداز میں پھیلتی اور بڑھتی ہوں گی۔ ہر دوسرا آدمی اپنی سنی ہوئی کہانی کو دوسروں کو سناتے ہوئے اس میں کس طرح اضافے کرتا ہوگا۔ داستانیں اس طرح تو جنم لیتی ہیں۔ اسی طرح اٹیلا کو ایسا خوف ناک درندہ بنا دیا گیا ہوگا، جس کا مقابلہ کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں تھی۔

اس نے سوچا، کیا کبھی ایسا ہوگا کہ لوگ اس کے بارے میں بھی ایسی ہی داستانیں سنایا کریں گے......

اس نے بائبل میں آگے پڑھا......

''اور اس کی پالیسی ایسی ہوگی کہ ہاتھ کا ہنر پھلے پھولے گا۔ وہ دل میں خود کو بڑا......بہت بڑا سمجھے گا۔ اس کا امن بھی بہت سوں کی تباہی کا باعث ہوگا اور وہ شہزادوں کے شہزادے کے مقابلے میں سر اٹھائے گا......''۔

ڈیمین کو پال بوہر کی بات یاد آئی......تمہیں تھورن فیملی کی دولت کا پتا ہونا چاہئے۔ آخر ایک دن وہ تمہاری ہی ہوگی۔

لیکن شہزادوں کے شہزادے کے مقابلے میں سر اٹھانا! یہ کیسے ممکن ہے؟ ابھی تو میں چھوٹا ہوں۔ لیکن اسے اپنے اندر طاقت......بے پناہ طاقت کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا۔

اب اسے یہ احساس بھی ہو رہا تھا کہ اس پر بے حد خوف ناک اور بہت بڑی ذمہ داری کا بوجھ ہے اور یہ بوجھ اس کی رضا کے بغیر اس پر ڈالا گیا ہے۔ خوف سے اس کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔ اب اسے وہ تختہ برا لگ رہا تھا، جس نے اسے پوری کلاس میں ممتاز کر دیا تھا۔ وہ تو اس کے لئے بوجھ تھا......بہت بھاری پتھر، جو اس کے کندھے پر رکھ دیا گیا تھا۔ کاش اس میں اتنی طاقت ہوتی کہ وہ اس بوجھ کو اپنے کندھے سے اتار پھینکتا۔

ابھی اسے اور پڑھنا تھا۔ اس نے بائبل پر نظریں جمائیں۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ حروف اسے تیرتے محسوس ہو رہے تھے۔

''انسان چھوٹے ہوں یا بڑے، امیر ہوں یا غریب، آزاد ہوں یا غلام، وہ ان سب کو ان کے داہنے ہاتھ پر پیشانی پر ایک نشان ڈالے گا۔ سوائے ان لوگوں کے جن کے پاس وہ نشان ہوگا یا عفریت کا نام ہوگا یا اس کا عدد ہوگا، کوئی شخص آزادانہ تجارت نہیں کر سکے گا۔ نہ کچھ خرید سکے گا، نہ فروخت کر سکے گا۔

وہ ولیوں سے، نیکوں سے جنگ کرے گا اور انہیں زیر کرے گا۔ اسے تمام برادریوں، تمام زبانوں اور تمام قوتوں پر بالادستی دی جائے گی''۔

ڈیمین کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس وقت اس کے بس میں ہوتا تو وہ آگے ہرگز نہ پڑھتا۔ جو کچھ اس نے اب تک پڑھا تھا، وہ اسے بھلا دیتا۔ وہ بائبل واپس رکھ آتا، اسے کہیں پھینک دیتا یا جلا ڈالتا۔ لیکن وہ بے بس تھا۔

اس نے بائبل ایک طرف اچھال دی۔ وہ مخالف دیوار سے ٹکرا کر فرش پر گری۔ برابر کے کمرے میں موجود کیڈٹ نے دیوار پر ہاتھ مار کر احتجاج کرتے ہوئے خاموشی کی اپیل کی۔

ڈیمین چند لمحے ساکت وصامت کھڑا فرش پر پڑی بائبل کو گھورتا رہا۔ عجیب بات تھی۔ بائبل اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ ایک طرف اسے لگ رہا تھا کہ وہ اسے چھوئے گا تو یہ اسے جلا دے گی۔ لیکن دوسری طرف وہ اسے بلا رہی تھی......مجبور کر رہی تھی کہ وہ اسے اٹھائے، اسے پڑھے۔ وہ جانتا تھا کہ اب وہ اس اسرار کے بہت قریب پہنچ گیا ہے اور اسے اس اسرار کو ہر حال میں سمجھنا تھا۔ خواہ اس کے لئے اس کی روح رہن رکھ دی جائے۔

اس نے بڑھ کر بائبل اٹھائی اور وہ صفحہ کھولا، جسے وہ پڑھ رہا تھا۔ کتاب کے صفحے مڑ گئے تھے۔

اس کے جسم میں تھرتھری سی دوڑ گئی، جیسے اسے بخار چڑھ رہا ہو۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اسرار سے پردہ اٹھنے ہی والا تھا۔

اس نے دوبارہ پڑھنا شروع کیا......

''یہ علم ودانش ہے، ان کیلئے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ تمہیں عفریت کا عدد بتایا جا رہا ہے شیطان کا عدد اور یہ انسان عدد ہے۔ اسے یاد رکھو، یہ عدد ہے چھ سو چھیاسٹھ......چھ، چھ، چھ......تین چھکے''۔

ڈیمین نے جھٹکے سے کتاب بند کر دی۔ گویا ثبوت موجود تھا۔ نشان! اور اگر وہ نشان سے پاک ہے تو وہ آزاد ہوگا......آزاد اور محفوظ!

بائبل کو سینے سے لگائے ہوئے وہ اپنے کمرے سے نکلا۔ حالانکہ بائبل سے اسے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ اس کے پرزے کر کے پھینک دے۔ اب اسے اس کی پروا بھی نہیں تھی کہ کوئی اسے دیکھ لے گا۔ وہ تیز قدموں سے واش روم کی طرف لپکا۔

واش روم میں کوئی بھی نہیں تھا۔ باہر کے اندھیرے کے مقابلے میں ٹائل کے فرش کی وجہ سے واش روم بہت روشن روشن لگ رہا تھا۔ باہر اب ہوا بھی تیز ہو گئی تھی اور درختوں کی وجہ سے اس کی آواز پر شور لگ رہی تھی۔

ڈیمین نے لرزتے ہاتھوں سے بائبل سنک پر رکھی اور آئینے کی طرف متوجہ ہوا۔ آئینے پر جا بجا ٹوتھ پیسٹ کے داغ تھے۔ اس کے ذہن میں اس معاملے میں کوئی اشتباہ نہیں تھا کہ وہ کس چیز کی تلاش میں ہے۔ اس نے ہتھیلی سے رگڑ کر آئینے کو قدرے صاف کیا اور پھر آئینے میں دیکھا۔

یہ تو طے تھا کہ اس کے داہنے ہاتھ پر وہ نشان ہرگز موجود نہیں ہے۔ کیونکہ اپنے ہاتھوں کو اب تک وہ ہزاروں بار دیکھ چکا تھا۔ اس کے باوجود اس نے بہت احتیاط اور غور سے اپنے ہاتھ کا جائزہ لیا۔

لیکن نہیں۔ اس کا ہاتھ ہر اعتبار سے نارمل تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ اسے دوسرے مقام کو چیک کرنا ہے۔

اس نے لرزتے ہاتھوں سے اپنے بالوں کو اوپر اٹھایا اور غور سے اس جگہ کو دیکھا، جہاں بال تھے۔

مگر وہاں بھی کوئی نشان نہیں تھا!

اس نے ایک اور جگہ سے بالوں کو ہٹایا اور متلاشی نگاہوں سے پیشانی کا جائزہ لیا۔

نشان موجود نہیں تھا!۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ پاگل تو نہیں ہو رہا ہے۔ اس نے یہ سوچ کیسے لیا کہ اس کے ساتھ یہ خوفناک معاملہ ہو سکتا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ بڑے لوگ اس کے اندر خوف پھونکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب وہ تیرہ سال کا تھا......یعنی وہ مرد بن گیا تھا۔ ممکن ہے، یہ مردانگی کی ابتدائی مقناطیسی لہر ہو۔ ممکن ہے، یہ جنسی خواہش کا آغاز ہو۔ ممکن ہے، یہ وہ لہر ہو جو لوگوں کو پاگل کر دیتی ہے۔

کوئی اور لڑکا ہوتا تو یہ سوچ کر کہ جو کچھ دیکھنے کی اسے امید ہے، لیکن وہ دیکھنا نہیں چاہتا ہے، آئینے کے سامنے سے ہٹ جاتا۔ لیکن ڈیمین کے لئے یہ ممکن نہیں تھا۔ اسے تو اپنے تھورن ہونے پر فخر تھا اور تھورن لوگ کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑتے تھے۔ اسے بھی بچپن سے یہی سکھایا گیا تھا۔

اس بار ڈیمین اپنا ہاتھ سر پر زیادہ اوپر لے گیا......اور اس کے بعد اس نے اپنے بالوں کو درمیان سے پھاڑ کر دیکھا......پیشانی کے اوپر! اور وہاں وہ نشان موجود تھا۔

اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں تھی کہ اس نشان کو پہلے کسی نے نہیں دیکھا۔ وہ بہت چھوٹا تھا۔ لیکن اتنا ہی واضح تھا۔ تینوں ہندسے چھوٹے چھوٹے مگر بالکل صاف اور واضح تھے......666!

ڈیمین کو اپنی سانس رکتی محسوس ہوئی۔ وہ شاک کی حالت میں تھا۔ لڑکھڑاتا ہوا وہ دیوار سے جا لگا۔ تو وہ سچ تھا۔ ہر وہ بات سچ تھی، جس کے سچ ہونے سے وہ ڈر رہا تھا۔ جن باتوں کی طرف پال بوہر اشارے کر رہا تھا۔ جو باتیں نیف نے اسے بتائی تھیں۔ وہ سب سچ تھا!۔

ارے......ابھی تو وہ چھوٹا لڑکا ہے۔

اسے خود پر ترس آنے لگا۔ وہ واش روم سے جھپٹ کر باہر نکلا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ بائبل اب بھی اس کے سینے سے لگی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے، کہاں جائے۔ بس وہ اتنا جانتا تھا کہ اس وقت اسے تنہائی کی ضرورت ہے۔

وہ زینے کی طرف گیا۔ نیچے بینڈ اب بھی پریکٹس کر رہا تھا۔ وہ باہر نکل رہا تھا کہ مارک نے اسے دیکھ لیا۔ ''ڈیمین''۔ اس نے اسے پکارا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

لیکن ڈیمین بڑھتا رہا۔ بڈمین کے آفس کے سامنے وہ رکا۔ اسے بائبل واپس رکھنی تھی۔ یعنی آفس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ بڈمین اندر موجود ہے۔ اس نے بائبل کچھ دور فرش پر رکھ دی اور پلٹ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ بلڈنگ سے باہر تھا۔ کھیل کے میدان سے گزر کر وہ گیٹ سے باہر نکلا اور سڑک پر آ گیا۔ سڑک پر وہ دوڑتا رہا...... ایسے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں دوڑا تھا۔ وہ اسکول سے بھاگنے...... دور، بہت دور جانے کے لئے بھاگ رہا تھا...... اور وہ نیف سے، پال بوہر سے، بائبل سے اور اس خوف ناک آگہی سے فرار چاہتا تھا...... یہ آگہی کہ وہ درحقیقت کون ہے۔

بلکہ درحقیقت تو وہ خود سے بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ سڑک پر بھاگتا رہا۔ یہاں تک کہ اسے لگا کہ اس کے پھیپھڑوں میں دہکتی آگ بھر گئی ہے اور اس کی ٹانگیں من من بھر کی ہو گئی ہیں اور انہیں اٹھانا اس کے بس میں نہیں رہا ہے۔

بالآخر ایسا لگنے لگا کہ اب اس نے مزید ایک قدم بھی بڑھایا تو وہ مر جائے گا۔ تب وہ لڑکھڑاتا ہوا ایک درخت کے نیچے بیٹھا اور اس کے تنے سے لپٹ کر، پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھا کر سیاہ آسمان کو دیکھا۔ پانی سے بھرے ہوئے بادل جمع ہو رہے تھے۔ پھر بجلی کڑکنے لگی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ احتجاج ہے یا سپردگی۔

وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

جس درخت کے نیچے وہ بیٹھا تھا، اس کی اوپر کی شاخوں پر ایک بے حد جسیم کوا بیٹھا تھا۔ اس نے اپنا سر ٹیڑھا کیا اور نیچے روتے ہوئے ڈیمین کو دیکھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں فاتحانہ چمک لہرا گئی۔

..................x..................

اس رات دو کرشمے ہوئے۔ ڈیمین انہیں دیکھتا تو اسے شاک لگتا۔ لیکن وہ انہیں سمجھ بھی جاتا۔

پہلا کرشمہ پال بوہر کے بیڈروم میں ہوا۔ پال بوہر سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس نے اپنے داہنے ہاتھ کی چوتھی انگلی میں موجود انگوٹھی کو چھوا۔ جب اسے ذمہ داری سونپی گئی تھی تو وہ انگوٹھی بھی دی گئی تھی۔

پال بوہر نے اس رات وہ انگوٹھی اتاری تو اسے اپنی انگلی پر وہ نشان نظر آیا، جس کا وہ منتظر تھا۔ وہ ہندسے بہت چھوٹے تھے...... اتنے چھوٹے کہ انہیں آسانی سے دیکھا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

پال کی خوشی کی کوئی حد نہیں تھی۔ اسے 666 کا نشانہ دے دیا گیا تھا۔ بالآخر اسے قبول کر لیا گیا تھا۔

دوسرا کرشمہ ڈینیل نیف کے بیڈروم میں رونما ہوا۔

نیف نے دانت برش کئے اور منہ دھونے کے بعد اپنے بالوں کو ہاتھوں سے پیچھے دھکیلا اور آئینے کی طرف جھک کر اپنے عکس کو دیکھا۔ ذمہ داری سونپے جانے کے بعد سے یہ اس کا ہر رات کا معمول تھا۔

لیکن یہ رات گزری ہوئی تمام راتوں سے مختلف ثابت ہوئی۔ بالآخر اسے وہ نشان دے دیا گیا تھا...... تین ہندسے...... 666۔ اب دنیا کی کوئی طاقت ان کی پیش قدمی کو نہیں روک سکتی تھی۔

..................x..................

رات سوا دس بجے کا وقت تھا۔ مارک سوتے میں کسمسایا۔ وہ سو تو رہا تھا۔ لیکن وہ نیند نہیں تھی۔

بینڈ ریہرسل سے نمٹ کر وہ اپنے اور ڈیمین کے مشترکہ کمرے میں آیا تو بستر کی چادریں فرش پر پڑی نظر آئیں۔ وہ ڈیمین کے بستر کی چادریں تھیں۔ اس نے سلیقے سے ڈیمین کا بستر تیار کیا اور پھر اپنے بستر پر لیٹ گیا۔

وہ فکر مند تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا گڑبڑ ہو رہی ہے۔ سب سے پہلے تو ڈیمین نے کلاس میں بے قابو ہو کر بڈمین سمیت سب کو حیران کر دیا اور بعد میں اس نے ڈیمین کو باہر جاتے دیکھا۔

پورے دن انہیں بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ڈیمین کو اس نے اکیڈمی سے باہر جاتے دیکھا تھا...... اور ابھی تک وہ واپس نہیں آیا تھا۔ مارک خوف زدہ تھا اور اسی وجہ سے اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ پھر بھی آنکھ تو لگ جاتی ہے۔ وقفے وقفے سے جھپکی تو آ جاتی ہے۔

بالآخر اسے ڈیمین کے دبے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے کروٹ بدلی۔ ڈیمین قریب کھڑا اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

''تم کہاں تھے؟'' مارک نے فکر مندی سے پوچھا۔ ''میں بہت پریشان رہا ہوں''۔

ڈیمین نے کچھ نہیں کہا۔ وہ بڑھا اور اپنے بستر پر لیٹ گیا، وہ چھت کو تک رہا تھا۔ اس نے اپنا پھیلاؤ سمیٹنے اور بستر درست کرنے پر مارک کا شکریہ بھی نہیں ادا کیا۔ ورنہ عام حالات میں وہ بہت مہذب لڑکا تھا۔

''ڈیمین''۔ مارک کی سرگوشی میں تڑپ تھی۔

لیکن اسے جواب نہیں ملا۔

''ڈیمین، تم ٹھیک تو ہو نا؟'' مارک نے سرگوشی میں پوچھا۔

مگر ڈیمین بدستور چھت کو تکے جا رہا تھا۔ لمحے دبے پاؤں گزر رہے تھے۔

بالآخر کچھ دیر بعد ڈیمین نے کہا۔ ''اب میں ٹھیک ہوں۔ لائٹ آف کر دو۔ ورنہ جواب طلبی ہو گی''۔

مارک نے لائٹ آف کر دی۔ چند لمحوں کے لئے بغیر دروازے کا کمرا مکمل طور پر تاریک ہو گیا۔ مگر پھر ان کی نگاہیں اندھیرے سے ہم آہنگ ہو گئیں۔ مارک نے دیکھا کہ ڈیمین اب بھی چھت کو تک رہا ہے۔ ''تم ٹھیک تو ہو نا ڈیمین؟'' اس نے پرتشویش لہجے میں پوچھا۔

''سو جاؤ''۔ ڈیمین کا لہجہ خلاف معمول سخت تھا۔ پھر اس نے کروٹ بدلی اور آنکھیں موند لیں۔ چند ہی لمحوں میں وہ سو گیا۔

لیکن مارک کو بہت دیر میں نیند آئی۔

..................x..................

پیاریان اپنا بے حد پھولا ہوا بریف کیس لئے ہوئے جہاز سے اترا۔ وہ بری طرح تھک گیا تھا۔ وہ تھورن انڈسٹریز کا جیٹ طیارہ تھا جو نان اسٹاپ سے انڈیا سے واپس لایا تھا۔

پیاریان سب سے پہلے پبلک فون کی طرف لپکا۔ حالانکہ وہ ہفتے کی شام تھی۔ لیکن پیاریان جانتا تھا کہ کال کرنا بہت ضروری ہے، اسے رچرڈ تھورن کو فوری طور پر بتانا تھا کہ کیا ہوا ہے۔

پیاریان کے پاس اس وقت ہندوستانی سکوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ خوش قسمتی سے اس کے پاس کمپنی کے ایک کریڈٹ کارڈ کا نمبر موجود تھا۔ اس نے نمبر ڈائل کیا اور رابطہ ہونے کے انتظار میں بوتھ کی دیوار تھپ تھپاتا رہا۔ وہ نروس ہو رہا تھا۔

دوسری طرف سے بٹلر نے فون ریسیو کیا۔ اس نے کہا کہ رچرڈ تھورن سے اس وقت رابطہ ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ اس وقت باہر ہے اور اس کی واپسی دیر سے ہو گی۔ تاہم اس نے یقین دلایا کہ اس کا پیغام صبح سویرے رچرڈ تھورن کو دے دیا جائے گا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

پیاریان کو مایوسی ہوئی۔ اس نے سوچا، اب وہ کیا کرے۔ اگر وہ صبح تک انتظار کرے گا تو صورت حال بدتر ہو جائے گی۔ یہ بھی تھا کہ صرف رچرڈ تھورن ہی کو اطلاع دی جاسکتی تھی۔ معاملے کی نوعیت ہی ایسی تھی۔

اس کے دماغ میں بحث چلتی رہی۔

کچھ دیر کے غور و فکر کے بعد بالآخر پیاریان نے فیصلہ کر لیا۔ اگرچہ اس کی عقل اور اس کا وجدان اس فیصلے کی مخالفت کر رہے تھے۔ لیکن انہیں نظر انداز کر کے پیاریان نے دوبارہ ریسیور اٹھا لیا۔ اس بار وہ پال بوہر کا نمبر ملا رہا تھا۔

..................X..................

پال بوہر کے اپارٹمنٹ کی لوکیشن اور آرائش میں وہ بات نہیں تھی، جو ایک گھر میں ہونی چاہئے۔ ایک تو اپارٹمنٹ بہت چھوٹا تھا۔ دوسرے وہ بے حد غیر ذاتی لگتا تھا۔ ایسا جیسے آفس ہوتے ہیں۔

اپارٹمنٹ میں ایک بڑی خوبی بھی تھی...... اور وہ تھا وہاں سے حاصل ہونے والا نظارہ۔ وہاں سے شکاگو کا ایسا خوب صورت منظر نظر آتا تھا کہ دیکھنے والے کی سانسیں رکنے لگیں۔ باقی اس اپارٹمنٹ کو دیکھ کر صاف لگتا تھا کہ اسے صرف مستعدی کے فروغ کیلئے ڈیزائن کیا گیا ہے اور اس مقصد کے لئے ذاتی پچ اور گھریلو پن کو بھینٹ چڑھا دیا گیا ہے۔

فون کی گھنٹی بجی تو پال بوہر مطالعہ کر رہا تھا۔ پال نے اپنے اپارٹمنٹ میں فونز کا سسٹم ایسا رکھا تھا کہ وہ کہیں بھی موجود ہو، اسے فون ریسیو کرنے کیلئے اٹھنا نہ پڑے۔ بلکہ وہیں فون ریسیو کر سکے۔

اس نے ہاتھ بڑھایا اور ریسیور اٹھا لیا۔ ''بوہر اسپیکنگ''۔ دوسری طرف ایک لمحے کا توقف تھا۔ پھر ڈیوڈ پیاریان کی جھجکتی آواز سنائی دی۔ ''پال...... میں ڈیوڈ بول رہا ہوں۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے''

''تم کہاں ہو؟'' پال بوہر کی آواز بھنچنے لگی۔

''یہاں شکاگو میں...... ایئرپورٹ پر۔ مجھے جلدی آنا پڑا۔ ایک مسئلہ ہو گیا ہے''۔

''تم سیدھے یہاں آ جاؤ''۔ پال نے تیز لہجے میں کہا۔

..................X..................

عین اس وقت رچرڈ تھورن اور این ایک دوسرے کی قربت سے محظوظ ہو رہے تھے۔ اس وقت وہ ہر فکر سے آزاد تھے۔ بچے اسکول جا چکے تھے۔ مہمان داری کا بھی کوئی امکان نہیں تھا۔ نہ کوئی ضروری فون کرنا تھا۔ چنانچہ انہوں نے آؤٹنگ کا پروگرام بنا لیا۔ وہ برف گاڑی کی تفریح کے ارادے سے نکل آئے۔

وہ پرانے طرز کی بڑی برف گاڑی تھی۔ وہ اتنی بھاری تھی کہ عام گھوڑے اسے کھینچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اتفاق سے ایک سال پہلے رچرڈ کے ایک دوست نے اسے اسکاٹ گھوڑوں کی جوڑی تحفے میں دی تھی۔ وہ اس گاڑی میں جوت دے گئے۔

برف گاڑی پر رنگ اور اس کی آرائش این نے خود کی تھی۔ اس نے اس میں گھنٹیاں بھی لگائی تھیں۔

آج انہوں نے زبردست تفریح کی تھی۔ برف میں پرخطر راستوں پر بے حد تیز رفتار، سنسنی خیز اور طویل سفر اور اب وہ خوشی سے سرشار، گھر واپس جا رہے تھے۔ گھنٹیوں کا جل ترنگ، گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز...... گھر پر پہلے ہی خبر پہنچ گئی کہ وہ واپس آ رہے ہیں

اور برف گاڑی کے اندر کا ماحول بھی بے حد خوب صورت تھا۔ رچرڈ اور این ایک دوسرے کے بہت قریب، ایک ہی کمبل میں لپٹے ہوئے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ آخر انہوں نے دنیا میں ایسا کیا کیا ہے کہ اتنی سچی خوشی کے حق دار ٹھہرائے گئے......

..................X..................

گھر میں داخل ہوتے ہی رچرڈ کو پیاریان کا چھوڑا ہوا پیغام مل گیا۔ اس نے فوری طور پر اسے فون کیا۔ لیکن وہ اپنے گھر میں موجود نہیں تھا۔

رچرڈ نے کندھے جھٹکے اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''کیا ہوا؟'' این نے پوچھا۔

''وہ موجود نہیں ہے۔ کوئی بات نہیں۔ میں کل اس سے مل لوں گا۔ کوئی بہت اہم بات تو ہو نہیں سکتی''۔

''اس سے زیادہ اہم کوئی چیز نہیں ہو سکتی، جو میرے پاس ہے...... تمہارے لئے...... محبت!'' این نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں اوپر جانے والے زینے کی طرف بڑھ گئے۔

..................X..................

ڈیوڈ پیاریان بے حد تھکا ہوا تھا۔ کافی کے گھونٹ بھی اس کی تھکن کم کرنے میں ناکام رہے تھے اور وہ صرف تھکا ہوا ہی نہیں تھا بلکہ آزردہ بھی تھا۔ پال نے اسے ڈرنک آفر کیا تھا۔ مگر اس نے منع کر دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ڈرنک لیتے ہی اسے نیند آنے لگے گی۔

پال بوہر اپنا ڈرنک ہاتھ میں لئے کھڑکی کے پاس کھڑا باہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔ اصل میں تو وہ ہر اس بات کو اپنے دماغ میں جذب کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ جو پیاریان نے ابھی اسے بتائی تھی۔

''تو تمہارے خیال میں وہ شخص صرف اس لئے قتل کر دیا گیا کہ وہ اپنی زمین ہمیں فروخت کرنے کیلئے رضامند نہیں ہو رہا تھا؟ اور تمہارا خیال ہے کہ اسے ہمارے ہی کسی آدمی نے قتل کیا ہے؟'' پال نے اپنا جام خالی کر دیا۔

پیاریان نے تھکے تھکے انداز میں سر کو اثباتی جنبش دی۔ ''مجھے یقین ہے اس بات کا''۔ وہ بولا۔

''یہ ناممکن ہے''۔ پال نے کہا اور ایک اور ڈرنک بنانے کے لئے کیبنٹ کی طرف بڑھا۔

''میں وہاں زمین کی جستجو میں آٹھ صوبوں میں گیا''۔ پیاریان نے کہا۔ ''اور ان میں سے تین میں......''۔

''تین کیا؟''

تین صوبوں میں تین قتل ہوئے۔'' پیاریان نے کہا اور کافی کا ایک اور گھونٹ لیا، پھر اس نے پیالی خالی کر کے رکھ دی۔ ''پال...... ایک کو میں اتفاق سمجھ سکتا تھا لیکن اتفاق تین بار نہیں ہوتا''

پال بوہر پھر کھڑکی کی طرف بڑھا، ''تو وہ کون ہو سکتا ہے؟''

''اس بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا''

''خیر''، پال نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''مجھے اس سلسلے میں سوچنا ہوگا''

پیاریان اٹھ کھڑا ہوا۔ ''رچرڈ کو بتانا ہے؟'' اس نے اپنا کوٹ اٹھایا۔

''بتانا تو ہوگا'' پال نے تند لہجے میں کہا۔ ''میں کل صبح ہی اس سے بات کروں گا۔ ارے ہاں......'' اس کا انداز سرسری ہو گیا۔ ''رچرڈ تم سے ملنا چاہتا ہے''۔

''رچرڈ؟ کس لئے؟''

پال بوہر اس کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ''تمہارے P84 گڑبڑ ہے۔ رپورٹ تمہیں اپنی میز پر ملے گی۔ رچرڈ اس کی طرف سے فکرمند ہے۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ تم صبح ہی اسے چیک کر لو۔'' اس نے پیاریان سے ہاتھ ملایا۔ پھر بولا۔ ''میں نہیں چاہتا ڈیوڈ کہ وہ بند ہو''۔

پیاریان نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''میں دیکھ لوں گا'' اس نے کہا اور دروازہ کھولا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

گڈ نائٹ کہتے ہوئے پال کی آنکھوں میں ایسا تاثر تھا، جیسے وہ کہیں دور دیکھ رہا ہو۔ ''میں نہیں چاہتا کہ فیلڈ میں ضرورت سے زیادہ پرجوش کوئی آدمی کام کرے'' یہ کہہ کر اس نے پیاریان کو دیکھا اور مسکرایا۔ ''یہاں آنے کا شکریہ ڈیوڈ، تم نے جو اعتماد مجھ پر کیا، اس پر میں شکر گزار ہوں''

رخصت ہوتے ہوئے ڈیوڈ پیاریان کو رہ رہ کر ایک خلش ستا رہی تھی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس نے یہاں آکر غلطی کی ہے۔

..................x..................

پال بوہر سوچوں میں گھرا ہوا تھا۔

ڈیوڈ پیاریان کی اچانک اور غیر متوقع آمد، اس کی لائی ہوئی بری خبر، اور یہ کہ ابھی وہ خبر رچرڈ تھورن کو پہنچانا ہے اور P84 پر ہونے والی گڑبڑ۔ ان سوچوں میں گھر کر وہ یہ بھی بھول گیا کہ کل اکیڈمی کے طلبا تھورن انڈسٹریز کا نصب کیا ہوا تازہ ترین زرعی پلانٹ دیکھنے کیلئے آ رہے ہیں۔

اس نے اپنے نئے آفس کی کھڑکی سے ڈیوڈسن ملٹری اکیڈمی کی بس کو بلڈنگ کے سامنے رکتے دیکھا تو اسے حیرت ہوئی۔ پھر جیسے ہی بات اس کی سمجھ میں آئی تو اس نے اپنی سیکریٹری کو ہدایت کی کہ فی الحال آنے والی تمام کالز کو روک دے۔ اسے لڑکوں کا خیر مقدم کرنا ہے''۔

وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکے بہت ہی نامناسب وقت پر آئے ہیں۔ لیکن بہرحال وہ ایک چیلنج تھا، اور اگر وہ ایسے چیلنج سے نہیں نمٹ سکتا تو اسے اس کرسی پر بیٹھنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ اس آفس کا بھی حق دار نہیں ہے۔

باہر پارکنگ لاٹ میں لڑکے گرد و پیش کا جائزہ لے رہے تھے اور بہت زیادہ متاثر نظر آ رہے تھے۔ ان کو یہ معلوم تھا کہ تھورن فیملی بے حد امیر و کبیر ہے۔ لیکن خیال میں اور دیکھنے میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ یہ وسیع و عریض عمارتیں اتنے بڑے رقبے پر تعمیر کی گئی تھیں کہ جس پر پورا قصبہ آباد کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے بعض کا تعلق اتنے ہی بڑے قصبوں سے تھا۔ یہ خیال ہی ان کیلئے بے حد سنسنی خیز تھا۔ ان میں سے ایک تو سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکیڑ کر رہ گیا۔ اس سے سیٹی بھی نہیں بجائی گئی۔

ٹیڈی نے ماحول کو ہلکا پھلکا کرنے کی کوشش کی۔ ''اس ٹور میں تمہارے ایگزیکٹو ڈائننگ ہال میں لنچ بھی شامل ہے؟'' اس نے کارٹونوں کے ایک کردار کے انداز میں ہونٹوں پر زبان اور پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''بالکل شامل ہے'' ڈیمین نے ہمیشہ کی طرح بے حد خوش اخلاقی سے کہا۔

لیکن مارک ٹیڈی کو بخشنے والا نہیں تھا۔ ''ہم تم پر ایک نئی جراثیم کش دوا آزمائیں گے'' اس نے کہا۔

اس پر سب ہنس دیے۔

وہ مرکزی عمارت میں داخل ہوئے جہاں پال بوہر ان کے خیر مقدم کیلئے موجود تھا۔ اس روز ڈیمین کے انداز میں کچھ جھجک تھی۔

اصل میں اسے اپنے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا تھا، وہ اس کے ایک فی صد کو بھی ہضم نہیں کر سکا تھا۔ اسے اتنی مہلت بھی نہیں ملی تھی۔ ویسے یہ ضروری تھا کہ اسے اپنی طاقت اور مضبوطی کا ادراک ہو گیا تھا اور اس کے نتیجے میں اس کے اندر دلیری ابھر آئی تھی۔ مگر وہ جانتا تھا کہ ابھی وہ میدان عمل سے بہت دور ہے۔

اس نے ایک نظر پال بوہر پر ڈالی۔ پھر وہ شیشے کی اس دیوار کی طرف بڑھ گیا، جس پر لکھا تھا...... جراثیم کش ادویات کا کمرا۔ داخلہ ممنوع ہے۔ صرف متعلقہ افراد کے لئے......

ڈیمین نے شیشے کی دیوار کے اس طرف جھانکا۔ وہ بہت بڑا کمرا تھا۔ رقبے میں وہ باسکٹ بال کے کورٹ سے بھی بڑا تھا۔ اس میں میلوں لمبے پائپوں کا جال بچھا تھا۔ مختلف رنگوں کے والو نظر آ رہے تھے۔ وہاں ایک شخص موجود تھا۔ ڈیمین اس کے نام سے واقف تھا۔ وہ ڈیوڈ پیاریان تھا۔

وہ رنگ درحقیقت کوڈ تھے۔ ایک تربیت یافتہ ٹیکنیشن ان سے اتنی آسانی سے معلومات حاصل کر سکتا تھا، جیسے ایک عام آدمی اخبار پڑھ کر معلومات حاصل کرتا ہے۔ وہ پیاریان کا کمرا تھا...... اس کی تخلیق...... ایسے جیسے اس کی اولاد ہو۔ اس وقت وہ اپنے اس چہیتے پلانٹ P84 کو ہر اعتبار سے مکمل اور بے عیب بنانے کی کوشش میں مصروف تھا۔

پیاریان ایک بڑے کمپیوٹر کنسول کے سامنے کھڑا تھا۔ ڈائل پر اہم معلومات جل بجھ رہی تھیں۔ وہ ڈائل کو دیکھ رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ اپنے پہلو میں رکھے پش بٹن ٹیلی فون کے ہندسوں پر بھی انگلی مار رہا تھا۔

اس نے ریسیور کان سے لگایا اور اپنے ایک اسسٹنٹ سے جو اس کے اوپر کیٹ واک پر تھا، چیخ کر کہا۔ ''سو پونڈ اور دو ٹام''۔ پھر اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''میں پیاریان بول رہا ہوں۔ مسٹر تھورن آ گئے ہیں؟''۔

''نہیں جناب''۔ دوسری طرف سے جواب ملا۔

پیاریان کی پریشانی بڑھ گئی۔ ''انہوں نے ابھی تک فون بھی نہیں کیا؟''۔

''نہیں جناب''۔

''جیسے ہی وہ آئیں، مجھے اطلاع دینا''۔ اس نے کہا۔ ''یہ بہت اہم معاملہ ہے''۔

ریسیور رکھنے کے بعد اس نے زیر لب ایک گالی بکی اور دوبارہ ڈائل کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''پچاس پونڈ اور ڈال دو ٹام''۔ اس نے اپنے اسسٹنٹ کو پکارا۔

............x............

پال بوہر نے لڑکوں کو اس شخص سے متعارف کرایا، جسے ان کا گائیڈ مقرر کیا گیا تھا۔ پھر وہ جلدی سے اپنے آفس کی طرف لپکا، جہاں کمپنی کے نئے اور ابھرتے ہوئے ایگزیکٹوز کے ساتھ اس کی بہت اہم میٹنگ ہونی تھی۔ یہ کانفرنس کئی ہفتے پہلے شیڈول کی گئی تھی۔ پال بوہر کو کمپنی کے ''نیو بلڈ'' سے باتیں کرنا بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ اپنے آئیڈیاز ان سے ڈسکس کرتا تھا، جن میں ان کو روبہ عمل لانے کی توانائی بھی تھی اور بھوک بھی۔ ویسے بھی ایسے لوگوں کو اپنا پرستار بنانا سودمند ثابت ہوتا ہے، جو مستقبل میں بھی آپ کی جگہ لینے والے ہوں۔

پال کو انہیں دیکھ کر ہمیشہ تعجب ہوتا تھا کہ دیکھنے میں وہ سب ایک سے لگتے ہیں۔ جوان، ایک جیسا ہیئر کٹ، ایک جیسے تھری پیس سوٹ ان سے بات کرتے ہوئے ایسا لگتا تھا کہ وہ ہارورڈ اسکول کے گریجویٹس سے خطاب کر رہا ہے۔

''لیکن حصول زمین کے پروجیکٹ کے دوران، جیسا کہ اس وقت انڈیا میں ہو رہا ہے......''۔ پال بوہر کہہ رہا تھا۔ ''...... ہمیں اس بات کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے کہ مقامی لوگ یہ نہ سوچنے لگیں کہ ہم صرف اپنے مفاد کے لئے کام کر رہے ہیں۔ جبکہ واقعتاً ایسا نہیں ہے۔ چنانچہ آپ کو اس بات پر بطور خاص زور دینا ہوگا کہ ہم ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں کہیں بھی آپ جائیں، یہ بات زور دے کر کہیں۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

یہ ذہن میں رکھیں کہ ان کے شکی پن میں ان بے چاروں کا کوئی قصور نہیں۔ دراصل وہ ہماری طرح تعلیم یافتہ ہیں، نہ مہذب۔ وہ ان اوصاف سے محروم ہیں۔ تھورن انڈسٹریز کا رکن ہونے کی حیثیت سے یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی دولت میں سے انہیں کچھ دیں......ان کی ضروریات پوری کریں۔ کیونکہ ہمارے پاس وسائل ہیں اور وہ وسائل سے محروم ہیں۔ ہم اگر انڈیا اور مشرق وسطیٰ کے ممالک کو غذائی اجناس فراہم کرتے ہیں تو درحقیقت ہم روس کا راستہ روک رہے ہوتے ہیں۔ یہ امریکی ہونے کی حیثیت سے ہم پر فرض ہے۔ اور جب ہم انہیں غذا فراہم رتے ہیں تو نہ صرف یہ کہ وہ ہمارے شکر گزار ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کے وسائل بھی ہمیں مل جاتے ہیں......''۔

پال بوہر اپنے اس پسندیدہ موضوع پر بولنے کے لئے وارم اپ ہو رہا تھا۔ مگر اسی وقت اس کی سیکریٹری اندر داخل ہوئی۔ اسے دیکھ کر پال نے اپنی گفتگو میں توقف کیا اور اسے اشارے سے اپنی بات کرنے کو کہا۔

''سر......مسٹر پیاریان نے P84 پر کام شروع کر دیا ہے''۔ سیکریٹری نے کہا۔ ''آپ نے کہا تھا کہ وہ کام شروع کریں تو میں آپ کو بتا دوں''۔

''شکریہ''۔ پال نے کہا۔ یہ گویا سیکریٹری کے لئے رخصت ہونے کا اشارہ تھا۔

وہ ایگزیکٹوز کی طرف مڑا۔ ''جینٹل مین، اب ہم آدھے گھنٹے کا وقفہ کریں گے''۔

وہ اپنے عقب میں دروازہ بند کرتے ہوئے باہر نکل آیا۔ ان رنگروٹوں کو انتظار کرایا جا سکتا تھا، پیاریان کو نہیں۔

............x............

گائیڈ کا تعلق پبلک ریلیشنز ڈپارٹمنٹ کی نچلی کیٹگری کے اسٹاف سے تھا۔ وہ دل و جان سے یہ کام کر رہا تھا۔ اکیڈمی کے کیڈٹوں کو پلانٹ کی سیر کراتے ہوئے اس کی کوشش یہ تھی کہ کس طرح وہ رچرڈ تھورن کے بیٹوں پر اچھا تاثر چھوڑے اور ان کی گڈ بک میں آ جائے۔

اب وہ انہیں جراثیم کش ادویات کے سیکشن میں لے آیا تھا۔ ''زیادہ جلدی اور بڑی فصل اگانے کے لئے بہت طاقت ور کھاد کے ساتھ ساتھ موثر ترین جراثیم کش ادویہ کی ضرورت ہوتی ہے''۔ وہ لڑکوں کو بتا رہا تھا۔

وہ سب اس بند دروازے کے سامنے رک گئے، جس کے پیچھے ڈیوڈ پیاریان P84 پر کام کر رہا تھا۔ گائیڈ نے گارڈ کو اپنے شناختی کاغذات دکھاتے ہوئے بیس ڈالر کا ایک نوٹ بھی اس کے ہاتھ میں منتقل کر دیا۔ یہ کمرا تو ور، پروگرام میں شامل نہیں تھا۔ لیکن گائیڈ رچرڈ تھورن کے بیٹوں اور ان کے دوستوں کو خوش کرنا چاہتا تھا۔

دروازہ کھلا۔ وہ لوگ اندر داخل ہوئے۔ دروازہ خود بہ خود بند ہوا اور لاک بھی ہو گیا۔

اندر کمپیوٹرز کی گھوں گھوں کی وجہ سے گائیڈ کو اپنی آواز بلند کرنی پڑی۔ ''یہ پیچیدہ اور کمپلیکس نظام صرف تین آدمی چلاتے ہیں......کمپیوٹرز کی مدد سے''۔ اس نے تقریباً چیخ کر کہا۔ ''یہی وجہ ہے کہ یہاں آپ کو اسٹاف نظر نہیں آ رہا ہے''۔

تمام لڑکے بے حد متعجب تھے۔ مگر ٹیڈی کو ہمیشہ انوکھی سوجھتی تھی۔ ''کوئی ایسی دوا بھی ہے جو جنسی صلاحیت میں اضافہ کرتی ہو؟''۔ اس نے پوچھا۔

''خدا کے لئے ٹیڈی، شرم کرو''۔ ایک نسبتاً بڑی عمر کے کیڈٹ نے کہا۔ ''تمہارے دماغ میں گندگی بھری ہے''۔

لیکن گائیڈ ٹیڈی کی حمایت پر کمر بستہ ہو گیا۔ ''یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں''۔ وہ بولا۔ ''یہ بھی ہوتا ہے......''۔

مگر مارک نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔ ''ہم ایسی کوئی تفصیل نہیں جاننا چاہتے؟''۔

گائیڈ انہیں آہنی زینے کے ذریعے ایک کیٹ واک پر لے گیا۔ نیچے رنگین پائپوں کی بھول بھلیاں پھیلی ہوئی تھی۔

''یہ شٹنگ ڈیوائس ہے۔ ہر چیز کی طرح یہ بھی کمپیوٹرائزڈ ہے''۔

نیچے انہیں پیاریان نظر آ رہا تھا۔ وہ زرد رنگ کے پائپ کنکشن سے منسلک ایک پیچیدہ پریشر گیج پر کام کر رہا تھا۔ کام کرتے ہوئے اس کی نظر اٹھی تو اس نے دونوں لڑکوں کو پہچان لیا۔ ''مارک......ڈیمین......تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''۔ اس نے پکارا انہیں اس کمرے میں دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا تھا۔ انہیں یہاں ہونا ہی نہیں چاہئے تھا......اور خاص طور پر ایسے وقت میں جب کہ معاملات بھی ٹھیک نہیں چل رہے تھے۔

دونوں لڑکوں نے بیس فٹ نیچے اسے دیکھا اور مسکرائے۔ ''ہم معائنہ کرنے آئے ہیں''۔ ڈیمین نے چیخ کر کہا۔ پھر دونوں نے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور آگے بڑھ گئے۔

پیاریان کے چہرے پر الجھن بھی تھی اور فکرمندی بھی۔

اسی لمحے کمرے کے دور افتادہ گوشے میں اچانک ایک پائپ ڈھیلا ہوا اور سبز رنگ کے بلبلوں کا اخراج شروع ہو گیا۔ وہ بلبلے پھنکار بھی رہے تھے۔

''لیکج ہو گیا ہے''۔ کوئی چلایا۔

پیاریان نے سر اٹھا کر دیکھا تو زہریلی گیس پھیپھڑوں میں جانے کے نتیجے میں اسے اپنے اسسٹنٹ کے چہرے پر آبلے نظر آئے۔ اگلے ہی لمحے وہ سر کے بل فرش پر آ گرا۔

جو کچھ ہو رہا تھا، پیاریان کے لئے ناقابل یقین تھا۔ وہ کنسول کی طرف جھپٹتے ہوئے چلایا۔ ''تمام لوگ باہر نکل جائیں۔ ارے......ان لڑکوں کو باہر لے جاؤ''۔

اس کی آواز لڑکوں اور گائیڈ تک پہنچی۔ گائیڈ نے پلٹ کر دیکھا۔ گیس کے بخارات اٹھ رہے تھے اور ان کا رخ ان کی ہی طرف تھا۔

نیچے پیاریان کنسول کا جائزہ لے رہا تھا۔ گیس کے اخراج کی وجہ سے پریشر بہت تیزی سے نیچے گر رہا تھا۔

کنسول پر ایمرجنسی بٹن بھی تھا......افراتفری پھیلانے والا بٹن۔ پیاریان نے اپنی پوری طاقت سے اس بٹن کو دبایا۔

شیشے کی کھڑکی سے اس نے کمپیوٹر روم میں دیکھا۔ سفید لیب کوٹ پہنے ہوئے دونوں ٹیکنیشین مزے میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ ایمرجنسی بٹن کام نہیں کر رہا ہے۔ اب یہ اسے کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ آج ہی اس کے باس پال بوہر نے اس بٹن کے ساتھ چھیڑ خانی کی ہے۔

اس نے بٹن پر پھر ہاتھ مارا۔ لیکن ٹیکنیشین اب بھی بے خبر تھے۔ الارم بجا ہی نہیں تھا۔

اب پیاریان کو ایک اور آواز سنائی دی......ایک نئی آواز۔ وہ لڑکوں کے چیخنے کی آواز تھی۔ وہ کھانس رہے تھے۔ لڑکھڑاتے ہوئے، ایک دوسرے کو دھکیلتے ہوئے وہ کمرے سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان سے سانس نہیں لی جا رہی تھی۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ان میں کچھ کے چہروں اور ہاتھوں پر آبلے نمودار ہو گئے تھے۔

گائیڈ لفٹ کی طرف لپکا اور جلدی جلدی بٹن دبانے لگا۔

لیکن لفٹ بھی کام نہیں کر رہی تھی!

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

گائیڈ بٹن دباتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اور کیا کرسکتا ہے۔ اپنی جان سے زیادہ اسے اس بات کی فکر تھی کہ اگر وہ زندہ بچ گیا اور رچرڈ تھورن کے دو بیٹوں میں سے ایک کو بھی کچھ ہو گیا تو اس کا کیا بنے گا۔ وہ تو زندہ رہنے پر بس پچھتا ہی سکے گا۔ اسے ان کو اس کمرے میں لانے کا کوئی حق نہیں تھا۔ اسے ان کو یہاں لانا ہی نہیں چاہتے تھا۔

اس وقت ڈیمین ہی تھا، جو پریشان اور حواس باختہ نہیں تھا۔ گیس اس پر اثر انداز نہیں ہو رہی تھی۔ وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس کے دوست، اس کے ساتھی ایک ایک کر کے ڈھیر ہوتے جا رہے تھے۔

پہلی بار اسے اپنی قوتوں کا صحیح معنوں میں ادراک ہو رہا تھا۔

وہ یہ بھی سمجھ رہا تھا کہ اس وقت وہ اپنی مرضی کا، اپنی اور دوسروں کی تقدیر کا مالک ہے۔ وہ چاہتا تو یہاں سے نکل جاتا اور بچنے والا واحد آدمی ہوتا۔ اور وہ چاہتا تو دوسروں کی مدد کرتا اور ہیرو بن جاتا۔ فیصلہ صرف اسے کرنا تھا۔

ہیرو بننے کے خیال میں زیادہ کشش تھی۔ اس نے اس کے حق میں فیصلہ کیا۔ اس نے ٹٹولنے والی نظروں سے چھت کا جائزہ لیا۔ اسے دیوار سے بندھی لوہے کی ایک سیڑھی نظر آئی۔ سیڑھی کے اختتام پر ایک دروازہ تھا، جو یقیناً چھت پر پہنچائے گا۔

''اس طرف بھاگو''۔ وہ چلایا اور آہنی سیڑھی کی طرف لپکا۔

مضبوطی سے ہاتھ جما کر وہ آہستہ آہستہ چڑھتا اوپر پہنچا۔ دروازہ تھوڑی سی کوشش کے بعد کھل گیا۔

انہیں دو نعمتیں میسر آئیں۔ لیکن تازہ ہوا روشنی سے بہت بڑی نعمت تھی۔

گائیڈ اور لڑکے لڑکھڑاتے ہوئے، ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہوئے سیڑھی کی طرف بڑھے اور اوپر چڑھنے لگے۔ چھت پر پہنچنے کے بعد وہ سب ڈھیر ہو گئے وہ تازہ ہوا میں گہری گہری سانسیں لے رہے تھے۔

ڈیمین نے اچھی طرح چیک کیا۔ گائیڈ سمیت تمام لڑکے چھت پر پہنچ گئے تھے۔ اچانک اسے پیاریان کا خیال آیا۔

وہ دوبارہ نیچے آیا۔ بہت تیزی سے وہ سب سے اونچی کیٹ واک پر چڑھا۔ پھر نچلے لیول پر گیا۔ مگر وہاں سبز بلبلوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ ان کے پار دیکھنا ناممکن تھا۔

اسی لمحے ایک الارم بھیانک آواز میں بجنے لگا۔ ساتھ ہی سرخ روشنیاں چمکنے لگیں۔

ڈیمین دوسری طرف کے نچلے لیول کی طرف لپکا۔ وہاں اسے پیاریان نظر آیا۔ لیکن پیاریان نے اسے نہیں دیکھا۔

پیاریان ٹوٹے ہوئے والو کے پاس فرش پر مڑا تڑا پڑا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ یوں پھیلا ہوا تھا، جیسے آخری لمحے میں بھی اس نے والو کو بند کرنے کی کوشش کی ہو۔ اس کا آبلوں سے بھرا ہوا چہرہ ناقابل شناخت ہو چکا تھا۔

وہ مر چکا تھا!

ڈیمین واپسی کے لئے پلٹا۔

اوپر چھت پر اب بھی لوگ تکلیف میں تھے۔ کچھ اٹک اٹک کر سانس لے رہے تھے۔ کچھ کو پھندے لگ رہے تھے اور کچھ کو کھانسی آرہی تھی۔

وہ فرش پر ڈھیر لڑکوں سے بچتا بچاتا مارک کی طرف بڑھا۔ تاکہ دیکھے کہ اس کا کیا حال ہے۔ مارک کی طرف بڑھتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ اسے جو مقام دیا گیا ہے، اب وہ مقام اسے اچھا لگنے لگا ہے۔

............x............

رچرڈ تھورن فوری طور پر جاننا چاہتا تھا کہ کیا ہوا ہے اور کیسے ہوا ہے۔

جس وقت انہوں نے یہ خبر سنی تو وہ اور این جھیل کے علاقے میں تھے۔ انہوں نے پہلی فلائٹ پکڑی اور او بارا ایئرپورٹ پہنچے۔ وہاں سے وہ ٹیکسی پکڑ کر بچوں کے اسپتال پہنچے۔ حادثے کے بعد تمام لڑکوں کو وہیں لے جایا گیا تھا۔

رچرڈ نے شیو بھی نہیں کی تھی۔ اس کے چہرے پر زردی کھنڈی ہوئی تھی۔ غصے سے اس کا جسم لرز رہا تھا۔ وہ آرمی کی پرانی جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ جھیل کے علاقے میں جنگل میں چہل قدمی کے لئے جاتے ہوئے وہ یہی جیکٹ پہنا کرتا تھا۔

وہ اس وقت اسپتال کے کاریڈور میں کھڑا فون پر پال بوہر سے گفتگو کر رہا تھا۔

''بظاہر تو سب ٹھیک لگ رہے ہیں''۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''لیکن ابھی تک مجھے ڈاکٹر سے براہ راست بات کرنے کا موقع نہیں ملا ہے بہرحال جو کچھ بھی ہوا، مجھے اس پر مکمل رپورٹ چاہئے۔ کل صبح وہ رپورٹ مجھے اپنی میز پر ملے''۔ اس نے ریسیور پٹخ دیا۔ پھر وہ دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بہت تھکا ہوا اور نڈھال دکھائی دے رہا تھا۔

اس نے کن انکھیوں سے ڈاکٹر کو لڑکوں کے کمرے کی طرف جاتے دیکھا۔ وہ دراز قامت اور خوبرو آدمی تھا...... سیاہ فام!

رچرڈ اس کے پیچھے چلا۔ وہ ابتدائی ٹیسٹس کی رپورٹ جاننا چاہتا تھا۔

اندر این دونوں بیڈز کے درمیان کرسی پر بیٹھی تھی۔ مارک کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور اس کے چہرے سے کمزوری ہویدا تھی۔ اس نے این کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ ڈیمین البتہ نارمل لگ رہا تھا۔

ڈاکٹر این کی طرف بڑھا اور اس نے اپنا تعارف کرایا۔ ''میں ڈاکٹر کین ہوں''۔

رچرڈ ڈاکٹر کے عین پیچھے کھڑا تھا۔

''سب لوگ ٹھیک ہیں''۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا۔ ''ہم نے سب کے ٹیسٹ لئے ہیں...... یہ دیکھنے کے لئے کہ پھیپھڑوں کو کس حد تک نقصان پہنچا ہے۔ لیکن پھیپھڑے بالکل محفوظ ہیں۔ کچھ عرصے تک انہیں متلی کا احساس رہے گا۔ لیکن یہ عارضی......''۔

''میں چاہتا ہوں کہ ان سب کو بہترین ٹریٹ مینٹ دیا جائے''۔ رچرڈ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر کین نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ ''ایسا ہی ہوگا جناب''۔

ڈاکٹر رچرڈ کو الگ لے گیا۔ ''میں آپ سے تخلیے میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں''۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔

''کیوں نہیں''۔

رچرڈ ڈاکٹر کے ساتھ باہر ہال میں چلا گیا۔

اپنے بستر پر لیٹا ڈیمین بے حد متجسس نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

کاریڈور میں ایک وارڈ بوائے ایک طرف جا رہا تھا۔ ڈاکٹر کین نے اس کے دور جانے کا انتظار کیا۔

رچرڈ اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر کی آنکھوں سے اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کسی مسئلے پر کافی پریشان ہے۔

''ہم نے ہر طرح کے ٹیسٹ کئے ہیں۔ یہ دیکھنے کیلئے خون اور ٹشوز کو نقصان تو نہیں پہنچا ہے۔ تمام لڑکے کسی نہ کسی حد تک متاثر ہوئے ہیں۔ اگرچہ خطرے کی کوئی بات نہیں''۔ ڈاکٹر کہتے کہتے رکا۔ ''سوائے آپ کے بیٹے ڈیمین کے''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

رچرڈ کے چہرے پر ایک نس پھڑکنے لگی۔ ''کیا مطلب؟ کیا وہ......''۔

''نہیں نہیں مسٹر تھورن۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں''۔ ڈاکٹر نے اتنا کہہ کر پھر توقف کیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جو کچھ اسے کہنا ہے، اس کو الفاظ میں بیان کرنا اسے مشکل لگ رہا ہے۔ ''میں دراصل یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ ڈیمین ہر طرح کے اثرات سے محفوظ رہا ہے......''۔

..................x..................

اپنے کمرے میں ڈیمین مضطرب ہو رہا تھا!

''آپ کے خیال میں یہ سب کیا ہو رہا ہے؟''۔ اس نے این سے پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ دہک رہا تھا۔

این نے اس کی کیفیت دیکھی ہی نہیں۔ اس کی توجہ کمرے کے دروازے پر مرکوز تھی۔ ''کوئی خاص بات نہیں''۔ اس نے بے دھیانی سے کہا۔ ''دراصل ڈاکٹر لوگوں کو رازداری بہت اچھی لگتی ہے''۔

رچرڈ ڈاکٹر کے ساتھ کمرے میں واپس آیا۔ وہ بہت اپ سیٹ لگ رہا تھا۔ ''ڈاکٹر ڈیمین کو چند روز یہاں روکنا چاہتے ہیں''۔ اس نے کہا۔ اس نے بہت سرسری انداز میں یہ بات کہنے کی کوشش کی تھی۔ ''وہ مزید کچھ ٹیسٹ کرنا چاہتا ہے''۔

ڈیمین اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ''لیکن میں تو بالکل ٹھیک ہوں''۔ اس نے احتجاج کیا۔ ''پھر مجھے روکنے کی کیا تک......''۔

''مزید ٹیسٹ کی کیا ضرورت ہے؟''۔ این نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

رچرڈ نے این کو نگاہوں سے اشارہ کیا کہ وہ بچوں کے سامنے یہ موضوع نہ چھیڑے۔

لیکن ڈیمین چپ رہنے والا نہیں تھا۔ ''میں یہاں مزید رکنا نہیں چاہتا''۔

این نے بڑھ کر لاڈ سے اسے بانہوں میں بھر لیا۔

مارک بھی جلدی سے ڈیمین کی مدد کو لپکا۔ ''ڈیمین رکے گا تو میں بھی نہیں جاؤں گا''۔

این نے ڈاکٹر کو دیکھتے ہوئے کندھے جھٹک دیئے۔ ''کیوں نہ اس وقت ہم انہیں گھر لے جائیں۔ ایک ہفتے کے بعد پھر لے آئیں گے۔ آخر یہ لوگ ایک بے حد خوفناک حادثے سے گزرے ہیں''۔

''کیا خیال ہے ڈاکٹر؟ اس میں کیا حرج ہے؟''۔ رچرڈ نے ڈاکٹر کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

ڈاکٹر کین کو یہ آئیڈیا پسند نہیں آیا تھا۔ لیکن اس نے سمجھ لیا تھا کہ اب وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ وہ اصرار کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ ''ٹھیک ہے'' وہ بولا۔

این فاتحانہ انداز میں مسکرائی اور اس نے ڈیمین کو بھینچ لیا۔ ''بس ٹھیک ہے''۔ وہ بولی۔ ''ابھی تم لوگ آرام کرو۔ پھر ہم آئیں گے اور تمہیں جھیل پر لے چلیں گے۔ وہاں کی تازہ ہوا تمہیں تازہ دم کر دے گی''۔

دونوں لڑکوں نے پرجوش انداز میں اثبات میں سر ہلائے۔

این اور رچرڈ نے دونوں لڑکوں کو پیار کیا اور ڈاکٹر کے ساتھ کمرے سے نکل آئے۔

ڈیمین نے باہر جاتے ہوئے ڈاکٹر کین کو ایسے دیکھا، جیسے اس کے چہرے کو اپنے حافظے میں نقش کر رہا ہو۔

..................x..................

اس رات ڈاکٹر کین دیر تک کام کرتا رہا۔ وہ اپنے مائیکرواسکوپ پر جھکا کچھ دیکھ رہا تھا۔ اور جو کچھ وہ دیکھ رہا تھا اسے پوری طرح سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس وقت اسپتال کی لیبارٹری میں وہ اکیلا تھا۔ اس نے ڈنر بھی نہیں کیا۔ اس کے تمام ساتھی جا چکے تھے۔ وہ مائیکرواسکوپ کے نیچے شیشے کی پلیٹ پر پھیلے ہوئے خون کو بغور دیکھ رہا تھا۔

وہ اب تک سینکڑوں بار اس کا جائزہ لے چکا تھا، اس کو کراہت بھی آ رہی تھی، اور اس کے جسم میں وہ سنسنی بھی دوڑ رہی تھی، جس سے کوئی سائنس داں اس وقت گزرتا ہے، جب اسے یقین ہو کہ جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے، اس سے پہلے کسی انسان نے کبھی نہیں دیکھا

قریب ہی نیلی جلد والی ایک کتاب رکھی تھی۔ اس نے ایک بار پھر کتاب کو دیکھا۔ کتاب میں بے حد تفصیلی تصویریں تھیں۔ اس نے تصویریں دیکھیں۔ اور دوبارہ سلائیڈ کا جائزہ لیا۔

شک وشبے کی کوئی گنجائش نہیں تھی!

ڈیمین تھورن کا کروموسوم اسٹرکچر انسانوں والا نہیں تھا۔ بلکہ وہ گیدڑ کا تھا۔

بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ کبھی تو وہ اسے کوئی مکروہ مذاق لگتا۔ لیکن اس کے سامنے جو ثبوت تھا، وہ ٹھوس تھا...... ناقابل تردید۔ اسے کسی بھی طرح جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔

پتا نہیں کیوں، لیکن اس معاملے کو وہ تنہا نہیں نمٹانا چاہتا تھا۔ اب اسے یہ دیکھنا تھا کہ اس وقت اس کا کوئی ہم پیشہ دوست موجود بھی ہے یا نہیں۔ وہ کسی کے ساتھ اس دریافت کو شیئر کرنا چاہتا تھا۔

اس نے فون اٹھایا اور وہ ایکسٹینشن نمبر ملایا، جو اس کے دل پر لکھا تھا۔

چھ سات گھنٹیاں بجیں۔ لیکن جواب نہیں ملا۔ وہ ریسیور رکھنے ہی والا تھا کہ دوسری طرف فون ریسیو کر لیا گیا۔ ''یس؟''۔

''اوہ بین''۔ ڈاکٹر کین خوشی سے چلایا ''شکر ہے کہ تم ابھی موجود ہو۔ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں''۔

''میں بس نکل ہی رہا تھا''۔

''میں زیادہ وقت نہیں لوں گا، پلیز بین، دراصل معاملہ بہت اہم ہے''۔

''چلو ٹھیک ہے۔ آ جاؤ''۔

''شکریہ بین۔ بس میں ایک منٹ میں آیا''۔

ڈاکٹر کین نے ریسیور رکھا، سلائیڈ کو بڑی احتیاط سے کنٹینر میں ڈالا۔ کتاب اٹھائی اور لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

..................x..................

جھیل والے مکان میں سب سو چکے تھے۔ لیکن ڈیمین جاگ رہا تھا۔ اس کی کیفیت بہت عجیب تھی۔ جسم تنا ہوا تھا۔ اور پوری طرح سے کھلی ہوئی آنکھیں جیسے کمرے سے دور، بہت دور کوئی غیر مرئی منظر دیکھ رہی تھیں، اور جو کچھ وہ دیکھ رہا تھا، اس کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے اس کو بے پناہ ارتکاز کرنا پڑ رہا تھا۔ ایسا ارتکاز کہ اس کا پورا جسم لرز رہا تھا اور پیشانی پسینے میں تر ہو رہی تھی۔

..................x..................

کین لفٹ میں داخل ہوا اور اس نے نیچے جانے کے لئے سولہویں منزل کا بٹن دبایا۔

لفٹ کا دروازہ بند ہوا اور لفٹ حرکت میں آئی۔

لیکن لفٹ نیچے جانے کے بجائے اوپر جا رہی تھی!

کین نے فلور انڈیکیٹر کا جائزہ لیا۔ 21......22......23......

اس نے پھر 16 کا بٹن دبایا۔ لفٹ رک گئی اور اس کا دروازہ کھل گیا۔

لیکن باہر کوئی نہیں تھا۔ کین نے پھر سولہویں منزل کا بٹن دبایا۔ دروازہ بند ہوا اور لفٹ بالآخر نیچے جانے لگی۔ 19......18......17......

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

پھر سولہویں منزل گزر گئی۔ لفٹ نہیں رکی۔ وہ اب بھی نیچے جارہی تھی۔ اور اس کی رفتار بہت تیز ہو گئی تھی۔

کین دہشت زدہ بھی تھا اور الجھن کا شکار بھی۔ اس نے کتاب اور کنٹینر ہاتھ سے چھوڑ دیئے اور پاگلوں کی طرح مختلف بٹن دبانے لگا۔ تمام بٹن بار بار جل بجھ رہے تھے۔

لفٹ کی رفتار اور بڑھ گئی تھی اور وہ یوں ہل رہی تھی جیسے لفٹ میں بھونچال آیا ہوا ہو۔

10......9......8......

''مائی گاڈ''۔ کین چلایا۔ وہ پورے پینل کو تھپتھپا رہا تھا۔

5......4......3......

اچانک لفٹ ایک جھٹکے سے رک گئی۔ کین فرش پر گر پڑا۔

بہت خوف ناک خاموشی چھا گئی تھی۔ کین فرش پر پڑا تھا۔ وہ اتنا خوف زدہ تھا کہ اس میں ہلنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ بلکہ وہ تو سانس لیتے ہوئے ہی ڈر رہا تھا۔

پھر بہت آہستگی سے، بڑی احتیاط سے وہ اٹھا۔ اس نے اپنا پورا جسم ہاتھوں سے ٹٹولا کہ کوئی ہڈی تو نہیں ٹوٹی ہے۔ لیکن وہ ٹھیک ٹھاک تھا۔ اس خوف ناک تجربے نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ لیکن جسمانی طور پر اس کا کچھ نہیں بگڑا تھا۔

اس نے نیچے گرے ہوئے کنٹینر کو دیکھا۔ سلائیڈ ٹوٹ گئی تھی۔ لیکن اسے کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ اس پر خوش تھا کہ وہ بہر حال زندہ ہے۔

اوپر...... بہت اوپر...... لفٹ کے شافٹ میں ایک آہنی تار لفٹ کے اچانک رک جانے کی وجہ سے ٹوٹ گیا تھا۔ اور اب وہ کسی بہت بڑے اور خوف ناک کوڑے کی طرح لہراتا ہوا نیچے کی طرف لپک رہا تھا۔

اچانک کین نے وہ آواز سنی۔ وہ بے حد خوف ناک آہنی سنسناہٹ تھی، جس کا حجم تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔

بالآخر اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا......

عین اسی لمحے تار چھت کو پھاڑتا ہوا نیچے لپکا...... اور اگلے ہی لمحے کین کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر گیا......

..................x..................

ڈیمین کے جسم کا تناؤ اچانک ہی ختم ہو گیا۔ اب وہ پر سکون تھا!

اس کی آنکھیں مندنے لگیں۔ چند لمحے بعد اسے ایسی پر سکون نیند آئی، جو کو 6 جون کے بعد سے وہ ترس گیا تھا۔

رچرڈ اور این بستر پر دراز صبح کے اخبار پڑھ رہے تھے۔ ناشتے کے ساتھ ہی اخبار بھی ان تک پہنچائے جاتے تھے۔ رچرڈ ہمیشہ وال اسٹریٹ جرنل پہلے پڑھتا تھا، جبکہ این شکاگو ٹریبون کو فوقیت دیتی تھی۔

این نے جیسے ہی اخبار کھولا، وہ سانس لینا ہی بھول گئی۔ ''اے...... دیکھو تو رچرڈ''۔ اس نے اخبار رچرڈ کی طرف بڑھایا۔

اخبار میں ڈاکٹر کین کی تصویر چھپی تھی۔ ساتھ ہی لفٹ کے حادثے کی خبر بھی تھی۔ اسی صفحے پر تھورن انڈسٹریز میں گیس لیک ہونے کی مختصر خبر بھی تھی۔

رچرڈ کو ڈاکٹر کی موت سے زیادہ اس بات کی فکر تھی کہ پلانٹ کے حادثے کی خبر کیا اثرات مرتب کرے گی۔

''ارے...... ابھی کل ہی تو ہم ڈاکٹر سے ملے تھے''۔ این نے کہا۔ ''تمہیں یہ بات عجیب نہیں لگی''۔

''ہوں اوں......''۔

این نے کافی کا گھونٹ لیا اور رچرڈ کی طرف دیکھا۔ ''یہ تو بتاؤ، ڈاکٹر کین کس نوعیت کے ٹیسٹ کرنا چاہ رہا تھا؟''۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ اس نے کچھ بتایا تو نہیں تھا''۔ رچرڈ نے کہا۔ پھر چونک کر بولا۔ ''لڑکے کہاں ہیں؟''۔

''میرا خیال ہے سو رہے ہوں گے۔ کیوں؟''۔

رچرڈ نے اخبار رکھا اور پہلو بدلتے ہوئے این کو دیکھا۔ ''میں نہیں چاہتا کہ انہیں یہ بات معلوم ہو''۔

''کیوں؟''۔ این کے لہجے میں تشویش تھی۔ ''ڈاکٹر نے کوئی ایسی ویسی بات بتائی تھی تمہیں؟''۔

''اس نے بس اتنا کہا تھا کہ ڈیمین پر زہریلی گیس کا ذرا بھی اثر نہیں ہوا تھا''۔

''تو اس میں کیا برائی ہے۔ ہمیں تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ......''۔

''لیکن ڈاکٹر اس بات پر پریشان تھا۔'' رچرڈ نے کہا ''اس کا کہنا تھا کہ اس نے چھ مختلف ٹیسٹ کئے......''

''تو......؟''

''وہ ایسا کہہ رہا تھا کہ ڈیمین کے سرد موسم عام انسانوں سے مختلف ہیں۔''

''مختلف؟ یہ کیسے ممکن ہے؟'' این بولی۔

''میں نے بھی یہی کہا تھا۔ مگر ڈاکٹر ہی اس لئے تو پریشان تھا۔''

این کچھ دیر خاموش بیٹھی سوچتی رہی۔ پھر بولی ''تو اب تم کیا چاہتے ہو؟''

''سچ پوچھو تو میں کچھ بھی نہیں چاہتا۔'' رچرڈ نے اپنا اخبار دوبارہ اٹھا لیا۔ ''میں اس تناسلی خرافات پر یقین نہیں رکھتا۔ میرے خیال میں ڈیمین ہر اعتبار سے ایک نارمل لڑکا ہے۔''

این مسکرا دی۔ ''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

''تو بس ناشتہ کرو۔''

............☆............

اس صبح ڈیمین بیدار ہوا تو اس کے آدھے سر میں خوفناک درد ہو رہا تھا۔ اس پر سب ہی کو حیرت ہوئی کہ یہ عمر اور آدھے سر کا درد! لیکن سب سے زیادہ حیران خود ڈیمین تھا۔

............☆............

ڈاکٹر چارلس ابھی اسرائیل سے واپس آیا تھا۔ وہاں اس نے اپنی نگرانی میں کھدائی کے نتیجے میں برآمد ہونے والے نوادرات کی پیکنگ کرائی تھی۔ اب ان نوادرات کو تھورن میوزیم کی نمائش میں رکھا جانا تھا۔

عجیب اتفاق تھا کہ وہ یگائیل کی دیوار نہیں دیکھ پایا۔ اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی دیوار کو پیک کر کے امریکا کیلئے روانہ کر دیا گیا تھا۔ اسے اس بات پر خاصی مایوسی ہوئی۔ خاص طور پر اس لئے کہ اس کی آنجہانی دوست اور صحافی جوآن ہارٹ نے اس دیوار کے حوالے سے خود کو تماشا بنا تھا۔ چارلس اس دیوار کو خاص طور پر دیکھنا چاہتا تھا لیکن اب اسے شکاگو میں ہی اس دیوار کو دیکھنے کا موقع مل سکتا تھا۔ اس مال کو نیویارک کی بندرگاہ پر پہنچنا تھا لیکن چارلس کا نیویارک جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

بہر حال وہ واپس آیا تو بہت خوش تھا۔ اپنے آفس میں اسے ہمیشہ سکون ملتا تھا۔ اس کا ورک روم پورے میوزیم میں بہترین ورک روم تھا۔ وہ بوائلر روم سے متصل، بیسمنٹ لیول پر تھا۔ وہاں خاموشی اور سکون بھی تھا اور پرائیویسی بھی، جس کی اس کے کام میں بڑی اہمیت تھی۔ خاص طور پر آج جیسے موقعوں پر۔ میوزیم بند ہو چکا تھا۔ سب لوگ گھر جا چکے تھے۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اس کے دفاتر جدید ترین آلات سے مزین تھے۔ کام بھی تو بہت بڑا اور نازک تھا۔ صدیوں پرانے فن پاروں کو محفوظ رکھنا آسان نہیں ہوتا۔ وہاں کاص قسم کے ایئر کنڈیشنر تھے اور خاص قسم کی انفراریڈ اور الٹرا وائلٹ روشنیاں تھیں۔ پورٹیبل ہیڈز جن سے تھرمو اسٹیٹ منسلک تھے، طرح طرح کے کیمیکلز، خاص قسم کے برش اور چاقو، وہ جدید ٹیکنالوجی اور قدیم اوزاروں کا بڑا عجیب امتزاج تھا۔ ان کی مدد سے چارلس بے حد قدیم نوادرات کو نیا جیسا بنا دیتا تھا، ایسے کہ فنی نزاکتیں بھی ڈسٹرب نہیں ہوتی تھیں۔

اس وقت وہ اسرائیل سے آئے ہوئے چند کہنہ نوادرات کو پیک کر رہا تھا۔ ان میں کچھ قدیم چاقو تھے، کچھ برتن، اس کے علاوہ چمڑے کا ایک باکس بھی تھا۔ یہ وہ سامان تھا جو وہ ذاتی طور پر اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ نجانے کیوں اس باکس کو دیکھ کر اسے اس کی غیر معمولی اہمیت کا احساس ہوا تھا۔ اسی لئے اسے کھولنے کیلئے وہ سب لوگوں کے چلے جانے کا انتظار کرتا رہا تھا۔

اس نے بڑی احتیاط سے باکس کی چرمی بندشوں کو کھولا۔ پھر اس نے باکس کو کھول کر اس کے اندر جھانکا۔ اس نے گہری سانس لی۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ اس میں جو کچھ بھی ہے، وہ بے حد پرانا ہرگز نہیں ہے لیکن وہ نیا بھی نہیں تھا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر تختی سے بندھے ہوئے مخطوطات کو کھولا۔ انہیں ایک طرف رکھ کر اس نے پھر باکس میں ہاتھ ڈالا۔ اس بار اس کے ہاتھ میں ایک ترشی ہوئی صلیب آئی۔ صلیب پر یسوع مسیح کی شبیہہ ترشی ہوئی تھی، جس میں مسیح کے چہرے پر اذیت اور کرب کے تاثر کو بے حد فنی مہارت سے اجاگر کیا گیا تھا۔

اس نے صلیب کو بھی ایک طرف رکھ دیا۔

اس بار باکس میں ہاتھ ڈالنے پر دیگر چیزوں کے ساتھ جدید عہد کا ایک لفافہ برآمد ہوا۔ اس لفافے نے اس کا تجسس بھڑکا دیا۔ مگر وقتی طور پر اس نے لفافے کو بھی ایک طرف رکھ دیا۔

چمڑے کے باکس میں صرف ایک چیز اور رہ گئی تھی۔

اس نے چوتھی اور آخری بار ہاتھ ڈال کر وہ بھاری بنڈل اٹھا لیا جو کسی بہت پرانے اور بوسیدہ کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔ اس نے بنڈل کو نکالا تو اندر سے کچھ کھنکھنے کی آواز سنائی دی۔

اس نے بہت احتیاط سے کپڑے کو ہٹایا۔

وہ بہت پتلے پتلے سات خنجر تھے...... بے حد تیز اور نکیلے...... لیکن یقینی طور پر بے حد پرانے۔ ان کے دستے ہاتھی دانت کے تھے اور ان پر مسیح کی شبیہہ کندہ تھے۔

اب چارلس کیلئے اپنے تجسس کا دبانا ممکن نہیں رہا تھا۔ اس نے لفافہ اٹھایا اور اسے چاک کیا۔ اس میں سے کاغذوں کی خاصی موٹی گڈی برآمد ہوئی۔

کاغذات کا جائزہ لیتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ یہ تحریر تو بوگن ہیگن کی لگتی ہے۔

پھر وہ سکون سے انہیں پڑھنے بیٹھ گیا!

............☆............

مڈٹرم کے دوران لڑکے گھر آئے ہوئے تھے۔ پوری فیملی پھر یکجا ہو گئی تھی۔ اس وقت وہ سب ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے ایک ویسٹرن مووی دیکھ رہے تھے۔ فلم وہ بڑے اسکرین پر دیکھ رہے تھے۔

اسکرین پر ایک دراز قد شخص قصبے کی واحد سڑک پر دونوں ہاتھ ڈھیلے ڈھالے انداز میں پہلوؤں کے ساتھ لٹکائے قدم بڑھا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ اس کے ریوالوروں کے موتی جڑے دستوں سے بہ مشکل دو انچ دور تھے۔

کیمرے نے ہوٹل کی تیسری منزل کی کھڑکی سے جھانکتی ہوئی ونچسٹر رائفل کی نال دکھائی۔ ہیرو کی نظر اس نال پر نہیں پڑی تھی۔ وہ بظاہر بے فکری سے، لیکن درحقیقت چوکنے انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔

ونچسٹر گرجی۔ دراز قد شخص نیچے گرا اور اس نے کئی لڑھکنیاں کھائیں......

اسی وقت فلم اسکرین سے دیوار پر منتقل ہو گئی۔

''اوپر پروجیکٹر چلانے والے، تجھے کیا کہوں۔'' ڈیمن چلایا۔

ڈیمین جس دیوار سے لگا بیٹھا تھا، اس کے پیچھے پروجیکٹ روم تھا۔ وہاں مارک موجود تھا۔ اس وقت وہ فلم آپریٹر کا کردار ادا کر رہا تھا۔ اس نے دیوار کے اپرچر سے جھانکا اور چلایا۔ ''میں ابھی کچھ کرتا ہوں۔''

عام حالات میں وہ لوگ گھر پر فلم دیکھتے تو پروجیکشن مشین چلانا بٹلر کی ذمے داری ہوتی تھی لیکن آج مارک کو اس کو سمجھنے کا شوق ہوا تھا۔ رچرڈ نے حامی بھری تھی اور اسے سمجھایا تھا کہ فلم کیسے چلائی جاتی ہے۔

چنانچہ یہ اس کا پہلا موقع تھا۔ رچرڈ، این اور ڈیمین فلم دیکھ رہے تھے اور وہ پروجیکشن مشین کو کنٹرول کر رہا تھا اور اب عین فلم کے کلائمکس کے موقعے پر گڑبڑ ہو گئی تھی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

مارک کچھ دیر کی کوشش کے بعد فلم کو دوبارہ اسکرین پر لانے میں کامیاب ہوگیا۔

تین چار قلابازیاں کھانے کے بعد ہیرو یوں ساکت ہوگیا، جیسے وہ مرگیا ہو مگر اس کا داہنا ہاتھ بہت آہستہ آہستہ ہولسٹر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پھر اچانک اس نے تیز ترین موشن میں ریوالور بھی نکالا اور فائر بھی کر دیا۔

ہوٹل کی تیسری کی کھڑکی سے باہر جھانکتی ہوئی رائفل نیچے گرتی نظر آئی۔ اس کے پیچھے رائفل بردار بھی تھا۔ وہ غلے کے ایک اسٹور کی چھت پر گرا۔ چھت سے لڑھکتا ہوا وہ اس ناند میں گرا، جس میں گھوڑے پانی پیتے ہیں۔

ہیرو اچھل کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور غروب ہوتے ہوئے سورج کی طرف روانہ ہوگیا۔

''چلو......کوئی ہپی اینڈ کی فلم تو دیکھنے کو ملی''۔ این نے کہا۔

ڈیمین نے لائٹ آن کردی۔ ''میں اس فلم کو سکس اسٹار ریٹنگ دوں گا''۔ وہ بولا۔

این نے مسکراتے ہوئے نفی میں سرہلا دیا۔ ''اب ایسا بھی نہیں ہے''۔ یہ کہہ کر اس نے انگڑائی لی۔ ''یہ بتاؤ، سینڈوچ کون کون کھائے گا''۔

رچرڈ نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''ایک سینڈوچ میرے لئے''۔

ڈیمین نے سرہلایا۔ ''دو میں کھاؤں گا''۔

''اور میں جانتی ہوں کہ مارک ایک سینڈوچ کھائے گا''۔ این نے کہا اور باہر چلی گئی۔

پروجیکشن بوتھ میں مارک بڑی احتیاط سے فلم کو ری وائنڈ کر رہا تھا۔ وہ کوشش کر رہا تھا کہ فلم الجھنے نہ پائے۔ ڈیمین اسکرین کو فولڈ کرکے رکھنے کی تیاری کر رہا تھا۔ اور رچرڈ بیک گیمن کے لئے بورڈ تیار کر رہا تھا۔

اطلاعی گھنٹی کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ ''یہ کون آ گیا؟'' رچرڈ اور ڈیمین کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

ڈیمین نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا ''میں دیکھتا ہوں''۔ یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

..................×..................

چارلس وارن دروازے پر کھڑا تھا۔ اس کے لباس پر برف کے ذرات لگے تھے۔ سردی سے اس کا برا حال تھا۔ اس کے ہاتھ میں بیوگن ہیگن والا لفافہ تھا۔ اس کے جسم میں کپکپاہٹ تھی......اور اس کا سبب صرف سردی ہرگز نہیں تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے جو کچھ اس نے پڑھا تھا، اس نے اسے مرجانے کی حد تک خوف زدہ کر دیا تھا...... محاورتاً نہیں، حقیقتاً۔

ستم در ستم یہ کہ دروازہ کھولنے والا ڈیمین ہی تھا۔ وہ اور خوف زدہ ہوگیا۔ اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

لیکن ڈیمین کو فوری طور پر کسی گڑبڑ کا احساس ہوگیا۔ ''ہیلو ڈاکٹر وارن''۔ اس کے لہجے میں درشتی تھی۔

''ہیلو ڈیمین''۔ چارلس نے کہا۔ وہ اپنی آواز کی لرزش پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''مسٹر تھورن کو بتاؤ کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں''۔

''کیا یہ ملاقات پہلے سے طے تھی؟'' ڈیمین نے اپنی جگہ پر جمے جمے، سرد لہجے میں پوچھا۔

''تم انہیں میری آمد کی اطلاع دے دو''۔ اس بار چارلس وارن کے لہجے میں سختی تھی۔

ڈیمین ایک لمحے کو ہچکچایا۔ پھر بولا ''اندر آ جائیے''۔

چارلس وارن ہال وے میں داخل ہوا۔ ڈیمین نے دروازہ بند کر دیا۔ ''میں انہیں بتاتا ہوں''۔ یہ کہہ کر وہ لاؤنج کی طرف بڑھ گیا۔

چارلس نے اپنے لباس سے برف جھاڑی اور سوچنے لگا کہ کس طرح سے بات کی جائے۔ معاملہ بے حساس ہے۔

''ڈاکٹر وارن آئے ہیں۔ وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں''۔ اندر ڈیمین نے رچرڈ تھورن سے کہا۔

''چارلس آیا ہے؟''۔ رچرڈ خوش بھی ہوا اور حیران بھی۔ ''بہت خوب۔ تو اسے اندر بھیج دو''۔

لیکن چارلس کیلئے انتظار کرنا ممکن نہیں تھا۔ اتنی دیر میں وہ خود ہی اندر چلا آیا۔

''این سے کہنا کہ چارلس کیلئے بھی سینڈوچ بنالے''۔ رچرڈ نے ڈیمین سے کہا۔

ڈیمین باہر نکلا اور کچن کی طرف بڑھ گیا۔

..................×..................

ہال وے میں پہنچتے ہی ڈیمین کے چہرے کا تاثر یکسر تبدیل ہوگیا۔ اب اس کے چہرے پر شدید غصے اور نفرت کا تاثر تھا۔ اسے معلوم ہوگیا تھا کہ چارلس وارن یہاں کیوں آیا ہے اور وہ اسے ایسی نظروں سے کیوں دیکھ رہا تھا۔

لیکن ڈیمین کم از کم اس وقت کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

بے بسی کے احساس کے ساتھ وہ کچن میں داخل ہوگیا۔

..................×..................

''سردی بہت شدید ہے۔ ہے نا؟''۔ رچرڈ نے برانڈی کے دو جام بناتے ہوئے کہا۔

چارلس نے اسے پریشانی دیکھتا رہا......اور سوچتا رہا کہ بات کہاں سے شروع کرے۔

رچرڈ کو مارک کی موجودگی کا خیال ہی نہیں تھا، جو پروجیکشن بوتھ میں بیٹھا فلم کو ری وائنڈ کر رہا تھا۔ ان دونوں کی آوازیں اسے بالکل صاف سنائی دے رہی تھیں۔

چارلس نے برانڈی کا جام لیا اور اتنا طویل گھونٹ لیا کہ رچرڈ اسے حیرت سے دیکھنے پر مجبور ہوگیا۔

برانڈی نے چارلس کو توانائی اور حوصلہ بخشا۔ اس نے فرش پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''رچرڈ...... میں تم سے بہت ذاتی نوعیت کی گفتگو کرنے والا ہوں''۔

''چارلس، ہم اچھے دوست ہیں''۔ رچرڈ نے اعتماد بڑھانے والے انداز میں کہا۔ ''کہو......کیا بات ہے؟''۔

چارلس نے گہری سانس لی اور جیسے پھٹ پڑا۔ ''رچرڈ، تم مجھے بتا سکتے ہو کہ لندن میں تمہارے بھائی کے ساتھ درحقیقت کیا معاملہ ہوا تھا''۔

رچرڈ کا رویہ ایک دم تبدیل ہوگیا۔ اس کے انداز میں سرد مہری اور لہجے میں سختی اور بے گانگی در آئی۔ ''تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''۔

''اسرائیل میں کھدائی کے دوران جو چیزیں برآمد ہوئیں، ان میں چمڑے کا ایک باکس بھی تھا۔ وہ میں اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے میں نے اسے کھول کر دیکھا تھا۔ وہ بیوگن ہیگن کا ثابت ہوا۔ اور اس میں بہت ذاتی چیزیں ہیں۔ وہ سب کچھ اس کے ڈھانچے کے قریب پڑا تھا۔

''تو پھر؟''۔ رچرڈ کے لہجے کی درشتی بڑھ گئی۔

چارلس نے برانڈی کا ایک اور گھونٹ لیا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''تمہیں معلوم ہے کہ ڈیمین کو قتل کرنے کیلیے وہ خنجر بیوگن ہیگن نے تمہارے بھائی کو دیے تھے؟''۔

''تم کیا بکواس کر رہے ہو؟''۔

پروجیکشن بوتھ میں موجود مارک اپر چ کے اور قریب آ گیا۔ تا کہ ان کی گفتگو طور پر سن سکے۔

''سات سال پہلے بیوگن ہیگن نے تمہیں ایک خط لکھا تھا......''۔

''خط؟ اور مجھے!''۔ رچرڈ اب اضطراب کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔ ''مجھے ایسا کوئی خط نہیں ملا''۔

''وہ اسے بھیج ہی نہیں سکا۔ چمڑے کے اس باکس میں وہ خط اب بھی موجود تھا''۔

''اور تم نے وہ خط پڑھ لیا؟''۔ رچرڈ کا انداز الزام دینے والا تھا۔

چارلس کے لہجے میں التجا تھی...... خوشامد تھی۔ ''رچرڈ، تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔ میں ایک ذی شعور اور ہوش مند انسان ہوں۔ لیکن جو کچھ میں تمہیں بتانے والا ہوں، وہ بہ ظاہر معقول اور ہوش مندانہ نہیں لگے گا''۔

''خدا کیلیے وارن، جو کہنا ہے کہہ دو''۔

''بیوگن ہیگن کا دعوا ہے کہ ڈیمین...... وہ شیطان کا آلہ کار ہے۔ وہ اینٹی کرائسٹ ہے...... دجال!''۔

رچرڈ اسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے اس کے پاگل ہونے کا یقین ہو۔

پروجیکشن روم میں مارک جیسے سانس لینا بھی بھول گیا تھا۔

''ڈیمین انسان نہیں ہے رچرڈ''؟ چارلس اپنا بوجھ جلد از جلد ہلکا کر دینا چاہتا تھا۔ ''بیوگن ہیگن کا دعوا ہے کہ اسے مادہ گیدڑ نے جنم دیا''۔

رچرڈ ہنسنے لگا۔ ''اور تم مجھے یہ بتانے کے لئے دوڑے آئے ہو''۔ اس نے سر جھٹکا اور دور جانے لگا۔

چارلس نے برانڈی کا جام خالی کر کے رکھ دیا۔ ''تمہارے بھائی کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی''۔ وہ رچرڈ کے پیچھے چلنے لگا۔ ''وہ مایوسی کے عالم میں مشورے کیلیے بیوگن ہیگن کے پاس گیا۔ بیوگن ہیگن نے اسے بتایا کہ لڑکے کو کیسے ختم کیا جا سکتا ہے۔

رچرڈ نے اپنا جام میز پر پٹخا اور طیش کے عالم میں چارلس وارن کی طرف مڑا۔ ''میرا بھائی بیمار تھا رچرڈ''۔ اس نے سرد لہجے میں کہا۔ ''وہ دماغی طور پر بیمار تھا۔ اپنی بیوی کی موت......''۔

''ہاں اس کی موت کا سبب بھی ڈیمین ہی تھا''۔ چارلس نے جلدی سے کہا۔ ''اور ایک نہیں، ایسی پانچ اموات ہوئیں جن کی کوئی منطقی توجیہہ نہیں کی جا سکی۔ اس کے متعلق پیش گوئی بائبل میں موجود ہے...... پیش گوئیوں کے باب میں''۔ چارلس جانتا تھا کہ اب وہ خطرناک ترین مرحلے میں داخل ہو رہا تھا۔ لیکن رچرڈ کو کتنا ہی غصہ آئے، اسے اپنی بات کہنی تھی۔ ''بیوگن ہیگن......''۔

''وہ پاگل تھا...... دیوانہ تھا...... مذہبی جنونی تھا''۔

چارلس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں جانتا ہوں۔ بہ ظاہر یہ پاگل پن ہی لگتا ہے، لیکن......''۔

''لیکن تم اس خرافات پر یقین رکھتے ہو''۔

چارلس نے اپنی جیب سے لفافہ نکالا اور میز پر رکھ دیا۔ ''یہ رہا وہ خط''۔ اس نے کہا۔ ''خود پڑھ کر دیکھ لو''۔

''نہیں، نہیں میں نہیں پڑھوں گا''۔

''اگر بیوگن ہیگن کی بات درست ہے تو ہم سب خطرے میں ہیں۔ تم، این، مارک...... ہم سب۔ یاد کرو، جوآن ہارٹ کا کیا حشر ہوا۔ وہ بھی حقیقت جانتی تھی''۔

''بہر حال میرا اس پاگل بڈھے کی احمقانہ باتیں پڑھنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے''۔ رچرڈ نے ضدی پن کا مظاہرہ کیا۔

''رچرڈ''۔ چارلس کے لہجے میں التجا تھی۔ ''میں بیوگن ہیوگن کو بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ نہ پاگل دیوانہ تھا نہ مذہبی جنونی۔ ایک بات بتاؤ۔ تمہیں کبھی کوئی شبہ نہیں ہوا۔ تمہیں کوئی عجیب بات......''۔

''نہیں''۔ رچرڈ حلق کے بل چلایا۔

چارلس کو ڈر تھا کہ اب رچرڈ کا ہاتھ اس پر اٹھنے والا ہے۔ ''ڈیمین کی کوئی بات جو اس نے کہی ہو...... یا اس نے کچھ کیا ہو...... تمہیں ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی۔ اس پر کبھی شبہ نہیں ہوا''۔

''چارلس، تم اسی وقت میرے گھر سے نکل جاؤ......''۔

''سوچو...... اموات تو ہمارے درمیان بھی ہوئی ہیں......''۔

''گیٹ آؤٹ''۔ اب رچرڈ کا جسم غصے کی شدت سے لرز رہا تھا۔

لیکن چارلس وارن کو احساس تھا کہ اس کے پاس وقت بہت کم ہے۔ وہ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ''علامات بالکل واضح ہیں رچرڈ''۔ اس نے کہا۔ ''یہ ایسے اتفاقات ہیں، جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ تم بائبل پڑھو رچرڈ...... پیش گوئیوں کا باب پڑھو۔ تمہاری سمجھ میں سب کچھ آ جائے گا۔ ہمیں سب کچھ آسمانی کتاب کے مطابق کرنا ہو گا...... آخر تک!''۔

''کس آخر کی بات کر رہے ہو تم؟''۔ رچرڈ کو خود حیرت تھی کہ اب تک یہ گفتگو اس نے کیسے برداشت کیسے کر لی''۔

''یگائیل کی دیوار''۔ چارلس نے جواب دیا۔ ''بیوگن ہیگن نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ یگائیل کی دیوار اس کے بیان کا یقینی اور نا قابل تردید ثبوت ہے۔ اسے دیکھ کر تم قائل ہو جاؤ گے۔ دیوار روانہ کی جا چکی ہے۔ کسی بھی دن نیویارک پہنچ جائے گی''۔

''تم ماضی کی خاک چھاننے کے عادی ہو چکے ہو چارلس۔ اس کے نتیجے میں تم بھی اپنی دوست جوآن ہارٹ کی طرح مذہبی جنونی بن چکے ہو۔ تم جاؤ اور اس دیوار کو دیکھو۔ مجھے ایسی کسی چیز میں کوئی دلچسپی نہیں ہے''۔

چارلس وارن اسے غور سے دیکھتا رہا۔ اس نے اس معاملے کو آسان ہرگز نہیں سمجھا تھا۔ مگر اس نے یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ یہ اس انداز میں ختم ہو گا۔ اس نے جان لیا تھا کہ رچرڈ تھورن سے اس کا تعلق کسی بھی لمحے ہمیشہ کے لئے ختم ہو سکتا ہے...... تو اب وہ اس تعلق کو ختم ہی کیوں نہ کر دے۔

''ہاں میں تو جاؤں گا اور دیکھوں گا بھی''۔ اس نے کہا اور کمرے سے نکل کر آیا۔

رچرڈ تھورن اپنی کرسی پر سکتے کی سی کیفیت میں بیٹھا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ چارلس کی کچھ باتیں تو سچی ہو سکتی ہیں۔ مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ چارلس کو معلوم ہوئیں۔ لیکن باقی باتیں تو محض بکواس......

اس نے سر جھٹک دیا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ ابھی ابھی اس نے ایک بہت اچھے دوست کو کھو دیا ہے۔

پروجیکشن بوتھ میں مارک پر لرزہ چڑھا ہوا تھا۔ اس کا جسم کسی سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

ڈیمین سینڈوچ بنانے میں این کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔

ان دونوں نے دروازہ بند ہونے کی...... اور پھر چارلس کی کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ پھر ٹائر چرچرائے اور کار آگے بڑھ گئی۔ انہوں نے ایک دوسرے کو اور پھر اضافی سینڈوچ کو دیکھا، جو انہوں نے ابھی تیار کیا تھا۔

''اوہو...... لگتا ہے، یہ سینڈوچ اب مجھے ہی کھانا پڑے گا''۔ ڈیمین نے چہک کر کہا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اس رات ڈیمین ویسی ہی بے فکری سے سویا، جیسے جوان ہوتے ہوئے لڑکے سوتے ہیں۔

این کی نیند بھی پر سکون تھی۔

لیکن رچرڈ تھورن اس رات سو ہی نہیں سکا۔

اور مارک تھورن کی بھی پلک تک نہیں جھپکی!

صبح ہوگئی۔ دونوں باپ بیٹے جاگ رہے تھے۔

رچرڈ تھورن انہی کپڑوں میں تھا، جو وہ رات کو پہنے ہوئے تھا۔ وہ اپنی اسٹڈی میں میز پر بیٹھا تھا۔ اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھاما ہوا تھا۔ اور وہ یہ سوچنے کی کوشش کرر ہا تھا کہ کیا کرے۔ سامنے برسوں پرانا وہ خط کھلا رکھا تھا، جو بہت تاخیر کے بعد اب اس تک پہنچا تھا۔ بیوگن ہیگن کا خط، جسے اب تک کئی بار پڑھ چکا تھا۔ اس خط میں جو کچھ تھا، اسے ہضم کرنا آسان نہیں تھا۔ لیکن پوری طرح نظر انداز کر دینا بھی ممکن نہیں تھا۔ بیوگن ہیگن نے جو کچھ لکھا تھا، وہ اس کے لئے ناقابل یقین تھا۔ لیکن وہ محسوس کرر ہا تھا کہ اسے اس پر غور کرنا ہوگا۔ مگر اس کیلئے وقت چاہئے...... کافی وقت!

اس نے خط سمیٹا اور اسے ڈیسک کی دراز میں رکھ کر دراز لاک کر دی۔ پھر وہ اٹھا اور اس نے انگڑائی لی۔ رات بھر کی بیداری کے نتیجے میں، اس کے جسم پر کسل مندی طاری ہو رہی تھی۔

وہ کھڑکی کی طرف بڑھا۔ سامنے برف پوش پہاڑیوں کے پیچھے سے سورج سر ابھار رہا تھا۔ یہ سب کچھ سچ تو نہیں ہوسکتا۔ اس نے خود سے کہا۔ شیطان کا وجود حقیقت تو نہیں ہے۔ وہ تو محض ایک علامت ہے...... برائی کی علامت! اور ہر آدمی کے دماغ میں...... اور اس کے نفس میں ہوتا ہے۔

وہ پلٹا اور اوپر چلا گیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ چند گھنٹوں کی نیند بہت ضروری ہے۔

اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کا بیٹا مارک بھی اس کی طرح رات بھر جاگا ہے۔

مارک نے دوسروں پر یہ ظاہر کیا تھا کہ جیسے وہ سونے کے لئے جا رہا ہے۔ پھر جب گھر میں خاموشی چھا گئی تو وہ بستر سے اٹھا اور دبے پاؤں لائبریری میں چلا گیا۔

وہاں سے اس نے بائبل اٹھائی، پیشن گوئیوں کا باب کھولا اور اسے پڑھنے لگا۔

اور اب جبکہ سویرا ہو رہا تھا، اس نے کتاب سے سر اٹھایا اور ننھے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ وہ رونا رات بھر کی تھکن اور بے آرامی کا بھی تھا...... اور اس کا سبب وہ خوف ناک معلومات بھی تھیں، جو اسے حاصل ہوئی تھیں۔

مارک کو اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ اس کا محبوب کزن، ڈیمین تھورن شیطان کا بیٹا ہے۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

وہ پچھلے چند مہینوں کے دوران ڈیمین کے عجیب رویے یاد کر رہا تھا۔ تاریخی عساکر کے پیریڈ میں جو کچھ ہوا تھا۔ وہ کوئی بہت پرانی بات نہیں تھی۔ پھر اس کی جسمانی صلاحیتیں، کھیل کے میدان میں ایسا لگتا تھا کہ کوئی چیز اس کے خلاف نہیں جاتی ہے۔

پھر اسے یہ بھی یاد آیا کہ پلانٹ پر حادثے کے دوران جب سب کی جان پر بنی تھی، ڈیمین پر زہریلی گیس ذرا بھی اثر انداز نہیں ہوئی تھی۔ اسے پیاریان کا خیال آیا۔ پھر بل ایتھرٹن کا اور آنٹی ماریان کا...... اوران لوگوں کا جو مرتے رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے، بالکل اچانک...... اور ایسے کہ ان کی موت کی کوئی توجیہہ ممکن نہیں تھی۔

آخر میں اس نے اپنے محبوب کزن کے بارے میں سوچا، جسے وہ پرستش کی حد تک چاہتا تھا۔ تو کیا یہ ممکن ہے کہ دنیا میں بے شمار خوف ناک...... اور قابل نفرت لوگ ڈیمین کی اس طرح پرستش کرتے ہوں گے۔ نہیں اس طرح...... مختلف انداز میں...... شیطانی انداز میں!

مارک اٹھا اور اس نے بائبل وہیں رکھ دی، جہاں سے اٹھائی تھی۔ پھر وہ دبے پاؤں ہال میں چلا آیا۔ وہاں اس نے ریک سے اپنا گرم اوور کوٹ نکالا۔ اسے پہن کر اس نے مرکزی دروازہ کھولا اور گھر سے نکل آیا۔ وہ کہیں تنہائی میں فرصت سے بیٹھ کر سوچنا چاہتا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔

..................x..................

''کیا......؟ ڈیمین کیا ہے؟'' این نے انڈے تلتے ہوئے اچانک پلٹ کر رچرڈ کو دیکھا۔ ''رچرڈ...... تم ایسی کسی بات پر کیسے یقین کر سکتے ہو؟''۔

''میں نے یہ نہیں کہا کہ مجھے اس پر یقین ہے''۔ رچرڈ کچن کے دروازے میں کھڑا تھا۔ بوگن ہیگن کا خط اس کے ہاتھ میں تھا۔ ''میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ چارلس نے مجھ سے کیا کہا تھا اور اس خط میں کیا لکھا ہے''۔

''لیکن تم کہہ رہے ہو کہ تم نیو یارک جاؤ گے۔ خدا کیلئے رچرڈ'' این نے انڈے پلٹے۔ پھر وہ پلیٹیں نکالنے کیلئے کیبنٹ کی طرف بڑھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کے درمیان یہ گفتگو ہو رہی ہے۔ ''تو کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ......؟''۔

''نہیں''۔ رچرڈ چلایا۔ رات بھر کا جاگا ہوا اس کا نڈھال ذہن اب معقولیت اور تحمل کی صلاحیت سے محروم تھا۔ ''یہ سب کچھ خرافات ہے اور میں اس پر یقین نہیں رکھتا۔ لیکن رابرٹ کو چرچ میں اس وقت شوٹ کیا گیا جب وہ ڈیمین کو ختم کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور......''۔

''چارلس تمہیں بہکانے میں کامیاب ہو گیا؟ ہے نا یہی بات؟'' این نے پلیٹیں اوون کے پاس رکھیں اور انڈے ان میں نکالنے لگی۔ ''اس نے تمہارے اندر یہ پاگل پن بیج کی طرح ڈال دیا ہے''۔ وہ رچرڈ کی طرف بڑھی اور اس کے ہاتھ سے بگین ہیگن کا خط لے کر کاؤنٹر پر رکھ دیا۔ ''خیر...... میں تمہیں اس زہر کا شکار نہیں ہونے دوں گی''۔ اس کے لہجے میں قطعیت تھی۔ ''تم اس وقت تھکے ہوئے ہو اور معقولیت سے سوچنے اور سمجھنے قابل نہیں ہو۔ آرام کرو گے تو تمہیں یہ یاد بھی نہیں رہے گا کہ چارلس نے......''۔

''این......''۔

''نہیں رچرڈ۔ اس بات کو یہیں ختم کر دو۔ تم نے بس ایک گندی کہانی سنی اور اسے بھول گئے۔ اب یہ معاملہ یہیں ختم''۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''رچرڈ...... کیا ہو رہا ہے یہ سب؟ کیا ہم سب پاگل ہو رہے ہیں؟'' وہ رونے لگی۔

رچرڈ نے آگے بڑھ کر اسے بانہوں میں بھر لیا۔ ''مت رو این۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میں تھکا ہوا ہوں۔ نیند کو ترس رہا ہوں۔ میں...... میں شرمندہ ہوں ڈارلنگ۔ آئی ایم سوری......''۔

''اوگاڈ''۔ اس نے کندھے پر سر رکھ دیا۔

''بس کرو۔ اب سب ٹھیک ہے۔ میں کہیں نہیں جا رہا ہوں''۔

''اور ڈیمین...... تم اس کیلئے بدلو گے تو نہیں۔ تم اسے......''۔

''ارے نہیں جان''۔ رچرڈ اب اسے تھپک رہا تھا۔

''مجھ سے وعدہ کرو''۔

''وعدہ رہا ڈیئر''۔

این کو اپنی بانہوں میں جھلاتے ہوئے رچرڈ سوچ رہا تھا...... واقعی، میں بھی کن لوگوں کی باتوں میں آ گیا...... اور وہ بھی کیسی باتوں میں! اس وقت اس نے کچن کی کھڑکی سے ڈیمین کو دیکھا جو عقبی لان سے گزر کر جنگل کی طرف جا رہا تھا۔

اس کے اندر ایک نامعلوم خطرے کا احساس جاگ اٹھا۔ ''مارک کہاں ہے؟'' اس نے اپنے لہجے کو تشویش سے پاک رکھنے کی کوشش کی۔

''میرا خیال ہے۔ وہ سویرے ہی باہر نکل گیا تھا'' این نے جواب دیا۔ پھر وہ رچرڈ سے الگ ہوئی۔ اور پیچھے ہٹ کر اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟''۔

''میں نے ریک میں دیکھا تو مارک کا اوور کوٹ موجود نہیں تھا''۔

''کیوں نہ ہم بھی چہل قدمی کے لئے چلیں''۔ رچرڈ نے کہا۔

''لیکن انڈے......؟''۔

انڈے اب جل رہے تھے۔ وہ اسٹور کی طرف لپکی۔

''اس وقت مجھے تازہ ہوا کی شدید ضرورت ہے''۔

این نے اسے بہت غور سے دیکھا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ ان کے گھر میں...... کینوں کے درمیان جو کچھ ہو رہا ہے۔ ایسا کچھ جو وہ سمجھ نہیں پا رہی ہے۔ اس نے رچرڈ سے شادی اس لئے کی تھی کہ وہ رچرڈ سے محبت کرتی تھی۔ اور اس کا خیال تھا کہ اس کی ازدواجی زندگی کچھ دشوار نہیں ہوگی۔ اور زندگی کے ہر بحران سے وہ رچرڈ کی محبت کے زور پر نمٹ سکے گی۔

لیکن اس وقت اس کا وہ یقین متزلزل ہو گیا تھا۔

اس نے کندھے جھٹکے اور جلے ہوئے انڈے ڈسٹ بن میں ڈال دیئے۔ ''او کے رچرڈ۔ چلو، چہل قدمی کرتے ہیں''۔

..................x..................

مارک گھر سے کافی دور ایک درخت کے نیچے بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور بشرے سے فکرمندی ہویدا تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوف تھا...... اور ایک ایسا تاثر تھا، جو اس عمر کے کسی لڑکے کی آنکھوں میں نظر نہیں آنا چاہئے، شاید اسی کی وجہ سے وہ اپنی عمر سے بڑا لگ رہا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ سکون قلب کے لئے کس سے بات کرے۔ اس سے پہلے ہر پریشانی میں وہ ڈیمین کی طرف لپکتا تھا۔ لیکن اب یہ ممکن نہیں تھا۔ اس معاملے کو اسے خود ہی نمٹانا تھا۔

پھر اچانک اسے قدموں کی چاپ سنائی دی...... اور پھر جانی پہچانی آواز۔ ''مارک...... اے مارک۔ کہاں ہو تم؟''۔

وہ ڈیمین تھا۔

مارک بہت آہستگی سے اٹھا اور دبے قدموں جنگل میں اور اندر کی طرف بڑھنے لگا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

قدموں کی آہٹ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ فاصلہ بڑھ نہیں رہا ہے۔ڈیمین اس کا پیچھا کر رہا تھا۔

مارک نے بھاگنا شروع کر دیا۔

''اے مارک!''۔

مارک اور تیز دوڑنے لگا۔لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ بہت آگے نہیں جا سکے گا۔وہ پوری رات نہیں سویا تھا۔اس کا جسم نڈھال تھا اور وہ بری طرح خوف زدہ بھی تھا۔بالآخر وہ ایک بہت بڑے، بہت موٹے تنے والے درخت کے پاس پہنچا اور اس کے تنے کے پیچھے چھپ گیا۔

وہ بہت بری طرح ہانپ رہا تھا۔

چند منٹ گزر گئے۔پھر اسے ڈیمین کی آواز دوبارہ سنائی دی۔اب وہ بہت قریب آ گیا تھا۔شاید ان دونوں کے درمیان بس درخت کا تنا ہی حائل تھا۔

''مجھے معلوم ہے تم یہاں ہو''۔ڈیمین نے پکارا۔

مارک کانپ اٹھا۔''میرا پیچھا چھوڑ دو۔مجھے اکیلا چھوڑ دو''۔خود مارک کو بھی اپنی آواز میں کمزوری محسوس ہوئی۔

ڈیمین گھوم کر تنے کی دوسری سمت آیا۔اب ان دونوں کے درمیان صرف چند منٹ کا فاصلہ تھا۔

''تم مجھ سے بھاگ کیوں رہے ہو؟''۔ڈیمین کے لہجے میں شکایت تھی۔

مارک نے چند لمحے توقف کیا۔پھر بلند آہنگ سرگوشی میں بولا۔''میں جان گیا ہوں...... کہ تم کون ہو''۔

ڈیمین مسکرایا۔''کیا واقعی''۔

مارک نے اثبات میں سر ہلایا۔''چارلس وارن کو بھی معلوم ہے''۔اس نے محتاط لہجے میں کہا۔''میں نے ڈیڈی سے ان کی گفتگو سنی تھی''۔

ڈیمین کے چہرے پر غبار سا چھا گیا۔''کیا کہہ رہا تھا وہ؟''۔وہ محض سوال ہی نہیں تھا۔وہ حکم تھا۔

''وہ کہہ رہے تھے......''۔ مارک کے لئے الفاظ کا انتخاب دشوار ہو گیا۔''وہ کہہ رہے تھے کہ شیطان نے اپنا بیٹا زمین پر بھیجا ہے''۔

''اور...... کہتے رہو''۔

مارک نے منہ پھیر لیا۔ایک آنسو اس کے رخسار پر لڑھک آیا۔

''بولو نا مارک''۔

مارک نے خوف دور کرنے کے لئے تھوک نگلا۔''وہ کہہ رہے تھے کہ تم شیطان کے بیٹے ہو''۔ بالآخر اس نے کہا۔

............x..................

جنگل کے ایک اور حصے میں رچرڈ اور این خاموشی سے ٹہل رہے تھے۔دور سے کوئی دیکھتا تو انہیں دو محبت کرنے والے ہی سمجھتا۔

لیکن درحقیقت ایسا نہیں تھا۔رچرڈ کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور اس کے انداز میں تھکن تھی۔چہرے پر فکر مندی تھی۔اور اس کا ذہن بہت تیزی سے کچھ سوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔وہ کوئی ایسی چیز تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا، جس کے نہ ملنے کا اسے پورا یقین تھا......کوئی تاویل......کوئی جواز!

.................x..................

ڈیمین مارک کو سخت نظروں سے دیکھ رہا تھا۔''کہتے رہو''۔اس کا لہجہ سرد تھا۔

بالآخر مارک پھٹ پڑا۔''اس دن تم نے اکیڈمی میں ٹیڈی کا جو حال کیا تھا، مجھے یاد ہے''۔اس نے چیخ کر کہا۔''اور تاریخ عساکر کی کلاس میں جو کچھ ہوا، وہ بھی میں نہیں بھولا، ایتھرٹن اور پساریان کی اموات بھی مجھے یاد ہیں۔یہ بھی حقیقت ہے کہ تمہارے ڈیڈی نے تمہیں قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔لوگ کہتے ہیں کہ وہ پاگل ہو گئے تھے۔لیکن میں سمجھ گیا ہوں کہ اصل بات کیا تھی۔وہ جان گئے تھے کہ تم کون ہو''۔مارک بری طرح لرز رہا تھا۔وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

ڈیمین کا انداز بدل گیا۔وہ مارک کو تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔''مارک......سنو......''۔

''نہیں......نہیں......'' مارک چلایا۔

''تم میرے بھائی ہو۔میں تم سے محبت کرتا ہوں''۔

''مجھے بھائی مت کہو''۔مارک نے چیخ کر کہا۔''اینٹی کرائسٹ کا کوئی بھائی نہیں''۔

ڈیمین نے اسے کندھے سے تھام لیا۔''میری بات سنو، مارک''۔وہ چلایا۔

مارک نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا''تم اعتراف کرو کہ تم نے اپنی ماں کو قتل کیا تھا''۔

بس اس کے تعلق کا وہ بندھن ٹوٹ گیا۔مارک کے اس جملے نے اسے توڑ ڈالا۔''وہ میری ماں نہیں تھی''۔ڈیمین حلق کے بل چلایا۔''میری ماں......''۔

''گیدڑ تھی''۔مارک نے اس کا جملہ مکمل کر دیا۔

''ہاں''۔ڈیمین کے لہجے میں فخر تھا۔اس کی آواز پورے جنگل میں گونج رہی تھی۔اس کی قوت بول رہی تھی۔اس کی آنکھیں دہک رہی تھیں اور اس کے چہرے پر ایسی چمک تھی، جو انسانی نہیں لگ رہی تھی۔''ہاں...... میں شیطان کا ہم شکل ہوں، اس کا بیٹا ہوں۔اس کا بیٹا، جسے بدتمیز قرار دے کر نکالا گیا۔اور وہ بدتمیز کیوں ہوا؟ اسلئے کہ اس کی عظمت کی توہین کی گئی۔عظیم کو حقیر کے آگے جھکنے کا حکم دیا گیا۔اب اس نے مجھ میں سر اٹھایا ہے وہ میرے وجود میں ہے۔وہ میری آنکھوں سے دیکھ رہا ہے''۔

مارک نے ادھر ادھر دیکھا۔خوف اب کہیں بہت پیچھے رہ گیا تھا۔وہ خود کو بہت حقیر محسوس کر رہا تھا۔اتنا حقیر کہ ہاتھ بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔وہ سب کچھ ایک بے حد ڈراؤنے خواب کی طرح تھا۔مگر وہ اس خواب سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتا تھا۔

''میرے ساتھ آؤ۔میں تمہیں اپنے ساتھ لیکر چل سکتا ہوں''

مارک نے سر اٹھا کر دیکھا۔اچانک اس کے جسم کی کپکپاہٹ ختم ہو گئی۔وہ کافی دیر تک اپنے کزن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا رہا۔پھر بہت آہستگی سے، لیکن بے حد فیصلہ کن انداز میں اس نے نفی میں سر ہلایا۔''نہیں''۔

''پلیز...... مجھے سے خوشامد مت کراؤ''۔ڈیمین کے لہجے میں التجا تھی۔

''نہیں''۔مارک کا لہجہ مستحکم تھا۔

اور پھر جیسے اس نہیں نے اس کے وجود میں نئی روح پھونک دی۔وہ اٹھا اور تیزی سے بھاگنے لگا۔حالانکہ اس کی ٹانگیں دکھ رہی تھیں۔

''مارک''۔ڈیمین نے چیخ کر اسے پکارا۔

لیکن مارک بھاگتا رہا۔''تم مجھ سے دور رہو۔میں تم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا''۔وہ پلٹ کر دیکھے بغیر چلایا۔

''مارک''۔ ڈیمین کی ایسی آواز مارک نے پہلے صرف ایک بار سنی تھی......اس وقت جب وہ نیف کے آفس سے نکلا تھا اور اس نے ٹیڈی کو مارک کے ساتھ زیادتی کرتے دیکھا تھا۔اور ٹیڈی کو پکارا تھا۔''میری طرف دیکھو مارک''۔اس کے لہجے میں تحکم تھا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

مارک رک گیا۔اسے ایسا لگا کہ وہ اب آگے بڑھ ہی نہیں سکتا ہے۔"تم مجھ سے دور رہو۔میرا پیچھا چھوڑ دو"۔ اس کا لہجہ التجائیہ تھا۔

"میں تم سے صرف ایک بار اور پوچھوں گا"۔ڈیمین کے لہجے میں خوفناک دھمکی تھی۔"پلیز......میرے ساتھ آ جاؤ۔میرے ہو جاؤ"۔

مارک دھیرے دھیرے پلٹا۔اب وہ ڈیمین کا سامنا کر رہا تھا۔"نہیں ڈیمین"۔اس کا لہجہ پرسکون تھا۔"تم اپنے انجام سے بچ سکتے ہو۔اور نہ میں اپنے انجام سے بچ سکتا ہوں"۔اب ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی طاقت ہے جو اس کی زبان سے بول رہی ہے"۔ تم وہی کرو جو تمہیں کرنا ہے۔میں بھی وہی کر رہا ہوں جو مجھے کرنا چاہیے"۔یہ کہہ کر وہ تن کر کھڑا ہو گیا جیسے ڈیمین کی کارروائی کا منتظر ہو۔

ڈیمین کے جسم میں غصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔اس غصے کا سبب یہ تھا کہ اسے روکا جا رہا تھا۔اس کی آنکھیں جیسے شعلے اگلنے لگیں۔وہ بھی تن کر کھڑا ہو گیا۔اب اس وقت اس کا قد غیر معمولی طور پر اونچا لگ رہا تھا۔پھر اس کی آنکھوں میں آنسو بھرنے لگے۔اس کا جسم لرزنے لگا۔اس نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا......

..................×..................

رچرڈ اور این کو برف پر لڑکوں کے قدموں کے نشان نظر آئے۔وہ ان کے تعاقب میں چل دیئے۔رچرڈ کے پہلو سے لگ کر چلتی ہوئی این بہ ظاہر بڑی پرسکون لگ رہی تھی۔ ہر چند قدم بعد وہ اس سے چپکنے کی کوشش کرتی۔

لیکن رچرڈ کو اس کا احساس نہیں تھا۔وہ بار بار یوں سر اٹھاتا، جیسے ہوا میں کسی غیر معمولی خطرے کی بو سونگھ رہا ہو۔

وہ قدموں کے نشانات کے تعاقب میں بڑھتے رہے۔

..................×..................

اچانک مارک نے وہ آواز سنی......وہ آواز جو اس دن سارجنٹ نیف کے دفتر کے باہر ہال وے میں ٹیڈی نے سنی تھی......وہ کھٹ کھٹ کی ایسی آواز تھی، جیسے دھات کے دو اسکیل ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں۔

وہ ایک بہت بڑے کوے کے پروں کے پھڑ پھڑانے کی آواز تھی۔

مارک نے اپنا سر بچانے کے لئے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے۔اسے احساس تھا کہ کوئی نادیدہ چیز اس پر حملہ آور ہو رہی ہے۔وہ چلایا......چیخا......اور اس نے وہاں سے ہٹنے کی کوشش کی۔لیکن نادیدہ پرندے کی خوف ناک چونچ اور اس کے پنجے اس کے سر میں اترے جا رہے تھے۔دیکھتے ہی دیکھتے اس کے نتھنوں سے خون نکلنے لگا۔پھر خون اس کی آنکھوں......اس کے کانوں سے بھی جاری ہو گیا۔

وہ گھٹنوں کے بل گرا اور اذیت بھرے انداز میں چلانے لگا۔خون سے بھری ہوئی آنکھوں سے وہ ڈیمین کی طرف دیکھ رہا تھا، جس کے چہرے پر اس وقت شیطنیت چھائی ہوئی تھی۔ڈیمین تن کر کھڑا تھا اور اس کے عقب سے سورج بلند ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ڈیمین اس وقت ناقابل تسخیر لگ رہا تھا۔

پھر ایسا لگا، جیسے کوے کی چونچ مارک کے سر کو چھیدتی ہوئی اس کے دماغ تک پہنچ گئی ہے۔مارک برف پر گر پڑا۔اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا اور آنکھیں حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔

پھڑ پھڑاہٹ کی آواز معدوم ہونے لگی۔ڈیمین نے نیچے دیکھا۔مارک کی لاش کو دیکھ کر اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی......وہ جیسے وحشیوں کا نعرہ فتح تھا۔مارک کا مردہ جسم اپنے ہی بہتے ہوئے خون میں نہا رہا تھا......سرخ ہوتا جا رہا تھا۔

وہ مارک کی طرف بڑھا اور اس کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھا۔پھر اس نے مارک کے مردہ جسم کو اپنی باہوں میں بھر لیا اور بھینچا، جیسے وہ اس میں دوبارہ جان ڈالنے کی کوشش کر رہا ہو۔

ڈیمین کی دکھ اور اذیت بھری چیخ رچرڈ اور این نے سنی۔وہ وہاں پہنچے تو ڈیمین مارک کے بے جان جسم پر جھکا، سسکیوں میں پکار رہا تھا۔"مارک......اے مارک......میرے بھائی مارک......"این کی چیخ سن کر ڈیمین نے سر اٹھایا۔وہ اچھل کر کھڑا ہوا۔"ہم دونوں چہل قدمی کر رہے تھے۔اور......اچانک یہ گر گیا۔نجانے......"

"تم گھر جاؤ"۔رچرڈ نے چیخ کر کہا۔پھر وہ این کی طرف لپکا جو مارک کی لاش پر جھکی ہوئی تھی۔

"میں نے کچھ نہیں کیا"۔ڈیمین کے لہجے میں احتجاج تھا۔

"تم گھر جاؤ منحوس لڑکے......لعنت ہو تم پر"۔رچرڈ کا جسم فرط غیض سے لرز رہا تھا۔

ڈیمین پلٹا اور گھر کی سمت بھاگنے لگا۔آنسو اس کا چہرہ بھگو رہے تھے۔"وہ گرا تھا......بس گرا تھا"۔بھاگتے بھاگتے وہ پلٹ کر چلایا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا"۔پھر وہ دوبارہ بھاگنے لگا۔

رچرڈ نے دور جاتے ہوئے ڈیمین کو دیکھا۔پھر وہ پلٹا اور اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہوا۔اسے کندھوں سے تھام کر بڑی نرمی سے اسے کھڑا کر دیا۔جب اسے اطمینان ہو گیا کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکتی ہے تو وہ جھکا اور اس نے اپنے بیٹے کی لاش کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا لیا۔

پھر وہ کھڑا ہوا اور اس نے گھوم کر این کو دیکھا۔اس کی آنکھوں میں ایک خاموش سا الزام تھا۔

این نے نفی میں سر ہلایا اور لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولی۔"ڈیمین نے کچھ نہیں کیا۔وہ کیسے......"۔

لیکن وہ جملہ مکمل نہ کر سکی۔رچرڈ پلٹا اور بیٹے کی لاش اٹھائے گھر کی طرف چل دیا۔اس نے مردہ بیٹے کا لہولہان چہرہ اپنے چہرے سے لگا رکھا تھا۔

..................×..................

تھورن فیملی کا قبرستان شمالی ساحل پر تھا اور ان کی جاگیر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ریجنالڈ تھورن اور اس کی بیوی وہیں دفن تھے۔رچرڈ کی پہلی بیوی میری اور آنٹی ماریان بھی وہیں تھیں۔

مارک کو اس کی ماں کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

قبر کے سامنے سوگواروں کے ساتھ کھڑا رچرڈ موسم سرما کی پھوار کو گھور رہا تھا۔ایک دن میں بھی یہیں لایا جاؤں گا۔اس نے سوچا۔

این اور رچرڈ سیاہ ماتمی لباس میں تھے۔ڈیمین این کے پاس کھڑا تھا۔وہ اپنی نیلی یونیفارم پہنے ہوئے تھا۔اس کے بازو پر سیاہ پٹی بندھی تھی۔

پال بوہر بھی وہاں موجود تھا۔وہ تھورن انڈسٹریز کی نمائندگی کر رہا تھا۔سارجنٹ نیف گارڈ آف آنر کے ساتھ آیا تھا۔وہ سب اٹین شن کھڑے تھے۔پھر ایک کیڈٹ آگے بڑھا اور اس نے بگل پر ماتمی دھن چھیڑ دی۔

تابوت قبر میں اتارا جانے لگا۔

تب رچرڈ پہلی بار رویا۔اس سے پہلے اپنے بیٹے کی موت پر اس کی آنکھوں سے آنسو نہیں نکلے تھے۔

پادری نے دعا شروع کی تو رچرڈ دور دیکھنے لگا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

جو کچھ پادری کہہ رہا تھا، وہ سننا نہیں چاہتا تھا۔ پادری الفاظ میں اس کے بیٹے کی شخصیت اور اس کے نقصان کا احاطہ نہیں کرسکتا تھا۔ مارک اس کا اکلوتا بیٹا تھا۔

اس کی نظر ڈیمین پر پڑی اور جم کر رہ گئی۔ جو کچھ اس نے دیکھا، اس نے اس کی توجہ پوری طرح اپنی طرف مبذول کرالی۔

ڈیمین نیف کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے جواب میں نیف نے پال بوہر کو دیکھا۔ جبکہ پال بوہر پہلے سے ہی ڈیمین کو دیکھ رہا تھا۔ وہ عجیب مثلث تھا۔

لیکن رچرڈ کو اس مثلث کے بارے میں غور کرنے کا موقع نہیں ملا۔ کوئی اس کی آستین کھینچ رہا تھا۔ اس نے دیکھا۔ این آنسوؤں سے بھیگا ہوا چہرہ لئے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں التجا تھی کہ وہ اپنا دھیان دعا پر رکھے۔

رچرڈ نے اس کا ہاتھ تھپ تھپایا اور قبر کو دیکھنے لگا۔ وہ کوشش کر رہا تھا کہ پادری کے الفاظ سنے۔ لیکن وہ ارتکاز سے محروم تھا۔ وہ تو گزشتہ چند روز کے واقعات کو ترتیب دینے کی کوشش کر رہا تھا، جو اس کے ذہن میں گڈمڈ ہوگئے تھے۔

اسے ڈاکٹر فیڈلر کے کمرے میں ہونے والی گفتگو یاد آئی۔ وہ پوسٹ مارٹم کے فوراً بعد کی بات تھی۔

''یہ کیسے ممکن ہے''۔ اس نے ڈاکٹر سے پوچھا تھا۔ ''آپ تو اس وقت سے اسے جانتے ہیں، جب وہ پیدا ہوا تھا۔ کوئی علامت تو ظاہر ہوئی ہوتی پہلے سے''۔

ڈاکٹر نے سوگواری سے سر ہلایا ''ایسا میں پہلے بھی دیکھ چکا ہوں''۔ وہ بولا۔ ''بہت نارمل اور ہر اعتبار سے صحت مند لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے دماغ میں موجود یہ چیز ذہنی دباؤ کا انتظار کرتی رہتی ہے۔ ایک پتلی سی دیوار ہوتی ہے آرٹری کی، ہر دیوار گر جاتی ہے......''۔ ڈاکٹر نے بے بسی سے ہاتھ پھیلا دیئے۔ اس کے انداز میں ہمدردی تھی۔

''اچانک اس نے مداخلت کی۔ ''تو یہ پیدائشی نقص تھا؟''۔

ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''امکانات تو یہی ہیں۔ آئی ایم سوری۔ آئی ایم ویری سوری''۔

مجھ سے زیادہ افسوس تو نہیں ہوسکتا۔ رچرڈ نے سوچا تھا۔

تدفین کے بعد سوگوار چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں ہٹنے لگے۔ بارش بھی اچانک تیز ہوگئی تھی۔ سب نے جلدی جلدی تعزیت کی رسم پوری کی۔ پھر اپنی اپنی گاڑیوں کی طرف لپکے۔

رچرڈ سب سے آخر میں اپنی لیموزین کی طرف بڑھا۔ این اور ڈیمین اس کے ساتھ تھے۔ اس نے مرے کو گاڑی چلانے کا اشارہ کیا۔ گاڑی آگے بڑھ گئی۔

..................x..................

اگلے ہفتے آدھی رات کے بعد نیویارک سے ایک فون کال آئی۔ فون کرنے والا ایک پادری تھا۔

فون رچرڈ تھورن نے ریسیو کیا تھا۔

''آپ فوراً آجائیں۔ آپ کا دوست چارلس وارن بہت برے حال میں ہے۔ وہ بار بار آپ کو بلاتا ہے''۔

رچرڈ نے فوری طور پر ضروری چیزیں سوٹ کیس میں ڈالیں اور روانگی کے لئے تیار ہوگیا۔

''ایسا کیا ضروری ہے؟'' این نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

''نہیں این۔ مجھے فوری طور پر جانا ہے''۔

''تو صبح چلے جانا''۔

''نہیں۔ میں اسی وقت جاؤں گا''۔ پھر وہ ایک دم مشتعل ہوگیا۔ ''میں جانا نہیں چاہتا۔ لیکن مجھے جانا ہے''۔ وہ چلایا۔

این بستر سے اٹھ بیٹھی اور اس نے سگریٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس کا ہاتھ لرز رہا تھا۔ ''تم فون پر چارلس سے بات کیوں نہیں کرلیتے؟'' اس نے کہا۔ ''آخر نیویارک جانے کی کیا ضرورت ہے۔ جبکہ چارلس وارن نے خود کو اس فیملی کا اچھا دوست بھی ثابت نہیں کیا''۔

''وہ کسی مشکل میں ہے اور اسے میری ضرورت ہے''۔

''ہمیں بھی تمہاری ضرورت ہے''۔ این نے دھیرے سے کہا۔

رچرڈ نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ ''میں جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا''۔ اس نے جھک کر این کے رخسار پر بوسہ دیا۔ پھر وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''صبح میں ڈیمین سے کیا کہوں؟'' این نے پوچھا۔

رچرڈ ہچکچایا۔ اس بارے میں تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ ''اس سے کہنا......اس سے کہنا کہ نیویارک میں کسٹمز کا کوئی ارجنٹ مسئلہ تھا۔ اس لئے مجھے جانا پڑا۔ کچھ بھی کہہ دینا۔ مگر اسے حقیقت نہ بتانا''۔ یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔

وہ دبے پاؤں زینے سے اترا۔ نیچے مرے گاڑی لئے اس کا منتظر تھا۔ اس نے یہ نہیں دیکھا کہ ڈیمین کے کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا ہے اور بلی جیسی دو زرد چمکیلی آنکھیں اسے گھور رہی ہیں۔

..................x..................

رچرڈ جیٹ طیارے میں بیٹھا۔ انجن اسٹارٹ ہوا اور طیارہ رن وے پر دوڑنے لگا۔

طیارہ فضا میں بلند ہوا۔ اس کی پرواز میں ہمواری آتے ہی رچرڈ نے اوپر لگی لائٹ کا سوئچ آن کیا اور بیوگن ہیگن کا خط بریف کیس سے نکال لیا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے بہت کچھ سوچنا ہے اور اس سے پہلے بہت کچھ جذب کرنا ہے اور اس کی چھٹی حس اسے بتا رہی تھی کہ وقت زیادہ نہیں ہے۔ جو کچھ بھی کرنا ہے، فوری طور پر کرنا ہوگا۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ صبح کے ساڑھے چار بجے تھے۔ وہ ساڑھے سات......زیادہ سے زیادہ آٹھ بجے تک نیویارک پہنچ جائے گا......نیویارک کے وقت کے مطابق۔ یعنی اس وقت جب نیویارک شہر انگڑائی لے کر بیدار ہو رہا ہوگا۔

اس نے خط کھولا اور پڑھنے لگا۔ وہ اسے چوتھی یا پانچویں بار پڑھ رہا تھا۔

اس کے جسم میں تھرتھری دوڑ گئی۔ واقعی......اموات کا کیسا سلسلہ تھا۔ پچھلے چند ماہ میں کتنی موتیں ہوئی تھیں اتفاقیہ اموات۔ مگر اتفاقات اتنے تواتر سے ہوں تو گڑبڑ کا احساس تو ہوتا ہے اور اب تو کڑیاں ملتی جارہی تھیں۔

سب سے پہلے آنٹی ماریان تھیں۔ آخری رات ان کے کہے ہوئے الفاظ اس کی سماعت میں گونجے۔ ڈیمین اچھے اثرات چھوڑنے والا لڑکا نہیں ہے۔ کیا یہ بات تم اب تک نہیں سمجھ سکے ہو؟ کیا تم مارک کو تباہ کردوگے......اسے برباد ہوجانے دوگے؟

پھر وہ خاتون رپورٹر تھی......جوآن ہارٹ۔ اس کے حصے میں بہت خوف ناک......بہت اذیت ناک موت آئی تھی اور وہ تو اخبار میں چھپی مختصر خبر کے حوالے سے یہ بات کہہ رہا تھا۔ حقیقت تو کسی کو معلوم ہی نہیں تھی۔

اور جوآن نے کہا تھا...... آپ سمجھ نہیں رہے ہیں کہ آپ کو کتنا سنگین خطرہ لاحق ہے۔ کرائسٹ پر اپنا ایمان تازہ کریں......پختہ کریں۔

اور پھر بل ایتھرٹن۔ ناقابل یقین حد تک خوف ناک موت! مگر یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کا اس معاملے سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

ایسے ہی پیاریان کی موت بھی غیر متعلق معلوم ہو رہی تھی۔

وہ خط پڑھتا رہا۔ اس کے جسم میں تھرتھری دوڑتی رہی۔

اسے اپنی کمپنی کا خیال آیا...... دنیا کی عظیم ترین ملٹی نیشنل کارپوریشنز میں سے ایک۔ اور ایک دن ڈیمین اس کا مالک ہوگا اور رچرڈ سے زیادہ کون جانتا تھا کہ تھورن انڈسٹریز کیسی طاقت اور قوت کا سرچشمہ ہے۔ اس بارے میں سوچتے ہوئے ذہن کی مزید گرہیں کھلنے لگیں۔ بات سمجھنے میں آنے لگی۔ بوہر چاہتا تھا کہ تھورن انڈسٹریز غذائی اجناس کی پروڈکشن اور ڈسٹری بیوشن کے میدان میں قدم رکھے۔ لیکن ایتھرٹن اس کی راہ میں مزاحم تھا۔ اور پھر بل ایتھرٹن مر گیا تھا...... اور جس انداز میں وہ مرا تھا، وہ پراسرار تھا۔ اسے قتل تو کہا ہی نہیں جاسکتا تھا۔ لیکن وہ قدرتی موت بھی نہیں تھی۔ وہ تو حادثہ تھا۔ تو کیا اس حادثے میں شیطانی قوتوں کا ہاتھ تھا؟

ہاں...... انجام بتاتا تھا کہ ایسا ہی ہے اور انجام کیا تھا؟ بوہر کمپنی کا صدر بن گیا تھا اور اس کے منصوبے پر فوراً عمل درآمد شروع ہو گیا تھا۔ لیکن اس میں بھی رکاوٹیں پیش آرہی تھیں اور رکاوٹیں اسی انداز میں دور کی جارہی تھیں، جیسے بل ایتھرٹن نامی رکاوٹ کو دور کیا گیا تھا۔ پیاریان کو اس بات کا پتا چل گیا تھا۔ چنانچہ اس کے حصے میں بھی اسی طرح کی موت آئی۔

اسی طرح، اصل منصوبے کے مطابق ایک دن آئے گا کہ ڈیمین کو ترکے میں تھورن کارپوریشن ملے گی اور اس کے ذریعے وہ پوری دنیا کے وسائل خورد و نوش کو پوری طرح سے کنٹرول کر رہا ہوگا۔ غذا...... انسان کی سب سے بڑی ضرورت! غذا...... فراہم کرنے والوں کے لئے سب سے بڑی طاقت!!۔

رچرڈ کو مارک کی تدفین کا منظر یاد آیا۔ اس نے تعلقات کا وہ مثلث دیکھ لیا تھا...... ڈیمین، بوہر اور نیف۔ ان کے درمیان معنی خیز نگاہوں کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ مگر یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ نیف اسی تصویریں معمے میں کہاں فٹ ہوتا ہے۔

بائبل میں لکھا تھا کہ ڈریگون کی پوجا کی جاتی ہے۔ شیطان کے پجاری ڈریگون کی پوجا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ شیطانی درندے میں طاقت کی روح ڈریگون ہی پھونکتا ہے۔ شیطان کے پجاری کہتے ہیں...... کون ہے جو اس سے لڑ سکے۔

ڈریگون!

تو ممکن ہے کہ نیف ڈریگون ہو۔ وہ ملٹری کا اسٹریٹجسٹ تھا۔ وہ اس کی تربیت کرے گا...... اسے سکھائے گا کہ کیسے......

وہ ولیوں سے جنگ لڑے گا اور انہیں زیر کرے گا۔ اسے تمام زبانوں پر عبور حاصل ہے۔ تمام قوموں پر اس کی بالا دستی ہے اور وہی شہزادوں کے شہزادے کے مقابل کھڑا ہوگا......

اب رچرڈ سے پڑھا نہیں جارہا تھا۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ سوچیں دھندلا رہی تھیں۔ اب اس کا ذہن صاف اور واضح طور پر سوچنے کی صلاحیت سے محروم ہو گیا تھا۔ اسے آرام کی ضرورت تھی...... آرام کی اور چند گھنٹوں کی نیند کی!۔

جس رات وارن اسے سلائیڈز دکھا رہا تھا، اس نے کہا تھا...... اس بات کی متعدد نشانیاں ظہور میں آچکی ہیں کہ دنیا کے خاتمے کا وقت بہت قریب آچکا ہے۔ اس پر این ہنس دی تھی۔ مگر وارن نے ان نشانیوں کے متعلق بتایا تھا اور وضاحت کی تھی۔ سیلاب اور زلزلوں کی کثرت، جنگیں، نفرتیں، اندھیرے......

رچرڈ اب ان چونکا دینے والے واقعات پر غور کر رہا تھا، جو پچھلے عرصے میں دنیا میں رونما ہوئے تھے۔ مشرق وسطیٰ جیسے کسی آتش فشاں کے دہانے پر دھرا ہوا تھا۔ وہاں ایک دھماکہ کسی بھی وقت عالمی جنگ کا سبب بن سکتا تھا۔ ایسی عالمی جنگ کا، جس کے نتیجے میں عین ممکن تھا کہ دنیا میں کچھ بھی نہ بچے۔

دوسری طرف نیوکلیائی گندگی بہت بڑھ چکی تھی۔ ایٹمی پھیلاؤ حد سے گزر چکا تھا۔ ہر قوم کے پاس خواہ وہ صنعتی ہو یا نہ ہو، کسی نہ کسی طرح کے ایٹمی ہتھیار موجود تھے۔ کسی بھی وقت کوئی دہشت گرد پہلا دھماکہ کر کے مکمل تباہی کا آغاز کر سکتا تھا۔

اس سال صرف نیویارک ہی ایسا ترقی یافتہ شہر تھا، جو اندھیرے میں ڈوب گیا ہو۔ لندن، پیرس، ٹوکیو اور ماسکو، ہر جگہ پراسرار انداز میں پاور فیل ہونے کے واقعات ہوئے تھے۔ ہر موقع پر شبہ کیا گیا کہ یہ سبوتاژ کی کارروائی ہے۔ لیکن ثبوت کوئی نہیں تھا اور جہاں بھی اس طرح کا واقعہ ہوا تھا، وہاں چوریوں کے، قتل کے، ریپ کے اور ایسے واقعات کثرت سے ہوئے تھے کہ تہذیب بھی منہ چھپا کر بیٹھ گئی تھی۔ یہ ثابت ہو گیا تھا کہ تہذیب صرف سطح پر ہے۔ ورنہ ہر آدمی درندہ ہے۔

ایک پہلو یہ بھی تھا کہ انسان مشین بن گیا تھا۔ ان کے ہر ردعمل کے پیچھے نہ کوئی حساسیت تھی نہ انسانی ہمدردی۔ وہ تو ایک بھاگ دوڑ میں لگے ہوئے تھے۔ وہ سب دوڑ رہے تھے، اپنی دھن میں ایسے لگے ہوئے تھے کہ ان کے پاس سوچنے اور سمجھنے کی فرصت نہیں تھی۔ کسی کو کسی اور کی طرف دیکھنے کی فرصت نہیں تھی۔

اور موسموں کا مزاج الگ تبدیل ہو رہا تھا اور اس تبدیلی کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ وہاں برف باری ہونے لگی تھی، جہاں کبھی برف باری نہیں ہوئی تھی۔ جہاں بارشیں کثرت سے ہوتی تھیں، وہاں اب خشک سالی کا ڈیرہ تھا اور جہاں بارشیں نہیں ہوتی تھیں، وہاں اب سیلاب آرہے تھے۔ طوفانوں اور زلزلوں نے دنیا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

رچرڈ اب مزید جاگ نہیں سکتا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ تھکن اور مسلسل جاگنے کی وجہ سے وہ نڈھال ہو گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ گہری نیند سو گیا۔

..................x..................

تھورن انڈسٹریز کا طیارہ لاگارڈیا ایئرپورٹ پر اترا تو سورج افق سے سر اٹھا رہا تھا۔ صبح کی کرنوں میں بہت نرمی تھی۔ رچرڈ تھورن نے انگڑائی لیتے ہوئے گھڑی میں وقت دیکھا۔ صبح کے ساڑھے سات بجے تھے۔

اچانک ہی اسے اپنے بے وقوف ہونے کا احساس ستانے لگا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ آدھی رات کو کسی اجنبی پادری نے اسے فون کیا اور بتایا کہ چارلس وارن کو اس کی ضرورت ہے اور وہ اسی وقت سوٹ کیس پیک کر کے ایک ہزار میل دور چلا آیا۔ یہ بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے۔

اور چارلس وارن سے اس کی آخری ملاقات کیسی تھی۔ ان کے درمیان تلخی ہوئی، اس نے سخت گفتگو کی، اس سے گھر سے نکل جانے کو کہا اور وارن بہت ناخوش اس کے گھر سے رخصت ہوا تھا۔ اس وقت اسے یقین تھا کہ اب وہ کبھی اچھی طرح نہیں ملیں گے۔

اس رات وارن نے جو کچھ اسے بتایا تھا، اس نے بڑی ہٹ دھرمی سے اسے مسترد کر دیا تھا۔ لیکن اب اس کا ذہن انہی باتوں کو قبول کر رہا تھا اور اب وہ چاہتا تھا کہ وہ اس معاملے کو انجام تک پہنچائے۔

اسے یقین تھا کہ وارن نے یگائیل کی دیوار دیکھ لیا ہے اور وہ چاہتا تھا کہ وہ بھی اس دیوار کو دیکھے اور اب وہ اس دیوار کو دیکھنا چاہتا تھا۔ اسے اس بات پر پریشانی تھی کہ جو فون وارن کو کرنا چاہئے تھا، وہ اس اجنبی پادری نے کیوں کیا۔ شاید وارن نے شیطانی قوتوں سے بچاؤ کے لئے کسی روحانی تحفظ کا اہتمام کیا ہو۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

ٹرمینل سے نکل کر اس نے ٹیکسی لی۔ اس نے پادری کا سمجھایا ہوا پتا ٹیکسی ڈرائیور کو سمجھایا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے اسے حیرت سے دیکھا، کندھے جھٹکے اور میٹر کا فلیگ گرادیا۔ ٹیکسی روانہ ہوگئی۔

سفر کے دوران رچرڈ کو وہ تند و تیز سیاسی بحث یاد آئی، جو کبھی اس کی اس کے بھائی سے ہوئی تھی۔ رابرٹ نے لینن کے ایک قول کے حوالے سے وہ بحث جیت لی تھی۔ یہ رابرٹ کا اسٹائل تھا۔ ضرورت پڑنے پر وہ مخالف کیمپ کی دلیل بھی استعمال کر لیتا تھا۔ اس وقت اسے لینن کا وہ قول یاد آ گیا۔ لینن نے کہا تھا میں ہر عمل سے پہلے لازمی طور پر یہ سوچتا ہوں کہ اس کا فائدہ کسے پہنچے گا؟

اب رچرڈ تھورن گزشتہ رات سے اب تک کی ہر بات کو اس سوال کی روشنی میں چیک کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کا رویہ نری جذباتیت پر مبنی ہے۔ وہ اس تصویری معمے کو مکمل کرنے کے لئے ضرورت سے زیادہ بے چین اور بے تاب ہے۔ لیکن جب اس نے اس سوال کی روشنی میں پڑتال شروع کی تو وہ حیران ہو گیا۔ ہر سوال کا جواب ایک ہی تھا...... اس کا فائدہ ڈیمین کو پہنچے گا۔

آنٹی ماریان کی موت کا فائدہ ڈیمین کو پہنچا۔ ایتھرٹن اور پیاریان کے معاملے میں بھی یہی جواب تھا اور رچرڈ کو اسپتال کا وہ ڈاکٹر یاد آیا، جو ڈیمین کے مزید ٹیسٹ لینا چاہتا تھا۔ اسے بھی حادثاتی موت نصیب ہوئی تھی اور مارک کی موت میں تو ڈیمین کے لئے سراسر فائدہ ہی تھا۔

اب ڈیمین کے راستے کی رکاوٹ صرف دو افراد تھے۔ خود رچرڈ تھورن اور اس کی بیوی این تھورن۔ یہ دونوں رکاوٹیں دور ہو جاتیں تو دنیا کی سب سے طاقت ور کمپنی کا کنٹرول اس کے ہاتھ میں ہوتا۔ وہ اور اس کی بیوی!

اس لمحے رچرڈ کی سمجھ میں پوری طرح آ گیا کہ چارلس وارن اس سے ملنے کیوں آیا تھا۔ وہ اسے یہ سمجھانے اور قائل کرنے کے لئے آیا تھا کہ اسے اپنے بھائی رابرٹ کے بیٹے ڈیمین کو ہر قیمت پر قتل کرنا ہے۔

سات سال پہلے بیوگن ہیگن نے رابرٹ تھورن کو اس بات پر قائل کیا تھا اور رابرٹ نے کوشش بھی کی تھی۔ مگر نتیجہ اس کی موت کی صورت میں نکلا تھا اور خود بیوگن ہیگن بھی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

یہ میں کس رو میں بہے جا رہا ہوں۔ مجھے پرسکون رہنا ہے۔ معقولیت کے ساتھ سوچنا ہے۔ یہ معاملہ بہت بڑا ہے۔ اس نے خود کو سمجھایا۔

''کرایہ ادا کر دیں اور یہ بھی بتا دیں کہ میں رکوں یا چلا جاؤں''۔ ڈرائیور نے رچرڈ کو چونکا دیا۔

رچرڈ معذرت طلب انداز میں بڑبڑایا۔ اس نے جیب سے پرس نکالا۔ کرایہ تیس ڈالر تھا۔ رچرڈ نے ڈرائیور کو خاصی معقول رقم تھمادی۔ ''اگر تم رکے رہے تو میں تمہیں اس سے بھی زیادہ دوں گا''۔ اس نے ڈرائیور سے کہا۔

ٹیکسی سے اتر کر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ ایک بہت پرانا اور بوسیدہ چرچ تھا۔ دیکھنے میں وہ متروک لگتا تھا قریب ہی ایک ریلوے یارڈ تھا۔

رچرڈ آگے بڑھا اور اس نے چرچ کے دروازے پر دباؤ ڈالا۔ دروازہ کھل گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ٹیکسی اب بھی وہیں کھڑی تھی۔ شاید اس کی ترغیب کامیاب ثابت ہوئی تھی۔ ڈرائیور پشت گاہ سے ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھ گیا تھا۔ بلکہ شاید وہ سو رہا تھا۔

رچرڈ پلٹا اور چرچ میں داخل ہو گیا۔

چرچ کا اندر بھی وہی حال تھا، جو باہر نظر آیا تھا۔ وہاں سیلن کی بو رچی ہوئی تھی۔ بنچیں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ کھڑکیوں کے شیشوں پر ایسے دھبے تھے، جیسے برسوں سے انہیں نہیں دھویا گیا ہو۔ کچھ کھڑکیاں تو شیشوں سے محروم بھی تھیں۔ وہاں اگر خوشبو نہ ہوتی تو رچرڈ اسے متروک چرچ ہی سمجھتا۔

وہ قربان گاہ کی طرف بڑھا۔

وہ ریلنگ کے پاس پہنچا ہی تھا کہ بالکل اچانک اس کے بائیں جانب ایک دروازہ کھلا اور ایک پستہ قامت اور کبڑا پادری نمودار ہوا''۔ مسٹر تھورن''؟ اس نے پوچھا۔

رچرڈ نے سر کو اثباتی جنبش دی۔

پادری لنگڑاتا ہوا آگے بڑھا اور اس سے ہاتھ ملایا۔ ''میں فادر ولیٹن ہوں مسٹر تھورن۔ آپ کا شکریہ کہ آپ تشریف لائے۔ ڈاکٹر وارن آپ کے منتظر ہیں''۔ اس نے قربان گاہ کی داہنی جانب ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ پھر خود لنگڑاتا ہوا اس دروازے کی طرف بڑھا۔

رچرڈ اس کے پیچھے چل دیا۔ ''آپ نے مجھے فون کیا۔ میں شکر گزار ہوں''۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''یہ بتائیں کہ ڈاکٹر وارن کا مسئلہ کیا ہے۔

پادری نے نفی میں سر ہلایا۔ ''انہوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا''۔ وہ بولا۔ ''بس میں اتنا بتا سکتا ہوں کہ اتنا دہشت زدہ میں نے کبھی کسی کو نہیں دیکھا''۔

وہ دروازے پر پہنچ گئے تھے۔ پادری نے دروازے پر دستک دی۔

دوسری طرف سے ایک بھرائی ہوئی آواز نے پوچھا۔ ''کون ہے؟'' آواز وارن کی ہرگز نہیں لگ رہی تھی۔

''مسٹر تھورن آئے ہیں''۔ پادری نے پکارا۔

دروازہ کھل گیا۔ وارن سامنے کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ اس پر کسی بہت سریع الاثر اور خوفناک بیماری نے حملہ کیا ہے۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور چہرہ استخوانی ہو گیا تھا۔ شیو بڑھا ہوا تھا اور اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں میں ایک چھوٹی صلیب تھامی ہوئی تھی۔

''رچرڈ...... تم آگئے''۔ اس نے خوف سے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

''ہاں چارلس''۔

چارلس وارن آگے کی طرف جھپٹا۔ اس نے اس کے رین کوٹ کا کالر تھام کر اسے کمرے میں گھسیٹ لیا۔ پھر اس نے دروازہ صرف بند نہیں کیا۔ بلکہ لاک کر دیا۔

رچرڈ تھورن کو اپنا توازن بحال کرنے میں چند لمحے لگے۔ پھر اس نے بڑے غور سے چارلس کو دیکھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ چارلس پاگل ہو گیا ہے۔ ''چارلس...... جیسے ہی مجھے فون موصول ہوا، میں فوراً ہی نکل کھڑا ہوا......''۔ اس نے کہا۔

لیکن چارلس جیسے اس کی بات سن ہی نہیں رہا تھا۔ اس کی نگاہیں تو جیسے کسی غیر مرئی شے کو گھور رہی تھیں۔ ''شیطان واقعی آ چکا ہے۔ وہ ہمارے درمیان موجود ہے رچرڈ''۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''یہ سچ ہے۔ سب سچ ہے۔ میں نے یگائیل کی دیوار دیکھ لی ہے''۔

''چارلس پلیز...... میری بات سنو''۔

''میں نے دیکھ لیا۔ یہ سب بہت خوف ناک ہے''۔ چارلس پر تھرتھری چڑھنے لگی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''جب ہی تو جوآن ہارٹ پاگل ہوئی جارہی تھی...... بے چاری۔اور بیوگن ہیگن......''۔

رچرڈ آگے بڑھا اور اس نے چارلس کو کندھوں سے تھام لیا۔''خود کو سنبھالو چارلس''۔اس نے کہا۔اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ وہی آدمی ہے جو برسوں سے نہایت مستعدی اور کامیابی کے ساتھ اس کا میوزیم چلاتا رہا ہے، وہ شخص جو برسوں سے اس کا بہت قریبی اور سب سے قابل اعتماد دوست تھا۔وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ معاملہ واقعی خدا کا ہے تو یہ بھی سچ ہے کہ خدا اپنے حلیفوں کی مدد نہیں کر رہا ہے۔

چارلس وارن کی کپکپاہٹ معدوم ہوگئی۔اب وہ بہت امید بھری نظروں سے رچرڈ کو دیکھ رہا تھا۔''رچرڈ...... کیا اب تمہیں میری باتوں پر یقین آگیا ہے؟''اس کے لہجے میں بھی امید اور التجا کا امتزاج تھا۔''یا تم مجھے پاگل سمجھ رہے ہو؟''۔

رچرڈ اب بھی اس کے کندھے تھامے ہوئے تھا۔ابھی وہ اس سے یہ نہیں کہنا چاہتا تھا کہ اسے یقین آگیا ہے۔کم از کم ابھی نہیں۔وقت کا تقاضہ تھا کہ ان میں سے ایک تو ہوش مندی کے ساتھ سوچے۔عقل سے کام لے۔

لیکن ایک کام کرنا بہت ضروری تھا۔رچرڈ وہ دیوار دیکھنا چاہتا تھا۔

''یگائیل کی دیوار کہاں ہے؟''اس نے پوچھا۔

..................x..................

وہ ریل کی پٹریوں پر چل رہے تھے۔چارلس وارن آگے آگے تھا۔وہاں کچھ بوگیاں ایسی تھیں، جن پر تھورن انڈسٹریز کا مونوگرام بنا تھا۔

چارلس وارن اپنی مٹھی میں اب بھی وہ صلیب دبوچے ہوئے تھا۔اور اب وہ پہلے سے بھی زیادہ دہشت زدہ نظر آرہا تھا۔کبھی وہ چلتے چلتے رکتا اور آسمان کو ٹٹولنے والی نگاہوں سے دیکھنے لگتا۔

''کیا دیکھ رہے ہو تم؟''رچرڈ نے اس سے پوچھا۔

لیکن اب چارلس وارن سے بولا بھی نہیں جارہا تھا۔الفاظ اس کے منہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہے تھے......اور وہ بھی منمناتی ہوئی آوازیں''نہیں......ابھی نہیں......فی الحال تو نہیں......لیکن ذرا دیر میں......''۔

وہ ریلوے یارڈ کے ایک ایسے حصے میں پہنچ گئے، جہاں تھورن انڈسٹریز کی ایک کنٹینر کار کھڑی تھی۔یہاں سے وہ جگہ بہت قریب تھی، جہاں رل کی پٹریاں ختم ہورہی تھیں۔

چارلس وارن نے ٹرالر کے دروازے کا قفل کھولا اور رچرڈ کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔

رچرڈ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔''تم اندر نہیں آؤ گے؟''۔

چارلس نے نفی میں سر ہلایا اور ایک بار پھر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔پھر اچانک اس کا جسم تنا اور جیسے ٹھٹھر کر رہ گیا۔ایسا لگتا تھا کہ اس نے کوئی بہت دہشت زدہ کر دینے والی چیز دیکھ لی ہے۔

رچرڈ تھورن نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں آسمان کو دیکھا۔ان کے سروں سے کوئی بیس فٹ اوپر ایک بہت جسیم سیاہ کوا چھوٹے چھوٹے دائروں میں چکراتا ہوا پرواز کر رہا تھا۔پھر اس نے چارلس کو دیکھا، جو سینے سے صلیب لگائے ٹرالر سے چپکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''کم آن چارلس۔یہ محض ایک کوا ہی تو ہے''۔رچرڈ نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

چارلس وارن نے نفی میں سر ہلایا۔اس کی نگاہیں کوے پر جمی ہوئی تھیں اور وہ اپنی جگہ سے ہلنے کو بھی تیار نہیں تھا۔

رچرڈ نے ایک گہری سانس لی اور اکیلا ہی ٹرالر میں داخل ہوگیا۔

ٹرالر میں ہر سائز کے کریٹ تھے، جو بڑی صفائی اور مضبوطی سے پیک کئے گئے تھے۔سوائے ایک کے، جس کی آدھی پیکنگ ادھیڑ دی گئی تھی۔لگتا تھا، کسی نے بہت جلدی میں، بہت بے تابی میں اسے کھولنے کی کوشش کی ہو۔

رچرڈ اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

اسی دوران ریلوے یارڈ کے ایک اور حصے میں بہت بھاری بوگیوں کی ایک قطار اچانک پیچھے کی طرف حرکت کرنے لگی۔بھاری بوگیاں ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔اور پھر پوری قطار حرکت میں آگئی۔ان کا رخ تھورن انڈسٹریز کے ٹرالر کی طرف تھا، جو اپنی الگ پٹری پر کھڑا تھا۔ٹرالر کے باہر مٹھی میں صلیب دبائے چارلس وارن نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور اس کے ہونٹ بے آواز ہل رہے تھے۔وہ دعا کر رہا تھا۔

برابر والی پٹری پر ایک ٹرین سیٹی بجاتی ہوئی تیز رفتاری سے گزری۔اس کی گڑگڑاہٹ نے چارلس کا توازن بگاڑ دیا اور وہ زمین پر گر پڑا۔وہ اٹھا اور ٹرالر کے اگلے حصے کی طرف بڑھا۔تاکہ وہاں ٹیک لگا کر کھڑا ہو سکے۔اسے احساس ہو رہا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے......ایسا کچھ جسے وہ کسی بھی طرح روک نہیں سکتا ہے۔

ٹرالر میں رچرڈ نے کریٹ سے کچھ پیکنگ میٹریل نکال کر باہر رکھا۔اب اسے کریٹ کے اندر دیوار کا ایک حصہ نظر آرہا تھا۔وہ پتھر جیسی چیز تھی، جس پر پینٹ کیا گیا تھا اور وہ واضح طور پر صدیوں پرانی لگ رہی تھی۔رنگ کہیں کہیں سے اڑ گئے تھے اور عمومی طور پر پھیکے پڑ گئے تھے۔

پھر دیوار کے ایک اور حصے پر رچرڈ کی نظر پڑی۔اس پر ایک چھوٹے بچے کی تصویر تھی۔لیکن رنگ اڑ جانے کی وجہ سے غیر واضح لگ رہی تھی۔رچرڈ نے مزید پیکنگ میٹریل باہر نکالا۔

باہر بوگیوں کی اس قطار نے رفتار پکڑ لی تھی۔اگلی بوگی کے دونوں بمپر بے حد زنگ آلود تھے اور خوف ناک لگ رہے تھے۔یہ قطار اب وہاں پہنچ رہی تھی جہاں کانٹے کی مدد سے پٹریاں تبدیل کی جاتی تھیں۔

بوگیوں کی اس قطار نے خود بہ خود پٹری تبدیل کر لی۔اب وہ اس پٹری پر آگئی تھیں، جس پر تھورن انڈسٹریز کا ٹرالر کھڑا تھا۔

چارلس وارن نے پھر آنکھیں بند کر لی تھیں اور دعائیں پڑھ رہا تھا۔اوپر آسمان پر سیاہ جسیم کوا اب بھی چکرائے جا رہا تھا۔مگر اب واضح طور پر اس کی رفتار بڑھ گئی تھی۔

ٹرالر میں رچرڈ نے کریٹ کے ایک اور حصے کو کھولا۔اس میں شیطان کی پینٹنگ تھی۔اس میں وہ بالغ تھا۔لیکن وہ تصویر بھی واضح نہیں تھی۔

کیا میں بھی پاگل ہوگیا ہوں؟ اس نے سوچا۔یہاں کوئی ثبوت نہیں ہے۔

لیکن اس کے اندر اصرار امنڈ پڑا۔نہیں......اسے ہر پینٹنگ دیکھنی ہوگی۔

اس نے پورے کریٹ کو کھول ڈالا۔

اور بالآخر اس کی نگاہوں کے سامنے پینٹنگ میں وہ چہرہ صاف اور واضح موجود تھا......وہ چہرہ...... چند برس پہلے کا چہرہ۔اور رچرڈ تھورن اس چہرے کو بہت اچھی طرح پہچانتا تھا۔

وہ ڈیمین تھورن کا چہرہ تھا!۔

کچھ تھوڑا بہت فرق بہرحال تھا۔تصویر کے چہرے میں سر پر بالوں کی بجائے دوشاخہ زبانوں والے سانپ پھنکارتے محسوس ہو رہے تھے۔اور آنکھیں انسانی نہیں تھیں۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

وہ بلی کی زرد آنکھیں تھیں۔ وہ بلی کی زرد آنکھیں تھیں۔ لیکن اس سے قطع نظر وہ چہرہ! وہ ڈیمین کا چہرہ تھا۔ اس میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں تھی۔

اس وقت آوارہ بوگیوں کی وہ قطار تھورن انڈسٹریز کے ٹرالر کے پاس پہنچ چکی تھی۔ چارلس وارنی اپنی دعا میں مستغرق تھا۔ آوازن کر اس نے آنکھیں کھولیں تو دہشت زدہ ہو کر رہ گیا۔

زنگ آلود بمپر بہت تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اور اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ان کی ساخت بدلنے لگی۔ وہ نکیلے ہو گئے۔

چارلس کے پاس مہلت تھی ہی نہیں۔ وہ دیکھنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ نکیلے بمپر اس کے جسم میں گھس گئے اور اسے تھورن انڈسٹریز کے ٹرالر کے اگلے حصے سے یوں چپکا دیا، جیسے تتلی کو البم میں چپکا دیا جاتا ہے۔

اس کے منہ سے اذیت بھری چیخ نکلی۔ اس نے ہاتھ پاؤں چلائے۔ لیکن اسے اندازہ ہو گیا کہ یوں وہ اپنی اذیت اور بڑھا رہا ہے۔

جھٹکا اتنا شدید تھا کہ ٹرالر کے اندر رچرڈ ایک طرف جا پڑا۔ وہ چت گرا تھا۔ اس نے ٹائیل کی دیوار کو اپنی طرف جھکتے دیکھا...... اور وہ بھی بہت تیزی سے۔ وہ خود بھی بڑی تیزی سے حرکت میں آیا۔ وہ گرتی ہوئی دیوار کی زد میں آنے سے بال بال بچا تھا۔ دیوار ٹرالر کے فرش پر عین اس جگہ گری، جہاں ایک لمحہ پہلے وہ چت پڑا تھا اور دیوار فرش سے ٹکراتے ہی چھوٹے چھوٹے لاکھوں ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر بکھر گئی۔

جس ثبوت کی تلاش میں وہ اتنی دور آیا تھا، وہ ضائع ہو چکا تھا!۔

لیکن اس کے پاس اس زیاں کے بارے میں سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ وہ جلدی سے ٹرالر سے نکلا اور چارلس کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔

ناقابل یقین بات یہ تھی کہ چارلس وارن اب بھی زندہ تھا۔ اس کے منہ سے خون جاری تھا۔ جہاں بمپر اس کے سینے میں گھسے تھے۔ وہاں اس کی قمیض سیاہ ہو رہی تھی۔

''اومائی گاڈ...... چارلس، یہ کیا ہوا''۔ رچرڈ چارلس کی طرف لپکا۔

چارلس نے نقاہت بھرے انداز میں بہ مشکل اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا...... وہ ہاتھ جس میں صلیب دبی تھی۔ ''یہ لے لو''۔ اس نے بھنچی بھنچی سرگوشی میں کہا۔ ''اور...... اور خنجر بھی۔ اس لڑکے کو ہر حال میں ختم کرنا ہے''۔

''خنجر؟'' رچرڈ نے حیرت سے پوچھا۔ ''خنجر تمہارے پاس ہیں؟''

''بس تم چلے جاؤ۔ اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے''۔

رچرڈ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ کوا اب ٹرالر کی چھت پر بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں رچرڈ کو اپنے وجود میں چبھتی محسوس ہوئیں۔ رچرڈ چارلس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''خنجر کہاں ہیں؟'' اس نے چیخ کر پوچھا۔ اب اسے اپنی زندگی بھی خطرے میں محسوس ہو رہی تھی۔

لیکن چارلس مر چکا تھا۔ صلیب اس کے ہاتھ سے گر گئی تھی۔

رچرڈ دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹا۔ اسی وقت کوا اڑا۔ اس کا رخ رچرڈ کی طرف تھا۔

رچرڈ تیزی سے گری ہوئی صلیب کی طرف جھپٹا۔ اس نے صلیب ہاتھ میں لی اور گھومتے ہوئے اس سے ہوا میں وار کیا۔ کوا اسی لمحے اس تک پہنچا تھا۔ صلیب نے کوے کو مس کیا۔ کوا بری طرح سے چیختا ہوا پلٹا اور مخالف سمت میں پرواز کرنے لگا۔ پھر وہ اس کے سر کے عین اوپر چکرانے لگا۔ اس کے انداز میں شدید برہمی تھی۔

رچرڈ صلیب کو اوپر اٹھائے ہوئے بڑھا۔ کوا اور اوپر اڑنے لگا۔

رچرڈ بھاگ کھڑا ہوا...... اور بھاگتا رہا!۔

..................x..................

ڈیوڈسن ملٹری اکیڈمی میں اس شام تلوار دینے کی سالانہ تقریب ہو رہی تھی۔

تقریب ان ڈور پریڈ گراؤنڈ میں منعقد کی گئی تھی۔ کیڈٹوں کے والدین بالکونی میں جمع تھے۔

اس سال چھ کیڈٹوں کو اس اعزاز کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔ ان میں ڈیمین بھی تھا اور آں جہانی مارک بھی۔ نیچے پانچوں کیڈٹ اس انداز میں کھڑے تھے کہ انہیں ایک نظر دیکھ کر ہی ایک کیڈٹ کی کمی کا احساس ہو جاتا تھا۔

دراز قد ڈیمین چہرے پر تفاخر سجائے تنا کھڑا تھا اور اپنی باری کا منتظر تھا۔ اس کے بائیں بازو پر اب بھی سیاہ ماتمی پٹی بندھی تھی۔

این بالکونی میں کھڑی تھی اور پال بوہر اس کے ساتھ تھا۔ این کو دیکھ کر لگتا تھا کہ کسی بھی لمحے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے گی۔ یہ بھانپتے ہوئے پال بوہر نے اس کی طرف رومال بڑھایا۔ این نے تشکر آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اسے قبول کر لیا۔

نیچے ایک کیڈٹ بگل لئے کھڑا تھا۔ کسی کو تلوار دی جاتی تو وہ بگل بجاتا۔

بالکونی کے اس طرف والے حصے میں خوب صورت لڑکیوں کا ایک گروپ بھی تھا۔ وہ سب ایک طرح کے گاؤن پہنے ہوئے تھیں۔ یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ ان سب کا تعلق ایک ہی اسکول سے ہے۔ ان میں ایک لڑکی بے حد نمایاں تھی۔ اس کی وجہ صرف یہ نہیں تھی کہ وہ بہار کی کسی نو دمیدہ کلی کی طرح دلکش اور تروتازہ اور سانسیں روک دینے والے حسن کی مالک تھی۔ اس کے نمایاں ہونے کی وجہ سیاہ سوٹ میں ملبوس وہ دو تنومند مرد تھے، جو اس کے پیچھے دائیں بائیں کھڑے تھے۔

انہیں دیکھ کر کوئی بھی سمجھ سکتا تھا کہ وہ اس لڑکی کے باڈی گارڈ ہیں۔ لیکن لڑکی کون ہے، یہ شاید کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔

وہ الی نوائس کے گورنر کی اکلوتی بیٹی تھی!۔

پوری تقریب کے دوران اس لڑکی کی نظریں ایک لمحے کے لئے بھی ڈیمین پر سے نہیں ہٹی تھیں۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

بالآخر ڈیمین کا نام پکارا گیا۔ وہ نپے تلے قدموں سے آگے بڑھا۔ اعزاز دینے والے سے ایک فٹ کے فاصلے پر اس نے دونوں ایڑیاں بجا کر اسے سیلوٹ کیا۔ اس وقت تمام لوگ پوری طرح سے اس کی طرف متوجہ تھے۔

بالکونی میں این نروس ہو رہی تھی۔ پال بوہر نے اس کا ہاتھ تھپ تھپایا۔

ڈیمین نے اپنی تلوار وصول کی۔ تلوار دینے والے نے دوسری تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ''یہ بھی تمہیں وصول کرنی ہے''۔ اس نے کہا۔ ''یہ تمہارے کزن مارک تھورن کا اعزاز ہے جواب ہمارے درمیان موجود نہیں۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ وہ پوری طرح اس اعزاز کا مستحق تھا''۔

پورا ہال اور بالکونی تالیوں سے گونج اٹھی۔ این اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھنے لگی۔ سب سے بڑھ کر گورنر کی بیٹی تالیاں بجا رہی تھی۔

ڈیمین نے احتراماً سر خم کیا، دوسری تلوار لی اور اپنی جگہ جا کھڑا ہوا۔

اچانک تھورن فیملی کا شوفر مرے بالکونی میں آیا۔ وہ این کی طرف بڑھا اور اس نے سرگوشی میں این سے کچھ کہا۔

این نے سر کو تفہیمی جنبش دی اور پال بوہر کی طرف مڑی۔ ''مجھے جانا ہے پال۔ رچرڈ نے اپنے جیٹ سے فون کیا ہے۔ کسی بھی لمحے وہ شکاگو پہنچنے والا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اسے ایئر پورٹ پر ریسیو کروں''۔

پال بوہر نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''واپس آؤ گی؟''

این نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ ''کوشش کروں گی''۔ پھر وہ مرے کے پیچھے چل دی۔

پال بوہر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے نیچے دیکھا۔ نیف سے اس کی نظر ملی۔ دونوں نے سر کو جنبش دی اور پھر نظریں ہٹا دیں۔

..................×..................

این لیموزین کی عقبی نشست پر بیٹھے بے چینی سے رچرڈ کے طیارے کی لینڈنگ کی منتظر تھی۔ کار کے باہر مرے بھی منتظر کھڑا تھا۔

ٹیکسی کرتا ہوا جہاز لیموزین کے قریب آ کر رکا۔ جیسے ہی انجن بند ہوئے، طیارے کے پہلو سے سیڑھیاں لگا دی گئیں۔ دروازہ کھلا اور رچرڈ لپکتے ہوئے قدموں سے سیڑھیاں اترنے لگا۔

نیچے اتر کر اس نے این کو ہیلو کہنے تک کی زحمت نہیں کی اور مرے کی طرف بڑھ گیا۔

''ڈیمین کہاں ہے؟'' اس نے کشیدہ لہجے میں پوچھا۔

''اکیڈمی میں جناب''۔ مرے نے جواب دیا۔ رچرڈ کے انداز نے اسے الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔

''ہم ٹیکسی لے کر میوزیم جا رہے ہیں۔ تمہیں اکیڈمی جانا ہے۔ اور فوراً ڈیمین کو لے کر میوزیم پہنچنا ہے''۔ یہ کہہ کر رچرڈ نے کار کا عقبی دروازہ کھولا اور این کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ''چلو این، تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے''۔

وہ دونوں لپکتے ہوئے ٹرمینل میں داخل ہوئے۔ رچرڈ کی رفتار ایسی تھی کہ اس کا ساتھ دینے کے لئے این کو دوڑنا پڑ رہا تھا۔ وہ یہ پوچھنے کو الگ بے تاب ہو رہی تھی کہ مسئلہ کیا ہے۔

مرے ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اچانک اس کی آنکھوں سے دہکتی ہوئی نفرت چھلکنے لگی۔

..................×..................

تقریب میں آخری مرحلہ ڈانس پارٹی کا تھا۔ اور اب وہی چل رہا تھا۔ لڑکے اور لڑکیاں ڈانس فلور پر تھرکتے پھر رہے تھے۔ کیڈٹ اپنی یونیفارم میں تھے۔ لڑکیاں ٹخنوں تک کے گاؤن پہنے ہوئے تھیں۔ وہ کافی پرانی کسی فلم کا منظر لگ رہا تھا۔

اشیائے خورد و نوش کی میز کے پاس دیوار سے ٹک کر وہ لوگ کھڑے تھے، جو رقص نہیں کر رہے تھے۔ کچھ شرمیلے پن کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ انہیں رقص میں دلچسپی نہیں تھی۔

کمرے کے ایک اور حصے میں ڈیمین سارجنٹ نیف کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ دونوں رقص کرنے والوں کو دیکھ رہے تھے۔ دوسری طرف اپنے دونوں باڈی گارڈز کے ساتھ گورنر کی بیٹی کھڑی تھی۔ وہ ڈیمین کو دلچسپی بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی،

نیف نے لڑکی کی ڈیمین میں دلچسپی بھانپ لی ''اس کے ساتھ رقص کرنے کے لئے تمہیں حوصلے کی ضرورت ہوگی''۔ اس نے کہا۔

''یہ گورنر کی بیٹی ہے نا؟''۔ ڈیمین نیف کی بات بخوبی سمجھ رہا تھا۔

نیف نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ڈیمین مسکرایا۔ ''تم بھول رہے ہو کہ میں اس فیملی کا واقف کار ہوں''۔ اس نے کہا اور لڑکی کی طرف بڑھ گیا۔

نیف کی آنکھوں میں طمانیت کی چمک لہرانے لگی۔ اثر و رسوخ کی اہمیت شیطانوں کے ہی لئے ہوتی ہے۔

..................×..................

میوزیم میں رچرڈ تیز قدموں سے بیس مینٹ کی طرف جانے والے زینے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ این اب بھی تقریباً دوڑ دو رہی تھی۔

''تم مجھے یقین نہیں دلا سکتے کہ یہ سچ ہے''۔ وہ پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔

''تمہیں یقین کرنا ہوگا''۔ رچرڈ نے کہا۔ ''اس نے مارک کو قتل کیا۔ ایتھرٹن کو مارا اور پساریان کو بھی......''۔

''بس کرو......''۔ این چلائی۔ اس نے رچرڈ کا ہاتھ تھام کر اسے روکنے کی کوشش کی۔

رچرڈ اس کی طرف مڑا۔ ''وہ قتل کرتا چلا جائے گا۔ جو بھی اسے اپنی راہ کی رکاوٹ لگے گا، وہ اسے قتل کر دے گا''۔ اس نے این سے ہاتھ چھڑایا۔ پھر وہ بیس مینٹ کی طرف بڑھنے لگا۔

این بری طرح غصے میں آ گئی۔ ''کیسے؟ مجھے بتاؤ، اس نے انہیں کیسے قتل کیا؟ کیا اس نے برف چٹخائی تھی......؟''۔

''نہیں......خود اس نے نہیں......''۔

''اور کیا گیس کا پائپ اس نے توڑا تھا؟''۔

رچرڈ چلتے چلتے رک گیا اور اس نے این کی طرف دیکھا۔ ''وہ اکیلا نہیں ہے۔ اس کے مددگار اس کے چاروں طرف موجود ہیں۔ وہ اس کی مدد بھی کرتے ہیں اور اس کی حفاظت بھی کرتے ہیں''۔

این تھوک نگل کر رہ گئی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ باتیں اس کا شوہر کر رہا ہے۔ ''رچرڈ''۔ اس نے اپنے لہجے کو پرسکون رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''تم خود اپنی باتوں پر غور کرو۔ تمہیں اپنے پاگل پن کا احساس ہو جائے گا۔ ''اس کے مددگار......یعنی شیاطین......یہ شیطانی سازش ہے۔ یہی کہہ رہے ہو نا تم۔ ذرا سوچو تو رچرڈ......پلیز''۔

رچرڈ نے این کا ہاتھ تھام لیا۔ ''این پلیز''۔ اس کے لہجے میں التجا تھی۔ ''میں نے اپنی ان آنکھوں سے چارلس وارن کو قتل ہوتے دیکھا ہے''۔

این کو اپنی سانسیں رکتی محسوس ہوئیں۔ یہ اس کے لئے انکشاف تھا کہ چارلس مر چکا ہے۔

''اور میں نے اپنی ان آنکھوں سے یگائیل کی دیوار دیکھی ہے......اور اس پر ڈیمین کا چہرہ دیکھا ہے''۔

(جاری ہے)

آخری قسط

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

وہ خاموشی کا ایک بے حد طویل لمحہ تھا۔ وہ ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ جنگ ان کی قوت ارادی کے درمیان تھی۔ رچرڈ چاہتا تھا کہ این اس کی بات پر یقین کر لے۔ اور این چاہتی تھی کہ رچرڈ اعتراف کر لے کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ یہ ایک بے رحمانہ مذاق کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

لیکن وہ مذاق نہیں تھا۔ اور این، جو ہونے والا تھا، اس کے بارے میں سوچ کر لرز رہی تھی۔ ''اب تم کیا کرو گے؟'' اس نے سرگوشی میں پوچھا۔ اس کی آواز خوف سے لرز رہی تھی۔

..................×..................

ڈیمین گورنر کی بیٹی کے ساتھ بہت خوب صورتی سے رقص کر رہا تھا۔ لڑکی بہت خوش تھی۔ وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہی تھی۔ دوسرے لڑکے انہیں رشک و حیرت سے دیکھ رہے تھے اور دوسری لڑکیاں رقابت محسوس کر رہی تھیں۔ درحقیقت ان کی جوڑی بے حد شاندار تھی۔

رقص کرتے ہوئے اچانک ڈیمین کی نظر نیف اور مرے پر پڑی، جو بڑی رازداری سے باتیں کر رہے تھے۔ پھر مرے نے ڈیمین کو دیکھا اور آنکھ سے اشارہ کیا۔

''ایکسکیوز می۔ میں ابھی آیا''۔ ڈیمین نے نرم لہجے میں گورنر کی بیٹی سے کہا۔ اسے باڈی گارڈز کے پاس چھوڑ کر وہ نیف اور مرے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ ان کے قریب پہنچا ہی تھی کہ نیف اس کی طرف بڑھ آیا۔ ''بہت محتاط رہنا''۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

ڈیمین نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔ ''تم شاید بھول گئے ہو کہ میں کون ہوں؟''۔

نیف نے بڑے احترام سے یوں اس کے سامنے سر جھکایا جیسے معذرت طلب کر رہا ہو۔

ڈیمین پلٹا اور دروازے کی طرف چل دیا۔ مرے اس کے پیچھے تھا۔ باہر نکل کر وہ لیموزین کی طرف بڑھنے لگا۔

..................×..................

بالآخر رچرڈ کو چارلس کے دفتر کی چابی مل گئی، جسے وہ تلاش کر رہا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر کمرے میں گھسا۔ اس نے روشنی کی اور پاگلوں کی طرح کچھ تلاش کرنے لگا۔ وہ درازیں کھولتا، بند کرتا، پھر کیبنٹ کھولتا۔ میز کے نیچے رکھی چیزوں کو ٹٹولتا۔ اس کے انداز میں عجلت آمیز دیوانگی تھی۔

''تم کیا کر رہے ہو؟''۔ دروازے میں کھڑی این نے پوچھا۔

رچرڈ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''خنجر یہیں کہیں ہوں گے۔ انہیں یہیں ہونا چاہئے''۔

این جھپٹ کر کمرے میں آئی۔ ''رچرڈ...... خدا کے لئے!''۔ وہ چلائی۔ ''ایسا مت کرو۔ میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گی''۔

''ہٹ جاؤ''۔ رچرڈ نے اسے دھکیلتے ہوئے کہا۔ ''میں جانتا ہوں، خنجر یہیں ہوں گے''۔

این کا خوف سے برا حال تھا۔ ''تم اسے قتل کرو گے؟''۔

رچرڈ کی تلاش جاری رہی۔ ''یہ ضروری ہے...... ناگزیر!''۔

''نہیں رچرڈ، نہیں''۔

''وہ انسان نہیں ہے''۔ بالآخر ایک دراز میں اسے خنجر مل گئے۔

''وہ تمہارے سگے بھائی کا بیٹا ہے...... تمہارا بھتیجا ہے۔ تم نے اسے بیٹے کی طرح پالا ہے۔ تم اس سے محبت کرتے ہو''۔

لیکن رچرڈ کچھ نہیں سن رہا تھا۔

..................×..................

میوزیم کے ساتھ لیموزین آ کر رکی۔ ڈیمین کار سے اترا۔ اس نے جھک کر مرے سے کچھ کہا۔ پھر وہ پلٹا اور بیک وقت دو دو قدمچے پھلانگتا ہوا میوزیم کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

..................×..................

''رک جاؤ رچرڈ...... پلیز...... میری خاطر رچرڈ''۔

لیکن سحر زدہ رچرڈ ان ساتوں خنجروں کو دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں طمانیت تھی۔

..................×..................

اب ڈیمین لابی سے بیس منٹ کی طرف جانے والے زینے پر تھا۔ دور سے اسے دبی دبی آوازیں سنائی دے رہی تھیں...... این کی آواز میں التجا تھی اور رچرڈ کے لہجے میں ہٹ دھرمی۔ بہرحال ڈیمین کا چہرہ بے تاثر تھا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتا رہا۔

..................×..................

این جھپٹ کر رچرڈ اور اس کے سامنے رکھے خنجروں کے درمیان آ گئی۔ ''میں تمہیں یہ سب نہیں کرنے دوں گی''۔ وہ چلائی،

رچرڈ نے اسے گھورا۔ ''ہٹ جاؤ این۔ خنجر مجھے دے دو''۔

این نے نفی میں سر ہلایا۔ آنسو اب بہتے ہوئے اس کے رخساروں سے پھسل رہے تھے۔

''این...... خنجر...... مجھے...... دے...... دو''۔ رچرڈ نے نرم لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

چند لمحوں تک دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ بالآخر این کی نظریں جھک گئیں۔ وہ خنجروں کی طرف پلٹی۔ اس کا انداز ایسا تھا۔ جیسے اس کے دل سے گہری اداسی دھند کی طرح لپٹ گئی ہو۔ پھر اس نے خنجروں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

..................×..................

ڈیمین اب چارلس وارن کے آفس کے دروازے پر کھڑا تھا۔ اس کے کان اندر ہونے والی گفتگو پر تھے۔ اس کا ارتکاز ایسا تھا کہ کوئی دیکھتا تو سمجھتا کہ وہ کسی ٹرانس میں ہے۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا جسم اب لرز رہا تھا۔

..................×..................

این پھر ہچکچائی۔ ایسا لگتا تھا کہ کوئی ان جانی طاقت اس سے کچھ کروانا چاہتی ہے۔ لیکن وہ اس کے خلاف مزاحمت کر رہی تھی۔ لیکن اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس کے اندر ابھرتی ہوئی وہ تحکمانہ آواز بہت طاقت ور ہے اور اس کی قوت ارادی بہت کمزور ہے۔

بالآخر اس نے وہ ساتوں خنجر اٹھا لئے اور رچرڈ کی طرف پلٹی۔

رچرڈ نے خنجر لینے کے لئے ہاتھ بڑھائے۔

اچانک این آگے کی سمت متحرک ہو گئی۔ جیسے کسی شیطانی قوت نے اس کے وجود پر قبضہ جما لیا ہو۔ اس کا چہرہ جیسے مسخ ہو گیا...... بدل گیا...... اس پر دیوانگی اور شیطنیت چھا گئی۔ اس نے رچرڈ کے کان کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔ ''یہ لو رچرڈ...... یہ رہے تمہارے خنجر''۔ اور یہ کہہ کر اس نے ساتوں کے ساتوں خنجر رچرڈ کے جسم میں اتار دیئے۔

دہشت اور صدمے سے رچرڈ کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ ''این''۔ وہ چیخا۔ اس کا جسم آگے کی طرف ڈھلکا اور فرش سے ٹکرایا۔ خنجر اس کے جسم میں دستوں تک اتر گئے۔

این نے کسی فاتح کے سے انداز میں اپنا سر پیچھے کی طرف جھٹکا۔ اس کی آنکھیں بند ہوئیں۔ ہونٹوں پر خوشیوں سے چھلکتی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اور اس نے پوری قوت سے چیخ کر پکارا۔ ''ڈیمین''۔

..................×..................

ڈیمین کے جسم کی تھرتھری موقوف ہو گئی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ پھر اس نے دروازے کے لٹو کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ مگر یوں ہچکچاتے ہوئے واپس کھینچ لیا جیسے کسی اچانک خیال نے اسے ارادہ تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا ہو۔ چند لمحے گہرے ارتکاز کے عالم میں وہ وہیں کھڑا رہا۔ پھر وہ پلٹا اور تیز مگر دبے قدموں واپس زینے کی طرف چل دیا۔

چارلس وارن کے ورک شاپ سے ملحق بوائلر روم تھا۔ بوائلر روم کی سب سے بڑی بھٹی اچانک غضب ناک آواز میں آگ غرانے لگی......

..................×..................

چارلس وارن کے آفس میں این ساکت و صامت کھڑی تھی...... چہرے پر خوشی کا وہی تاثر لئے......

..................×..................

ڈیمین اب بہت تیز قدموں سے اوپر جا رہا تھا......

..................×..................

اسی لمحے اچانک سب سے بڑی بھٹی دھماکے سے پھٹ گئی۔ جلتا ہوا تیل اچھلا۔ ورک شاپ فوراً ہی آگ کی لپیٹ میں آ گئی۔ آفس میں فاتحانہ انداز میں کھڑی این کا وجود ایک ثانئے میں شعلوں میں گھر گیا۔ اس کی چیخیں بے حد دردناک تھیں۔

..................×..................

ڈیمین لابی میں تیز قدموں سے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کا مشن مکمل ہو چکا تھا۔ نیچے لگنے والی آگ کی وجہ سے ادھر ادھر فائر الارم بج رہے تھے۔ پھر ایک دھماکہ سنائی دیا۔

..................×..................

اپنے جلتے ہوئے وجود کے باوجود فتح کے احساس سے سرشار این تھورن نے چھت کی طرف سر اٹھاتے ہوئے پکارا۔ ''ڈیمین...... ڈیمین...... ڈیمین!''۔

..................×..................

میوزیم کے دروازے پر ڈیمین نے ایک لمحے توقف کیا اور پلٹ کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں افسردگی کا سایہ سا لہرایا۔ پھر اس نے دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔

باہر شکاگو شہر کی روشنیاں تھیں۔ دور...... بہت سے فائر انجنوں کے سائرن کی بتدریج قریب آتی ہوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔ مشہور و معروف تھورن میوزیم کو مکمل تباہی سے بچانے کی کوشش کرنے والے آ رہے تھے۔

باہر سیاہ لیموزین اس کی منتظر تھی۔ مستعد ڈرائیور مرے کار کے پاس کھڑا تھا۔ ڈیمین کو دیکھ کر اس نے عقبی نشست کا داہنی جانب والا دروازہ کھول دیا۔

ڈیمین گاڑی میں بیٹھ گیا۔

گاڑی کی عقبی نشست پر پال بوہر اور سارجنٹ نیف پہلے سے ہی موجود تھے۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور طمانیت تھی۔

ڈیمین نے شوفر مرے کو کار اسٹارٹ کرنے کا اشارہ کیا۔ کار آگے بڑھ گئی۔ عقبی نشست کے شیشے سے ڈیمین نے میوزیم کی طرف دیکھا۔ میوزیم کی عمارت اب پوری طرح آگ میں گھر چکی تھی۔

ڈیمین بھی مسکرا دیا۔

XXX

ڈیانا سے تو سانس بھی نہیں لی جا رہی تھی۔ ''انہوں ......انہوں نے ہمیں ڈھونڈا کیسے؟''

''مجھے نہیں معلوم۔'' کیلی نے کہا۔ ''لیکن یہ ذہن میں رکھو کہ ہمارا پالا کس سے پڑا ہے۔''

وہ دونوں دیر تک خاموش بیٹھی رہیں۔ خوف دھیرے دھیرے ان کے وجود میں سرایت کر رہا تھا۔

پھر ڈیانا نے ہی خاموشی توڑی۔ ''جب تم ٹینر کنگسلے سے اس کے آفس میں ملیں تو اس نے تمہیں کچھ دیا تھا؟''

کیلی نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں۔ تمہیں کچھ دیا تھا اس نے؟''

مگر پھر ان دونوں کو ایک ہی لمحے خیال آیا۔ انہوں نے بہ یک وقت کہا۔ ''اس کا وزٹنگ کارڈ!''

انہوں نے اپنے اپنے بیگ کھول کر ٹینر کنگسلے کا دیا ہوا کارڈ نکالا۔ ڈیانا نے اپنا کارڈ پھاڑنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ تو مڑ بھی نہیں رہا تھا۔ ''اس میں یقیناً کوئی چپ موجود ہے۔'' ڈیانا نے تند لہجے میں کہا۔

کیلی بھی کارڈ کو موڑ رہی تھی۔ ''میرے کارڈ میں بھی چپ ہے اور اسی کی مدد سے وہ خبیث ہر جگہ پہنچتے رہے ہیں۔''

ڈیانا نے کیلی کا کارڈ بھی جھپٹ لیا۔ ''مگر اب یہ نہیں ہوگا۔''

کیلی دیکھ رہی تھی۔ ڈیانا پارک سے نکلی اور دونوں کارڈ اچھال کر سڑک پر پھینک دیئے۔ ایک منٹ میں متعدد گاڑیاں دونوں کارڈز کے اوپر سے گزر گئیں۔

دور سے سائرن کی بہ تدریج قریب آتی آواز سنائی دے رہی تھی۔

کیلی بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''چلو ڈیانا، اب ہم یہاں سے نکل لیں۔ اب وہ ہمارا پیچھا نہیں کر سکیں گے۔ اب ہم عافیت سے رہیں گے۔ میں تو پیرس جا رہی ہوں۔ تم اپنی سناؤ۔ تم کیا کرو گی؟''

''یہ سمجھنے کی کوشش کروں گی کہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔''

''محتاط رہنا۔''

''تم بھی۔''

ڈیانا ایک لمحے کو ہچکچائی۔ ''کیلی ......شکریہ۔ تم نے میری جان بچائی۔''

کیلی کھسیا گئی۔ ''میں نے تم سے ایک جھوٹ بولا تھا۔ اس پر میں شرمندہ ہوں۔''

''کیا......؟''

''تم بہت اچھی تصویریں بناتی ہو۔ مجھے پسند آئی تھیں۔ تم بہت اچھی آرٹسٹ ہو۔''

ڈیانا مسکرائی۔ ''شکریہ۔ میں نے بھی تمہارے ساتھ خراب رویہ رکھا تھا۔ سوری۔''

''سوری تو مجھے کہنا چاہئے۔ میں نے تمہیں بہت ستایا ہے۔''

''چھوڑو ان باتوں کو۔'' ڈیانا نے اسے لپٹا لیا۔ ''مجھے تو خوشی ہے کہ ہم ملے......''

وہ کھڑی چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔ الوداع کہنا کسی ایک کے لئے بھی آسان نہیں تھا۔

ڈیانا نے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر اپنا موبائل فون نمبر لکھ کر کیلی کی طرف بڑھایا۔ ''کوئی مسئلہ ہو تو مجھے فون کر لینا۔''

کیلی نے بھی اپنا فون نمبر لکھ کر اسے دے دیا۔ ''یہ میرا نمبر ہے۔ اچھا خدا حافظ۔''

''خدا حافظ۔''

ڈیانا کیلی کو جاتے دیکھتی رہی۔ موڑ مڑنے سے پہلے کیلی نے پلٹ کر اسے دیکھا اور ہاتھ لہرایا۔ پھر وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ ڈیانا نے سر گھما کر اس طرف دیکھا، جہاں کبھی وہ کمرا تھا، جس میں انہوں نے ذرا دیر قیام کیا تھا، جہاں اب سیاہ گڑھا تھا، جسے ان کا مقبرہ ہونا تھا۔ خوش قسمتی نے انہیں بچا لیا تھا۔

ڈیانا کے جسم میں خوف کی سرد لہر دوڑ گئی!

پیٹر اور ڈیمین میں ابتدا ہی سے گاڑھی چھننے لگی تھی۔ اس حد تک کہ کیٹ کو رقابت محسوس ہونے لگی اور اسے ڈیمین پر حیرت بھی ہوئی اور رشک بھی آیا۔ اس سے پہلے پیٹر نے کبھی کسی بالغ مرد کو اتنی آسانی سے قبول نہیں کیا تھا۔ عام حالات میں وہ یا تو چپ رہتا تھا یا پھر کاٹ دار گفتگو کرتا تھا۔ یا وہ ضرورت سے زیادہ نرم خو ہو جاتا تھا یا پھر جارحیت کا مظاہرہ کرتا تھا۔ لیکن ڈیمین کے ساتھ وہ بالکل نارمل رہتا تھا......خوش مزاج، پرکشش، محبت بھرا......جیسے ڈیمین کو وہ برسوں سے جانتا ہوں۔

وہ اتوار کا دن تھا۔ وہ ہائیڈ پارک میں تھے۔ اژدھوں کے کیس کے باہر گھٹنوں کے بل جھکے ایک ماڈل سپر بوٹ سے کھیل رہے تھے۔

کیٹ انہیں دیکھ رہی تھی۔ بارہ سالہ پیٹر میں اتنی توانائی بھری ہے، یہ اس نے کبھی سمجھا ہی نہیں تھا۔ پہلی بار اسے احساس ہوا کہ اس کا بیٹا جوان ہو رہا ہے اور جوانی میں اپنے آں جہانی باپ جیسا خوب رو ہے۔

پیٹر کی دادی بڑے فخر سے کہا کرتی تھی کہ بڑا ہو کر رچرڈ جہاں سے گزرے گا، وہاں ٹوٹے ہوئے نسوانی دل بکھر جایا کریں گے۔

(جاری ہے)

نئے پڑھنے والوں کے لئے

لندن میں امریکی سفیر رابرٹ تھورن کے بیٹے ڈیمیئن کی تیسری سالگرہ کی تقریب میں اس کی آیا پراسرار انداز میں، سارے مہمانوں کے سامنے پھانسی لٹک جاتی ہے اور اس کو ڈیمیئن کے لئے پہلی بھینٹ قرار دیتی ہے۔ بعدازاں ایک پادری رابرٹ سے ملتا ہے اور اس پر زور دیتا ہے کہ ڈیمیئن شیطان کا فرستادہ ہے اور وہ اس کو ہلاک کر دے، اسی میں پوری دنیا کی بھلائی ہے۔ پادری کی موت بھی رابرٹ کے سامنے ہی خوفناک طریقے سے ہوئی۔ ایک مقامی فوٹوگرافر بھی ان پراسرار واقعات کو جان لیتا ہے اور وہ رابرٹ تھورن کو قائل کر لیتا ہے کہ ان کو سچائی جاننے کی کوشش کرنی چاہیے، وہ فادر اسپلٹر سے ملتے ہیں اور اس کی نشاندہی پر اٹلی میں ایک قصبے میں واقع قدیم قبرستان میں ڈیمیئن کی مبینہ ماں کی قبر میں ایک مادہ گیدڑ کو پاتے ہیں۔ اسرائیل کے ساحلی قصبے کے کھنڈرات میں مقیم راہب بوگن ہیگن رابرٹ کو بتاتا ہے کہ ڈیمیئن اصل میں دجال مسیح ہے اور وہ دنیا سے نیکی کا خاتمہ کرنے کیلئے شیطان کا اوتار ہے۔ وہ رابرٹ اور فوٹوگرافر حنیف کو چھ خنجر دیتا ہے جن کے ذریعے ڈیمیئن (اومن) کو مارا جا سکتا ہے، رابرٹ لندن واپس آتا ہے مگر ادھر بدی کی طاقتیں اس کی بیوی کو قتل کر چکی ہوتی ہیں۔ ڈیمیئن کو چرچ میں قربان گاہ کے سامنے ذبح کرنے کی کوشش میں رابرٹ تھورن بھی مارا جاتا ہے۔

اب رچرڈ تھورن، رابرٹ کا بھائی ڈیمیئن کو گود لیتا ہے، وہ اپنے بیٹے مارک اور ڈیمیئن کو امریکہ میں ایک آرمی اسکول میں داخل کرواتا ہے۔ وہاں ایک ٹیچر ڈیمیئن پر شک کرتا ہے اور ڈیمیئن سے اصرار کرتا ہے کہ وہ اپنی اصلیت سے اسے آگاہ کرے۔ ڈیمیئن اپنے سر پر موجود پیدائشی نشان چھ کے تین ہندسے جو شیطانی علامت ہوتی ہے دیکھ کر سمجھ جاتا ہے کہ وہ کون ہے، اسی دوران کئی ناقابل توجیہہ اموات ہوتی ہیں، یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو ڈیمیئن کی راہ میں آڑے آتے ہیں۔ ڈیمیئن اپنے کزن مارک پر اپنی اصلیت ظاہر کر دیتا ہے اور اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ بھی اس کے پیروکاروں میں شامل ہو جائے انکار پر مارک بھی دردناک موت سے ہمکنار ہوتا ہے۔ ڈیمیئن نوجوانی کی سرحدوں میں قدم رکھنے لگا تھا اور اس کے پیروکاروں کا حلقہ بڑھ رہا تھا، رچرڈ تھورن کو اپنے خاندانی عجائب گھر میں رابرٹ کے پاس سے پائے جانے والے خنجر اور کئی ثبوت ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ڈیمیئن اصل میں اس کا بھتیجا نہیں بلکہ دجال مسیح ہے اور اس کے بھائی، بھابھی اور بیٹے کے علاوہ درجنوں اموات کا ذمہ دار بھی ہے۔

وہ بھی ڈیمیئن کو مارنے کی کوشش کرتا ہے، مگر اس کی بیوی جو ڈیمیئن کی پیروکار بن چکی ہوتی ہے وہ اپنے شوہر رچرڈ کو قتل کر دیتی ہے۔ اب ڈیمیئن تھورن فیملی کا واحد وارث، کروڑوں کا مالک ایک روشن سیاسی مستقبل رکھنے والے نوجوان کی حیثیت سے عملی زندگی میں قدم رکھ چکا ہے۔

ماہر فلکیات کوئی مذہبی آدمی نہیں تھا۔ اپنی دوربین سے وہ آسمان کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن اسے جنت کی تلاش ہرگز نہیں تھی۔ اپنے لڑکپن تک وہ خدا پر ایمان رکھتا تھا۔ اپنے والدہ کے خدا پر! لیکن جب وہ بڑا ہوا تو اس نے بچکانہ عقائد کو چھوڑ دیا۔

جان فیول جانتا تھا کہ کائنات کے راز ریاضی اور طبعیات کے عجوبوں سے منسلک ہیں۔ لیکن جو نظارہ اس نے فرن بینک کی آبزرویٹری سے دیکھا، وہ خدا کے وجود کو بیچ میں لائے بغیر بھی بہت مسحور کن، بہت پیچیدہ تھا۔

اس رات آسمان پر ابر بھی نہیں تھا۔ معمول کا کام بہت جلد مکمل ہو گیا تھا۔ اب اس کے پاس آسمان کا جائزہ لینے کیلئے فرصت ہی فرصت تھی۔ وہ اسکیننگ کے خیال سے ہر روز اپنی لائبریری کیلئے ٹوٹوگرافی کرتا تھا۔

اس نے کافی کا ایک گھونٹ لیا اور اپنی تیاریوں کا جائزہ لیا۔ آبزرویٹری میں خاموشی تھی۔ اس کا ٹیکنیشین اس کے برابر ہی کنٹرولز پر ہاتھ رکھے بیٹھا، اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے اشارے کا منتظر تھا۔

جان فیول آگے کی طرف جھکا اور ٹی وی مانیٹر کو دیکھنے لگا۔ ''آج ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''کیسیوپیا جناب؟'' ٹیکنیشین نے جواب دیا۔

''کیسیوپیا۔'' جان فیول نے دہرایا۔ ''رائٹ اسینشن، ایک گھنٹا 16 منٹ۔ بارہ...... بائیس ڈگری اتار...... آٹھ اور چار کی نسبت......''

دوربین اس کی ہدایت کے مطابق حرکت میں آئی۔ مجوزہ علاقہ نظر آتا تو اس نے طمانیت سے سر ہلایا۔ اس نے مزید ہدایات جاری کیں۔ گزشتہ پانچ سال سے وہ آسمان کا جائزہ لے کر نوٹس بنا رہا تھا۔

''ہولڈ...... او کے...... ہارڈ کاپی۔'' اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

چند لمحے وہ اسٹار فیلڈ کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ ''عجیب...... بہت عجیب۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔

ٹیکنیشین نے چونک کر پہلو بدلا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''یہی اسکیننگ ہم نے کل بھی کی تھی؟ ہے نا؟''

''جی ہاں۔ پیر کے دن کی تھی یہ'' ٹیکنیشین نے کہا۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر کیبنٹ سے ایک ٹرانسپیرنسی نکالی اور اس کی طرف بڑھائی۔

جان فیول نے تازہ اسکین اور پچھلے اسکین کا موازنہ کیا۔ وہ پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔ ''تحرک بالکل واضح ہے۔'' اس نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ ''تین سورج۔''

اب ٹیکنیشین کے چہرے پر زلزلے کا سا تاثر تھا۔

جان فیول نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ ''اس اسٹار فیلڈ کے پچھلے تمام ریکارڈز نکالو...... ابھی...... جلدی سے۔''

وہ دیکھتا رہا۔ اس کا اسسٹنٹ کیبنٹ کی طرف چلا گیا تھا۔ ریکارڈز نکالنے میں اسے زیادہ دیر نہیں لگی۔ وہ مرتب انداز میں کام کرنے کا عادی تھا۔ وہ ٹیلی اسکوپ کا جائزہ لینے لگا۔ ریاضی اور طبعیات...... اس نے سوچا، یہی دو چیزیں ہی تو یقینی ہیں۔ لیکن ڈنرز کے دوران، پارٹیوں میں لوگ کیسے کیسے احمقانہ سوال کرتے ہیں...... اڑن طشتریاں، خلائی مخلوق، لوگ سائنس سے زیادہ ان ہونی میں، حماقتوں میں دلچسپی لیتے ہیں۔ وہ ایسے لوگوں سے چڑتا تھا۔ اور اکثر ان کے بارے میں اپنا ردعمل چھپا بھی نہیں پاتا تھا۔

ٹیکنیشین نے اس کا بازو تھپتھپا کر اس کی طرف ٹرانسپیرنسیز کا ڈھیر بڑھایا۔ اس نے ان کا جائزہ لیا اور پھر ٹیکنیشین کی طرف مڑا۔ ''تم کیا کہتے ہو؟''

ٹیکنیشین نے کندھے جھٹکے۔ اس کے ہونٹوں پر معذرت خواہانہ مسکراہٹ تھی۔ ''میں تو یہی کہوں گا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں''

''ٹھیک کہتے ہو۔ اچھا، یہ بتاؤ اسراع کی شرح کیا ہے۔'' ٹیکنیشین نے مونیٹر پر چیک کیا۔ ''چند ہزار پارسیکس۔ میں تو کہوں گا کہ زبردست بینگ ہونے والا ہے۔''

جان فیول نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ ٹکراؤ نہیں، انضمام ہے۔'' اس نے کہا ''ہمیں پوری درستی کے ساتھ متوقع شیڈول نکالنا ہوگا۔'' تجسس اب اس کے وجود میں لہریں لے رہا تھا۔

ٹیکنیشین نے مونیٹر پر ایک بٹن دبایا۔ وہ دونوں اسکرین کو گھور رہے تھے، جہاں ان تینوں کے راستے پروجیکٹ کئے جا رہے تھے۔ اسکرین کے ایک گوشے میں نقطوں کی صورت ڈیجیٹل ریڈ آؤٹ دکھائی دے رہا تھا۔

فیول کے ذہن میں چند لمحے پہلے کی یاد چمک اٹھی......

کیسیوپیا! پادری نے کیسیوپیا کا تذکرہ کیا تھا۔ تین سال پہلے ناکس میں ہونے والے بین الاقوامی کنونشن میں ایک اجلاس کے دوران زبردستی گھس آنے والے اطالوی پادری نے جو لمبا چوغہ پہنے ہوئے تھا، کیسوپیا کا حوالہ دیا تھا۔ اس نے مندوبین سے کہا تھا کہ وہ کیسیوپیا کے علاقے میں تین ستاروں کی یکجائی کے واقعے پر نظر رکھیں۔ جو رونما ہو کر رہے گا۔ اس نے کہا تھا، جب وہ واقعہ رونما ہو تو وہ اسے ضرور بتائیں۔

اسے وہ منظر پوری طرح یاد تھا۔ وہ پادری اعصاب زدہ لگ رہا تھا۔ اس کے باوجود اس کے انداز میں بڑا وقار تھا۔ اور مندوبین نے اسے بولنے سے نہیں روکا تھا...... بولنے دیا تھا۔ کسی کو اس کا مذاق اڑانے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ انہیں اس کے خلوص اور نیت کی سچائی پر یقین تھا اور وہ اس کا احترام کرنے پر مجبور تھے۔ البتہ اس کے جانے کے بعد انہوں نے اس کا مضحکہ ضرور اڑایا۔

''سر۔'' ٹیکنیشین نے اسے چونکا دیا۔ وہ اسکرین کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

وہاں نقطے دھڑکتے دکھائی دے رہے تھے۔ ڈیجیٹل ریڈ آؤٹ رک چکا تھا۔ پس منظر میں ہندسے چمک رہے تھے...... 002.26;00.24.03.00۔ وہ وقت تھا...... اور ایک تاریخ تھی۔ اطالوی پادری کی آواز اس کی سماعت میں گونج رہی تھی...... اس کے وہ الفاظ مسیح کی دوبارہ پیدائش کے بارے میں...... کرائسٹ...... ننھے کرائسٹ کی واپسی کے بارے میں۔

24-3-00

یہ ایک تاریخ پیدائش تھی!

جان فیول نے بے ارادہ، بے ساختہ اپنے سینے پر انگلیوں سے صلیب کا نشان بنایا......!

سونجا وربرگ کو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس کی زندگی کا آخری دن ہے۔ فٹ پاتھ پر موسم گرما کے سیاحوں کا سمندر تھا۔ وہ ان کے درمیان راستہ بناتی بڑھ رہی تھی۔ وحشت زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ خود کو تلقین کر رہی تھی۔ خود کو پرسکون رکھیئے۔

اس کے کمپیوٹر پر فرانز کا جو پیغام موصول ہوا تھا، وہ تھا ہی ایسا...... دہشت زدہ کرنے والا! ''بھاگو سونجا۔ سیدھی ہوٹل آرمیسیا جاؤ۔ وہاں تم محفوظ رہو گی۔ وہاں رک کر انتظار کرو۔ یہاں تک کہ......''

اور وہ پیغام اچانک ہی منقطع ہو گیا تھا۔ فرانز نے پیغام کو مکمل کیوں نہیں کیا۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟

مس وربرگ بریڈن اسٹریٹ کے قریب پہنچ گئی تھی۔ آرمیسیا ہوٹل اسی سڑک پر واقع تھا۔ یہ ہوٹل صرف عورتوں کیلئے تھا۔ میں یہاں فرانز کا انتظار کروں گی۔ اس نے سوچا۔ وہی مجھے بتائے گا کہ یہ چکر کیا ہے......

سونجا وربرگ اگلے کارنر پر پہنچی تو سگنل کی روشنی سرخ ہو گئی تھی۔ وہ فٹ پاتھ پر کھڑی ہو گئی کہ سگنل سبز ہو تو سڑک پار کرے۔ اس دوران کسی نے اسے دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑائی ہوئی سڑک پر آئی۔ قریب ہی ڈبل پارک کی گئی ایک لیموزین اچانک ہی حرکت میں آئی۔ گاڑی بہ مشکل اسے چھوتے ہوئے گزری تھی...... صرف اس حد تک کہ وہ سنبھل نہ سکی اور نیچے گر گئی۔ لیکن اسے کوئی چوٹ نہیں لگی تھی۔

اس کے گرد لوگ اکٹھا ہو گئے۔ وہ سب پرتشویش لہجے میں اس کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔

اسی لمحے گزرتی ہوئی ایک ایمبولینس سونجا کے قریب آ کر رکی۔ دروازہ کھلا اور دو اٹینڈنٹ پھرتی سے اتر کر نیچے آئے۔ انہوں نے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ ''ہٹ جائیں۔ ہم انہیں اسپتال لے کر جائیں گے۔'' ان میں سے ایک نے لوگوں سے کہا۔

سونجا کو اٹھا کر ایمبولینس میں ڈال دیا گیا۔ دروازہ بند ہوا اور ایمبولینس روانہ ہو گئی۔

سونجا نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن اسے اسٹریچر پر لٹا کر بیلٹ سے کس دیا گیا تھا۔ ''ارے میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔ کچھ بھی تو......''

ایک اٹینڈنٹ اس پر جھکا۔ آپ پریشان نہ ہوں مس سونجا وربرگ۔ پرسکون رہیں۔''

سونجا خوف زدہ ہو گئی۔ اس نے نظریں اٹھا کر اٹینڈنٹ کو دیکھا۔ ''تمہیں میرا نام کیسے معلوم......؟''

اس لمحے اس کے بازو میں ہائپوڈرمک سرنج کی سوئی داخل ہوئی اور ایک لمحے بعد اس کا ذہن اندھیرے کے اتھاہ سمندر میں ڈوبتا چلا گیا۔

(جاری ہے)

دجال

قسط نمبر 2 .... علیم الحق حقی

مارک ہیرس ایفل ٹاور کے آبزرویشن ڈیک پر اکیلا تھا۔ اس وقت خاص تیز بارش ہو رہی تھی۔ کبھی کبھی بجلی چمکتی تو بارش کو دیکھ کر لگتا کہ آسمان سے ہیروں کی برسات ہو رہی ہے۔

لیکن اس وقت مارک کو گردوپیش کا احساس ہی نہیں تھا۔ وہ تو اس وقت چونکا دینے والی اس خبر پر غور کر رہا تھا، جو بہت جلد پوری دنیا میں تہلکہ مچانے والی تھی۔

اچانک تیز ہوا چلنے لگی، جس کی وجہ سے بوندیں کوڑوں کی طرح لگنے لگیں۔ مارک ہیرس نے کلائی پر بندھی گھڑی کو دوسرے ہاتھ کی اوٹ میں چھپا کر اس میں وقت دیکھا۔ وہ لوگ لیٹ تھے اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہوں نے ملنے کے لئے اس جگہ پر اصرار کیوں کیا......؟ اور وہ بھی آدھی رات کو!

اسے ٹاور لفٹ کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی...... پھر ان دونوں کے اپنی طرف بڑھتے ہوئے قدموں کی چاپ۔ مارک نے سر گھما کر انہیں دیکھا اور انہیں پہچان کر سکون کی سانس لی۔ ''تم لیٹ ہو۔'' اس نے کہا۔

''سوری مارک۔ اس منحوس موسم کی وجہ سے دیر ہو گئی۔''

''بہرحال اب تو تم آ گئے ہو۔ یہ بتاؤ، واشنگٹن کی میٹنگ تو طے ہے نا؟''

''اسی پر تو بات کرنی ہے مارک بات یہ کہ صبح اس پر طویل بحث ہوئی کہ اس معاملے سے کیسے نمٹا جائے۔ ہم نے آخر میں فیصلہ کیا کہ......''

اس دوران دوسرا شخص غیر محسوس طور پر مارک ہیرس کے پیچھے کی طرف کھسکتا رہا۔ پھر بیک وقت دو باتیں رونما ہوئیں۔ اندھیرے میں ایک کند اور بھاری چیز اس کے سر سے ٹکرائی۔ ساتھ ہی کسی نے اسے اٹھایا...... اور اگلے ہی لمحے وہ بے بسی سے ہاتھ چلاتا ہوا 38 منزل نیچے فٹ پاتھ کی طرف گر رہا تھا۔

............x............

ڈینوور...... کولاریڈو

گیری رینالڈو ینکوور کے قریب کیلونا کے علاقے میں پلا بڑھا تھا اور اس نے فلائنگ کی تربیت بھی وہیں لی تھی۔ اسی لئے وہ پہاڑی علاقے میں جہاز اڑانے کا عادی تھا۔ اس وقت وہ برف پوش پہاڑوں کے درمیان سیسنا سٹیشن III اڑا رہا تھا اور اس کے انداز میں چوکنا پن تھا۔

اس جہاز میں دو افراد کے عملے کو پرواز کی اجازت دی گئی تھی۔ لیکن گیری کے ساتھ اس ٹرپ میں کوئی پائلٹ نہیں تھا۔ وہ کاک پٹ میں اکیلا تھا۔ اس نے کینیڈی ایئرپورٹ کے لئے جعلی فلائٹ پلان جمع کرایا تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ ڈینوور میں ہوگا۔ اس نے سوچا تھا کہ اپنی بہن کے گھر میں گزارے گا اور صبح دوسروں سے جا ملنے کیلئے مشرق کا سفر کرے گا۔ تمام انتظامات مکمل تھے، اور......

ریڈیو پر ابھرنے والی آواز نے اسے چونکا دیا۔ ''سائی ٹیشن ون ون ون لیما فوکس ٹروٹ۔ میں ڈینوور انٹرنیشنل ایئرپورٹ کے کنٹرول ٹاور سے بات کر رہا ہوں۔ کم ان پلیز......''

گیری رینالڈ نے ریڈیو کا بٹن دبایا۔ ''مجھے لینڈ کرنے کے لئے کلیئرنس درکار ہے۔''

''ون لیما فوکس ٹروٹ، اپنی پوزیشن بتاؤ۔''

''میں ڈینوور ایئرپورٹ سے شمال مشرق میں 15 میل کے فاصلے پر ہوں۔ بلندی 15 ہزار فٹ۔''

دائیں جانب اسے پائیکس پیک ابھرتی دکھائی دی۔ آسمان چمک دار نیلا اور مطلع صاف تھا۔ اچھا موسم، اچھا شگون! اس نے سوچا۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر ریڈیو پر دوبارہ آواز ابھری۔ ''ون لیما فوکس ٹروٹ'' تمہارے لئے رن ڈے ٹو سکس کلیئر کر دیا گیا ہے۔''

''راجر۔'' گیری نے کہا۔ لیکن اسی لمحے اچانک جہاز کو زبردست جھٹکا لگا۔ اس نے حیران ہو کر کاک پٹ کی کھڑکی سے جھانکا۔ بالکل اچانک بہت تیز ہوا چلنے لگی تھی...... طوفانی ہوا! اور جہاز اس کی لپیٹ میں آ گیا تھا اور فضا میں لڑھکنے لگا تھا۔

اس نے وھیل کو کھینچا اور جہاز کو بلندی پر لے جانے کی کوشش کی۔ لیکن بے سود۔ جہاز بے قابو ہو چکا تھا۔ اس نے ریڈیو کا بٹن دبایا......

''ون لیما فوکس ٹروٹ اسپیکنگ۔ مجھے ایمرجنسی درپیش ہے۔'' وہ ریڈیو پر چلایا۔ ''میں اس وقت شدید طوفانی ہوا میں گھرا ہوا ہوں۔''

''ون لیما فوکس ٹروٹ''۔ کنٹرول ٹاور سے جواب ملا۔ ''تم اس وقت ڈینوور ایئرپورٹ سے صرف ساڑھے چار منٹ کے فاصلے پر ہو اور ہمارے اسکرین پر کسی طوفان کے آثار نہیں ہیں۔''

''لعنت ہو تمہارے اسکرین پر۔ میں جو کہہ رہا ہوں......'' اس کی آواز اور بلند ہو گئی۔ ''مے ڈے...... مے......''

کنٹرول ٹاور میں بیٹھے لوگوں کو زبردست شاک لگا۔ ان کے رڈار اسکرین پر سے وہ بلپ اچانک ہی غائب ہو گیا تھا۔

............x............

مین ہین...... نیو یارک

صبح کا وقت تھا۔ ایسٹ ریور پر مین ہٹن برج کے نیچے چھ سات پولیس والے، جن میں کچھ وردی میں تھے اور کچھ سادہ لباس میں جمع تھے۔ دریا کے کنارے ریت پر ایک لاش پڑی تھی، جو پورے لباس میں تھی۔

ہومی سائیڈ کا ڈیٹیکٹیو ارل گرین برگ وہاں انچارج تھا۔ وہ روایتی معائنہ کر چکا تھا۔ لاش کی مختلف زاویوں سے تصویریں لی جا چکی تھیں۔ جائے واردات کا تفصیلی معائنہ کیا جا چکا تھا۔

میڈیکل ایگزامنر کارل وارڈ نے ارل گرین برگ کو دیکھا۔ ''اب یہ لاش تمہاری ہے ارل۔''

''معائنے سے کیا پتا چلا؟'' ارل نے پوچھا۔

''موت کا سبب گلا کاٹا جانا ہے۔ اس کے دونوں گھٹنے اور کئی پسلیاں بھی ٹوٹی ہوئی ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ اس کو کافی دیر تک تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔''

''موت کے وقت کا تعین کیا جا سکتا ہے؟''

''یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اسے رات بارہ بجے کے بعد دریا میں پھینکا گیا ہوگا۔ بہرحال پوسٹ مارٹم کے بعد میں تفصیلی رپورٹ دے سکوں گا۔''

گرین برگ لاش کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مرنے والا گرے کلر کی جیکٹ، گہرے نیلے رنگ کی پینٹ میں تھا۔ وہ ہلکی نیلی ٹائی لگائے ہوئے تھا۔ اس کی بائیں کلائی پر قیمتی گھڑی بندھی ہوئی تھی۔ گرین برگ نے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے اس نے اس کی جیبوں کی تلاشی لی۔ اس کی انگلیاں کاغذ کے ایک پرزے سے ٹکرائیں۔ اس نے اسے باہر نکالا اور اس کا جائزہ لیا۔ ''یہ تو اطالوی میں ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔ پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اس نے پکارا۔ ''جیانیلی''۔

ایک باوردی پولیس مین اس کی طرف لپکا۔ ''یس سر؟''

گرین برگ نے نوٹ اس کی طرف بڑھایا۔ ''یہ پڑھ سکتے ہو؟''

جیانیلی بلند آواز میں پڑھنے لگا۔ آخری موقعہ دے رہا ہوں۔ مجھ سے مین ہٹن برج پر ملو...... منشیات کے باقی ماندہ ذخیرے کے ساتھ۔ یا پھر مچھلیوں کے ساتھ تیرتے رہنا......''

'دیہ مافیا کا شکار ہے؟'' اس نے حیرت سے کہا۔ ''لیکن وہ یہ رقعہ اس کی جیب میں کیسے چھوڑ سکتے تھے۔''

''اچھا سوال ہے۔'' گرین برگ نے کہا۔ وہ مقتول کی دوسری جیبوں کی تلاشی لے رہا تھا۔ اس نے ایک پرس برآمد کیا اور اسے کھول کر دیکھا۔ اس میں ساری رقم موجود تھی۔ .... (جاری ہے)

دجال

قسط نمبر 3 .... علیم الحق حقی

وہ جو بھی تھے، انہیں رقم کی ضرورت نہیں تھی۔'' اس نے کہا۔ اسی لمحے پرس میں اسے کارڈ نظر آیا۔'' اس کا نام رچرڈ اسٹیونز ہے۔''

رابرٹ ذہن پر زور دینے لگا۔'' اسٹیونز؟ اس کے بارے میں حال ہی میں کوئی خبر چھپی ہے۔''

گرین برگ نے کہا۔'' اس کی بیوی ڈیانا اسٹیونز ایک مقدمہ قتل میں عینی گواہ ہے۔''

'' ہاں...... یاد آیا۔'' رابرٹ نے کہا۔'' وہ کاپوڈی کاپوز کے خلاف گواہی دے رہی ہے۔''

وہ دونوں پلٹے اور رچرڈ اسٹیونز کی لاش کو غور سے دیکھنے لگے۔

بہت بڑا ڈرل دو گھنٹے سے مسلسل کام کر رہا تھا۔ شکاگو کی سڑکوں کے دس فٹ نیچے وہ ایک سرنگ کو ٹٹول رہا تھا۔ اس کی رفتار چھ منٹ فی میٹر تھی۔ اس سے منسلک ہاتھی کی سونڈ جیسا پائپ ملبہ نکال کر عقب میں ایک بیلٹ پر ڈھیر کر رہا تھا۔

مشین کے عقب میں چھوٹے قد کا ایک آدمی خاموشی سے اپنا کام کئے جا رہا تھا۔ وہ بیلٹ پر پڑے ملبے کو ٹٹول کر چھانٹ رہا تھا۔ سرنگ میں بہت گھٹن تھی۔ اس کے نتیجے میں جوئے کا جسم پسینے میں نہا رہا تھا۔ اس کے نزدیک یہ دنیا کی بدترین جاب تھی، سخت ترین کام تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے دوستوں سے یہ شکایت کرتا تا۔ لیکن ایک عجیب سے انداز میں وہ اس کام پر فخر بھی کرتا تھا۔ ایک بار تو بیئر کی چند بوتلیں پینے کے بعد اس نے سرنگ کا موازنہ جہنم سے بھی کیا تھا...... جہنم جسے اس نے بھی نہیں دیکھا تھا۔

جوئے نے ایک لمحہ پہلے محسوس کر لیا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہونے والی ہے۔ ایسا لگا کہ ڈرل نے ایک ثانیے کو توقف سا کیا۔ پھر وہ اوپر کی طرف اٹھا۔ دھک دھک کی آواز کی جگہ ایک چیخ سی بلند ہوئی۔ اینٹوں اور کنکریٹ کے بڑے بڑے ٹکڑے اس کے اوپر گرے، اس نے بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹتے ہوئے خود کو بہ مشکل بچایا۔

اس کے منہ سے گالیاں نکلیں۔ اس نے چیخ کر آپریٹر سے سوئچ آف کرنے کو کہا۔ مشین بند کر دی گئی تو وہ آگے بڑھا تا کہ نقصان کا جائزہ لے سکے۔ وہ سرنگ میں آگے بڑھا، جھک کر دیکھا اور بڑبڑانے لگا۔ جس رکاوٹ کی وجہ سے گڑبڑ ہوئی تھی، وہ اینٹوں کی بنی ایک دیوار تھی۔ ڈرل مٹی کے لئے تھا، اینٹوں کے لئے نہیں۔

وہ پریشان ہو گیا۔ اگر ڈرل کو نقصان پہنچا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ کام میں تاخیر ہوگی اور تاخیر اور التوا کا مطلب تھا کہ اسے مالی طور پر نقصان ہوگا۔

وہ دل ہی دل میں سروییئرز اور آرکیٹکٹس کو کوسنے لگا۔ یہ سفید کالر والے لوگ! یہ بھی اپنا کام ٹھیک سے نہیں کرتے اور مزدور لوگوں کو مصیبت میں جھونک دیتے ہیں۔

ایک لمحہ گزرا تھا کہ اس کے گرد لوگ جمع ہو گئے۔ سپروائزر بھی اس کے برابر آ کھڑا ہوا اور حیرت سے اینٹوں اور کنکریٹ کے ان ٹکڑوں کو گھورنے لگا، جنہیں ڈرل نے توڑ کر پیچھے لا پھینکا تھا۔

جوئے اداس کھڑا تھا...... اداس اور منتظر!

'' کوئی خاص بات نہیں۔'' اس کے باس نے کہا۔'' یہ پرانے تھورن میوزیم کے بیس منٹ کی دیوار ہے۔''

جوئے کو میوزیم خوب یاد تھا۔ برسوں پہلے...... شاید پندرہ یا بیس سال پہلے میوزیم میں آگ لگی تھی۔ اخبارات میں کئی دن تک خبریں شائع ہوئی تھیں۔ وہ پراسرار آگ تھی۔ کچھ پتا نہیں چلا تھا کہ کیسے لگی۔ خود لگی یا کسی نے لگائی۔ معما آج تک حل نہیں ہو سکا تھا۔

جوئے کو پھر سپروائزرز پر غصہ آنے لگا، کم بختوں کو دیوار کی موجودگی کا علم تھا تو انہوں نے ڈرل تبدیل کیوں نہیں کرایا۔ اس صورت میں تو موٹا ڈرل استعمال کرنا چاہئے تھا۔ وہ بڑبڑائے جا رہا تھا۔

'' کیا بک بک لگا رکھی ہے۔ چپ ہو جاؤ۔'' باس نے اسے ڈپٹا

کچھ دیر بعد فیصلہ ہوا کہ دیوار کے لئے ڈائنامیٹ استعمال کیا جائے گا۔ اس وقت تک کام جاری رہے گا۔

اب جوئے پھر اکیلا تھا۔ مشین پھر اسٹارٹ ہو گئی تھی۔ لیکن اس بار جوئے دیوار سے دور ہی تھا۔ اچانک اسے کیچڑ میں کوئی چمکتی ہوئی چیز دکھائی دی۔ اس نے ہاتھ بڑھایا اور کیچڑ کی اس تھپی کو بیلٹ سے نیچے سرنگ کے فرش پر گرا دیا۔ تھپی نیچے گر کر چٹخی۔ جوئے اس کی طرف بڑھا۔ مگر فوراً ہی گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کا جسم لرز رہا تھا۔

کیچڑ کی چٹخی ہوئی تھپی کے اندر سے جلی ہوئی ایک کھوپڑی جھانک رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اسے کوئی دھاتی چیز نظر آئی۔ پھر کئی دھاتی اسٹکس سی نیچے گریں۔

جوئے نے ڈرتے ڈرتے قریب ترین دھاتی چیز کو اٹھایا اور رگڑ رگڑ کر کیچڑ کو صاف کرنے لگا۔ اگلے ہی لمحے اس کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ خنجر ہے۔

مزید صاف کرنے پر خنجر واضح ہو گیا۔ اس کا پھل لمبا تھا اور دستہ ہاتھی دانت کا تھا اور اسے دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بہت قدیم ہے۔ ایسا قدیم کہ اسے کا شمار نوادرات میں ہو سکتا ہے۔ اس نے اس کے پھل پر انگوٹھا پھرایا اور کراہ کے رہ گیا۔ اس کی دھار اب بھی تیز تھی۔ اس نے نیم تاریکی میں اس کے دستے کو غور سے دیکھا۔ خنجر کو صلیب کی شکل میں بنایا گیا تھا اور دستے پر بھی مصلوب مسیح کی شبیہہ کندہ تھی۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ سرنگ میں وہ اکیلا تھا، اسے دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ جوئے ہشیار آدمی تھا۔ دو اور دو چار ہوتے ہیں، یہ سمجھنا اس کے لئے کبھی دشوار نہیں رہا تھا۔ خنجر کے ساتھ کھوپڑی بھی تھیں اور ہڈیاں بھی تھیں۔ یہ بات قتل کی طرف اشارہ کرتی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ میوزیم میں یک شخص ایسا بھی تھا، جو جل کر نہیں مرا...... جسے قتل کیا گیا تھا۔ لیکن وہ یہ بات پولیس کو بتاتا تو اسے خنجر بھی پولیس کے حوالے کرنا پڑتا اور یہ وہ نہیں چاہتا تھا۔

وہ ڈرل کے بارے میں سب کچھ بھول گیا۔ کیچڑ کی تھپیوں میں پھنسے ہوئے اسے اور خنجر بھی نظر آ رہے تھے۔ ایک...... دو...... تین...... اور کیا پتا اور بھی ہوں۔ اس نے بیلٹ پر پڑی کیچڑ کی بڑی بڑی تھپیاں نیچے گرائیں اور ان سے ہڈیاں اور خنجر علیحدہ کرنے لگا۔

اس نے خنجر نکال کر کنویئر بیلٹ کے نیچے رکھ دیئے۔ اب انہیں باہر بھی لے جانا تھا۔

............☆............

نوادرات کی دکان کا مالک خنجروں کو مسحور نگاہوں سے تک رہا تھا۔'' یہ تو کسی گینگ کے معلوم ہوتے ہیں۔'' اس نے نتھنے پھلا کر گویا سونگھتے ہوئے تبصرہ کیا۔

جوئے نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔'' تم اس فیلڈ میں ہو اور تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی ہے کہ یہ بہت پرانے خنجر ہیں''

نوادرات کے تاجر نے کندھے جھٹک دیئے۔

'' یہ بہت پرانے ہیں۔'' جوئے کے لہجے میں التجا تھی۔'' اور بہت زیادہ قیمتی بھی ہیں۔''

'' مجھے تو ایسا نہیں لگتا۔'' دکان دار نے بے پروائی سے کہا۔

جوئے زیادہ بحث بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا کام ایسا تھا کہ آئے دن پرانی چیزیں نکلتی رہتی تھیں اور وہ انہیں چپکے سے نکال کر بیچ دیتا تھا۔ اس کا تجربہ تھا کہ دکان دار سے بحث مباحثے میں وقت کے ضیاع کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ دکان دار کا آخری جملہ یہی ہوتا تھا...... یہ رقم لینی ہے تو لو ورنہ اپنا راستہ ناپو۔.. (جاری ہے)

دجال

قسط نمبر 4...علیم الحق حقی

چناں چہ جوئے نے دکان دار کے دیے ہوئے نوٹ تھامے اور دکان سے نکل آیا۔

باہر بارش ہورہی تھی۔اس نے نوٹ گنے۔رقم بہت تھوڑی تھی۔لیکن کچھ نہ ہونے سے تو بہت بہتر تھا۔اس کا کام سخت تھا۔مگر اس میں چھپے ہوئے خزانے بھی ملتے تھے۔کبھی سکے ملتے تھے تو کبھی قیمتی زیورات۔آج یہ خنجر ملے تھے۔

مگر اسے افسوس ہونے لگا۔ان خنجروں کی اسے کہیں بہتر قیمت ملنی چاہئے تھی۔پھر اس نے خود کو سمجھایا۔جو بھی مل گیا،غنیمت ہے۔یہ تو بونس ہے ایک طرح کا......خدا کی طرف سے انعام!

اس نے ٹکلینیز بار اینڈ گرل کا دروازہ کھولا۔وہ بہت تو ہم پرست تھا۔یہ جس طرح کی رقم تھی،اسے وہ اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ہاں،اس سے بیئر پی جاسکتی تھی......عیاشی کی جاسکتی تھی۔

اسٹول پر بیٹھتے ہوئے اس نے اسکاچ کا ایک جام طلب کیا۔دوسرا جام حلق سے اتارنے کے بعد اسے چڑھنے لگی۔اس نے بار مین کو اپنی طرف سے ایک جام پلایا۔دومزید جام حلق سے اترے تو اس نے بار میں موجود اپنے تمام دوستوں کو جام پیش کیے......

اگلی صبح اس کی طبیعت اتنی بگڑی ہوئی تھی کہ وہ کام پر نہیں جاسکا۔یوں وہ ایک دن کی تنخواہ سے محروم ہوگیا۔یہ نقصان ہوتا ہے اس طرح کی آمدنی میں۔

............☆............

ٹونی آلٹیری کے مقدمے کی سماعت کورٹ روم نمبر 37 میں ہورہی تھی۔کورٹ روم بہت وسیع تھا۔لیکن کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔وہاں بڑی تعداد میں عام لوگ بھی تھے اور اخباری نمائندے بھی۔

ٹونی آلٹیری وہیل چیئر میں بیٹھا تھا۔اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔لیکن ہر تاثر جیسے سمٹ کر اس کی آنکھوں میں آگیا تھا۔وہ ڈیانا اسٹیونز کو دیکھتا تو اس کی آنکھوں سے نفرت جھلکنے لگتی۔

آلٹیری کے برابر اس کا وکیل روبنسٹن بیٹھا تھا۔روبنسٹن کی شہرت کی دو وجوہات تھیں۔ایک یہ تھی کہ اس کے موکل ہمیشہ مجرم تنظیموں کے کارکن یا سربراہ ہوتے تھے۔دوسرے وہ اس لیے بھی مشہور تھا کہ اس کے تمام موکل بالآخر بری کردیے جاتے تھے۔

روبنسٹن کا دماغ بہت تیز اور تخیل بہت زرخیز تھا۔عدالت میں ہر بار اس کا انداز منفرد ہوتا تھا۔ڈرامائی داؤ پیچ کے معاملے میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔اپنے حریفوں کو تولنے اور ان کی کمزوریوں کو سمجھنے کے معاملے میں اس سے کبھی چوک نہیں ہوتی تھی۔لیکن اس کا انداز ہر بار مختلف ہوتا تھا۔کبھی وہ چیتا تھا،جو دبے پاؤں اپنے بے خبر شکار کے پیچھے لگا ہوتا تھا......اس پر جھپٹنے کو تیار!کبھی وہ مکڑی ہوتا تھا،جو چپکے چپکے اپنے شکار کے گرد جالا بن رہی ہوتی تھی اور کبھی وہ شکاری تھا جو ڈور میں کانٹا چارہ لگائے بڑے صبر وتحمل سے شکار کے منہ مارنے کا منتظر رہتا تھا۔

ڈیانا اسٹیونز اس وقت گواہوں کے کٹہرے میں تھی اور روبنسٹن بہت غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔اس کی عمر 32 سال کے لگ بھگ ہوگی۔وہ بے حد حسین اور خوش لباس عورت تھی۔جیوری کے اراکین اس سے بہت زیادہ متاثر نظر آرہے تھے۔روبنسٹن سمجھ گیا تھا کہ اس عورت کو بڑی ترکیب سے ہینڈل کرنا ہوگا۔مچھلی کے شکاری کا رول اس کے لئے مناسب رہے گا۔

روبنسٹن آہستہ آہستہ مگر نپے تلے قدموں سے کٹہرے کی طرف بڑھا۔پھر وہ بولا تو اس کی آواز بے حد نرم تھی۔''مسز اسٹیونز،کل آپ نے بتایا کہ 14 اکتوبر کو آپ ہنری ہڈسن پارک وے پر ڈرائیو کررہی تھیں کہ آپ کا ٹائر پنکچر ہوگیا۔آپ گاڑی کو 58 ویں اسٹریٹ پر لے آئیں،جو کہ سروس روڈ ہے۔''

''جی ہاں۔''

''آپ اس خاص جگہ پر کیسے رکیں؟''

''ٹائر پنکچر ہوجانے کی وجہ سے۔میرے پاس اسپیئر وہیل نہیں تھا اور مین روڈ پر پنکچر کی کوئی دکان نہیں تھی۔58 ویں اسٹریٹ پر درختوں کے درمیان سے مجھے وہ چھت جھانکتی نظر آئی۔میں نے سوچا،ہوسکتا ہے،یہ پنکچر کی دکان ہو۔''

''آپ کا تعلق کسی آٹو کلب سے ہے؟''۔

''جی ہاں۔''

''آپ کی کار میں فون ہے؟''

''جی ہاں۔''

''تو آپ نے آٹو کلب فون کیوں نہیں کیا؟''

''اور پھر آپ کو وہ کیبن بھی تو نظر آگیا تھا۔''روبنسٹن کے لہجے میں ہمدردی تھی۔

''جی ہاں۔''

''تو آپ مدد حاصل کرنے کے لئے کیبن کی طرف گئیں؟''روبنسٹن نے کہا۔''کیا اس وقت باہر روشنی تھی؟''

''جی ہاں۔شام کے پانچ بجے تھے۔''

''تو آپ سب کچھ دیکھ سکتی تھیں؟''

''جی ہاں۔''

''تو آپ نے کیا دیکھا مسز اسٹیونز؟''

''میں نے ٹونی آلٹیری کو دیکھا......''

''اوہ تو کیا آپ پہلے کبھی ان سے ملی تھیں؟''

''نہیں۔''

''تو پھر آپ یقین سے یہ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ جسے آپ نے دیکھا،وہ مسٹر آلٹیری تھے۔''

''میں ان کی تصویریں دیکھ چکی ہوں۔اخبارات اور......''

''یعنی اس شخص کی مسٹر آلٹیری کی تصویروں میں مشابہت تھی؟''

''وہ......میں......''

''یہ بتائیں،آپ نے کیبن میں کیا دیکھا؟''

ڈیانا کے جسم میں واضح طور پر تھرتھری دوڑتی نظر آئی۔اس نے ایک گہری سانس لی......................................(جاری ہے)

دجال

قسط نمبر:5..علیم الحق حقی

اور پھر دھیرے دھیرے یوں بولی، جیسے وہ منظر اس کی نگاہوں کے سامنے موجود ہو۔''کیبن میں چار آدمی موجود تھے۔ان میں سے ایک کرسی سے بندھا ہوا تھا اور لگتا تھا کہ مسٹر آلٹیئر ی اس سے پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔دوسرے دو آدمی مسٹر آلٹیئر ی کے پاس کھڑے تھے۔''ڈیانا کی آواز لرزنے لگی۔''دیکھتے ہی دیکھتے مسٹر آلٹیئر ی نے گن نکالی، چیخ کر کچھ کہا اور بندھے ہوئے شخص کے سر کے پچھلے حصے میں گولی ماردی......''

جیک روبنسٹین نے کن انکھیوں سے جیوری کے اراکین کو دیکھا۔وہ بہت غور سے ڈیانا اسٹیونز کو دیکھ رہے تھے......مبہوت ہو کر!''پھر آپ نے کیا کیا مسز اسٹیونز؟''

''میں اپنی کار کی طرف لپکی اور میں نے اپنے سیل فون پر 911 ڈائل کیا۔''

''اور پھر؟''

''پھر میں اپنی گاڑی میں وہاں سے نکل لی۔''

''پنکچر ڈ ٹائر کے ساتھ!''

''جی ہاں۔''

چند لمحے روبنسٹن دانستہ خاموش رہا۔پھر اس نے پوچھا۔''آپ نے وہاں رک کر پولیس کا انتظار کیوں نہیں کیا؟''

ڈیانا نے اس کی طرف دیکھا۔اس کے برابر بیٹھا آلٹیئر ی شیطنیت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔اس نے جلدی سے نظریں ہٹالیں۔''کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ وہ لوگ باہر آئیں گے اور مجھے دیکھ لیں گے۔''

''بات سمجھ میں آنے والی ہے۔''روبنسٹن کا لہجہ سخت ہوگیا۔''لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب آپ کی کال کے جواب میں پولیس وہاں پہنچی تو کیبن سنسان تھا۔صرف اتنا نہیں کہ وہاں کوئی نہیں تھا۔بلکہ لگتا تھا کہ مدت سے کیبن خالی پڑا ہے۔''

''میں اس سلسلے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔میں......''

''آپ آرٹسٹ ہیں؟ ہے نا؟''

ڈیانا کو اس سوال نے حیران کردیا۔''ہاں، میں......''

''آپ کامیاب بھی ہیں؟''

''میرا خیال تو یہی ہے۔لیکن اس کا اس کیس سے کیا تعلق......''

یہ ڈورکو جھٹکا دینے کا وقت تھا۔''پبلسٹی......اضافی پبلسٹی سے فائدہ ہی ہوتا ہے۔اب پورا ملک آپ کو ٹی وی پر دیکھتا ہے۔تمام اخبارات آپ کو اپنے صفحۂ اول پر......''

ڈیانا نے غصے سے اسے دیکھا۔''میں نے یہ پبلسٹی کیلئے نہیں کیا۔میں کسی بے قصور آدمی کو سزا......''

''یہ لفظ بے قصور بہت اہم اور بزرگ لفظ ہے اور میں اس بات کو شک و شبہے سے پاک کر کے ثابت کردوں گا کہ میرے موکل مسٹر آلٹیئر ی بے قصور ہیں۔شکریہ خاتون۔یو آر فنشڈ۔''

ڈیانا اسٹیونز نے آخری لفظ کو نظر انداز کردیا جو کہ ذو معنی تھا۔واپس آکر اپنی سیٹ پر بیٹھی تو غصے سے اس کا برا حال تھا۔اس نے وکیل استغاثہ سے سرگوشی میں کچھ کہا اور پھر اٹھ کر دروازے کی طرف چل دی۔پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھتے ہوئے بھی اس کی سماعت میں وکیل صفائی کی آواز گونج رہی تھی......آپ آرٹسٹ ہیں......اضافی پبلسٹی کسے بری لگتی ہے۔کیسی گھٹیا بات تھی؟اس کے باوجود وہ اپنی گواہی سے مطمئن تھی۔اس نے جو کچھ دیکھا تھا جیوری کو بتادیا تھا۔اسے یقین تھا کہ ٹونی آلٹیئر ی پر جرم ثابت ہوگا اور اسے عمر قید کی سزا ہوگی لیکن ڈیانا کو آلٹیئر ی کی زہریلی نظریں ستارہی تھیں۔انہیں یاد کر کے اس وقت بھی اس کے جسم میں تھرتھری سی دوڑ گئی۔

اس نے اٹینڈنٹ کو اپنا پارکنگ ٹکٹ دیا اور وہ اس کی گاڑی لانے کے لئے چلا گیا۔دو منٹ بعد ڈیانا اپنی گاڑی میں بیٹھی اپنے گھر کی طرف جارہی تھی۔

آگے ایک کارنر پر''اسٹاپ''کی سائن لگی تھی۔اس نے بریک لگایا۔قریب کھڑا ایک جوان آدمی کار کی طرف بڑھا۔''ایکسکیوزمی میں راستہ بھول گیا ہوں۔کیا آپ مجھے......؟''

ڈیانا نے اپنی طرف کا شیشہ نیچے کیا۔

''مجھے ہالینڈ ٹنل جانا ہے۔''جوان آدمی کا لہجہ اطالوی تھا۔

''میں بتاتی ہوں۔یہاں سے آگے......''

اسی وقت جوان آدمی نے ہاتھ بلند کیا۔اس کے ہاتھ میں سائیلنسر لگی گن تھی۔''خاتون......پھرتی سے کار سے باہر آجاؤ......''

ڈیانا کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔''ٹھیک ہے۔پلیز......فائر نہ......''وہ دروازہ کھولنے لگی۔یہ دیکھ کر جوان آدمی اسے جگہ دینے کے لئے پیچھے ہٹا۔

اسی لمحے ڈیانا نے پوری طاقت سے ایک گیئر دبایا۔گاڑی تیزی سے آگے کی طرف لپکی۔عقب سے کار کی کا شیشہ ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔ایک اور گولی گاڑی کے عقبی حصہ سے ٹکرائی۔ڈیانا کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔لیکن اس وقت تو اسے سانس لینا بھی یاد نہیں تھا۔

ڈیانا اسٹیونز نے کاریں چھیننے کے واقعات پڑھے ضرور تھے۔مگر اسے خود ایسا کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا اور پھر یہاں تو اس شخص نے اسے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔کار چھیننے والے ایسا تو نہیں کرتے۔ڈیانا نے اپنا موبائل فون اٹھایا اور اس پر 911 ڈائل کیا۔آپریٹر نے تقریباً دو منٹ بعد اسے جواب دیا۔

''911۔آپ کو کس نوعیت کی ایمرجنسی درپیش ہے؟''

تفصیل بیان کرنے کے دوران بھی ڈیانا کو احساس ہو رہا تھا کہ اب تک تو مجرم کہیں کا کہیں پہنچ گیا ہوگا۔

فون بند کرنے کے بعد اس نے پلٹ کر ٹوٹے ہوئے عقبی شیشے کو دیکھا تو اس پر تھرتھری چڑھ گئی۔اس کا جی چاہا کہ رچرڈ کو فون کرے اس بارے میں بتائے۔لیکن وہ جانتی تھی کہ رچرڈ ایک بے حد ارجنٹ پروجیکٹ پر کام کر رہا ہے۔وہ فون کرے گی تو وہ ڈسٹرب ہوگا اور کام چھوڑ کر دوڑا چلا آئے گا۔

اسی وقت اسے ایک ایسا خیال آیا کہ اسے خون اپنی رگوں میں جمتا محسوس ہونے لگا۔کیا یہ محض اتفاق تھا؟یا وہ شخص اس کا انتظار کر رہا تھا؟

(جاری ہے)

دجال

قسط نمبر: 6

علیم الحق حقی

اس نے سوچا۔ جب یہ مقدمہ شروع ہوا تھا تو رچرڈ نے اسے آلٹیئر ی کے خلاف گواہی دینے سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اس نے کہا تھا۔ ''میں گواہی نہیں دوں گی تو میرے ضمیر پر عمر بھر بوجھ رہے گا۔''

یہ اتفاق ہی ہے۔ ڈیانا نے خود کو سمجھایا۔ مقدمے کے دوران آلٹیئر ی ایسی حماقت نہیں کرسکتا۔ یہ تو اپنا کیس اور خراب کرنا ہوا۔

اپنی بلڈنگ سے انڈر گراؤنڈ گیراج میں کار لے جاتے ہوئے ڈیانا نے عقب نما آئینے میں دیکھا۔ سڑک پر بہ ظاہر تو سب کچھ نارمل ہی لگ رہا تھا۔

..................x..................

اس کا گراؤنڈ فلور ڈپلیکس اپارٹمنٹ بہت ہوادار تھا۔ نشست گاہ بہت کشادہ تھی۔ اوپری منزل پر ماسٹر بیڈروم تھا۔ وہیں وہ پینٹ بھی کرتی تھی۔ دیواروں پر اس کی پینٹ کی ہوئی کئی تصویریں آویزاں تھیں۔ کمرے کے وسط میں ایزل پر ایک نامکمل پورٹریٹ لگا تھا۔ ڈیانا نے اسے ہٹایا اور اس کی جگہ سادہ کینوس لگا دیا۔ پھر وہ اس آدمی کا اسکیچ کرنے لگی، جس نے کچھ دیر پہلے اس پر فائرنگ کی تھی۔ لیکن اس کے ہاتھ اس بری طرح کانپ رہے تھے کہ اسے ہاتھ روکنا پڑا۔

..................x..................

''اس کام میں یہ حصہ مجھے سب سے برا لگتا ہے''۔ ارل گرین برگ نے شکایتی لہجے میں کہا۔ وہ دونوں اس وقت ڈیانا اسٹیونز کے گھر جا رہے تھے۔

''کیا ضروری ہے کہ ہم بتائیں۔ شام کی خبروں سے اسے خود ہی معلوم ہو جائے گا'' ۔رابرٹ تجویز پیش کی۔ پھر اس نے ارل کو بہت غور سے دیکھا۔ ''تم اسے بتاؤ گے نا؟''۔

ارل گرین برگ نے اثبات میں سر ہلایا۔ اسے وہ قصہ یاد آیا جو پولیس والوں میں بہت مشہور تھا۔ ایک گشتی پولیس افسر ایک مجرم کے ہاتھوں مارا گیا۔ افسر اعلیٰ نے ایک سراغ رساں سے کہا کہ اسے ایڈمز کی بیوی کو یہ اطلاع دینی ہے۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا ''ذرا احتیاط سے...... خاتون بے حد حساس ہے''۔

''آپ فکر نہ کریں۔ میں انہیں اچھی طرح ہینڈل کرلوں گا''۔ سراغ رساں نے افسر اعلیٰ کو اطمینان دلایا۔

کچھ دیر سراغ رساں نے مقتول پولیس والے کے دروازے پر دستک دی۔ مسز ایڈمز نے دروازہ کھولا۔ سراغ رساں نے چھوٹتے ہی اس سے پوچھا ''کیا آپ ہی ایڈمز کی بیوہ ہیں؟''۔

..................x..................

ڈیانا کو اطلاعی گھنٹی کی آواز نے چونکا دیا۔ اس وقت اسے کسی کے آنے کی امید بھی نہیں تھی۔ وہ انٹرکام تک گئی۔ ''کون ہے؟''۔

''سراغ رساں ارل گرین برگ۔ مجھے آپ سے بات کرنی ہے مسز اسٹیونز''۔ دوسری طرف سے جواب ملا۔

ڈیانا نے سوچا، یہ وہی کار چھیننے والا معاملہ ہے۔ پولیس کچھ زیادہ ہی مستعد ہوگئی ہے۔ اس نے بزر دبایا۔ گرین برگ ہال وے میں داخل ہوا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

''اتنی جلدی آنے کا شکریہ''۔ ڈیانا نے اسے دیکھتے ہی کہا ''میں نے اس کا اسکیچ شروع کیا تھا، لیکن...... خیر اس کی رنگ سانولی تھی۔ براؤن آنکھیں، بائیں رخسار پر تل، گن پر سائلنسر لگا تھا اور......''۔

ارل گرین برگ الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا ''سوری میڈم، یہ آپ کا کیا......''۔

''میں نے 911 پر کیا تھا......''۔ ڈیانا نے غور سے سراغ رساں کو دیکھا۔ ''تو یہ میرا کار جیکنگ والا معاملہ نہیں ہے؟ تو پھر کیا بات ہے؟''

''سوری میڈم۔ میں ایک بری خبر لایا ہوں۔ آپ کے شوہر کے بارے میں......''۔

''کک...... کیا ہوا؟'' ڈیانا کی آواز لرز رہی تھی۔

''حادثہ''۔

''کیسا حادثہ؟''۔

''ان کی لاش مین ہٹن برج کے نیچے سے ملی ہے''۔

ڈیانا اسے گھورتی رہی۔ پھر نفی میں سر ہلانے لگی۔ ''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرے شوہر تو اپنی لیبارٹری میں مصروف ہیں''۔

کام ارل کی توقع سے زیادہ مشکل ثابت ہو رہا تھا۔ ''مسز اسٹیونز! رات آپ کے شوہر کس وقت واپس آئے تھے؟''۔

''نہیں۔ وہ نہیں آئے۔ وہ سائنس دان ہیں''۔ ڈیانا نے کہا ''کبھی کبھی وہ رات رات بھر مصروف رہتے ہیں''۔

''آپ کو علم ہے کہ ان کا تعلق مافیا سے تھا؟''۔

ڈیانا ششدر رہ گئی۔ ''مافیا؟ دماغ خراب ہے آپ کا؟''۔

''دراصل ہمیں ان کے پاس سے......''۔

مگر ڈیانا اب بھڑک چکی تھی۔ ''پہلے آپ اپنی شناخت کرائیں''۔

ارل گرین برگ نے اپنا شناختی بیج اس کی طرف بڑھایا۔

ڈیانا نے بیج دیکھ کر واپس کیا اور اچانک ہی اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔ ''کیا اس شہر کی انتظامیہ تمہیں تنخواہ اس کام کی دیتی ہے کہ تم معزز شہریوں کو ڈراتے پھرو۔ میرا شوہر زندہ ہے اور اپنے کام میں مصروف ہے''۔ اب وہ ہسٹریائی انداز میں چیخ رہی تھی۔

ارل نے اس کی آنکھوں میں ہسٹریا کی کیفیت دیکھی۔ ''مسز اسٹیونز۔ میں کسی کو آپ کی دیکھ بھال کیلئے......''۔

(جاری ہے)

دجال

قسط نمبر: 7

علیم الحق حقی

''دیکھ بھال کی ضرورت تمہیں ہے، مجھے نہیں۔دفع ہو جاؤ یہاں سے''۔

''مسز اسٹیونز، میں آپ کی مدد......''۔

''تم جاتے ہو یا......''۔

ارل گرین برگ نے اپنا کارڈ نکالا اور قریبی میز پر رکھ دیا۔''اس پر میرا نمبر ہے۔آپ بات کرنا چاہیں تو......'' یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

اس کے جانے کے بعد ڈیانا نے دروازہ لاک کیا اور گہری سانس لی۔بے وقوف......غلط پتے پر چلا آیا......اور مجھے ڈرا رہا تھا۔اس نے سوچا۔مجھے اس کی شکایت کرنی ہوگی۔اس نے گھڑی میں وقت دیکھا، رچرڈ اب آنے ہی والا ہوگا۔کھانا بنانے کی فکر کی جائے۔

..................×..................

رچرڈ کے کام میں رازداری کی بڑی اہمیت تھی۔اس لئے ڈیانا اسے کبھی ڈسٹرب نہیں کرتی تھی۔وہ اسے فون نہ کرتا تو وہ سمجھ لیتی کہ وہ بہت زیادہ مصروف ہے۔

ڈیانا نے کھانا تیار کر لیا تھا۔دس بجے گئے اور رچرڈ نہیں آیا تو اس نے کھانا فریج میں رکھ دیا۔وہ جانتی تھی کہ رچرڈ واپس آئے گا تو اس کا بھوک سے برا حال ہوگا۔

اس کا خود تھکن سے برا حال تھا۔دانت صاف کر کے وہ بستر پر ڈھیر ہو گئی۔چند ہی منٹ بعد وہ گہری نیند سو گئی۔

صبح کے تین بجے اس کی آنکھ کھلی۔وہ دیوانہ وار چلا رہی تھی!

اس کے جسم میں تھرتھری دوڑ رہی تھی۔سردی جیسے اس کی ہڈیوں تک میں اتر گئی تھی۔وہ پاگلوں کی طرح سوچے جا رہی تھی......رچرڈ مر چکا ہے۔اب میں کبھی اسے نہیں دیکھ سکوں گی۔اس کی آواز کبھی نہیں سن سکوں گی۔کبھی اسے چھو نہیں سکوں گی۔یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔مجھے آلٹیری کے خلاف گواہی نہیں دینی چاہئے تھی۔رچرڈ، مجھے معاف کر دو......پلیز مجھے معاف کر دو۔میں تمہارے بغیر جی نہیں سکتی۔میری زندگی تو تمہی سے تھی۔تمہی میرے جینے کا سبب تھے۔اب میں کیوں اور کیسے جیوں گی۔

وہ لیٹی یہ سب کچھ سوچتی رہی۔وہ مر جانا چاہتی تھی۔اس کا بس چلتا تو غائب ہو جاتی۔سوچتے سوچتے اس کی سوچوں کا رخ ماضی کی طرف ہو گیا۔رچرڈ نے کیسے اس کی زندگی بدل ڈالی تھی......

..................×..................

ڈیانا ویسٹ کا باپ سرجن تھا اور ماں آرٹسٹ۔خود ڈیانا نے تین سال کی عمر سے ڈرائنگ شروع کر دی تھی۔کالج میں تعلیم کے دوران ریاضی کے پرکشش ٹیچر کے ساتھ اس کا مختصر افیئر چلا۔ٹیچر کا کہنا تھا کہ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔کیونکہ وہ دنیا میں واحد عورت ہے جو اس کیلئے بنی ہے۔بعد میں ڈیانا کو پتہ چلا کہ وہ نہ صرف شادی شدہ ہے۔بلکہ تین بچوں کا باپ بھی ہے۔اس نے وہ کالج ہی چھوڑ دیا۔

اسے مصوری سے عشق تھا۔فارغ وقت میں وہ صرف مصوری کرتی تھی۔گریجویشن کرتے کرتے اس کی فن کارانہ ساکھ بن گئی اور تصویریں فروخت ہونے لگیں۔ایک آرٹ گیلری میں اس کی تصویروں کی نمائش بھی ہوئی۔گیلری کے مالک پال ڈیکن نے اس کی بہت حوصلہ افزائی بھی کی۔نمائش بہت کامیاب ثابت ہوئی۔

نمائش کے بعد پال ڈیکن نے اسے مبارک باد دیتے ہوئے کہا''تمہاری بیشتر تصویریں فروخت ہو چکی ہیں۔میرا خیال ہے، چند ماہ کے بعد دوسری نمائش کی تیاری کرنی چاہئے۔لیکن اصل تیاری تو تمہیں کرنی ہوگی''۔

''شکریہ پال۔دیکھیں گے''۔

ڈیانا کسی کو آٹو گراف دے رہی تھی کہ اچانک پیچھے سے کسی نے کہا۔''مجھے تمہارے خم اچھے لگے''۔

ڈیانا کا جسم غصے سے تن گیا۔اس نے پلٹ کر دیکھا اور کوئی سخت جواب دینے کیلئے منہ کھولا۔

آنے والے نے اپنی بات جاری رکھی۔''تمہارے ہاں روزیٹی اور سینٹ کی نزاکت ہے۔'' ڈیانا نے دیکھا کہ وہ اس کی ایک پینٹنگ پر تبصرہ کر رہا تھا۔

ڈیانا نے بروقت خود کو روک لیا۔اس نے اس شخص کو غور سے دیکھا۔اس کی عمر 35 کے لگ بھگ تھی۔قد چھ فٹ، کسرتی جسم، شہد جیسی رنگت کے بال اور نیلی آنکھیں۔''آپ کا شکریہ۔'' ڈیانا نے کہا

''تم نے مصوری کب شروع کی؟''

''بچپن سے۔میری ماں بھی مصوری کرتی ہیں''۔

وہ مسکرایا۔''میری ماں کھانا بہت اچھا پکاتی ہیں۔مگر مجھے اب تک کھانا پکانا نہیں آیا۔خیر......میں تمہارا نام جانتا ہوں۔البتہ تمہیں میرا نام نہیں معلوم۔اسلئے بتا رہا ہوں۔میں رچرڈ اسٹیونز ہوں''۔

اس لمحے پال ڈیکن تین پیکٹ لئے ان کی طرف چلا آیا۔''یہ رہیں آپ کی پینٹنگز مسٹر اسٹیونز۔'' اس نے وہ رچرڈ کو دیں اور چلا گیا۔

ڈیانا نے حیرت سے اسے دیکھا۔''آپ نے میری تین تصویریں خریدی ہیں ڈ''

''دو میرے گھر میں پہلے ہی سے موجود ہیں''۔

''یہ......میرے لئے اعزاز کی بات ہے''۔

''اعزاز تو دراصل میرے لئے ہے''۔رچرڈ نے کہا۔پھر ہچکچاتے ہوئے بولا۔''تم شاید مصروف ہو۔میں چلتا......''

''نہیں۔ایسی تو کوئی بات نہیں''۔ڈیانا نے جلدی سے کہا۔

''کل بلاتھو اسپرٹ کا افتتاحی شو ہو رہا ہے۔میرے پاس اس کے دو ٹکٹ ہیں۔اگر تمہیں فرصت ہو تو......''

ڈیانا نے غور سے اسے دیکھا۔وہ خوش اخلاق اور پرکشش تھا۔لیکن وہ اجنبی بھی تو تھا اور کسی بالکل اجنبی کے ساتھ کہیں جانا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔مگر اس نے بے ساختہ کہا۔''کیوں نہیں۔میں چلوں گی آپ کے ساتھ''۔

وہ ایک یادگار شام تھی۔رچرڈ اسٹیونز کی کمپنی بہت خوش کن تھی۔وہ بہت دلچسپ آدمی تھا۔بالکل ابتدا میں ہی اندازہ ہو گیا کہ ان دونوں کے درمیان ہم آہنگی کی کمی نہیں۔دونوں کا مصوری اور موسیقی کا ذوق ایک جیسا تھا۔ڈیانا اس کی طرف کھنچ رہی تھی۔

''تم کل رات مصروف تو نہیں؟'' شو کے بعد رچرڈ نے پوچھا''نہیں''۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دجال

قسط نمبر: 8

علیم الحق حقی

اگلی رات انہوں نے سوہو کے ایک پر سکون ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا۔ ''رچرڈ...... مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔'' ڈیانا نے کھانے کے بعد کہا۔

''بتانے کو کچھ زیادہ ہے بھی نہیں۔'' رچرڈ نے جواب دیا۔ ''میں شکاگو میں پیدا ہوا۔ میرے والد آرکیٹیکٹ تھے۔ وہ دنیا بھر میں عمارتیں بناتے تھے۔ میں اور ممی ان کے ساتھ سفر میں ہی رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے درجنوں شہروں میں، درجنوں اسکولوں میں داخلہ لیا اور مجھے کئی زبانیں آتی ہیں۔''

''تم کرتے کیا ہو؟''

''میں کنگسلے انٹرنیشنل گروپ میں کام کرتا ہوں۔ کے آئی جی ایک بڑا تھنک ٹینک ہے۔''

''اکیسائٹنگ۔''

''ہاں۔ دلچسپ کام ہے۔ ہم ٹیکنالوجی پر ریسرچ کرتے ہیں۔ ہم سوال سوچتے ہیں اور پھر ان کے جواب تلاش کرتے ہیں۔''

ڈنر کے بعد رچرڈ ڈیانا کو اس کے گھر پہنچانے کے لئے گیا۔ ''تمہارے ساتھ بہت اچھا وقت گزرا ڈیانا۔ تمہارا شکریہ۔'' رچرڈ نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا اور پھر وہ پلٹ کر اسے دیکھے بغیر رخصت ہو گیا۔

ڈیانا کھڑی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ اسے خوشی تھی کہ وہ اسے انسان سمجھتا ہے، کھلونا نہیں۔

اس کے بعد کوئی رات ایسی نہیں گزری کہ وہ ساتھ نہ ہوں۔ لطف یہ کہ انہیں یکسانیت کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔

جمعے کی رات رچرڈ نے کہا۔ ''ہفتے کی صبح لیگ کی ایک ٹیم کو میں کوچ کرتا ہوں۔ چاہو تو کل تم میرے ساتھ چلو۔''

''میں چلوں گی۔''

اگلی صبح ڈیانا اسے لڑکوں کو کوچ کرتے دیکھ رہی تھی۔ اس روز اس کی شخصیت کے پہلو اور اجاگر ہوئے۔ وہ بہت مہربان، درگزر کرنے والا اور دوسروں کی پروا کرنے والا تھا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ ٹیم کا ہر لڑکا اس پر جان چھڑکتا ہے۔

اس روز ڈیانا کو پہلی بار احساس ہوا کہ وہ محبت میں گرفتار ہو رہی ہے۔

چند روز بعد ڈیانا اپنی سہیلیوں کے ساتھ لنچ کر رہی تھی۔ کھانے کے بعد وہ سب ایک نجومی بنجارن کے پاس چلی گئیں۔ اس کی تجویز ڈیانا ہی نے پیش کی تھی۔

ڈیانا کے سوا سب کو جلدی تھی۔ وہ اپنی اپنی قسمت کا حال پوچھ کر رخصت ہو گئیں۔ آخر میں ڈیانا اندر گئی۔ وہ قسمت وغیرہ پر یقین نہیں رکھتی تھی۔ لیکن وہ رچرڈ کے حوالے سے اپنے مستقبل کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔

نجومی عورت پتے پھینٹنے لگی۔ وہ اس کی طرف دیکھ ہی نہیں رہی تھی۔ ''میں یہ جاننا......''

''ششش''۔ نجومی عورت نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر اس نے ایک کارڈ پلٹا اور چند لمحے اسے غور سے دیکھنے کے بعد بولی۔ ''بے شمار راز ہیں، جو تمہیں جاننے ہیں۔'' پھر اس نے دوسرا پتا پلٹا۔ ''یہ قمر ہے۔ تم ایسی خواہشیں کر رہی ہو، جن کے بارے میں تمہیں بے یقینی ہے۔''

ڈیانا ایک پل کو ہچکچائی۔ مگر پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کوئی مرد؟''

(جاری ہے)

دجال

قسط نمبر: 9

علیم الحق حقی

ڈیانا نے پھر اثبات میں سر ہلایا۔

نجومی عورت نے ایک اور پتا کھولا۔ "یہ محبت کرنے والوں کا پتا ہے۔"

"یہ اچھا شگون ہے؟" ڈیانا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"دیکھتے ہیں۔ اگلے تین پتے ہمیں سب کچھ بتا دیں گے۔" نجومی عورت نے ایک اور پتا کھولا۔ "پھانسی پانے والا۔" وہ بڑبڑائی۔ اس کے چہرے پر سنگینی تھی اور انداز میں ہچکچاہٹ۔ اس نے ایک اور پتا کھولا۔ "شیطان۔" وہ پھر بڑبڑائی۔

"برا شگون ہے یہ؟" ڈیانا کے لہجے میں بے پروائی تھی۔

نجومی عورت نے جواب نہیں دیا۔ اس نے تیسرا پتا کھولا۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔ "نشانِ مرگ۔" وہ بڑبڑائی۔

ڈیانا اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں اس خرافات پر یقین نہیں رکھتی۔" اس کے لہجے میں اس بار برہمی تھی۔

نجومی عورت نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھنسی پھنسی آواز میں بولی۔ "تمہارے یقین کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہارے اطراف میں عورت ہی موت ہے۔"

ایک ماہ تک خنجر یونہی پڑے رہے۔ کوئی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ پھر ایک نیلام گھر والے کو وہ شوکیس کے عقبی حصے میں پڑے نظر آئے۔ اس نے انہیں خرید لیا۔

دو دن بعد وہ ساتوں خنجر لاٹ نمبر 7 کی حیثیت سے نیلامی کے لئے پیش کئے گئے۔ انہیں بڑی ترتیب سے مخملی کپڑے پر رکھا گیا تھا۔ ان پر پالش کی گئی تھی۔ اس کے نتیجے میں کرائسٹ کا چہرہ چمک رہا تھا اور ان کے پھل کی چمک کا یہ عالم تھا کہ اس میں پورے کمرے کا منظر منعکس ہو رہا تھا۔

نیلامی والوں کے انداز میں بھی بے پروائی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ بزنس بہت سست روی سے چل رہا تھا۔ خریدار بھی بس چند ایک ہی تھے۔ ان میں سے ایک ایسا تھا جو لاٹ نمبر 7 میں دلچسپی لے رہا تھا۔ وہ ہال کے آخری حصے میں کھڑا تھا۔ لاٹ نمبر 7 خریدنے کے لئے اسے صرف دو بار بولی کی زحمت کرنی پڑی۔ بالآخر خنجر اسے مل گئے۔

اپنے اپارٹمنٹ جاتے ہوئے وہ ان خنجروں کو بار بار دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے اس کی کار کی پسنجر سیٹ پر رکھے تھے۔ وہ خنجر کے بارے میں بہت متجسس ہو رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر اسے کچھ یاد آنے لگتا تھا...... اور یاد آتے آتے رہ جاتا تھا۔ وہ اپنی یادداشت کو ٹٹولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اسے کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ بس اسے اتنا یاد آتا تھا کہ برسوں پہلے اس نے ان خنجروں کے بارے میں کہیں کچھ پڑھا تھا۔

اپارٹمنٹ پہنچتے ہی وہ سیدھا اپنی اسٹڈی میں گیا اور خنجروں کو اپنی میز پر رکھ دیا۔ چند لمحے وہ انہیں گھورتا رہا۔ پھر اس نے سب سے قریبی خنجر کو ہاتھ میں اٹھایا۔ انداز ایسا تھا، جیسے انہیں ہاتھوں میں تول کر ان کا وزن اور توازن جانچ رہا ہو۔ اس نے بڑی نرمی سے خنجر کے پھل کو اپنی ہتھیلی پر پھیرا۔ اس کی چیخ نکل گئی اور ہتھیلی پر باریک سی سرخ لکیر ابھر آئی۔

وہ چند لمحے خون سے بھری اس سرخ لکیر کو گھورتا رہا۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ پر رومال لپیٹا اور خنجر کو انگوٹھے اور انگشت شہادت کی مدد سے تھام لیا۔ اس کا انگوٹھا کرائسٹ کے ابھرے ہوئے چہرے پر تھا۔ اس نے آہستہ سے خنجر کو چھ انچ اوپر اٹھایا، میز پر رکھی ہوئی اپنی ڈائری کی عین اوپر لایا اور اسے گرا دیا۔

خنجر کے پھل نے ڈائری کو یوں کاٹ دیا، جیسے اس کے صفحے مکھن کے بنے ہوئے ہوں۔

اس نے خنجر کو میز سے اٹھایا اور غور سے دیکھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ ایک مہلک ہتھیار ہے۔ خنجر کا پھل تکونی ساخت کا تھا۔ یعنی اس سے جو زخم لگے گا، اس کا مندمل ہونا آسان نہیں ہوگا۔

نجانے کیوں اس کے جسم میں سرد سی لہر...... اور لرزش دوڑ گئی۔ وہ ایک شیلف کی طرف بڑھا اور اس نے وہاں سے تین کتابیں منتخب کر کے نکالیں۔ پھر وہ اپنی میز کے پاس چلا آیا۔ وہاں بیٹھ کر وہ ان کی ورق گردانی کرنے لگا۔ اس دوران وہ انگشت شہادت سے خنجر کے دستے کو سہلا رہا تھا۔

کوئی ایک گھنٹے بعد اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ریسیور اٹھا کر اس نے ایک نمبر ملایا اور انتظار کرنے لگا۔

دوسری طرف سے جواب ملا تو اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "فادر ڈولان پلیز......" اس کی آواز میں سنسنی تھی۔

ال اٹالیا کے بوئنگ 747 میں اس نوجوان پادری کے قریب بیٹھے ہوئے مسافر ابتدا میں تو پادری کی قربت پر بہت خوش تھے۔ ان میں کچھ ایسے تھے جو پرواز کے دوران نروس رہتے تھے۔ وہ اس لئے خوش تھے کہ پادری دل ہی دل میں دعائیں کرے گا جو ان کے کام بھی آئیں گی۔ کینیڈی ایئرپورٹ کے رن وے پر جہاز کھڑا ہوا تو وہ لوگ بہت ڈرے تھے۔ لیکن پادری منہ ہی منہ میں کچھ بدبداتا رہا تھا۔

پھر جب جہاز نے رن وے چھوڑا اور فضا میں بلند ہوا تو انہوں نے سکون کی سانس لی۔

لیکن بعد میں وہ پادری کو دیکھ کر پریشان ہونے لگے۔ وجہ یہ تھی کہ پادری بے حد اعصاب زدہ لگ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر اس کے قریب بیٹھے مسافر یہ سوچ کر خوف زدہ ہونے لگے کہ کیا پادری کوئی ایسی بات جانتا ہے، جس سے وہ لوگ بے خبر ہیں اور پادری اپنی گود میں ایک پیکٹ سا رکھے بیٹھا تھا، جسے وہ وقتاً فوقتاً اپنے ہاتھ میں سختی سے پکڑ لیتا تھا۔ مسافر سوچ رہے تھے کہ اس پیکٹ میں کیا ہے؟ اور جو کچھ ہے، اس کی کتنی اہمیت ہے کہ پادری کو گود میں رکھنے کے باوجود اس کی اتنی فکر ہے۔

(جاری ہے)

دجال

کھانا سرد گیا تب بھی پادری نے اس پیکٹ کو خود سے دور کرنا گوارا نہیں کیا۔

بالآخر فلائٹ ختم ہوئی۔ جہاز روم ایئر پورٹ پر اترا تو مسافروں نے سکون کی سانس لی۔

کسٹمز کے کاؤنٹر پر کسٹم افسر نے معذرت خواہانہ لہجے میں پادری سے استدعا کی کہ وہ اپنے بیگ کھول کر دکھائے۔ وہ بے چارہ شرم سار تھا کہ ایک پاک باز انسان کو چیلنج کر رہا ہے۔ لیکن کیا کرتا، وہ اس کا فرض تھا اور ان دنوں حالات ہی ایسے تھے۔ منشیات کے اسمگلروں نے صورتحال خراب کر دی تھی۔ کوئی حربہ ایسا نہیں تھا، جو وہ نہ آزماتے ہوں۔ وہ پادری کا روپ بھی دھار سکتے تھے۔

بیگ چیک کرنے کے بعد افسر نے پیکٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ بھی کھول کر دکھائیں فادر۔''

فادر نے پیکٹ کھولا تو کسٹم افسر حیرت سے پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔ ''یہ......یہ......''

لیکن اسی لمحے فادر نے جیب سے ایک نیلام گھر کی رسید نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔ رسید پر شکاگو کے ایک نیلام گھر کی مہر لگی تھی۔ وہ خنجر نیلامی میں خریدے گئے تھے۔

کسٹم افسر نے پادری کو جانے کی اجازت دے دی۔ لیکن جاتے ہوئے وہ اسے گھورتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایک امریکن پادری ایسے خطرناک خنجر لے کر روم کیوں آیا ہے۔

خدا پُراسرار انداز میں کام کرتا ہے۔ اپنے بھید وہی جانتا ہے۔ افسر نے سوچا۔ پھر وہ اگلے مسافر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اب فادر ڈولان اسے یاد بھی نہیں تھا۔

برلن......جرمنی

پولیس کمانڈنٹ اوٹو شیفر، دو باوردی پولیس مین اور بلڈنگ کا سپرنٹنڈنٹ کارل گوئٹز پانی سے لبالب بھرے باتھ ٹب میں پڑی لاش کو دیکھ رہے تھے۔ لاش کی گردن کے گرد نیل کا ہلکا سا نشان تھا۔ ٹب کے پہلو میں شراب کی ایک خالی بوتل لڑھکی ہوئی تھی۔

''اس کا نام؟'' پولیس کمانڈنٹ نے کارل سے پوچھا۔

''سونجا ووربرگ۔ اس کے شوہر کا نام فرانز ووربرگ ہے۔ وہ سائنس داں ہے۔''

''یہ اس اپارٹمنٹ میں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھی؟''

''جی ہاں، سات سال سے۔ یہ بہت اچھے کرائے دار ہیں۔ وقت پر کرایہ ادا کرتے تھے۔ کبھی کسی کو پریشان نہیں کیا۔ سب ان سے محبت......'' کارل کو احساس ہوا کہ وہ کیا کہنے والا ہے، وہ ایک دم سے خاموش ہو گیا۔

''خاتون بھی کوئی جاب کرتی تھی؟''

''جی ہاں......انٹرنیٹ کیفے میں، جہاں لوگ کمپیوٹر استعمال......''

''لاش کیسے دریافت کی تم نے؟''

''یہ ٹونٹی......'' کارل نے باتھ ٹب میں پانی بھرنے والے نل کی طرف اشارہ کیا۔ ''......میں کئی بار مرمت کر چکا ہوں، مگر یہ پوری طرح بند نہیں ہوتا۔''

''تو؟''

''صبح نچلے فلیٹ والوں نے پانی رسنے کی شکایت کی تھی۔ میں نل ٹھیک کرنے کے لئے آیا۔ دروازے پر دستک دی، جواب نہیں ملا تو میں نے اپنی چابی سے دروازہ کھولا۔ باتھ روم میں آیا تو یہ......''

ایک ڈیٹیکٹیو باتھ روم میں داخل ہوا۔ ''کیبنٹ میں شراب کی کوئی بوتل نہیں ہے۔ صرف سوفٹ ڈرنکس ہیں۔''

اوٹو شیفر نے سر کو تفہیمی جنبش دیتے ہوئے کہا۔ ''اس بوتل سے فنگر پرنٹس اٹھانے ہیں۔'' اس نے لڑھکی ہوئی شراب کی بوتل کی طرف اشارہ کیا۔

''بہتر سر۔''

شیفر کارل کی طرف مڑا۔ ''فرانز ووربرگ کہاں ملے گا؟''

''وہ تو صرف صبح کے وقت نظر آتے ہیں......کام پر جاتے ہوئے، لیکن......'' اس نے بے بسی سے کندھے جھٹکے۔

''تم نے آج صبح اسے دیکھا تھا؟''

''نہیں جناب۔''

''تمہارے علم میں ایسی کوئی بات ہے کہ فرانز کسی ٹرپ پر جانے والا تھا؟''

''نہیں جناب۔''

شیفر ایک پولیس والے کی طرف مڑا۔ ''دوسرے کرائے داروں سے بات کرو۔ معلوم کرو کہ حال ہی میں خاتون ڈپریشن کا شکار تو نہیں تھی۔ شوہر سے جھگڑا تو نہیں ہوا تھا اس کا۔ اور یہ کہ وہ بلانوش تو نہیں تھی۔ ہر زاویے سے پوچھ گچھ کرو۔'' وہ پھر کارل سے مخاطب ہوا۔ ''ہم اس کے شوہر کو چیک کرتے ہیں۔ تمہیں کوئی خاص بات یاد آئے تو......''

کارل نے جلدی سے کہا۔ ''مجھے نہیں معلوم کہ اس بات کی کوئی اہمیت ہے یا نہیں۔ لیکن ایک کرائے دار نے مجھے بتایا کہ گزشتہ رات بلڈنگ کے سامنے ایک ایمبولینس کھڑی رہی تھی۔ اس نے مجھ سے پوچھا......کیا کوئی بیمار ہے۔ میں پوچھ گچھ کے لئے باہر نکلا تو ایمبولینس جا چکی تھی......''

''ہم اس زاویے سے بھی تفتیش کریں گے۔'' اوٹو شیفر نے کہا۔

''اور......اور لاش کا کیا ہو گا؟'' کارل نروس نظر آنے لگا۔

''میڈیکل ایگزامنر آنے ہی والا ہے۔ ٹب خالی کرو اور لاش پر تولیا ڈال دو۔''

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

ڈیانا اسٹیونز کیلئے وقت جیسے رک گیا تھا۔ اپارٹمنٹ جیسے یادوں کا قبرستان بن گیا تھا، اب اس میں نہ زندگی کی حدت تھی نہ آرام کا کوئی پہلو۔ رچرڈ کے بغیر وہ گھر نہیں تھا...... بس دیواروں کا مجموعہ تھا

وہ چلتے چلتے تھک گئی تو کاؤچ پر ڈھے گئی اور آنکھیں موند لیں۔ شادی کے دن رچرڈ نے اس سے پوچھا تھا...... کیا تحفہ چاہئے تمہیں؟ اور اس نے جواب دیا تھا...... اب مجھے مزید کچھ نہیں چاہئے

اب اس نے رچرڈ کو پکارا۔ ''مجھے اب کچھ چاہئے رچرڈ۔ مجھے وہ تحفہ دو...... منہ مانگا۔ تم میرے پاس آ جاؤ۔ میں تمہیں دیکھنا...... تمہیں چھونا چاہتی ہوں۔ مجھے تمہارا لمس درکار ہے۔ میں تمہاری آواز میں سننا چاہتی ہوں...... آئی لو یو! آ جاؤ رچرڈ......'' اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

رچرڈ کی موت کی اطلاع ملنے کے بعد اس نے خود کو اپارٹمنٹ میں بند کر لیا تھا۔ اس نے نہ کوئی فون کال ریسیو کی اور نہ ہی اطلاعی گھنٹی کے جواب میں دروازہ کھولا۔ وہ باہر کی دنیا سے رابطہ منقطع کر بیٹھی تھی۔ اس دکھ اور اذیت میں وہ کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اب وہ پچھتا رہی تھی۔ اس نے جی چاہنے کے باوجود رچرڈ کے سامنے کبھی اظہار محبت نہیں کیا تھا۔ اس کے خیال میں یہ کمزوری کا اظہار ہوتا۔ مگر اب وہ اظہار کرنا چاہتی تھی۔ رچرڈ کو بتانا چاہتی تھی کہ وہ اس سے کتنی محبت کرتی ہے۔ لیکن اب رچرڈ موجود نہیں تھا۔

فون کی گھنٹی اور اطلاعی گھنٹی بجے جا رہی تھی۔ بالآخر وہ اٹھی اور اس نے دروازہ کھول دیا۔

دروازے پر اس کی سب سے قریبی سہیلی کیرولین کھڑی تھی۔ اس نے ڈیانا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا حال بنا رکھا ہے تم نے۔'' اس کا لہجہ اور نرم ہو گیا۔ ''سب تم سے رابطے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم سب تمہارے لئے پریشان تھے۔''

''سوری کیرولین۔ بس میرا دل......''

''کچھ نہ کہو، میں سمجھتی ہوں۔ مگر سب دوست تم سے ملنا چاہتے ہیں۔''

ڈیانا نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں کیرولین......''

کیرولین نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''ڈیانا...... رچرڈ کی زندگی ختم ہو گئی۔ لیکن تم ابھی زندہ ہو۔ ان لوگوں کو خود سے دور مت کرو، جو تم سے محبت کرتے ہیں۔ تم بیٹھو...... میں خود سب سے رابطہ کروں گا۔''

............☆............

ڈیانا اور رچرڈ کے دوستوں سے فلیٹ بھر گیا تھا۔ جو نہیں آ پائے، وہ فون پر تعزیت کر رہے تھے۔ آنے والوں میں آرٹ گیلری کا مالک پال ڈیکن بھی تھا۔ ''میں کب سے تمہیں فون کر رہا......''

''مجھے معلوم ہے پال۔ سوری۔''

''مجھے رچرڈ کی موت کا افسوس ہے ڈیانا۔ اتنے اچھے لوگ کم ہی ملتے ہیں۔ لیکن تم خود کو سنبھالو ڈیانا۔ لوگ تمہارا کام دیکھنے کو بے چین ہیں۔''

''مجھ سے کام نہیں ہو گا پال۔ کام کی میرے لئے کوئی اہمیت ہی نہیں رہی۔''

پال نے بہت کوشش کی۔ لیکن ڈیانا کو قائل نہیں کر سکا۔

اگلے روز اطلاعی گھنٹی بجی۔ ڈیانا نے پیپ ہول سے جھانکا۔ باہر اچھا خاصا جمع تھا۔ اس کا ذہن الجھنے لگا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ ہال وے میں دس بارہ لڑکے کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں چھوٹا سا ایک بوکے تھا۔ ''گڈ مارننگ مسز اسٹیونز۔'' لڑکے نے پھول اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

اچانک ڈیانا کو سب کچھ یاد آ گیا۔ یہ وہ ٹیم تھی، جسے رچرڈ کوچ کرتا تھا۔ ''شکریہ۔'' اس نے کہا۔ حقیقت یہ تھی کہ اسے ان گنت بوکے اور تعزیتی کارڈ ملے تھے، لیکن یہ چھوٹا سا بوکے ان سب چیزوں پر بھاری تھا۔ ''آؤ...... اندر آ جاؤ۔''

لڑکے اندر آ گئے۔ ''ہم آپ کو بتانا چاہتے تھے کہ ہمیں کتنا دکھ ہوا ہے اور ہمیں آپ سے کیسی ہمدردی ہے۔'' ان میں سے ایک بولا۔

''آپ کے شوہر ایک عظیم انسان تھے۔'' دوسرے نے کہا۔

''اور وہ بہت شاندار کوچ تھے۔''

ڈیانا کے لئے اپنے آنسوؤں کو روکنا مشکل ہو گیا۔ ''رچرڈ بھی تم لوگوں پر فخر کرتا تھا وہ تم لوگوں سے محبت کرتا تھا۔'' اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''سنو...... تم لوگ پیپسی لو گے......؟''

''نہیں مسز اسٹیونز، شکریہ۔ ہم بس آپ کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ ہم مسٹر اسٹیونز کو بہت مس کر رہے ہیں۔''

''میں تم لوگوں کا شکر گزار ہوں۔''

لڑکوں نے گڈ بائی کہا اور رخصت ہو گئے۔ اسی وقت باہر بجلی کڑکی اور بارش شروع ہو گئی۔ لگتا تھا، آسمان رچرڈ کے غم میں رو رہا ہے۔ ڈیانا کے پاس یادوں کے سوا کچھ نہیں رہا تھا۔

شادی کے فوراً بعد رچرڈ کا تمتماتا مسکراتا چہرہ دیکھ کر ایک لمحے کو اسے خانہ بدوش نجومی عورت کی پیش گوئی یاد آئی۔ وہ مسکرا دی۔

شادی کے ایک ہفتے بعد انہوں نے فرانس میں ہنی مون کا منصوبہ بنایا تھا۔ لیکن پھر رچرڈ نے اپنی لیبارٹری سے اسے فون کیا۔ ''سوری ہنی، مجھے ایک نیا پروجیکٹ سونپا گیا ہے، میرا نکلنا فی الحال ممکن نہیں۔ ہنی مون کو ہم چند ماہ کے لئے ملتوی کر سکتے ہیں؟''

''کیوں نہیں ڈارلنگ۔'' اس نے خوش دلی سے جواب دیا تھا

''ایسا کرو۔ آج لنچ میرے ساتھ کرو۔''

''مجھے بہت خوشی ہو گی۔''

''میں آدھے گھنٹے میں تمہیں لینے آ رہا ہوں۔''

(جاری ہے)

دجال

قسط نمبر: 12

علیم الحق حقی

آدھے گھنٹے کے بعد رچرڈ اسے لینے آیا تو اس نے کہا، "ہنی ...... میرا ایک کلائنٹ یورپ جارہا ہے۔ ایئرپورٹ جا کر اسے رخصت کرنا ہے۔ وہاں سے لنچ پر چلیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" ڈیانا ہر حال میں خوش تھی۔

وہ کینیڈی ایئرپورٹ پہنچے تو رچرڈ نے کہا۔ "وہ پرائیویٹ جہاز سے جارہا ہے۔ اسے رخصت کرنے کے لئے ہمیں جہاز تک جانا ہوگا۔"

گارڈ کو رچرڈ نے کارڈ دکھایا۔ وہ ممنوعہ علاقے میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک چھوٹا جہاز موجود تھا۔ "وہ ابھی نہیں آیا ہے۔" رچرڈ نے کہا۔

"کیوں نہ ہم جہاز میں اس کا انتظار کرلیں۔"

وہ آراستہ وپیراستہ جہاز میں چلے گئے۔ جہاز کے انجن اسٹارٹ تھے۔ کاک پٹ سے ایک فضائی میزبان ان کی طرف بڑھی۔ "صبح بخیر۔"

ان دونوں نے مسکراتے ہوئے جواب میں اسے صبح بخیر کہا۔

ادھر فلائٹ اٹینڈنٹ نے دروازہ بند کردیا۔ ڈیانا نے حیرت سے رچرڈ کو دیکھا۔ "وہ تمہارا کلائنٹ تو ابھی آیا نہیں ہے!" اسی وقت جہاز حرکت میں آگیا۔ ڈیانا نے گھبرا کر کہا۔ "رچرڈ ...... جہاز تو ٹیک آف کررہا ہے۔"

"ارے ...... واقعی۔"

"رکواؤنا اسے۔"

"اب تو یہ ممکن نہیں۔"

ڈیانا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "اب کیا ہوگا؟ اور یہ جا کہاں رہا ہے؟"

"یہ ہمیں پیرس لے کر جارہا ہے۔"

ایک لمحے کو ڈیانا کی سانسیں رکنے لگیں۔ پھر جیسے وہ سب کچھ سمجھ گئی۔ "رچرڈ ...... میں تو کچھ بھی نہیں لائی ہوں، نہ کپڑے، نہ سامان ......"

"پیرس میں بڑی بڑی دکانیں ہیں، جہاں ضرورت کی ہر چیز ملتی ہے۔" رچرڈ نے کہا۔

ڈیانا اسے دیکھتی رہی۔ پھر اس سے لپٹ گئی۔ اسے خوشیوں بھری سرپرائز دینے کا ہنر آتا تھا۔ "بے وقوف آدمی، آئی لو یو۔" اس نے کہا۔

"تم نے ہنی مون مانگا تھا۔ تمہیں ہنی مون مل رہا ہے۔" رچرڈ جیسے گنگنایا

اورلی ایئرپورٹ پر لیموزین ان کی منتظر تھی جو انہیں ہوٹل پلازہ لے گئی۔ ہوٹل میں منیجر نے ان کا استقبال کیا۔ "مسٹر اینڈ مسز اسٹیونز، آپ کا کمرا تیار ہے۔" اس نے کہا۔

انہوں نے منیجر کا شکریہ ادا کیا۔ پورٹر انہیں سوئٹ نمبر 310 میں لے گیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی ڈیانا کو شاک لگا۔ وہاں دیواروں پر اس کی کئی پینٹنگز آویزاں تھیں۔ "یہ ...... یہ تم نے کیسے کیا؟" اس نے رچرڈ سے پوچھا۔

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔" رچرڈ نے معصومیت سے کہا۔ "البتہ یہ لوگ مجھے خوش ذوق لگتے ہیں۔"

مگر اب ڈیانا بے وقوف بننے والی نہیں تھی۔

پیرس میں سب سے پہلے تو انہوں نے شاپنگ کی۔ کیونکہ وہ تو ضرورت کی کوئی چیز بھی ساتھ نہیں لائے تھے۔ انہوں نے ڈھیر سارے ملبوسات خریدے۔ اس کے بعد وہ صرف اور صرف تفریح کرتے رہے۔

بس ڈیانا کو ایک بات بہت عجیب لگی۔ رچرڈ کے لئے فون کال آرہی تھیں ...... اور وہ بھی عجیب عجیب اوقات میں۔ ایک بار صبح کے تین بجے رچرڈ نے ایسی ہی ایک کال ریسیو کی۔ بات ختم ہونے کے بعد ڈیانا نے اس سے پوچھا۔ "یہ کس کا فون تھا؟"

"ارے ...... یہ روٹین کی بزنس کال ہے۔" رچرڈ نے بے پروائی سے کہا۔

روٹین ...... اور آدھی رات کے اس طرف! ڈیانا نے حیرت سے سوچا۔

"ڈیانا! ڈیانا!" وہ پکار اسے ماضی سے باہر کھینچ لائی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ کیرولین تھی۔ "تم ٹھیک تو ہو ڈیانا۔"

"مم ...... میں ...... میں ٹھیک ہوں۔"

کیرولین نے اسے خود سے قریب کرلیا۔ "زخم بھرنے میں وقت لگتا ہے۔ ارے ہاں ...... تم نے تدفین کے انتظامات بھی کئے ہیں؟"

تدفین کا لفظ سن کر ڈیانا کو شاک لگا۔ "نن ...... نہیں ...... میں نے تو ...... مجھے خیال بھی ......"

"بے فکر ہو جاؤ۔ یہ کام میں ......"

اچانک ڈیانا کے اندر ایک حیران کن مضبوطی ابھری۔ "نہیں کیرولین۔" اس نے کہا۔ "دیکھو ...... یہی تو رچرڈ کا آخری کام ہے جو میں کرسکتی ہوں اس کے بعد کوئی موقع نہیں ملے گا۔" یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ "میں اس کا ہر کام خود کروں گی۔"

اب کیرولین کچھ بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔

ارل گرین برگ آفس میں تھا، جب وہ کال آئی۔ "ڈیانا اسٹیونز آپ سے بات کرنا چاہتی ہے۔" اسے بتایا گیا۔

ارل کو اس کا تھپڑ یاد آگیا۔ اب کیا وہ دوسرے گال کا تقاضہ کرنے والی ہے! اس نے گھبرا کر سوچا۔ بہرحال اس نے ریسیور اٹھالیا۔

"میں ڈیانا اسٹیونز بول رہی ہوں۔ اس کال کے دو اسباب ہیں۔ پہلے میں معذرت کروں گی۔ میرا رویہ بہت خراب تھا۔ میں اس پر شرمندہ ہوں۔"

ارل خود شرمندہ ہوگیا۔ "ارے نہیں مسز اسٹیونز۔ وہ صورتحال ہی ایسی تھی۔ خیر دوسری بات کہیں ......"

(جاری ہے)

دجال

قسط نمبر: 13

علیم الحق حقی

''ہاں میرے شوہر کی لاش پولیس کی تحویل میں ہے۔میں اس کی تدفین کے انتظامات کر رہی ہوں۔لاش مجھے کیسے ملے گی؟''

ارل گرین برگ جانتا تھا کہ دفتری کارروائیاں احمقانہ حد تک طویل ہوتی ہیں۔اسے ڈیانا پر ترس آنے لگا۔اب وہ اسے یہ سب کیسے بتائے۔وہ تو ویسے ہی دکھی ہو رہی ہے۔''آپ اس کی فکر نہ کریں مسز اسٹیونز۔میں دو دن میں یہ سب کر دوں گا......''

''شکریہ......بہت شکریہ۔''ڈیانا کی آواز بھرا گئی۔

ارل جانتا تھا کہ اس نے جو وعدہ کیا ہے،اسے پورا کرنا آسان نہیں ہے۔

ڈیانا تدفین کے انتظامات کرنے والی کمپنی کے مالک رون سے فون پر بات کر چکی تھی۔طے شدہ وقت پر وہ اس سے ملنے گئی۔

''مجھے تو اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں معلوم۔''اس نے رون سے کہا

''ہماری خدمات میں تابوت،قبر،تدفین اور یادگاری سروس شامل ہیں۔''رون نے وضاحت کی۔''میں نے اخبار میں آپ کے شوہر کے موت کی خبر پڑھی ہے۔اس کی روشنی میں میرا مشورہ ہے کہ بند تابوت مناسب رہے گا......''

رون حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔اس کی نگاہوں میں ہمدردی تھی۔''ٹھیک ہے میڈم۔ہمارے پاس کاسمیٹک کا ایک بہت اچھا کام کرنے والا موجود ہے۔وہ سب کچھ سنبھال لے گا۔ٹھیک ہے نا؟''

ڈیانا نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔

''ایک بات اور۔آپ اپنے شوہر کو کس لباس میں دفن کرانا پسند کریں گی؟''

ڈیانا سوچتی رہی۔رون کی بات سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ لاش اچھی حالت میں نہیں ہے۔ورنہ وہ خود اسے تیار کرتی۔لیکن وہ رچرڈ کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہتی تھی......اور وہ اس یاد کو خوش گوار رکھنا چاہتی تھی۔

''مسز اسٹیونز؟''رون نے اسے پکارا۔

''وہ......یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔''وہ معذرت طلب لہجے میں بولی۔پھر وہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔رون نے دیکھا۔وہ ٹیکسی روک رہی تھی۔

گھر پہنچ کر ڈیانا نے رچرڈ کی الماری کھولی،جس میں اس کے کپڑے ہوتے تھے۔دو ریک ایسے تھے،جن میں اس کے سوٹ بھرے تھے اور ہر سوٹ کے ساتھ کوئی قیمتی یاد وابستہ تھی۔یہ سیاہ سوٹ رچرڈ نے آرٹ گیلری میں ہونے والی پہلی ملاقات کے دوران پہنا تھا۔کیا وہ اس سوٹ سے محرومی گوارا کر سکتی ہے؟نہیں!اور یہ گرے جیکٹ اس نے پکنک کے دوران پہنی تھی......اور جب بارش ہوئی تو یہ اسے پہنا دی تھی۔اس سے بھی وہ دست بردار نہیں ہو سکتی اور یہ دھاریوں والا سوٹ......یہ پیرس روانگی کے موقعے پر رچرڈ نے پہنا تھا۔وہ سوچتی اور یاد کرتی رہی۔رچرڈ کا ہر لباس کسی نہ کسی اعتبار سے یادگار تھا۔میں کیا کروں!وہ رونے لگی۔

اس نے آنکھیں بند کر کے ایک سوٹ نکال لیا......

ارل گرین برگ نے فون پر اسے اطلاع دی کہ اس نے رچرڈ کی لاش کی ریلیز کا انتظام کر دیا ہے۔لاش ڈالٹن تدفینی کمپنی کے سپرد کر دی جائے گی۔

اگلے روزہ ڈیانا نے رون کو فون کیا۔''میرے شوہر کی لاش آپ کے پاس پہنچ گئی ہے؟''

''جی مسز اسٹیونز۔کاسمیٹک ایکسپرٹ نے کام شروع کر دیا ہے۔آپ کے بھیجے ہوئے کپڑے بھی مل گئے۔شکریہ۔''

''میرے خیال میں تدفین کے لئے یہ جمعہ مناسب رہے گا۔''

''جی......نہایت مناسب اور میں صبح گیارہ بجے کا وقت تجویز کرتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔''

تین دن بعد میں اور رچرڈ ہمیشہ کیلئے ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے۔یہاں تک کہ میں بھی اس سے جا ملوں۔ڈیانا نے سوچا

جمعرات کی صبح ڈیانا شرکا کی فہرست لئے فون کے پاس بیٹھی تھی کہ انہیں اگلے روز تدفین کی اطلاع دے۔مگر ریسیور اٹھانے سے پہلے ہی فون کی گھنٹی بجی۔اس نے ریسیور اٹھایا۔''ڈیانا اسٹیونز''

''میں رون جونز بول رہا ہوں۔ہم نے آپ کی نئی ہدایات پر عمل کر لیا ہے،جو فون پر آپ کی سیکریٹری نے دی تھیں۔''

ڈیانا حیران رہ گئی۔''میری سیکریٹری؟''اس نے کہا۔''لیکن میری تو......''

''سچ تو یہ ہے کہ ان نئی ہدایات پر مجھے حیرت ہوئی تھی۔''رون نے کہا''لیکن بہر حال آپ کو حق تھا فیصلہ کرنے کا۔میں مداخلت نہیں کر سکتا تھا۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا......''

''ابھی ایک گھنٹہ پہلے ہم نے آپ کے شوہر کی لاش کو آپ کی نئی ہدایات کے مطابق جلا دیا ہے مسز اسٹیونز۔''

ڈیانا کو زبردست جھٹکا لگا۔وہ کون تھا جس نے زندگی کے سب سے بڑے دکھ میں اس سے معمولی سی وہ واحد خوشی بھی چھین لی تھی!

پادری نے ایئرپورٹ سے ایک کار کرائے پر لی اور خود ہی ڈرائیو کرتے ہوئے جنوب کی طرف روانہ ہو گیا۔رات کا وقت تھا۔جب اسے احساس ہوا کہ وہ اپنی منزل کے قریب آپہنچا ہے تو اس نے نقشے کا جائزہ لیا۔پھر اس نے اپنی گھڑی میں وقت دیکھا۔صبح ہونے ہی والی تھی۔

اس نے انگڑائی لی اور کار کی رفتار کم کر دی۔کار خوابیدہ مضافاتی علاقوں سے گزرتی سوبیا کو کی طرف بڑھ رہی تھی۔

اس نے گاڑی روکی اور انجن بند کیا۔اس وقت بھی آسمان پر اندھیرا تھا۔غیر معمولی سکوت کے احساس نے اس کے جسم میں سرد لہر سی دوڑا دی۔وہ کار سے اترا اور اس نے خانقاہ کا جائزہ لیا۔سیاہ رنگ کی وہ عمارت ایک پہاڑی ٹیلے پر تعمیر کی گئی تھی۔اس کی چھت کافی اونچی تھی اور اندھیرے میں آسمان کو چھوتی دکھائی دے رہی تھی۔

وہ سیڑھیاں چڑھتا خانقا کی طرف بڑھنے لگا۔اسے احساس تھا کہ یہ جگہ صدیوں پرانی ہے۔پہلی بار اسے تاریخ سے رابطے کا احساس ہو رہا تھا وہ جدوجہد کی صدیوں کا تصور کر سکتا تھا۔خیر اور شر کے درمیان اس دھرتی پر صدیوں سے جنگ جاری تھی۔یہ قلعہ ہیروڈ کے زمانے میں تعمیر کیا گیا تھا۔وہ وہاں خود کو بہت چھوٹا اور اپنے وجود کو بے حد غیر اہم محسوس کر رہا تھا۔

وہ چلتے چلتے رکا اور اس بے حد قدیم دروازے کو دیکھنے لگا جو اس سے صرف چند گز دور رہ گیا تھا۔وہ تصور کر سکتا تھا کہ یہاں صدیوں سے عابد عبادت کرتے رہے ہیں۔اس کے جسم میں تھرتھری سی دوڑ گئی۔امریکا کے مشرقی شہروں میں کبھی اس پر ایسی ہیبت طاری ہوئی تھی،نہ ہی وقت کے تسلسل کا ایسا احساس ہوا تھا۔

اس نے بھاری دروازے کو دھکیلا۔وہ چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ کھل گیا۔وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا خانقاہ میں داخل ہوا۔اسے ایک اندرونی دروازہ نظر آیا۔اس نے دروازے پر دستک دی۔

چھوٹا دروازہ کھل گیا۔

پہلے تو فادر ڈولان کو کچھ بھی نظر نہیں آیا۔وہ دراز قد سیاہ ہیولیٰ تھا جو اسے اشارے سے اپنی طرف بلا رہا تھا۔ڈولان نے سر اٹھا کر دیکھا......اور بری طرح چونکا۔وہ پروہیت سیاہ فام تھا......تاریک ترین رات کی طرح سیاہ۔وہ دراز قد تھا اور اس کی داڑھی چگی تھی۔وہ نیچے جانے والے زینے پر کھڑا اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

خنجروں کا پیکٹ سینے سے لگائے فادر ڈولان اس زینے کی طرف بڑھ گیا۔

زینے نے اسے زیر زمین ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچا دیا۔وہاں وہ اکیلا تھا۔پروہیت نجانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔(جاری ہے)

دجال

قسط نمبر: 14

علیم الحق حقی

اس کمرے میں سب سے نمایاں چیز سامنے والی دیوار پر آویزاں وہ صلیب تھی۔ وہ صلیب کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اسی لمحے اسے احساس ہوا کہ اس کمرے میں کوئی اور داخل ہوا ہے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ ایک پادری تھا۔ وہ فربہ اندام تھا۔ اس کی پیشانی کشادہ تھی اور ناک طوطے کی چونچ کی سی خمیدہ۔ عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان ہوگی۔

''فادر ڈی کارلو؟'' فادر ڈولان نے سرگوشی میں دریافت کیا۔

آنے والے پادری نے سر کو اعترافی جنبش دی اور اسے کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔

ڈولان کھڑا ہوا اور اس نے خنجروں کا پیکٹ پادری کو دے دیا۔ اب وہ کسی قسم کی...... کسی بھی طرح کی وضاحت سننے کے لئے منتظر کھڑا تھا۔ لیکن سیاہ فام پروہت پھر نمودار ہو گیا تھا اور اسے واپس آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

ڈولان نے سوچا، شاید اسے بعد میں کچھ بتایا جائے گا۔ ویسے بھی اس وقت تو وہ نیند سے بے حال ہو رہا تھا اور صرف اور صرف سو جانا چاہتا تھا۔

فادر ڈی کارلو اس کے جانے کا انتظار کرتا رہا۔ جب وہ کمرے میں اکیلا رہ گیا تو اس نے پیکٹ کھولا اور خنجر نکالے۔ پھر اس نے انہیں ترتیب سے صلیب کے نیچے قربان گاہ پر رکھا اور چند لمحے انہیں غور سے دیکھتا رہا۔ پھر وہ گھٹنوں کے بل جھکا اور خنجروں کی واپسی پر خدا کا شکر ادا کرنے لگا۔ مگیدو کے قدیم مقدس خنجر لوٹ آئے تھے۔

خنجر کچھ دیر قربان گاہ پر رکھے رہے۔ فادر ڈی کارلو گھٹنوں کے بل جھکا رہا۔ پھر وہ سیدھا کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے چوغے کی اندرونی جیب سے ایک چرمی تھیلی نکال کر کھولی اور خنجروں کو قربان گاہ سے اٹھا کر ایک ایک کر کے چرمی تھیلی میں رکھ دیا۔ پھر وہ معبد کی طرف بڑھا۔ اس نے دروازہ کھولا، چرمی تھیلی کو چوما، آنکھوں سے لگایا اور اسے معبد کی چوکھٹ پر رکھ دیا۔

ایک بار پھر اس نے دعائے شکر کی...... انگریز ماہر فلکیات جان فیول کیلئے، جس نے مسیح کے دوسرے جنم کی تاریخ دریافت کی تھی اور سوبیا کو پیغام بھیج کر اطلاع دی تھی اور ان مقدس خنجروں کو واپسی پر بھی، جو اس دنیا میں وہ واحد ہتھیار تھے، جن سے اینٹی کرائسٹ کی زندگی منقطع کی جا سکتی تھی۔

اینٹی کرائسٹ کو ختم کرنے کی پہلے دو بار کوشش کی گئی تھی۔ لیکن دونوں بار ناکامی ہوئی تھی۔ دونوں کوششوں کا نتیجہ المناک نکلا تھا۔ لیکن اس بار ناکامی نہیں ہوگی۔ کیونکہ اب مسیح کی ولادت ثانی کا وقت بھی آ پہنچا ہے اور اینٹی کرائسٹ اب بھی زندہ ہے۔

آخری معرکہ شروع ہونے ہی والا ہے!

کیلی ہیرس کی فیشن کی دنیا میں آمد ایک دھماکہ تھی۔ اس کی عمر 23 سال تھی۔ وہ سیاہ فام امریکی تھی۔ اس کی جلد شہد رنگ تھی اور چہرہ ایسا خوبصورت کہ کوئی بھی فوٹو گرافر اسے اپنا خواب قرار دے سکتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نرمی اور ذہانت تھی اور جسمانی طور پر بھی وہ بے حد دلکش تھی۔ اسی سال ایلے اور ماموزیل نامی رسالوں کے قارئین نے اسے دنیا کی خوب صورت ترین ماڈل قرار دیا تھا۔

لباس تبدیل کرنے کے بعد کیلی نے ستائشی نظروں سے پینٹ ہاؤس کا جائزہ لیا۔ اس اپارٹمنٹ کو دیکھ کر اسے ہمیشہ حیرت آمیز خوشی ہوتی تھی۔ اپارٹمنٹ بھی خوب صورت تھا اور اس کی آرائش بھی غیر معمولی تھی۔ ٹیرس سے دریا کا نظارہ کیا جا سکتا تھا اور نوٹرے ڈیم بھی سامنے تھا۔

کیلی بے چینی سے ویک اینڈ کی منتظر رہی تھی۔ اس کے شوہر نے ویک اینڈ پر اسے ایک سرپرائز ٹریٹ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ''تم اپنا بہترین لباس پہننا جانم۔ میں تمہیں جہاں لے جا رہا ہوں، تمہیں وہ بہت اچھے لگا گا۔'' اس کے شوہر نے کہا تھا۔

یہ یاد کر کے کیلی مسکرائی۔ مارک ہیرس بے حد شاندار آدمی تھا۔ کیلی نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی اور گہری سانس لی۔ اس نے سوچا، اب مجھے چل دینا چاہئے۔ شو شروع ہونے میں صرف آدھا گھنٹہ رہ گیا ہے۔

چند لمحے بعد وہ اپارٹمنٹ سے نکلی اور لفٹ کی طرف بڑھی۔ اسی وقت پڑوس کے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھلا اور میڈم جوزٹ لاپونٹ راہ داری میں آئی۔ وہ چھوٹے قد کی موٹی عورت تھی۔ کیلی سے وہ ہمیشہ بہت اچھی طرح بات کرتی تھی۔ ''گڈ آفٹر نون مسز ہیرس۔'' مادام لاپونٹ نے کہا۔

کیلی مسکرائی، ''گڈ آفٹر نون میڈم لاپونٹ۔''

''بہت ہی حسین لگ رہی ہو...... ہمیشہ کی طرح۔''

''شکریہ۔'' کیلی نے لفٹ بلانے کے لئے بٹن دبایا۔

چند گز کے فاصلے پر ایک مزدور دیوار کے پاس کھڑا ایک سوئچ ٹھیک کر رہا تھا۔ اس نے دونوں عورتوں کو دیکھا اور پھر سر گھمایا۔

''ماڈلنگ کیسی جا رہی ہے۔'' میڈم لاپونٹ نے کیلی سے پوچھا

''بہت اچھی۔''

''میں بھی کسی دن تمہارا فیشن شو دیکھنے آؤں گی۔''

''مجھے بتا دیجئے گا۔ میں آپ کیلئے بہت اچھی سیٹ کا بندوبست کر دوں گی۔''

لفٹ آئی تو وہ دونوں اس کی طرف بڑھیں۔ مزدور نے یہ دیکھ کر اپنے ایپرن کی جیب سے چھوٹا سا واکی ٹاکی نکالا اور جلدی جلدی اس میں کچھ کہنے لگا۔ پھر وہ تیز قدموں سے ایک طرف چل دیا۔

لفٹ کا دروازہ بند ہو ہی رہا تھا کہ کیلی کو اپنے اپارٹمنٹ میں فون کی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ وہ ایک لمحے کو ہچکچائی۔ اسے جلدی تو تھی لیکن اسے یقین تھا کہ یہ مارک کا فون ہے۔ ''آپ جائیں۔ میں یہ فون اٹینڈ کر لوں۔'' اس نے میڈم لاپونٹ سے کہا اور لفٹ سے نکل آئی۔

باہر آ کر اس نے پرس سے چابی نکالی اور اپارٹمنٹ کی طرف لپکی۔ دروازہ کھول کر اندر جاتے ہی اس نے ریسیور اٹھایا اور ماؤتھ پیس میں بے ساختہ کہا۔ ''مارک؟''

''ہیلو غنیث۔'' دوسری طرف سے کسی اجنبی آواز نے کہا۔

کیلی کو مایوسی ہوئی۔ ''رانگ نمبر۔''

ریسیور رکھ کر وہ باہر آئی۔ اسی وقت نیچے کہیں اتنا زبردست دھماکہ ہوا کہ پوری عمارت لرز کر رہ گئی۔ ایک لمحے بعد چیخ پکار کی آواز سنائی دی۔ کیلی لفٹ کو بھول کر زینے کی طرف لپکی اور تیزی سے اترنے لگی۔

نیچے لابی میں پہنچ کر اسے اندازہ ہوا کہ آوازیں بیس منٹ سے آ رہی ہیں۔

وہ سیڑھیاں اتر کر بیس منٹ میں پہنچی تو پچکی ہوئی لفٹ اور اس میں پھنسی ہوئی میڈم لاپونٹ کی تڑی مڑی لاش دیکھ کر اسے چکر آنے لگے۔ بے چاری میڈم لاپونٹ! ابھی ایک منٹ پہلے وہ زندہ تھی، اس سے باتیں کر رہی تھی اور اب...... پھر اسے خیال آیا کہ اسی رانگ کال نے اسے بچا لیا۔ وہ کال سننے کے لئے نہ گئی ہوتی تو اس وقت وہ بھی...... اس سے زیادہ سوچنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

لفٹ کے گرد خاصا مجمع لگ گیا تھا۔ دور سے سائرن کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ کیلی کو احساس جرم ستانے لگا۔ اسے یہاں رکنا چاہئے تھا۔ لیکن وہ نہیں رک سکتی تھی۔ اس نے میڈم لاپونٹ کی لاش پر الوداعی نظر ڈالی اور بڑبڑائی۔ ''آئی ایم سوری میڈم لاپونٹ۔''

............☆............

وہ اسٹیج ڈور کے ذریعے فیشن سیلون میں داخل ہوئی تو پیٹر اعصاب زدگی کے عالم میں اس کا منتظر تھا۔

''کیلی...... کیلی...... تم لیٹ ہو۔'' پیٹر اس کی طرف جھپٹا۔ ''شو شروع ہو چکا ہے۔ اور......''

''سوری پیٹر۔ میں ایک بہت خوفناک حادثے......''

پیٹر نے گھبرا کر اسے غور سے دیکھا۔ ''تمہیں چوٹ لگی ہے......؟''

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

''نہیں۔'' کیلی نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کر لیں۔ جو کچھ وہ دیکھ کر آئی تھی، اس کے بعد شو میں شرکت آسان نہیں تھی۔ لیکن وہ جان بھی نہیں چھڑا سکتی تھی۔ کیونکہ شو کی اسٹار وہی تھی۔

''جلدی کرو گڑیا۔''

کیلی ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔

............☆............

یہ سال کا سب سے اہم اور بڑی ساکھ والا شو تھا۔ اگلی قطار میں پاپارزی صحافی بیٹھے تھے۔ کوئی سیٹ خالی ہونے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ کمرے کے عقبی حصے میں تو لوگ کھڑے تھے۔ وہ سب آنے والے سیزن کے نئے ڈیزائنوں کی ایک جھلک دیکھنے آئے تھے ماڈلز اپنے مخصوص انداز میں ٹہل رہی تھیں۔ مائیک پر کوئی کمنٹری کر رہا تھا۔ رن وے پر اس وقت ایک ایشیائی لڑکی کیٹ واک کر رہی تھی۔ کمنٹری کرنے والا اس لباس کے بارے میں تشریح کر رہا تھا۔

ایک کے بعد ایک ماڈلز آتی رہیں۔ لیکن دیکھنے والوں کو ان میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو اصل میں کیلی ہیرس کو دیکھنے کے لئے آئے تھے۔ یہ تو ان کے لئے محض وقت گزاری تھی۔

سوئیڈش ماڈل رخصت ہو گئی۔ کیٹ واک اب سنسان تھی۔ لاؤڈ اسپیکر پر اناؤنسر کی آواز ابھری۔ ''اور اب آنے والے پیرا کی کے سیزن کے لئے ساحلوں پر پہنے جانے والے ملبوسات ملاحظہ فرمائیں......''

مجمع میں بھن بھناہٹ سی ابھری اور اگلے ہی لمحے کیلی ہیرس نمودار ہوئی۔ وہ سفید بکنی پہنے ہوئے تھی۔ اور اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ چل رہی ہے۔ وہ تو جیسے ہوا میں لہرا رہی تھی۔ دیکھنے والوں کی سانسیں رکنے لگیں۔

کیلی نے رن وے کا چکر لگایا اور غائب ہو گئی۔

اسٹیج کے عقب میں دو آدمی اس کے منتظر تھے۔ ''مسز ہیرس، آپ مجھے ایک منٹ......'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''سوری۔ مجھے بہت تیزی سے لباس تبدیل کرنا ہے۔'' یہ کہہ کر کیلی نے گزر جانا چاہا۔

''مسز ہیرس، میں چیف انسپکٹر ڈیون ہوں۔ ہمیں آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔''

پولیس! کیلی ٹھٹھک گئی۔ ''مجھ سے...... ضروری بات!''

''مجھے آپ کو یہ اطلاع دیتے ہوئے بہت دکھ ہو رہا ہے کہ گزشتہ رات آپ اپنے شوہر سے محروم ہو گئیں۔''

کیلی کا حلق ایک دم سے خشک ہو گیا۔ ''میرا شوہر...... کیسے؟''

''بظاہر تو لگتا ہے کہ انہوں نے خودکشی کی ہے۔''

کیلی کی سماعت جیسے معطل ہو گئی۔ وہ کچھ سن رہی تھی اور کچھ لفظ کہیں کھو جاتے تھے۔ چیف انسپکٹر کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ ''......ایفل ٹاور...... آدھی رات...... رقعہ...... افسوس ناک...... میری ہمدردی......''

وہ بے معنی لفظ تھے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ تو مارک کی آواز سن رہی تھی۔ ''اس ویک اینڈ پر تم اپنا بہترین لباس پہننا۔ میں تمہیں جہاں لے کر چلوں گا، تمہیں بہت اچھا لگے گا۔'' یہ مارک کے آخری الفاظ تھے۔ ''سنیں...... آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' اس نے کہا۔ مارک ایسا نہیں کر سکتا۔''

''آئی ایم سوری۔ آپ ٹھیک تو ہیں نا مام؟''

''ہاں...... میں ٹھیک ہوں۔'' کیلی نے کہا۔ اور دل میں بولی...... بس زندگی ختم ہو گئی ہے۔

پیٹر ڈریسنگ روم سے نکلا۔ اس کے ہاتھ میں ایک دھاریوں والی سکینی تھی۔ ''ہنی...... جلدی سے یہ پہنو۔ وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔''

کیلی نے بکنی کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ بکنی فرش پر گر گئی۔ ''پیٹر......'' کیلی نے اسے پکارا۔ ''ایسا کرو، اسے تم ہی پہن لو۔''

پیٹر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔

کیلی کو ایک لیموزین میں اس کے گھر پہنچایا گیا۔ سیلون منیجر کسی کو اس کے ساتھ بھیجنا چاہتا تھا۔ لیکن کیلی نے سختی سے منع کر دیا۔ وہ تنہائی چاہتی تھی۔ بلڈنگ میں داخل ہوتے ہی اسے سپر نٹنڈنٹ فلپ سینڈ نظر آیا۔ وہ کئی کرائے داروں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔

ایک کرائے دار نے کیلی سے کہا۔ ''بے چاری میڈم لاپونٹ۔ کیسا خوف ناک حادثہ تھا۔''

اوور آل پہنے ہوئے ایک آدمی دو کیبلز کے مڑے تڑے سرے ہاتھ میں لئے کھڑا تھا۔ وہ کوئی ٹیکنیشین لگتا تھا۔ ''یہ حادثہ نہیں تھا میڈم۔'' اس نے کہا۔ ''کسی نے لفٹ کا حفاظتی بریک منقطع کر دیا تھا۔ یہ کٹا ہوا کیبل دیکھ لیں۔''

صبح کے چار بجے تھے۔ کیلی ایک کرسی پر بیٹھی کھڑکی سے باہر دیکھے جا رہی تھی۔ اس کی سماعت میں آوازیں گونج رہی تھیں...... خودکشی اعتراف...... رقعہ...... پھر ایک ہی آواز رہ گئی۔ مارک مر چکا ہے...... مارک مر چکا ہے...... مارک

وہ سوچنے لگی...... کیا مارک میری وجہ سے مرا ہے؟ میرے کسی فعل، میری کسی غلطی کی وجہ سے؟ کیا میں نے ایسا کچھ کہا؟ یا یوں ہے کہ وہ کچھ سننا چاہتا تھا، اور میں وہ کہہ نہ سکی؟ وہ صبح گیا تو میں سو رہی تھی۔ میں نے اسے خدا حافظ بھی نہیں کہا۔ میں نے اسے یہ بھی نہیں بتایا کہ میں اس سے کتنی محبت کرتی ہوں۔ میں جی ہی نہیں سکتی اس کے بغیر......

مارک...... میری مدد کرو۔ ہمیشہ تم نے مجھے سہارا دیا۔ اس نے پکارا تو اب زندگی کے سب سے بڑے بحران میں مجھے اکیلا کیوں چھوڑ دیا ہے تم نے؟ مارک...... میرا ہاتھ تھام لو...... ہمیشہ کی طرح!

مگر اب اس کے پاس یادوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا!

کیلی فلاڈلفیا میں پیدا ہوئی تھی۔ وہ گھروں میں کام کرنے والی ایک سیاہ فام خادمہ کی بیٹی تھی۔ اس کا باپ ایک بڑے اچھے سفید فام گھرانے کا فرد تھا...... اور ایک کامیاب جج۔ لیکن اس کی پیدائش شادی کا نتیجہ نہیں تھی۔

کیلی کی ماں ایتھل بہت حسین تھی۔ وہ سترہ سال کی تھی کہ راس ٹرنر اس پر مرمٹا۔ ایتھل اس کے گھر میں کام کرتی تھی۔ ہوس کے نتائج سامنے آئے تو ایتھل نے راس کو مطلع کیا۔ ''یہ تو بڑی زبردست خبر ہے۔'' راس نے کہا اور اپنے باپ کی اسٹڈی کی طرف لپکا۔ تاکہ یہ میری خبر اپنے باپ کو سنائے۔

اگلی صبح جج ٹرنر نے ایتھل کو اپنی اسٹڈی میں طلب کیا۔ ''میرے گھر میں کوئی آبرو باختہ ملازمہ کام نہیں کر سکتی۔'' اس نے کہا۔ ''اس لئے میں تمہیں نکال رہا ہوں۔''

(جاری ہے)

دجال

 علیم الحق حقی

آتھل کے پاس تعلیم تھی، نہ کوئی ہنر، نہ پیسہ۔ بہر حال اسے ایک انڈسٹریل بلڈنگ میں صفائی کا کام مل گیا۔ وہ وہاں بارہ گھنٹے کام کرتی۔ اسے اپنی بچی کو پالنا تھا۔ پانچ سال میں آتھل نے اتنا بچالیا کہ ایک اوسط درجے کا بڑا مکان خرید سکے۔ وہاں اس نے مردوں کے لئے ایک بورڈنگ ہاؤس بنالیا۔ اس مکان میں ایک نشست گاہ، ایک طعام گاہ، چار چھوٹے بیڈروم، دو باتھ روم، ایک کچن اور ایک اسٹور روم تھا۔ کیلی اسٹور روم میں سوتی تھی۔

کچھ لوگ ایسے تھے، جو اس بورڈنگ ہاؤس میں آتے جاتے رہتے تھے۔ ''یہ تمہارے انکل ہیں۔'' آتھل کیلی کو سمجھاتی۔ ''انہیں کبھی تنگ نہ کرنا۔''

معصوم کیلی خوش تھی کہ اس کا اتنا بڑا خاندان ہے۔ مگر جب وہ بڑی ہوئی تو اس نے سمجھ لیا کہ وہ سب اجنبی لوگ ہیں۔

کیلی آٹھ سال کی تھی کہ اس کے ایک نام نہاد انکل نے اسے روند ڈالا۔ وہ اس کیلئے بہت بڑا سانحہ تھا۔ ایک طرف تو جوان ہوتے ہوتے اسے اپنے غلیظ ہونے کا احساس ستانے لگا۔ دوسری طرف اسے مردوں سے نفرت ہوگئی...... گہری نفرت! ایک تبدیلی اور آئی۔ وہ اندھیرے سے ڈرنے لگی۔

دس سال کی عمر میں ماں نے اسے بورڈنگ ہاؤس کے اوپر کے کاموں میں لگا دیا۔ وہ صبح پانچ بجے اٹھتی، ٹوائلٹ صاف کرتی، کچن کا فرش رگڑ رگڑ کر صاف کرتی۔ پھر ناشتہ تیار کرنے میں ماں کا ہاتھ بٹاتی۔ اسکول سے واپس آکر وہ کمروں کی صفائی کرتی، کپڑے دھوتی اور پھر رات کے کھانے میں ماں کی مدد کرتی۔ اس کی زندگی تھکا دینے والے معمولات میں بری طرح الجھ گئی تھی۔

وہ بڑے شوق سے ماں کی مدد کرتی۔ اسے تمنا تھی تو صرف ستائش کے چند لفظوں کی۔ مگر وہ اسے کبھی نہیں ملے۔ اس کی ماں بورڈنگ ہاؤس کے مکینوں میں گم رہتی۔ اسے بیٹی کی موجودگی کا احساس بھی نہیں تھا۔

ایک بار بورڈنگ ہاؤس میں ایک مہربان کرایہ دار آیا تھا۔ اس نے کیلی کو ایلس اور ونڈر لینڈ کی کہانی پڑھ کر سنائی تھی۔ کیلی اکثر سوچتی تھی کہ ایلس کی طرح اسے بھی یہاں سے فرار ہونے کے لئے خرگوش کے ایک جادوئی بل کی ضرورت ہے۔ ورنہ اس کی زندگی یونہی ٹوائلٹ کے فرش پر پوچھا لگاتے اور اجنبیوں کی خدمت کرتے گزر جائے گی۔

اور ایک دن اسے خرگوش کا وہ جادوئی بل مل ہی گیا۔ وہ اس کا تخیل تھا، جس کی مدد سے وہ جہاں چاہتی، چلی جاتی، جو چاہتی، کر لیتی۔ وہ اپنی زندگی کی کہانی از سر نو لکھ سکتی تھی۔

زندگی کی اس نئی کہانی میں اس کے والدین کے درمیان رنگ و نسل کا تفاوت نہیں تھا اور وہ اس پر کبھی غصے سے چلاتے نہیں تھے۔ وہ ایک خوبصورت اور بڑے گھر میں رہتے تھے۔ اس کے ماں باپ اس سے محبت کرتے تھے...... محبت...... بہت محبت...... بہت زیادہ......

کیلی 14 سال کی ہوئی تو اس کی ماں نے ایک کرائے دار سے شادی کرلی۔ وہ بارٹینڈر ڈان برک تھا...... ادھیڑ عمر آدمی، جس کی سوچ سے لیکر عمل تک سب کچھ منفی تھا۔ مثبت کچھ بھی نہیں تھا۔ کیلی کوشش کے باوجود کبھی اسے خوش نہیں کر پائی۔ کھانا بہت بدمزہ ہے...... اس رنگ کے کپڑے تم پر بالکل نہیں جچتے...... بیڈروم کا شیڈ تم نے ابھی تک ٹھیک نہیں کیا...... یہ باتھ روم کب صاف کروگی، وغیرہ وغیرہ۔ اس کی شکایات کبھی ختم نہیں ہوتی تھیں۔

کیلی کے سوتیلے باپ کے ساتھ ایک مسئلہ مے نوشی کا بھی تھا۔ کیلی اور اس کی ماں کے کمروں کے بیچ کی دیوار زیادہ موٹی نہیں تھی۔ رات کو اسے مار پیٹ اور چیخنے چلانے کی آوازیں صاف سنائی دیتی تھیں اور صبح اٹھتے ہی آتھل مار پیٹ کے نشان چھپانے کیلئے بہت گہرا میک اپ کرتی۔ لیکن وہ نشان چھپنے والے نہیں تھے۔

کیلی بہت دکھی ہوگئی۔ وہ اکثر سوچتی کہ اسے اور ماں کو یہاں سے نکل بھاگنا چاہئے۔ اسے یقین تھا کہ اس کے اور ماں کے درمیان گہری اور بے پایاں محبت موجود ہے۔

ایک رات جب کیلی سونے اور جاگنے کے درمیان کی کیفیت میں تھی تو اس نے اپنے سوتیلے باپ کی آواز سنی۔ ''تم نے اس منحوس لڑکی کو پیدا ہی کیوں ہونے دیا؟'' وہ اس کی ماں سے پوچھ رہا تھا۔

''میں نے تو بہت کوشش کی تھی ڈان۔'' اس کی ماں کے لہجے میں معذرت تھی۔ ''مگر وہ بہت ڈھیٹ ہے۔ میں ہار گئی۔''

کیلی اس رات بہت روئی۔ دنیا میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا، جسے اس کی ضرورت ہو، جسے اس سے محبت ہو۔ اس کی ماں کو بھی نہیں!

پھر کیلی کو زندگی کی اکتاہٹ سے فرار کا ایک اور راستہ مل گیا اور وہ تھا مطالعہ۔ کتابوں کی دنیا میں اس کا خوب دل لگا۔ وہ کوشش کرنے لگی کہ فرصت کا ہر لمحہ پبلک لائبریری میں گزرے۔

سوتیلے باپ کی مے نوشی کی وجہ سے کیلی کو کبھی ماں سے پیسے نہیں مل پاتے تھے۔ اس کے لئے وہ خوش حال لوگوں کے ہاں ویک اینڈ پر بچوں کو بہلانے کی خدمات انجام دینے لگی۔ پہلی بار اسے پتا چلا کہ گھروں میں خوشحالی ہی نہیں، خوشیاں اور محبتیں بھی ہوتی ہیں۔ لیکن اسے ایسا گھر کبھی نہیں ملے گا۔

سترہ سال کی عمر میں کیلی اپنی ماں سے بھی زیادہ حسین ہوگئی۔ اسکول میں کوئی لڑکا ایسا نہیں تھا، جس کے دل میں اس سے دوستی کی تمنا نہ ہو۔ لیکن کیلی نے کبھی کسی کو منہ نہیں لگایا۔ اتوار کے دن کیلی جلدی جلدی اپنے کام نمٹا کر لائبریری چلی جاتی اور شام تک پڑھتی رہتی۔

لائبریرین لزا ہوسٹن بہت ذہین اور ہمدرد عورت تھی۔ کیلی جیسی جوان اور خوبصورت لڑکی لائبریری میں اتنا وقت کیوں گزارتی ہے، اس بات نے اسے متجسس کر دیا۔

(جاری ہے)

دجال

ایک دن اس نے کیلی کو سراہتے ہوئے کہا۔ ''جوان لڑکی میں مطالعے کا یہ شوق مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔''

وہ ان کے درمیان دوستی کا آغاز تھا۔ اگلے چند ہفتوں میں کیلی نے اپنے خوف، اپنی امیدیں اور اپنے سب خواب لزا ہوسٹن کو سنا ڈالے۔

''تم زندگی میں کیا کرنا چاہتی ہو کیلی؟''

''میں ٹیچر بننا چاہتی ہوں۔''

''یہ بہت اچھا اور معزز پیشہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم بہت اچھی ٹیچر ثابت ہو گی۔''

کیلی کچھ کہنے والی تھی۔ مگر رک گئی۔ اسے ایک ہفتہ پہلے ناشتے پر اپنی ماں اور ڈان سے ہونے والی گفتگو یاد آ گئی۔ کیلی نے اپنی ماں سے کہا تھا کہ وہ کالج جانا چاہتی ہے۔ کیونکہ اسے ٹیچر بننا ہے۔

''ٹیچر''۔ ڈان برک نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں دہرایا۔ ''کیسا احمقانہ خیال ہے۔ ارے تمہارے لئے فرش رگڑنا ہی مناسب ترین کام ہے اور پھر ہمارے پاس اتنے پیسے کہاں کہ تمہیں کالج بھیج سکیں......''

''لیکن مجھے وظیفے کی پیشکش کی گئی ہے اور......''

''اس سے کیا ہوتا ہے۔ کیا ہم تمہیں اس طرح وقت برباد کرنے دیں گے۔ ہرگز نہیں۔ البتہ تم اپنے حسن سے کچھ فائدہ اٹھاؤ تو......''

وہ اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے وہاں سے نکل آئی تھی۔ اب وہ سب یاد کرتے ہوئے اس نے مسز ہوسٹن سے کہا۔ ''وہ مجھے کالج نہیں جانے دیں گے۔ میں زندگی بھر بس یہی کچھ کرتی رہوں گی۔''

''میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔'' مسز ہوسٹن نے بڑے اعتماد سے کہا۔ ''یہ بتاؤ عمر کتنی ہے تمہاری؟''

''تین ماہ بعد میں اٹھارہ کی ہو جاؤں گی؟''

''اور تب تم اپنے فیصلے خود کر سکو گی۔ تم اب ایک جوان اور خوبصورت لڑکی ہو۔ یہ بات یاد رکھا کرو۔''

''ن...... نہیں تو......'' کیلی ہکلائی۔ اب وہ اسے کیسے بتاتی کہ وہ خود کو کتنا غلیظ اور حقیر سمجھتی ہے۔ ''مجھے اپنی زندگی سے نفرت ہے مسز ہوسٹن۔ میں...... میں یہاں رہنا نہیں چاہتی۔ میں کوئی تبدیلی چاہتی ہوں۔ لیکن مجھے موقعہ کبھی نہیں ملے گا...... نہ کچھ کرنے کا...... نہ کچھ بننے کا۔''

''کیلی......''

''مجھے یہ سب کتابیں نہیں پڑھنی چاہئے تھیں''۔ کیلی کے لہجے میں تلخی تھی۔

''یہ کیوں کہہ رہی ہو تم؟''

''ان کتابوں میں جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔ دنیا میں کہیں نہ خوبصورت لوگ ہیں، نہ شاندار جگہیں...... اور نہ ہی کسی خرگوش کا جادوئی بل......''

مسز ہوسٹن چند لمحے اس حسین مگر دل شکستہ لڑکی کو محبت سے دیکھتی رہی۔ ''کیلی...... دنیا میں خوبصورت کچھ بھی نہیں ہوتا۔ خوبصورت بنانا پڑتا ہے۔ جادو بھی ہوتا ہے۔ لیکن تمہیں خود کو جادوگر بنانا ہو گا۔ سب کچھ کوشش سے ہوتا ہے۔''

''میں...... میں کیا کر سکتی ہوں؟''

''پہلے خواب دیکھو۔ پھر ان کی تعبیر کے لئے جدوجہد کرو۔ اگلی بار تم آؤ گی تو میں تمہیں سمجھاؤں گی کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔''

یہ ایک اور جھوٹ ہے۔ کیلی نے دل میں سوچا۔

اگلی بار وہ لائبریری گئی تو مسز ہوسٹن نے پوچھا۔ ''یاد ہے کیلی، میں نے پچھلی بار کیا کہا تھا؟''

''جی ہاں۔'' کیلی کا لہجہ مضحکہ اڑانے والا تھا۔

مسز ہوسٹن نے اپنی دراز سے کچھ میگزین نکالے اور کیلی کی طرف بڑھائے۔ وہ سب فیشن میگزین تھے۔

''میں ان کا کیا کروں؟''

''تم نے کبھی ماڈلنگ کرنے کا بھی سوچا؟''

''نہیں''۔

''یہ میگزین دیکھو، سوچو اور پھر مجھے بتاؤ کہ انہیں دیکھ کر کوئی جادوئی آئیڈیا تمہارے ذہن میں آتا ہے، جو تمہاری زندگی کو جادو سے بدل دے۔''

''شکریہ مسز ہوسٹن۔'' کیلی نے بے دلی سے کہا۔ وہ جانتی تھی کہ مسز ہوسٹن اس کا بھلا چاہتی ہے۔ لیکن اس کے حالات کی سنگینی سے پوری طرح واقف نہیں ہے۔

کیلی میگزین گھر لے گئی اور انہیں کہیں ٹھونس کر بھول گئی۔ پھر وہ اپنے کاموں میں لگی رہی۔ رات کو تھکن سے بے حال وہ اپنے بستر پر آ کر لیٹی تو اسے وہ میگزین یاد آئے۔ اس نے میگزین نکالے اور ان میں سے کچھ کی ورق گردانی کی۔ اسے احساس ہو گیا کہ واقعی وہ کوئی اور ہی دنیا تھی۔ لندن، پیرس اور دوسرے خوبصورت شہر، حسین ماڈلز، خوب رو مرد۔ وہ سب کچھ دیکھتے ہوئے کیلی کے اندر ایک تڑپ پیدا ہوئی۔ وہ ڈریسنگ گاؤن پہن کر باتھ روم گئی اور آئینے میں اپنے عکس کو دیکھا۔ لوگ اسے بتاتے تھے کہ وہ بہت خوبصورت ہے۔ لیکن وہ یقین نہیں کرتی تھی۔ وہ انہیں جھوٹا سمجھتی تھی۔ لیکن اس وقت اسے احساس ہوا کہ آئینہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ وہ بلاشبہ خوبصورت اور پرکشش تھی۔

اس نے سوچا، چلو مان لیا کہ میں خوبصورت ہوں لیکن میرے پاس تجربہ تو نہیں ہے۔

جادو ہوتا ہے لیکن اس کے لئے آدمی کو جادوگری آنی چاہئے۔ اس نے خود کلامی کی۔

اگلی صبح وہ لائبریری گئی۔ مسز ہوسٹن نے حیرت سے اسے دیکھا۔ کیلی اتنی صبح لائبریری کبھی نہیں آتی تھی۔ ''گڈ مارننگ کیلی۔'' اس نے کہا۔ ''تم نے وہ میگزین دیکھے؟''

(جاری ہے)

دجال

قسط نمبر: 18

علیم الحق حقی

"جی ہاں۔اور میں ماڈل بننا چاہتی ہوں۔مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں سے شروعات کروں۔"

مسز ہوسٹن مسکرائی۔"میں بتاتی ہوں۔تم نے کہا تھا کہ تم یہاں نہیں رہنا چاہتیں۔چنانچہ میں نے نیویارک کی ڈائریکٹری چیک کی۔" مسز ہوسٹن نے اپنے بیگ سے ایک کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔"یہ مین ہٹن کی ٹاپ کی ماڈلنگ ایجنسیوں کی فہرست ہے۔اس میں ان کے پتے اور فون نمبر بھی موجود ہیں"......اس نے حوصلہ افزائی کے لئے کیلی کا ہاتھ دبایا۔"میرا مشورہ ہے کہ ٹاپ سے اسٹارٹ لینا۔"

کیلی مبہوت ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔"میں......میں آپ کا کیسے شکریہ ادا......"

"بہت آسان ہے میرا شکریہ ادا کرنا۔ان میں سے کسی میگزین میں تمہارا فوٹو گراف چھپے تو سمجھ لینا کہ تم نے میرا شکریہ ادا کر دیا۔"

اس رات ڈنر پر کیلی نے اعلان کیا۔"میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں ماڈل بنوں گی۔"

ڈان برک نے کہا۔"یہ تمہارا اب تک کا بدترین آئیڈیا ہے۔تم زیادہ سے زیادہ کال گرل بن سکو گی۔"

"کیلی......وہ غلطی نہ کرو، جو میں نے کی تھی۔"اس کی ماں نے کہا۔"ہم سیاہ فام بھی ہیں اور غریب بھی۔ہم جیسے لوگوں کو خواب راس نہیں آتے۔"

صبح پانچ بجے کیلی نے اپنا سوٹ کیس پیک کیا اور بس اسٹینڈ کی طرف چل دی۔اس کے ہینڈ بیگ میں دو سو ڈالر تھے، جو اس نے بے بی سٹنگ کر کے جمع کئے تھے۔

بس کا سفر دو گھنٹے کا تھا۔اس عرصے میں کیلی جاگتی آنکھوں خواب دیکھتی رہی۔وہ صف اول کی ماڈل بننے والی تھی۔مسئلہ یہ تھا کہ وہ دوسرے نام سے محروم تھی۔اس نے کئی نام سوچے۔مگر کوئی جچا نہیں۔آخر اس نے فیصلہ کیا کہ اس کا پہلا نام ہی کافی ہے۔دنیا کی ٹاپ ماڈل کیلی!

اس نے ایک سستے ہوٹل میں کمرا لیا۔ٹھیک نو بجے وہ اس ایجنسی کے دفتر پہنچ گئی جو مسز ہوسٹن کی فہرست میں ٹاپ پر تھی۔وہ مسز ہوسٹن کے مشورے پر عمل کر رہی تھی۔اس نے ٹاپ سے اسٹارٹ لیا تھا۔

لابی سنسان تھی۔استقبالیہ ڈیسک پر بھی کوئی نہیں تھا۔وہ ایک شخص کی طرف بڑھ گئی، جو ایک میز پر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔

"ایکسکیوز می۔" کیلی نے کہا۔

اس شخص نے سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

"آپ لوگوں کو کسی ماڈل کی ضرورت ہے؟" کیلی نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"نہیں"۔

کیلی نے سرد آہ بھری اور شکریہ کہہ کر واپسی کے لئے پلٹی۔

اسی وقت اس شخص نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ایک لمحے میں اس کے چہرے کا تاثر تبدیل ہو گیا۔"ایک منٹ......یہاں آؤ۔"اس نے پکارا۔پھر وہ ایک دم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔"او مائی گاڈ......تم......کہاں سے آئی ہو تم؟"

کیلی نے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔"فلاڈلفیا سے۔"

"میرا مطلب تھا......خیر چھوڑو۔تم نے پہلے کبھی ماڈلنگ کی ہے؟"

"نہیں"۔

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔جاب کے دوران سیکھ بھی لو گی۔"

کیلی کو اپنا حلق خشک ہوتا محسوس ہوا۔"کیا آپ مجھے ماڈلنگ کا کام دے رہے ہیں؟"

وہ مسکرایا۔"ہاں۔ہمارے کلائنٹس تمہیں دیکھیں گے تو پاگل ہو جائیں گے۔"

کیلی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔وہ مین ہٹن کی سب سے بڑی ایجنسی تھی اور وہ......

"میرا نام بل لرنر ہے۔میں ہی یہ ایجنسی چلاتا ہوں۔تمہارا کیا نام ہے؟"

یہ وہ لمحہ تھا، جس کے کیلی خواب دیکھتی آئی تھی۔یہ پہلا موقع تھا، جب اسے اپنا یک لفظی نام پیشہ ورانہ سطح پر استعمال کرنا تھا۔

بل لرنر اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔"کیا تمہیں اپنا نام بھی معلوم نہیں؟"

کیلی تن کر کھڑی ہو گئی۔"کیوں نہیں مسٹر لرنر۔میرا نام کیلی ہے۔"

لوئیسا رینالڈ نے جہاز کے گزرنے کی آواز سنی تو مسکرانے لگی۔یہ گیری ہوگا۔اس نے سوچا۔وہ لیٹ ہو گیا ہے۔اس نے گیری سے کہا تھا کہ وہ اسے ایئر پورٹ پر ریسیو کرے گی۔لیکن گیری نے کہا......اس کی ضرورت نہیں سسٹر۔میں ٹیکسی کر لوں گا۔

"لیکن گیری، مجھے اچھا لگے......"

"تم گھر پر میرا انتظار کرنا۔یہ زیادہ بہتر ہے۔"

"جیسی تمہاری مرضی بھائی۔"

لوئیسا کی زندگی میں ہمیشہ سے اس کے بھائی گیری کی بڑی اہمیت تھی۔جب وہ لڑکی تھی تو سمجھتی تھی کہ ساری دنیا اس کی دشمن ہے۔فلمی اداکاراؤں اور ماڈل گرلز کو دیکھ کر وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتی۔صرف اس لئے کہ وہ کچھ موٹی تھی۔حالانکہ یہ کوئی قانون نہیں کہ موٹی لڑکیاں خوب صورت نہیں ہو سکتیں۔دبلی پتلی مرگھلی لڑکیوں سے تو وہ ہزار درجہ خوب صورت ہوتی ہیں۔

لوئیسا دن بھر آئینہ دیکھتی رہتی۔اس کے بال شہد رنگ تھے، آنکھیں نیلی تھیں، ناک نقشہ سبک تھا......اور جسم بقول اس کے بھرا بھرا تھا۔اب یہ کیسی بے انصافی ہے کہ مرد توند نکالے پھرتے رہیں تو انہیں کوئی کچھ نہیں کہتا اور بھرے بھرے جسم والی لڑکیوں کو بھینس اور ہتھنی جیسے القابات سے نوازا جاتا ہے۔اسکول میں لوئیسا کو اس کی پیٹھ پیچھے ایسے ہی پکارا جاتا تھا۔وہ بہت دکھی ہوتی تھی۔لیکن گیری ہمیشہ اسے دلاسہ دیتا تھا۔اسے خوشی تھی کہ اسے ایسا محبت کرنے والا بھائی ملا۔

وہ تعلیم مکمل کر کے ٹورنٹو یونیورسٹی سے نکلی تو ان القابات سے جان چھوٹی اور اس نے سوچا، اب کوئی خوش ذوق مرد میری طرف بڑھے تو بڑھے۔میں خود کسی کی طرف نہیں بڑھوں گی۔

اور ایک دن ایک خوش ذوق مرد اس کی زندگی میں آ ہی گیا۔اس کا نام ہنری لاسن تھا۔وہ دراز قد اور دبلا پتلا تھا۔اس کی مسکراہٹ بہت خوب صورت تھی۔اس کا باپ چرچ کا منسٹر تھا۔وہ خود ایک بڑی نرسری کا مالک تھا۔فطرت سے اسے عشق تھا۔

دونوں ایک دوسرے کی طرف کھنچنے لگے۔ہنری میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ نہ صرف یہ کہ لوئیسا کو موٹا نہیں سمجھتا تھا۔بلکہ اسے اس کے موٹے ہونے کی پرواہ بھی نہیں تھی۔وہ اسے کھانے پر ٹوکتا نہیں تھا۔بلکہ وہ اسے کھلا کر خوش ہوتا تھا۔

ان کے ملنے کا سلسلہ جاری رہا۔دو ماہ بعد ہنری نے اظہار محبت کیا اور اس سے شادی کا پوچھا۔لوئیسا ایک ہی جواب دے سکتی تھی۔اس کی تو لاٹری نکل آئی تھی۔پہلی بار وہ کھل کر کھانا کھا رہی تھی۔

ان کی شادی ہنری کے باپ نے کرائی۔وہ چرچ کا منسٹر جو تھا۔لوئیسا کی خوشی کی کوئی حد نہیں تھی۔

ہنی مون کیلئے وہ لوگ لیک لوئیسا گئے۔وہ بہت خوبصورت جگہ تھی۔وہاں لوئیسا کی خوشی انتہا کو پہنچ گئی۔اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اسے یہ سب کچھ مل سکتا ہے۔

اچانک ہنری نے کہا۔"اب کفارہ ادا کرنے کا وقت آ گیا ہے"

لوئیسا نے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔"کیا مطلب؟"

"گناہ کا کفارہ! لذت کے جواب میں اذیت!"

"کیا کہہ رہے ہو؟ مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ۔"

لوئیسا گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔

ہنری نے اپنی پینٹ سے بیلٹ کھینچی اور اس سے پہلے کہ لوئیسا کچھ سمجھتی، اس کے جسم کے پر گوشت حصوں پر اسے کوڑوں کی طرح برسانے لگا۔

لوئیسا چیختی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔"یہ کیا کر رہے......؟"

ہنری نے اسے پھر جھکا دیا۔بیلٹ پھر حرکت میں آ گئی۔"میں نے کہا نا، گناہ دھونے کیلئے سزا ضروری ہے۔لذت کے بدلے اذیت......"

"بس کرو ہنری......بس کرو......"لوئیسا نے فریاد کی۔

"بیٹھی رہو گھٹنوں کے بل......"ہنری کا لہجہ بہت سخت تھا۔

لوئیسا نے اٹھنے کی کوشش کی۔لیکن ہنری نے اسے دھکیل دیا۔

لوئیسا رو رہی تھی۔لیکن ہنری مشین انداز میں اسے مار رہا تھا۔بالآخر چند لمحے بعد اس نے کہا۔"ہاں......اب ٹھیک ہے۔"

اس وقت تک لوئیسا ہلنے کے قابل بھی نہیں رہی تھی اور اسے لگ رہا تھا کہ اس کی کھال ادھڑ گئی ہے اور خون رس رہا ہے۔بڑی مشکل سے وہ اپنے قدموں پر کھڑی ہوئی اور بولنے کی تو اس میں ہمت ہی نہیں تھی۔وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے شوہر کو دیکھتی رہی۔

"جنس گناہ ہے۔اور گناہ کی ترغیب سے لڑنا ضروری ہے اور ترغیب سے ہارنے کے بعد سزا بھی ضروری ہے۔"ہنری نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

لوئیسا سر جھٹکتی رہی۔جو کچھ ہوا تھا، اس کیلئے ناقابل یقین تھا۔

"ذرا سوچو تو، آدم اور حوا جنت سے کیوں نکالے گئے۔وہ نہ بھٹکتے تو ہم سب جنت میں ہوتے۔"

لوئیسا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"اب سب ٹھیک ہے ڈارلنگ"۔ہنری نے اسے لپٹا لیا۔"میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"

"محبت تو میں بھی تم سے کرتی ہوں۔مگر......"

"فکر مت کرو۔ہم نے کفارہ ادا کر دیا۔گویا گناہ کو شکست دے دی۔"

لوئیسا نے سوچا، چلو ٹھیک ہے۔جو گزری سو گزری۔اب تو جان چھوٹ گئی نا۔پادری کے بیٹے کو تو بہت اچھا انسان ہونا ہی چاہئے۔

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

قسط نمبر: 19

''میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں لوئیسا۔ چلو...... اب تمہیں ڈنر کرا دوں''۔ ہنری کے لہجے میں محبت کی حلاوت تھی۔ ریسٹورنٹ میں بیٹھنا بھی لوئیسا کیلئے بے حد اذیت ناک تھا۔ اسے بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ لیکن شرم کی وجہ سے وہ اضافی گدی بھی نہ مانگ سکی۔

''آرڈر میں دوں گا''۔ ہنری نے کہا اور اس کیلئے زبردست کھانا منگوایا''۔ تمہیں ضرورت ہے اچھے کھانے کی۔ ورنہ طاقت کہاں سے آئے گی''۔ اس نے وضاحت کی۔

کھانے کے دوران لوئیسا، جو کچھ ہوا تھا، اس کے بارے میں سوچتی رہی۔ ہنری جیسا شاندار آدمی اس نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اس حرکت پر اسے کیا کہا جائے؟ مذہبی جنونی! مگر خیر، جو ہوا سو ہوا۔ وہ بہت خیال رکھنے والا آدمی تھا اور لوئیسا نے بھی سوچ لیا تھا کہ زندگی بھر اس کا خیال رکھے گی۔

کھانے کے بعد ہنری نے خاص طور پر اس کیلئے میٹھا منگوایا'' مجھے صحت مند، تندرست اور بھاری بھرکم عورتیں اچھی لگتی ہیں''۔

لوئیسا مسکرائی۔'' مجھے خوشی ہے کہ میں تمہارے لئے باعث مسرت ہوں''۔

ریسٹورنٹ سے نکل کر انہوں نے اپنے کمرے کا رخ کیا۔ ہنری نے لوئیسا کو اپنی باہوں میں لیا تو وہ پچھلی مار کی اذیت بھول گئی۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ ہنری بہت محبت کرنے والا آدمی تھا۔ محبت کرنا سے خوب آتا تھا۔

''چلو...... اب کفارے کا وقت آ گیا''۔ تھوڑی دیر بعد ہنری نے کہا۔'' گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ۔ شاباش!''

رات کے دو بجے ہنری گہری نیند سو رہا تھا۔ لوئیسا اٹھی۔ اس نے سوٹ کیس پیک کیا اور وہاں سے نکل بھاگی۔ فلائٹ پکڑ کر وہ وینکوور پہنچی اور گیری کو فون کای۔ لنچ کے وقت وہ دونوں ملے۔ تب لوئیسا نے اس کو سب کچھ بتا دیا۔

''مجھے طلاق لینی ہے''۔ لوئیسا نے کہا۔'' لیکن مجھے شہر بھی چھوڑنا ہے''۔

گیری چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر بولا۔'' سس...... میرے ایک دوست کی انشورنس ایجنسی ہے ڈینوور میں۔ یہاں سے 1500 میل دور''۔

''بہت مناسب رہے گا''۔

''میں ابھی اسے فون کرتا ہوں''۔

دو ہفتے بعد لوئیسا اس انشورنس ایجنسی میں کام کر رہی تھی۔

گیری مسلسل اس سے رابطے میں تھا۔ لوئیسا نے ایک خوبصورت بنگلہ خرید لیا تھا۔ گیری کو جب بھی موقع ملتا، وہ اس سے ملنے آ جاتا۔ ویک اینڈ پر کبھی وہ مچھلی کا شکار کھیلنے جاتے، کبھی اس کی اگ کیلئے نکل جاتے، باہر جانے کا موڈ نہ ہوتا تو وہ بنگلے میں بیٹھے باتیں کرتے رہتے۔

''سس...... تم نہیں جانتیں، تم پر میں کتنا فخر کرتا ہوں''۔

گیری اکثر کہتا۔

لوئیسا بھی اپنے بھائی پر کم فخر نہیں کرتی تھی اور وہ تھا بھی اس قابل۔ اس نے سائنس میں پی ایچ ڈی کیا تھا اور اب ایک بین الاقوامی کارپوریشن میں کام کر رہا تھا۔ ہوابازی اس کا مشغلہ تھا۔

اس وقت جہاز کی آواز سننے کے بعد لوئیسا گیری کو یاد کر رہی تھی۔ دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے چونکا دیا۔ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا وہ ٹام ہیوبرتھا۔ گیری کا ہوا باز دوست لوئیسا نے دروازہ کھولا۔ ٹام اندر آ گیا۔'' کیسے ہو ٹام؟''

''ٹھیک ہوں''۔

''گیری ابھی نہیں پہنچا ہے۔ ابھی شاید میں نے اس کے جہاز کی آواز سنی تھی۔ وہ آتا ہی ہوگا۔ تم اس کا انتظار کرو گے۔ یا......''

ٹام اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔'' تم نے خبریں نہیں دیکھیں؟''

لوئیسا نے نفی میں سر ہلایا۔'' نہیں۔ کیا ہو رہا ہے آج کل۔ کوئی جنگ چھڑنے والی ہے کیا؟''

''بہت بری خبر ہے لوئیسا...... بہت بری اور وہ بھی گیری کے بارے میں......''

لوئیسا کا جسم تن گیا۔'' کیا ہوا اسے؟''

''تمہارے پاس آ رہا تھا وہ۔ راستے میں ختم ہو گیا''۔ ٹام نے لوئیسا کی آنکھوں میں جیسے روشنی بجھتے دیکھی اور افسردہ ہو گیا۔

''مجھے افسوس ہے لوئیسا مجھے معلوم ہے کہ تم بہن بھائی ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتے تھے......؟''

لوئیسا نے بولنے کی کوشش کی۔ لیکن اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔'' کیسے...... کیسے...... کیسے......؟''

ٹام نے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے کاؤچ کی طرف لے چلا۔

لوئیسا نے بیٹھ کر گہری سانسیں لیں اور پوچھا...... ''ہوا کیا......؟''

''ڈینوور سے چند میل باہر اس کا جہاز پہاڑ سے ٹکرا گیا......''

لوئیسا کو چکر آنے لگے۔'' ٹام...... پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دو''۔

ٹام کی نگاہوں میں اس کیلئے فکرمندی تھی۔'' لوئیسا...... یہ مناسب نہیں۔ میں تمہیں کیسے اکیلا......''

''میرا خیال رکھنے کا شکریہ ٹام۔ لیکن پلیز...... مجھے تنہائی کی ضرورت ہے''۔

ٹام چند لمحے کھڑا رہا۔ وہ ہچکچا رہا تھا۔ پھر اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔'' تمہارے پاس میرا فون نمبر موجود ہے۔ ضرورت محسوس کرو تو بلاتکلف کال کر لینا''۔

لوئیسا نے جیسے سنا ہی نہیں۔ اسے ٹام کے جانے کا بھی پتا نہیں چلا۔ وہ شاک کی حالت میں بیٹھی تھی، جیسے کسی نے اسے خود اس کی اپنی موت کی اطلاع دی ہو۔ اس کے تصور میں بچپن کی یادیں متحرک ہو رہی تھیں۔

(جاری ہے)

دجال

قسط نمبر: 20

علیم الحق حقی

گیری ہمیشہ سے اس کا محافظ رہا تھا۔لڑکے اسے موٹی ڈبل روٹی، بھینس اور ہتھنی کہہ کر پکارتے تو گیری ان کی مرمت کرتا۔وہ بڑے ہوئے تو گیری ہی اسے بیس بال کے گیم دکھانے لے جاتا۔وہ اس کی فکر کرتا، اس کا خیال رکھتا۔آخری بار وہ ابھی ایک ہفتہ پہلے ہی یکجا ہوئے تھے۔

لوئیسا اس ملاقات کو اپنے ذہن میں تازہ کرنے لگی۔اس کی آنکھیں بھر آئیں۔وہ ڈائننگ روم میں کھانے کی میز پر بیٹھے تھے۔''تم کھا نہیں رہے ہو گیری؟''

''کھانا تو بہت لذیذ ہے سس۔بس مجھے بھوک نہیں ہے''۔

وہ اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔''تم مجھے کچھ بتانا چاہتے ہو گیری؟''

''تمہیں ہمیشہ پتا چل جاتا ہے۔ہے نا؟''

''اور اس کا تعلق تمہاری جانب سے ہے تمہارے کام سے ہے''۔

''ہاں''۔گیری نے کھانے کی پلیٹ سامنے سے ہٹادی۔''میرا خیال ہے، میری زندگی خطرے میں ہے''۔

لوئیسا بری طرح چونکی۔''کیا...... کیا کہہ رہے ہو؟''

''سس...... دنیا میں صرف چھ سات افراد ہی جانتے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔پیر کو میں یہاں آؤں گا...... رات کو رکنے کے لئے۔منگل کو مجھے واشنگٹن جانا ہے''۔

''واشنگٹن کیوں؟''

''اکابرین کو پرائما کے بارے میں بتانے کے لئے''۔گیری نے کہا اور پھر اسے تفصیل بتانے لگا۔

اور اب گیری مر چکا تھا۔اس نے کہا تھا...... اور ٹھیک کہا تھا کہ اس کی زندگی کو خطرہ ہے۔اس کا مطلب ہے کہ اس کی موت حادثاتی نہیں تھی۔اسے قتل کیا گیا ہے۔

لوئیسا نے گھڑی میں وقت دیکھا۔رات کافی ہوگئی تھی۔ابھی تو کچھ نہیں کیا جاسکتا۔لیکن صبح ہوتے ہی وہ فون کرے گی۔یوں وہ قاتل سے اپنے بھائی کے قتل کا انتقام لے سکے گی۔گیری نے جو کرنے کا فیصلہ کیا تھا، اب وہ کرے گی۔

اسے کمزوری کا شدید احساس ہو رہا تھا۔کاؤچ سے اٹھنا بھی اس کے لئے آسان نہیں تھا۔اس نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا اور اب تو کھانے کے خیال سے بھی اس کا جی متلا رہا تھا۔

جیسے تیسے وہ اٹھی اور بیڈ روم میں جا کر بستر پر ڈھیر ہوگئی۔کچھ دیر وہ اونگھتی رہی۔پھر اسے گہری نیند آ گئی۔

وہ خواب دیکھ رہی تھی۔وہ اور گیری ایک تیز رفتار ٹرین پر سوار تھے۔جس بوگی میں وہ دونوں تھے، اس میں موجود ہر مسافر سگریٹ پی رہا تھا۔اس کے نتیجے میں گرمی کا احساس بھی ہو رہا تھا اور بوگی میں دھواں بھر جانے کی وجہ سے دم بھی گھٹ رہا تھا۔وہ کھانس رہی تھی......

اس کی آنکھ کھانسی ہی کی وجہ سے کھلی اور آنکھ کھلتے ہی اسے شاک لگا۔اس کے بیڈ روم میں آگ لگی ہوئی تھی۔آگ کے شعلے پردوں تک پہنچ گئے تھے اور کمرے میں دھواں بھر گیا تھا۔

لوئیسا لڑکھڑاتی ہوئی بیڈ سے اٹھی۔اس سے سانس بھی نہیں لیا جا رہا تھا۔وہ لڑکھڑاتی ہوئی نشست گاہ میں آئی۔وہ تو پوری طرح آگ میں گھری ہوئی تھی اس نے دروازے کی طرف بڑھنے کی کوشش کی۔لیکن اس کی ٹانگیں اس کا بوجھ نہ سہار سکیں اور وہ ڈھیر ہوگئی۔

اس کی یادداشت میں آخری منظر بھڑکتے ہوئے پرشور شعلوں کا تھا، جو بھوکے درندوں کی طرح اس کی طرف لپک رہے تھے!

چھوٹے سے پروجیکشن روم میں نم تاریکی تھی۔پردے کھنچے ہوئے تھے۔وہاں موجود چند افراد بہت نروس نروس سے کسی کے منتظر تھے۔ان میں سے ایک تو جلدی جلدی سگریٹ کے کش لے رہا تھا، جیسے سگریٹ ختم ہوتے ہی اسے سکون آ جائے گا۔دوسرا کمرے میں ادھر ادھر پھرتے ہوئے کرسیوں کو یوں سیدھا کر رہا تھا، جیسے وہ ٹیڑھی رکھی ہوں۔تیسرا دانتوں سے اپنی انگلیوں کے ناخن کاٹے جا رہا تھا۔اور وہ تینوں ایک دوسرے سے باتیں بھی کئے جا رہے تھے...... چھوٹے چھوٹے بے ربط جملوں میں۔اور وہ بار بار ہنس بھی رہے تھے...... بے معنی ہنسی! ان کے انداز میں خوش امیدی بھی تھی اور اندیشے بھی۔

دروازہ کھلا اور روشنی راہ داری سے کمرے میں در آئی۔ایک لمحہ ڈیکین تھورن دروازے میں کھڑا رہا۔چھ فٹ اونچا، کسرتی جسم کا مالک خوب رو ڈیکین تھورن جو بورڈ کا چیئر مین تھا۔حال میں ہی ایک بڑے میگزین نے اسے مغربی دنیا کے تین اہم ترین کنوارے مردوں میں شامل کیا تھا۔تھورن کارپوریشن کا سب سے بڑا اسٹاک ہولڈر ہونے کی حیثیت سے وہ دنیا کے امیر ترین افراد میں سے ایک تھا۔جبکہ ابھی اس کی عمر 33 سال بھی نہیں تھی۔

(جاری ہے)

دجال

قسط نمبر: 21 علیم الحق حقی

تھورن کمرے میں چلا آیا۔اس کے پیچھے اس کا پرسنل اسسٹنٹ بھی تھا۔"جنٹلمین۔"اس نے دھیرے سے کہا۔

"ڈیمین۔"وہ سب بہ یک آواز بولے۔

ڈیمین پہلی قطار میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔"ہاروے ڈین سے تو آپ سب واقف ہیں۔"

ڈین نے سرخم کرتے ہوئے ان کو دیکھا۔وہ چالیس سال کا دبلا پتلا آدمی تھا۔اس کی نقل وحرکت سے نروس انرجی خارج ہوتی محسوس ہورہی تھی۔اس نے باری باری سب کو دیکھا۔جواب میں وہ سب مسکرائے۔وہ سب جانتے تھے کہ ہاروے ڈین وہ پل ہے جو انہیں چیئرمین تک پہنچا سکتا ہے۔ایک ایگزیکٹو کو تو کہنا تھا کہ ہٹلر کے لئے بورمین کی جو حیثیت تھی، وہی ڈیمین تھورن کے لئے ہاروے ڈین کی ہے لیکن اس تبصرے نے اس ایگزیکٹو کی فوراً ہی چھٹی کرادی تھی۔

وہ سب بیٹھ گئے۔ڈیمین کے اشارے پر لائٹ آف کردی گئی۔دوسرے لوگ تو پلکیں جھپکا رہے تھے لیکن مادہ گیدڑ کے پیٹ سے پیدا ہونے والے ڈیمین کی نظر فوراً ہی اندھیرے سے ہم آہنگ ہوگئی تھی۔

ایک لمحے بعد اسکرین روشن ہوگئی۔وہ تیز طوفانی ہوا کا منظر دیکھ رہے تھے۔چنگھاڑتی ہوئی ہوا کی غراہٹیں دھیمی ہوتے ہوتے دم توڑنے لگیں۔یہاں تک کہ خاموشی چھا گئی۔ریت بھی صحرا کے سینے پر بیٹھ گئی۔وہ بہت بڑا صحرا تھا۔

ڈیمین کے پیچھے بیٹھے ہوئے لوگوں نے اپنی سانسیں روک لی تھیں۔

پروجیکشن روم میں نصب چار اسپیکر زپر مبصر کی آواز ابھری۔"پچاس ہزار سال پہلے انسانیت کو پہلی بار اس خطرے کا سامنا کرنا پڑا تھا کہ نسل انسانی مٹ بھی سکتی ہے......"

ڈیمین اپنا کان کھجانے لگا......

"وہ ایک تباہ کن قحط تھا جو عناصر فطرت کی وجہ سے رونما ہوا۔تاریخ میں اسے برف کے زمانے کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔یہ پانچ ہزار برسوں پر محیط تھا۔ان کے نتیجے میں 80 فیصد زمین ناقابل کاشت ہوگئی اور آبادی کے قابل نہیں رہی۔مزید برآں اس کے نتیجے میں بیشتر مخلوقات فنا کے گھاٹ اتر گئیں......ماسوائے ان کے جو بے حد سخت جان تھیں......"

اسکرین پر ابتدائی زمانے کے ایک غار کی ڈرائنگ نمودار ہوگئی تھی۔

"ان مخلوقات میں سے ایک انسان بھی تھا۔"مبصر کہہ رہا تھا۔"لیکن ہر تخریب تعمیر کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔اس تباہی کے عقب سے ایک نیا عہد طلوع ہوا......ایک نئی امید!سرخاب کی طرح انسان بھی اس برفانی تباہی سے ابھرا اور اس طرح کہ اس کی آنکھوں میں نئے خواب تھے اور دل میں ان کی تعبیر کی آرزو......"

اب اسکرین پر پالا مارے ایک اجڑے ہوئے کھیت کا منظر نظر آرہا تھا۔

"اس وقت سے اب تک انسانیت ایسی بے شمار تباہیاں دیکھ چکی ہے۔میں نے ان گنت مہیب اور ہلاکت خیز خطرات کا سامنا کیا ہے لیکن ان میں سے کوئی خطرہ ایسا مہیب نہیں تھا جیسے خطرے کا وہ اس وقت سامنا کررہی تھی۔گزشتہ دہائی کے معاشی بحران کے نتیجے میں افراط زر کی شرح خطرناک حد تک بڑھی ہے۔غذائی پیداوار میں خطرناک حد تک کمی ہوئی اور طوائف الملوکی عام ہوگئی۔

ڈیمین نے بے اختیار اپنے نچلے ہونٹ پر زبان پھیری۔اس کے پیچھے کھڑے شخص نے اپنے برابر والے کو کہنی سے ٹھوکا دیا اور آنکھ ماری۔

"کچھ لوگ اس قحط عظیم قرار دیتے ہیں۔دوسرے اسے ارمگیڈون کہتے ہیں......دنیا کے اس خاتمے کا آغاز جس کے بارے میں پیغمبر خبردار کرتے رہے ہیں لیکن اس بدترین صورتحال میں بھی ایک امید افزا آواز ابھرتی ہے جو مستقبل پر یقین رکھتی ہے، جو حوصلہ بڑھاتی ہے......اور وہ آواز ہے تھورن......"

اسکرین پر تھورن بلڈنگ کا منظر ابھر آیا۔اس بلڈنگ کا جس میں وہ اس وقت بیٹھے تھے۔رات کے آسمان کے سینے کو چھوتی ہوئی بلڈنگ......جس کی روشن کھڑکیاں صرف T کی شکل بنارہی تھیں۔

"جہاں کہیں بھی قحط پڑا یا کوئی وبا پھوٹی، سب سے پہلے تھورن انڈسٹریز ہی دکھی انسانیت کے لئے میدان میں اتری......"

اسکرین پر اب دنیا کا نقشہ دکھائی دے رہا تھا جس پر جابجا روشن بلب تھورن کارپوریشن کی موجودگی ظاہر کررہی تھی۔

......انہوں نے ٹیکنالوجی، اپنی جدید ترین تحقیق اور تمام وسائل بروئے کار لاتے ہوئے مسائل کے خلاف موثر جنگ چھیڑی تاکہ انسان کے دکھوں اور مصائب کو کم کیا جاسکے اور مستقبل کی خوش حالی کی بنیاد ڈالی جائے......"چند لمحے کے توقف کے بعد دوسرے مبصر کی آواز ابھری۔تھورن......ایک نئے اور بہتر کل کی تعمیر کی سمت میں راہ دکھانے والی سب سے معتبر روشنی......"

اور کمرشل ختم ہوگیا۔پروجیکشن روم میں روشنی ہوگئی۔وہاں موجود سب لوگ پلکیں تک جھپکانے سے گریز کررہے تھے۔ان کی نظریں ڈیمین کے سر کے پچھلے حصے پر جمی تھیں۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر ان میں سے ایک نے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔"کیا خیال ہے جناب؟"

"بڑی زبردست تباہی دکھائی گئی ہے۔"ڈیمین نے کہا۔

وہ سب زبردستی کی ہنسی ہنسنے لگے۔

لیکن ڈین ان میں شامل نہیں تھا۔"میرا خیال ہے، ناظرین ایسی چیزوں پر زیادہ توجہ نہیں دیتے۔"

ڈیمین اٹھا اور اس نے پہلی بار پلٹ کر ان لوگوں کو دیکھا۔"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔"اس نے کہا۔"یہ تو ایک طرح کی خود ستائی ہے جو کسی کو بھی اچھی نہیں لگتی۔"

(جاری ہے)

پیچھے بیٹھے ہوئے لوگ اپنی سیٹوں پر پہلو بدل کر رہ گئے۔

''میں نے کہا تھا، میں لفظ نہیں، ایکشن چاہتا ہوں۔'' ڈیمین نے کہا۔ ''میں تھورن کارپوریشن کو کام کرتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس کے کام کے بارے میں قصیدے سننے کی مجھے کوئی خواہش نہیں۔''

ان تینوں کی تھوڑیاں ان کے سینوں سے جا ملیں۔ اب وہ پلکیں جھپکا رہے تھے۔ ڈیمین سے آنکھیں چرا رہے تھے۔

''بھوک سے نڈھال بچے تھورن انڈسٹریز کے سویابین سے پیٹ بھرتے ہوئے...... ہزاروں بچے۔'' ڈیمین نے کہا۔ ''تھورن کی میڈیکل ٹیمیں میدان عمل میں۔ تھورن کنسٹرکشن۔ تھورن انجینئرنگ......'' وہ کہتے کہتے رکا اور اس شخص کی طرف متوجہ ہو گیا، جس نے سب سے پہلے زبان کھولی تھی۔ ''لیکن تم نے کیا کیا کمرشل کا آدھا وقت تم نے برف کے زمانے کی نذر کر دیا...... اور وہ بھی تیسرے درجے کی فلموں کے سے اسٹائل میں۔''

اس کی گہری نگاہ اس شخص کے وجود کو چھید رہی تھی۔ اور وہ بے چارہ سوچ رہا تھا۔ وہ وقت، وہ بھاری رقم اور وہ تخلیقی صلاحیت، وہ اجتماعی محنت جو اس کمرشل پر صرف کی گئی...... کیا حاصل ہے اس کا؟ کیا یہ کہ میں اس وقت خود کو اس مچھلی کی طرح محسوس کر رہا ہوں، جو چارے کے ساتھ کانٹا بھی نگل چکی ہے۔

ڈیمین نے ان سبھوں کو نظر انداز کر دیا اور اپنے اسسٹنٹ کی طرف مڑا۔ ''ہمارے پاس آسٹریلین خشک سالی کی امداد والی فلم ہے؟''

ہاروے ڈین نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''لیکن کوئی خاص نہیں۔ اور کئی بار ٹی وی پر دکھائی بھی جا چکی ہے۔''

ڈیمین ایڈورٹائزنگ والوں کی طرف مڑا۔ ''ٹھیک ہے'' ''ہم تمہارے لئے کچھ تلاش کریں گے۔ اس نے کہا۔'' اس وقت تک پرانا کمرشل ہی چلاتے رہو۔ لیکن میں یہ کمرشل......'' اس نے اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔ ''...... دیکھنا ہرگز پسند نہیں کروں گا۔ اب تم جا سکتے ہو۔''

اس کے ساتھ ہی وہ پلٹا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ہاروے ڈین اس کے پیچھے تھا۔

''گڈ بائی مسٹر تھورن'' وہ تینوں منمنائے۔ لیکن اس بار انہیں کوئی جواب نہیں ملا۔

ڈیمین راہداری میں اپنے آفس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ہاروے ڈین اس کے قدم سے قدم ملانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''آنے والے پروگراموں کے بارے میں کچھ بتاؤ۔'' ڈیمین نے کہا۔

''اگلے ہفتے بوٹس وانا اور اس کے بعد اسوان ڈیم'' ہاروے ڈین نے کہا۔ وہ جانتا تھا بوٹ وانا ٹیڑھی کھیر ہے۔ ان کی ٹیم وہاں پہنچ چکی تھی۔ اس کا اندازہ تھا کہ تین چار دن میں وہاں انقلاب آئے گا۔ خوں ریزی ہو گی۔ ہزاروں کی تعداد میں پناہ گزین ہوں گے اور انہیں غذا درکار ہو گی۔ تھورن انڈسٹریز اس کے لئے تیار تھی۔ اور جہاں تک ڈیم کا تعلق تھا، تیاریاں ابھی جاری تھیں۔ نہایت قوی امکان تھا کہ آپریشن بھی کامیابی سے ہمکنار ہو گا۔

''ایکسپلوزیو والے بہترین ہونے چاہئیں ڈیم کیلئے۔'' ڈیمین نے اسے چونکا دیا۔

''اس کی کیا ضرورت ہے سر۔ ٹیز ٹکنیکلی ہے نا؟''

''تیز بارش برس سکتا ہے، طوفان باد و باران، سیلاب لا سکتا ہے۔ لیکن ڈیم کا ٹوٹنا اور بات ہے۔ کسی بھی وقت ایکسپلوزیوز کے استعمال کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ مقررہ وقت پر بم نہ ٹوٹا تو تخریب کاری تو کرنی پڑے گی نا۔''

''جی سر۔ ایکسپلوزیو والوں کی ٹیم وہاں موجود ہے۔ ان کا مسٹر بوہر سے رابطہ ہے۔''

ڈیمین مسکرایا۔ پال بوہر، کارپوریشن کا صدر، اس کے بعد نمبر دو۔ وہ جس پروجیکٹ پر کام کرتا تھا، اس میں ناکامی کا سوال ہی نہیں تھا۔

(جاری ہے)

دجال

قسط نمبر: 23

علیم الحق حقی

اب وہ استقبالیہ کاؤنٹر کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ وہاں بیٹھی دو عورتوں نے اسے بہت غور سے دیکھا۔ لیکن ڈیمین نے انہیں نظر انداز کر دیا۔ وہ اپنے آفس کی طرف بڑھتا رہا۔ ''ہم کوئی فلم یونٹ بروقت بوٹس وانا پہنچا سکیں گے؟'' اس نے پوچھا۔

لیکن امدادی ٹیم کو انقلاب سے پہلے نہیں بھیجا جا سکتا۔ اور انقلاب کے بارے میں صرف قیاس کیا جا سکتا ہے۔ یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''

ہاروے ڈین اپنے باس کے پیچھے اس کے آفس میں داخل ہوا اور عقب میں دروازہ بند کر لیا۔ آفس کی آرائش میں مردانہ پن ذرا بھی نہیں تھا۔ بلکہ اس میں نسوانیت تھی۔ لیکن کوئی اس پر مذاق کے پیرائے میں تبصرہ نہیں کر سکتا۔ کارپوریشن کا دوسرا بڑا پال بوہر بھی نہیں۔ پال بوہر نے اس آرائش پر البتہ تبصرہ ضرور کیا تھا۔ لیکن پہلے اس نے ڈیمین کا موڈ دیکھا تھا۔ اور پال بوہر جانتا تھا کہ ڈیمین کے سامنے بات کرنا ممکن ہے۔ لیکن اس کی پیٹھ پیچھے بات کرنا سخت مخدوش ہے۔ یہی نہیں، ڈیمین سے منظوری لئے بغیر وہ کسی منصوبے پر عمل پیرا ہونے کی جرات بھی نہیں کرتا تھا۔ یہ بات اس نے بیس سال پہلے رچرڈ تھورن سے اس وقت سیکھی تھی، جب وہ نیا نیا کمپنی کا صدر بنا تھا۔

ڈیمین اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ''تو اسوان ڈیم کیلئے تم اپنی پبلسٹی ٹیم کو وہاں پہنچا سکتے ہو؟''

ہاروے ڈین نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہماری امدادی ٹیم کو بھرپور کوریج ملنی چاہئے۔ اور ہاں، خیال رہے کہ ریڈ کراس والے بھی اس معاملے میں ہم سے آگے نہ نکلنے پائیں۔''

ڈین مسکرایا۔ اسے ایک زبردست آئیڈیا سوجھا تھا۔ ''آپ خود وہاں کیوں نہیں چلے جاتے۔'' اس نے کہا۔ ''کیسی زبردست خبر بنے گی۔ ڈیمین تھورن بہ نفس نفیس امدادی ٹیم کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ واہ...... ہے نا شاندار؟''

''شاندار تو ہے۔ لیکن ممکن نہیں۔'' ڈیمین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ہاروے ڈین سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

''میں جا نہیں سکتا۔ میرا یہاں موجود رہنا ضروری ہے۔''

ہاروے ڈین کی سمجھ میں سوچنے پر بھی نہیں آیا کہ یہاں ایسا کون سا کام ہے۔ آخر اس نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔ ''کیوں سر؟''

''میں چاہتا ہوں کہ صدر امریکا کو میری ضرورت پڑے تو میں دستیاب ہوں۔''

کسی اور نے یہ بات کہی ہوتی تو ہاروے ڈین کو نہایت مضحکہ خیز لگتی۔ اب بھی اسے ایسا لگ رہا تھا کہ ڈیمین تھورن نے مذاق میں یہ بات کہی ہے۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ ڈیمین تھورن مذاق کبھی نہیں کرتا۔

''وہ مجھے برطانیہ میں سفیر کا عہدہ پیش کرنے والا ہے۔'' ڈیمین نے وضاحت کی۔

ہاروے ڈین نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ پھر کندھے جھٹک دیئے۔ وہ گنگ ہو کر رہ گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

ڈیمین اٹھ کر کتابوں کے شیلف کی طرف بڑھ گیا۔ ''بک آف ہیمرون کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟''

''کیا...... کیا نام لیا آپ نے؟'' ہاروے ڈین چکرا گیا۔ پہلے برطانیہ کا تذکرہ اور اب یہ بک آف...... باس تو لحموں میں باتیں کر رہا ہے۔ اس نے سوچا۔

ڈیمین نے شیلف سے ایک کتاب نکالی۔ ''اس کتاب پر نہ یہودی یقین رکھتے ہیں اور نہ پروٹسٹنٹ۔ میں تمہیں اس میں سے کچھ سناتا ہوں'' ڈیمین نے کہا اور کتاب کھول کر ورق گردانی کرنے لگا۔ مطلوبہ صفحہ کھلا تو اس نے پڑھنا شروع کیا۔ ''عرصہ آخر میں سو بیس اور تین دن اور راتوں میں درندے کی حکمرانی ہوگی اور ایمان والے چلا چلا کر فریاد کریں گے...... خداوند، شیطان کے اس عہد میں تو کہاں ہے۔ مدد کیوں نہیں کرتا ہماری اور خدا ان کی دعائیں سن لے گا۔ فرشتوں کے جزیرے میں وہ ایک نجات دہندہ پیدا فرمائے گا...... خدا کی مقدس بھیڑ جو درندے سے جنگ کرے گی اور درندے کو پوری طرح تباہ و برباد کر دے گی......'' اس نے کتاب بند کر کے دوبارہ شیلف میں رکھ دی۔ ''کچھ سمجھے۔ یہ سو بیس اور تین دن رات ان سات برسوں کا حوالہ ہے ایک نرالے انداز بیان میں...... ان سات برسوں کا جو میں نے تھورن کارپوریشن کے سربراہ کی حیثیت سے گزارے ہیں......''

ہاروے ڈین کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

''اور فرشتوں کا جزیرہ انگلینڈ ہے۔'' ڈیمین نے کچھ توقف کے بعد کہا۔

ہاروے ڈین کی سمجھ میں کچھ کچھ آنے لگا تھا۔

''مجھے یہ پیش گوئی غلط ثابت کرنی ہے...... اور میں کر کے رہوں گا۔ تباہ درندہ نہیں ہوگا۔ بلکہ فرزا رین ہوگا۔ میں مقدس بھیڑ کو پیدا ہوتے ہی ختم کر دوں گا......''

اور اس کے لئے باس کو انگلینڈ جانا ہے۔ ہاروے ڈین نے سوچا ''لیکن برطانیہ میں ہمارے سفیر کا کیا ہوگا۔ اس کی موجودگی میں تو آپ سفیر بن کر نہیں جا سکتے۔''

ڈیمین مسکرایا۔ اس وقت وہ کچھ کہنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ وہ مسکراہٹ ہی اس کا جواب تھی۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر ڈیمین نے کہا۔ ''تیز کنگسلے کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے نا؟ مجھے اس کی ذاتی سرگرمیوں پر، اس کی دولت کمانے کی خواہش پر کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن ہمارا کام وقت پر ہونا چاہئے۔''

''میں نے اسے سمجھا دیا ہے سر...... لیکن ہم کنگسلے انٹرنیشنل گروپ کو ہتھیا کیوں نہیں لیتے؟''

(جاری ہے)

''میں نیک نامی کمانا چاہتا ہوں۔ یوں میرا کام آسان...... بہت آسان ہو جائے گا اور میں بدنامی کا ذرا بھی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔ کے آئی جی کسی بھی وقت بدنامی کی لپیٹ میں آ سکتا ہے۔ اس وقت وہ ایسی ہی صورتحال سے دوچار ہے۔''

ہاروے ڈین نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ حالانکہ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا تھا۔

خوش قسمتی کا وہ عرصہ کیلی کے لئے بے حد بیش تاثیر بھی تھا اور تیز رفتار بھی۔ اس نے ماڈلنگ کے اسرار و رموز بہت تیزی سے سیکھے۔ لیکن اسے اب بھی اپنی خوب صورتی کا یقین نہیں تھا۔

بہرحال وہ راتوں رات اسٹار بن گئی۔ اس کے انداز میں مردوں کے لئے ایک فطری چیلنج تھا۔ وہ ایسا تاثر چھوڑتی تھی، جیسے اسے چھونا ممکن نہ ہو، جیسے وہ کسی کی پہنچ میں نہ ہو۔ دو سال کے اندر اس کا شمار صف اول کی ماڈلز میں ہونے لگا۔ متعدد ممالک میں وہ بے شمار مصنوعات کی تشہیر میں حصہ لے رہی تھی۔ اس کا زیادہ وقت پیرس میں گزرتا تھا۔ کیونکہ ایجنسی کے اہم ترین کلائنٹس کا تعلق پیرس سے تھا۔

ایک بار وہ کام کے سلسلے میں نیویارک آئی تو اپنی ماں سے ملنے گئی۔ اتھل بہت بوڑھی لگنے لگی تھی۔ اس نے سوچا کہ ماں کو بھی یہاں سے نکالنا ہوگا۔ ایک اپارٹمنٹ لے کر ماں کو وہاں رکھا جائے اور اس کا خیال رکھا جائے۔

اتھل اس سے مل کر بہت خوش ہوئی۔ ''مجھے تمہاری کامیابی پر خوشی ہے کیلی اور ہر ماہ جو تم چیک بھیجتی ہو، میں اس پر شکرگزار ہوں''

''یہ تو میرا فرض ہے مما۔ مگر میں نے سوچا ہے کہ تمہیں یہاں سے نکالا جائے......''

اسی وقت اس کا سوتیلا باپ آ گیا۔ ''اوہو...... ملکہ عالیہ تشریف لائی ہیں۔'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''اب یہاں تمہارا کیا کام؟''

کیلی نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ وہ ماں سے تنہائی میں بات کرنا چاہتی تھی۔ چلو، پھر کبھی سہی!

نیویارک میں اسے ایک اور ذمے داری پوری کرنی تھی۔ وہ پبلک لائبریری گئی، جہاں اس نے بہت اچھا وقت گزارا تھا۔ وہ لائبریری میں داخل ہوئی تو اس کے ہاتھ میں چند فیشن میگزین تھے اور ذہن میں یادوں کا ہجوم۔

مسز ہوسٹن اپنی ڈیسک پر موجود نہیں تھی۔ وہ ایک شیلف کے پاس کھڑی تھی۔ اس نے بہت خوبصورت لباس پہنا ہوا تھا اور وہ بہت خوبصورت اور تازہ دم لگ رہی تھی۔ اس نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی تو دیکھے بغیر کہا۔ ''ایک منٹ۔ میں ابھی حاضر ہوتی ہوں۔'' پھر کتابیں شیلف میں لگانے کے بعد اس نے سر گھما کر دیکھا۔ ''ارے...... کیلی!'' اس کے لہجے میں حیرت بھی تھی اور محبت بھی اور وہ اس کی طرف لپکی۔

دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔ پھر مسز ہوسٹن نے اسے پیچھے ہٹا کر بہت غور سے دیکھا۔ ''مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ یہ تم ہو۔ تم یہاں کیا کر رہی ہو۔ تمہیں تو پیرس میں ہونا چاہئے تھا۔''

''میں کسی سے ملنے آئی ہو...... مما سے...... اور تم سے۔''

''تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ مجھے تم پر کیسا فخر ہے۔''

''مسز ہوسٹن، مجھے یاد ہے، میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں۔ آج میں آپ کے پسندیدہ انداز میں آپ کا شکریہ ادا کرنے آئی ہوں۔'' یہ کہہ کر کیلی نے وہ میگزین مسز ہوسٹن کی طرف بڑھا دیئے۔ ان میں کاسموپولیٹن، واگ اور وینٹی فیئر کے وہ تمام شمارے تھے، جن کے سرورق پر اس کی تصویر چھپی تھی۔

''بہت خوبصورت۔'' مسز ہوسٹن مسکرائی۔ ''میں بھی تمہیں کچھ دکھاتی ہوں۔'' اس نے ریک سے وہی تمام میگزین اٹھائے، جو الگ رکھے تھے۔

''میں کیسے آپ کا شکریہ ادا کروں مسز ہوسٹن۔ آپ نے میری زندگی بدل دی۔''

''نہیں کیلی۔ سب کچھ تم نے خود کیا ہے۔ میں نے تو بس تمہیں ہلکا سا پش کیا تھا اور کیلی......''

''جی مسز ہوسٹن۔''

''تمہاری مہربانی سے میں فیشن فوٹوگرافر بن گئی ہوں۔''

کیلی کو اپنی نجی زندگی بہت عزیز تھی۔ اس لئے شہرت اس کے لئے مسئلہ بھی بن گئی تھی۔ فوٹوگرافرز سے وہ بہت گھبراتی تھی۔ اجنبی لوگ اس سے مل بیٹھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس سے بھی اسے بہت الجھن ہوتی تھی۔

اب وہ مارک سے اپنی پہلی ملاقات یاد کر رہی تھی......

وہ جارج ففتھ ہوٹل کے لی سنک ریسٹورنٹ میں لنچ کر رہی تھی کہ بہت برے لباس میں ایک شخص رک کر اسے گھورنے لگا۔ اس کے چہرے پر زردی بلکہ بے رنگی تھی۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ اس کا زیادہ وقت ان ڈور سرگرمیوں میں گزرتا ہوگا۔ اس کے ہاتھ میں ایلے میگزین کا شمارہ تھا اور کھلے صفحے پر کیلی کی تصویر نظر آ رہی تھی۔

''ایکسکیوز می۔'' اجنبی شخص نے کہا۔

کیلی نے بدمزگی سے اسے دیکھا اور چڑچڑے پن سے بولی۔ ''جی...... فرمایئے؟''

''میں نے یہ آرٹیکل پڑھا آپ کے بارے میں پڑھا۔ اس میں لکھا ہے کہ آپ فلاڈلفیا میں پیدا ہوئیں......'' اس کے لہجے میں زور بڑھ گیا۔ ''میں بھی وہیں پیدا ہوا تھا۔ پھر میں نے آپ کی تصویریں دیکھیں۔ مجھے لگا کہ جیسے میں آپکو پہلے سے جانتا ہوں اور......''

''لیکن آپ مجھے نہیں جانتے۔'' کیلی نے سرد لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ ''اور مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ اجنبی لوگ مجھے تنگ کریں......''

وہ نروس نظر آنے لگا۔ ''آئی ایم سوری۔ میں اجنبی تو نہیں...... میرا مطلب ہے، میرا نام مارک ہیرس ہے اور میں کنگسلے انٹرنیشنل میں کام کرتا ہوں۔ ابھی میں نے آپ کو یہاں دیکھا تو...... مجھے خیال آیا کہ شاید آپ کو اکیلے لنچ کرنا اچھا نہ لگتا ہو اور میں آپ کا ساتھ......''

کیلی نے اسے کاٹ ڈالنے والی نظروں سے دیکھا۔ ''آپ کا خیال غلط تھا۔ اب آپ میری جان چھوڑ دیں......''

اس بار وہ بے چارہ ہکلانے لگا۔ ''میں...... میں آپ کو تنگ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں تو بس...... میں...... میں جا رہا ہوں......''

کیلی اسے جاتا دیکھتی رہی۔ شکر ہے، آسانی سے جان چھوٹ گئی۔ اس نے سوچا۔

اگلے روز وہ چند رسالوں کے لئے لے آؤٹ کر رہی تھی۔ وہ ڈریسنگ روم میں لباس تبدیل کر رہی تھی کہ وہ تین درجن گلاب آئے، پھولوں کے ساتھ کارڈ تھا، جس پر لکھا تھا۔ مجھے معاف کر دیں کہ میں نے آپ کو پریشان کیا۔ مارک ہیرس۔

کیلی نے کارڈ کو فوراً پھاڑ کر پھینک دیا۔ ''یہ پھول بچوں کے اسپتال بھیج دو۔'' اس نے کہا۔

اگلی صبح اس کی وارڈروب مسٹریس ڈریسنگ روم میں آئی اور ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھایا۔ ''یہ کوئی تمہارے لئے دے گیا تھا کیلی۔''

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

اس بار وہ لالہ کا محض ایک پھول تھا اور کارڈ پر لکھا تھا...... مجھے امید ہے کہ مجھے معاف کر دیا گیا ہے۔

کیلی نے کارڈ پھاڑ کر پھینک دیا اور مسٹریس سے کہا۔ ''پھول تم رکھ لو۔''

اس کے بعد مارک ہیرس کی طرف سے تحفہ آنا روز کا معمول بنگیا۔ کیلی ہر تحفہ پھینک دیتی تھی۔ مگر چوتھا تحفہ ذرا مختلف تھا۔ وہ فرانسیسی چھوٹی نسل کا ایک خوبصورت پلا تھا۔ اس کے گلے میں گلابی ربن تھا۔ منسلک کارڈ پر لکھا تھا...... یہ انجلو ہے۔ مجھے امید ہے، آپ بھی اس سے اتنی ہی محبت کریں گی، جتنی میں کرتا ہوں۔ مارک ہیرس۔

کیلی نے انکوائری فون کر کے کنگسلے انٹرنیشنل کا فون نمبر معلوم کیا۔ وہاں آپریٹر نے فون ریسیو کیا تو اس نے پوچھا۔ ''تمہارے ہاں کوئی مارک ہیرس کام کرتا ہے۔''

''جی اموزیل''۔ آپریٹر نے جواب دیا۔

''اس سے میری بات کراؤ۔''

''ہولڈ کیجئے......''

چند سیکنڈ بعد کیلی کو جانی پہچانی آواز سنائی دی۔ ''ہیلو......؟''

''میں کیلی بول رہی ہوں۔ میں نے تمہاری لنچ کی دعوت قبول کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

دوسری طرف چند لمحے خاموشی رہی...... بے یقینی بھری خاموشی۔ پھر مارک ہیرس نے کہا۔ ''واقعی......؟ یہ میرے لئے بہت بڑا اعزاز ہے۔''

''ایک بجے مجھے لارینٹ میں ملو۔''

''بہت شکریہ۔ میں...... میں......''

''میں ریزرویشن کرا لوں گی۔ گڈ بائی۔''

کیلی پلے کو گود میں اٹھائے لارینٹ ریسٹورنٹ پہنچی تو مارک ایک میز کے پاس کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ کیلی کو دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ ''مجھے یقین تھا کہ آپ آئیں گی'' اس نے کہا۔ ''اوہ...... آپ انجلو کو بھی لائی ہیں''۔

''ہاں'' کیلی نے کہا اور انجلو کو اس کی گود میں دے دیا۔ ''تمہیں اس کے ساتھ لنچ کرنا ہے''۔ اس نے سرد لہجے میں کہا اور واپسی کیلئے پلٹی......

''میں سمجھا نہیں۔ میرا خیال تھا......''۔

''میں آخری بار تمہیں سمجھا رہی ہوں۔ تم میرا پیچھا چھوڑ دو۔ میری بات سمجھ میں آ رہی ہے......''۔

مارک کا چہرہ تمتما اٹھا ''ج...... جی...... جی ہاں۔ آئی ایم سوری۔ میرا مقصد آپ کو...... میں آپ کو تنگ نہیں کر رہا...... اچھا پلیز...... آپ صرف ایک منٹ بیٹھ جائیں...... ایک بار...... صرف ایک بار میری بات سن لیں......''۔

کیلی انکار کرتے کرتے نجانے کیوں بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر غصہ تھا۔ ''ہاں...... بولو''۔

مارک نے ایک گہری سانس لی۔ ''میں درحقیقت بہت شرمندہ ہوں۔ میرا مقصد آپ کو پریشان کرنا، آپ کو غصہ دلانا نہیں تھا۔ پہلی بار جو میں نے بے ساختہ غلطی کی تھی، بعد میں، میں اس کا مداوا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور پہلی بار جو میں بے ساختہ آپ کی طرف بڑھا تو وجہ وہی تھی۔ میں نے آپ کی تصویر دیکھی تو مجھے ایسا لگا کہ میں آپ کو بہت پہلے سے جانتا ہوں۔ اور جب میں نے آپ کو سچ مچ دیکھا تو یہ تاثر اور بڑھ گیا۔ مم...... مم...... میں......'' اس کی آواز پھر لڑکھڑانے لگی ''...... مجھ سمجھ لینا چاہئے تھا کہ آپ جیسی خاتون مجھ جیسے آدمی میں دلچسپی نہیں لے سکتیں۔ سچ ہے، میں نے اسکول کے نادان بچوں جیسی حماقت کی۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کو کیسے بتاؤں کہ میں کیا محسوس کر رہا تھا......''۔ وہ چپ ہو گیا۔ اس لمحے وہ چھوٹا سا بچہ لگ رہا تھا، جو کوئی ممنوعہ حرکت کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہو۔ ''اصل میں مجھے اپنے جذبات، اپنے محسوسات کا اظہار کرنا نہیں آتا۔ میں پوری زندگی اکیلا رہا ہوں۔ کبھی کسی نے مجھے...... میں چھ سال کا تھا تو ماں باپ میں علیحدگی ہو گئی۔ دونوں کے درمیان میرے لئے...... میری خاطر قانونی جنگ ہوئی۔ میرے حصول کیلئے نہیں۔ وہ دونوں مجھ سے جان چھڑا کر مجھے ایک دوسرے پر تھوپنا چاہتے تھے......''۔

کیلی خاموش بیٹھی اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے الفاظ اس کے ذہن کو جھنجھوڑ رہے تھے...... اس کے وجود میں بھولی بسری یادیں جگا رہے تھے۔ تم نے پیدا ہونے سے پہلے ہی اس سے جان کیوں نہیں چھڑا لی؟ اس کا سوتیلا باپ اس کی ماں سے پوچھ رہا تھا۔

''میں کئی یتیم خانوں میں پلا بڑھا۔ وہاں کسی کو میری پروا نہیں......''۔

''یہ سب تمہارے انکل ہیں۔ انہیں پریشان نہ کرنا۔ ماں کہہ رہی تھی۔ کھانا بہت بدمزہ ہے...... یہ رنگ تم پر نہیں جچتا...... تم نے ابھی تک باتھ روم صاف نہیں کیا۔ یہ سوتیلے باپ کی آواز تھی......

''وہ چاہتے تھے کہ میں اسکول چھوڑ دوں اور ایک گیراج میں کام کروں۔ لیکن میں تو سائنسدان بننا چاہتا تھا۔ وہ کہتے تھے، میں کند ذہن ہوں......''

اب کیلی اس کا کہا ہوا ہر لفظ بہت غور سے سن رہی تھی۔ ساتھ ہی اسے ماضی کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

''میں کالج جانے کے خواب دیکھتا تھا اور وہ کہتے تھے کہ مجھے مستقبل میں جو کچھ کرنا ہے، اس کیلئے تعلیم کی بالکل ضرورت نہیں۔ جب مجھے ایم آئی ٹی میں اسکالرشپ ملا تو انہوں نے کہا کہ اب میری پول کھل......''۔

کیلی کو لگ رہا تھا کہ وہ اجنبی اسے اس کی کہانی سنا رہا ہے۔ اسی کے سینے میں اس کا دل پگھل رہا تھا۔

''اور اب میں کنگسلے انٹرنیشنل گروپ کی برانچ میں کام کر رہا ہوں۔ لیکن میں بہت اکیلا ہوں۔ بہت پہلے میں نے کہیں پڑھا تھا...... زندگی کی سب سے بڑی کامیابی اس شخص کو ڈھونڈتا ہے، جس سے آپ محبت کر سکیں اور جو آپ سے محبت کرتا ہو۔ اور میں اس پر یقین رکھتا ہوں، مگر طویل تلاش کے بعد اب میں ہار ماننے ہی والا تھا کہ میں نے تمہیں دیکھ لیا''۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ انجلو اس کی باہوں میں تھا ''میں سچ مچ بہت شرمندہ ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی تمہیں پریشان نہیں کروں گا۔ گڈ بائی''۔

وہ دو قدم آگے گیا تھا کہ کیلی نے اسے پکارا ''مسٹر...... میرے کتے کو تم کہاں لے جا رہے ہو؟''۔

مارک ہیرس پلٹا۔ اس کے چہرے پر الجھن تھی۔ ''میں...... میں سمجھا نہیں''۔

''انجلو میرا کتا ہے۔ تم نے مجھے دیا تھا۔ دیا تھا نا؟''۔

مارک کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ''لیکن ابھی تم نے کہا تھا......''۔

''ہم معاملات طے کر لیتے ہیں مسٹر ہیرس۔ انجلو میرے پاس رہے گا اور تم جب چاہو اس سے ملنے آ سکتے ہو''۔

مارک کی سمجھ میں بات چند لمحوں میں آئی۔ پھر اس کے ہونٹوں پر جگمگاتی ہوئی مسکراہٹ مچلی۔ ''تمہارا مطلب...... میں تم سے ملنے......؟''۔

''باقی باتیں رات کے کھانے پر طے کر لیں گے''۔ کیلی نے کہا۔

اس وقت کیلی کو خیال بھی نہیں تھا کہ وہ درحقیقت وہ خود کو قتل کا ہدف بنا رہی ہے...... اپنے قتل کا سامان کر رہی ہے!

..................×..................

پیرس...... فرانس

ایفل ٹاور خودکشی کیس کی تفتیشی رپورٹ

ریولی پولیس ہیڈکوارٹرز میں خودکشی کے اس کیس کے بارے میں تفتیش ہو رہی تھی۔ سراغ رساں آندرے بیلمندو اور پیٹر ماریس تفتیش کر رہے تھے۔ وہ 6 مئی تھی۔ پیر کا دن تھا۔ صبح کے دس بجے تھے۔ اور تفتیش رینی پاسکل سے کی جا رہی تھی۔

بیلمندو: موسیو پاسکل، ہمارے پاس یہ سوچنے کی معقول وجوہات ہیں کہ مارک ہیرس، جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ایفل ٹاور کی آبزرویشن ڈیک سے گر کر ہلاک ہوا، اسے درحقیقت قتل کیا گیا تھا۔

پاسکل: قتل؟ مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ حادثہ تھا۔

اور......

ماریس: گرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ڈیک کی دیوار کافی اونچی ہے۔

بیلمندو: اور یہ طے ہے کہ متوفی میں خودکشی کا رجحان بالکل نہیں تھا۔ اور اس نے اپنی بیوی کے ساتھ ویک اینڈ پر ایک پروگرام بھی بنا رکھا تھا۔ اس کی بیوی مشہور ماڈل کیلی ہے۔

پاسکل: آئی ایم سوری جنٹل مین۔ مجھے یہاں کیوں بلایا گیا ہے۔

ماریس: چند باتوں کی وضاحت کیلئے۔ آپ یہ بتائیں کہ اس رات ریسٹورنٹ کس وقت بند کیا گیا؟

پاسکل: دس بجے۔ طوفانی بارش کی وجہ سے ریسٹورنٹ خالی پڑا تھا۔ اس لئے میں نے معمول سے پہلے......

ماریس: لفٹس کس وقت بند کی گئیں؟

پاسکل: لفٹیں عام طور پر بارہ بجے تک چلتی ہیں۔ لیکن اس رات لوگ ہی نہیں تھے۔ میں نے دس بجے انہیں بند کر دیا۔

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

قسط نمبر: 26

بیلمندو: ان میں وہ لفٹ بھی تھی، جو آبزرویشن ڈیک تک جاتی ہے۔

پاسکل: جی ہاں۔

مارلیس: لفٹ کے بغیر بھی آبزرویشن ڈیک تک پہنچا جا سکتا ہے؟

پاسکل: جی نہیں۔ اس رات سب کچھ بند کر دیا گیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ......

بیلمندو: میں سمجھتا ہوں آپ کو۔ موسیو ہیرس کو ہاتھوں پر اٹھا کر آبزرویشن ڈیک سے نیچے پھینکا گیا تھا۔ ہم دیوار کو چیک کر چکے ہیں۔ اس کے اوپری کناروں پر رگڑ کے نشانات موجود ہیں۔ موسیو ہیرس کے جوتوں کے تلوں پر بھی سیمنٹ کے ذرات ملے ہیں۔ اور وہ ذرات دیوار کے سیمنٹ سے مطابقت رکھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر وہ فلور لاک تھا اور لفٹ بھی بند تھی تو وہ اوپر پہنچا کیسے؟

پاسکل: میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ لفٹ کے بغیر تو یہ ناممکن ہے۔

مارلیس: لفٹ تو استعمال ہوئی ہے۔ موسیو ہیرس کو اوپر لے جانے کیلئے......ان کے قاتلوں کو اوپر لے جانے......اور پھر نیچے لانے کیلئے۔

بیلمندو: عام لوگ لفٹ آپریٹ کر سکتے ہیں؟

پاسکل: نہیں۔ ڈیوٹی پر آپریٹر لفٹ کو کبھی خالی نہیں چھوڑتے۔ اور رات کو ہر لفٹ ایک مخصوص چابی کی مدد سے لاک کر دی جاتی ہے۔

مارلیس: چابیاں کتنی ہیں؟

پاسکل: تین۔ ایک میرے پاس رہتی ہے۔ اور دو نچلے کمرے میں مقفل دراز میں۔

بیلمندو: تمہیں یقین ہے کہ آخری لفٹ دس بجے لاک کر دی گئی تھی؟

پاسکل: جی ہاں۔

مارلیس: اس کو آپریٹ کون کر رہا تھا؟

پاسکل: جیرارڈ ٹوتھ۔

مارلیس: میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔

پاسکل: بات تو اس سے مجھے بھی کرنی تھی۔

مارلیس: کیا مطلب؟

پاسکل: اسی رات کے بعد سے جیرارڈ کام پر نہیں آیا ہے۔ میں نے اس کے اپارٹمنٹ فون کیا۔ کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے اس کے لینڈ لارڈ سے بات کی۔ اس کا کہنا ہے کہ جیرارڈ اپارٹمنٹ چھوڑ گیا ہے۔

مارلیس: اور اس کا نیا پتا؟

پاسکل: کسی کو نہیں معلوم کہ اب وہ کہاں ہے۔ وہ غائب ہو گیا ہے۔

..................x..................

''غائب ہو گیا؟ تم لفٹ آپریٹر کی بات کر رہے ہو یا کسی شعبدے باز جادوگر کی''۔ سیکریٹری جنرل کلاڈ رینارڈ نے کہا۔ وہ انٹرپول ہیڈکوارٹر کا انچارج تھا۔ وہ ایک پستہ قامت، لیکن توانائی سے بھرا آدمی تھا۔ اس کی عمر پچاس سے اوپر تھی۔ بیس برس کی محنت کے بعد کہیں وہ اس منصب تک پہنچا تھا۔

رینارڈ اس وقت انٹرپول ہیڈکوارٹرز میں ہونے والے ایک اجلاس کی صدارت کر رہا تھا۔ انٹرپول کا رابطہ 78 ممالک کی 126 پولیس فورسز سے رہتا ہے۔ کانفرنس ٹیبل پر اس وقت بارہ افراد موجود تھے اور وہ پچھلے ایک گھنٹے سے ڈیٹیکٹو بیلمند سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔

سیکریٹری جنرل رینارڈ نے تلخ لہجے میں کہا ''تم اور مارلیس اس وقت کا عقدہ حل نہیں کر سکے۔ تم یہی کہہ رہے ہو نا؟''۔

''ہم نے ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن معلومات......''۔

''کوئی بات نہیں۔ تم جا سکتے ہو''۔

''شکریہ سر''۔

بیلمند رخصت ہو گیا۔ کانفرنس میں شریک ایک شخص نے کہا۔ ''اس سے تو کوئی مدد نہیں ملی''۔

رینارڈ نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔ ''اس کی ہر بات سے اس کی شک کی تصدیق ہو رہی تھی، جو ہمارے ذہن میں پہلے سے موجود ہے''۔

وہ سب اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔

''جنٹل مین......یہ ایک پراسرار معمہ ہے۔ 15 سے میں یہاں کام کر رہا ہوں۔ ہم جنونی قاتل، بین الاقوامی گینگ اور ہر طرح کے جرائم کی تفتیش کرتے رہے ہیں۔ لیکن میں نے ایسا کبھی نہیں دیکھا۔ میں نیویارک آفس نوٹس بھجوا رہا ہوں''۔

..................x..................

چیف آف مین ہٹن ڈیٹیکٹیو فرینک بینگلے رینارڈ کی بھجوائی ہوئی فائل کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اسی وقت ارل گرین برگ اور رابرٹ فتر میں داخل ہوئے۔ ''آپ نے ہمیں یاد کیا چیف؟''۔

''ہاں۔ بیٹھ جاؤ''۔

وہ بیٹھ گئے۔ فرینک نے ایک کاغذ اٹھایا۔ ''یہ نوٹس انٹرپول نے بھجوایا ہے''۔

(جاری ہے)

علیم الحق حقی

اس نے پڑھتے ہوئے کہا "چھ سال پہلے ایک جاپانی سائنس داں اکیرا نے اپنے ہوٹل کے کمرے میں خود کو پنکھے سے لٹکا کر خودکشی کی تھی۔ اکیرا صحت مند اور ہر زاویے سے مطمئن اور خوش وخرم تھا۔ مرنے سے ذرا پہلے اسے پروموشن ملا تھا......"

"جاپان......اس کا ہم سے کیا تعلق......"

"مجھے بات تو پوری کرنے دو۔ تین سال پہلے ایک سوئس سائنس داں میڈیلین اسمتھ نے زیورچ میں اپنے اپارٹمنٹ میں گیس کھولی اور خودکشی کر لی۔ اس کی عمر 32 سال تھی۔ وہ ماں بننے والی تھی۔ اس کے دوستوں کا کہنا تھا کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ بہت خوش تھی"۔ فرینک نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور ذرا توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی۔" اور پچھلے تین دنوں کی روداد سنو۔ برلن کی سونجا وربرگ نے خود کو باتھ ٹب میں ڈبویا۔ اسی رات ایک امریکی مارک ہیرس نے ایفل ٹاور سے چھلانگ لگا دی۔ اگلے روز گیری رینالڈ نامی کینیڈین کا سیسنا جہاز ڈینور سے ذرا دور ایک پہاڑ سے ٹکرا کر تباہ ہو گیا۔"

ارل اور رابرٹ اب بڑی توجہ سے سن رہے تھے۔ لیکن ان کے انداز میں اب بھی الجھن تھی۔

"اور کل تمہیں دریا سے رچرڈ اسٹیونز کی لاش ملی......"

"ان تمام کیسوں کا ہم سے کیا تعلق؟" ارل نے پوچھا۔

"درحقیقت یہ ایک ہی کیس ہے۔" فرینک بیگلے نے کہا۔

"ایک منٹ سر۔" ارل نے پرخیال لہجے میں کہا۔" چھ سال پہلے ایک جاپانی، تین سال پہلے ایک سوئس اور پچھلے تین دنوں میں ایک جرمن، ایک کینیڈین اور دو امریکیوں کی موت......یہی بات ہے نا؟ یہ ایک کیس کیسے ہوا؟"

فرینک بیگلے نے انٹرپول کا نوٹس اس کی طرف بڑھایا۔ ارل نے نوٹس پڑھا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے سر اٹھا کر فرینک کی طرف دیکھا۔" انٹرپول کا خیال ہے کہ ان تمام اموات میں کنگسلے انٹرنیشنل گروپ کا ہاتھ ہے۔ مجھے تو یہ تصور بھی احمقانہ لگتا ہے۔"

"چیف......یہ دنیا کا سب سے بڑا تھنک ٹینک ہے، جس پر وہ شبہ کر رہے ہیں۔" رابرٹ بولا۔

"یہ سب لوگ قتل کئے گئے تھے......اور ان میں سے ہر ایک کا تعلق کے آئی جی سے ہے۔ اس کمپنی کا مالک ٹینر کنگسلے ہے۔ وہ کے آئی جی کا چیئرمین اور چیف ایگزیکٹو ہے۔ اس کے علاوہ وہ صدارتی سائنسی کمیٹی کا سربراہ ،نیشنل پلاننگ کمیشن کا چیئرمین اور پینٹاگون کے ڈیفنس پالیسی بورڈ کا صدر بھی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس سے ملاقات کرو۔"

ارل نروس نظر آنے لگا۔" ٹھیک ہے سر۔"

"اور ارل......ذرا احتیاط سے۔ تمہیں پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوگا۔"

☆☆☆

پانچ منٹ بعد ارل گرین برگ ٹینر کنگسلے کی سیکریٹری سے بات کر رہا تھا۔ ریسیور رکھ کر وہ رابرٹ کی طرف مڑا۔" ہمیں منگل کی صبح دس بجے کا وقت ملا ہے۔ فی الحال مسٹر کنگسلے واشنگٹن میں ہیں اور کانگریشنل کمیٹی کی میٹنگ میں شریک ہو رہے ہیں۔"

☆☆☆

واشنگٹن

واشنگٹن میں ماحولیات پر سینٹ کی کمیٹی کے اجلاس میں چھ اراکین شریک تھے۔ تماشائیوں اور رپورٹرز کی تعداد چالیس کے لگ بھگ تھی، جو بڑی توجہ سے ٹینر کنگسلے کا بیان سن رہے تھے۔

ٹینر کی عمر 42 سال تھی۔ وہ دراز قد اور خوب رو تھا۔ نیلی آنکھوں میں ذہانت کی چمک تھی۔ کمیٹی کی سربراہ سینیٹر پاؤلین میری وان لوئن تھی۔ وہ بے حد پر اعتماد اور جارحانہ مزاج والی عورت تھی۔ اس نے ٹینر سے سرد لہجے میں کہا۔" کہتے رہیے مسٹر کنگسلے۔"

"شکریہ سینیٹر۔" ٹینر نے کہا۔ پھر وہ پرجوش لہجے میں بولنے لگا۔" ہمارے حکومت میں موجود سیاست داں اس بات سے بے خبر ہیں کہ اوزون کی سطح میں جو سوراخ ہوا تھا، وہ بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ سے آدھی دنیا قحط سالی کا شکار ہو رہی ہے اور دوسری آدھی دنیا میں سیلاب تباہی مچا رہے ہیں۔ گرمی بڑھ جانے کی وجہ سے آئس برگ پگھل رہے ہیں۔ قطب جنوبی والا اوزون کا سوراخ جسامت میں اب ایک کروڑ مربع میل چوڑا ہو چکا ہے۔ ذرا سوچیں، ایک کروڑ مربع میل!" اس نے ڈرامائی انداز میں ہاتھ پھیلائے۔" یورپ کے بعض حصے سائیکلون، ٹائی فون اور بڑے بڑے طوفانوں کی لپیٹ میں آئے ہوئے ہیں۔ ان سے جانیں ضائع ہو رہی ہیں۔ دوسری طرف لاکھوں انسان بھوک سے مر رہے ہیں۔ لیکن سیاست دانوں کے نزدیک یہ محض لفظ ہیں۔ آپ گہرائی میں جا کر سوچنے کی کوشش کریں۔ جیتے جاگتے انسان مر رہے ہیں، جن میں بچے بھی ہیں۔ پچھلے موسم گرما میں یورپ میں بیس ہزار افراد گرمی کی شدت سے ختم ہو گئے اور ہماری حکومت بس ماحولیات پر سیمینار کرا رہی ہے۔ ہم یہ ثابت کر رہے ہیں کہ ہمیں باقی دنیا سے کوئی غرض نہیں۔ ہم خود کو بے حس......"

سینیٹر وان لوئن نے اس کی بات کاٹ دی۔" مسٹر کنگسلے، اپنا لہجہ نرم رکھئے۔ یہ کوئی مذاکرہ ہے نہ مناظرہ۔"

ٹینر نے گہری سانس لی اور اثبات میں سر ہلایا۔ اب وہ بولا تو اس کے لہجے میں جوش کی کمی تھی۔

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

قسط نمبر: 28

''ہم سب جانتے ہیں کہ ماحولیاتی آلودگی کا سب سے بڑا سبب وہ ایندھن ہے جو بڑی بھاری مقدار میں ہم جلاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم اس میں کمی کر سکتے ہیں۔ ہم تو اس ہوا کو بھی زہریلا بنا رہے ہیں، جس میں ہمارے بچے سانس لیتے ہیں۔ ہمیں اس آلودگی کو روکنا ہوگا۔ اسے روکا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسا ہوتا کیوں نہیں؟ اس لئے کہ اس کیلئے کتنے ہی کاروبار ختم کرنے پڑیں گے۔'' اس کی آواز پھر بلند ہونے لگی۔ ''دولت کمانے والے دولت سے محروم ہو جائیں گے۔ وہ سوچتے ہیں کہ ایک سانس کے لئے تازہ ہوا کتنی مہنگی ہوتی ہے...... دو گیلن گیس کے برابر! تو کسی کے لئے اتنی مہنگی سانس کیوں خریدی جائے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ آدمی کے لئے زمین کے سوا کوئی رہنے کی جگہ نہیں۔ ہم زمین، سمندر اور ہوا...... سب کو زہر آلود کر رہے ہیں۔ اگر ہم نہ رکے تو......''

سینیٹر وان لوئن نے پھر مداخلت کی۔ ''مسٹر ٹنکسلے......''

''میں معذرت خواہ ہوں سینیٹر۔ لیکن مجھے غصہ آتا ہے اس پر۔ یہ ممکن نہیں کہ میں اپنی دنیا کو تباہ ہوتے بھی دیکھوں اور احتجاج بھی نہ کروں۔'' وہ مزید تیس منٹ تک بولتا رہا۔

وہ چپ ہوا تو سینیٹر وان لوئن نے کہا۔ ''یہ سماعت اب ختم کی جاتی ہے۔ مسٹر ٹنکسلے، آپ مجھ سے میرے آفس میں ملیں......''

..................☆☆☆..................

وہ ایک بیورو کریٹ کا آفس لگتا تھا۔ ایک بڑی ڈیسک، ایک میز، چھ کرسیاں اور قطار سے رکھی ہوئی کئی فائلنگ کیبنٹس۔

ٹینر وہاں پہنچا تو سینیٹر کے علاوہ دو اور افراد بھی وہاں موجود تھے۔ ''یہ میری معاونین ہیں...... کورین مرفی اور کیرولی ٹروسٹ۔''

کورین مرفی جوان اور پرکشش تھی۔ سرخ بالوں والی حسینہ۔ کیرولی بھی جوان تھی۔ اس کے بال شہد رنگ تھے۔ وہ دونوں ہی ٹینر سے بہت زیادہ متاثر نظر آ رہی تھیں۔

''تشریف رکھیے مسٹر ٹنکسلے۔'' سینیٹر نے اپنی معاونین کا تعارف کرانے کے بعد کہا۔

ٹینر بیٹھ گیا۔ سینیٹر ایک لمحہ اسے بغور دیکھتی رہی۔ ''سچی بات یہ ہے کہ تم میری سمجھ میں نہیں آتے۔'' بالآخر اس نے کہا۔

''حیرت ہے۔ میں تو سمجھتا تھا کہ میں ہر بات صاف اور واضح......''

''ہماری حکومت کے متعدد پروجیکٹس کے کنٹریکٹ تمہاری کمپنی کو ملے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود تم ماحولیات کے مسئلے پر ہماری حکومت کو چیلنج کرتے رہتے ہو۔ کیا یہ کاروباری اعتبار سے نقصان دہ نہیں ہے۔؟''

ٹینر نے سرد لہجے میں کہا۔ ''یہ کاروبار کی نہیں، انسانیت کی بات ہے سینیٹر۔ یہ سب کچھ ایک تباہ کن گلوبل عدم استحکام کا آغاز ہے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ سینیٹ اس کی روک تھام اور اصلاح کے لئے فنڈز کی منظوری دے......''

''اور ان میں سے کچھ فنڈز تمہاری کمپنی کو ملیں گے۔'' سینیٹر نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''مجھے اس کی کوئی پرواہ ہے نہ لالچ۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ پانی سر سے گزر جانے سے پہلے ہی کچھ کر لیا جائے۔''

کورین مرفی نے گرم جوشی سے کہا۔ ''آپ کا جذبہ قابل ستائش ہے۔ آپ ایک غیر معمولی آدمی ہیں۔''

ٹینر اس کی طرف مڑا۔ ''مس مرفی، اگر اس سے آپ کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت دولت کو اخلاقیات اور انسانیت سے زیادہ اہم سمجھتی ہے، اس لئے میں غیر معمولی آدمی ہوں، تو شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔''

''میں سمجھتی ہوں کہ آپ بہت شاندار کام کر رہے ہیں۔'' کیرولی نے جلدی سے کہا۔

سینیٹر وان لوئن نے ان دونوں کو بدمزگی سے دیکھا۔ پھر ٹینر کی طرف مڑی۔ ''میں کوئی وعدہ تو نہیں کرتی۔ لیکن میں اپنے ساتھیوں سے اس سلسلے میں بات کروں گی اور پھر میں تم سے رابطہ کروں گی۔''

''شکریہ سینیٹر۔ کبھی مین ہٹن آنا ہو تو میں آپ کو کے آئی جی کا دورہ کراؤں۔ آپ کو یقیناً خوشی ہوگی۔''

سینیٹر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''دیکھیں گے۔''

اور میٹنگ ختم ہو گئی!

..................☆☆☆..................

وہ کبھی نہ ختم ہونے والی دوڑ تھی اور وہ بری طرح نڈھال ہو چکا تھا۔ سانس اس کے سینے میں نہیں سما رہی تھی۔ اس کی ٹانگیں اتنی بھاری ہو رہی تھیں کہ ان کا بوجھ اٹھانا ناممکن لگ رہا تھا۔ اس نے کھانسنے، کھنکھارنے کی کوشش کی تو اس کا جی متلانے لگا۔ لگتا تھا، قے ہو جائے گی۔ لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔ اس کے وجود میں پانی جیسے رہا ہی نہیں تھا۔ حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے۔

وہ صحرا میں پڑا ریت میں لاتیں چلا رہا تھا۔ سامنے اسے چند درخت نظر آ رہے تھے۔ درختوں کی ہلتی ہوئی شاخوں میں اسے اپنے لئے ہوا کے بلاوے محسوس ہو رہے تھے، جیسے وہ اسے اپنے پاس، اپنے تحفظ کے سائے میں چلے آنے کی تلقین کر رہے ہوں۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ ان درختوں تک نہیں پہنچ سکے گا۔ یہ بات وہ ابتدا ہی سے جانتا تھا...... ہمیشہ سے جانتا تھا۔ اس کے باوجود وہ دوڑتا رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے پیر زمین سے اٹھنے کے قابل ہی نہیں رہے تھے۔ اسے لگتا تھا کہ وہ ایک ہی جگہ کھڑا ہلے جا رہا ہے، دوڑ نہیں رہا ہے۔

وہ اسے اپنے پیچھے جھپٹتے صاف محسوس کر رہا تھا۔ گو کہ دماغ سڑا دینے والی بدبو بھی بے حد واضح تھی۔ لیکن اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ جب اس کی گرم گیلی سانسیں اس کی گردن کو چھونے لگیں، تب بھی وہ دھندلائی ہوئی آنکھوں سے سامنے کی سمت دیکھتا رہا۔ بالآخر وہ جبڑے حرکت میں آئے اور اس کی پشت میں اذیت کی لہر دوڑ گئی۔ وہ چیخا، اس کے دونوں ہاتھ آگے کی سمت پھیلتے ہوئے پھڑپھڑائے اور درندہ اس کی پیٹھ سے پھسل کر گر گیا۔ لیکن اس کے پنجوں نے اس کی پیٹھ پر کھرونچے بنا دیئے تھے۔ وہ پھر چلایا۔ لیکن اس بار اس کے حلق سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی۔ وہ گھٹنوں کے بل گر گیا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن درندہ پھر اس پر چڑھ آیا تھا۔ اس نے گول مول ہو کر خود کو بچانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اس کے پیٹ اور ناف کے نچلے حصے کو سونگھ رہا تھا۔ اس کی سانسوں کی بدبو بھی ناقابل برداشت تھی۔ لیکن جسم میں پانی نہ ہونے کی وجہ سے اسے قے ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

اس نے کوشش کی کہ اپنی آنکھیں بند رکھے۔ لیکن یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اپنی زندگی بچانے کے لئے لڑ رہا ہو اور کچھ دیکھے بھی نہیں اور وہاں نہ گوشت تھا اور نہ ہڈیوں پر کھال۔ وہ تو بس ایک ڈھانچہ تھا اور ایک کھوپڑی۔ اس نے جبڑے کو تھام کر زور لگاتے ہوئے اسے بند کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس میں اس کی طاقت نہیں تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے وجود سے قطرہ قطرہ زندگی گر کر ریت میں جذب ہو رہی ہے۔ وہ اس کے پنجے اپنے جسم میں اترتے اور اپنے جسم کے نازک حصوں کی طرف اس کے جبڑے کو بڑھتے دیکھ رہا تھا......

اس کی آنکھ کھلی تو وہ حلق کے بل چلا رہا تھا۔

''اینڈریو'' سفیر کی بیوی ہڑبڑا کر اٹھی۔ اس نے سفیر کی کمر میں ہاتھ حمائل کر کے اسے دوبارہ لٹانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ مزاحمت کرنے لگا۔ اسے جیسے کچھ معلوم ہی نہیں تھا۔ پھر اس کی آنکھوں سے دھند چھٹی تو اس نے اپنے بیوی کے پریشان چہرے کو دیکھا۔ اس کے جسم پر تھرتھری چڑھ گئی اور وہ دوبارہ تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔ چادر اس نے اپنے اوپر ٹھوڑی تک کھینچ لی

''تم ٹھیک ہو نا اینڈریو؟'' اس کی بیوی نے پوچھا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور بولنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے منہ سے ایک گھٹی گھٹی ہاں کے سوا کچھ نہیں نکل سکا۔

''میرا خیال ہے، تمہیں ڈاکٹر کے پاس جانا چاہئے۔''

''نہیں'' وہ بڑی شدت سے نفی میں سر ہلانے لگا۔ پھر اس نے مسکرانے کی کوشش کی لیکن وہ ٹوٹی پھوٹی مسکراہٹ بے حد ڈراؤنی تھی ''سب ٹھیک ہے۔ میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''سوری، تم اب سو جاؤ۔''

اس کی بیوی نے بدمزگی سے اسے دیکھا۔ لیکن کچھ کہے بغیر دوسری طرف کروٹ لے کر لیٹ گئی۔

وہ اپنی بیوی کے سونے کا انتظار کرتا رہا۔ جب اسے اس کے سونے کا یقین ہو گیا تو وہ بہت آہستگی سے بستر سے اتر آیا۔ اس کا جسم برہنہ تھا اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا ادھڑا ہوا پیٹ پکڑے ہوئے تھا۔ اب یہ سب کچھ وہ اپنی بیوی کو تو نہیں بتا سکتا تھا۔ وہ تو اس کی طاقت پر مرتی تھی۔ اس کی کمزوری وہ کبھی قبول نہ کرتی اور ویسے بھی وہ اسے جو کچھ بتاتا، اسے سن کر وہ اسے پاگل ہی سمجھ سکتی تھی۔

وہ باتھ روم میں گیا۔ شاور کے نیچے کھڑے ہو کر اس نے شاور کھولا۔ پھر وہ اپنی ٹانگوں کے درمیان پانی ملا خون گرتے دیکھتا رہا۔ اس وقت بھی درندے کے پنجے اسے اپنی پیٹھ میں گڑے محسوس ہو رہے تھے۔ اس نے بڑی آہستگی سے اپنے پیٹ کے زخم کو چھوا۔ عجیب بات تھی۔ درندہ ہمیشہ پیٹ کے نیچے اس کے جسم کے نازک ترین عضو پر جھپٹتا تھا، جیسے اس گوشت میں اس کیلئے کوئی خاص لذت ہو۔

اس خیال پر اسے خود بھی ہنسی آ گئی۔ اس نے شاور بند کیا، گاؤن پہنا اور باہر نکل آیا۔

اپنے بستر پر پہنچ کر اس نے چادر پلٹی تو اس کا منہ بن گیا۔ جہاں وہ لیٹا تھا، وہاں بہت سارا خون تھا اور گیدڑ کے جسم کے بال تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کاش ایلف اپنی جگہ ہی لیٹے رہے۔ اگر اس نے کروٹ لی اور یہ سب دیکھ لیا تو......؟ اس نے چادر ڈھانپ دی پھر وہ خاموشی سے کمرے سے نکل آیا۔

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

مارک کی موت کی خبر پھیلتے ہی فون کالز کا تانتا بندھ گیا تھا۔ سب سے پہلے مارک کے قریبی دوست اور ساتھی سام میڈوز نے کیلی کو فون کیا۔ ''یہ کیا ہو گیا کیلی۔ مجھے یقین ہی نہیں آرہا ہے۔'' سام نے کہا۔ ''میں سر گھما کر دیکھتا ہوں تو مجھے مارک کا خیال آتا ہے۔ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں کیلی؟''

''کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ سام۔ کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ شکریہ''

''مجھ سے رابطے میں رہنا کیلی۔ میں ہر طرح سے حاضر ہوں......''

اس کے بعد درجنوں فون آئے...... کچھ مارک کے دوستوں کے اور کچھ کیلی کی ساتھی ماڈلز کے۔ ماڈل ایجنسی کے سربراہ بل لرنر نے فون کیا اور تعزیت کرنے کے بعد بولا۔ ''مجھے احساس ہے کیلی کہ یہ ان باتوں کے لئے مناسب وقت نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے، فوری طور پر کام شروع کر دینا تمہارے لئے فائدہ مند ہو گا۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ کب تک......؟''

''جب مارک میرے پاس واپس آئے گا، میں کام شروع کر دوں گی۔'' یہ کہہ کر کیلی نے ریسیور رکھ دیا۔

اور اب فون کی گھنٹی پھر بج رہی تھی۔ کچھ دیر کیلی نے اسے نظر انداز کیا۔ مگر پھر ریسیور اٹھانا ہی پڑا۔ ''منہ ہیرس اسپیکنگ'' وہ بولی۔

''میں مسٹر ٹینر کنگسلے کے آفس سے بات کر رہی ہوں۔''

ٹینر کنگسلے وہ آدمی تھا، جس کے لئے مارک کام کرتا تھا۔ ''جی...... فرما دیجئے؟'' کیلی نے کہا۔

''اگر آپ مسٹر کنگسلے سے ملنے مین ہٹن آئیں تو انہیں بہت خوشی ہو گی۔ کیا یہ ممکن ہے؟''

کیلی نے ایجنسی سے کہہ کر اپنی ہر بکنگ کینسل کرا دی تھی۔ یعنی اس کے پاس فرصت ہی فرصت تھی۔ لیکن اسے حیرت تھی۔ کنگسلے اس سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔ ''جی...... ممکن ہے۔'' اس نے فون پر کہا۔

''آپ جمعے کو پیرس سے روانہ ہو سکتی ہیں؟''

''ٹھیک ہے۔''

''چارلس ڈیگال ایئرپورٹ پر یونائیٹڈ ایئر لائنز کے کاؤنٹر پر آپ کا ٹکٹ موجود ہو گا اور نیویارک ایئرپورٹ پر ایک کار آپ کی منتظر ہو گی۔''

..................☆☆☆..................

مارک اس سے ٹینر کنگسلے کے بارے میں بات کرتا رہتا تھا۔ وہ اس سے مل چکا تھا۔ اس کے خیال میں ٹینر ایک بے حد شاندار اور جینیئس آدمی تھا۔ کیلی نے سوچا ٹینر اور وہ مارک کی یادیں تازہ کر سکیں گے۔ یہ خیال اس کے لئے خوش آئند تھا۔

انجلو دوڑتا ہوا آیا اور چھلانگ لگا کر اس کی گود میں بیٹھ گیا۔ کیلی نے سوچا، وہ انجلو کا کیا کرے۔ وہ اسے ساتھ لے کر تو نہیں جا سکتی تھی۔ سوال یہ تھا کہ اسے کہاں چھوڑے۔ پھر اسے ایک خیال سوجھا۔

وہ گراؤنڈ فلور پر سپرنٹنڈنٹ کے آفس کی طرف چل دی۔ وہاں نئی لفٹ نصب کی جا رہی تھی۔

بلڈنگ کا سپرنٹنڈنٹ فلپ سینڈر اچھا آدمی تھا۔ اس کی بیوی اور بیٹی بھی بہت تعاون کرنے والی تھیں۔ مارک کی موت پر یہ پوری فیملی بہت دکھی ہوئی تھی۔

کیلی نے دروازے پر دستک دی۔ فلپ نے دروازہ کھولا۔ ''مجھے آپ کی مدد درکار ہے۔'' کیلی نے اس سے کہا۔

''اندر تو آیئے۔'' فلپ نے کہا۔ ''ہم ہر طرح سے حاضر ہیں میڈم ہیرس۔''

''مجھے تین چار دن کے لئے نیویارک جانا ہے۔ اس دوران آپ میرے انجلو کو اپنے پاس رکھ لیں گے؟''

''ارے...... ہم سب کو تو بہت خوشی ہو گی۔ انجلو کو اینا ماریہ کو بھی بہت اچھا لگتا ہے۔''

''شکریہ موسیو سینڈر۔ یہ آپ کا احسان ہو گا مجھ پر''

''ہم تو انجلو کی عادتیں بگاڑنے کی پوری کوشش کریں گے۔''

کیلی مسکرا دی۔ ''وہ تو میں پہلے ہی کر چکی ہوں۔ لاڈ پیار کر کے۔ ویسے موسیو، میں جمعے کو جا رہی ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ آپ اس طرف سے بے فکر ہو جائیں۔ ارے ہاں...... آپ کو پتا ہے، میری بیٹی کو لا سوربون میں داخلہ مل گیا ہے۔''

''واہ...... یہ تو بڑے فخر کی بات ہے آپ کے لئے''

''جی ہاں۔ یہ تو ہمارا خواب تھا۔ دو ہفتے بعد وہ جانا شروع کر دے گی۔''

..................☆☆☆..................

جمعے کی صبح کیلی انجلو کو لے کر فلپ سینڈر کے اپارٹمنٹ میں گئی۔ اس نے کاغذ کی چند تھیلیاں سینڈر کی طرف بڑھائیں۔ ''یہ انجلو کے پسندیدہ کھانے اور کھلونے ہیں......''

فلپ دو قدم پیچھے ہٹا۔ کیلی کو پیچھے رکھے ہوئے کتے کے کھلونے نظر آئے۔ کیلی ہنسنے لگی۔ ''انجلو...... میں تمہیں محبت کرنے والے لوگوں کے پاس چھوڑ کر جا رہی ہوں۔'' اس نے پلے کو تھپتھپایا۔ ''گڈ بائی انجلو۔ تھینک یو فلپ۔''

کیلی ایئرپورٹ جانے کے لئے اپارٹمنٹ سے نکل رہی تھی۔ باہر اسے آپریٹر نکولا نظر آئی، جو اسے خدا حافظ کہنے آئی تھی۔ وہ دبلی پتلی اور اتنے چھوٹے قد کی تھی کہ سوئچ بورڈ پر بیٹھی ہوتی تو باہر سے بمشکل اس کا سر ہی نظر آتا تھا۔

''نکولا کیلی کو دیکھ کر مسکرائی۔'' جلدی واپس آیئے گا میڈم۔ ہم آپ کو مس کریں گے۔''

کیلی نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ''شکریہ نکولا۔ بس چند دن کی بات ہے۔''

چند منٹ بعد وہ ایئرپورٹ جا رہی تھی۔

..................☆☆☆..................

چارلس ڈیگال ایئرپورٹ پر زبردست ہجوم تھا۔ ایئرپورٹ منیجر اسے ایک پرائیویٹ لاؤنج میں لے گیا۔ پون گھنٹے بعد اس کی فلائٹ اناؤنس کی گئی۔ کیلی بورڈنگ گیٹ کی طرف بڑھی۔ قریب کھڑی ایک عورت اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی کیلی اس کی نظروں سے اوجھل ہوئی، عورت نے اپنے سیل فون پر کسی کو کال کیا۔

کیلی جہاز میں اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ وہ اب بھی مارک ہی کے بارے میں سوچے جا رہی تھی۔ اسے یہ احساس بھی نہیں تھا کہ کیبن میں موجود تمام مرد اور عورتیں اسے گھور رہے ہیں۔

مارک آدھی رات کو ایفل ٹاور کے آبزرویشن ڈیک پر کیوں تھا...... اور وہ وہاں کیا کر رہا تھا، کیا اسے کسی سے ملنا تھا وہاں......؟ اور کیوں؟ وہ سوچ رہی تھی۔ اور سب سے خطرناک سوال یہ تھا کہ اس نے خودکشی کیوں کی۔ جبکہ ان کی ازدواجی زندگی بے حد خوشگوار تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بے حد محبت کرتے تھے۔ نہیں...... یہ ممکن ہی نہیں کہ مارک نے خودکشی کی ہو۔ مارک ایسا تھا بھی نہیں۔ اور پھر خودکشی کا کوئی جواز ہی نہیں تھا۔

کیلی نے اپنی آنکھیں موند لیں اور ماضی کے خیالوں میں کھو گئی۔

..................☆☆☆..................

ابتداء میں وہ بہت عجیب اور غیر رسمی تعلق تھا۔ کیلی پہلی بار مارک سے ملنے گئی تو وہ نروس تھی۔ اس کے ذہن میں صرف دوستی کا تصور تھا۔ اس کے خیال میں اس دوستی کا سبب مشترکہ دکھ اور محرومیاں تھیں۔ اس میں کوئی رومانوی پیچیدگی نہیں تھی۔

اطلاعی گھنٹی بجی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ سامنے مارک تھا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک باکس اور ایک پیپر بیگ تھا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ۔ وہ بھدی فٹنگ والا گرے سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ کیلی کو ہنسی آگئی۔ عام طور پر مرد کسی عورت سے ملنے کیلئے جائیں تو بہت اچھا نظر آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مارک ان کا الٹ تھا۔

''آ جاؤ۔'' کیلی نے کہا۔

''میں لیٹ تو نہیں ہوا۔''

''نہیں۔ بالکل نہیں۔'' کیلی نے مروت سے کام لیتے ہوئے کہا۔ کیونکہ مارک مقررہ وقت سے 25 منٹ پہلے نازل ہوا تھا۔

مارک نے باکس اس کی طرف بڑھایا۔ ''یہ تمہارے لئے ہے۔''

اس باکس میں پانچ پونڈ چاکلیٹ تھی۔ اس وقت تک مختلف مردوں نے کیلی کو قیمتی زیورات، ہیرے جواہرات، بیش قیمت ملبوسات اور بنگلوں کی متعدد پیشکشیں کی تھیں۔ لیکن کسی نے چاکلیٹ بھی نہیں دی تھی۔ جس کی ہر ماڈل کو ضرورت ہوتی ہے۔ ''شکریہ۔'' وہ مسکرائی۔

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

مارک نے بیگ اس کی طرف بڑھایا۔''اور اس میں اینجلو کی دعوت کا سامان ہے۔''

اسی وقت اینجلو اچھلتا کودتا کمرے میں آیا اور مارک کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ وہ پر جوش انداز میں دم ہلا رہا تھا۔ مارک نے اسے گود میں اٹھا کر تھپ تھپایا۔''ارے...... میں تمہیں یاد ہوں!''

''میں اینجلو کیلئے خاص طور پر تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔'' کیلی نے کہا۔''یہ بہت اچھا ساتھی ہے......اور میرا پہلا۔''

مارک نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں سب کچھ کہہ رہی تھیں۔

اس شام کیلی کو اندازہ ہو گیا کہ مارک بہت اچھا ساتھی ہے۔ وہ ذہین تھا۔ اس سے باتیں کرنا بہت آسان تھا۔ اس کے ساتھ وقت جیسے پر لگا کر اڑ جاتا تھا۔ رخصت ہوتے وقت مارک نے کہا۔''کیا ہم پھر ملیں گے؟''

''کیوں نہیں۔''

''تمہیں کیا کرنا اچھا لگتا ہے کیلی؟''

''فٹ بال دیکھنا۔ تمہیں فٹبال سے دلچسپی ہے؟''

''اوہ......ارے......ہاں...... مجھے تو فٹبال سے عشق ہے۔'' مارک نجانے کیوں گڑبڑا گیا۔

کیلی نے سوچا، جھوٹ بولنا اس شخص کے بس کی بات نہیں۔ ساتھ ہی اسے ایک شرارت سوجھی۔''ہفتے کی رات چیمپئن شپ گیم ہے۔ چلو گے؟''

''کیوں نہیں۔ بہت لطف آئے گا۔'' مارک نے کمزور لہجے میں کہا۔

سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ان کی قربت نفسانی تقاضوں سے دور تھی۔ مارک نے ایک بار بھی اسے چھونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

جب وہ رخصت ہونے لگا تو اس نے کہا۔''کیلی...... جانتی ہو، تمہاری کس بات نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا تھا؟''

کیلی کے اعصاب کشیدہ ہو گئے۔ یہ وہ مرحلہ آ رہا تھا۔ ایسے میں مرد اس کے جسم کی تعریفیں کرتے تھے...... قصیدے پڑھتے تھے۔ کوئی لب و رخسار کی بات کرتا تھا تو کوئی جسم کے پیچ و خم کی۔''مجھے کیا معلوم۔'' اس نے سرد لہجے میں کہا۔''ذرا مجھے بتاؤ تو سہی، میری کس چیز نے تمہاری توجہ اپنی جانب مبذول کرائی تھی؟''

''تمہاری آنکھوں سے جھانکتی اذیت نے۔'' اور اس سے پہلے کہ کیلی جواب میں کچھ کہتی، مارک گڈ نائٹ کہہ کر رخصت ہو گیا۔

..................☆☆☆..................

ہفتے کو وہ آیا تو وہی چاکلیٹ کا باکس اور وہی پیپر بیگ اس کے ساتھ تھا۔''میری اور اینجلو کی طرف سے شکریہ قبول کرو۔'' کیلی نے کہا۔

مارک اینجلو کو تھپ تھپا رہا تھا۔ کیلی نے اس سے پوچھا۔''واقعی گیم دیکھنے چلو گے؟''

''بالکل۔'' مارک نے پر جوش لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' کیلی بولی۔ وہ جانتی تھی کہ مارک نے اس سے پہلے فٹبال کا کوئی گیم نہیں دیکھا ہے۔

..................☆☆☆..................

اسٹیڈیم کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ 67ہزار پر جوش تماشائی لائنز اور مرسیلز کا چیمپئن شپ گیم دیکھنے کو بے تاب ہو رہے تھے۔ کیلی اور مارک اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے، جو گڈ فیلڈ کے عین اوپر تھیں۔''یہ سیٹیں حاصل کرنا آسان نہیں تھا۔'' کیلی نے ستائشی لہجے میں کہا۔

مارک مسکرایا۔''فٹبال سے محبت ہو، جیسی کہ مجھے ہے، تو کچھ بھی مشکل نہیں ہوتا۔''

کیلی نے بڑی مشکل سے خود کو ہنسنے سے روکا۔ میچ شروع ہوتے ہی مارک کی پول کھل جاتی۔

میچ شروع ہونے والا تھا۔ کھلاڑی تعارف کے لئے آگے آ رہے تھے۔ کیلی نے اپنی دانست میں مارک کی مدد کی۔''یہ مارسیلز کا گول کیپر......''

''میں جانتا ہوں۔'' مارک نے اس کی بات کاٹ دی۔''یہ گریگری کوپٹ ہے...... لیگ کا بہترین گول کیپر۔ ابھی اپریل میں اس نے بورڈیکس کے خلاف چیمپئن شپ جیتی ہے۔ پچھلے سال اس نے یو ای ایف اے کپ جیتا تھا۔ اس کی عمر 31 سال، قد چھ فٹ اور وزن 180 پونڈ ہے۔''

کیلی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''فارورڈ پوزیشن پر کھیل رہے ہیں سڈنی گووا......'' اناؤنسر کی آواز ابھری۔

''چودہ نمبر...... غیر معمولی کھلاڑی۔'' مارک نے کہا۔''پچھلے ہفتے آگزر کے خلاف اس نے آخری منٹ میں گول کیا تھا۔''

کیلی متعجب ہو کر سنتی رہی۔ مارک تو فٹ بال کی معلومات کا خزانہ تھا۔ وہ ہر کھلاڑی کے بارے میں تفصیل سے بتا رہا تھا۔

پھر کھیل شروع ہو گیا۔ تماشائی تو جیسے پاگل ہو گئے تھے۔''دیکھو...... ہائیکل کک سے اسٹارٹ لے رہا ہے۔'' مارک نے ہیجانی لہجے میں کہا۔

کھیل بہت سنسنی خیز ہو رہا تھا۔ دونوں ٹیمیں بڑھ چڑھ کر حملے کر رہی تھیں اور دونوں گول کیپر بڑی مشکل میں تھے۔ کیلی کیلئے اپنی توجہ کھیل پر مرکوز کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ بار بار مارک کو دیکھتی، سنتی اور فٹ بال کے بارے میں اس کی مہارت کو سراہتی۔ وہ حیران بھی تھی۔ اندازے کی اتنی بڑی غلطی اس سے کیسے سرزد ہو گئی۔ اسے تو یقین تھا......

''دیکھو...... گورافلک کک لگانے جا رہا ہے......'' مارک نے اسے چونکا دیا۔

چند منٹ بعد اس نے کہا۔''کیریئر نے ہینڈ بال کی ہے۔ اب اس پر فائن......''

(جاری ہے)

میچ لائنز نے جیت لیا۔مارک بے حد خوش تھا۔ ''کیسی زبردست ٹیم ہے یہ۔'' اس نے تبصرہ کیا۔

وہ اسٹیڈیم سے نکل رہے تھے۔کیلی نے اس سے پوچھا۔ ''مارک، فٹ بال میں تمہیں کتنے عرصے سے دلچسپی ہے؟''

مارک مسکرایا۔ ''یہی کوئی تین دن سے، میں اپنے کمپیوٹر پر بیٹھ کر ریسرچ کرتا رہا ہوں۔ مجھے پتا چلا کہ تمہیں فٹ بال بہت پسند ہے۔تو میں نے سوچا، مجھے بھی معلومات تو ہونی چاہئیں۔''

اس لمحے اس نے جیسے کیلی کے دل کو چھو لیا۔صرف اس کی خاطر مارک نے اپنا اتنا وقت صرف کیا!

اگلے روز کیلی کا ایک ماڈلنگ اسائن منٹ مکمل ہونے والا تھا۔انہوں نے کچھ پروگرام بھی بنایا تھا۔ ''میں تمہیں ڈریسنگ روم سے پک کرلوں گا۔اور......''

''نہیں۔'' کیلی نے اس کی بات کاٹ دی۔دراصل وہ اسے دوسری ماڈلز سے نہیں ملوانا چاہتی تھی۔''

مارک نگاہوں میں الجھن لئے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میرا مطلب ہے......ضابطہ یہ ہے کہ ڈریسنگ روم میں مردوں کا داخلہ ممنوع ہے......''

''اوہ......''

لیکن کیلی کو جھوٹ پکڑے جانے کا ڈر بھی تھا۔ ''بات یہ ہے کہ......میں نہیں چاہتی کہ تم کسی ماڈل کی محبت میں مبتلا......''

..................xxx..................

''خواتین و حضرات، اپنی سیٹ بیلٹس کس لیں۔ہم کینیڈی ایئرپورٹ پر لینڈ کرنے والے ہیں۔''

یہ اناؤنس مینٹ کیلی کو ماضی سے حال میں کھینچ لایا۔وہ مارک کے آجر ٹینر کنگسلے سے ملاقات کیلئے نیویارک آئی تھی۔

نجانے کیسے میڈیا والوں کو اطلاع ہو گئی تھی۔جہاز سے اترتے ہی وہ رپورٹرز، کیمروں اور مائیکس میں گھر گئی۔ ''کیلی......ذرا ادھر دیکھیں......''

''آپ کے شوہر کا کیا قصہ ہے؟'' ''سنا ہے تم طلاق لینے والی تھیں۔''

''کیا امریکا میں سیٹل ہونے کا ارادہ ہے؟''

سوالات کی بوچھاڑ میں کیلی نے رپورٹرز کے ہجوم سے باہر آ کر اس شخص کو دیکھا۔ وہ مسکرایا۔ کیلی نے اسے اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ وہ بین رابرٹس تھا۔ ٹی وی کے ٹاک شوز کا مقبول ترین میزبان، جس کی سب عزت کرتے تھے۔ وہ کیلی کا انٹرویو کر چکا تھا۔ دونوں کے درمیان دوستی ہو گئی تھی۔

بین آگے بڑھا تو رپورٹر بین کی طرف متوجہ ہو گئے۔ "ہے بین...... کیا کیلی تمہارے شو میں آ رہی ہے؟" وہاں سوالات ہی سوالات تھے۔

"اس وقت کیلی کو جانے دو۔ پھر بھی بات کر لینا۔ بین نے اپیل کی۔

رپورٹرز کی بھیڑ چھٹنے لگی۔ بین نے کیلی کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ "کیلی...... مجھے بہت دکھ ہے۔ میں مارک کو بہت پسند کرتا تھا۔"

"مارک بھی تمہیں پسند کرتا تھا بین۔"

وہ دونوں گیٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ "ویسے آف دی ریکارڈ تو بتاؤ گی کہ تم یہاں کیوں آئی ہو؟" بین نے پوچھا۔

"میں یہاں ٹینر کنگسلے سے ملنے کیلئے آئی ہوں۔"

بین نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ "وہ بہت پاورفل آدمی ہے۔ یقیناً تمہارا ہر طرح سے خیال رکھے گا۔ لیکن کیلی، تمہیں میری ضرورت پڑے تو تم کسی بھی وقت مجھ سے رابطہ کر سکتی ہو۔" اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ "کوئی تمہیں پک کرے گا۔ یا میں......"

اسی لمحے وہ باوردی شوفر کیلی کے پاس پہنچ گیا۔ "آپ مسز ہیرس ہیں نا؟ میں کولن ہوں۔ باہر کار موجود ہے۔ مسٹر کنگسلے نے آپ کیلئے میٹروپولیٹن ہوٹل میں سوئٹ بک کرایا ہے۔ آپ اپنے ٹکٹ مجھے دے دیجئے۔ میں آپ کا بیگج نکلوا لوں۔"

کیلی بین کی طرف مڑی۔ "تم مجھے کال کرو گے نا؟"

"کیوں نہیں۔"

..................xxx..................

دس منٹ بعد کیلی کار میں ہوٹل کی طرف جا رہی تھی۔ "مسٹر کنگسٹن کی سیکریٹری فون پر آپ کو ملاقات کے وقت کے بارے میں بتا دے گی۔ اور ہاں، یہ کار ہر وقت آپ کیلئے موجود رہے۔"

"شکریہ،" کیلی نے کہا۔ مگر دل میں وہ سوچ رہی تھی کہ یہاں اس کا کیا کام ہے...... کیا کر رہی ہے وہ؟ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس سوال کا جواب ملنے والا ہے۔

..................xxx..................

عام طور پر ہائیڈ پارک میں صبح کی جاگنگ اینڈریو ڈوئیل کے لئے دن بھر کا سب سے پرسکون معمول تھا۔ اس دوران اسے اپنی ڈیسک، ٹیلیکس کے ہجوم اور ڈپلومیٹک بیگ کے اکتا دینے والے معاملات سے نجات مل جاتی تھی۔

پچھلے ایک سال کے دوران یہ اس کا بلاناغہ معمول تھا۔ ایک بہت موقر جریدے میں اس کے بارے میں ایک آرٹیکل بھی چھپا تھا، جس کا عنوان تھا...... برطانیہ میں امریکا کے سفیر کی زندگی کا ایک دن۔ اسے یاد تھا کہ اس آرٹیکل کی اشاعت پر سیکرٹ سروس والے کتنے برہم ہوئے تھے۔

ان کا کہنا تھا کہ اس کی جاگنگ کے روٹ اور اوقات کے بارے میں اتنی درست معلومات چھاپ کر میگزین والوں نے ان کے کام کو اور دشوار بنا دیا ہے اور ان کا کام تھا...... سفیر کی حفاظت!

لیکن اینڈریو ڈوئیل کو ان کی برہمی کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ لوگ ہر وقت کسی نہ کسی بات پر شکایت کرتے ہی رہتے ہیں۔

اس نے سامنے دیکھا۔ اژدھے کی شمالی سائیڈ والے راستے پر اس سے بیس گز آگے اس کا ایک محافظ موجود تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایک محافظ اس کے بیس گز پیچھے بھی موجود ہو گا۔ وہ ان دنوں کو یاد کر کے مسکرایا، جب عہدے کے اعتبار سے پہلی بار وہ سیکورٹی کا مستحق قرار پایا تھا تو اسے کیسا فخر کا احساس ہوا تھا۔ لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد وہ اسے وبال لگنے لگا تھا...... خواہ مخواہ کی رکاوٹ اور پریشانی۔

بہرحال اسے ان کی موجودگی کا عادی ہونے میں بھی زیادہ وقت نہیں لگا تھا اور جب وہ عادی ہو گیا تو اس کے لئے ان کا وجود اور عدم برابر ہو گیا تھا۔ اسے ان کی موجودگی کا احساس تک نہیں ہوتا تھا...... لیکن اب جبکہ پہلی بار اسے ان کی مدد کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی تو

دجال

علیم الحق حقی

اس کے دائیں جانب چڑھائی پر دو آدمی ایک مردہ درخت کو آری سے کاٹ رہے تھے۔

بغیر کسی وجہ کے وہ اچانک ہی مڑا اور اس نیپلٹ کر راستے کو دیکھا۔ اس کی حرکت اتنی اچانک تھی کہ وہ چھوٹا بچہ اس سے ٹکرانے سے نہ بچ سکا۔ ''دیکھ کے جناب۔'' بچے نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

اس نے بچے کی طرف دھیان نہیں دیا۔ بچے ایک قطار میں اس عورت کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے، جو اپنے ہاتھ میں موجود پلاسٹک کے بیگ میں ڈبل روٹی کے ٹکڑے نکال نکال کر بطخوں کو کھلا رہی تھی۔

اس نے سرد آہ بھرتے ہوئے سر جھٹکا اور دوبارہ واک شروع کر دی۔

ایک لمحے کو اس نے آنکھیں بند کر لیں اور آنکھیں دوبارہ کھولیں تو اس کے آگے کوئی محافظ موجود نہیں تھا اور لگتا تھا کہ ایک لمحے میں پارک بالکل خالی ہو گیا ہے۔ نجانے کہاں سے ہوا کا ایک سرد جھونکا آ کر اس سے ٹکرایا۔ اس کے جسم میں تھرتھری سی دوڑ گئی۔ ہوا ایسی تھی کہ درختوں کے پتے بھی کھڑکھڑ بولنے لگے۔ اس نے داہنی سمت دیکھا۔ چڑھائی والا وہ راستہ جھاڑیوں کی طرف جا رہا تھا۔ اسے ایسا لگا کہ اس نے قدموں کی آہٹ سنی ہے۔ لیکن بہر حال اسے کچھ دکھائی نہیں دیا تھا۔

اس کے قدم تیز ہو گئے۔ وہ اپنے خوف سے لڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اندھا دھند بھاگ کھڑا ہو۔ لیکن پیچھے سے اسے اکھڑی ہوئی گرم سانسیں چھوڑ رہی تھیں۔ اسے خواب والے گیدڑ کی غراہٹیں سنائی دے رہی تھیں اور چند لمحے بعد اسے وہ مخصوص بدبو بھی محسوس ہونے لگی۔

''اے خدا...... میری مدد کر'' وہ سرگوشی میں منمنایا۔

ہوا اب تیز ہو گئی تھی۔ اس کے کندھے جھک گئے تھے اور قدم بوجھل ہو رہے تھے۔ آگے بڑھنے میں اسے دشواری ہو رہی تھی۔ پلٹ کر دیکھنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ وہ کبھی پلٹ کر نہیں دیکھتا تھا۔ دیکھتا تو اپنے تصور کے خوف کو مجسم دیکھ کر دہشت زدہ ہونے کے سوا کیا کرتا۔

''پلیز گاڈ''۔ وہ بھاگتے ہوئے بڑبڑایا۔ اس کے پاؤں ایسے وزنی ہو رہے تھے، جیسے وہ کیچڑ میں دوڑ رہا ہو۔

اور پھر جیسے اس کی دعا قبول ہو گئی۔ وہ ایک موڑ سے مڑا اور اسے سامنے راستے پر کوئی پندرہ گز دور ایک پینٹ ہوئی وین نظر آئی۔ وین کے پاس ایک موٹا سیلز مین کھڑا مسکرا رہا تھا۔

اینڈریو نے اپنے قدم ہلکے کئے اور ہاتھ سے اپنے بالوں کو سیٹ کرتا اس کی طرف بڑھا۔ وہ مسکرا بھی رہا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ اس موٹے سیلز مین سے ایک برگر خریدے گا۔ آخری بار اس نے زمانہ طالب علمی میں برگر کھایا تھا۔ اب تو اسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ برگر کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے۔ بس آج وہ برگر کھا کر رہے گا۔

اس نے آرڈر دیا۔ اس کے لئے یہ بات اطمینان کا باعث تھی کہ اس کی آواز میں لرزش نہیں تھی۔

''ایک منٹ میں یس جناب۔'' سیلز مین نے کہا اور کاؤنٹر کے پیچھے رکھے بن کے ڈبے کو ٹٹولنے لگا۔ اینڈریو نے پلٹ کر جھاڑیوں کی سمت دیکھا۔ وہ اس وقت کیچپ اور پیاز کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس کے السر پر ان دونوں چیزوں کا کیا ردعمل ہو گا۔

اب جو اس نے پلٹ کر دیکھا تو وین غائب تھی۔ ہاں ایک مردہ کھوپڑی وہاں موجود تھی، جس کی ڈھیلوں سے محروم آنکھیں اسے گھو رہی تھیں اور عقب سے اسے کسی جانور کی گرم سانسیں چھو رہی تھیں۔

''اوہ جیز ز......'' وہ گھبرا کر لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا۔ اگلے ہی لمحے وہ پلٹا اور اندھا دھند بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ اپنی عزت اور وقار کو بھی بھول چکا تھا۔ وہ جس طرف سے آیا تھا، اسی طرف بھاگ رہا تھا۔ سیلز مین اسے پکار رہا تھا۔ لیکن اسے ہوش نہیں تھا۔

سیلز مین اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اس نے کتے کو اپنے کاؤنٹر سے دھکیلا، جو کاؤنٹر پر پنجے رکھے کھڑا تھا۔ وہ کتے کو برا بھلا کہنے لگا۔ کتا اب ڈھلان کی طرف جا رہا تھا۔ سیلز مین نے کندھے جھٹکے اور اپنا نکالا ہوا بن دوبارہ ڈبے میں ڈال دیا۔

ادھر اینڈریو ڈوئیل کو اب پارک میں لوگوں کی موجودگی کا بالکل احساس نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اپنے تصور کا ڈراما چل رہا تھا۔ بڑے بڑے نکیلے دانتوں والے عفریت زندہ جانوروں کو بھنبھوڑ رہے تھے۔ ان میں بھیڑیے بھی تھے، گدھ بھی اور گیدڑ بھی۔

اپنی لیموزین تک پہنچتے پہنچتے اس کی سانس اکھڑنے لگی تھی۔ لیکن وہ رکا نہیں۔ اپنے شوفر کو نظر انداز کرتے ہوئے، جو اسے سیلوٹ کر رہا تھا، وہ لڑکھڑاتا ہوا پارک سلین کی طرف بڑھا۔ وہاں ٹریفک کے ریلے کی رفتار بہت تیز تھی۔ ان میں کاریں بھی تھیں، ٹرک اور ٹیکسیاں بھی اور سیاحوں کی بسیں بھی اور سب کے درمیان گویا ریس لگی تھی۔

اینڈریو بلا جھجک اس مندر میں اتر گیا۔ اسے چیختے ہوئے بریکوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں نہ لوگوں کی گالیاں۔ اس نے سڑک پار کی اور جنوب کی سمت جانے والے ٹریفک میں شامل ہو گیا۔ پھر اچانک اس نے اندھا دھند وہ سڑک بھی پار کی اور عقبی سڑکوں سے ہوتا ہوا ڈورچسٹر کی طرف چل دیا۔

سفارت خانے پہنچ کر اس نے تیزی سے سیڑھیاں چڑھیں، سیکورٹی والوں کو نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اپنے آفس میں وہ اپنی سیکریٹری کی ڈیسک کے سامنے سے گزرا تو وہ مسکرائی اور اس کے پیغامات کی فہرست اسے دینے کیلئے اٹھی۔ لیکن وہ اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔

اس نے اپنے آفس کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو کر اسے عقب سے بند کر لیا۔ پھر دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوا اور گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ ساتھ ہی اس نے آنکھیں بھی بند کر لیں۔

اس نے چند لمحے بعد آنکھیں کھولیں تو وہ پرسکون ہو چکا تھا۔ اس نے کمرے کو اور اس کی جانی پہچانی آرائش کو دیکھا اور سکون کی سانس لی۔ وہ اپنے مقام پر پہنچ چکا تھا۔ یہ اس کی اپنی دنیا تھی۔

اس کی سانس نارمل ہوتی گئی۔ پھر وہ واش روم کی طرف بڑھا۔ اس نے پچاس تک گنتی گننے کے دوران اپنے بالوں میں انگلیاں لہرائیں، اپنے دونوں انگوٹھوں سے کنپٹیوں کو دبایا۔ اس کی خود اعتمادی واپس آنے لگی۔ اس نے ٹھنڈے پانی کا نل کھولا اور اپنے چلو میں پانی بھرتے ہوئے اپنے چہرے پر چھپکا مارا۔ پھر اس نے تولیے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے آئینے میں دیکھا۔

آئینے میں اس کے عکس کے بجائے اس کے ڈراؤنے خواب والا عفریت اسے گھور رہا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹا۔ اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی تھیں۔ اس نے آئینے سے نظریں ہٹا لیں۔ وہ اس بلا کو نہیں دیکھنا چاہتا تھا اور اب اس نے ایک اہم بات بھی سمجھ لی تھی۔ اس کے پاس پوری دنیا میں چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔

بہت آہستہ آہستہ، تھکے تھکے قدموں سے وہ باہر اپنے آفس میں آیا۔ ایک منٹ وہ اپنی ڈیسک کے پاس کھڑا سامنے والی دیوار کو گھورتا رہا۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھایا اور میز پر رکھے انٹرکام پر ایک بٹن دبایا۔

کمرے میں ایک آواز گونجی۔ ''یس سر۔ پریس آفس۔''

''میں ایمبیسیڈر بول رہا ہوں۔'' اس کی آواز میں زندگی کی رمق بھی نہیں تھی۔ ''میں تین بجے اپنے آفس میں پریس کانفرنس کرنا چاہتا ہوں۔''

(جاری ہے)

''لیکن مسٹر ایمبیسیڈر کل صبح دس بجے پہلے ہی آپ کی پریس کانفرنس طے ہو چکی ہے۔''

اینڈریو ڈوئیل نے کچھ نہیں کہا۔ وہ اپنے بال سیٹ کر رہا تھا۔

''مسٹر ایمبیسیڈر۔''

''آج سہ پہر تین بجے...... میرے آفس میں۔'' اینڈریو نے دہرایا اور بٹن دبا کر رابطہ منقطع کر دیا۔

اب وہ اپنی کرسی پر بیٹھا سامنے کسی نامعلوم خلا میں گھور رہا تھا۔

مین ہٹن۔ نیویارک

ٹیبر کنگسلے شام کے اخبارات کی سرخیاں دیکھ رہا تھا...... ایران میں طوفان باد و باراں...... اس نے خبر پڑھی۔ خبر میں اسے حیرت انگیز واقعہ قرار دیا گیا تھا۔ کیونکہ طوفان کی آمد سے ذرا پہلے بھی اس کے کوئی آثار نہیں تھے۔ موسم گرما کے آغاز میں...... اور گرم خطے میں طوفان کا تصور ہی مضحکہ خیز تھا۔

اس نے اپنی سیکریٹری کو انٹرکام پر ہدایت کی کہ اس خبر کا تراشہ...... گلوبل وارمنگ اپ ڈیٹ...... کے عنوان کے ساتھ سینیٹر وان لوون کو بھجوا دے۔

''بہت بہتر مسٹر کنگسلے۔''

ٹیبر نے اپنی گھڑی میں وقت دیکھا۔ ابھی آدھے گھنٹے بعد وہ دو سراغ رساں اس سے ملنے کے لئے آنے والے تھے۔ اس نے اپنے آراستہ و پیراستہ آفس کا جائزہ لیا۔ یہ سب کچھ...... کے آئی جی اور یہ سب کچھ اس کی اپنی تخلیق تھا۔ ان تین حروف کے پیچھے جو طاقت تھی، وہ حیران کن تھی۔ کے آئی جی کا آغاز اتنا معمولی تھا کہ جن لوگوں نے دیکھا تھا، اب سات سال بعد اس کی ترقی دیکھ کر یقین نہیں کر پاتے تھے۔

ماضی کے واقعات اس کے ذہن میں گھومنے لگے......

اسے وہ دن یاد آیا، جب اس نے کے آئی جی کا نیا لوگو ڈیزائن کیا تھا۔ ایک بے وجود کمپنی کے لئے ایسا شاندار لوگو! سب نے اس پر یہی تبصرہ کیا تھا۔ لیکن ٹیبر نے شیطان کے آشیرباد سے بہت کم وقت میں اس بے وجود کمپنی کو عالمی پاور ہاؤس میں تبدیل کر دیا تھا۔

وہ یاد کر رہا تھا کہ یہ سب کچھ شروع کیسے ہوا تھا......

ٹیبر اپنے بھائی اینڈریو سے پانچ سال چھوٹا تھا۔ اس بات کی اس کی زندگی میں بڑی اہمیت تھی۔ ان کے والدین کے درمیان علیحدگی ہوئی۔ ماں نے دوسری شادی کر لی۔ ان کا باپ سائنس داں تھا۔ دونوں بیٹے اسی کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ دونوں بہت ذہین اور بے حد باصلاحیت تھے۔ ان کے باپ کا ہارٹ اٹیک میں انتقال ہو گیا۔ اس وقت اس کی عمر صرف چالیس سال تھی

ٹیبر ہر لمحہ اس بات پر چڑھتا تھا کہ وہ اینڈریو سے پانچ سال پیچھے ہے۔ اس نے سائنس کی کلاس میں ٹاپ ایوارڈ جیتا تو اسے بتایا گیا کہ اینڈریو پانچ سال پہلے یہ ایوارڈ جیت چکا ہے۔ ایک اور ایوارڈ جیتنے پر اس کے پروفیسر نے کہا۔ ''تم دوسرے کنگسلے ہو، جس نے یہ ایوارڈ جیتا ہے۔''

اس نے ٹینس کی ٹیم جوائن کی تو اس سے کہا گیا۔ ''امید ہے کہ تم بھی اپنے بھائی اینڈریو جیسے ثابت ہو گے......''

وہ جو کچھ بھی کرتا، اس سے لوگوں کو اینڈریو کے کارنامے یاد آتے۔ اس کی تعریف کبھی نہ ہوتی۔ وہ اپنے بھائی کے سائے میں پروان چڑھ رہا تھا وہ ہمیشہ دو نمبر کہلاتا تھا۔ صرف اس لئے کہ اینڈریو اس سے پہلے پیدا ہوا تھا۔ وہ پہلی پوزیشن حاصل کرتا تو بھی اسے دوسری پوزیشن ملتی۔ کیونکہ اس سے پانچ سال پہلے اینڈریو پوزیشن حاصل کر چکا ہوتا تھا۔

دونوں بھائیوں میں مماثلت بھی تھی۔ دونوں خوب رو تھے، ذہین اور باصلاحیت تھے۔ لیکن بڑے ہوتے ہوتے ان کے شخصیتی اختلافات بھی اجاگر ہوتے چلے گئے۔ اینڈریو آئیڈیلسٹ اور ایثار پیشہ تھا۔ جبکہ ٹیبر ظاہر پرست، مادیت پسند اور دنیاوی کامیابیوں کا خواہاں تھا۔ اینڈریو عورتوں کے معاملے میں شرمیلا تھا۔ جبکہ ٹیبر طبعاً شکاری تھا...... اور عورتیں اس کی طرف کھنچی بھی تھیں۔

دونوں بھائیوں کے درمیان سب سے بڑا فرق یہ تھا کہ زندگی کے بارے میں ان کے عزائم مختلف تھے۔ اینڈریو دکھی انسانیت کے کام آنا، اس کے زخموں پر مرہم رکھنا چاہتا تھا۔ جبکہ ٹیبر کی زندگی کا مقصد دولت اور طاقت کا حصول تھا۔

اینڈریو نے تعلیم مکمل ہوتے ہی ایک تھنک ٹینک کیلئے کام کرنے کی آفر قبول کر لی۔ وہاں کام کرنے کے دوران اسے یہ پتا چلا کہ اس طرح کی تنظیم کتنی کارآمد ثابت ہو سکتی ہے۔ پانچ سال بعد اس نے بہت چھوٹے پیمانے پر اپنا تھنک ٹینک قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اینڈریو نے اس سلسلے میں ٹیبر سے بات کی تو ٹیبر بہت خوش ہوا۔ ''بہت شاندار'' اس نے کہا۔ ''یوں ہمیں کروڑوں ڈالر کے سرکاری کانٹریکٹ بھی ملیں گے اور جو کارپوریشنیں......''

''یہ میری سوچ نہیں ہے ٹیبر۔'' اینڈریو نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں تو اس کے ذریعے عام لوگوں کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔''

''عام لوگوں کی مدد!'' ٹیبر نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''ہاں۔ تیسری دنیا میں درجنوں ممالک ایسے ہیں، جہاں کاشت کاری کے صدیوں پرانے طریقے استعمال ہو رہے ہیں۔ ایک کہاوت ہے کہ کسی کو ایک مچھلی دے دی جائے تو وہ اس سے ایک وقت پیٹ بھر سکتا ہے۔ تو اگر ہم اسے مچھلی پکڑنا سکھا دیں تو وہ زندگی بھر بھوک نہیں دیکھے گا۔''

''لیکن اینڈریو، ہمیں ان ملکوں سے کچھ بھی نہیں مل سکے گا......''

''ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں۔ ہم ان ممالک میں اپنے ماہرین بھیجیں گے، جو انہیں کاشت کاری کے جدید ترین طریقوں سے روشناس کرائیں گے۔

(جاری ہے)

 علیم الحق حقی

ان کی زندگی بدل جائے گی۔ میں تمہیں پارٹنر بنا رہا ہوں ٹیمز۔ ہمارے تھنک ٹینک کا نام ہوگا...... کنگسلے گروپ۔ بولو، کیا کہتے ہو؟''

ٹیمز نے ایک لمحے سوچا، پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''آئیڈیا تو برا نہیں۔ ہم ان ممالک سے اسٹارٹ لیں گے اور اس کے بعد کمائی کی فکر کریں گے۔ سرکاری ٹھیکے اور دوسری......''

''ٹیمز...... ہمارا مقصد صرف دنیا کو بہتر جگہ بنانا ہے انسانوں کے لئے۔''

ٹیمز مسکرایا۔ سمجھوتہ تو کرنا ہی پڑے گا۔ اس نے سوچا۔ شروع میں اینڈریو کی مرضی کے مطابق کام کریں گے اور بعد میں بہ تدریج وہ اس کمپنی کو صحیح معنوں میں منافع بخش بنانے کی طرف توجہ دے گا۔ ''ٹھیک ہے اینڈریو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

چھ ماہ بعد دونوں بھائی بارش میں سرخ اینٹوں سے بنی ایک چھوٹی سی عمارت کے سامنے کھڑے تھے۔ دیوار پر ایک چھوٹی سی غیر متاثر کن سائن نصب تھی...... کنگسلے گروپ۔ ''کیسا لگ رہا ہے ٹیمز؟'' اینڈریو نے فخریہ لہجے میں پوچھا۔

''بہت خوب صورت۔'' ٹیمز نے بہ مشکل اپنے لہجے کو طنز اور تمسخر سے پاک کرتے ہوئے کہا۔

''ہم اس بینر تلے دنیا میں خوشیاں بانٹیں گے ٹیمز۔ میں نے ماہرین کی خدمات حاصل کرنی شروع کر دی ہیں ٹیمز، جو تیسری دنیا کے ملکوں میں جائیں گے۔''

ٹیمز اعتراض کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس نے خود کو روک لیا۔ اینڈریو کی طبیعت میں ضد تھی۔ اس کے ساتھ جلد بازی نہیں کی جا سکتی تھی۔ ٹیمز نے سوچا، کوئی بات نہیں۔ میرا بھی وقت آئے گا۔

اس نے سر اٹھا کر اس سائن کو دیکھا۔ مستقبل میں یہ کے آئی جی کہلائے گا...... کنگسلے انٹرنیشنل گروپ! اس نے فیصلہ کیا۔

اینڈریو کے ایک دوست جان ہائی ہولٹ نے اس تھنک ٹینک کو کام شروع کرنے کے لئے ایک لاکھ ڈالر کا سرمایہ فراہم کیا تھا۔ باقی رقم کا بندوبست خود اینڈریو نے کیا تھا۔

ابتدا میں چھ ماہرین کو ممباسا بھیجا گیا اور اس کے بعد صومالیہ اور سوڈان۔ ان کا بنیادی مقصد مقامی آبادی کو یہ سکھانا تھا کہ وہ اپنا معیار زندگی کیسے بہتر بنا سکتے ہیں۔

لیکن انہیں کوئی آمدنی حاصل نہیں ہو رہی تھی۔ یہ بات ٹیمز کے حلق سے نہیں اتر رہی تھی۔ چنانچہ اس نے کہا۔ ''اینڈریو...... کیوں نہ ہم چند بڑی کمپنیوں سے ٹھیکے لیں......''

''نہیں ٹیمز، یہ ہمارا مقصد نہیں۔''

تو ہمارا مقصد کیا ہے؟ اپنا معیار زندگی نیچے لانا! ٹیمز نے بھنا کر سوچا۔ ''دیکھو...... کرائسلر کارپوریشن کو......''

اینڈریو مسکرایا۔ ''سب چھوڑو ٹیمز۔ اپنے اصل کام پر توجہ رکھو''

ٹیمز فون کے سے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

تھنک ٹینک میں اینڈریو اور ٹیمز کی تجربہ گاہیں الگ تھیں۔ دونوں اپنے اپنے پروجیکٹس میں لگے رہتے تھے۔ اینڈریو ہر رات بہت دیر تک مصروف رہا کرتا تھا۔

ایک صبح ٹیمز پلانٹ پر آیا تو اینڈریو وہاں موجود تھا۔ وہ رات بھر کام کرتا رہا تھا۔ اس نے ٹیمز کو آتے دیکھا تو اٹھ کھڑا ہوا۔ ''آج میں بہت خوش ہوں۔ میرے نانوٹیکنالوجی کے تجربات آگے بڑھے ہیں۔ میں ایک نیا طریقہ......''

ٹیمز کی توجہ اس کی طرف نہیں تھی۔ وہ اس لڑکی کے بارے میں سوچ رہا تھا، جس سے وہ گزشتہ رات ملا تھا۔

''......اور میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بہت فرق پڑے گا۔ تمہارا کیا خیال ہے ٹیمز؟''

ٹیمز کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ تاہم اس نے جلدی سے کہا۔ ''زبردست اینڈریو......''

اینڈریو مسکرایا۔ ''میں جانتا تھا کہ تم اس کے وسیع امکانات کو سمجھ سکو گے۔''

ٹیمز کو بس اپنے خفیہ تجربات میں دلچسپی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا، میں اگر کامیاب ہو گیا تو دنیا میرے قدموں میں ہوگی......

ایک شام ٹیمز ایک کاک ٹیل پارٹی میں شریک تھا۔ اچانک عقب سے ایک نسوانی آواز نے کہا۔ ''میں نے تمہارے متعلق بہت کچھ سنا ہے مسٹر کنگسلے۔''

ٹیمز بڑے پر جوش انداز میں مڑا۔ لیکن جو کچھ اس نے دیکھا، وہ مایوس کن تھا۔ وہ ایک عام سی بے کشش لڑکی تھی۔ البتہ اس کی آنکھیں اور مسکراہٹ بہت خوبصورت تھی۔ لیکن ٹیمز تو جسمانی خوبصورتی کا قائل تھا۔ تاہم اس نے اپنی مایوسی چھپانے کی کوشش کی۔ ''مجھے امید ہے کہ کچھ اچھا ہی سنا ہوگا۔'' وہ بولا اور اس لڑکی سے جان چھڑانے کے بارے میں سوچنے لگا۔

''میں پاؤلین کوپیٹ ہوں۔ دوست مجھے پاؤلا کہتے ہیں۔'' لڑکی نے کہا۔ ''کالج کے زمانے میں تم میری بہن جینی کے دوست تھے۔ جینی تو تمہارے لئے پاگل ہو رہی تھی۔''

جینی! ٹیمز یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر یادداشت کی تمام الماریاں لڑکیوں کے ناموں اور حلیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ ان میں سے کسی جینی کا نکالنا کوئی مذاق نہیں تھا۔

''جینی تم سے شادی کرنا چاہتی تھی۔''

یہ بھی کوئی اہم کلیو نہیں تھا۔ ہر لڑکی اس سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ تاہم کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی تھا۔ ''تمہاری بہن بہت پیاری لڑکی تھی۔ لیکن ہم دونوں کے درمیا......''

''فضول باتیں مت کرو۔ میں جانتی ہوں کہ تمہیں جینی یاد بھی نہیں ہے۔''

''وہ...... میں...... دراصل......''

''کوئی بات نہیں۔ جینی نے شادی کر لی ہے۔''

ٹیمز نے سکون کی سانس لی۔ ''اوہ گڈ......''

''ہاں۔ لیکن میری شادی نہیں ہوئی ہے ابھی۔'' پاؤلا نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ ''کل رات کے کھانے پر ملیں؟''

ٹیمز نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ اس کے معیار پر پوری نہیں اترتی تھی لیکن اس میں عجیب طرح کی کشش تھی اور پھر ایسی لڑکیاں آسان ثابت ہوتی ہیں...... تر نوالہ!

پاؤلا بھی اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ ''بل میں ادا کروں گی۔''

ٹیمز ہنس دیا۔ ''چلو...... ٹھیک ہے۔''

ڈنر پر پاؤلا سفید لباس میں پہلی ملاقات سے کہیں اچھی لگ رہی تھی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ کوئی شہزادی لگ رہی تھی۔ ٹیمز اسے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''گڈ ایوننگ۔''

پاؤلا نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ''گڈ ایوننگ۔'' اس کے انداز میں خود اعتمادی بھی شہزادیوں کی سی تھی۔

بیٹھنے کے بعد پاؤلا نے کہا۔ ''اب ہمیں پھر سے شروع کرنا چاہئے۔ بات یہ ہے کہ میری کوئی بہن نہیں ہے...... جینی نہ کوئی اور۔''

ٹیمز نے اسے الجھن بھری نظروں سے دیکھا۔ ''لیکن تم نے مجھے بتایا تھا کہ......''

''میں بس تمہارا ردعمل چیک کرنا چاہتی تھی۔'' پاؤلا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں نے اپنی سہیلیوں سے تمہارے بارے میں بہت کچھ سنا...... اور تم میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گئی۔''

ٹیمز ان سہیلیوں کے بارے میں بھی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا اور وہ پاؤلا کی دلچسپی کی نوعیت سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''نتائج اخذ کرنے میں جلد بازی نہ کرو۔ مجھے تمہاری شمشیر زنی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ہاں، تمہارے ذہن میں ضرور ہے۔''

ٹیمز کو خوف آنے لگا۔ اسے لگا کہ یہ لڑکی اس کی سوچیں تک پڑھ رہی ہے۔ وہ اس کا ذہن بھی پڑھ سکتی تھی۔ ''تو...... تو...... تت تم...... تمہیں ذہن پڑھنے میں دلچسپی ہے؟'' اس نے گڑبڑا کر کہا۔

''ذہن بھی...... اور اور بہت کچھ بھی۔'' پاؤلا کے انداز میں دعوت تھی۔

ٹیمز کو پھر ایسا لگا کہ یہ منزل بہت آسان ہے۔ اس نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''تم تو بہت خاص...... خاص الخاص لڑکی ہو۔ آج رات ہم بہت اچھا وقت گزاریں گے۔''

(جاری ہے)

دجال

قسط نمبر: 36

علیم الحق حقی

ویٹنگ روم میں شیز کی سیکریٹری کیتھی اور ڈیز ایک بڑی ڈیسک کے عقب میں بیٹھی تھی۔ ''گڈ مورننگ حضرات۔ آپ اندر چلے جائیں''۔ وہ اٹھی اور اس نے شیز کے آفس کا دروازہ کھولا۔ وہ اندر گئے تو اس نے آہستہ سے دروازہ بند کر دیا۔

وہ بہت بڑا آفس تھا جہاں الیکٹرونک کے بے شمار آلات نصب تھے۔ ساؤنڈ پروف دیواروں پر بہت پتلے ٹی وی سیٹ نصب تھے، جن پر دنیا کے بڑے بڑے اور اہم شہروں کے منظر نظر آرہے تھے۔ ان میں کچھ کانفرنس روم تھے، کچھ لیبارٹریز اور کچھ ہوٹلوں کے سوئیٹس، جہاں کوئی میٹنگ چل رہی تھی۔ ہر سیٹ کا اپنا آڈیو سسٹم تھا۔ آواز بہت دھیمی تھی۔ لیکن مختلف زبانوں کے گھلے ملے جملے خاصا ڈراؤنا تاثر مرتب کر رہے تھے۔ ہر اسکرین کے نچلے حصے پر شہروں کے نام لکھے تھے...... میلان، جوہانس برگ، زیورخ، میڈرڈ، ایمسٹرڈم...... سامنے والی دیوار پر ایک بڑا بک شیلف تھا، جس میں کتابیں ہی کتابیں تھیں۔

شیز مہاگنی کی بڑی میز کے پیچھے بیٹھا تھا۔ میز پر ایک کنسول تھا، جس میں چھ سات مختلف رنگوں کے بٹن لگے تھے۔

شیز انہیں دیکھ کر اپنی کرسی سے اٹھا۔ ''گڈ مورننگ جنٹل مین''۔

گرین برگ نے کہا۔ ''گڈ مورننگ۔ ہم......''

''میں جانتا ہوں کہ تم کون ہو...... سراغ رساں ارل گرین برگ اور رابرٹ''۔ اس نے ان سے ہاتھ ملائے۔ ''بیٹھئے''۔

دونوں سراغ رساں بیٹھ گئے۔ رابرٹ ٹی وی اسکرینز پر لحہ بہ لحہ بدلتے مناظر کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ستائشی انداز میں سر ہلایا۔ ''زبردست۔ اس دور میں ترقی......''

شیز نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ ''ٹیکنالوجی ابھی دو تین سال تک مارکیٹ میں نہیں پہنچ سکے گی۔ ہم اس کی مدد سے دنیا بھر سے معلومات اکٹھی کرتے ہیں۔ یہ خودکار طریقے سے ریکارڈ ہوتی ہیں اور پھر کمپیوٹر ان کا تجزیہ کرتے ہیں''۔

''مسٹر کنگسلے، یہ بتائیے کہ ایک تھنک ٹینک کس انداز میں کام کرتا ہے؟'' رابرٹ نے بچوں کے سے انداز میں پوچھا۔

''بنیادی طور پر ہم مسائل حل کرنے والے ہیں۔ ہم مسائل کے بارے میں پہلے سے اندازے لگاتے اور پھر ان کا حل سوچتے ہیں۔ کچھ تھنک ٹینک کسی خاص ایریا میں کام کرتے ہیں، مثلاً ملٹری، معیشت یا سیاست۔ ہمارے معاملات میں نیشنل سیکورٹی، مواصلات، مائیکرو بایولوجی اور ماحولیات وغیرہ ہیں۔ اور ہم عالمی سطح پر کام کرتے ہیں''۔

''بہت دلچسپ''۔ رابرٹ نے تبصرہ کیا۔

''ہمارے اسٹاف میں 65 فیصد سے زیادہ لوگ ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے چکے ہیں''۔

''شاندار''۔

''میرے بھائی اینڈریو نے تیسری دنیا کے ممالک کی مدد کی غرض سے کے آئی جی کی بنیاد رکھی تھی۔ آج بھی ہم اس سلسلے میں کام کر رہے ہیں......''

اسی وقت ایک ٹی وی سیٹ پر بجلی کا کڑاکا سنائی دیا۔ وہ تینوں اس سیٹ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''میں نے کہیں پڑھا تھا کہ آپ موسم پر تجربات کر رہے ہیں''۔

شیز کا منہ بن گیا۔ ''ہاں'' اسے کے آئی جی کی حماقت کہا جاتا ہے۔ وہ کے آئی جے کی محدودے چند ناکامیوں میں سے ہے۔ یہ وہ پروجیکٹ تھا، جس کی کامیابی کی مجھے بہت زیادہ امید تھی۔ لیکن اب ہم اس سے جان چھڑا رہے ہیں''۔

''کیا موسم کو کنٹرول کیا جا سکتا ہے''۔ رابرٹ نے پوچھا۔

شیز نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''بہت معمولی حد تک۔ بہت لوگوں نے اس سلسلے میں کوششیں کی ہیں۔ 1900 میں نکولا ٹیسلا نے موسم پر تجربات کئے تھے۔ اس نے دریافت کیا کہ ریڈیائی لہروں کے ذریعے موسم کے آیونائزیشن کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ 1968ء میں پروجیکٹ پاپ آئی کے ذریعے حکومت نے لاؤس میں مون سون کے سیزن کو طول دینے کی کوشش کی۔ وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ لیکن موسم پر پوری طرح قدرت بھی حاصل نہیں کی جا سکے گی۔ اور اس کی وجوہات ہیں۔ ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ ایل نینو بحرالکاہل میں گرم ٹمپریچر کی تخلیق کرتا ہے۔ جبکہ لانینا بحرالکاہل میں سرد ٹمپریچر پیدا کرتا ہے۔ یہ دونوں مل کر موسم کنٹرول کرنے کی ہر کوشش کی نفی کرتے ہیں۔ جنوبی کرے میں زمین پر 80 فیصد پانی ہے۔ جبکہ شمالی کرہ 600 فیصد پانی سے ڈھکا ہوا ہے۔ اس سے عدم توازن پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جیٹ اسٹریم طوفانوں کا راستہ متعین کرتی ہے اور اسے کنٹرول کرنے کا کوئی طریقہ نہیں''۔

ارل گرین برگ نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر ذرا ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ''آپ جانتے ہیں مسٹر کنگسلے کہ ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟''

شیز نے اسے بہت غور سے دیکھا۔ ''چوبیس گھنٹے کے ایک دورانیے میں ہمارے چار رکن یا تو مر گئے یا پر اسرار انداز میں غائب ہو گئے۔ ہم نے اپنے طور پر اس معاملے کی تفتیش شروع کر دی ہے۔ دنیا کے تمام بڑے شہروں میں ہمارے دفاتر موجود ہیں۔ ہمارے ملازمین کی تعداد 1800 سے زیادہ ہے۔ میرے لئے ان سب سے رابطہ رکھنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے دو ملازمین جو قتل ہوئے، وہ غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث تھے۔ یقین کرو کہ ان کی موت کے آئی جی کی ساکھ پر ہرگز اثر انداز نہیں ہو گی۔ ان کی سرگرمیاں ہی ان کی موت کا باعث بنیں''۔

''مسٹر کنگسلے، ایک بات اور ہے''۔ گرین برگ نے کہا۔ ''چھ سال پہلے ٹوکیوں میں اکیرا آئسو نامی ایک سائنسدان نے خودکشی کی تھی تین سال پہلے ایک سوئس سائنسدان میڈلین اسمتھ نے بھی خودکشی......''

''ان میں سے کسی نے بھی خودکشی نہیں کی تھی۔ انہیں قتل کیا گیا تھا''۔ شیز نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا

(جاری ہے)

دجال

ویٹنگ روم میں شیز کی سیکریٹری کیتھی اورڈیز ایک بڑی ڈیسک کے عقب میں بیٹھی تھی۔ ''گڈ مورننگ حضرات۔ آپ اندر چلے جائیں''۔ وہ اٹھی اور اس نے شیز کے آفس کا دروازہ کھولا۔ وہ اندر گئے تو اس نے آہستہ سے دروازہ بند کر دیا۔

وہ بہت بڑا آفس تھا جہاں الیکٹرونک کے بے شمار آلات نصب تھے۔ ساؤنڈ پروف دیواروں پر بہت پتلے ٹی وی سیٹ نصب تھے، جن پر دنیا کے بڑے بڑے اور اہم شہروں کے منظر نظر آ رہے تھے۔ ان میں کچھ کانفرنس روم تھے، کچھ لیبارٹریز اور کچھ ہوٹلوں کے سوئیٹس، جہاں کوئی میٹنگ چل رہی تھی۔ ہر سیٹ کا اپنا آڈیو سسٹم تھا۔ آواز بہت دھیمی تھی۔ لیکن مختلف زبانوں کے گھلے ملے جملے خاصا ڈراؤنا تاثر مرتب کر رہے تھے۔ ہر اسکرین کے نچلے حصے پر شہروں کے نام لکھے تھے...... میلان، جوہانس برگ، زیورخ، میڈرڈ، ہیلسنکی...... سامنے والی دیوار پر ایک بڑا ایک شیلف تھا، جس میں کتابیں ہی کتابیں تھیں۔

شیز مہاگنی کی بڑی میز کے پیچھے بیٹھا تھا۔ میز پر ایک کنسول تھا، جس میں چھ سات مختلف رنگوں کے بٹن لگے تھے۔

شیز انہیں دیکھ کر اپنی کرسی سے اٹھا۔ ''گڈ مورننگ جنٹل مین''۔

گرین برگ نے کہا۔ ''گڈ مورننگ۔ ہم......''

''میں جانتا ہوں کہ تم کون ہو...... سراغ رساں ارل گرین برگ اور رابرٹ''۔ اس نے ان سے ہاتھ ملائے۔ ''بیٹھیے''۔

دونوں سراغ رساں بیٹھ گئے۔ رابرٹ ٹی وی اسکرینز پر لمحہ بہ لمحہ بدلتے مناظر کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ستائشی انداز میں سر ہلایا۔ ''زبردست۔ اس دور میں ترقی......''

شیز نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ ''ٹیکنالوجی ابھی دو تین سال تک مارکیٹ میں نہیں پہنچ سکے گی۔ ہم اس کی مدد سے دنیا بھر سے معلومات اکٹھی کرتے ہیں۔ یہ خود کار طریقے سے ریکارڈ ہوتی ہیں اور پھر کمپیوٹر ان کا تجزیہ کرتے ہیں''۔

''مسٹر کنگسلے، یہ بتایئے کہ ایک تھنک ٹینک کس انداز میں کام کرتا ہے؟'' رابرٹ نے بچوں کے سے انداز میں پوچھا۔

''بنیادی طور پر ہم مسائل حل کرنے والے ہیں۔ ہم مسائل کے بارے میں پہلے سے اندازے لگاتے اور پھر ان کا حل سوچتے ہیں۔ کچھ تھنک ٹینک کسی خاص ایریا میں کام کرتے ہیں، مثلاً ملٹری، معیشت یا سیاست۔ ہمارے معاملات میں نیشنل سیکورٹی، مواصلات، مائیکرو بائیولوجی اور ماحولیات وغیرہ ہیں۔ اور ہم عالمی سطح پر کام کرتے ہیں''۔

''بہت دلچسپ''۔ رابرٹ نے تبصرہ کیا۔

''ہمارے اسٹاف میں 65 فیصد سے زیادہ لوگ ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے چکے ہیں''۔

''شاندار''۔

''میرے بھائی اینڈریو نے تیسری دنیا کے ممالک کی مدد کی غرض سے کے آئی جی کی بنیاد رکھی تھی۔ آج بھی ہم اس سلسلے میں کام کر رہے ہیں......''

اسی وقت ایک ٹی وی سیٹ پر بجلی کا کڑکا سنائی دیا۔ وہ تینوں اس سیٹ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''میں نے کہیں پڑھا تھا کہ آپ موسم پر تجربات کر رہے ہیں''۔

شیز کا منہ بن گیا۔ ''ہاں'' اسے کے آئی جی کی حماقت کہا جاتا ہے۔ وہ کے آئی جے کی معدودے چند ناکامیوں میں سے ہے۔ یہ وہ پروجیکٹ تھا، جس کی کامیابی کی مجھے بہت زیادہ امید تھی۔ لیکن اب ہم اس سے جان چھڑا رہے ہیں''۔

''کیا موسم کو کنٹرول کیا جا سکتا ہے''۔ رابرٹ نے پوچھا۔

شیز نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''بہت معمولی حد تک۔ بہت لوگوں نے اس سلسلے میں کوششیں کی ہیں۔ 1900 میں نکولا ٹیسلا نے موسم پر تجربات کئے تھے۔ اس نے دریافت کیا کہ ریڈیائی لہروں کے ذریعے موسم کے آیونائزیشن کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ 1968ء میں پروجیکٹ پاپ آئی کے ذریعے حکومت نے لاؤس میں مون سون کے سیزن کو طول دینے کی کوشش کی۔ وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ لیکن موسم پر پوری طرح قدرت بھی حاصل نہیں کی جا سکے گی۔ اور اس کی وجوہات ہیں۔ ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ ایل نینو بحرالکاہل میں گرم ٹمپریچر کی تخلیق کرتا ہے۔ جبکہ لانینا بحرالکاہل میں سرد ٹمپریچر پیدا کرتا ہے۔ یہ دونوں مل کر موسم کنٹرول کرنے کی ہر کوشش کی نفی کرتے ہیں۔ جنوبی کرے میں زمین پر 80 فیصد پانی ہے۔ جبکہ شمالی کرہ 600 فیصد پانی سے ڈھکا ہوا ہے۔ اس سے عدم توازن پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جیٹ اسٹریم طوفانوں کا راستہ متعین کرتی ہے اور اسے کنٹرول کرنے کا کوئی طریقہ نہیں''۔

ارل گرین برگ نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر ذرا ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ''آپ جانتے ہیں مسٹر کنگسلے کہ ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟''

شیز نے اسے بہت غور سے دیکھا۔ ''چوبیس گھنٹے کے ایک دورانیے میں ہمارے چار کارکن یا تو مر گئے یا پراسرار انداز میں غائب ہو گئے۔ ہم نے اپنے طور پر اس معاملے کی تفتیش شروع کر دی ہے۔ دنیا کے تمام بڑے شہروں میں ہمارے دفاتر موجود ہیں۔ ہمارے ملازمین کی تعداد 1800 سے زیادہ ہے۔ میرے لئے ان سب سے رابطہ رکھنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے دو ملازمین جو قتل ہوئے، وہ غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث تھے۔ یقین کرو کہ ان کی موت کے آئی جی کی ساکھ پر ہرگز اثر انداز نہیں ہو گی۔ ان کی سرگرمیاں ہی ان کی موت کا باعث بنیں''۔

''مسٹر کنگسلے، ایک بات اور ہے''۔ گرین برگ نے کہا۔ ''چھ سال پہلے ٹوکیوں میں اکیرا آئسو نامی ایک سائنسدان نے خودکشی کی تھی تین سال پہلے ایک سوئس سائنسدان میڈلین اسمتھ نے بھی خودکشی......''

''ان میں سے کسی نے بھی خودکشی نہیں کی تھی۔ انہیں قتل کیا گیا تھا''۔ شیز نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

(جاری ہے)

دونوں سراغ رسانوں نے اسے حیرت سے دیکھا۔ ''آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں؟'' گرین برگ نے پوچھا۔

''وہ میری وجہ سے مارے گئے''۔ شیز کے لہجے میں تلخی تھی۔

''آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں......''

''اکیرا ایک بہت اچھا سائنسدان تھا۔ اس کا تعلق ٹوکیوں فرسٹ انڈسٹریل گروپ سے تھا۔ ٹوکیو میں ایک کونشن کے دوران میری اس سے ملاقات ہوئی۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کو پسند کیا۔ میں نے اسے اپنے گروپ کیلئے کام کرنے کی پیشکش کی، جو اس نے قبول کرلی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ اس معاملے میں بہت پر جوش تھا۔ ہم نے اس معاملے کو خفیہ رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن شاید اکیرا نے کسی کو ہمراز بنالیا۔ پھر ایک اخبار میں اس بارے میں ایک کالم چھپا۔ اور اس کے اگلے روز اکیرا اپنے ہوٹل کے کمرے میں مردہ پایا گیا''۔

''مسٹر لنکلیے، اس کی موت کی کوئی اور وجہ بھی تو ہو سکتی ہے''۔ رابرٹ نے کہا۔

''نہیں۔ میں نہیں مانتا کہ وہ خودکشی تھی۔ میں نے ایک سراغ رساں کو جاپان بھیجا اور جاپان میں موجود اپنے لوگوں سے بھی تفتیش کرائی۔ انہیں کوئی ثبوت نہیں ملا۔ میں نے سوچا شاید میں ہی غلط سوچ رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے، اکیرا کی زندگی میں کوئی اور مسئلہ رہا ہو، جس سے میں بے خبر ہوں''۔

''تو پھر آپ اتنے یقین سے کیوں کہہ رہے ہیں کہ وہ قتل کئے گئے تھے؟'' گرین برگ نے اعتراض کیا۔

''اکیرا کے بعد میڈ بلین اسمتھ کے ساتھ بھی وہی کچھ ہوا۔ وہ بھی ہماری کمپنی جوائن کرنے کے لئے تیار ہو گئی تھی اور پھر اس نے بھی خودکشی کرلی''۔

''آپ یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ دونوں اموات ایک ہی زنجیر کی دو کڑیاں ہیں؟''۔

''کیونکہ میڈ بلین بھی اسی کمپنی کی شاخ میں کام کرتی تھی...... وہی ٹوکیو فرسٹ انٹرنیشنل گروپ''۔

چند لمحے خاموشی رہی سنگین خاموشی! پھر رابرٹ نے کہا۔ ''لیکن کوئی کمپنی اپنے کسی ملازم کو صرف اتنی سی بات پر قتل نہیں کرا دیتی کہ وہ اسے چھوڑ کر کوئی اور کمپنی جوائنٹ کر رہا ہو''۔

''میڈ بلین اسمتھ صرف ایک ملازم نہیں تھی۔ وہ ایک لائق ترین طبعیات داں تھی۔ اس نے کئی ایسے مسئلے حل کئے تھے، جن کی وجہ سے اس کی کمپنی کو شہرت بھی ملی تھی اور بھاری منافع بھی۔ یہی حال اکیرا کا تھا''۔

''سوئس پولیس نے میڈ بلین کی موت کے سلسلے میں چھان بین کی تھی؟''۔

''ہاں۔ اور ہم نے بھی کی تھی۔ لیکن کوئی واضح ثبوت نہیں ملا۔ بلکہ ہم اب تک ان تمام اموات پر کام کر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم یہ کیس حل کرلیں گے۔ کے آئی جی کے رابطے پوری دنیا میں ہیں۔ اگر مجھے کوئی سراغ نہیں ملا تو میں تمہیں ضرور اطلاع دوں گا۔ اور تمہیں سراغ ملے تو تم مجھے باخبر رکھنا''۔

''جی۔ ٹھیک ہے''۔ گرین برگ میں نے کہا۔

ٹیز کی میز پر رکھے ایک سنہرے فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ ''ہیلو...... ہاں...... تفتیش جاری ہے۔ بلکہ اس وقت بھی دو سراغ رساں میرے سامنے بیٹھے ہیں۔ وہ ہم سے تعاون کے لئے تیار ہیں''۔ اس نے گرین برگ اور رابرٹ کو دیکھا۔ ''ٹھیک ہے۔ جیسے ہی کچھ معلوم ہوگا، میں تمہیں مطلع کروں گا''۔ یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

''مسٹر لنکلیے، کیا آپ یہاں کسی حساس پروجیکٹ پر کام کر رہے ہیں؟'' گرین برگ نے پوچھا۔

''اگر تم قتل کے ان واقعات کے تناظر میں یہ پوچھ رہے ہو تو میں تمہیں بتادوں کہ دنیا میں سو سے زیادہ تھنک ٹینک انہی مسائل پر کام کر رہے ہیں، جن پر ہم کام کر رہے ہیں۔ ہم بہرحال یہاں ایٹم بم نہیں بنا رہے ہیں۔ اس لئے میں تمہارے سوال کا جواب نفی میں دوں گا''۔

دروازہ کھلا اور کاغذوں کی ایک گڈی ہاتھ میں لئے اینڈریو لنکلیے اندر آیا۔ کسی حد تک وہ اپنے بھائی سے مشابہ تھا۔ لیکن اس کے چہرے کے نقوش دھندلے سے لگ رہے تھے۔ اس کے بالوں میں سفیدی غالب آرہی تھی اور وہ کم بھی ہو رہے تھے۔ اس کے چہرے پر جھریاں تھیں اور وہ کمر خم کر کے چل رہا تھا۔ جبکہ ٹیز ذہانت اور توانائی کا پاور ہاؤس لگتا تھا۔

اور اینڈریو بولا تو اس کے لہجے میں بھی لکنت تھی۔ ''سوری ٹیز وہ نوٹس جو...... جو تم نے مانگے تھے، وہ میں...... مکمل نہیں کر سکا وہ...... دیر ہوگئی''۔

''کوئی بات نہیں اینڈریو''۔ ٹیز نے اسے دلاسہ دیا۔ ''یہ میرا بھائی ہے اینڈریو...... اور یہ سراغ رساں گرین برگ اور رابرٹ''۔ اس نے تعارف کرایا۔ اینڈریو نے ان دونوں کو دیکھا اور پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔

''اینڈریو...... انہیں اپنے نوبل پرائز کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے؟'' ٹیز نے اپنے بھائی سے کہا۔

''ہاں...... نوبل پرائز...... وہ نوبل پرائز......''۔ پھر اچانک وہ پلٹا اور کمرے سے نکل گیا۔

اس کے جانے کے بعد ٹیز نے کہا۔ ''میں نے بتایا نا کہ اینڈریو اس کمپنی کا بانی ہے۔ وہ ذہین ترین سائنس داں تھا۔ سات سال پہلے ایک سائنسی دریافت پر اسے نوبل پرائز دیا گیا۔ بدقسمتی سے انہی دنوں ایک تجربہ الٹا پڑ گیا اور اینڈریو بے چارہ اس حال کو پہنچ گیا''۔

''لیکن پتا چلتا ہے کہ وہ کیسے شاندار آدمی رہے ہوں گے''۔

''تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ کیا چیز تھا''۔ ٹیز کے لہجے میں افسردگی تھی۔

(جاری ہے)

دجال

ارل گرین برگ اٹھا اور اس نے میئر کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''ہم آپ کا مزید وقت نہیں لیں گے مسٹر لنگسلے۔ اور ہم آپ سے رابطہ رکھیں گے۔''

''جنٹلمین...... ان جرائم کو فوری طور پر حل کرنا ہوگا۔'' میئر کے لہجے میں اسٹیل جیسی سختی تھی۔

............☆☆☆............

صبح کے تمام اخبارات اسی ایک خبر سے بھرے تھے...... جرمنی میں قحط کی وجہ سے سو افراد ہلاک۔ کروڑوں ڈالر مالیت کی کھڑی فصلیں تباہ ہوگئی تھیں۔ میئر نے اسٹر کام پر کیتھی سے کہا۔ ''یہ آرٹیکل بھی سینیٹر وان لوئن کو بھیج دو۔ نوٹ میں لکھنا...... ایک اور گلوبل وارمنگ اپ ڈیٹ از طرف لنگسلے......''

............☆☆☆............

میئر پاؤلا کے ساتھ گزری وہ شام کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔ اسے پاؤلا کی بدتمیزی، اس کا تمسخر یاد آتا تو اس کے وجود میں جیسے آگ بھڑک اٹھتی۔ اسے اس توہین کا بدلہ لینا تھا۔

اس نے فیصلہ کیا کہ وہ پاؤلا سے ایک بار اور ملے گا۔ اس سے بدلہ لے گا...... اور پھر اسے ہمیشہ کے لئے بھول جائے گا۔

اس نے تین دن کے انتظار کے بعد پاؤلا کو فون کیا۔ ''ہیلو شہزادی؟''

''کون بات کر رہا ہے؟''

اس کا جی چاہا کہ ریسیور پٹخ دے۔ کتنے لوگ اسے شہزادی کہہ کر پکارتے ہوں گے؟ اس نے جھنجلا کر سوچا۔ لیکن پھر اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''میں میئر لنگسلے بات کر رہا ہوں۔''

''اوہ...... تم...... کیسے ہو بھئی؟'' پاؤلا کے انداز میں بے پروائی تھی۔

میئر نے سوچا...... مجھ سے غلطی ہوگئی۔ مجھے اس کو کال نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مگر اب تو بہر حال وہ غلطی کر ہی چکا تھا۔ ''میں نے سوچا تم سے ڈنر کا پوچھ لو۔ لیکن لگتا ہے، تم مصروف ہو۔ لہٰذا میں یہ خیال دل سے......''

''آج شام کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

میئر کو پھر جھٹکا لگا۔ وہ اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ بہر حال وہ اس لڑکی کو ایک ناقابل فراموش سبق دینا چاہتا تھا۔

............☆☆☆............

چار گھنٹے بعد وہ دونوں ایک فرانسیسی ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے۔ میئر کو اس بات پر حیرت تھی کہ وہ اس لڑکی سے مل کر سچ مچ بہت خوش تھا۔ ''میں تمہیں مس کرتا رہا ہوں شہزادی۔'' اس نے بے حد سچائی سے کہا۔

وہ مسکرائی۔ ''مس تو میں بھی تمہیں کرتی رہی ہوں۔ تم تو کچھ چیز ہو بھئی...... ویری اسپیشل۔''

وہ اس کے الفاظ سے لوٹا رہی تھی...... اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔

ایسا لگتا تھا کہ اس روز وہ آخری بار مل رہے ہیں۔ میئر لڑکیوں پر حاوی رہنے کا عادی تھا۔ لیکن یہاں یہ لڑکی اسے کنٹرول کر رہی تھی۔ اس کے پاس اس کی ہر بات کا جواب تھا۔ وہ بہت تیز اور ذہین تھی۔ پہلی بار میئر کو احساس ہوا کہ آسانی سے شکار ہونے والی لڑکیوں کے مقابلے میں یہ بے کشش لڑکی پہلی بار اس کیلئے چیلنج بن رہی ہے۔

''مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔'' میئر نے کہا۔

پاؤلا نے سند ھ جھٹک دیئے۔ ''میرے ڈیڈی دولت مند اور طاقت ور آدمی تھے اور میں ان کی بگڑی ہوئی بیٹی۔ میں نے اچھی تعلیم حاصل کی۔ پھر ایک دن ڈیڈی ساری دولت گنوا بیٹھے اور اس صدمے سے جاں بر بھی نہ ہو سکے۔ تب سے میں ایک سیاست داں کی ایگزیکٹو اسسٹنٹ ہوں۔''

''تمہیں لطف آتا ہے اس کام میں؟''

''نہیں۔ وہ بہت بور آدمی ہے۔'' پاؤلا نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''اور میں دلچسپیوں کی تلاش میں ہوں۔''

............☆☆☆............

اگلے روز میئر نے پاؤلا کو پھر فون کیا۔ ''مجھے امید تھی کہ تم کال کرو گے۔'' پاؤلا کے لہجے میں گرم جوشی تھی۔

میئر کو بہت خوشی ہوئی۔ ''سچ کہہ رہی ہو نا؟'' اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

''بالکل سچ۔ یہ بتاؤ، آج مجھے کہاں لے چلو گے؟''

میئر ہنس دیا۔ ''جہاں تم کہو۔''

''میں تو پیرس کے لیکسمر میں ڈنر کرنا چاہتی ہوں۔ لیکن تمہاری قربت کی خاطر ہر جگہ قبول ہے۔''

اس نے پھر اسے چونکا دیا تھا۔ لیکن اس بار وہ خوش بہت تھا۔

اس رات ڈنر کے دوران تمام وقت میئر پاؤلا کو دیکھتا اور یہ سوچتا رہا کہ وہ کیوں اس کی طرف ایسے کھنچتا ہے۔ وہ خوب صورت ہرگز نہیں تھا۔ لیکن ذہین بے حد تھا۔ اور اس کی وجہ سے اس کی شخصیت بہت دل آویز لگتی تھی۔ وہ پر اعتماد بھی تھی اور ہواؤں کی طرح آزاد بھی۔ اس رات میئر کو یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ پاؤں سے ہر موضوع پر گفتگو کی جا سکتی ہے۔

''تم زندگی میں کیا کرنا چاہتی ہو شہزادی؟''

اس نے جواب دینے سے پہلے میئر کو غور دیکھا۔ ''میں طاقت حاصل کرنا چاہتی ہوں...... ایسی طاقت کہ جو میں چاہوں، وہ ہو جایا کرے۔''

میئر مسکرایا۔ ''تمہاری سوچیں ایک جیسی ہیں۔''

''یہ بات تم نے اس سے پہلے کتنی عورتوں سے کہی ہے میئر؟''

میئر کو غصہ آ گیا۔ ''تم یہ کہنا چھوڑ دو۔ جب میں کہتا ہوں کہ تم ہر اس عورت سے مختلف ہو جس سے میں......''

''میں کیا......؟ جملہ پورا کرو۔''

''تم مجھے غصہ دلاتی ہو۔''

(جاری ہے)

''بے چارہ ٹیمز۔ غصہ آئے تو جا کر ٹھنڈے ٹھنڈے پانی سے نہا لیا کرو۔''

ٹیمز کو پھر غصہ آنے لگا۔ بس...... بہت ہو گئی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گیا کہ کچھ فائدہ نہیں......''

''میرے گھر چلو گے؟''

ٹیمز کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ''تمہارے گھر؟''

''ہاں۔ مجھے میرے گھر لے چلو۔''

............☆☆☆............

اس کے بعد ان کی ہر شام ساتھ گزرنے لگی۔ پاؤلا اب ٹیمز کی نظر میں خوبصورت ہو گئی تھی۔

ایک رات ٹیمز نے کہا۔ ''شہزادی...... ایک بار تم نے کہا تھا کہ میں تم سے وہ کچھ کہوں جو میں نے کبھی کسی عورت سے نہیں کہا ہو۔''

''ہاں۔ مجھے یاد ہے۔''

''تو سنو۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

ایک لمحے کی ہچکچاہٹ کے بعد پاؤلا مسکرا دی۔

''کیا میں اسے ہاں سمجھوں؟''

''ڈارلنگ، میں بھی تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ مگر ایک مسئلہ ہے۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں طاقت حاصل کر کے بہت کچھ کرنا چاہتی ہوں اس لئے دولت کا حصول ضروری ہے۔''

ٹیمز نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے شہزادی۔ میں ایک اہم کاروبار میں ساجھے دار ہوں۔ ایک دن میں اتنی دولت کما لوں گا کہ تم جو چاہو گی تمہیں مل جائے گا۔''

پاؤلا نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں ٹیمز۔ تم اپنی بھائی اینڈریو کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ میں تم دونوں کے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں اینڈریو اس کمپنی کو کاروبار کبھی نہیں بنائے گا۔ تم مجھے کبھی کچھ نہیں دے سکتے۔''

ٹیمز نے ایک لمحے سوچا۔ پھر بولا۔ ''تم غلطی کر رہی ہو۔ میں تمہیں اینڈریو سے ملانا چاہتا ہوں۔''

............☆☆☆............

اگلے روز وہ تینوں لنچ پر ملے۔ اینڈریو کو پاؤلا بہت اچھی لگی۔ اسے ٹیمز سے ذہانت کے انتخاب کی امید نہیں تھی۔ اس نے تو ٹیمز کو ہمیشہ ظاہری خوب صورتی کے پیچھے بھاگتے دیکھا تھا۔ اس نے اشارے سے ٹیمز کو بتا دیا کہ پاؤلا اسے اچھی لگی ہے۔

''کے آئی جی بہت بڑا کام کر رہی ہے اینڈریو۔ ٹیمز نے مجھے سب کچھ بتایا ہے۔'' پاؤلا نے ستائشی لہجے میں کہا۔

''میں اس پر خدا کا شکر ادا کرتا ہوں اور ابھی تو ہمیں اور بہت کچھ کرنا ہے۔'' اینڈریو نے کہا۔

''تمہارا مطلب ہے کہ کمپنی کا پھیلاؤ بڑھے گا؟''

''روایتی معنوں میں نہیں۔ میرا مطلب ہے کہ ہم ضرورت مند ملکوں میں اور لوگ بھیجیں گے مدد کے لئے۔''

''اس کے نتیجے میں ہمیں یہاں ٹھیکے ملنے لگیں گے۔'' ٹیمز نے جلدی سے کہا۔

اینڈریو مسکرایا۔ ''دراصل ٹیمز بہت بے صبرا ہے۔ پہلے ہم اپنا اصل کام تو کر لیں...... دوسروں کی مدد کر کے۔''

ٹیمز نے پاؤلا کو غور سے دیکھا مگر اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

............☆☆☆............

اگلے روز ٹیمز نے پاؤلا کو کال کیا۔ ''ہیلو شہزادی۔ میں کس وقت تمہیں پک کروں؟''

دوسری طرف ایک لمحے خاموشی رہی۔ پھر پاؤلا نے کہا۔ ''ڈارلنگ، آئی ایم سوری۔ آج رات تو ممکن نہیں۔''

ٹیمز کو حیرت ہوئی۔ ''کوئی گڑبڑ ہو گئی کیا؟''

''نہیں۔ اصل میں ایک دوست یہاں آیا ہوا ہے۔ اس سے ملنا ہے مجھے۔''

مرد دوست! ٹیمز کے دل میں رقابت کا کانٹا سا چبھ گیا۔ ''چلو کوئی بات نہیں تو میں کل......''

''نہیں ٹیمز۔ کل بھی ممکن نہیں۔ ایسا ہے کہ پیر کو ملتے ہیں۔''

ٹیمز دکھی ہو گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ ویک اینڈ کسی اور کے ساتھ گزار رہی تھی۔

............☆☆☆............

پیر کی رات پاؤلا نے معذرت کی۔ ''ویک اینڈ کے لئے معافی چاہتی ہوں ٹیمز۔ دراصل وہ پرانا دوست آیا ہوا تھا۔''

پہلی بار ٹیمز کو خیال آیا کہ پاؤلا کا اتنا خوبصورت اور آراستہ و پیراستہ اپارٹمنٹ اس کی تنخواہ کے لحاظ سے تو ناممکن ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ کسی نے اسے لے کر دیا ہے۔ مگر کس نے؟ ''تمہارے دوست کا نام کیا ہے؟'' اس نے پاؤلا سے پوچھا۔

''سوری۔'' میں اس کا نام نہیں بتا سکتی۔ وہ بہت جانا پہچانا آدمی ہے۔ اور پبلسٹی اسے پسند نہیں۔''

''تمہیں اس سے محبت ہے؟''

پاؤلا نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور محبت بھرے لہجے میں بولی۔ ''مجھے تم سے محبت ہے...... صرف تم سے۔''

لیکن ٹیمز کے دل کو قرار نہیں تھا۔ ''وہ تم سے محبت کرتا ہے؟''

پاؤلا ہچکچائی۔ ''ہاں۔'' بالآخر اس نے جواب دیا۔

ٹیمز سوچ میں پڑ گیا۔ اسے فوری طور پر کچھ کرنا ہو گا۔ وہ پاؤلا کو کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا تھا۔

............☆☆☆............

اگلی صبح پانچ بجے اینڈریو کی آنکھ فون کی گھنٹی کی وجہ سے کھلی۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے آپریٹر نے کہا۔ ''آپ کے لئے سویڈن سے کال ہے۔ پلیز ہولڈ کریں۔''

ایک لمحے بعد فون پر دوسری آواز ابھری۔ لہجہ کچھ سویڈش سا تھا۔ ''آپ کو مبارک ہو مسٹر ٹینکلے۔ نوبل کمیٹی نے اس بار سائنس کے نوبل پرائز کے لئے آپ کو چنا ہے۔ نانو ٹیکنالوجی میں آپ کی گراں قدر......''

نوبل پرائز! ایک لمحے کو اینڈریو کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا۔ گفتگو ختم ہوئی تو وہ جلدی جلدی تیار ہوا اور سیدھا اپنے آفس گیا۔ ٹیمز کے آتے ہی اس نے وہ خوش خبری اسے سنا دی۔

(جاری ہے)

ٹیمز اس سے لپٹ کر کہا۔ ''مبارک ہو اینڈریو زبردست خبر ہے یہ تو۔'' اس نے سچائی سے کہا۔ کیونکہ اب اس کے تمام مسائل حل ہونے والے تھے۔

پانچ منٹ بعد ٹیمز پاؤلا سے بات کر رہا تھا۔ ''اس کا مطلب سمجھتی ہو ڈارلنگ۔ کے آئی جی کو اتنا بزنس ملے گا کہ سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ میں حکومت

اور بڑی بڑی کارپوریشنوں کے بڑے بڑے ٹھیکوں کی بات کر رہا ہوں۔ میں تمہیں دنیا کی ہر نعمت دے سکوں گا۔

''بہت شاندار۔''

''تم مجھ سے شادی کرو گی؟''

''تم میرا جواب جانتے ہو ڈارلنگ۔''

ٹیمز نے ریسیور رکھا۔ وہ بہت خوش تھا۔ وہ لپک کر بھائی کے دفتر میں پہنچا۔ ''اینڈریو...... میں شادی کر رہا ہوں۔''

''بہت اچھی خبر ہے۔'' اینڈریو نے گرم جوشی سے کہا۔ ''شادی کب ہو گی؟''

''طے کر لیں گے۔ اپنے سارے اسٹاف کو مدعو کریں گے۔''

............x............

اگلی صبح ٹیمز اپنے آفس پہنچا تو اینڈریو اس کا منتظر تھا۔ وہ اس کی شادی کے خیال سے ایکسائیٹڈ تھا۔ شادی کا باقاعدہ اعلان تو نہیں ہوا تھا۔ پھر بھی خبر تیزی سے پھیل گئی تھی۔ ٹیمز سے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن وہ معنی خیز نظروں سے مسکرا کرا سے دیکھتے تھے۔

بعد میں ٹیمز اینڈریو کے آفس میں گیا۔ ''اینڈریو...... نوبل پرائز کے بعد تو سب ہماری طرف کھنچے چلے آئیں گے۔ اور انعام کی رقم سے......''

اینڈریو نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''اس رقم کی مدد سے ہم اریٹیریا اور یوگنڈا بھیجنے کے لئے مزید لوگوں کی خدمات حاصل کر سکیں گے۔''

''لیکن اینڈریو، اس ایوارڈ کو ہم بزنس بڑھانے کے لئے تو استعمال کریں گے نا؟''

اینڈریو نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی کرتے رہیں گے۔''

ٹیمز بڑی حسرت سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر بجھے بجھے لہجے میں بولا۔ ''یہ تمہاری کمپنی ہے اینڈریو جو جی چاہے کرو۔''

............x............

فیصلہ کرتے ہی ٹیمز نے پاؤلا کو فون کیا۔ ''شہزادی...... میں بزنس کے سلسلے میں واشنگٹن جا رہا ہوں...... دو تین دن کے لئے۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بس بزنس تک ہی محدود رہنا۔ کوئی عورت ووَرت کا چکر نہ چلے۔ پاؤلا نے اسے چھیڑا۔

''ارے نہیں۔ تم دنیا کی وہ واحد عورت ہو، جس سے میں محبت کرتا ہوں۔''

''میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں۔''

............x............

اگلی صبح ٹیمز کنگسلے پینٹاگون میں آرمی چیف آف اسٹاف جنرل ایلن بارٹن کے سامنے بیٹھا تھا۔ ''تمہاری تجویز مجھے دلچسپ لگی ہے۔'' جنرل نے کہا۔ ''ہم لوگ یہی سوچ رہے تھے کہ اس ٹیسٹ کے لئے کسے استعمال کریں۔''

''آپ کا تجربہ مائیکرونا نوٹیکنالوجی سے تعلق رکھتا ہے۔ اور میرے بھائی کو اسی میدان میں کام کرنے پر نوبل پرائز ملا ہے۔''

''ہم جانتے ہیں یہ بات۔''

''وہ اس تجربے کے بارے میں بے حد ایکسائیٹڈ ہے۔'' ٹیمز نے کہا۔

''ہمارے لئے یہ ایک ناقابل یقین اعزاز ہے کہ مسٹر کنگسلے۔ ورنہ نوبل پرائز جیتنے والے ہمیں کہاں گھاس ڈالتے ہیں۔'' جنرل نے دروازے کی طرف دیکھا، جو بند تھا۔ پھر اس نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ ''یہ ٹاپ سیکرٹ ہے مسٹر کنگسلے۔ یہ تجربہ کامیاب ہوا تو ہمارے اسلحہ خانے میں اہم ترین اضافہ ہو گا مالیکیولر ٹیکنالوجی کی مدد سے ہمیں پوری دنیا پر کنٹرول حاصل ہو سکتا ہے۔''

''اس تجربے میں کوئی خطرہ تو نہیں ہے نا؟'' ٹیمز نے پوچھا۔ ''میں نہیں چاہتا کہ میرے بھائی کو کوئی نقصان پہنچے۔''

''پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم تمام ضروری آلات بھیجیں گے۔ دو سائنس داں بھی ہوں گے، جو تمہارے بھائی کے ساتھ کام کریں گے۔ اور ان تینوں کے لئے حفاظتی سوٹ بھی ہوں گے۔''

''تو ٹھیک ہے۔ بات طے ہو گئی۔''

''بالکل طے ہو گئی۔'' جنرل نے کہا۔

نیویارک واپس جاتے ہوئے ٹیمز سوچ رہا تھا کہ اب بس کسی طرح اینڈریو کو قائل کرنا ہے۔ اور کوئی مسئلہ نہیں۔

............x............

اینڈریو اپنے آفس میں بیٹھا اس رنگین کتابچے کا جائزہ لے رہا تھا، جو نوبل کمیٹی نے اسے بھیجا تھا۔ ساتھ میں ایک مختصر سا رقعہ بھی تھا، جس میں لکھا تھا...... ہم آپ کی آمد کے منتظر ہیں۔

کتابچے میں اسٹاک ہوم کنسرٹ ہال کی تصویریں تھیں۔ ایک تصویر میں نوبل پرائز جیتنے والا ایک شخص سویڈن کے شاہ کارل ششم سے ایوارڈ وصول کر رہا تھا۔ دوسری تصویر میں لوگ تالیاں بجا رہے تھے۔ اب جلد میں بھی وہاں ہوں گا۔ اینڈریو نے سوچا۔ اور انعام وصول کروں گا۔

دروازہ کھلا اور ٹیمز اندر آیا۔ ''مجھے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' اس نے کہا۔

اینڈریو نے کتابچہ ایک طرف رکھ دیا۔ ''ہاں ٹیمز، کہو۔ کیا بات ہے؟''

ٹیمز نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''میں نے آرمی سے وعدہ کر لیا ہے کہ کے آئی جی ان کے ایک تازہ تجربے میں ان کی معاونت کرے گی۔''

''کیا...... کیا کہہ رہے ہو؟''

''اس تجربے میں انہیں تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔''

اینڈریو نفی میں سر ہلانے لگا۔ ''نہیں ٹیمز، میں ان معاملات میں ملوث نہیں ہو سکتا۔ ہم یہاں جو کام کر رہے ہیں، وہ اس سے بہت مختلف ہے۔''

''یہ دولت کمانے کی بات نہیں اینڈریو۔ یہ امریکا کے دفاع کے معاملہ ہے۔ فوج کے لئے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ انہیں تمہاری ضرورت ہے۔ آدمی اپنے وطن سے تو منہ نہیں موڑ سکتا نا۔''

کام مشکل تھا۔ مگر ٹیمز بھی ایک گھنٹہ اینڈریو کے پیچھے پڑا رہا۔ بالآخر اینڈریو نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ''چلو ٹھیک ہے۔ لیکن ٹیمز، میں واضح کر دوں کہ یہ آخری بار ہم اپنے راستے سے ہٹیں گے۔ اس کے بعد کبھی ایسا نہیں ہو گا۔''

ٹیمز مسکرایا۔ ''منظور ہے اینڈریو۔ اور میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ تم کیسے قابل فخر بھائی ہو۔''

............x............

ٹیمز نے پاؤلا کو فون کیا۔ ''میں واپس آ گیا ہوں ڈارلنگ۔ ہم ایک بہت اہم تجربے میں حصہ لے رہے ہیں۔ اب اس کام کو نمٹانے کے بعد میں تمہیں فون کروں گا۔ یہ کبھی نہ بھولنا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔''

............x............

آرمی کے ٹیکنیشن اینڈریو کو بریفنگ دینے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ابتدا میں تو اینڈریو کے انداز میں بے دلی تھی۔ لیکن پروجیکٹ پر گفتگو کے نتیجے میں وہ ہیجان میں مبتلا ہونے لگا۔ تجربہ واقعی بہت اہم تھا۔

ایک گھنٹہ بعد اینڈریو آرمی کے ایک ٹرک کو کے آئی جی کے گیٹ سے اندر آتے دیکھا۔ اس کے آگے پیچھے دو کاریں تھیں، جن میں فوجی موجود تھے۔ وہ باہر نکلا تو اس کی انچارج کرنل سے بات ہوئی۔ ''ہم سب کچھ لے آئے ہیں مسٹر کنگسلے۔ اب بولیں ہمیں اور کیا کرنا ہے۔'' کرنل نے پوچھا۔

''یہ سب کچھ ہمیں سونپ دو۔ اب یہ ہماری ذمے داری ہے۔'' اینڈریو نے کہا۔

(جاری ہے)

''مجھے کیا ہوا؟''

''تجربے کے دوران کوئی گڑبڑ ہوگئی تھی۔''

''مجھے تو کچھ یاد نہیں۔''

''کوئی بات نہیں۔تم فکر نہ کرو۔تمہارا ہر طرح سے خیال رکھا جائے گا۔میں ہوں نا۔''

اینڈریو کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ٹیز نے ایک نظر اسے دیکھا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

..................xxx..................

پاؤلا نے اسپتال میں پھول بھیجے۔ٹیز اسے فون کرنا چاہتا تھا۔لیکن اس کی سیکریٹری نے کہا۔''انہوں نے فون بھی کیا تھا، کہہ رہی تھیں کہ وہ شہر سے باہر جارہی ہیں۔اور واپس آتے ہی آپ کو فون کریں گی۔''

ایک ہفتے بعد ٹیز اینڈریو کو لے کر نیویارک واپس آگیا۔کے آئی جی میں سب کو معلوم ہو چکا تھا کہ اینڈریو پر کیا گزری ہے۔وہ سوچ رہے تھے کہ کیا اس کے بغیر تھنک ٹینک قائم رہ سکے گا۔کمپنی کی ساکھ کو نقصان پہنچنا ہی تھا۔

مگر ٹیز نے سوچ لیا تھا کہ وہ کے آئی جی کو دنیا کا سب سے بڑا تھنک ٹینک بنا کر رہے گا۔وہ سوچ رہا تھا کہ اب وہ پاؤلا کے تمام خوابوں کو تعبیر دے سکتا ہے۔صرف چند برسوں میں......

انٹرکام کا بزر بجا۔''مسٹر کنگسلے، ایک لیموزین کا ڈرائیور آپ سے ملنا چاہتا ہے۔''اس کی سیکریٹری نے اسے بتایا۔

ٹیز نے الجھن بھرے لہجے میں کہا۔''اسے اندر بھیج دو۔''

ایک باوردی شوفر ہاتھ میں ایک لفافہ لئے اندر آیا۔''مسٹر ٹیز کنگسلے؟''

''ہاں۔''

''مجھے تاکید کی گئی تھی کہ میں یہ خط آپ کے ہاتھوں میں ہی دوں۔''ڈرائیور نے اسے لفافہ دیا اور رخصت ہوگیا۔

ٹیز نے لفافے کو دیکھا اور مسکرایا۔پاؤلا کی رائیٹنگ وہ خوب پہچانتا تھا، وہ سمجھ گیا کہ یہ پاؤلا کی طرف سے کوئی سرپرائز ہے۔اس نے لفافہ کھولا اور رقعہ نکال کر پڑھا۔لکھا تھا......

میری جان،

یہ بات بننے والی ہے ہی نہیں۔اس وقت جو کچھ تم مجھے دے سکتے ہو، مجھے اس سے کہیں زیادہ کی ضرورت ہے۔چنانچہ میں ایک ایسے شخص سے شادی کر رہی ہوں، جو میری طلب سے بہت زیادہ بڑھ کر مجھے دے سکتا ہے۔بس تم سے محبت کرتی ہوں...... اور ہمیشہ کرتی رہوں گی۔میں جانتی ہوں کہ تمہارے لئے میری اس بات پر یقین کرنا مشکل ہے۔لیکن یقین کرو، میں یہ سب کچھ اس لئے کر رہی ہوں کہ اس میں ہم دونوں کی بھلائی ہے ٹیز کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔دیر تک وہ اس رقعے کو گھورتا رہا۔پھر اس نے اسے ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔اس کو فتح حاصل کرنے میں ایک دن کی......صرف ایک دن کی تاخیر ہوئی تھی!

............x............

اینڈریو ڈوئیل کی موت اتنی پراسرار تھی کہ اس کے بارے میں قیاس آرائیوں کی کوئی حد نہیں تھی۔اور قیاس کرنے والوں کی بھی کوئی کمی نہیں تھی۔اس کے سوگوار اسٹاف سے مدتوں پوچھ گچھ کی جاتی رہی۔

ایک اخبار کا قیاس تھا کہ کسی دہشت گرد تنظیم نے اپنے ایک آدمی کو کسی طرح سفیر کے کمرے میں پہنچا دیا تھا۔اس نے سفیر کو دماغ ماؤف کرنے والی کوئی دوا دی۔اور ٹائپ رائٹر کے ربن کو پستول کے ٹریگر اور دروازے کے ہینڈلوں کے گرد لپیٹ کر سیٹ اپ بنایا۔یہ تو ایک مثال ہے۔ورنہ اس سے بھی زیادہ دور از کار بے شمار قیاسات پیش کیے گئے۔

کچھ لوگوں نے سفیر کو پس منظر کی چھان بین کی۔لیکن وہ لاحاصل ثابت ہوئی۔سفیر ایک طویل سفارتی کیریئر کے اختتام کے قریب تھا۔ریٹائرمنٹ کے بعد اسے بے شمار مالی مراعات اور حامی منفعت ملنی تھی۔اس کی ازدواجی زندگی بے حد خوش گوار اور ہر زاویے سے بے حد کامیاب تھی۔اس کی زندگی صاف ستھری اور ہر طرح کے اسکینڈلز سے پاک تھی۔دنیا میں کم ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں، جن کے پاس خودکشی کیلئے کوئی محرک، کوئی جواز موجود نہ ہو۔لیکن اینڈریو ڈوئیل ایسا ہی ایک شخص تھا، جسے خودکشی کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

اس کی بیوی سے پوچھ گچھ بھی بے نتیجہ ثابت ہوئی۔اس نے پوچھنے والوں کو اپنے شوہر کے ڈراؤنے خوابوں اور اس کے چیخ کر اٹھنے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔وہ بے حد سچائی سے سوچتی اور کھوجتی رہی تھی کہ کہیں اس نے ہی تو نادانستگی میں اپنے شوہر کو خودکشی کی طرف نہیں دھکیلا تھا۔مگر آخر میں اس کا مطمئن ضمیر ہی اس کا انعام تھا۔اور وہ بھی دوسروں کی طرح حیران تھی کہ شوہر نے خودکشی کیوں کی۔یہ وہ جانتی تھی کہ یہاں کسی دوسری عورت کا کوئی چکر نہیں تھا۔

جس وقت اینڈریو ڈیوئیل کی لاش واشنگٹن لائی گئی، ڈینیئن تھورن وائٹ ہاؤس کے اوول آفس میں صدر امریکہ کے سامنے بیٹھا تھا۔صدر صاحب فون پر کسی سے گفتگو کر رہے تھے۔

ڈیمئین نے ڈیسک کو چھوا اور نرمی سے اپنی انگلیوں سے اسے تھپتھپایا۔اسے احساس تھا کہ اس وقت وہ عالمی سیاسی قوت کی بلند ترین چوٹی کے بہت قریب کھڑا ہے۔یہ وہی جگہ ہے، جہاں سے کینیڈی نے کیوبا کے معاملے میں خروشیف کے چیلنج کا جواب چیلنج سے دے کر ثابت کر دیا تھا کہ خروشیف کی دھمکی خالی خولی دھمکی تھی۔یہ وہ جگہ تھی جہاں نکسن نے بھری ہوئی آنکھوں کے ساتھ سنہری کسنجر کی رفاقت میں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دعا کی تھی۔ یہ وہی جگہ تھی، جہاں جمی کارٹر تہران کے یرغمالیوں کے معاملے میں پریشان رہا تھا۔

لیکن ان حکمرانوں کی پریشانیاں موجودہ حکمران کی پریشانیوں کے سامنے بے حیثیت تھیں۔موجودہ صدر نے ایک بار کہا تھا......کسی بھی ملک کو لے لیں، آپ کو مسائل کا احساس ہوگا۔

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

قسط نمبر: 43

کہیں خونی انقلاب آ رہا ہے تو کہیں اندرونی شورشیں مسلہ بنی ہوئی ہیں۔ اور جہاں بلاواسطہ مسائل نہیں ہیں تو وہاں آپ کو بالواسطہ مسائل نظر آئیں گے۔ لندن اور پیرس میں عرب ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں۔ ناٹو میں ٹوٹ پھوٹ ہو رہی ہے۔ روس کے تسلط سے آزاد ہونے والی ریاستیں ایٹمی ہتھیار لئے بیٹھی ہیں۔ جلد ہی معاشی بدحالی انہیں ایٹمی ہتھیار فروخت کرنے پر مجبور کر دے گی۔ یوں ایٹمی پھیلاؤ کا مسئلہ اور گمبھیر ہو جائے گا۔ بلفاسٹ سے تہران تک اور کابل سے میامی تک مسائل ہی مسائل تھے۔ پابندیوں کے باوجود صدام حسین عراق پر قابض تھا۔ اور افغانستان میں ملا عمر کے طالبان کی حکومت تھی۔

ڈیمین اس آفس میں خود کو بے حد پرسکون محسوس کر رہا تھا، جیسے وہ اسی کا آفس ہو۔ اس نے کھڑکی سے باہر روز گارڈن میں جھانکا۔ پھر اس نے پلٹ کر کینیڈی کے پورٹریٹ کو دیکھا۔ ٹی وی اور اخبارات کے کچھ مبصرین اسے کینیڈی برادران...... خاص طور سے رابرٹ کینیڈی سے مشابہ سمجھتے تھے۔

ڈیمین نے سوچا، مشابہت تو واقعی ہے۔ اس کی رنگت رابرٹ کینیڈی کے مقابلے میں سانولی تھی۔ لیکن لڑکوں جیسے خوبصورت نقوش دونوں میں مشترکہ تھے۔ دونوں عورتوں اور مردوں کیلئے یکساں طور پر پرکشش تھے۔ رابرٹ کینیڈی کے بھی اپنے زمانے کی حسین ترین عورتوں سے تعلقات رہے تھے۔ ڈیمین کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔ دونوں دولت مند بھی تھے اور طاقت ور بھی۔ کینیڈی کا کیریئر دیومالائی لگتا تھا۔ اور اب ڈیمین اپنا کیریئر شروع کرنے والا تھا۔

اس نے سر گیا کر صدر امریکہ کو دیکھا۔ صدر نے معذرت طلب انداز میں کندھے جھٹکے۔ ٹیلی فون پر ہونے والی وہ گفتگو ان کے اندازے سے طویل ثابت ہو رہی تھی۔

''میں جانتا ہوں۔ لیکن......'' صدر کے لہجے میں فرسٹریشن تھا۔ ''میں اسے یا کسی اور کو اس سلسلے میں کوئی بیان نہیں دینا چاہتا۔ اس سے تو معاملات اور بگڑ جائیں گے۔'' ان کی انگلیاں میز کو تھپ تھپانے لگیں۔ یہ ان کے اضطراب کا اظہار تھا۔ ''اور سنو...... کیبل بھی بالکل واضح نہیں ہونا چاہئے...... بس یہ ہو کہ صدر نے بھی تعزیت کا اظہار کیا ہے۔ پہلے مجھے دکھا دینا۔''

بالآخر صدر نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور کرسی پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ گزشتہ چھ ماہ کے دوران ان کے بالوں کی سفیدی میں کافی اضافہ ہوا تھا۔ اس وقت وہ تھکے ہوئے بھی لگ رہے تھے۔

ڈیمین سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں یقین نہیں آئے گا اس بات پر'' صدر نے کہا۔ ''مصری حزب اختلاف کا مطالبہ ہے کہ اسوان ڈیم کو اڑانے پر اسرائیل کے خلاف جو قرارداد مذمت اس نے منظور کرائی ہے، اس کی امریکہ باقاعدہ تائید...... بلکہ توثیق کرے۔'' وہ بے یقینی سے نفی میں سر ہلانے لگے ''اب بتاؤ، ہمیں تو نہیں معلوم کہ ڈیم اسرائیل نے اڑایا ہے۔''

ڈیمین نے کندھے جھٹک دیئے۔ ''میرے خیال میں تو یہ کام این ایل ایف کا ہے۔''

صدر نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔ خارجہ پالیسی ان کا کمزور پہلو تھا۔

''نیوبین لبریشن فرنٹ'' ڈیمین نے وضاحت کی۔ ''وہ مارکسسٹ نظریات کی حامل تنظیم ہے۔ ڈیم بننے کے بعد سے وہ مسلسل اس پر تنقید کرتے رہے ہیں۔ ان کا دعویٰ تھا کہ یہ ڈیم ان کی سرزمین کیلئے نقصان دہ ہے۔ اور اب یہ دعویٰ درست ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ ڈیم ٹوٹنے کے نتیجے میں ان کی زمین کا آدھا حصہ زیر آب آ گیا ہے۔''

صدر کے انداز سے لگتا تھا کہ ان کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا ہے۔

ڈیمین نے اپنی بات جاری رکھی ''آپ کو یاد ہو گا جناب صدر کہ جب ڈیم تعمیر ہو رہا تھا تو کچھ بیش بہا اور نادر مجسموں کو بچانے کیلئے ایک مہم ترتیب دی گئی تھی......''

''ہاں...... یاد آیا''

(جاری ہے)

کہیں خونی انقلاب آ رہا ہے تو کہیں اندرونی شورشیں مسئلہ بنی ہوئی ہیں۔ اور جہاں بلاواسطہ مسائل نہیں ہیں تو وہاں آپ کو بالواسطہ مسائل نظر آئیں گے۔ لندن اور پیرس میں عرب ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں۔ ناٹو میں ٹوٹ پھوٹ ہو رہی ہے۔ روس کے تسلط سے آزاد ہونے والی ریاستیں ایٹمی ہتھیار لئے بیٹھی ہیں۔ جلد ہی معاشی بدحالی انہیں ایٹمی ہتھیار فروخت کرنے پر مجبور کر دے گی۔ یوں ایٹمی پھیلاؤ کا مسئلہ اور گمبھیر ہو جائے گا۔ بلفاسٹ سے تہران تک اور کابل سے میامی تک مسائل ہی مسائل تھے۔ پابندیوں کے باوجود صدام حسین عراق پر قابض تھا۔ اور افغانستان میں ملا عمر کے طالبان کی حکومت تھی۔

ڈیمین اس آفس میں خود کو بے حد پرسکون محسوس کر رہا تھا، جیسے وہ اسی کا آفس ہو۔ اس نے کھڑکی سے باہر روز گارڈن میں جھانکا۔ پھر اس نے پلٹ کر کینیڈی کے پورٹریٹ کو دیکھا۔ ٹی وی اور اخبارات کے کچھ مبصرین اسے کینیڈی برادران...... خاص طور سے رابرٹ کینیڈی سے مشابہ سمجھتے تھے۔

ڈیمین نے سوچا، مشابہت تو واقعی ہے۔ اس کی رنگت رابرٹ کینیڈی کے مقابلے میں سانولی تھی۔ لیکن لڑکوں جیسے خوبصورت نقوش دونوں میں مشترکہ تھے۔ دونوں عورتوں اور مردوں کیلئے یکساں طور پر پرکشش تھے۔ رابرٹ کینیڈی کے بھی اپنے زمانے کی حسین ترین عورتوں سے تعلقات رہے تھے۔ ڈیمین کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔ دونوں دولت مند بھی تھے اور طاقت ور بھی۔ کینیڈی کا کیریئر دیومالائی لگتا تھا۔ اور اب ڈیمین اپنا کیریئر شروع کرنے والا تھا۔

اس نے سر گھما کر صدر امریکہ کو دیکھا۔ صدر نے معذرت طلب انداز میں کندھے جھٹکے۔ ٹیلی فون پر ہونے والی وہ گفتگو ان کے اندازے سے طویل ثابت ہو رہی تھی۔

''میں جانتا ہوں۔ لیکن......'' صدر کے لہجے میں فرسٹریشن تھا۔ ''میں اسے یا کسی اور کو اس سلسلے میں کوئی بیان نہیں دینا چاہتا۔ اس سے تو معاملات اور بگڑ جائیں گے۔'' ان کی انگلیاں میز کو تھپ تھپانے لگیں۔ یہ ان کے اضطراب کا اظہار تھا۔ ''اور سنو...... کیبل بھی بالکل واضح نہیں ہونا چاہئے...... بس یہ ہو کہ صدر نے بھی تعزیت کا اظہار کیا ہے۔ پہلے مجھے دکھا دینا۔''

بالآخر صدر نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور کرسی پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ گزشتہ چھ ماہ کے دوران ان کے بالوں کی سفیدی میں کافی اضافہ ہوا تھا۔ اس وقت وہ تھکے ہوئے بھی لگ رہے تھے۔

ڈیمین سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں یقین نہیں آئے گا اس بات پر'' صدر نے کہا۔ ''مصری حزب اختلاف کا مطالبہ ہے کہ اسوان ڈیم کو اڑانے پر اسرائیل کے خلاف جو قرارداد مذمت اس نے منظور کرائی ہے، اس کی امریکہ باقاعدہ تائید...... بلکہ توثیق کرے۔'' وہ بے یقینی سے نفی میں سر ہلانے لگے ''اب بتاؤ! ہمیں تو نہیں معلوم کہ ڈیم اسرائیل نے اڑایا ہے۔''

ڈیمین نے کندھے جھٹک دیئے۔ ''میرے خیال میں تو یہ کام این ایل ایف کا ہے۔''

صدر نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔ خارجہ پالیسی ان کا کمزور پہلو تھا۔

''نیوبین لبریشن فرنٹ'' ڈیمین نے وضاحت کی۔ ''وہ مارکسسٹ نظریات کی حامل تنظیم ہے۔ ڈیم بننے کے بعد سے وہ مسلسل اس پر تنقید کرتے رہے ہیں۔ ان کا دعویٰ تھا کہ یہ ڈیم ان کی سرزمین کیلئے نقصان دہ ہے۔ اور اب یہ دعویٰ درست ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ ڈیم ٹوٹنے کے نتیجے میں ان کی زمین کا آدھا حصہ زیر آب آ گیا ہے۔''

صدر کے انداز سے لگتا تھا کہ ان کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا ہے۔

ڈیمین نے اپنی بات جاری رکھی ''آپ کو یاد ہو گا جناب، صدر کہ جب ڈیم تعمیر ہو رہا تھا تو کچھ بیش بہا اور نادر مجسموں کو بچانے کیلئے ایک مہم ترتیب دی گئی تھی......''

''ہاں...... یاد آیا''

(جاری ہے)

دجال

''ایک مجسمہ رعمسیس دوم کا تھا۔ آثارِ قدیمہ کے لحاظ سے تو وہ بڑی کامیابی تھی۔ لیکن جو ایک لاکھ نیوبین بے گھر ہوئے تھے، وہ مجسمہ ان کے آفس تو نہیں پہنچ سکتا تھا۔''

''اس سلسلے میں اقوامِ متحدہ نے کوئی اپیل بھی تو کی تھی۔ ہے نا؟''

''جی ہاں جناب۔''

صدر آگے کی طرف جھکا۔ ''تمہیں یہ سب کیسے معلوم؟''

ڈیمین باہر لان کی طرف دیکھنے لگا۔ ''تمہاری ایک امدادی ٹیم نے بتایا۔ مصر کی امدادی ٹیموں سے پہلے وہ وہاں پہنچا تھا۔ وہاں ان کے مقامی رابطے بھی ہیں۔ انہیں ان سے بہت کام کی معلومات حاصل ہوئی تھیں۔''

''میں ان کی رپورٹ دیکھنا چاہوں گا۔'' صدر نے کہا۔

''وہ غیر سرکاری رپورٹ ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھئے گا۔''

صدر نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ ''یہ جتانے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں تو صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ اس میں اسرائیل کا ہاتھ نہیں۔ اس بات کی بڑی اہمیت ہے۔ یوں ہم مشرقِ وسطیٰ میں بھڑکنے والی آگ کو روک سکتے ہیں۔''

ڈیمین چند لمحے چپ رہا۔ جیسے نتائج و عواقب پر غور کر رہا ہو۔ ''پہلے میں اسے خود چیک کروں گا۔'' بالآخر اس نے کہا۔ ''میں نہیں چاہتا کہ کوئی جھوٹی اطلاع وائٹ ہاؤس کے توسط سے باہر جائے۔''

صدر نے سر ہلایا۔

چند لمحے بعد ڈیمین نے سر گھما کر کینیڈی کے پورٹریٹ کو دیکھا۔ ''ایک اور بات ہے جناب۔'' اس نے محتاط لہجے میں کہا۔ ''مجھے ڈر ہے کہ میں یہ عہدہ قبول نہیں کر سکوں گا اگر میں برطانیہ کا سفیر بن گیا تو مجھے تھورن انڈسٹریز کا کنٹرول چھوڑنا پڑے گا اور میں......''

''ارے نہیں...... ہرگز نہیں۔'' صدر نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی۔ ''اس کی تم فکر نہ کرو۔ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔''

ڈیمین نے اسے بہت غور سے دیکھا۔ وہ بناوٹی حیرت کا اظہار تھا۔ ''لیکن جناب، یہ تو خلافِ قانون......''

صدر مسکرایا۔ اسے ڈیمین کی دیانت داری اچھی لگی تھی۔ وہ عہدہ تو کسی کو بھی پیش کیا جاتا تو وہ آنکھیں بند کر کے قبول کر لیتا۔ اس عہدے سے کوئی منہ نہیں پھیر سکتا تھا اور ڈیمین کو تو ساری دنیا میں انسانی فلاح و بہبود کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ وہ بلاتفریق پوری انسانیت کے لئے کام کر رہا تھا۔ اس حوالے سے اس کی بڑی عزت تھی۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا تھا۔ کسی نے اعتراض کیا تو پریس والے ہی اعتراض کرنے والے کے چیتھڑے اڑا دیں گے۔ بہر حال یہ ڈیمین کا بڑا پن تھا کہ اس نے قانون کا احترام کیا اور خیال رکھا۔

''ہمیں قانون میں لچک پیدا کرنی ہوگی۔'' صدر کا لہجہ ایسا تھا، جیسے معاملہ نمٹا دیا گیا ہے۔

لیکن ڈیمین کے نزدیک ایسا نہیں تھا۔ ''میری دو شرطیں بھی ہیں اس سلسلے میں۔'' اس نے صدر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ بھی بتا دو۔'' صدر نے کوشش کی کہ اس کے چہرے سے وہ اطمینان ظاہر نہ ہو، جو وہ اس وقت محسوس کر رہا تھا۔ اس بات پر کہ ڈیمین کے انداز سے یقینی طور پر ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ عہدہ قبول کرنے کے لئے تیار ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے وہ سیاست سے بچتا رہا تھا اور اس نے کبھی ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ کس کے ساتھ ہے۔ وہ ہمیشہ غیر جانبداری کا تاثر چھوڑتا تھا، لیکن اب وہ ڈیموکریٹک پارٹی سے تعلق جوڑ رہا تھا اور یہ بڑی اہم بات تھی۔ اب تھورن کارپوریشن کی طرف سے بھاری عطیات صرف ڈیموکریٹک پارٹی کو ملیں گے۔

''پہلی بات یہ کہ میں یہ عہدہ صرف دو سال کے لئے قبول کروں گا۔ کیونکہ اس کے بعد مجھے سینیٹ کا الیکشن لڑنا ہے۔''

صدر نے اقرار میں سر ہلایا۔ یہ شرط اس کے لئے خلافِ توقع نہیں تھی۔

''دوسرے مجھے یوتھ کونسل کی صدارت چاہئے۔''

صدر کچھ پریشان نظر آنے لگا۔ یہ شرط اس کیلئے یکسر خلافِ توقع تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ڈیمین کو اس عہدے کی کیا ضرورت پڑ گئی۔ مگر پھر اسے یاد آ گیا۔ ڈیمین ہمیشہ اپنی تقریروں میں نوجوانوں کا تذکرہ کرتا تھا۔ وہ اس کے اندر کی کوئی تشنگی اور اس کے نتیجے میں ابھرنے والی پکار تھی۔ شاید اس کا تعلق اس کے ماضی سے...... اس کے پس منظر سے تھا۔ وہ صرف چھ سال کا تھا تو اس کا باپ ایسے خوفناک اور ڈرامائی انداز میں مارا گیا تھا کہ اگر وہ نہ مارا جاتا تو آج خود ڈیمین زندہ نہ ہوتا۔ اس کے بعد اس کے چچا نے اس کی پرورش کی۔ چچا زاد بھائی اس کیلئے سگے بھائی کی طرح تھا۔ پہلے تو وہ چچا زاد بھائی سے محروم ہوا۔ پھر بیک وقت چچا اور چچی اس کی زندگی سے ہمیشہ کے لئے نکل گئے...... اسے بالکل اکیلا اور تنہا چھوڑ کر۔ یہ سب اس کی زندگی کے زخم تھے...... کبھی نہ مندمل ہونے والے زخم! صدر نے سوچا، بعد میں کبھی کسی غیر رسمی ملاقات کے دوران وہ اس موضوع پر گفتگو کرے گا۔

مگر اس وقت تو اس کی یہ دوسری شرط مسئلہ بن گئی تھی۔ اس نے نظریں اٹھا کر ڈیمین کو دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔ ''سوری ڈیمین، میں اس عہدے کے لئے فوسٹر سے وعدہ کر چکا ہوں۔''

''مجھے احساس ہے کہ یہ آپ کے لئے اچھا خاصا مسئلہ ہے۔'' ڈیمین صدر کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔

ایک لمحے کو تو صدر بھی اسے دیکھتا رہا۔ مگر پھر اس کی نظریں جھک گئیں۔ اس نے ایک نوٹ پیڈ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

ڈیمین نے جان لیا کہ وہ جیت گیا ہے۔

''وہ کیا کہہ رہے تھے تم...... این ایل......'' صدر نے قلم اٹھاتے ہوئے کہا۔

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

''این ایل ایف''۔ڈیمین نے کہا۔''نیو بین لبریشن فرنٹ۔''

صدر نے پیڈ پر لکھ لیا اور انٹر کام پر ایک بٹن دبایا۔''میںڈرا...... ذرا کریگ کو اندر بھیج دو۔'' وہ سوئچ آف کرنے ہی والا تھا کہ اسے جیسے اچانک کچھ یاد آ گیا''اور ہاں میںڈرا، یہ نہ بھولنا کہ سینچر کو ہمیں بال گیم میں جانا ہے۔'' اس نے سر اٹھا کر ڈیمین کو دیکھا۔''تم بھی چلو نا۔ جوڈی اور بچے بھی جا رہے ہیں۔''

ڈیمین نے نفی میں سر ہلایا۔''سوری سر۔ ہفتے کو میں پورے دن مصروف ہوں۔''

صدر نے انٹر کام کا سوئچ آف کیا۔ اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔ پھر ایک جوان آدمی نے دروازہ کھولا۔ اندر آکر وہ صدر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''کریگ، میں تمہیں برطانیہ میں اپنے نئے سفیر سے ملوانا چاہتا ہوں۔ یہ ہیں ڈیمین تھورن'' صدر نے کہا۔

جوان آدمی نے ہاتھ ملایا اور ڈیمین کو مبارکباد دی۔

''آئزن برگ سے کہو کہ اس سلسلے میں پریس ریلیز تیار کردے۔''

''بہت بہتر جناب صدر۔''

وہ جانے کے لئے مڑا۔ ڈیمین نے عجیب سی نظروں سے صدر کو دیکھا۔

''اور ہاں کریگ۔'' صدر نے کہا۔ وہ ڈیمین کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ رہا تھا۔''پریس ریلیز میں یہ بھی شامل کرا دینا کہ مسٹر ڈیمین تھورن کو اقوام متحدہ کی یوتھ کونسل کا صدر بھی نامزد کیا گیا ہے۔''

کریگ حیران نظر آیا۔''لیکن جناب صدر، میرا خیال تھا کہ......''

''جیسا میں کہتا ہوں تم ویسا ہی کرو'' صدر نے چڑچڑے پن سے کہا۔

''جی جناب صدر''

صدر اسے جاتا دیکھتا رہا۔ پھر وہ ڈیمین کی طرف مڑا تو اس کی مشہور زمانہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر مچل رہی تھی۔ ٹی وی پر قومی خطاب کے دوران ہمیشہ وہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر چپکی رہتی تھی اور جب بھی وہ کسی مشکل میں ہوتا تو وہ مسکراہٹ اور کشادہ ہو جاتی۔ صدر نے ڈیمین کی طرف ہاتھ بڑھایا۔''تمہارے والد زندہ ہوتے تو انہیں تم پر فخر ہوتا ڈیمین......'' وہ اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اسے رابرٹ تھورن کی مدح سرائی کرنی تھی کہ وہ امریکا کا عظیم فرزند اور برطانیہ میں امریکا کی نمائندگی کرنے والا بہترین سفیر تھا اور آج وہ زندہ ہوتا تو اپنے بیٹے کی تقرری پر بہت خوش ہوتا۔ لیکن جس خوفناک صورتحال میں اور جس الم انداز میں اس کی موت۔

لیکن ڈیمین نے اس کی بات کاٹ دی اور اسے یہ سب کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا۔''میں آپ کے جذبات کی دل سے قدر کرتا ہوں جناب۔'' اس نے صدر سے ہاتھ ملاتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

ہاتھ ملاتے ہوئے وہ دونوں مسکرائے۔ لیکن صدر کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں تیز اور سرد سنسناہٹ کا احساس ہوا...... ڈیمین کی خود اعتمادی ایسی تھی کہ اس نے پہلے کسی اور میں نہیں دیکھی تھی۔ صدر کو ایسا لگ رہا تھا کہ یہ ڈیمین کا آفس ہے اور وہ اس سے ملاقات کے لئے آیا ہے۔ اب ڈیمین کو رخصت ہوتے دیکھ کر اسے احساس ہو رہا تھا کہ ڈیمین نے ایک بار بھی آنجہانی سفیر اینڈریو ڈوائل کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس کے علاوہ ہر ملنے والے نے اینڈریو ڈوائل کی موت پر صدمے اور گہرے دکھ کا اظہار کیا تھا۔ لیکن ڈیمین نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ اس کے نزدیک جیسے سابق سفیر اب قصہ پارینہ تھا، جس کا تذکرہ کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

ٹیفر کنگسلے اپنی میز پر بیٹھا تھا کہ اس کی سیکریٹری نے بزر دیا۔''ایک کمیٹی آپ سے ملنے آئی ہے مسٹر کنگسلے۔''

''کمیٹی؟''

''جی ہاں جناب۔''

''ٹھیک ہے۔ انہیں اندر بھیج دو۔''

کے آئی جی کے مختلف محکموں کے سپر وائزر دفتر میں داخل ہوئے۔''ہمیں آپ سے ضروری بات کرنی ہے مسٹر کنگسلے۔''

''تشریف رکھئے۔''

وہ لوگ بیٹھ گئے۔

''بتایئے...... کیا مسئلہ ہے؟''

''آپ کے بھائی کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس کے بعد ہم سب فکرمند ہیں جناب۔ کے آئی جی قائم رہ سکے گی؟'' ان میں سے ایک فورمین نے کہا۔

ٹیفر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔''میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ فی الحال تو میں خود شاک میں ہوں۔ اینڈریو کے ساتھ جو ہوا، مجھے اس پر یقین نہیں آ رہا۔'' چند لمحے وہ پرخیال انداز میں سوچتا رہا۔ پھر بولا۔''میں یقین سے تو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن کے آئی جی کو قائم رکھنے کے لئے میں سرتوڑ کوشش کروں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے اور آپ لوگوں کو صورتحال سے باخبر بھی رکھوں گا۔''

ان سب نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

اینڈریو کو اسپتال سے چھٹی ملی تو ٹیفر اسے کے آئی جی کی حدود میں بنے ایک اسٹاف ہاؤس میں لے آیا۔ وہاں اس کا خیال بہتر طور پر رکھا جا سکتا تھا اور ٹیفر نے اسے برابر والا آفس بھی دے دیا۔

کے آئی جی کے ملازمین کے لئے اینڈریو کا وجود نشان عبرت تھا۔ وہ اسے ایک غیر معمولی طور پر ذہین اور چوکس سائنس دان کی حیثیت سے جانتے تھے۔ مگر اب وہ کیا تھا...... محض ایک زومبی۔ زیادہ وقت وہ اپنی کرسی پر بیٹھا کھڑکی سے باہر دیکھتا رہتا۔ اس کی کیفیت نیم بیداری کی سی ہوتی۔ لیکن بہرحال کے آئی جی واپس آکر وہ خوش تھا۔ حالانکہ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کے اردگرد کیا ہو رہا ہے۔

(جاری ہے)

دجال

وہ کچھ سمجھ سکتا تھا اور نہ ہی اسے اس سے کوئی غرض یا کوئی پرواتھی ۔ کے آئی جی کے ملازمین یہ دیکھ کر بہت متاثر ہوتے تھے کہ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ ٹیمز کا برتاؤ کس قدر مشفقانہ ہے...... اور وہ اس کا کس طرح خیال رکھتا ہے ۔

کے آئی جی کا ماحول راتوں رات بدل گیا ۔ اینڈریو جب اسے چلا رہا تھا تو اس کا انداز سرسری اور غیر رسمی تھا ۔ مگر اب اسے کاروباری اور بے حد رسمی انداز میں چلایا جا رہا تھا ۔ ٹیمز کمپنی کے لئے موکل تلاش کرنے کے لئے ایجنٹوں کو بھیجتا تھا، جنہیں معاملات طے ہو جانے پر کمیشن دیا جاتا تھا ۔ یہ بھی حقیقت تھی کہ کاروبار بہت تیزی سے پھیل رہا تھا ۔

ادھر پاؤلا کے الوداعی نوٹ کی خبر کے آئی جی کے ہر فرد کو ہو چکی تھی ۔ اس سے پہلے وہ سب ٹیمز کی شادی کے لئے ذہنی طور پر تیار تھے ۔ انہیں افسوس تھا کہ ٹیمز پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ۔ ایک طرف اس کا بھائی زندہ درگور ہو گیا تو دوسری طرف اس کی محبت اس سے چھن گئی ۔ اب وہ سب اپنے اپنے طور پر قیاس آرائیاں کرتے تھے کہ ٹیمز کا ردعمل کیسا ہوگا ۔

دو دن بعد ٹیمز نے اخبار میں اعلان پڑھ لیا کہ اس کی ہونے والی بیوی نے میڈیا ٹائی کون اور مشہور ارب پتی منڈ بار کلے سے شادی کر لی ہے ۔ ٹیمز میں اس کے بعد صرف ایک تبدیلی آئی ۔ وہ بے حد تلون مزاج ہو گیا اور کام کے سلسلے میں جو اس کے اخلاقی ضابطے تھے، وہ اور زیادہ سخت ہو گئے ۔ ہر صبح وہ دو گھنٹے سرخ اینٹوں والی عمارت میں صرف کرتا ۔ وہاں وہ اس پروجیکٹ پر کام کرتا، جس کے بارے میں وہ حد سے زیادہ رازداری برت رہا تھا ۔

ایک شام ٹیمز کو ایک اونچی آئی کیو سوسائٹی مینسا میں خطاب کی دعوت دی گئی ۔ کیونکہ کے آئی جی کے بہت سے ملازمین اس سوسائٹی کے ممبر تھے، اس لئے ٹیمز نے وہ دعوت قبول کر لی ۔

اگلی صبح ٹیمز ہیڈ کوارٹر پہنچا تو اس کے ساتھ ایک ایسی حسین عورت تھی کہ اس کے اسٹاف کے لوگ اسے دیکھ کر مبہوت ہو گئے ۔ اپنے چہرے کے نقوش، زیتونی رنگت، سیاہ آنکھوں اور اپنے جسم کے پیچ وخم سے وہ لاطینی لگ رہی تھی ۔

ٹیمز نے اسے اپنے اسٹاف سے متعارف کرایا ۔ '' یہ سابتینا کورٹیز ہیں ۔ رات مینسا کے اجتماع سے انہوں نے بھی خطاب کیا تھا اور یہ بہت اچھا بولی تھیں ۔''

ٹیمز کے انداز میں ایک دم سے شگفتگی اور تازگی آ گئی تھی ۔ وہ سابتینا کو اپنے آفس میں لے گیا ۔ ایک گھنٹہ وہ اندر رہے اور جب باہر آئے تو انہوں نے ٹیمز کے پرائیویٹ ڈائننگ روم میں دوپہر کا کھانا ساتھ ہی کھایا ۔

اسٹاف کے ایک فرد نے سابتینا کورٹیز کو انٹرنیٹ پر تلاش کیا ۔ وہ ارجنٹائن کے مقابلہ حسن میں ایک بار منتخب ہو چکی تھی ۔ اس کی رہائش سنسنائی میں تھی ایک بڑے اور اہم کاروباری ادارے کے مالک سے اس کی شادی ہوئی تھی ۔

وہ دونوں لنچ کر کے دوبارہ ٹیمز کے آفس میں چلے گئے ۔ وہاں غلطی سے انٹرکام کا بٹن دبا رہ گیا تھا ۔ اس لئے اندر کی گفتگو باہر بھی سنی جاتی رہی ۔

'' تم فکر نہ کرو ڈارلنگ ۔ ہم کوئی نہ کوئی ترکیب نکال لیں گے ۔'' ٹیمز کہہ رہا تھا ۔

تمام سیکریٹریز انٹرکام کے گرد جمع ہو گئیں اور بہت شوق سے ان کی باتیں سننے لگیں ۔

'' ہمیں بہت محتاط رہنا ہوگا ۔ میرا شوہر بہت حاسد طبیعت کا ہے ۔''

'' یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے ۔ میں ایسا بندوبست کروں گا کہ ہم ہمیشہ رابطے میں رہیں گے ۔''

سب کو پتا چل گیا کہ وہاں کیا چکر چل رہا ہے اور لطف کی بات یہ کہ سب اس میں خوش تھے ۔ سیکریٹریوں کی تو باچھیں کھلی جا رہی تھیں ۔

'' مجھے افسوس ہے کہ تم اتنی جلدی واپس جا رہی ہو ۔''

'' افسوس تو مجھے بھی ہے ۔ لیکن مجبوری ہے ۔ جانا تو پڑے گا ۔''

ٹیمز اور سابتینا آفس سے نکلے تو بہت خوش تھے ۔ ان کی جوڑی بہت شاندار لگ رہی تھی ۔ اسٹاف بھی خوش تھا کہ ٹیمز کو پتا بھی نہیں چلا اور وہ سب کچھ سنتے رہے ۔

سابتینا کے روانہ ہوتے ہی ٹیمز نے اپنے کمرے میں ایک خاص فون لگوایا ۔ اسے ریسیو کرنے کی کسی کو اجازت نہیں تھی ۔

اس کے بعد سے ہر روز وہ اس سنہرے انسٹرومنٹ پر سابتینا سے بات کرتا اور ہر مہینے کے آخر میں کہیں طویل ویک اینڈ منانے جاتا ۔ واپسی پر وہ بہت تازہ دم اور خوش وخرم دکھائی دیتا ۔ اس نے کبھی کسی کو نہیں بتایا کہ وہ کہاں جاتا ہے ۔ لیکن سب جانتے تھے کہ وہ سابتینا کے ساتھ وقت گزارتا ہے ۔

ٹیمز کی زندگی پھر سے رومانوی ہو گئی تھی ۔ اس کے نتیجے میں اس میں بڑی خوشگوار تبدیلی آئی تھی، جس سے سبھی خوش تھے ۔

ڈیانا اسٹیونز کی سماعت میں وہ الفاظ نقش ہو کر رہ گئے تھے ۔ '' میں رون جونز بات کر رہا ہوں ۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کی نئی ہدایات کے عین مطابق جو کہ آپ کی سیکریٹری نے مجھ تک پہنچائیں، ایک گھنٹہ پہلے ہم نے آپ کے شوہر کی لاش کو جلا دیا ہے ۔''

اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اتنی بڑی غلطی کیسے ہو گئی ۔ کیا یہ ممکن ہے کہ دکھ نے اسے ایبانڈ ہال کر دیا ہو کہ اپنی ہی بے خبری میں اس نے اس طرح کی ہدایت کی ہو؟ نہیں...... ناممکن! پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اس کی کوئی سیکریٹری نہیں تھی ۔ ہاں، یہ ممکن ہے کہ تدفینی ادارے کو کوئی غلط فہمی ہو گئی ہو ۔ ہدایت کسی اور کے لئے ہو اور انہوں نے اسے رچرڈ سے منسوب کر ڈالا ہو ۔

بہر حال انہوں نے ایک خوبصورت مرتبان میں رچرڈ کی راکھ اسے بھجوا دی تھی ۔ وہ بیٹھی اس راکھ کو تکتی رہی ۔ کیا یہ رچرڈ ہے؟ کیا اس میں رچرڈ کے قہقہے چھپے ہیں؟ وہ بازو جو اس کی پناہ گاہ تھے...... وہ ذہن، جو حس مزاح بھی رکھتا تھا اور حساسیت بھی ۔ وہ آواز جو اسے...... آئی لو یو...... کہا کرتی تھی، وہ خواب، وہ محبتیں، وہ سارے جذبے...... کیا وہ سب کچھ اس چھوٹے سے مرتبان میں سما سکتا ہے!

ٹیلی فون کی گھنٹی نے اسے چونکا دیا ۔ اس نے ریسیور اٹھایا ۔ '' مسز اسٹیونز؟ '' دوسری طرف سے کسی نے پوچھا ۔

'' جی فرمایئے ۔''

(جاری ہے)

علیم الحق حقی

''میں ٹیبز لنکسلے کے دفتر سے بات کر رہا ہوں۔ مسٹر لنکسلے چاہتے ہیں کہ آپ ان سے ملاقات کیلئے تشریف لائیں۔ انہیں بڑی خوشی ہوگی......''

یہ دو دن پہلے کی بات تھی اور اب ڈیانا کے آئی جے کے ہیڈ کوارٹر میں استقبالیہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟'' استقبالیہ کلرک نے کہا۔

''میرا نام ڈیانا اسٹینوز ہے۔ مسٹر ٹیبز لنکسلے سے میری ملاقات طے ہے۔''

''اوہ مسز اسٹیونز۔ ہم سب کو مسٹر اسٹیونز کی موت کا بہت دکھ ہے۔ وہ بہت الم ناک واقعہ تھا......''

''جی...... جی ہاں۔'' ڈیانا کی آواز بھرا گئی۔

ٹیبز ریٹا اٹاکلر سے بات کر رہا تھا۔ ''ابھی میری دو ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ ان کی مکمل اسکیننگ چاہئے مجھے۔''

''جی سر۔'' ریٹا نے جواب دیا اور آفس سے نکل آئی۔ ٹیبز اسے دیکھتا رہا۔

اسی وقت انٹرکام چیخا۔ ''مسٹر لنکسلے مسز اسٹیونز آپ سے ملاقات کے لئے آئی ہیں۔''

ٹیبز نے اپنی میز پر لگے الیکٹرونک پینل پر ایک بٹن دبایا اور دیوار پر لگے بہت سے مانیٹرز میں سے ایک کی اسکرین پر ڈیانا اسٹیونز نظر آئی۔ وہ سفید بلاؤز اور سفید دھاریوں والا نیلا اسکرٹ پہنے ہوئے تھی۔ اس کا چہرہ بہت پیلا لگ رہا تھا۔

''اسے اندر بھیج دو پلیز۔''

ڈیانا دروازے میں نمودار ہوئی تو ٹیبز اس کے خیر مقدم کے لئے اٹھا۔ ''آپ کی آمد کا شکریہ مسز اسٹیونز۔''

ڈیانا نے سر کو تفہیمی جنبش دیتے ہوئے کہا۔ ''گڈ مارننگ۔''

''بیٹھ جائیے...... پلیز۔''

ڈیانا اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

''یہ کہنے کی تو میرے خیال میں ضرورت نہیں کہ آپ کے شوہر کے بہیمانہ قتل سے ہم سب کو شاک لگا ہے۔ اس بات پر یقین رکھیں کہ ذمے دار افراد کو جلد از جلد کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا......''

خاک میں خاک، راکھ میں راکھ...... مرتبان میں راکھ! ڈیانا نے سوچا۔

''آپ مائنڈ نہ کریں تو میں آپ سے کچھ سوال کروں۔''

''جی ضرور؟''

''آپ کے شوہر اپنے کام کے متعلق آپ سے گفتگو کرتے تھے؟''

ڈیانا نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں۔ کیونکہ ان کے کام کی نوعیت تیکنیکی تھی اور میں ٹیکنیکل باتیں سمجھ ہی نہیں سکتی۔''

ہال کے اندرونی حصے میں نگرانی کرنے والے کمرے میں ریٹا اٹاکلر نے آواز شناخت کرنے والی مشین چلا دی تھی۔ آواز کا تجزیہ ٹی وی اسکرین پر ریکارڈ ہو رہا تھا۔ اس کے علاوہ ٹیبز کے کمرے کی آڈیو اور ویڈیو ریکارڈنگ بھی جاری تھی۔

''میں جانتا ہوں کہ اس موضوع پر بات کرنا آپ کے لئے کتنا تکلیف دہ ہے۔'' ٹیبز نے کہا۔ ''لیکن یہ ضروری ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ اپنے شوہر کے منشیات کے کاروبار کے بارے میں آپ کس حد تک جانتی ہیں؟''

ڈائنا اسے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ وہ اس کے لئے بہت بڑا شاک تھا۔ چند لمحے تو وہ گنگ بیٹھی رہی۔ پھر سنبھلتے ہی اس نے کہا۔

''یہ...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ رچرڈ ایسا آدمی نہیں تھا۔ وہ کبھی اس طرح کی سرگرمیوں میں ملوث نہیں......''

''مسز اسٹیونز، پولیس کو اس کی جیب میں سے مافیا کا ایک دھمکی آمیز نوٹ ملا ہے۔ اور......''

ڈیانا کے لئے تو یہ سوچنا ہی ناممکن تھا۔ رچرڈ اس کی بے خبری میں ایک اور...... خفیہ زندگی گزارتا ہوگا؟ نہیں! نہیں!! نہیں!!! اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا اور سارا خون جیسے سمٹ کر اس کے چہرے پر آ گیا تھا۔ اس کا مطلب تو یہ تھا کہ مافیا والوں نے اسے سزا دینے کے لئے رچرڈ کو قتل کیا۔ وہ سوچ رہی تھی۔

''مسٹر لنکسلے، رچرڈ ہرگز ایسا......''

ٹیبز کے لہجے میں ہمدردی تھی۔ لیکن تیقن بھی تھا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو تکلیف پہنچا رہا ہوں۔ لیکن درحقیقت میں کوشش کر رہا ہوں کہ آپ کے شوہر کی موت کے واقعے کو گہرائی تک دیکھوں اور سمجھوں۔''

اس کی گہرائی تو میں ہوں۔ ڈیانا نے سوچا۔ میں ہی اس کی موت کا سبب بنی ہوں۔ میں آلٹیری کے خلاف گواہی نہ دیتی تو رچرڈ نہ مارا جاتا۔

ٹیبز لنکسلے اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''میں آپ کو زیادہ دیر نہیں روکوں گا مسز اسٹینوز۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے زخم ہرے ہو رہے ہیں۔ ہم بعد میں بھی بات کر سکتے ہیں۔ ممکن ہے، آپ کو کوئی ایسی بات یاد آ جائے جو اس معمے کو حل کرنے میں مددگار ثابت ہو۔ ایسا ہو تو آپ پلیز مجھے فون کر دیجئے گا۔'' اس نے دراز کھول کر ابھرے ہوئے حروف والا خوب صورت بزنس کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ ''اس میں میرا ذاتی سیل فون نمبر بھی ہے۔ اس پر آپ کسی بھی وقت مجھ سے رابطہ کر سکتی ہیں...... دن ہو یا رات۔''

ڈیانا نے کارڈ لے کر دیکھا۔ اس پر ٹیبز کا نام اور موبائل فون کا نمبر تھا۔ وہ اٹھی تو اس کی ٹانگوں میں لرزش تھی۔

''میں ایک بار پھر معذرت خواہ ہوں کہ میں نے آپ کو اس اذیت ناک مرحلے سے گزارا۔ لیکن ایک بات اور میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ کو میری ضرورت پڑے تو میں آپ کی ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔''

ڈیانا کیلئے بولنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ ''شکریہ...... آپ کا...... میں......'' پھر وہ پلٹی اور کمرے سے نکل آئی۔

وہ استقبالیہ کمرے کے قریب پہنچی تو اسے استقبالیہ کلرک کی آواز سنائی دی۔ ''اگر میں توہم پرست ہوتی تو یہی سمجھتی کہ کے آئی جی کو کسی کی بد دعا لگی ہے۔ یقین کریں مسز ہیرس، آپ کے شوہر کی موت کا ہم سب کو بہت افسوس ہے۔ ایسی خوفناک موت......''

ڈیانا کو وہ لفظ جانے پہچانے لگے۔ نجانے اس عورت کے شوہر کے ساتھ کیا معاملہ ہوا ہوگا۔ ڈیانا نے سر گھما کر اس عورت کو دیکھا تو دیکھتی رہ گئی۔ وہ ایک سیاہ فام امریکی عورت تھی۔ ایسی خوبصورت کہ وہ عورت ہو کر بھی اس پر سے نظریں نہیں ہٹا پا رہی تھی۔ اس کی انگلی میں شادی کی انگوٹھی بھی تھی۔

ڈیانا کو نجانے کیوں یہ احساس ہو رہا تھا کہ اس کیلئے اس عورت سے ملنا اور بات کرنا بہت ضروری ہے۔ مگر وہ جیسے ہی اس کی طرف بڑھی، وہ ٹیبز کی سیکریٹری کے ساتھ ٹیبز کے کمرے کی طرف چل دی۔

ڈیانا اسے دیکھنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

ٹیبز نے کھڑے ہو کر کیلی ہیرس کا خیر مقدم کیا۔ ''آپ کی آمد کا شکریہ مسز ہیرس۔ سفر کیسا رہا؟''

''جی...... ٹھیک تھا۔ شکریہ۔''

''آپ کچھ لیں گی...... کافی یا......؟''

کیلی نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں جانتا ہوں مسز ہیرس کہ یہ وقت آپ کے لئے کتنا سخت ہے۔ لیکن میں آپ سے چند ضروری سوال کرنا چاہتا ہوں۔''

نگرانی والے کمرے میں ریٹا اٹاکلر ٹی وی اسکرین پر کیلی کو دیکھ رہی تھی۔ ریکارڈنگ بھی جاری تھی۔

''جی...... پوچھئے۔''

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

''آپ اپنے شوہر سے بہت قریب تھیں نا؟''

''جی ہاں۔ بہت زیادہ قریب۔''

''یہ بتایئے، کیا وہ آپ کے ساتھ سچے اور مخلص تھے؟''

کیلی کی نگاہوں سے الجھن جھانکنے لگی۔ ''مارک سے زیادہ سچا اور ایماندار آدمی میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ ہم نے کبھی ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپایا۔ ہمارے کوئی راز، راز نہیں تھا۔ وہ......'' اس کا گلا رندھ گیا۔ اس سے کچھ کہا نہیں گیا۔

''وہ اپنے کام کے متعلق آپ سے بات کرتا تھا؟''

''نہیں۔ دراصل مارک کا کام نہایت پیچیدہ نوعیت کا تھا۔ ہمارے درمیان اس موضوع پر کبھی بات نہیں ہوئی۔''

''آپ کے اور مارک کے دوستوں میں روسی بھی تھے؟''

کیلی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی الجھن اور بڑھ گئی تھی۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا مسٹر کنگسلے کہ آپ یہ کس طرح کے سوال......''

''آپ کے شوہر نے آپ کو نہیں بتایا کہ وہ ایک بہت بڑی ڈیل کرنے والے ہیں، جس میں انہیں کثیر دولت ملے گی۔''

کیلی اب پریشان ہو گئی تھی۔ ''اگر ایسا ہوتا تو مارک نے مجھے ضرور بتایا ہوتا۔''

''مارک نے کبھی آپ کو اولگا کے بارے میں بھی بتایا تھا؟''

کیلی کو اب پچھتاوا ہو رہا تھا کہ وہ یہاں کیوں آئی۔ ''مسٹر کنگسلے، آپ مجھے صاف صاف بتائیں، آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟''

''پیرس کی پولیس کو آپ کے شوہر کی جیب میں ایک رقعہ ملا۔ اس میں معلومات کے بدلے طے شدہ رقم کا تقاضا تھا۔ آخر میں لکھا تھا...... بے حد محبت کے ساتھ...... برائے اولگا......''

کیلی تو سناٹے کے عالم میں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ ''یہ...... یہ آپ کیا...... مجھے نہیں معلوم......''

''آپ تو کہہ رہی تھیں کہ وہ ہر موضوع پر آپ سے بات کرتے تھے۔ آپ کے درمیان کوئی راز نہیں تھا۔''

''جی ہاں۔ لیکن......''

''ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کے شوہر اس عورت کے ساتھ ملوث تھے اور......''

''نہیں۔'' کیلی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ''یہ آپ میرے مارک کے متعلق نہیں کہہ رہے ہیں۔ میں نہیں مانتی۔ میں نے آپ کو بتایا نا۔ ہم ایک دوسرے سے کبھی کچھ نہیں چھپاتے تھے۔''

''بس ایک راز اس نے آپ سے چھپایا اور وہی اس کی موت کا سبب بن گیا۔''

کیلی کو چکر آنے لگے۔ اسے کمزوری کا احساس ہو رہا تھا۔ ''میں آپ سے معذرت چاہتی ہوں مسٹر کنگسلے لیکن میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ اور میں......''

ٹینر کنگسلے کا رویہ ایک دم معذرت خواہانہ ہو گیا۔ ''میں سمجھتا ہوں اور میں ہر اعتبار سے، ہر معاملے میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔''

ٹینر نے اسے اپنا ابھرے ہوئے حروف والا بزنس کارڈ دیا۔ ''اس نمبر پر آپ کسی بھی وقت مجھ سے رابطہ کر سکتی ہیں۔'' اس نے کہا۔

کیلی نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ بولنا اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔ وہ پلٹی اور اندھا دھند چلتی ہوئی آفس سے نکل آئی۔

کیلی بلڈنگ سے نکلی تو اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ ذہن میں الجھنیں ہی الجھنیں تھیں۔ یہ اولگا کون تھی؟ اور مارک روسیوں کے ساتھ کیوں ملوث تھا؟ وہ ایسا کیوں......؟

''معاف کیجئے گا مسز ہیرس۔''

کیلی نے سر گھما کر دیکھا۔ ''جی؟''

وہ سنہرے بالوں والی ایک بے حد پرکشش عورت تھی۔ ''میرا نام ڈیانا اسٹیونز ہے۔'' وہ بولی۔ ''اور میں آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ وہ سامنے کافی شاپ ہے۔ کیوں نہ ہم وہاں بیٹھ کر......''

''سوری۔ میں اس وقت کسی سے بات کرنا نہیں چاہتی۔''

''بات آپ کے شوہر سے متعلق ہے۔''

کیلی نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''مارک؟ مارک کے متعلق کیا بات ہے؟''

''ہمیں تنہائی میں بیٹھ کر سکون سے بات کرنی چاہئے۔''

ٹینر کے آفس میں انٹرکام پر اس کی سیکریٹری کی آواز ابھری۔ ''سر...... مسٹر ہائی ہولٹ آئے ہیں۔''

''اندر بھیج دو۔'' ٹینر نے کہا۔

ایک لمحے بعد ہائی ہولٹ اندر داخل ہوا۔ ''کیسے ہو جان؟'' ٹینر نے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ہماری کمپنی کا ایک ایک فرد قتل ہو جائے گا۔''

''یہی تو ہم جاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نہیں مانتا کہ ہمارے تین ملازمین کی اچانک اموات اتفاقی ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ کوئی ہماری کمپنی کی ساکھ خراب کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن اس سے پہلے ہی ہم اسے تلاش کر کے اس سلسلے کو روک دیں گے۔ پولیس ہم سے تعاون کے لئے تیار ہے۔ ہمارے آدمی ان تینوں کی آخری نقل و حرکت کا سراغ لگا رہے ہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے میں نے دو انٹرویو ریکارڈ کئے ہیں۔ وہ میں تمہیں سنوانا چاہوں گا۔ ان میں سے ایک رچرڈ اسٹیونز کی بیوہ ہے اور دوسری مارک ہیرس کی۔ تیار ہو؟''

''ہاں...... سنواؤ۔''

''یہ ڈیانا اسٹیونز ہے۔'' ٹینر نے کہا اور ایک بٹن دبایا۔ اسکرین پر ڈیانا اسٹیونز نمودار ہوئی۔ اسکرین کے داہنی حصے میں ایک گراف تھا، جس کی لائن ڈیانا کے بولنے کے ساتھ اوپر نیچے ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد کیلی اسکرین پر نظر آئی۔

''اسکرین پر یہ لائن کیا ظاہر کرتی ہے؟'' ہائی ہولٹ نے پوچھا۔

''یہ آواز کا گرافک تجزیہ ہے۔ اس سے آواز کی لرزش کی مقدار کا پتا چلتا ہے۔ اگر بولنے والا جھوٹ بول رہا ہے تو اس کی آواز کے حجم میں اتار چڑھاؤ ضرور ہوگا۔ پولی گراف کی طرح اس میں تار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ دونوں عورتیں سچ بول رہی تھیں۔ انہیں تحفظ کی ضرورت ہے۔''

جان ہائی ہولٹ نے حیرت سے پوچھا۔ ''تحفظ کا کیا مطلب ہے؟ اور کس سے؟''

''میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ خطرے میں ہیں۔ انہیں شعوری طور پر احساس نہیں کہ ان کو اس سے زیادہ معلومات ہیں، جتنا کہ وہ سمجھ رہی ہیں۔

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

وہ معلومات غیر شعوری ہیں۔ دونوں اپنے شوہر سے بہت زیادہ قریب تھیں۔ مجھے یقین ہے کہ کسی نہ کسی موقع پر انہیں کوئی اہم بات بتائی گئی ہوگی، جو ان کے ذہن سے نکل گئی ہے۔ لیکن ان کے حافظے میں موجود ہے۔ جلد یا بدیر، انہیں وہ بات یاد آ جائے گی اور جب وہ یاد آئے گی تو ان کی زندگی خطرے میں ہوگی۔ جس نے ان کے شوہروں کو قتل کیا ہے، وہ انہیں بھی نہیں چھوڑے گا۔''

''تو تم ان کا تعاقب کراؤ گے؟''

''یہ تعاقب وغیرہ بہت پرانی بات ہے۔ یہ الیکٹرونکس کا دور ہے جان۔ مسز اسٹیونز کے اپارٹمنٹ کی ہر زاویے سے نگرانی کی جا رہی ہے۔ کیمرے، مائیکروفون، ٹیلی فون...... مکمل نگرانی۔ ہم پوری ٹیکنالوجی کے ساتھ ان کی حفاظت کی فکر کر رہے ہیں۔ جیسے ہی کوئی ان پر حملہ کرنے کی کوشش کرے گا، ہمیں معلوم ہو جائے گا۔''

جان ہائی ہولٹ چند لمحے سوچتا رہا۔ ''اور کیلی ہیرس؟''

''وہ ایک ہوٹل میں ٹھہری ہے۔ بدقسمتی سے ہم اس کے سوئٹ میں تیاری نہیں کر سکے۔ لیکن بہر حال لابی میں میرے آدمی موجود ہیں اور وہ ہر طرح کی صورتحال سے نمٹنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔'' ٹینر کہتے کہتے رکا۔ اس کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی۔ ''میں چاہتا ہوں کہ کے آئی جی کی طرف سے قاتلوں کی گرفتاری پر پانچ ملین ڈالر کا انعام......''

''ایک منٹ ٹینر۔'' ہائی ہولٹ نے اعتراض کیا۔ ''اس کی ضرورت نہیں۔ ہم یہ کیس حل......''

''ٹھیک ہے۔ کے آئی جی کی طرف سے نہ سہی، میں ذاتی طور پر اس انعام کا اعلان کر دوں گا۔ آخر میرا نام اس کمپنی سے منسلک ہے۔'' ٹینر کے لہجے میں سختی تھی۔ اس تمام معاملے کے پیچھے جو کوئی بھی ہے، میں اسے گرفتار دیکھنا چاہتا ہوں۔''

پال بوہر جانتا تھا کہ وہ بے حد اہم میٹنگ ہے۔ اسے باس سے مکمل ہدایات لینی تھیں۔ ''لیکن ڈیمین، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں انگلینڈ جانے کی کیا ضرورت ہے اس نے کہا۔

''ضرورت ہے ہال۔ تم جانتے ہو کہ میں بلا ضرورت کبھی کچھ نہیں کرتا۔'' ڈیمین نے جواب دیا۔

پال بوہر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتا رہا۔ ''تمہاری منزل امریکا کی صدارت ہے، برطانیہ کی سفارت نہیں۔''

''مجھے صدارت کی بھی ضرورت نہیں۔'' ڈیمین نے تیز لہجے میں کہا۔ ''یہودی ساری دنیا کی اور بالخصوص امریکا کی معیشت پر چھائے ہوئے ہیں اور قدرتی طور پر وہ ہمارے حلیف ہیں۔ کوئی امریکی صدر ان کی مرضی کے خلاف نہیں جا سکتا۔ رہ گیا ہمارا دوسرا معاملہ تو وہ بھی خوش اسلوبی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اس سلسلے میں ہماری دماغی ٹیم نے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں۔ نجومیوں نے شور مچا دیا ہے کہ اکیسویں صدی مسلمانوں کی صدی ہوگی۔ مغرب پہلے ہی سے عدم تحفظ کا شکار تھا۔ اس کا خوف اور بڑھ گیا۔ ہماری توقع کے عین مطابق مغربی یعنی عیسائی دنیا نے اپنے بچاؤ کے لئے یہ طے کر لیا کہ بیسویں صدی کی آخری دہائی میں مسلمانوں کو اس طرح کچلیں گے کہ اکیسویں صدی ان کی سنبھلنے کی کوششوں میں ہی گزر جائے گی۔ اس کے لئے روس کے زوال کے فوراً بعد نیو ورلڈ آرڈر طے کر لیا گیا اور مسلمانوں کو اگلا ہدف قرار دے دیا گیا اور اب امریکا تیزی سے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس پیش قدمی کو اور تیز کرنے کے لئے جو ہم نے پلان بنایا ہے، وہ دھماکہ خیز ثابت ہوگا۔ مگر ہمیں ایک بات کا خیال رکھنا ہوگا۔ یہودی مارے نہیں جانے چاہئیں۔''

''اب ڈیمین جانی قربانی کے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔'' پال نے قدرے بے پروائی سے کہا۔ ''اور تھوڑے بہت یہودی مارے جاتے ہیں تو اس میں کیا قباحت ہے۔''

''دو قباحتیں ہیں۔ ایک تو تم جانتے ہو کہ یہودی موت سے سب سے زیادہ ڈرتے ہیں اور بنیادی طور پر ہاتھ پاؤں ہلانے والے بھی نہیں ہیں۔ وہ تو اس وقت ایک جوش میں ہیں۔ مگر بڑے جانی نقصان کی صورت میں وہ جوش بھاپ کی طرح اڑ جائے گا۔ دوسرے ان کی تعداد کم ہے...... بہت کم۔ ایک تو ان کے ہاں قدرتی طور پر شرح پیدائش بہت کم ہے۔ دوسرے وہ کسی اور کو اپنے مذہب میں قبول نہیں کرتے......خود کو خالص رکھنے کے زعم میں۔ اسی لئے تو ہمیں عیسائیوں کو آلۂ کار بنانا ہے لیکن یہ ذہن میں رکھو کہ فطری طور پر عیسائی مسلمانوں کے حلیف اور یہودیوں کے دشمن ہیں۔ جب بھی انہیں ہوش آ گیا، وہ اصل کی طرف پلٹیں گے۔ لیکن اس سے پہلے ہی ہم کام دکھا چکے ہوں گے۔ اس لئے ہر منصوبے پر کام کرتے ہوئے یہودیوں کے جانی تحفظ کو اولیت دینا۔ اپنے اونچی چابی والے منصوبے میں بھی یہ خیال رکھنا۔ یہودیوں کا جانی نقصان بالکل نہ ہو۔''

''لیکن اس طرح تو یہودی مشتبہ ٹھہریں گے۔'' پال نے اعتراض کیا۔

ڈیمین مسکرایا ''یہ میڈیا کا دور ہے اور میڈیا ہمارا ہے۔ میڈیا وہی کہے گا جو ہم چاہیں گے۔ اس پہلے منصوبے کے بعد ہر کارروائی مسلمانوں کے کھاتے ہو ڈالی جائے گی۔ ان پر دہشت گردی کی چھاپ لگا دی جائے گی۔ لازمی طور پر ان کا انداز مدافعانہ اور معذرت خواہانہ ہوگا اور یہی ہم چاہتے ہیں۔ ان کے جو بیشتر حکمران ہیں، وہ غاصب ہیں، اقتدار کے بھوکے ہیں اور اپنے ذاتی مفادات کی فکر کرنے والے ہیں۔ جس وقت امریکا غیض و غضب میں ہوگا، وہ اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں گے اور اس کے کہنے پر خود اپنے دین کو کمزور کریں گے۔ میرے ذہن میں بساط بھی واضح ہے اور اس پر مہروں کی پوزیشن بھی۔ جیت ہماری ہی ہوگی۔ بس تم میری غیر موجودگی میں یہاں کے معاملات سنبھالنا۔ ہر منصوبے پر کامیابی سے عمل ہونا چاہئے۔''

''مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب تم امریکا کی صدارت کو اہمیت نہیں دے رہے ہو تو سفیر بن کر برطانیہ جانے کی کیا ضرورت ہے''

ڈیمین یک لخت سنجیدہ ہو گیا۔ ''مجھے مسیح کی ولادت کی تاریخ معلوم ہو گئی ہے۔'' اس نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ برطانیہ میں پیدا ہوگا۔ اسی لئے مجھے بہت تیزی سے سابقہ سفیر کو ٹھکانے لگانا پڑا۔''

''تو تم برطانیہ جا کر اس کا سدباب کرو گے؟''

''ہاں۔ میں اس معاملے کو بڑھنے سے پہلے ہی ختم کر دوں گا۔ یہ معاملہ اتنا اہم تھا کہ میں اسے کسی اور پر نہیں چھوڑ سکتا۔''

''تو کیا تم......؟''

''ہاں۔ میں اس تاریخ کو انگلستان میں پیدا ہونے والے ایک بچے کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ یوں یہ جنگ ہم پہلے ہی سے جیت جائیں گے۔ جس آخری معرکے کی پیش گوئی کی گئی ہے، وہ ہوگا ہی نہیں۔ اس دوران تمہیں یہاں اکیسویں صدی کے استقبال کی تیاری کرنی ہوگی۔''

''تم بے فکر رہو ڈیمین۔''

''ہم رابطے میں رہیں گے۔''

☆☆☆

کے آئی جی ہیڈ کوارٹرز کے سامنے سڑک کے پار کافی شاپ کے ایک کونے والے بوتھ میں کیلی اور ڈیانا آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ کیلی ڈیانا کے بولنے کی منتظر تھی۔

ڈیانا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بات کہاں سے شروع کرے۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی...... یہ بتاؤ مسز ہیرس کہ تمہارے شوہر کو کیا خوفناک حادثہ پیش آیا؟ کیا رچرڈ کی طرح اسے بھی قتل کر دیا گیا؟ لیکن یہ پوچھنا مناسب......

''تم مجھ سے میرے شوہر کے بارے میں بات کرنا چاہتی تھیں؟'' بالآخر کیلی سے رہا نہیں گیا۔ ''یہ بتاؤ تم مارک کو کیسے جانتی تھیں؟''

''میں اسے جانتی تو نہیں تھی۔ لیکن......''

کیلی کو غصہ آ گیا۔ ''تم نے تو کہا تھا کہ تم......''

''میں نے کہا تھا کہ میں اس کے بارے میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں۔'' ڈیانا نے جلدی سے صفائی پیش کی۔

کیلی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''معاف کرنا، میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ......''

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

اسکرین پر اب البئیر ی کا انٹرویو دکھایا جا رہا تھا۔ ''مستقبل قریب میں آپ کا کیا پروگرام ہے مسٹر البئیری؟''

''مجھے انصاف مل گیا۔ اب کچھ عرصے میں آرام کروں گا۔'' البئیری عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ ''اور مجھے کچھ قرضے چکانے ہیں۔''

کیلی کے چہرے پر وحشت تھی۔ وہ ڈیانا کی طرف مڑی۔ ''تم نے اس شخص کے خلاف گواہی دی؟''

''ہاں۔ میں نے اسے قتل کرتے دیکھا تھا...... اپنی ان آنکھوں سے......''

کیلی کے ہاتھوں میں لرزش تھی۔ کافی چھلک گئی۔ ''میں یہاں سے نکل جانا چاہتی ہوں۔''

''تم اتنی نروس کیوں ہو رہی ہو؟''

''نروس نہ ہوں! ارے تم نے مافیا چیف کے خلاف گواہی دی۔ اسے جیل بھجوانے کی کوشش کی۔ مگر وہ بری ہو گیا اور وہ کہتا ہے کہ اسے پرانے قرضے چکانے ہیں اور تم پوچھتی ہو، میں نروس کیوں ہوں۔'' وہ اٹھی اور اس نے ایک نوٹ کافی پاٹ کے نیچے رکھ دیا۔ ''بل میں ادا کر رہی ہوں۔ تم اپنے پیسے بچا کر شہر چھوڑ کر بھاگنے میں کام آئیں گے......''

''رکو تو۔ ابھی تو ہم نے بات بھی نہیں......''

''بھول جاؤ مجھے کوئی بات نہیں کرنی۔'' کیلی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ چند لمحے ہچکچانے کے بعد ڈیانا بھی اس کے پیچھے چل دی۔

''تم ضرورت سے زیادہ ری ایکٹ کر رہی ہو۔'' ڈیانا نے کہا۔

''یہ تمہارا خیال ہے۔'' کیلی نے کہا۔ وہ دروازے پر پہنچ چکی تھی۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اتنی بے وقوف کیسے ہو......''

اسی لمحے باہر بیساکھی کے سہارے چلتا ہوا ایک آدمی گرتا نظر آیا۔ کیلی کو ایسا لگا کہ وہ پیرس میں ہے اور گرنے والا جیسے مارک ہے۔ وہ اسے سنبھالنے کے لئے لپکی۔ اسی وقت ڈیانا بھی گرنے والے کی طرف لپکی تھی۔ اسی لمحے سڑک کے اس طرف سے دو دھماکوں کی آواز سنائی دی۔ گولیاں دیوار میں وہاں پیوست ہوئیں جہاں ایک لمحہ پہلے دونوں عورتیں کھڑی تھیں۔ گولی کی آواز کیلی کو احساس ہوا کہ وہ تو مین ہٹن میں ہے اور اس وقت اس کے سامنے ایک نیم پاگل عورت ہے۔

''او مائی گاڈ...... یہ تو ہم پر حملہ ہوا ہے۔'' ڈیانا چلائی۔

''چلو...... یہاں سے نکلو۔'' کیلی نے ڈیانا کو اس طرف دھکیلا، جہاں کولن اس کا منتظر تھا۔

کولن نے دروازہ کھولا اور وہ دونوں عقبی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ ''یہ آواز کیسی تھی؟'' کولن نے پوچھا۔

وہ دونوں کار میں ایک دوسرے سے بہت قریب ہو کر بیٹھی تھیں اور اعصاب زدہ ہونے کی وجہ سے ان کے لئے بولنا ممکن نہیں تھا۔

بالآخر کیلی نے کہا ''کسی کار کی بیک فائرنگ کی آواز تھی شاید۔'' پھر وہ ڈیانا کی طرف مڑی جو ابھی تک خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''مجھے امید ہے کہ تم اسے اوور ری ایکٹ نہیں سمجھو گی۔ یہ بتاؤ، میں تمہیں کہاں ڈراپ کروں۔''

ڈیانا نے گہری سانس لی اور اسے اپنے اپارٹمنٹ ہاؤس کا پتا بتانے لگی۔ اس کے بعد دونوں خاموش ہو گئیں۔ جو کچھ ہوا تھا، اس نے انہیں دہلا دیا تھا۔

کچھ دیر بعد کار عمارت کے سامنے رکی۔ ڈیانا کیلی کی طرف مڑی۔ ''اندر چلو نا۔ مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ مجھے لگتا ہے اور بھی کچھ ہونے والا ہے۔''

''مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔'' کیلی نے بے رخی سے کہا۔ ''لیکن میں نہیں چاہتی کہ میرے ساتھ بھی کچھ ہو۔ اس لئے گڈبائی مسز اسٹیونز۔''

ڈیانا ایک پل اسے دیکھتی رہی۔ وہ اس سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔ لیکن پھر وہ محض سر جھٹک کر رہ گئی۔ وہ کار سے اتر گئی۔

کیلی ڈیانا کو دیکھ رہی تھی۔ ڈیانا عمارت میں گھسی اور زینے کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کا اپارٹمنٹ پہلی منزل پر تھا۔ کیلی نے سکون کی سانس لی۔

''آپ کہاں جائیں گی مسز ہیرس؟'' کولن نے اس سے پوچھا۔

''واپس ہوٹل اور......''

اسی لمحے عمارت کے اندر سے ایک چیخ سنائی دی۔ کیلی صرف ایک لمحے کو ہچکچائی۔ پھر وہ کار سے اتری اور دوڑتی ہوئی عمارت میں داخل ہو گئی۔ ڈیانا کے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اندر کمرے کے وسط میں کھڑی تھی۔ اس کا جسم بری طرح لرز رہا تھا۔

''کیا ہوا؟'' کیلی نے اس سے پوچھا۔

''کوئی...... کوئی یہاں آیا تھا۔ یہاں رچرڈ کا بریف کیس رکھا تھا۔ وہ غائب ہے۔ اس میں اس کے کاغذات تھے اور اس کی جگہ وہ لوگ رچرڈ کی شادی کی انگوٹھی چھوڑ گئے ہیں۔''

کیلی نے نروس انداز میں ادھر ادھر دیکھا۔ ''تم پولیس کو کال کرو نا۔''

''ہاں...... کرتی ہوں۔'' ڈیانا کو اچانک گرین برگ کا دیا ہوا کارڈ یاد آیا۔ وہ ہال میں میز پر رکھا تھا۔ اس نے جا کر کارڈ اٹھایا اور نمبر ملایا۔

''پلیز...... مجھے ڈیٹیکٹیو ارل گرین برگ سے بات کرنی ہے۔'' اس نے کہا۔

دوسری طرف چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر آواز ابھری۔ ''ہیلو؟ گرین برگ اسپیکنگ۔''

''میں ڈیانا اسٹیونز بول رہی ہوں۔ یہاں کچھ گڑبڑ ہوئی ہے۔ تم میرے اپارٹمنٹ آسکتے ہو...... اوہ شکریہ۔ میں منتظر ہوں۔''

اس نے ریسیور رکھا اور گہری سانس لیکر کیلی کی طرف مڑی۔ ''وہ آ رہا ہے۔ اگر تم چند لمحے انتظار کرسکو تو......''

''دیکھو مسز اسٹیونز، یہ تمہارا درد سر ہے، میرا نہیں۔ میں اس مسئلے میں الجھنا نہیں چاہتی۔ تم جانتی ہو کہ ابھی کچھ دیر پہلے تمہیں قتل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ میں کیوں خود کو پھنساؤں۔ ویسے بھی میں پیرس واپس جا رہی ہوں۔ خدا حافظ مسز اسٹیونز۔''

ڈیانا اسے دیکھتی رہی۔ وہ باہر نکلی اور لیموزین کی طرف بڑھی۔

''اب کہاں چلنا ہے مسز ہیرس؟'' کولن نے کیلی سے پوچھا۔

''مجھے ہوٹل لے چلو۔'' کیلی نے کہا اور سوچا...... جہاں میں محفوظ رہوں گی۔

(جاری ہے)

کیلی ٹیکسی میں بیٹھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو دو آدمی ہوٹل سے نکل کر قریب کھڑی ایک لیموزین کی طرف بڑھتے نظر آئے۔

''کہاں جانا ہے؟'' ٹیکسی ڈرائیور نے کیلی سے پوچھا۔

''بس سیدھے چلو فی الحال۔''

''جی بہتر۔''

لیموزین ٹیکسی کے پیچھے لگ گئی تھی۔ ٹیکسی اب سگنل کے قریب پہنچ رہی تھی، جس کی روشنی سبز تھی۔ ''رفتار کم کرو اور جیسے ہی روشنی سرخ ہو، ٹیکسی کو تیزی سے بائیں جانب موڑ لو۔''

ڈرائیور نے عقب نما میں اس کے عکس کو حیرت سے دیکھا اور بولا۔ ''جی؟''

کیلی نے آئینے میں ڈرائیور کا تاثر دیکھا۔ پھر وہ مسکرائی۔ ''دراصل میری کسی سے شرط لگی ہے۔''

ڈرائیور نے روشنی سرخ ہوتے ہی اس کی ہدایات پر عمل کیا۔ اس نے ٹیکسی کو تیزی سے بائیں جانب موڑ لیا۔ اس وقت تک پہنچنے والے ٹریفک کو پولیس مین روک چکا تھا۔ لیموزین میں موجود دونوں افراد ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

اگلے جنکشن پر کیلی نے کہا۔ ''ارے...... میں اپنا پاسپورٹ تو بھول ہی آئی۔ مجھے یہیں اتار دو۔''

ڈرائیور نے ٹیکسی روک دی۔ کیلی اتری اور اس نے کرائے کے ساتھ ڈرائیور کو اچھی خاصی ٹپ بھی دی۔

ٹیکسی ڈرائیور نے اسے ایک میڈیکل بلڈنگ میں گھستے دیکھا تو سوچا، یہ شاید کسی ماہر نفسیات کے پاس جا رہی ہے۔

پچھلے سگنل پر روشنی سبز ہوئی تو لیموزین بائیں جانب مڑی۔ اس وقت تک ٹیکسی دو بلاک آگے جا چکی تھی۔ لیموزین اسی طرف چلتی گئی۔

پانچ منٹ بعد کیلی مخالف سمت جانے والی ایک ٹیکسی میں بیٹھ چکی تھی۔

............x............

ڈیٹیکٹیو گرین برگ ڈیانا اسٹیونز کے اپارٹمنٹ پہنچ چکا تھا۔ ''مسز اسٹیونز، آپ نے اس شخص کو دیکھا، جس نے آپ پر فائر کیا تھا؟'' اس نے پوچھا۔

ڈیانا نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں۔ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا تھا کہ میری کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا۔''

''بہر حال معاملہ سنگین تھا۔ دیوار میں دھنسی ہوئی گولی نکال لی گئی ہے۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ محفوظ رہیں۔ یہ بتائیں، کوئی آپ کو کیوں قتل کرنا چاہے گا۔ کوئی ایسا ہے، جس کے پاس آپ کے قتل کا جواز ہو؟''

ڈیانا کو الٹیئر کے الفاظ یاد آ گئے ...... مجھے کچھ قرضے چکانے ہیں۔ گرین برگ اس کے جواب کا منتظر تھا۔ وہ ہچکچائی۔ ''میرے خیال میں انتھونی الٹیئر کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے۔''

گرین برگ چند لمحے اسے بغور دیکھتا رہا۔ ''ہم اسے چیک کریں گے۔ اب اس بریف کیس کے بارے میں بتایئے، جو یہاں سے غائب ہے۔ آپ کو کچھ اندازہ ہے کہ اس میں کیا تھا؟''

''یقین سے نہیں کہہ سکتی۔ رچرڈ صبح وہ بریف کیس لے کر لیبارٹری جاتا تھا اور رات کو بریف کیس لے کر ہی واپس آتا تھا۔ ایک بار میں نے اس میں کچھ کاغذات دیکھے تھے۔ لیکن سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ وہ کچھ زیادہ ہی ٹیکنیکل نوعیت کے تھے۔''

گرین برگ نے میز پر رکھی شادی کی انگوٹھی اٹھائی اور اس کا جائزہ لینے لگا۔ ''آپ کا کہنا ہے کہ آپ کے شوہر اس انگوٹھی کو کبھی انگلی سے نہیں اتارتے تھے؟''

''جی ہاں۔''

''موت سے پہلے آخری عرصے میں آپ کو ان کا انداز کچھ بدلا بدلا تو نہیں لگا تھا؟ جیسے انہیں کوئی پریشانی ہو...... یا وہ نروس ہوں؟ کوئی غیر معمولی بات، آخری دنوں میں انہوں نے آپ سے کہی ہو؟ پلیز...... یاد کرنے کی کوشش کریں۔''

ڈیانا کو یاد تھا۔ اس صبح جاتے وقت رچرڈ نے کہا تھا۔ ''آج رات میں دیر سے آؤں گا۔ لیکن تمہیں پھر بھی مجھے کچھ وقت دینا ہو گا جانم۔'' لیکن وہ ذاتی بات تھی۔ اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''نہیں۔ انہوں نے ایسی کوئی غیر معمولی بات نہیں کی تھی۔''

''مجھے آپ کے تحفظ کا بندوبست کرنا ہو گا۔'' گرین برگ نے کہا۔ ''اور اگر''

اسی لمحے اطلاعی گھنٹی بجی۔ گرین برگ کی بات ادھوری رہ گئی۔ ''کوئی آپ سے ملنے آنے والا تھا؟'' اس نے ڈیانا سے پوچھا۔

''نہیں۔''

''میں دیکھتا ہوں۔'' گرین برگ نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ اسے ایک طرف ہٹاتے ہوئے کیلی ہیرس آندھی طوفان کی طرح اپارٹمنٹ میں داخل ہوئی۔ وہ سیدھی ڈیانا کے پاس آئی۔ ''مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''

ڈیانا نے اسے حیرت سے دیکھا۔ ''تم تو پیرس واپس جا رہی تھیں؟''

''میں نے فیصلہ بدل دیا۔''

گرین برگ دروازہ بند کر کے واپس آ گیا تھا۔ ڈیانا نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے متعارف کرایا۔ کیلی نے گرین برگ کو اپنے ہوٹل میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں بتایا۔

''گھسنے کی کوشش کی تھی؟ تو کیا انہوں نے دروازے پر زور آزمائی کی تھی۔'' گرین برگ نے پوچھا۔

''نہیں۔ انہوں نے خود کو روم سروس والا ظاہر کیا تھا۔''

''آپ نے روم سروس کو آرڈر دیا تھا؟''

''ہاں۔ لیکن میں......''

ڈیانا نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''تمہیں وہم ہوا ہو گا۔ صبح کے واقعے کی وجہ سے......''

''میں پیرس واپس جانا چاہتی ہوں۔'' کیلی تیز لہجے میں اس پر الٹ پڑی۔ ''میرا تم سے کوئی تعلق ہے، نہ ہی میں تعلق رکھنا چاہتی ہوں۔''

(جاری ہے)

تم اپنے مافیا والے دوستوں سے کہہ دو کہ وہ میرا پیچھا چھوڑ دیں۔'' یہ کہہ کر وہ پلٹی اور دروازے کی طرف چل دی۔

''یہ کیا چکر ہے؟'' گرین برگ نے اس کے جانے کے بعد ڈیانا سے پوچھا۔

''اس کا شوہر بھی اسی کمپنی میں کام کرتا تھا، جس میں رچرڈ کام کرتا تھا اور رچرڈ کی طرح وہ بھی اسی روز قتل ہوا۔''

............x............

کیلی اپنے ہوٹل کی لابی میں داخل ہوئی اور استقبالیہ کی طرف بڑھی۔ ''میں واپس جارہی ہوں'' ۔اس نے کلرک سے کہا۔ ''تم پلیز، پیرس جانے والی اگلی فلائٹ پر میری سیٹ ریزرو کرا دو۔''

''بہت بہتر مسز ہیرس۔ کسی خاص ایئرلائن سے سفر کرنا چاہتی ہیں آپ؟''

''نہیں۔ میں بس جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتی ہوں۔''

کیلی لفٹ کی طرف بڑھی۔ لفٹ میں داخل ہو کر اس نے چوتھی منزل کا بٹن دبا دیا۔ لفٹ کا دروازہ بند ہو رہا تھا کہ دو افراد لفٹ میں داخل ہو گئے۔ کیلی نے صرف ایک ثانیے میں انہیں دیکھا اور فیصلہ بھی کر لیا۔ وہ بہت تیزی سے لفٹ سے نکل آئی۔

لفٹ کا دروازہ بند ہوا تو وہ زینوں کی طرف چل دی۔ اس نے سوچا اب اسے خطرہ مول نہیں لینا چاہئے۔

لیکن چوتھی منزل کی لینڈنگ پر ایک جسیم آدمی اس کا راستہ روکے کھڑا تھا۔

''ایکسکیوزمی'' ۔کیلی نے کہا اور اس کے پاس سے گزرنے کی کوشش کی۔

''شش......'' اس شخص نے سرگوشی میں کہا اور سائیلنسر لگا ریوالور اسے دکھایا۔

کیلی کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ ''کک......کیا......کیا بات......؟''

''شٹ اپ۔ دیکھو خاتون، اگر تم اپنے جسم میں کوئی اضافی سوراخ نہیں کروانا چاہتیں تو اپنا منہ بند رکھو۔ اب ہم دونوں کو نیچے جانا ہے۔''

وہ شخص مسکراتا لگ رہا مگر کیلی نے غور سے دیکھا تو پتا چلا کہ اس کے اوپری ہونٹ پر چاقو کا گھاؤ تھا۔ اس کی وجہ سے وہ ہر وقت مسکراتا معلوم ہوتا تھا اور اس کی آنکھوں میں خوف ناک سرد مہری تھی۔

''آؤ چلیں۔''

''نہیں۔ میں اس منحوس عورت کی خاطر مرنا نہیں چاہتی۔'' کیلی نے غصے سے کہا۔ ''تم مجھے غلط......''

''میں نے تم سے کہا ہے کہ منہ بند رکھو اور میرے ساتھ نیچے چلو۔''

اس نے کیلی کا بازو تھام لیا۔ اس کی گرفت آہنی تھی۔ ریوالور اس نے چھپا رکھا تھا۔ لیکن اس کی نال کیلی کے پہلو میں چبھ رہی تھی۔

کیلی اپنے ہسٹیریا سے لڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''میری بات سنو۔'' اس نے نرم لہجے میں کہا۔ ''میں وہ نہیں ہوں جو تم......''

ریوالور کی نال اتنی طاقت سے گڑوئی گئی کہ وہ تکلیف سے بے حال ہو گئی۔

وہ نیچے اترے۔ لابی میں اب ہجوم تھا۔ کیلی سوچ رہی تھی کہ مدد کے لئے چلائے۔ اس شخص نے جیسے اس کی سوچ پڑھ لی۔ وہ سرگوشی میں غرایا۔ ''ایسا سوچنا بھی مت۔''

وہ ہوٹل سے نکل آئے۔ باہر ایک اسٹیشن ویگن ان کی منتظر تھی۔ اس شخص نے پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ''بیٹھ جاؤ۔''

اسٹیشن ویگن سے دو کار آگے ٹریفک کا پولیس مین گاڑی کا چالان کر رہا تھا۔ کیلی نے بلند آواز میں، لہجے میں برہمی لاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ میں تمہاری مرضی کروں گی۔ لیکن اس گری ہوئی حرکت کے بدلے سو ڈالر زیادہ لوں گی۔ میں جسم بیچتی ہوں، روح نہیں......''۔

پولیس والا اس طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

جسیم آدمی اب کیلی کو گھور رہا تھا۔ اسے پولیس والے کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔ ''یہ کیا بکواس کر رہی ہو تم؟''

''سو ڈالر کے بغیر میں تمہیں من مانی نہیں کرنے دوں گی۔'' یہ کہہ کر کیلی پولیس والے کی طرف بڑھنے لگی۔ اس شخص نے حیرت سے کیلی کو دیکھا۔ پھر پولیس والے کو دیکھتے ہی بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس کی آنکھیں خوف ناک لگنے لگیں۔

''دیکھیں...... یہ بدمعاش مجھے پریشان کر رہا ہے'' ۔کیلی نے پولیس والے سے کہا۔

پولیس والا جسیم شخص کی طرف بڑھا۔ کیلی نے موقع غنیمت جانا اور ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔

جسیم آدمی اسٹیشن ویگن میں بیٹھ ہی رہا تھا کہ پولیس والے نے اسے پکارا۔ ''ایک منٹ مسٹر۔ آپ کو پتا نہیں کہ اس ریاست میں طوائف کو ورغلانا جرم ہے۔''

''ایسی تو کوئی بات......''

''اپنے شناختی کاغذات دکھاؤ۔ نام کیا ہے تمہارا؟''

''ہیری فلنٹ''۔ ہیری فلنٹ نے کہا اور بے بسی سے کیلی کی ٹیکسی کو جاتے دیکھتا رہا۔ چھوڑوں گا نہیں حرام زادی کو۔ وہ دل میں کہہ رہا تھا۔

............x............

بہت کم وقت میں کیلی دوسری بار ڈیانا کے اپارٹمنٹ کے سامنے اتری۔ دروازے پر رک کر اس نے اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ دروازہ کھلنے تک اس نے بٹن پر سے انگلی نہیں ہٹائی۔

دروازہ اس بار بھی گرین برگ نے کھولا۔ ''فرمایئے۔ میں آپ کی......؟''

کیلی اسے ایک طرف ہٹا کر نشست گاہ میں موجود ڈیانا کی طرف بڑھی۔ ''کیا بات ہے؟'' ڈیانا نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔ ''تم نے تو کہا تھا کہ تم......؟ پھر کیا ہوا......؟''

''یہ تو تمہیں بتانا ہے کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ انہوں نے پھر مجھے پکڑنے کی کوشش کی۔ یہ تمہارے مافیا والے مجھے قتل کرنے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں؟''

''میں...... میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ ممکن ہے تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر انہوں نے سوچا ہو کہ تم میری دوست ہو۔ اور......''

''لیکن ہم دوست نہیں ہیں مسز اسٹیونز۔ تمہیں مجھ کو اس مشکل سے نکالنا ہے۔''

''کیا بات کر رہی ہو؟'' ''میں کیسے......؟''

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

''جیسے تم نے مجھے پھنسایا ہے'' ویسے ہی نکالو گی بھی۔ تم اپنے اس دوست...... میرا مطلب ہے دشمن الٹیئر ی کو سمجھاؤ کہ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ تم تو مجھے جانتی بھی نہیں ہو۔ میں تمہاری کسی حماقت کی سزا کیوں بھگتوں''۔

''یہ ممکن نہیں۔ میں بھلا کیسے......''

کیلی نے اس کی بات کاٹ دی۔'' یہ تو تمہیں کرنا ہے۔ تم ابھی الٹیئری کو فون کر کے یہ سب اس سے کہو۔ اس کے بغیر میں یہاں سے ٹلنے والی نہیں''۔

''تم جو مطالبہ کر رہی ہو، وہ ناممکن العمل ہے''۔ ڈیانا نے کہا۔'' مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے تم اس معاملے میں ملوث ہو گئیں۔ لیکن......'' وہ کہتے کہتے رکی اور چند لمحے سوچتی رہی۔ پھر وہ ڈیٹیکٹو گرین برگ کی طرف مڑی۔'' تمہارا کیا خیال ہے، اگر میں الٹیئری سے بات کروں تو وہ ہم دونوں کا پیچھا چھوڑ دے گا''۔

''دلچسپ سوال ہے''۔ گرین برگ بولا۔'' اور یہ ممکن بھی ہے۔ کیا آپ اس سے ذاتی طور پر بات کریں گی؟''

''نہیں۔ میں......''

کیلی نے پھر ڈیانا کی بات کاٹ دی۔'' نہیں۔ تمہیں اس سے بات کرنی ہوگی''۔

............x............

انتھونی الٹیئری کا بہت بڑا گھر نیوجرسی میں واقع تھا۔ مکان کے اطراف میں پندرہ ایکڑ پر پھیلی ہوئی جاگیر تھی، جس کے گرد خاردار تاروں کی باڑھ لگی تھی۔ وہاں بے شمار بلند و بالا اور سایہ دار درخت اور کئی تالاب تھے۔ باغیچہ بھی بہت خوب صورت تھا۔

سامنے والے گیٹ کے ساتھ بوتھ تھا، جس میں ایک گارڈ بیٹھا تھا، ڈیانا اور کیلی گرین برگ کے ساتھ کار میں وہاں پہنچیں تو وہ اٹھ کر آیا۔ اس نے گرین برگ کو فوراً ہی پہچان لیا۔'' شام بخیر لیفٹیننٹ''۔ اس نے کہا۔

''کیسے ہو کیسر؟'' گرین برگ نے کہا۔'' ہمیں مسٹر الٹیئری سے ملنا ہے''۔

''وارنٹ ہے تمہارے پاس؟'' گارڈ کیسر نے پوچھا۔

''نہیں بھئی۔ یہ ایک نجی نوعیت کی ملاقات ہے''۔

گارڈ نے دونوں عورتوں کو دیکھا اور پھر بولا۔'' یہیں رکیئے''۔ یہ کہہ کر وہ بوتھ میں چلا گیا۔ چند منٹ بعد وہ باہر نکلا اور اس نے گیٹ کھولتے ہوئے کہا۔'' اندر چلے جایئے''۔

''شکریہ''۔ گرین برگ نے کہا اور کار اندر لے گیا۔

وہ تینوں گاڑی سے اترے تو ایک اور گارڈ ان کی طرف بڑھا۔'' میرے ساتھ آیئے''۔

وہ اس کے ساتھ اندر چلے گئے۔ وہ ایک بے حد آراستہ و پیراستہ، بیش قیمت نوادرات سے سجا ڈرائنگ روم تھا۔ اس سے گزر کر وہ الٹیئری کے بیڈروم میں پہنچے۔ بیڈروم بھی بے حد وسیع و عریض تھا۔

الٹیئری بستر پر لیٹا تھا۔ اس کا چہرہ زرد اور ستا ہوا تھا اور اسے آکسیجن دی جا رہی تھی۔ ڈیانا نے اسے کچھ ہی عرصہ پہلے عدالت میں ٹھیک ٹھاک دیکھا تھا۔ مگر اسے دیکھ کر اندازہ ہوا کہ اس تھوڑے عرصے میں اس کی صحت بہت تیزی سے خراب ہوئی تھی۔ اس کے پاس ایک نرس موجود تھا۔ دوسری طرف ایک پادری کھڑا تھا۔

الٹیئری نے ان تینوں کو دیکھا۔ پھر اس کی نظریں ڈیانا پر جم گئیں۔'' تم یہاں کیوں آئی ہو؟'' اس نے پوچھا۔ اس کا لہجہ کرخت لیکن آواز کمزور تھی۔

''مسٹر الٹیئری، میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے اور مسز ہیرس کو معاف کر دیں''۔ ڈیانا نے کہا۔'' کیا یہ کم ہے کہ آپ نے میرے شوہر کو قتل کرا کے اپنا بدلہ لے لیا۔ اب اپنے آدمیوں سے کہیں کہ ہمارا پیچھا چھوڑ دیں اور......''

الٹیئری نے تیز لہجے میں اس کی بات کاٹ دی'' کہاں کی ہانک رہی ہو۔ میں تو تمہارے شوہر کو جانتا بھی نہیں۔ ہاں...... اس کی لاش سے جو رقعہ برآمد ہوا، میں نے اس کے بارے میں پڑھا ضرور تھا۔ میرا خیال ہے کہ مجرم لوگ فلمیں بہت دیکھنے لگے ہیں۔ اب میں تمہیں ایک بات بتاؤں خاتون۔ وہ رقعہ ہرگز کسی اطالوی کا لکھا ہوا نہیں تھا اور نہ ہی میں تمہارے پیچھے پڑا ہوں۔ تم جیو یا مرو، مجھے تم میں کوئی دلچسپی نہیں۔ بلکہ مجھے کسی سے بھی دل چسپی......'' اس کے چہرے پر اذیت کا تاثر ابھرا، جیسے کسی اندرونی تکلیف نے اسے کچھ کا لگایا ہو۔ اس کی آواز پھنسنے لگی۔'' میں تو اب خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا ہوں''۔

پادری ڈیانا کی طرف متوجہ ہوا۔'' میرا خیال ہے، آپ کو ان کے حق میں دعا کرنی چاہیئے اور بہتر ہوگا کہ اب آپ رخصت ہو جائیں''۔

گرین برگ نے پوچھا۔'' انہیں تکلیف کیا ہے؟''

''کینسر''۔ پادری نے جواب دیا۔

ڈیانا نے غور سے الٹیئری کو دیکھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کی کہی ہوئی ہر بات سچ ہے۔ لیکن اس خیال کے ساتھ ہی وہ دہشت زدہ ہو گئی۔ تو پھر وہ کون ہے جو اسے اور کیلی ہیرس کو قتل کرنے کی کوشش کر رہا ہے!

............x............

واپسی کے دوران گرین برگ بہت فکرمند دکھائی دے رہا تھا۔'' میں بتا دوں کہ الٹیئری سو فیصد سچ بول رہا تھا''۔ اس نے کہا۔

کیلی نے ہچکچاتے ہوئے تائید میں سر ہلایا۔'' میرا بھی یہی خیال ہے۔ وہ مر رہا ہے...... اور مرتا ہوا آدمی جھوٹ نہیں بولتا''۔

''تو پھر ایسا کون ہے جو تم دونوں کو قتل کرنا چاہتا ہے؟'' گرین برگ نے سوال اٹھایا۔

''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور کوئی وجہ بھی نظر نہیں آتی''۔ ڈیانا نے کہا۔

گرین برگ ان دونوں کو ڈیانا کے اپارٹمنٹ واپس لے آیا۔'' اب میں اس پر کام کروں گا''۔

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

گرین برگ کا وہ ہاتھ جس میں اس نے جادوئی چھڑی تھام رکھی تھی، بری طرح کپکپا رہا تھا۔ ''ایک سکہ میرے پاس تھا اور دوسرا اس کے پاس۔ اس طرح میں اسے پیغام بھیج سکتا تھا۔''

گرین برگ کے جانے کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے کو گھورتی رہیں۔ بالآخر ڈیانا نے پوچھا۔ ''چائے پیو گی؟''

''نہیں۔ کافی بناؤ۔'' کیلی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

ڈیانا چڑ گئی۔ لیکن اگلے ہی لمحے اس نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''ٹھیک ہے۔''

ڈیانا کافی بنانے کچن میں چلی گئی۔ کیلی کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ پھر وہ پینٹنگز کے پاس رک گئی۔ ڈیانا کافی لے کر آئی تو وہ وہیں کھڑی تصویریں دیکھ رہی تھی۔ ''یہ تم نے بنائی ہیں؟'' اس نے ڈیانا کے دستخط دیکھ کر اس سے پوچھا۔

ڈیانا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''خوب صورت ہیں۔'' کیلی نے حقارت سے کہا۔

ڈیانا کے ہونٹ بھنچ گئے۔ ''اوہ...... تم آرٹ کے بارے میں بھی کچھ جانتی ہو؟'' اس کے انداز میں چیلنج تھا۔

''کچھ زیادہ نہیں مسز اسٹیونز۔''

''تو اس میں زیادہ دلچسپی بھی مت لیا کرو۔'' ڈیانا نے خشک لہجے میں کہا۔ ''لو...... کافی پیو۔''

کچھ دیر بعد وہ ایک دوسرے کے روبرو خاموش بیٹھی تھیں اور کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ پھر اس خاموشی کو ڈیانا نے ہی توڑا۔ ''کوئی ایسی وجہ تمہاری سمجھ میں آتی ہے، جس کے تحت کوئی ہم دونوں کو قتل کرنا چاہے؟''

کیلی نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا۔ ''نہیں اور ہم دونوں کے درمیان اس کے سوا کوئی قدر مشترک نہیں کہ ہمارے شوہر کے آئی جی کے لئے کام کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ وہ دونوں کسی خفیہ پروجیکٹ پر کام کر رہے ہوں اور جس نے بھی انہیں قتل کیا ہے، وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ انہوں نے اس کے بارے میں ہمیں بھی بتایا تھا۔''

ڈیانا کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ ''ہاں۔ یہ بات دل کو لگتی ہے۔''

اب وہ دونوں متوحش نظر آ رہی تھیں۔

............x............

اپنے آفس میں بیٹھا ٹینر ان دونوں کو دیکھ اور سن رہا تھا۔ دیوار پر نصب ٹی وی اسکرین پر وہ دونوں نظر آ رہی تھیں۔ ٹینر کا چیف سیکورٹی گارڈ اس کے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

ڈیانا اسٹیونز کے اپارٹمنٹ میں انہوں نے جدید ترین ٹیکنالوجی آزمائی تھی۔ اس کے نتیجے میں وہ وہاں کی سرگوشی بھی صاف سن سکتے تھے۔

ٹینر آگے کی طرف جھکا۔ کمرے میں ڈیانا کہہ رہی تھی۔ ''ہمیں معلوم کرنا ہوگا کہ ہمارے شوہر کس پروجیکٹ پر کام کر رہے تھے۔''

''ٹھیک کہتی ہو۔ لیکن اس کے لئے ہمیں مدد کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں کیا کریں۔''

''ہم ٹینر کنگسلے کو فون کریں گے۔ وہی ایسا شخص ہے جو اس معاملے میں ہماری مدد کر سکتا ہے۔''

''بس تو ٹھیک ہے......''

............x............

''تم رات یہاں گزار سکتی ہو۔ محفوظ بھی رہو گی۔'' ڈیانا نے کہا۔ ''باہر پولیس کی گاڑی موجود ہے۔'' وہ کھڑکی کے پاس گئی اور اس نے پردہ سرکا کر نیچے جھانکا۔ وہاں پولیس کی کوئی گاڑی موجود نہیں تھی۔ اس کے جسم میں خوف کی سرد لہر دوڑ گئی۔ ''یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ پولیس کی گاڑی موجود نہیں۔ میں ابھی فون کرتی ہوں۔''

ڈیانا نے اپنے ہینڈ بیگ سے گرین برگ کا کارڈ نکالا اور نمبر ملایا۔ ''پلیز...... ڈیٹیکٹیو گرین برگ سے بات کرائیں...... جی...... کیا آپ کو یقین ہے؟ خیر تو پھر سراغ رساں رابرٹ سے بات کرا دیجئے۔ جی...... اچھا خیر...... شکریہ۔''

''کیا ہوا؟'' کیلی نے اس سے پوچھا۔

''ارل گرین برگ اور رابرٹ کا تبادلہ کسی اور تھانے میں کر دیا گیا ہے۔''

''عجیب اتفاق ہے۔'' کیلی اور پریشان ہو گئی۔

''ایک اور بات یاد آئی ہے مجھے۔'' ڈیانا نے کہا۔

''کیا؟''

''گرین برگ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ آخری دنوں میں رچرڈ نے مجھے کوئی غیر معمولی بات تو نہیں بتائی تھی۔ میں اسے بتانا بھول گئی۔ رچرڈ نے کہا تھا کہ وہ واشنگٹن جا کر کسی سے ملے گا۔ عام طور پر وہ مجھے ساتھ لے کر جاتا تھا۔ لیکن اس موقعے پر وہ مصر تھا کہ تنہا ہی جائے گا۔''

کیلی چہرے پر حیرت کا تاثر لئے اسے دیکھ رہی تھی۔ ''عجیب بات ہے۔ مارک بھی واشنگٹن جانے کا کہہ رہا تھا اور بھی اکیلے جانا چاہتا تھا۔''

''ہمیں اس کی وجہ معلوم کرنی ہوگی۔'' ڈیانا نے کہا۔

کیلی بھی کھڑکی کی طرف بڑھ آئی۔ اس نے باہر جھانک کر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کار تو اب بھی نہیں آئی۔ سنو مسز اسٹیونز، ہمیں یہاں سے نکل لینا چاہئے۔''

''ٹھیک ہے۔ چائنا ٹاؤن میں ایک ہوٹل ہے...... مندرین۔ کوئی نہیں سوچے گا کہ ہم وہاں ہوں گی۔ وہاں سے ہم مسٹر کنگسلے کو فون کریں گے۔''

............x............

ٹینر کنگسلے نے سر گھما کر اپنے چیف سیکورٹی آفیسر ہیری فلنٹ کو دیکھا جو اپنے اوپری ہونٹ پر گھاؤ کی وجہ سے ہر وقت مسکراتا نظر آتا تھا۔ ''ان دونوں کو ختم کر دو۔'' ٹینر نے اس سے کہا۔

(جاری ہے)

علیم الحق حقی

ایئر ہوسٹس نے جھک کر ہاروے ڈین سے کہا۔ ''اب آپ اپنی سیٹ بیلٹ کھول سکتے ہیں۔''

ہاروے نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور مسکرایا۔ اس نے سیٹ بیلٹ کھولی اور سیٹ سے ٹیک لگالی۔ ''مجھے ایک جام مارٹینی کا مل سکتا ہے؟''

''کیوں نہیں۔''

ہاروے نے ڈیمین تھورن کو دیکھا جو ایک ناول میں کھویا ہوا تھا۔ ہاروے نے ہاتھ بڑھا کر اپنے بریف کیس کو چھوا اور اطمینان کی سانس لی۔ عام حالات میں وہ کبھی بے یقینی اور عدم تحفظ کا شکار نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ وہ تو پلٹ کر دیکھتا تو اسے خوشی ہوتی کہ وہ زندگی میں کہاں سے چلا اور کہاں تک پہنچ گیا ہے۔ اس وقت بھی وہ خوش تھا۔ وہ ڈیمین کے ساتھ ایک پاورفل جیٹ طیارے میں بیٹھا لندن جارہا تھا۔ ایک طرف وہ طیارہ اتنا طاقتور تھا کہ انہیں بحر اوقیانوس پار کرا سکتا تھا دوسری طرف اس کی سہولیات کا یہ عالم تھا کہ لگتا تھا، وہ کسی فائیو اسٹار ہوٹل کے سوئٹ میں موجود ہیں۔

ایئر ہوسٹس اس کے لئے جام لے آئی۔ اس نے جام سے ایک چسکی لی۔ اس کا دل خوش ہوگیا۔ مشروب اس کی پسند کے عین مطابق تھا۔

ہاروے ڈین اپنی خوش قسمتی پر نازاں تھا اور وہ خود سے بے خبر رہنے والا آدمی بھی نہیں تھا۔ اسے اپنی طاقت اور اپنی کمزوریوں کا پوری طرح ادراک تھا۔ یہ ادراک اپنی جگہ خود اس کی بہت بڑی طاقت تھا۔ اس کی ایک بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ لوگوں کو سمجھ نہیں پاتا تھا۔ انسانی فطرت کے بارے میں اس کی آگہی تو انا نہیں تھی۔ وہ لوگوں کے محرکات ٹھیک سے سمجھ نہیں پاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بیشتر موقعوں پر لوگوں کے ردعمل اس کے لئے خلاف توقع اور حیران کن ہوتے تھے۔ لیکن اعداد و شمار کے معاملے میں اس کی استعداد غیر معمولی تھی۔ کاروباری دنیا میں وہ ایک بیش قیمت اثاثہ تھا۔ کاروبار کے معاملے میں وہ بہت دور تک دیکھ لیتا تھا اور اس میں پیش بینی کی صلاحیت تھی۔ اس کی کاروباری فہم بھی غیر معمولی تھی۔ پریشانیوں اور رکاوٹوں کو وہ پیش آنے سے پہلے ہی بھانپ لیتا تھا۔

اپنی ان خصوصیات ہی کے زور پر ہاورڈ بزنس اسکول میں وہ ہونہار ترین طالب علم تھا اور تعلیم مکمل ہوتے ہی وہ دنیا کی سب سے بڑی کاروباری سلطنت کے بورڈ روم تک پہنچ گیا تھا۔

اسے اب بھی پال بوہر سے اپنی پہلی ملاقات جزئیات سمیت یاد تھی۔ لنچ کی وہ دعوت اس نے بڑے باوقار انداز میں قبول کی تھی۔ لیکن درحقیقت وہ اس بارے میں بے حد متجسس ہورہا تھا۔

پال بوہر نے بھی گھما پھرا کر بات کرنے کی زحمت نہیں کی۔ اس نے اسے بتایا کہ تھورن انڈسٹریز کے ایگزیکٹوز بہت عرصے سے اس پر نظر رکھے ہوئے ہیں اور ہاروڈ میں اس کی کارکردگی سے بے حد متاثر ہیں۔ پھر جب بوہر نے اس کی فائل دیکھی تو وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ کارپوریشن کے صدر کی حیثیت سے اسے ذاتی طور پر تھورن کارپوریشن جوائن کرنے کی پیشکش کرنا اس کی ذمے داری تھی۔

ڈین کیلئے وہ بہت بڑی پیش کش تھی۔ کھانا ختم ہونے سے پہلے ہی اس نے اسے قبول کرلیا۔ بوہر سے تو وہ ابتدا ہی سے مسحور ہوگیا تھا۔ وہ بے حد بے رحم اور سفاک کاروباری ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اب سے بارہ سال پہلے پال بوہر ہی نے تھورن انڈسٹریز کو غذائی اجناس کی طرف کاروباری رخ کرنے پر قائل کیا تھا اور اسی کی وجہ سے آج تھوران انڈسٹریز دنیا کی سب سے بڑی کاروباری مملکت بن گئی تھی۔ بوہر ہی نے اندازہ لگایا تھا کہ سب سے زیادہ منافع فوڈ کے میدان میں ہی ہوگا۔

اس دعوت میں برانڈی کے دوسرے جام تک پہنچتے پہنچتے ڈین میں اتنی خود اعتمادی آچکی تھی کہ اس نے پال بوہر سے وہ بات بھی پوچھ لی، جو پوچھنے کی اسے ہمت نہیں ہورہی تھی۔ ''کیا یہ سچ ہے کہ وہ تاریخی جملہ آپ نے ہی ادا کیا تھا، جو آج کاروباری تاریخ کا حصہ بن چکا ہے؟''

''کون سا جملہ؟'' پال بوہر نے بھویں اچکا کر اسے دیکھا۔

''اب ہمارے منفعت بخش مستقبل کی ضمانت صرف اور صرف قحط میں ہے۔۔۔۔۔۔ قحط اور خشک سالی؟'' ڈین نے دہرایا۔

''ہاں۔۔۔۔۔۔ کچھ ایسی ہی بات تھی۔'' پال بوہر نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

اس دعوت کے ایک ماہ بعد ہاروے ڈین نے تھورن کارپوریشن جوائن کرلی۔ دو ہفتے ہوتے ہوتے پال بوہر نے اس کی زندگی تبدیل کرنے کا عمل شروع کردیا۔ اس کا آغاز بوہر کی مضافاتی اقامت گاہ میں دی گئی ویک اینڈ پارٹی سے ہوا۔ ڈین کی بیوی باربرا اس عرصے میں ہیمپٹنز میں چھٹیاں گزار رہی تھی۔ بوہر نے اس پارٹی میں اسے آنشہ سے ملوایا۔ آنشہ کا تعلق وینزویلا سے تھا۔ وہ اتنی آزاد خیال اور بے باک تھی کہ ڈین مرد ہو کر بھی اس بے باکی کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ ایک تو وہ بہت اچھا طالب علم رہا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے تعلیم کے سوا کبھی کسی چیز میں دلچسپی نہیں لی تھی۔

چناں چہ ہاروے ڈین ابتدا میں تو بوکھلا گیا۔ لیکن تعلیم کے علاوہ تمام معاملات میں کورا ہونے کی وجہ سے وہ آنشہ کے لئے تر نوالہ ثابت ہوا۔ آنشہ نے اسے ان جہانوں کی سیر کرائی، جن کی موجودگی تک سے اسے علم نہیں تھا۔

آنشہ ایک طرف تو اسے منشیات سے متعارف کرارہی تھی اور دوسری طرف اس کے جسم پر کیمیکلز آزما کر اس کی خواہشات کو بھی مہمیز کر رہی تھی۔ پھر اسی دوران اس نے ہاروے ڈین پر بائبل بھی تھوپ دی۔ ہاروے مذہب سے بہت دور تھا۔ لیکن آنشہ نے اس پر بائبل کے صفحات میں چھپے اسرار عیاں کرنے شروع کردیئے۔ ڈین لذتوں کے کسی اور ہی جہان میں پہنچ گیا۔ باتیں اس کی سمجھ میں آنے لگیں۔

پھر سب سے بڑا راز افشا کرنے کا وقت آگیا۔ آنشہ نے اپنا کام اتنی خوش اسلوبی سے کیا تھا کہ جب اس نے ڈین کو ڈیمین تھورن کے بارے میں بتایا کہ درحقیقت وہ کون ہے تو وہ خوشی سے ناچنے لگا۔

اس دن ہاروے ڈین نے عہد کرلیا کہ وہ ہر حال میں ڈیمین تھورن کی پیروی اور اس کے حکم کی تعمیل کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے لئے ہنسی خوشی جان بھی دیدے گا۔ اس بات پر اسے خود بھی حیرت ہوئی کہ اس نے اپنی بیوی باربرا کو اس بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا۔ ورنہ وہ باربرا سے کچھ بھی نہیں چھپاتا تھا۔

(جاری ہے)

وہ چونکا اور اس نے خالی جام ایک طرف رکھ دیا۔ پرواز بے حد ہموار تھی۔

اس نے اپنے بریف کیس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور مطلوبہ کاغذات نکالے۔ بریف کیس اس نے ایک طرف رکھ دیا۔ ''سوویت یونین نے مصر کو سویا بین پچاس ڈالر فی ٹن کے نرخ سے قرض کی بنیاد پر فروخت کرنے کی پیش کش کی ہے۔ قرض کی رقم پر ساڑھے سات فی صد سالانہ سود بھی ہوگا۔'' اس نے کہا۔ ''یہ ہمارے دیئے ہوئے نرخ سے آٹھ ڈالر فی ٹن کم ہے۔ دوسری طرف مصر کو کینیڈا نے 95 ڈالر فی ٹن کے نرخ سے مکئی کی پیش کش کی ہے۔ شرح سود 8.2 فی صد سالانہ ہوگی۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ وہ اس پر عمل نہیں کر سکتے۔''

''ہمارے پاس سویا بین کا ذخیرہ کتنا ہے؟'' ڈیمین نے کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

''پوری دنیا میں 850 ملین ٹن۔''

''ٹھیک ہے۔ تم انہیں 30 ڈالر فی ٹن کے نرخ سے سویا بین دے دو۔''

''نقد؟''

''ارے نہیں بھئی، نقد وہ کہاں لیں گے۔''

''تو قرض کی واپسی......''

''5 فیصد سالانہ شرح پر دس سال کیلئے۔'' ڈیمین نے کہا۔ ''اس کے نتیجے میں مصر کی حکومت دس سال تک ہماری مٹھی میں رہے گی۔''

ہاروے ڈین نے اپنے پیڈ پر اسے نوٹ کر لیا۔

ڈیمین کہے جا رہا تھا۔ ''صدر صاحب این ایل الف رپورٹ کیلئے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن میں انہیں اس وقت تک وہ رپورٹ نہیں دینا چاہتا، جب تک اس کی افادیت ختم نہیں ہو جاتی۔ یہ بتاؤ، اس بند کے ٹوٹنے کا الزام اسرائیل پر لگانے میں ہمیں کتنا وقت لگے گا؟''

''ہمارا ایک چیلا شروڈر تل ابیب میں موجود ہے۔'' ہاروے ڈین نے کہا۔ ''وہ اسرائیلی وزارت دفاع میں انڈر سیکریٹری کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ بوہر نے رات اس سے بات کی تھی۔ شروڈر کا کہنا ہے کہ وہ جعلی دستاویزات تیار کرا رہا ہے۔''

''تفتیش پر کوئی ہماری طرف انگلی تو نہیں اٹھا سکے گا؟''

''بوہر اس طرف سے مطمئن ہے۔'' ڈین نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ وقت کتنا لگے گا؟''

''زیادہ سے زیادہ دو تین ہفتے۔''

''بہت خوب۔''

''ایک بات پوچھوں؟''

ڈیمین نے چونک کر اسے دیکھا۔ مگر فوراً ہی اثبات میں سر ہلا دیا۔

''یہودی تو ہمارے حلیف ہیں۔''

''حلیف نہیں، آلہ کار کہو۔ اور حکومتوں میں اہم عہدوں پر فائز ذمے دار لوگ کبھی کبھی دماغ سے سوچنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے میں وہ ہمارے حلقہ اثر سے باہر نکلنے لگتے ہیں۔ تب ہمیں سازشیں کرنی پڑتی ہیں، انہیں پھنسانا پڑتا ہے۔ کسی کو حلیف بنائے رکھنے کیلئے بھی تو بہت کچھ کرنا ہے۔''

ڈین نے اثبات میں سر ہلایا اور ڈیمین دوبارہ کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا۔

چند منٹ بعد ڈیمین نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''باربرا کا کیا حال ہے؟''

ویک اینڈ تک وہ لندن پہنچ جائے گی۔'' ڈین نے جواب دیا۔ ''پانچ دن کا سمندری سفر ہے۔ میں نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ ہمارے ساتھ چلے لیکن وہ فلائٹ کے دوران بچے کو جنم دینے کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی۔''

ڈیمین نے دانت نکال دیئے۔ ''حالانکہ پیدا ہونے کیلئے ہوائی جہاز سے بہتر جگہ ہو ہی نہیں سکتی۔''

ڈین مسکرایا۔ پھر اس نے ایک مالیاتی رپورٹ اٹھائی اور اس کا جائزہ لینے لگا۔ باقی پرواز کے دوران ان کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ دونوں اپنے اپنے انداز میں ریلیکس کر رہے تھے۔

..................xxx..................

جب وقت تھورن انڈسٹریز کا جیٹ ہیتھرو ایئرپورٹ پر اترنے کیلئے چکر لگا رہا تھا، عین اس وقت فادر ڈی کارلو اپنے راہبوں کو اپنے گرد جمع کئے ہوئے تھا۔

خانقاہ کے نیچے زمین دوز کوٹھری میں وہ ایک ایک کر کے داخل ہوئے۔ ان کے سر جھکے ہوئے تھے۔ بازو ان کے سینوں پر بندھے تھے۔ آخری راہب کے اندر آنے کے بعد فادر ڈی کارلو نے اپنا ہاتھ بلند کیا۔

(جاری ہے)

راہب نیم دائرے کی شکل اختیار کرتے ہوئے کمر کے بل جھک گئے۔

فادر ڈی کارلو نے صلیب کے نیچے رکھی ہوئی بائبل اٹھائی، اس میں پیش گوئیوں کی کتاب کھولی اور پڑھنا شروع کیا۔''......اور پھر آسمان پر ایک عجیب معجزہ رونما ہوا۔ایک عورت سورج جس کا لباس تھا اور چاند جس کے قدموں کے نیچے تھا اور جس کے سر پر بارہ ستاروں کا تاج تھا۔

''اور اس عورت کی کوکھ میں بچہ تھا اور وہ دردزہ کے کرب سے نڈھال رو رہی تھی۔

''پھر آسمان میں ایک اور معجزہ دیکھنے میں آیا۔وہ ایک بہت بڑا سرخ ڈریگون تھا، جس کے سات سر اور دس سینگ تھے اور اس کے سات سروں پر سات تاج بھی تھے۔

اور اس کی دم آسمان کے ایک تہائی ستاروں کو اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔

''ڈریگون عورت کے سامنے تن کر کھڑا ہو گا جو بچہ جننے ہی والی تھی۔تاکہ جیسے ہی بچہ پیدا ہو، ڈریگون اسے نگل سکے۔

''اور عورت نے ایک لڑکے کو جنم دیا، جسے روئے زمین پر موجود تمام قوموں پر حکمرانی کرنی تھی۔

''عورت جنگل کی طرف بھاگی، جہاں خدا نے ایک مقام تیار کر رکھا تھا......

فادر نے سر جھکالیا اور جیسے خاموشی سے دعا کرنے لگا۔پھر وہ تبرکات کے صندوق کی طرف مڑا۔اس دوران راہب مناجات پڑھنے لگے تھے۔فادر نے صندوق کھول کر چمڑے کی وہ تھیلی نکالی، اس میں سے خنجر نکالے اور انہیں ترتیب کے ساتھ صلیب کے نیچے رکھنے لگا۔خنجروں کے چمکدار پھلوں کا رخ باہر کی طرف تھا۔

مناجات ختم ہوئی تو فادر قربان گاہ پر جھک گیا۔کوٹھری میں خاموشی چھا گئی تھی۔

''اے سب سے بڑھ کر بچانے والے، تیرے خادم فادر اسپلیٹو نے ہمیں زمین پر اینٹی کرائسٹ کے وجود کی شناخت کرائی۔'' فادر ڈی کارلو نے سرگوشی میں کہا۔''تو ہماری رہنمائی کر اور ہمیں طاقت عطا فرما کہ ہم دنیا کو ڈیمین تھورن کے وجود سے پاک کر دیں اور یوں کرائسٹ کی دوبارہ آمد کی راہ ہموار ہو۔''

فادر نے دونوں ہاتھ خنجروں پر پھیلا دیئے۔

''اے برکتیں نازل کرنے والے، یہ مگیدو کے سات مقدس خنجر ہیں جو آپ کی عطا ہیں۔ان کا مقصد تاریکی کے شہزادے کو ختم کرنا ہے، جو روشنی کے شہزادے کو ختم کرنا چاہتا ہے......''

تمام راہبوں نے سرگوشی میں آمین کہا۔

فادر ڈی کارلو اٹھ کھڑا ہوا اور ان کی طرف مڑا۔''اب تم میں سے ہر ایک باری باری آگے آئے اور خود کو خدا کی بارگاہ میں پیش کرے۔

''برادر مارٹن۔''

ایک پستہ قامت آدمی آگے بڑھا۔اس کا سر گنجا تھا اور چہرے چمکدار، وہ آگے بڑھا اور اس نے ایک خنجر اٹھالیا۔خنجر کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے وہ پیچھے ہٹا۔

''برادر پاڈلو۔'' فادر نے پکارا۔

سیاہ فام راہب آگے بڑھا۔

''برادر سائمن۔''

وہ سب سے کم عمر اور خوبرو راہب تھا۔

''برادر انٹونیو۔''

وہ بہت طاقتور راہب تھا۔اس کی سیاہ داڑھی بھی گھنی تھی اور بال بھی۔

اس کی عمر چالیس سے کچھ کم ہو گی۔چہرے سے وہ بہت مہربان لگتا تھا۔

''برادر بینیڈ۔''

وہ سانولی رنگت کا جوان آدمی تھا۔چہرے پر اذیت کا ایسا تاثر تھا، جیسے ساری دنیا کا بوجھ اس کے کندھوں پر ہو۔

صلیب کے نیچے اب صرف ایک خنجر باقی رہ گیا۔فادر ڈی کارلو نے اسے اٹھالیا اور پلٹ کر دوسرے راہبوں کا سامنا کیا۔''یہاں سے رخصت ہونے سے پہلے ہم میں سے ہر ایک کو خدا سے اپنی روح کی گہرائی سے دعا کرنی چاہئے......خاموشی کے ساتھ۔''

ذرا دیر بعد وہ سب کوٹھری سے نکل آئے۔ہال وے سے گزر کر وہ راہ داری میں آئے اور اپنی اپنی کوٹھری میں داخل ہوئے۔وہ چھوٹے چھوٹے کمرے تھے، جن میں ایک بیڈ، ایک ٹیبل اور ایک جگ کے سوا کچھ نہیں تھا۔اپنی اپنی کوٹھریوں میں ہر راہب کے بیڈ کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کر کے دعا کرنے لگا۔ہر ہاتھ میں ایک خنجر تھا۔

نیچے زمین دوز کوٹھری میں فادر ڈی کارلو سب کیلئے دعا کر رہا تھا۔''اے خدا، ہم اس راہ میں سر سے کفن باندھ کر نکلے ہیں۔ہمارے گناہ معاف کر کے ہمارے وجود پاک کر دے۔ہماری رہنمائی فرما۔ہمیں حوصلہ اور طاقت عطا کر۔ہمیں شیطان اور اس کے بیٹے اینٹی کرائسٹ سے جنگ کے قابل بنا دے۔

''اور ہم جو اپنے آقا کی دوبارہ آمد کا صدیوں سے رو رو کر دعائیں کر رہے ہیں، تو اب آقا کی آمد کے وقت کا تعین ہو گیا ہے۔تو اس وقت سے پہلے اینٹی کرائسٹ کو تباہ ہو جانا چاہئے۔یعنی ہمارے پاس بہت کم مہلت ہے۔ہمیں اس قلیل وقت میں اپنا کام مکمل کرنا نصیب فرمائیے۔''

اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔لیکن اوپر اسے کچھ نظر نہیں آیا۔لیکن پھر اسے جیسے مستقبل کا ایک منظر نظر آیا۔وہ اس منظر کو یادداشت میں محفوظ کرتے ہوئے باہر نکل آیا۔

راہ داری میں تمام راہب کھڑے تھے۔

''میرے بھائیو۔'' فادر نے انہیں مخاطب کیا۔''یاد رکھو۔یہ سات خنجر اور ہم سات انسان ہی ہیں جو اس وقت شیطان کے بیٹے اور خدا کے بیٹے کے درمیان کھڑے ہیں اور ہمیں ہر قیمت پر شیطان کے بیٹے کو مٹا ڈالنا ہے۔''

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

فادر ڈی کارلو کو اس وقت رابرٹ تھورن کا خیال آیا، جس کے بیٹے کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا گیا تھا۔ تاکہ اینٹی کرائسٹ کے لئے جگہ بنائی جا سکے۔ رابرٹ تھورن کے بچے کا سر بھاری پتھر سے کچل دیا گیا تھا اور مادہ گیدڑ سے پیدا ہونے والی شیطان کی اولاد کو اس کی جگہ دے دی گئی تھی۔ اس بات کا اعتراف اس کے سامنے فادر اسپلیٹو نے کیا تھا جو شیطان کے بیٹے کی پیدائش کے انتظامات میں شامل رہا تھا۔

فادر نے رابرٹ تھورن کیلئے دعا کی، جس نے اینٹی کرائسٹ کی پرورش کی تھی اور جس کا صلہ اسے یہ ملا تھا کہ اینٹی کرائسٹ نے اس کی بیوی کو قتل کر دیا تھا۔ کیونکہ وہ رابرٹ تھورن کے دوسرے بچے کو جنم دینے والی تھی...... وہ بچہ جو اینٹی کرائسٹ کا حصے دار اور اس کی راہ کی رکاوٹ بن سکتا تھا۔ پھر رابرٹ تھورن کو یہ سب کچھ معلوم ہو گیا تو اس نے انہی مقدس خنجروں کی مدد سے اینٹی کرائسٹ کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس سے پہلے ہی ایک پولیس مین کی گولیوں نے اسے چھید ڈالا۔

پھر رابرٹ تھورن کا بھائی تھا...... رچرڈ تھورن، جس نے بے خبری میں اینٹی کرائسٹ کو بے حد محبت کے ساتھ پالا پوسا اور جوان کیا۔ پھر وہ اپنی بیوی کے ساتھ صفحۂ ہستی سے یکسر مٹا دیا گیا۔

ان کے علاوہ بھی اور لوگ تھے، جو موت سے ہم آغوش ہوئے۔ ان میں بے خبر اور معصوم بھی تھے اور وہ بھی تھے جو سوچ سمجھ کر اینٹی کرائسٹ کو ختم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر ناکام رہے۔

لیکن اب ناکامی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اب دنیا کی قسمت کا انحصار ان پر تھا...... ایک پادری اور چھ راہب...... امن کے پیغام بر، محبت کرنے والی سات مہربان روحیں جنہیں صرف نرمی، مہربانی، درگزر اور انسانیت سکھائی گئی تھی۔ مگر اب انہیں تشدد ہونا تھا۔ اپنی فطرت کے برعکس انہیں زخموں پر مرہم رکھنے کے بجائے خون بہانا تھا، زندگی بچانے کے بجائے قتل کرنا تھا اور وہ ان کے لئے آسان نہیں تھا۔

میلان میں اپنے عرصۂ جوانی میں ڈی کارلو خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ ایک دن اس پر یہ ذمے داری بھی ڈالی جائے گی۔ وہ تو خدا کا خدمت گار تھا۔ اس کے بندوں کو نرمی اور محبت سے راستہ دکھانے والا تھا۔ وہ تو انسانوں کی فلاح کیلئے اور زمین پر خدا کی حکمرانی کے لئے کام کرنے والا تھا اور اس کیلئے وہ پوری دنیا میں پھرا تھا۔ اس نے فضائی سفر بھی کئے تھے۔ ملک ملک سیمینار منعقد کئے تھے۔ اس لئے وہ انسانوں کا ہر روپ دیکھ چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دنیا کیسی ہے۔ وہ تصور کر سکتا تھا۔ لیکن یہ معصوم راہب...... یہ تو کچھ بھی نہیں جانتے...... اچھائی کے سوا۔

ان کے بارے میں سوچتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے......!

............☆............

ہیری فلنٹ ان عورتوں کا معاملہ خوش اسلوبی سے نمٹا دے گا۔ ٹیمز نے بے حد طمانیت سے سوچا۔ فلنٹ نے کبھی اسے مایوس نہیں کیا تھا۔ فلنٹ عجیب انداز میں اس کی زندگی میں آیا تھا۔ برسوں پہلے اس کے دردمند اور انسان دوست بھائی اینڈریو نے رہا ہونے والے قیدیوں کے لئے ایک گھر بنایا تھا تاکہ وہ دوبارہ شہری زندگی سے مطابقت پیدا کر سکیں۔ اس کے علاوہ وہ ان کے لئے روزگار بھی تلاش کرتا تھا۔

ٹیمز کے پاس ان لوگوں کے لئے کچھ اور ہی سفر بہ تھا۔ وہ ''سابق مجرم'' کی اصطلاح پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ جن مجرموں کو اپنی سزا مکمل کرنے کے بعد رہائی ملتی، وہ ان کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کرتا۔ اگر ان کی اہلیت اس کی ضرورت کے مطابق ہوتی تو وہ انہیں اپنے ذاتی کاموں کے لئے استعمال کرتا، جنہیں وہ نازک کام کہا کرتا تھا۔

اس نے ونس کاربالو نامی ایک سابق مجرم کو آئی جی میں کام کرنے کے لئے منتخب کیا۔ کاربالو بے حد جسیم آدمی تھا، جس کے چہرے پر جھنکاڑ جیسی داڑھی تھی۔ اس کا جیل کا ریکارڈ بے حد طویل تھا۔ اس پر قتل کا مقدمہ بھی چلا تھا اور اس کے خلاف کیس بہت مضبوط تھا۔ لیکن جیوری کے ایک رکن کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے فیصلہ منقسم ہو گیا۔ چند ہی لوگ جانتے تھے کہ جیوری کے اس رکن کی بیٹی غائب ہو گئی ہے اور گھر سے ایک رقعہ ملا ہے۔ رقعے میں لکھا تھا......

اگر تم خاموش رہو گے تو تمہاری بیٹی کی قسمت کا فیصلہ جیوری کے فیصلے کے عین مطابق ہو گا۔

اب یہ سمجھ لو کہ قتل کا مقدمہ تمہاری بیٹی پر چل رہا ہے۔

کاربالو اس طرح کا آدمی تھا، جس کی ٹیمز کو ضرورت تھی۔

ٹیمز نے ایک اور سابق مجرم ہیری فلنٹ کے بارے میں بھی معلومات کرائیں۔ تفصیلی معلومات کی روشنی میں اس نے بلا جھجک فیصلہ کیا کہ فلنٹ بھی اس کے مطلب کا آدمی ہے۔

ہیری فلنٹ ڈیٹرائٹ کے ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ ایک ناکام سیلز مین تھا جو دن بھر گھر میں پڑا اپنی قسمت اور زمانے کو کوستا رہتا تھا وہ ایذا پسند بھی تھا۔ ذرا سا موقع ملنے پر بیٹے کی زبردست ٹھکائی لگانا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ مارنے کے لئے وہ رولر یا بیلٹ استعمال کرتا یا پھر کوئی بھی چیز جو اس کے ہاتھ لگ جاتی۔ بیٹے کی مرمت کر کے ہی کچھ اس کی ناکامیوں کا ازالہ ہوتا تھا۔

ہیری فلنٹ کی ماں ایک باربر شاپ میں خدمت گار تھی۔ باپ کے برعکس وہ بے حد نرم خو، مہربان اور محبت کرنے والی تھی۔ ان دو متضاد اور متصادم رویوں کے درمیان ہیری کی شخصیت پروان چڑھ رہی تھی۔

ماں کی محبت کی بھی ایک وجہ تھی۔ دوران حمل ڈاکٹر نے اسے بتا دیا تھا کہ اس بڑھاپے میں یہ حمل ایک معجزہ ہے اور اس کے بعد وہ کبھی ماں نہیں بن سکے گی۔ پھر جب ہیری پیدا ہوا تو ماں کی محبت اس کیلئے دھوپ میں چھاؤں اور گرمی میں ٹھنڈی ہوا کی طرح تھی۔

(جاری ہے)

ماں اسے دیوانہ وار چومتی اور لپٹاتی۔ لیکن پھر یہ ہوا کہ ماں چومتی تو ہیری کو تھتڑ جانے کا احساس ہوتا...... جیسے ماں اسے گندا کر رہی ہے۔ وہ بڑا ہوا تو اسے چھوئے جانے سے نفرت ہو چکی تھی۔

ہیری فلٹ چودہ سال کا تھا تو اس نے بیس منٹ میں ایک چوہے کو گھیر لیا اور اسے پیروں سے کچل کر رکھ دیا۔ چوہے کو آہستہ آہستہ اور اذیت کے ساتھ مرتے دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ اس میں جان لینے کی بے پناہ طاقت ہے۔ اسے احساس ہوا کہ جیسے وہ خدا ہے۔ اسے اپنی عظمت کا ادراک ہوا اور وہ خود ہی اس کا قائل ہو گیا۔

لیکن اب اس احساس کو تازہ کرنا اس کی ضرورت بن گیا۔ اس کے لئے وہ چھوٹے چھوٹے جانوروں کو ختم کرنے لگا۔ پاس پڑوس کے آوارہ اور پالتو جانور یکساں طور پر اس کی وحشت کا شکار ہونے لگے۔ ہیری فلٹ کے اپنے تئیں نہ وہ کوئی ذاتی عناد کا نتیجہ تھا اور نہ ہی شیطنت کا اظہار۔ وہ تو بس خدا کی دی ہوئی ایک صلاحیت تھی اور اسے اس سے استفادہ کرنا تھا۔

اس کے برہم پڑوسیوں نے جن کے پالتو جانوروں کو اذیتیں دے دے کر ہلاک کیا جا رہا تھا، پولیس میں رپورٹ درج کرائی۔ چناں چہ مجرم کو پکڑنے کے لئے جال تیار کیا گیا۔ پولیس نے چارے کے طور پر ایک اسکاٹش ٹیریئر کو ایک مکان کے لان میں باندھ دیا۔ پھر وہ اس کی نگرانی کرنے لگے۔ ایک رات انہوں نے ہیری فلٹ کو کتے کی طرف بڑھتے دیکھا۔

ہیری نے کتے کے جبڑے کھول کر جائزہ لیا۔ پھر وہ ایک پٹاخہ اس کے جبڑے میں ڈال ہی رہا تھا کہ پولیس نے اسے دھر لیا۔ اس کی تلاشی لی گئی تو اس کی جیب سے ایک خون آلود نکیلا پتھر اور ایک پانچ انچ کے پھل والا چاقو نکلا۔

ہیری کو ایک سال کے لئے اصلاح گھر بھیج دیا گیا!

اصلاح گھر میں پہلے ہی ہفتے اس نے ایک اور لڑکے پر حملہ کر دیا۔ لڑکا شدید زخمی ہوا۔ ہیری فلٹ کو ایک ماہرِ نفسیات کو دکھایا گیا، جس نے اسے نفسیاتی مریض قرار دے دیا۔ "یہ لڑکا خطرناک ہے۔" اس نے کہا۔ "اسے دوسرے لڑکوں سے دور رکھو۔"

اصلاح گھر سے عبوری رہائی ملی تو ہیری پندرہ سال کا ہو چکا تھا۔ وہ اسکول گیا۔ وہاں کچھ لڑکے ایسے تھے، جو اسے ہیرو سمجھتے تھے۔ یوں وہ چھوٹا سا گینگ بن گیا۔ وہ لوگ چھوٹے موٹے جرائم کرنے لگے۔ مثلاً جیب تراشی، خواتین سے پرس چھیننا، دکانوں سے چیزیں اڑانا وغیرہ وغیرہ۔ اور ہیری اس گینگ کا سرغنہ تھا۔

ایک رات ایک گلی میں جھگڑے کے دوران ہیری کے ہونٹوں پر چاقو لگا۔ یوں وہ ہمیشہ مسکراتا دکھائی دینے لگا۔

لڑکے بڑے ہوئے تو کار لفٹنگ کی نوبت آ گئی۔ پھر نقب زنی اور ڈکیتی ہونے لگی۔ ایک ڈکیتی کے دوران گڑبڑ ہو گئی اور دکان دار مارا گیا۔ ہیری فلٹ پر مسلح ڈکیتی اور قتل کا الزام عائد کر دیا گیا۔ مقدمہ چلا اور اسے دس سال کی سزا ہو گئی۔ جیل وارڈن کا کہنا تھا کہ اس نے زندگی میں ایسا سفاک اور بے رحم قیدی کوئی اور نہیں دیکھا۔

ہیری فلٹ کی آنکھوں میں کوئی بات تھی جو دوسرے قیدیوں کو اس سے دور رہنے پر مجبور کرتی تھی۔ وہ اس سے دہشت زدہ تھے۔ لیکن اس کی شکایت کرنے کی کسی میں ہمت نہیں تھی۔

ایک دن ایک گارڈ ہیری فلٹ کی کوٹھری کے پاس سے گزر رہا تھا۔ اس کی نظر کوٹھری کی طرف اٹھی تو اسے اپنی نگاہوں پر یقین نہیں آیا۔ ہیری فلٹ کا ساتھی قیدی اپنے ہی خون میں ڈوبا پڑا تھا۔ ہیری نے اسے اتنا مارا تھا کہ وہ ختم ہو گیا تھا۔

گارڈ نے ہیری کو دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ تھی۔ "خبیث...... اب تم نہیں بچو گے۔ اب تو تمہیں برقی کرسی ہی نصیب ہو گی۔" گارڈ نے کہا۔

ہیری فلٹ نے بے حد آہستگی سے اپنا بایاں بازو اٹھایا۔ تب گارڈ کو بازو میں پیوست وہ بڑا چاقو نظر آیا۔ فلٹ نے سرد لہجے میں کہا۔ "میں نے محض اپنا دفاع کیا ہے۔"

کوٹھری کے دوسرے قیدیوں نے کبھی کسی کو نہیں بتایا کہ ہیری فلٹ نے ساتھی قیدی کو بغیر کسی وجہ کے بڑی بے دردی سے مار مار کر ختم کر دیا تھا اور اس کے مرنے کے بعد اس نے اپنے گدے کے نیچے سے چاقو نکال کر اپنے بائیں بازو میں پیوست کر دیا تھا۔

میٹر کو ہیری فلٹ کی جو خوبی سب سے زیادہ پسند تھی، وہ یہ تھی کہ ہیری فلٹ کو اپنے کام سے عشق تھا۔

میٹر کو وہ پہلا موقع یاد تھا، جب ہیری فلٹ نے اپنی افادیت اس پر ثابت کی تھی۔ ٹوکیو کے ایمرجنسی ٹرپ کے دوران......

............☆............

"پائلٹ سے کہو کہ چیلنجر کو تیار رکھے۔ ہمیں جاپان جانا ہے۔ بس ہم دونوں ہوں گے۔"

وہ خبر ایک برے وقت میں آئی تھی اور فوری طور پر ایکشن لینا تھا۔ معاملہ اتنی حساس نوعیت کا تھا کہ اسے کسی اور پر نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ میٹر نے اکیدا آئسو سے ٹوکیو میں ملاقات کا اہتمام کیا تھا اور اوکورا ہوٹل میں کمرا بک کرا لیا تھا۔

جہاز بحرالکاہل عبور کر رہا تھا اور اس دوران میٹر اپنی حکمتِ عملی ترتیب دے رہا تھا۔ جہاز کے اترتے اترتے وہ ایک ایسا لائحہ عمل ترتیب دے چکا تھا، جس میں اس کی شکست کسی زاویے سے ممکن نہیں تھی۔

ناریتا ایئرپورٹ سے ہوٹل تک ایک گھنٹے کی ڈرائیو تھی۔ میٹر کو اس پر حیرانی ہوتی تھی کہ ٹوکیو کبھی نہیں بدلتا۔

اکیرا آئسو فیومیکو ماشیمو ریسٹورنٹ میں اس کا منتظر تھا۔ اس کی عمر پچاس سے متجاوز تھی۔ اس نے اڈکریشنر کا خیر مقدم کیا، "آپ سے ملاقات میرے لئے اعزاز ہے مسٹر کنگسلے۔" اس نے کہا۔ "سچ تو یہ ہے کہ آپ کے رابطہ کرنے پر مجھے حیرت ہوئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اتنا طویل سفر طے کر کے صرف مجھ سے ملنے کے لئے کیوں آئے ہیں۔"

(جاری ہے)

ٹیئر مسکرایا۔ ''میں خوش خبری لایا ہوں.....ایسی خوش خبری جو فون پر نہیں سنائی جا سکتی تھی۔ میرا خیال ہے، میں تمہیں بہت خوش قسمت بنا سکتا ہوں۔ خوش قسمت بھی اور بے حد...... بے حد امیر بھی۔''

اکیرا نے تجسس سے اسے دیکھا۔ ''فرمائیے۔ ایسی کیا بات ہے؟''

اسی وقت سفید جیکٹ پہنے ویٹران کی طرف چلا آیا۔ '' کاروباری گفتگو شروع کرنے سے پہلے کھانے کا آرڈر نہ دے دیں'' ٹیئر نے کہا۔

''جو آپ کی مرضی مسٹر ٹنکیلے۔ آپ کو جاپانی ڈشوں کی آگہی ہے؟ یا میں آرڈر دوں؟''

''شکریہ۔ میں خود ہی آرڈر دوں گا۔ تمہیں سوشی پسند ہے؟''

''جی ہاں۔''

ٹیئر نے ویٹر کو آرڈر نوٹ کرایا۔ اکیرا مسکرا رہا تھا۔

کھانے کے دوران ٹیئر نے کہا۔ ''تم ایک بہت اچھی کمپنی کیلئے کام کرتے ہو مسٹر آئسو......ٹوکیو فرسٹ انٹرنیشنل گروپ۔''

''جی ہاں۔ شکریہ۔''

''تمہیں ان کے ساتھ کتنا عرصہ ہو گیا؟''

''دس سال۔''

''دس سال بڑی مدت ہوتی ہے مسٹر آئسو'' ٹیئر نے اکیرا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ اتنے وقت کے بعد تو تبدیلی آنی ہی چاہئے۔''

''میں ایسا کیوں کروں گا مسٹر ٹنکیلے؟''

''کیونکہ میں جو پیشکش کر رہا ہوں، اسے تم مسترد کر ہی نہیں سکتے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم کتنا کما لیتے ہو۔ لیکن میں تمہیں کے آئی جی میں کام کرنے کیلئے اس سے دگنی تنخواہ اور مراعات آفر کر رہا ہوں۔''

''یہ ممکن نہیں ہے مسٹر ٹنکیلے۔''

''کیوں نہیں۔ اگر بات معاہدے کی ہے تو میں تمہیں اس سے آزادی دلانے کے لئے......''

اکیرا نے اپنی چوپ اسٹکس نیچے رکھ دیں۔ ''مسٹر ٹنکیلے، جاپان میں جب ہم کسی کمپنی کے لئے کام کرتے ہیں تو وہ ہماری فیملی ہوتی ہے اور جب ہم کام کرنے کے قابل نہیں رہتے تو وہی ہمارا خیال رکھتی ہے۔''

''لیکن میں تمہیں دولت میں تول......''

''نہیں۔ آئی شیا سائی شن۔''

''کیا؟''

''اس کا مطلب ہے کہ ہم وفاداری کو دولت پر فوقیت دیتے ہیں۔'' اکیرا آئسو اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ ''آپ نے مجھے کیوں منتخب کیا؟''

''کیونکہ میں نے تمہاری بہت تعریفیں سنی ہیں۔''

''مجھے افسوس ہے کہ آپ نے بلاوجہ اتنے طویل سفر کی زحمت اٹھائی۔ مسٹر ٹنکیلے، میں ٹوکیو فرسٹ انٹرنیشنل گروپ کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔''

''بہر حال مجھے تو کوشش کرنی تھی۔''

''آپ کو برا تو نہیں لگا؟''

ٹیئر ہنسنے لگا۔ ''نہیں بھئی۔ ہاں میں نے یہ ضرور سوچا کہ کاش میرے پاس تم جیسے ملازم ہوتے۔'' پھر اسے کچھ یاد آیا۔ ''ارے ہاں...... میں تمہارے اور تمہاری فیملی کے لئے ایک تحفہ لایا تھا۔ میرا ایک ساتھی وہ تحفہ تم تک پہنچائے گا۔ ابھی ایک گھنٹے بعد وہ تمہارے ہوٹل آئے گا۔ اس کا نام ہیری فلنٹ ہے۔''

ہوٹل کی ایک خادمہ نے اکیرا آئسو کی لاش دریافت کی۔ وہ وارڈروب میں ایک ہک سے لٹکی ہوئی تھی۔ سرکاری طور پر وہ خودکشی کا کیس تھا۔

مندرین ہوٹل کی عمارت دو منزلہ اور خاصی ڈراؤنی تھی۔ عمارت روٹ اسٹریٹ سے تین بلاک کے فاصلے پر چائنا ٹاؤن کے قلب میں واقع تھی۔

کیلی اور ڈیانا ٹیکسی سے اتریں۔ ڈیانا نے سامنے سڑک کے پار ایک بل بورڈ دیکھا، جس پر کیلی کی تصویر بنی تھی۔ تصویر میں وہ بہت خوبصورت ڈریسنگ گاؤن پہنے ہوئے تھی۔ اس کے ہاتھ میں پرفیوم کی ایک شیشی تھی۔ ڈیانا نے حیرت سے بورڈ کو دیکھا اور کیلی سے کہا۔ ''تو یہ ہو تم۔''

''تم غلط کہہ رہی ہو مسز اسٹیونز۔ میں یہ نہیں ہوں۔ ہاں، میں یہ کرتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ پلٹی اور ہوٹل کی لابی میں داخل ہو گئی۔ چند لمحے بعد ڈیانا بھی اس کے پیچھے چل دی۔

چھوٹی سی لابی میں ڈیسک کے عقب میں ایک چینی جوان بیٹھا ''دی چائنا پوسٹ'' کا تازہ شمارہ دیکھ رہا تھا۔

''ہمیں رات گزارنے کیلئے ایک کمرا چاہئے۔'' ڈیانا نے کہا۔

چینی جوان نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ وہ بے حد خوبصورت اور قیمتی لباس میں تھیں۔ اسے حیرت ہوئی کہ وہ اس ہوٹل میں کمرا مانگ رہی ہیں۔ پھر تیزی سے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے وہ اٹھا۔ ''جی ضرور۔'' اس نے ایک بار پھر ان کے جدید فیشن کے ڈریس کا جائزہ لیا اور بولا۔ ''کرایہ سو ڈالر ہو گا۔''

کیلی نے حیرت سے اسے دیکھا۔ کرایہ سن کر اسے شاک لگا تھا۔ ''سو ڈا......''

ڈیانا نے جلدی سے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ مناسب ہے۔''

''اور آپ کو پیشگی ادا کرنا ہو گا۔''

ڈیانا نے اپنا پرس کھولا، کچھ نوٹ نکالے اور کلرک کی طرف بڑھا دیئے کلرک نے اسے ایک چابی دی۔ ''کمرا نمبر دس۔ سیدھے ہال میں جائیں اور پھر بائیں جانب مڑ جائیں سامان ہے آپ کے پاس؟''

''سامان بعد میں آئے گا۔'' ڈیانا نے کہا۔

''کسی چیز کی ضرورت ہو تو لنگ کو کہئے گا۔''

''لنگ؟'' کیلی نے دہرایا۔

''جی۔ لنگ آپ کی خادمہ کا نام ہے۔''

وہ دونوں نیم روشن ہال کی طرف چل دیں۔

(جاری ہے)

''تم نے اسے زیادہ رقم دے دی ہے۔'' کیلی نے ڈیانا سے کہا۔

''جان سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔''

''مجھے تو یہ جگہ ہی محفوظ نہیں لگتی۔''

''پریشان نہ ہو۔ ابھی تو کام چلانا ہے۔ پھر کوئی اچھی جگہ دیکھیں گے اور وہاں'' مسٹر ٹنگسلے بھی تو ہیں۔''

وہ کمرا نمبر دس کے سامنے رکیں۔ ڈیانا نے چابی لگا کر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوئی۔ کمرا چھوٹا تھا اور بو سے لگتا تھا کہ بہت عرصے سے خالی پڑا ہے۔ وہاں دو جڑواں بیڈ تھے۔ بیڈ شیٹس شکن آلود تھیں۔ ایک ڈیسک کے سامنے دو بوسیدہ کرسیاں پڑی تھیں۔

کیلی نے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ اس کا منہ بن گیا۔ ''کمرا چھوٹا ہے، کوئی بات نہیں۔ لیکن میں نے اتنا بدصورت کمرا آج سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ میں شرط لگانے کو تیار ہوں کہ آج تک اس کی صفائی نہیں ہوئی ہے۔'' اس نے کشن کو انگلی سے تھپ تھپایا۔ گرد اڑنے لگی۔ ''سوچنے کی بات یہ ہے کہ موصوفہ لنگ یہاں آخری بار کب آئی تھیں۔''

''بس ایک رات کی تو بات ہے۔'' ڈیانا نے اسے تسلی دی۔ ''اب میں مسٹر ٹنگسلے کو فون کروں گی۔''

ڈیانا نے ٹینر کا دیا ہوا کارڈ نکالا اور اس پر چھپا ہوا نمبر ہوٹل کے فون پر ملانے لگی۔ کیلی غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ٹینر کنگسلے۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

ڈیانا نے سکون کی سانس لی۔ ''مسٹر کنگسلے۔ میں ڈیانا اسٹیونز بول رہی ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو زحمت دے رہی ہوں۔ مگر مجھے اور مسز ہیریس کو آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ کوئی ہمیں قتل کرنے کے درپے ہے اور وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ بلکہ ہماری سمجھ میں تو یہ بھی نہیں آ رہا ہے کہ ہو کیا رہا ہے۔ ہم بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں۔''

''مجھے خوشی ہے مسز اسٹیونز کہ آپ نے کال کیا۔'' دوسری طرف سے ٹینر نے کہا۔ ''آپ اب پرسکون ہو جائیں۔ ابھی ابھی ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ یہ سب کچھ کرا رہا ہے۔ اب آپ کو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اب آپ دونوں محفوظ ہیں۔ آپ کو کوئی خطرہ نہیں۔''

ڈیانا نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کیں اور دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ ''آپ مجھے یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ کون ہے، جو......''

''یہ فون پر کرنے والی بات نہیں۔ میں ملاقات ہونے پر بتاؤں گا۔ آپ لوگ جہاں ہیں، وہیں رکی رہیں۔ میں ابھی آدھے گھنٹے میں آپ لوگوں کو لینے کے لئے کسی کو بھیجتا ہوں۔''

''ہم......'' ڈیانا کہنا چاہتی تھی۔ لیکن رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ ڈیانا نے ریسیور رکھا اور مسکراتے ہوئے کیلی کو دیکھا۔ ''اچھی خبر ہے۔'' وہ بولی۔ ''ہماری پریشانیاں ختم ہو گئیں۔''

''کیا کہہ رہا تھا وہ؟''

''اسے معلوم ہو گیا ہے کہ کون ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اب ہم محفوظ ہیں۔''

کیلی نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ اب میں پیرس واپس جا کر اپنی زندگی از سر نو شروع کر سکتی ہوں۔''

''وہ ابھی آدھے گھنٹے میں کسی کو بھیجے گا ہمیں لینے کے لئے۔''

کیلی نے کمرے پر طائرانہ نظر ڈالی اور جلے کٹے لہجے میں بولی۔ ''اسے چھوڑتے ہوئے دکھ تو بہت ہوگا۔''

ڈیانا کچھ اور ہی سوچ رہی تھی۔ ''عجیب سا تو لگے گا۔'' اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

''کیا عجیب سا لگے گا؟''

''رچرڈ کے بغیر زندگی گزارنا! میں تصور بھی نہیں کر سکتی کہ میں زندگی گزار......''

''تو بس تصور ہی نہ کرو۔'' کیلی نے جھنجلا کر کہا۔ دل میں اس نے سوچا، یہ میرے لئے تمہارے مقابلے میں کہیں زیادہ مشکل ہے۔ مارک میری زندگی ہی نہیں تھا۔ وہ میرے لئے جینے کا سبب بھی تھا۔

ڈیانا نے غور سے کیلی کے بے تاثر چہرے کو دیکھا اور سوچا...... یہ عورت خوبصورت ہے۔ لیکن برف کی طرح سرد...... قدرت کا تراشا ہوا خوبصورت مجسمہ......

کیلی پلٹی اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اب ڈیانا کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔ اس کے چہرے پر اذیت کا تاثر تھا، جسے وہ دکھانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ ماضی کی ایک یاد میں کھو گئی......

کیلی مارک کے ساتھ دریا کے کنارے چہل قدمی کر رہی تھی۔ وہ مسلسل بول رہی تھی...... لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کیا بول رہی ہے۔ بس مارک کی قربت میں اس کے لئے سکون ہی سکون تھا...... اور یہ سب سے بڑی حقیقت تھی۔

''کل شام ایک آرٹ گیلری کا افتتاح ہو رہا ہے۔ اگر موڈ ہو تو......'' کیلی نے مارک سے کہا۔

''سوری کیلی۔ کل تو میں مصروف ہوں۔'' مارک نے اس کی بات کاٹ دی۔

کیلی کے دل میں رقابت کی پھانس چبھنے لگی۔ ''کسی اور کے ساتھ کہیں جانا ہے؟'' اس نے لہجے کو نارمل رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں...... ارے نہیں۔ میں اکیلا جا رہا ہوں۔ ایک دعوت ہے......'' اس نے کیلی کے چہرے کے تاثر کو دیکھا۔ ''وہ...... میرا مطلب ہے کہ وہ سائنس دانوں کی ایک ڈنر پارٹی ہے۔ تم بور ہو جاؤ گی۔''

''کیا واقعی؟''

''میرا تو یہی خیال ہے۔ دراصل وہاں لوگ جو کچھ کہیں گے۔ تم نے پہلے وہ لفظ سنے بھی نہیں ہوں گے......''

''تم مجھے خود فیصلہ کرنے دو۔ میرا خیال ہے، میں ہر طرح کے الفاظ سن چکی ہوں......''

''لیکن میں سمجھتا ہوں......''

''میں بچی نہیں ہوں مارک۔ صاف صاف بات کرو۔''

(جاری ہے)

دجال

''وہاں سائنسی اصطلاحیں بولی جا رہی ہوں گی۔ جیسے انا ٹرپ سولوجی..... میلا کوسٹر کولوجی..... اتیر ڈوگراف..... وغیرہ وغیرہ.....''

''اوہ..... ایسے الفاظ۔'' کیلی واقعی پریشان ہو گئی۔

''میں جانتا تھا کہ تمہیں اس میں دلچسپی نہیں.....''

''تم غلط سمجھ رہے ہو۔ مجھے دلچسپی ہے اور میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔'' کیلی نے کہا اور دل میں بولی۔ صرف اس لئے کہ تمہیں اس میں دلچسپی ہے۔

دعوت پرنس ڈیگال ہوٹل میں تھی اور بڑی دعوت تھی۔ بال روم میں تین سو سے زائد افراد موجود تھے۔ ان میں بہت سے ایسے تھے، جو فرانس کے معزز ترین افراد میں سے تھے۔ مارک اور کیلی جس میز پر تھے، وہاں ایک زبردست شخصیت کا حامل ایک پرکشش شخص بھی موجود تھا۔

''میں سام میڈوز ہوں۔'' اس نے کیلی سے اپنا تعارف کرایا ''آپ کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے میں نے۔''

''اور میں نے بھی آپ کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔'' کیلی نے کہا۔ ''مارک آپ کو اپنا رہنما اور بہترین دوست قرار دیتا ہے۔''

سام میڈوز مسکرایا۔ ''مارک کا دوست ہونا ایک اعزاز ہے۔ مارک خاص الخاص آدمی ہے۔ میں برسوں سے اس کے ساتھ کام کر رہا ہوں۔ کام سے ایسی محبت کرنے والا.....''

مارک شرمندہ نظر آنے لگا۔ اس نے جلدی سے سام کی بات کاٹی۔ ''تم وائن لو گے؟''

کچھ دیر بعد تقریب شروع ہو گئی۔ تقریریں ہونے لگیں اور مارک نے سچ کہا تھا۔ وہاں جو کچھ کہا جا رہا تھا، کیلی کے سر پر سے گزر رہا تھا اور انعامات بھی تقسیم کئے جا رہے تھے۔ مارک کے چہرے پر جوش و خروش تھا۔ اسے دیکھ کر کیلی کو خوشی ہو رہی تھی کہ وہ یہاں آئی ہے۔

ڈنر کے بعد جب برتن سمیٹے جا چکے تو فرنچ سائنٹفک اکیڈمی کے صدر اسٹیج پر آئے۔ انہوں نے گزشتہ سال میں سائنس کی اس ترقی کا تذکرہ کیا جو فرانس نے کی تھی۔ اپنی تقریر کے آخر میں انہوں نے ایک سنہری مورتی کو فضا میں بلند کرتے ہوئے مارک ہیرس کا نام پکارا۔ تب کہیں کیلی کو احساس ہوا کہ درحقیقت وہ پوری تقریب ہی مارک کے اعزاز میں ہوئی تھی۔ وہ اس شام کا اسٹار تھا..... مہمان خصوصی! اور اپنے فطری انکسار کی وجہ سے وہ اسے یہ بات نہیں بتا سکا تھا۔ اسی لئے تو وہ اسے لانے سے بچ رہا تھا۔ اس نے مارک کو اٹھ کر اسٹیج پر جاتے دیکھا۔ تمام لوگ گرم جوشی سے اس کے لئے تالیاں بجا رہے تھے۔

''اس نے مجھے اس بارے میں بتایا ہی نہیں۔'' کیلی نے سام میڈوز سے کہا۔

''مارک ہیرس ایسا ہی ہے..... شرمیلا اور منکسر المزاج۔'' سام نے کہا اور کیلی کو بہت غور سے دیکھا۔ ''تم جانتی ہو کہ وہ تم سے دیوانہ وار محبت کرتا ہے؟ وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔'' وہ کہتے کہتے رکا اور پھر بولا۔ ''مجھے امید ہے کہ یہ محبت اسے زخمی نہیں کرے گی۔''

کیلی کو احساس جرم ستانے لگا۔ میں مارک سے شادی نہیں کر سکتی۔ اس نے سوچا۔ وہ بہت اچھا دوست ہے۔ لیکن میں اس سے محبت تو نہیں کرتی۔ تو پھر میں کیا کر رہی ہوں۔ کیا میں اسے کوئی زخم دینے والی ہوں؟ نہیں..... مجھے اس سے ملنا چھوڑ دینا چاہئے۔ میں اسے یہ کیسے بتاؤں گی کہ.....''

''تم نے ایک لفظ بھی سنا جو میں کہہ رہی تھی۔'' ڈیانا کی برہم آواز اسے ماضی کی دنیا سے کھینچ لائی۔ وہ خوبصورت بال روم میں نہیں تھی۔ بلکہ اس گھٹیا کمرے میں تھی اور سامنے وہ عورت تھی، جسے دیکھ کر وہ سوچتی تھی کہ کاش اس سے ملی ہی نہ ہوتی۔ ''کیا..... کیا کہہ رہی ہو تم؟''

''منیجر نے کہا کہ ابھی آدھے گھنٹے میں کوئی ہمیں لینے آئے گا۔'' ڈیانا کے لہجے میں سنگینی تھی۔

''تم نے پہلے بھی یہ بات بتائی تھی۔ تو پھر؟''

''اس نے مجھ سے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ ہم اس وقت کہاں ہیں۔''

''وہ سمجھ رہا ہو گا کہ ہم تمہارے اپارٹمنٹ میں ہیں۔''

''نہیں۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ ہم بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں۔''

ایک لمحہ خاموشی رہی۔ پھر کیلی نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے کہا۔ ''اوہ.....''

دونوں بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھی گھڑی کو دیکھ رہی تھیں۔

ہیری فلنٹ مندرین ہوٹل کی لابی میں داخل ہوا۔ استقبالیہ کلرک نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی مسکراہٹ کے جواب میں وہ مسکرایا۔ ''کہیے..... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

''میری بیوی اپنی سہیلی کے ساتھ یہاں ٹھہری ہے۔ میری بیوی سنہری بالوں والی ہے اور اس کی سہیلی سیاہ فام ہے۔ ان کا کمرا نمبر بتاؤ۔''

''کمرا نمبر دس۔ لیکن میں تمہیں اندر نہیں جانے دوں گا۔ تم فون پر بات.....''

فلنٹ نے سائیلنسر لگا 45 بلند کیا اور کلرک کی پیشانی پر فائر کر دیا۔ اس کی لاش کو کاؤنٹر کے نیچے دھکیل کر وہ ہال کی طرف چل دیا۔ گن اب بھی اس کے ہاتھ میں تھی۔ دس نمبر کمرے کو دیکھ کر وہ دو قدم پیچھے ہٹا۔ پھر اس نے دروازے پر کندھا مارا۔ دروازہ کھل گیا اور وہ اندر داخل ہو گیا۔

کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ مگر باتھ روم کا دروازہ بند تھا اور باتھ روم سے شاور کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ دروازے کی طرف بڑھا اور اسے دھکیلا۔ دروازہ کھل گیا۔ اندر پردے لہرا رہے تھے۔ شاور پوری طرح کھلا ہوا تھا۔ فلنٹ نے چار فائر کئے اور ایک منٹ بعد پردے ہٹا کر دیکھا.....

باتھ روم میں کوئی نہیں تھا!

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

قسط نمبر: 66

ڈیانا اور کیلی مندرین ہوٹل کے سامنے سڑک کے پار ایک ڈائنر میں بیٹھی تھیں۔انہوں نے ہیری فلٹ کی اسٹیشن ویگن بھی دیکھی اور اسے ہوٹل میں جاتے بھی دیکھا۔

''مائی گاڈ۔'' کیلی نے کہا۔''اسی آدمی نے تو مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔''

چند منٹ بعد ہیری فلٹ باہر آیا۔اس کا چہرہ غصے سے مسخ ہو رہا تھا۔

''چلو...... گاڈزیلا تو گیا۔اب ہمارا اگلا غلط قدم کیا ہوگا؟'' کیلی نے ڈیانا سے پوچھا۔

ڈیانا اور کیلی مندرین ہوٹل کے سامنے سڑک کے پار ایک ڈائنر میں بیٹھی تھیں۔انہوں نے ہیری فلٹ کی اسٹیشن ویگن بھی دیکھی اور اسے ہوٹل میں جاتے بھی دیکھا۔

''مائی گاڈ۔'' کیلی نے کہا۔''اسی آدمی نے تو مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔''

چند منٹ بعد ہیری فلٹ باہر آیا۔اس کا چہرہ غصے سے مسخ ہو رہا تھا۔

''چلو...... گاڈزیلا تو گیا۔اب ہمارا اگلا غلط قدم کیا ہوگا؟'' کیلی نے ڈیانا سے پوچھا۔

''ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔''

''مگر جائیں گے کہاں...... وہ ایئرپورٹس، ریلوے اسٹیشن اور بس اسٹیشنوں کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔''

ڈیانا چند لمحے سوچتی رہی۔''ایک جگہ میرے ذہن میں ہے۔وہاں وہ نہیں پہنچ سکتے''۔

..................X..................

امریکی سفارت خانے میں جو استقبالیہ دیا جا رہا تھا، اس کے لئے کیٹ رینالڈز نے اپنے لئے پنڈلیوں تک کا کاک ٹیل ڈریس منتخب کیا تھا۔وہ بہت خوب صورت، بیش قیمت نظر آنے والا، لیکن بے حد سوبر لباس تھا اور اس نے بے پناہ مصروفیت کے باوجود ہیئر ڈریسر کیلئے ایک گھنٹے کا وقت نکالا تھا اور اب وہ اس دعوت میں شرکت کے لئے پوری طرح تیار تھی۔

وہ میک اپ بہت کم کرتی تھی۔مرد اسے بتاتے تھے کہ اسے میک اپ کی ضرورت نہیں۔میک اپ تو ان کیلئے ہوتا ہے، جن میں کوئی کمی ہوتی ہے۔وہ کہتے تھے کہ اس میں کوئی کمی نہیں۔اس کا چہرہ بے حد حسین تھا۔رخساروں کی ابھری ہوئی ہڈیاں، بڑی بڑی آنکھیں اور ستواں ناک۔جسم کے پیچ وخم تک تو نظر کے پہنچنے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی۔

وہ ٹیکسی میں بیٹھی تو مطمئن تھی کہ وہ بڑے باوقار انداز میں بی بی سی کی نمائندگی کرنے والی ہے۔اس نے اپنے بیٹے کو دیکھ کر ہاتھ لہرایا، جو دروازے پر کھڑا تھا۔جواب میں اس کے بیٹے نے شرارت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔کچھ لمحے پہلے ہی اس نے کہا تھا...... آپ اپنی عمر سے بہت چھوٹی لگ رہی ہیں مما۔اور یہ کوئی معمولی تعریف نہیں تھی۔

''کہاں چلنا ہے میڈم؟'' ڈرائیور نے اسے چونکا دیا۔

''امریکی سفارت خانے''۔

یہ اس مہینے میں دوسرا موقع تھا کہ وہ امریکی سفارت خانے جا رہی تھی۔ٹیکسی آگے بڑھی تو اس کے تصور میں ایڈریو ڈوکل کی اڑی ہوئی کھوپڑی در آئی۔وہ تھرا کر رہ گئی۔کیسی خوف ناک یاد تھی وہ۔جن پراسرار حالات میں پچھلے سفیر نے خودکشی کی تھی، ان کی توجیہہ اب بھی نہیں کی جا سکی تھی۔ایڈریو ڈوکل کو قریب سے جاننے والے بھی نہیں بتا سکتے تھے کہ اس نے خودکشی کیوں کی۔وہ صرف غیر متوقع ہی نہیں، ڈراؤنا واقعہ تھا اور جس انداز میں ڈوکل نے خودکشی کی تھی، اس سے ایذا پسندی اور خوف ناکی جھلکتی تھی، وہ ایک معما تھا...... اور یہ طے تھا کہ وہ کبھی حل نہیں ہو سکے گا۔

اور اب نیا سفیر آ گیا تھا۔جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ثابت ہو رہا تھا کہ کسی کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔دنیا کے سب معاملات چلتے رہتے ہیں، کچھ نہیں رکتا۔یہ سفاک حقیقت پوری طرح اجاگر ہو گئی تھی۔ایڈریو ڈوکل کے خون کے دھبے ابھی تازہ ہی تھے کہ اس کا متبادل آ گیا تھا۔

کیٹ کو ڈیمین تھورن کے بارے میں بہت تجسس تھا۔اس کی عمر صرف 32 سال تھی۔جو منصب اسے دیا گیا تھا، اس کے لحاظ سے وہ بہت کم عمر تھا اور سب لوگ جانتے تھے کہ یہ منصب ڈیمین تھورن کے متوقع طور پر طویل سیاسی کیریئر کی پہلی سیڑھی ہے...... پہلی اور لازمی سیڑھی۔

کیٹ کو واشنگٹن سے بی بی سی کے نمائندے کی فون کال یاد آئی اور اس کا منہ بن گیا۔اس نے جتانے والے انداز میں کہا تھا کہ ڈیمین تھورن ایک بے حد خوف رو اور پرکشش مرد ہے۔''اس سے انٹرویو کرنے میں تمہیں لطف آ جائے گا''۔اس نے کہا تھا۔شاید اس لئے کہ وہ ایک تھکا ہوا بوڑھا آدمی تھا۔

حقیقت یہ تھی کہ کیٹ کو ڈیمین تھورن کے غیر شادی شدہ ہونے میں دلچسپی تھی۔وہ سوچتی تھی کہ سفیر کی بیوی کی کچھ ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ کس طرح کی عورت ہوگی، جسے یہ رول سونپا جائے گا۔

کیٹ نے ڈیمین تھورن کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔اس کی زندگی میں کوئی ایک عورت...... باقاعدہ عورت نہیں تھی۔ لیکن عجیب بات یہ تھی کہ اس کے بارے میں کبھی کوئی اسکینڈل بھی نہیں بنا تھا۔بتیس سال کی عمر، غیر شادی شدہ اور اسکینڈلز سے دور! یہ شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے والی بات تھی۔لیکن امریکیوں کی آزاد خیالی اپنی جگہ، یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ وہ جنسی اعتبار سے کسی بے راہ رو شخص کو برطانیہ میں اپنا سفیر بنا کر بھیجیں گے۔حالانکہ زمانہ اب بہت آگے جا چکا ہے۔کیٹ نے تلخی سے سوچا۔لندن میں جنسی بے راہ روی عام ہو چکی ہے۔

کیٹ نے جھنجلا کر اپنے تصور کو بے لگام ہونے سے روکا۔ایسا بھی کیا کہ آدمی سوچنے پر آئے تو کچھ بھی سوچتا چلا جائے۔

ٹیکسی گروس وینر اسٹریٹ میں داخل ہوئی۔کیٹ نے اپنے پرس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔کرایہ ادا کرنے کا وقت آ گیا تھا۔

استقبالیہ کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے تبدیلی کا احساس ہو گیا۔کمرے کی آرائش پہلے سے مختلف تھی۔پہلے سادگی تھی۔اب دکھاوا تھا اور فضول خرچی تھی۔چھت سے ایک بہت بڑا فانوس آویزاں تھا۔

کیٹ نے اپنا دعوت نامہ پیش کیا اور خود کار انداز میں مہمانوں کی فہرست چیک کی۔اسے حیرت ہوئی کہ بہت کم صحافیوں کو تقریب میں مدعو کیا گیا تھا۔مدعوئین میں زیادہ تر سنجیدہ اخبارات میں سفارتی مضامین لکھنے والے شامل تھے۔''میل'' اور ''ایکسپریس'' جیسے افواہ ساز اخباروں کے نمائندوں کو نہیں بلایا گیا تھا۔

(جاری ہے)

دجال

کیا وہ یہاں۔۔۔۔۔۔اس تقریب میں کسی اور طرح گھسنے کی کوشش نہیں کریں گے؟ اور اس میں ناکامی ہوئی تو کیا وہ اور کسی طرح افواہ سازی نہیں کریں گے؟ وہ یہاں ویٹرز سے۔۔۔۔۔۔دعوت میں شامل ہونے والوں سے پر حاصل کرنے کی اور پھر اس پر کوا بنانے کی کوشش نہیں کریں گے؟

وہ جانتی تھی کہ اسے اس تقریب کے مدعوئین میں کیوں شامل کیا گیا ہے۔ اس نے سفارت خانے والوں سے باضابطہ طور پر معلوم کیا تھا کہ کیا ڈیمین تھورن اس کے ٹی وی پروگرام میں شریک ہونا قبول کرے گا۔ اس پر غور کیا گیا تھا اور اس کے بعد اسے موقع دیا گیا تھا کہ وہ ڈیمین تھورن سے قریب ہو کر خود اسے لبھانے کی کوشش کرے۔

وہ چند لمحے ادھر ادھر گھومتی پھری۔ اس نے وائن کا ایک گلاس لیا اور شرکا سے ادھر ادھر کی مختصر گفتگو کرتی رہی۔ یہ اس طرح کی دعوتوں کا معمول تھا۔۔۔۔۔۔ہلکی پھلکی گفتگو۔۔۔۔۔۔اسپورٹس یا موسم کے بارے میں۔۔۔۔۔۔گفتگو جو نہ سنجیدہ ہو نہ متنازعہ۔

داہنی سمت اسے دو معمر افراد نظر آئے۔ وہ جانتی تھی کہ ان کا تعلق فارن آفس سے ہے۔ اس طرح کی تقریبات میں شرکت کا ان کا کافی طویل تجربہ تھا۔ وہ ساتھ ہی بیٹھے وائن کی ایک بوتل کے لیبل کا جائزہ لے رہے تھے۔

''لافٹ تھورن۔'' ایک نے پُر خیال لہجے میں کہا۔

''ہاں۔ کافی پرانی ہے۔'' دوسرے نے تبصرہ کیا۔

''حیرت کی بات ہے۔ آج کل سویابین سے بھی کیا کیا کچھ بنالیا جاتا ہے۔''

کیٹ ان کی طرف بڑھی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ ''کیا اس کی عمر واقعی صرف 32 سال ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے۔'' پہلے نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ ''لیکن حیرت کی کوئی بات نہیں۔ یہ امریکی بھی عجیب لوگ ہوتے ہیں۔ چلنے سے پہلے دوڑنا سیکھ لیتے ہیں۔ اب یہی دیکھ لو۔ سویابین سے بھی شراب بنالیتے ہیں۔''

''میں تمہارے سوال کا جواب دوں۔'' عقب سے کسی نے کہا۔ ''ہاں، وہ صرف 32 کا ہے۔۔۔۔۔۔برطانیہ میں اب تک امریکا کا جوان ترین سفیر۔''

کیٹ نے پلٹ کر دیکھا۔ چشمہ لگائے ہوئے وہ شخص مسکرا رہا تھا۔ ''آپ کی تعریف؟''

''ہاروے ڈین۔ ڈیمین تھورن کا پرائیویٹ سیکریٹری۔''

کیٹ نے اس سے ہاتھ ملایا اور اپنا تعارف کرایا۔

''یہ میری بیوی ہے۔۔۔۔۔۔باربرا۔''

کیٹ نے باربرا سے ہاتھ ملایا۔ باربرا خوب صورت عورت تھی۔ وہ ماں بننے والی تھی اور بہت خوش بھی تھی۔ وہ اس سلسلے میں باتیں بھی کیے جا رہی تھی۔ کیٹ خوش تھی کہ اسے بولنے کا موقع نہیں مل رہا ہے۔

''آپ سفیر صاحب سے ملنا چاہیں گی؟'' ہاروے ڈین نے پوچھا۔

''جی ہاں۔ ضرور۔'' کیٹ نے کہا۔ ظاہر ہے، وہ یہاں سفیر کے سیکریٹری کی بیوی سے گپ شپ کے لئے تو نہیں آئی تھی۔

پھر اس نے ڈیمین کو دیکھا اور ایک پل میں وہ اس کی بے پناہ کشش کی قائل ہوگئی۔ اس کشش میں صرف چہرے کے خدوخال اور جسم کا ہی نہیں، اس کی ذہانت کا بھی بڑا حصہ تھا۔ مگر اس کے علاوہ بھی کوئی بات تھی، جسے وہ سمجھ نہیں سکی اور پھر وہ اس پر سوچتی رہی کہ یہ تو اس کی شخصیت کے مثبت پہلو ہیں۔ منفی پہلو بھی تو ہوتے ہیں۔ یہاں منفی پہلو کیا ہیں؟

ہاروے ڈین اسے لے کر مہمانوں کے درمیان جگہ بناتا آگے بڑھا۔ ڈیمین آتش دان کے پاس کھڑا تھا۔ اوپر نصب آئینے میں اس کا عکس نظر آ رہا تھا۔

''مسٹر ایمبیسیڈر، یہ ہیں بی بی سی کی کیٹ رینالڈز۔ ان کا ہفتہ وار نیوز شو۔۔۔۔۔۔دی ورلڈ ان وژن بہت کامیاب پروگرام ہے۔'' ڈین نے کہا۔

''جی نہیں۔ میرے پروگرام کا نام ہے۔۔۔۔۔۔ورلڈ ان فوکس۔'' کیٹ نے تصحیح کی۔

''سوری۔۔۔۔۔۔ورلڈ ان فوکس۔'' ڈین نے جلدی سے کہا۔

''کبھی کبھی یہ آف فوکس بھی ہو جاتا ہے۔'' کیٹ ہنسنے لگی۔

ڈیمین نے سر کو ہلکا سا خم کیا اور بولا ''آپ سے مل کر خوشی ہوئی مس رینالڈز۔ آپ کو بی بی سی کی باربرا والٹرز کہا جا سکتا ہے۔''

کیٹ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''جی نہیں۔ معاوضے کی بات آتی ہے تو بی بی سی کی چیریٹی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔''

ڈیمین کی مسکراہٹ اور کشادہ ہوگئی۔ اس نے آگے جھکتے ہوئے رازدارانہ انداز میں مسخرے پن سے کہا۔ ''چیریٹی میں تو ہمیں بھی دلچسپی ہے۔ خیراتی اور فلاحی کام تو ہم بھی کرتے ہیں۔''

کچھ دیر گزری تو جیسے وہاں کیٹ اور ڈیمین کے سوا کوئی تھا ہی نہیں۔ وہ بے حد روانی سے ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے تھے۔ ان کا انداز ایسا تھا، جیسے وہ برسوں پرانے دوست ہوں۔

''لندن آپ کو اچھا لگا؟'' کیٹ نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے، اچھا لگے گا۔ ابھی تک تو لندن میں جو کچھ میں نے دیکھا ہے، وہ اچھا ہی لگا ہے۔'' ڈیمین نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ وہ کیٹ کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

کیٹ مسکرائی۔ ''آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ سے کیوں ملنا چاہتی تھی؟ میرا مطلب ہے، سرکاری طور پر۔''

''ابھی تک تو کسی نے نہیں بتایا ہے۔ تم خود ہی کیوں نہیں بتا دیتیں۔''

''میں جوان نسل کے بارے میں آپ کے نظریات جاننا چاہتی ہوں۔'' کیٹ نے کہا۔ ''میرا بیٹا آپ کا بہت بڑا فین ہے، وہ صرف بارہ سال کا ہے۔ لیکن اس کا خیال ہے کہ اس کے تمام نظریات۔۔۔۔۔۔''

اسی وقت ہاروے ڈین نے مداخلت کر دی۔ ''اسرائیلی سفیر رخصت ہو رہے ہیں۔ اور وہ آپ سے کچھ کہنا۔۔۔۔۔۔''

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

''تم سے مل کے، بات کر کے خوشی ہوئی'' ۔ڈیمین نے کیٹ کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔'' کل ہارورے کو فون کر کے وقت طے کر لینا۔ تب ہم تفصیل سے بات کر سکیں گے۔اتوار کیسا رہے گا؟''

کیٹ سوچ میں پڑ گئی۔اتوار مناسب دن تھا۔لیکن مسئلہ پیٹر کا تھا۔ان دونوں کو ایک اتوار ہی کے دن تو ساتھ رہنے کا موقع ملتا تھا۔ اب اس وقت وہ تقسیم ہو کر رہ گئی ۔فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔پیٹر کو وقت دینا اس کا فرض تھا اور ڈیمین ......

ڈیمین نے اس کا مسئلہ حل کر دیا۔'' پیٹر کو بھی ساتھ لے آنا۔''

کیٹ اسے جاتا دیکھتی رہی ۔اس نے قریب سے گزرتے ہوئے ویٹر کی ٹرے سے ایک جام اٹھالیا۔وہ خود کو مبارک باد دینا چاہتی تھی۔وہ غیر معمولی کامیابی تھی، جو اسے بہت آسانی سے حاصل ہو گئی تھی ۔

اور ہدف کتنا بڑا تھا!

ڈیمین تھورن، خوب رو، پرکشش، ذہین، بارسوخ، دولت مند......اور کنوارا!

............x............

بلڈنگ کے سامنے نیون سائن جگمگا رہی تھی، جس پر لکھا تھا......وٹلن ہوٹل برائے خواتین۔

لابی میں کیلی اور ڈیانا نے فرضی ناموں سے رجسٹریشن کرایا۔کاؤنٹر کے عقب میں موجود عورت نے کیلی کی طرف ایک چابی بڑھائی۔

'' سوئٹ نمبر 424 سامان ہے آپ کے پاس؟''

''نہیں۔دراصل......''

'' سامان ہمارا کھو گیا ہے۔'' ڈیانا نے جلدی سے کیلی کی بات کاٹ دی۔'' امید ہے، صبح تک پہنچ جائے گا۔ارے ہاں......ابھی کچھ دیر میں ہمارے شوہر ہمیں لینے کے لئے آنے والے ہیں۔آپ انہیں کمرے میں بھیج دیجئے گا اور''

استقبالیہ کلرک نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔'' آئی ایم سوری، یہاں مردوں کا داخلہ ممنوع ہے۔''

''اوہ......'' ڈیانا نے معنی خیز فاتحانہ نظروں سے کیلی کو دیکھا۔

'' اگر آپ ان سے یہاں لابی میں ملنا چاہیں تو......''

'' کوئی بات نہیں۔کچھ دیر انہیں ہمارے بغیر بھی گزارہ کرنے دو۔''

............x............

سوئٹ نمبر 424 کشادہ اور خوب صورت تھا۔ایک نشست گاہ تھی، جس میں صوفے میز اور کرسیاں پڑی تھیں۔پھر بیڈ روم تھا، جہاں دو بے حد آرام دہ ڈبل بیڈ موجود تھے۔ڈیانا نے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔'' اچھا ہے۔''

'' ہم کر کیا رہے ہیں۔'' کیلی کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔'' ہر آدھے گھنٹے میں ہوٹل تبدیل کرنے کا نیا ریکارڈ قائم کر رہے ہیں، جو گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں جائے گا۔''

'' تمہارے پاس کوئی بہتر منصوبہ ہو تو بتاؤ۔''

'' منصوبہ تو یہ بھی نہیں ہے۔یہ تو بلی اور چوہے کا کھیل ہے، جس میں ہم چوہے ہیں۔'' کیلی نے زہریلے لہجے میں کہا۔

'' سوچو تو عجیب سی بات لگتی ہے۔دنیا کے سب سے بڑے تھنک ٹینک کے لوگ ہمارے قتل کے درپے ہیں۔''

'' تو پھر اس بارے میں سوچو ہی نہیں۔'' کیلی نے کہا۔وہ بے حد چڑچڑی ہو رہی تھی ۔

'' یہ کہنا آسان ہے، کرنا مشکل۔''

'' ہمیں ذہنی طور پر انہیں شکست دینی ہو گی۔'' کیلی نے کہا۔'' اور ہمارے پاس کوئی ہتھیار ہونا چاہیے۔تمہیں گن چلانی آتی ہے؟''

''نہیں۔''

'' مجھے بھی نہیں آتی۔''

'' اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔گن ہمارے پاس ہے بھی نہیں۔''

'' کراٹے آتا ہے تمہیں؟''

''نہیں۔ہاں، میں اپنے کالج کی ڈیبیٹ ٹیم میں تھی۔'' ڈیانا نے خشک لہجے میں کہا۔'' میں ان پر ثابت کر سکتی ہوں کہ ہمیں قتل کرنا ان کے مفاد میں نہیں ہے۔''

'' چلو......یہی سہی۔''

............x............

ہیری فلنٹ اپنے موبائل فون پر ٹینر سے بات کر رہا تھا۔ٹینر بہت غصے میں تھا۔

'' سوری مسٹر کنگسلے۔وہ مندرین ہوٹل میں اپنے کمرے میں موجود ہی نہیں تھیں۔میں پہنچا تو وہ جا چکی تھیں۔کسی طرح انہیں پتا چل گیا تھا کہ میں آ رہا ہوں۔'' فلنٹ نے کہا۔

'' وہ مجھ سے......مجھ سے مائنڈ گیم کھیلنے کی حماقت کر رہی ہیں......مجھ سے! اچھا......تم انتظار کرو۔میں کچھ دیر میں تمہیں فون کرتا ہوں۔'' ٹینر نے ریسیور پٹخ دیا۔

............x............

اینڈریو کنگسلے اپنے آفس میں صوفے پر لیٹا تھا۔اس کے تصور میں اس وقت اسٹاک ہوم کا کنسرٹ ہال تھا۔حاضرین جوش و خروش سے تالیاں بجا رہے تھے۔'' اینڈریو......اینڈریو!'' مجمع چلا رہا تھا۔پورے ہال میں اس کے نام کی گونج تھی اور وہ شاہ کارل ششم دہم سے اپنا ایوارڈ لینے کے لئے اسٹیج کی طرف جا رہا تھا۔اس نے نوبل انعام کی طرف ہاتھ بڑھایا......

اسی وقت کوئی بلند آواز میں اسے کوسنے لگا۔'' اینڈریو......ڈفیل آدمی......یہاں آؤ۔''

تصور شیشے کی طرح چکنا چور ہو گیا۔اینڈریو نے دیکھا کہ وہ اپنے آفس میں ہے اور ٹینر اسے پکار رہا تھا۔

ٹینر کو میری ضرورت ہے۔اینڈریو نے خوش ہو کر سوچا۔وہ آہستگی سے اٹھا اور ٹینر کے دفتر کی طرف چل دیا۔'' میں آ گیا۔'' اس نے ٹینر سے کہا۔

'' مجھے نظر آ رہا ہے۔'' ٹینر نے سخت لہجے میں کہا۔'' بیٹھ جاؤ۔''

اینڈریو کرسی پر بیٹھ گیا۔

'' میں تمہیں کچھ سکھانا چاہتا ہوں بڑے بھائی۔تقسیم کرو اور تسخیر کرو۔''

(جاری ہے)

دجال

ٹیمز کے لہجے میں غرور تھا۔ ''میں نے ڈیانا اسٹیونز کو یہ سوچنے پر مجبور کردیا ہے کہ اس کے شوہر کو مافیا نے قتل کیا ہے اور کیلی ہیرس اولگا کی طرف سے فکرمند ہے، جس کا وجود ہی نہیں ہے۔ کچھ سمجھے؟''

''ہاں ٹیمز۔'' اینڈریو نے سعادت مندی سے کہا۔

ٹیمز نے اس کے کندھے کو تھپ تھپایا۔ ''تم بہترین لیس مین ہو اینڈریو۔ میں تم سے ہر اس موضوع پر بات کرسکتا ہوں، جس پر کسی اور سے بات کرنا ممکن نہیں اور میں تمہیں کچھ بھی کہہ سکتا ہوں۔ کیونکہ تم ڈفر ہو۔ کچھ سمجھتے ہی نہیں ہو۔'' اس نے اینڈریو کی خالی خالی آنکھوں میں جھانکا۔ ''تم نہ برا سنتے ہو، نہ دیکھتے ہو، نہ بولتے ہو۔ بہر حال سنو۔ اس وقت ہم ایک مسئلے سے دو چار ہیں۔ دو عورتیں غائب ہوگئی ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ ہم انہیں تلاش کررہے ہیں اور ہم انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اب یہ بتاؤ اینڈریو کہ وہ کہاں چھپی ہوئی ہوں گی۔''

''مم...... میں...... میں کیا...... کہہ سکتا ہوں۔'' اینڈریو منمنایا۔

''یہ معلوم کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو ہے منطق۔ پہلے ہم اسے آزماتے ہیں، اس کے لئے ہمیں قدم بہ قدم چلنا ہوگا۔''

اینڈریو نے اسے غور سے دیکھا اور بولا۔ ''جو تم چاہو ٹیمز۔''

ٹیمز ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ ''وہ ڈیانا اسٹیونز کے اپارٹمنٹ نہیں جاسکتیں۔ کیونکہ وہ اب خطرناک ہو چکا ہے۔ ہم اس کی نگرانی کرا رہے ہیں۔ کیلی ہیرس کیونکہ برسوں سے پیرس میں رہ رہی ہے، اس لئے یہاں امریکا میں اس کا کوئی دوست نہیں جو اسے تحفظ دے سکے۔ تم سن رہے ہونا اینڈریو؟''

''ہاں...... ہاں ٹیمز...... سن رہا ہوں۔'' اینڈریو نے پلکیں جھپکائیں۔

''اب سوال یہ ہے کہ کیا ڈیانا اسٹیونز اپنے دوستوں سے مدد لینا چاہے گی؟ میرا خیال ہے، نہیں۔ وہ انہیں خطرے میں نہیں ڈالنا چاہے گی۔ ان کے سامنے ایک راستہ تو یہ ہے کہ وہ پولیس کے پاس چلی جائیں۔ لیکن پولیس ان کی کہانی سن کر صرف مذاق اڑا سکتی ہے ان کا۔ تو پھر ان کا اگلا قدم کیا ہوگا؟'' اس نے آنکھیں بند کیں اور چند لمحے سوچنے کے بعد بولا۔ ''انہوں نے شہر سے نکلنے کے ہر امکان پر غور کیا ہوگا۔ لیکن وہ جانتی ہیں کہ ہم نے ان کا ہر راستہ بند کررکھا ہے۔ اب بتاؤ، کیا کہتے ہو؟''

''میں...... میں...... جو تم کہو، وہی ٹھیک ہے ٹیمز۔''

''اب رہ گئے صرف ہوٹل۔ انہیں چھپنے کے لئے کوئی ہوٹل درکار ہے۔ لیکن کیسا ہوٹل؟ وہ دو عورتیں ہیں جو اپنی بقا کی جدوجہد میں الجھی ہیں۔ وہ جانتی ہیں کہ ہمارے تعلقات وسیع ہیں اور ہم انہیں ڈھونڈ نکالیں گے۔ تمہیں برلن میں سونجا وربرگ کا معاملہ یاد ہے؟ اسے ہم نے اس کمپیوٹر میسج کے ذریعے پھنسایا تھا۔ وہ ایک ایسے ہوٹل کی طرف لپکی، جو صرف عورتوں کیلئے تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ وہاں محفوظ رہے گی۔ میرا خیال ہے، ان دونوں عورتوں کے سوچنے کا بھی یہی انداز ہوگا اب بتاؤ، کچھ سمجھ میں آیا؟''

لیکن اینڈریو کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ سو چکا تھا۔ ٹیمز اس کی طرف بڑھا اور غصے سے اس کے گالوں پر تھپڑ برسا دیئے۔ اینڈریو ایک جھٹکے سے جاگا۔ ''کک...... کیا...... کیا بات......''

''میں جب تم سے بات کروں تو میری طرف پوری توجہ دیا کرو احمق۔'' ٹیمز غرایا۔

''سوری ٹیمز۔ وہ تو بس...... مجھے نیند......''

ٹیمز کمپیوٹر کی طرف مڑا۔ ''اب ہم دیکھتے ہیں کہ مین ہٹن میں عورتوں کے ہوٹل کتنے ہیں؟''

ٹیمز نے انٹرنیٹ پر چیک کیا اور فہرست کا پرنٹ آؤٹ نکالا۔ پھر وہ بلند آواز میں پڑھنے لگا۔ ''ایل کارمیلو، ویسٹ 14 ویں اسٹریٹ پر ہے۔ سینٹر ماریا ویسٹ 54 ویں اسٹریٹ پر ہے۔ پارک سائیڈ گریمرسی ساؤتھ پر ہے اور وہیں ولٹن ہوٹل ہے۔'' اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور مسکرایا۔ ''منطق مجھے بتاتی ہے کہ وہ انہی میں سے کسی ہوٹل میں ہوں گی۔ اب دیکھتے ہیں کہ ٹیکنالوجی اس سلسلے میں کیا کہتی ہے۔''

دیوار پر لینڈ اسکیپ کی ایک پینٹنگ آویزاں تھی۔ ٹیمز اس کی طرف بڑھا۔ اس نے تصویر کے عقب میں ایک بٹن دبایا۔ دیوار کا ایک حصہ ہٹ گیا اور ایک ٹی وی اسکرین نمودار ہوگیا۔ اس پر مین ہٹن کا کمپیوٹرائزڈ نقشہ تھا۔

''اینڈریو تمہیں یاد ہے کہ یہ کیا ہے؟'' ٹیمز نے کہا۔ ''تم اسے استعمال کرتے تھے۔ بلکہ میں تو کہوں گا کہ تم اس کے استعمال میں ماہر تھے اور میں تم سے جلتا تھا۔ یہ گلوبل پوزیشننگ سسٹم ہے۔ اس کی مدد سے ہم دنیا میں کہیں بھی کسی کو تلاش کرسکتے ہیں۔ یاد ہے؟''

اینڈریو نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ نیند سے لڑنے میں مصروف تھا۔

''دونوں عورتیں میرے آفس سے نکلیں تو میں نے ان دونوں کو الگ الگ اپنا وزیٹنگ کارڈ دیا۔ اس کارڈ میں ریت کے ذرے جتنی مائیکرو ڈوٹ کمپیوٹر چپ موجود ہے۔ وہ چپ سیٹلائٹ سے سگنل اٹھاتی ہے اور جب ہم گلوبل پوزیشننگ سسٹم کو ایکٹی ویٹ کرتے ہیں تو ہدف کی درست لوکیشن ہمیں معلوم ہوجاتی ہے۔''

وہ اپنے بھائی کی طرف مڑا۔ ''تم سمجھ رہے ہونا؟''

''ہاں...... ہاں...... ٹیمز...... میں......''

ٹیمز دوبارہ اسکرین کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اس نے ایک اور بٹن دبایا۔ نقشے پر ایک روشنی چمکی اور نیچے کی سمت حرکت کرنے لگی۔ ایک چھوٹے علاقے میں پہنچ کر اس کی رفتار کم ہوئی۔ مگر پھر وہ دوبارہ تیز چلنے لگی۔ سرخ رنگ کا وہ روشن نقطہ ایک سڑک پر پہنچا، جس کے کنارے کاروباری مراکز کے نام تحریر تھے۔

''یہ ویسٹ چودہویں اسٹریٹ ہے۔'' ٹیمز نے اشارہ کیا۔ سرخ روشن نقطہ بدستور متحرک تھا ''یہ ٹیکولا ریسٹورنٹ ہے...... یہ سینٹ ونسنٹ ہاسپٹل، یہ بنانا ری پبلک...... یہ چرچ...... اور آہا...... یہ آ گیا ولٹن ہوٹل فار وی مین۔ میری منطق کی تائید ہوگئی۔ دیکھا تم نے، میرا اندازہ درست تھا۔''

(جاری ہے)

دجال

اینڈریو اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ ''ہاں.... تم نے ٹھیک کہا تھا۔''

ٹیز نے اینڈریو کو دیکھا۔ ''اب تم جاؤ۔'' اس نے اپنا موبائل فون اٹھایا اور نمبر ملایا۔ ''مسٹر فلنٹ، وہ دونوں ویسٹ 34 ویں اسٹریٹ پر ولٹن ہوٹل میں موجود ہیں۔''

''تم انٹرسٹڈ ہو میڈ بلین؟''

''ہاں'' بہت زیادہ۔ لیکن میں فوری طور پر جوائن نہیں کر سکتی۔''

''ٹیز کے چہرے کا تاثر بدل گیا'' کیا مطلب؟''

''میں ماں بننے والی ہوں نا۔''

ٹیز مسکرایا ''کوئی پروا نہیں۔ ہم ہر طرح سے مدد کریں گے۔''

''لیکن میرے جوائن نہ کر سکنے کی ایک وجہ اور بھی ہے۔'' میڈ بلین اسمتھ نے کہا۔ ''میں اپنی لیب میں ایک اہم پروجیکٹ پر کام کر رہی ہوں۔ تجربہ تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ بس تھوڑا سا کام باقی ہے....''

''مجھے تمہارے اس تجربے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں میڈ بلین اور نہ ہی مجھے اس کی کوئی پروا ہے۔ لیکن میری پیشکش تمہیں فوری طور پر قبول کرنی ہے۔ بلکہ میں تو یہ امید کر رہا تھا کہ تمہیں اور تمہارے شوہر کو اپنے ساتھ ہی امریکا لے جاؤں گا۔''

''میں پروجیکٹ مکمل ہوتے ہی آ جاؤں گی۔ چھ ماہ.... زیادہ سے زیادہ ایک سال لگے گا۔''

ٹیز ایک لمحہ خاموش رہا۔ پھر بولا۔ ''فوری طور پر جوائن کرنے کی کوئی ضرورت نہیں؟''

''نہیں۔ دراصل اس تجربے کی میں انچارج ہوں۔ کام ادھورا چھوڑ کر نکلنا مناسب نہیں۔ ہاں، اگلے سال....''

''ٹھیک ہے۔'' ٹیز مسکرایا۔

''مجھے افسوس ہے کہ میں اتنے طویل سفر کے بعد فی الحال آپ کو خالی ہاتھ لوٹا رہی ہوں۔''

ٹیز گرم جوشی سے مسکرایا ''کوئی بات نہیں میڈ بلین۔ میں تم سے مل لیا، یہ بھی کم نہیں۔''

''آپ بہت مہربان ہیں مسٹر ٹنکیلے۔''

''ارے ہاں۔ میں تمہارے لئے ایک تحفہ لایا تھا۔ میرا ملازم مسٹر ہیری فلنٹ وہ تحفہ شام چھ بجے تمہارے اپارٹمنٹ میں پہنچا دے گا۔''

..................xxx..................

اگلی صبح میڈ بلین اسمتھ کی لاش اس کے اپارٹمنٹ میں کچن کے فرش پر ملی، اوون کھلا رہ گیا تھا اور پورے اپارٹمنٹ میں گیس بھری ہوئی تھی۔

..................xxx..................

ٹیز پھر حال میں واپس آ گیا۔ ہیری فلنٹ نے اب تک کبھی اسے مایوس نہیں کیا تھا۔ ڈیانا اسٹیونز اور کیلی ہیرس سے چھٹکارا پانے میں بھی اسے زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ اور وہ ٹھکانے لگ گئیں تو پروجیکٹ دوبارہ شروع ہو جائے گا۔

..................xxx..................

ولٹن ہوٹل میں ہیری فلنٹ استقبالیہ ڈیسک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ''ہیلو۔'' اس نے کلرک سے کہا۔

''ہیلو.... میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں۔'' کلرک اس کی مسکراہٹ سے دھوکا کھا گئی۔

''میری بیوی ڈیانا اسٹیونز اور اس کی کیلی ابھی کچھ دیر پہلے یہاں آئی ہیں۔ میں انہیں سرپرائز دینا چاہتا ہوں اوپر جا کر۔ ان کا نمبر تو بتاؤ۔''

''سوری مسٹر، یہ ہوٹل صرف عورتوں کیلئے ہے۔ مردوں کو اوپر جانے کی اجازت نہیں۔ ہاں اگر تم فون کرنا چاہو تو....''

ہیری فلنٹ نے ادھر ادھر دیکھا۔ بدقسمتی سے لابی میں بہت ہجوم تھا۔ ''چھوڑو۔ میرا خیال ہے، کچھ دیر بعد وہ نیچے آ ہی جائیں گی۔''

فلنٹ نے باہر نکل کر موبائل فون پر نمبر ملایا۔ ''وہ دونوں اوپر اپنے کمرے میں ہیں مسٹر ٹنکیلے۔'' اس نے کہا۔ ''اور میں اوپر نہیں جا سکتا۔''

ٹیز چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ ''مسٹر فلنٹ، منطق مجھے بتاتی ہے کہ بالآخر وہ الگ ہونے کا فیصلہ کریں گی۔ میں کارلو کو تمہاری مدد کیلئے بھیج رہا ہوں۔ اب میرا منصوبہ غور سے سنو....''

..................xxx..................

اوپر اپنے سوئٹ میں کیلی نے ریڈیو پر پاپ میوزک کا ایک اسٹیشن لگایا اور کمرا موسیقی سے بھر گیا ''یہ خرافات تم کیسے برداشت کر رہی ہو۔'' ڈیانا نے چڑچڑے پن سے کہا۔

''تمہیں اچھا نہیں لگتا پاپ میوزک؟''

''یہ میوزک ہے ہی نہیں۔ یہ تو واویلا ہے۔''

''تو یہ سمجھ لو کہ مجھے واویلا پسند ہے۔'' کیلی نے کہا۔

ڈیانا نے بڑھ کر ریڈیو بند کر دیا۔

''یہ بتاؤ مسز اسٹیونز کہ جب کوئی ہوٹل نہیں بچے گا تو ہم کیا کریں گے؟'' کیلی نے کہا۔ ''یہاں تمہارا کوئی جاننے والا ایسا نہیں جو ہماری مدد کرے۔''

ڈیانا نے نفی میں سر ہلایا۔ ''رچرڈ کے بیشتر دوست کے آئی جی میں کام کرتے ہیں۔ اور جو میرے دوست ہیں، میں انہیں اپنے ساتھ اتنی بڑی مصیبت میں نہیں پھنسانا چاہتی۔ تم اپنی کہو۔''

کیلی نے کندھے جھٹک دیئے۔ ''میں اور مارک تو تین سال سے پیرس میں ہیں۔ یہاں ہمارا کوئی جاننے والا ہے ہی نہیں۔''

''مارک نے کچھ بتایا تھا کہ وہ واشنگٹن کیوں جا رہا ہے؟''

''نہیں۔''

''رچرڈ نے بھی مجھے کچھ نہیں بتایا تھا۔ مگر میرا خیال ہے کہ اس کا ان دونوں کے قتل سے گہرا تعلق ہے۔''

''چلو۔ چابی تو ہمارے پاس موجود ہے۔ بس دروازہ تلاش کرنا ہے۔''

''وہ بھی مل جائے گا۔'' ڈیانا نے یہ خیال لہجے میں کہا۔ پھر اچانک اس کا چہرہ چمک اٹھا ''ایک منٹ.... مجھے ایک شخص کا خیال آیا ہے، جو ہماری مدد کر سکتا ہے'' یہ کہہ کر وہ فون کی طرف بڑھی۔

''کسے کال کر رہی ہو تم؟''

(جاری ہے)

''رچرڈ کی سیکریٹری کو۔ اسے معلوم ہوگا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔''

دوسری طرف سے ایک آواز ابھری۔''کے آئی جی۔''

''بیٹی بارکر سے بات کرا دیں پلیز۔''

...................xxx...................

اپنے آفس میں ٹیز نے آواز شناخت کرنے والی مشین پر نیلی روشنی چمکتے دیکھی۔ اس نے ایک سوئچ دبایا۔ آپریٹر کی آواز سنائی دی۔

''اس وقت تو مس بارکر اپنی سیٹ پر موجود نہیں ہیں۔''

''مجھے بتائیں، میں کہاں ان سے رابطہ کرسکتی ہوں۔''

''سوری۔ آپ اپنا نام اور فون نمبر لکھوا دیں۔ مس بارکر کو دے......''

''میں پھر فون کرلوں گی۔'' ڈیانا نے ریسیور رکھ دیا۔ نیلی روشنی بجھ گئی!

...................xxx...................

ڈیانا نے کیلی کی طرف دیکھا۔''مجھے لگتا ہے، بیٹی بارکر ہی وہ دروازہ ہے، جس کی ہمیں تلاش ہے۔ مجھے کسی طرح اس سے رابطہ کرنا ہے۔'' وہ کہتے کہتے رکی، اس کے چہرے پر تفکر تھا۔''ارے...... یہ تو عجیب بات ہے......''

''کیا......؟''

''ایک نجومی عورت نے کہا کہ میرے ارد گرد موت ہی موت ہے۔ اور......''

''ارے...... تو تم نے یہ بات ایف بی آئی اور سی آئی اے کو کیوں نہیں بتائیں۔'' کیلی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

ڈیانا نے غصے سے اسے دیکھا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ کیلی اس کے اعصاب پر سوار ہو رہی ہے۔''چھوڑو اس بات، کھانا کھایا جائے۔''

کیلی نے کہا۔''پہلے میں ایک کال کرلوں۔'' اس نے فون اٹھایا اور ہوٹل کے آپریٹر کا نمبر ملایا۔''ہیلو...... رابطہ ملنے پر اس نے کہا۔

''میں پیرس ایک کال کرنا چاہتی ہوں۔'' پھر اس نے نمبر لکھوایا۔

چند لمحے بعد فون کی گھنٹی بجی۔ کیلی نے ریسیور اٹھایا۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔''ہیلو فلپ، کیسے ہو...... یہاں سب ٹھیک ہے۔'' اس نے ڈیانا کو کن انکھیوں سے دیکھا۔

''ہاں...... میں ایک دو دن میں واپس آجاؤں گی۔ انجیلو کیسا ہے...... بہت خوب...... واقعی وہ مس کرتا ہے مجھے؟ ذرا اس کی آواز تو سنوا دیں مجھے......'' پھر اس کا انداز ایسا ہوگیا۔

جیسے وہ کسی ننھے سے بچے سے باتیں کر رہی ہو۔''انجیلو...... کیسے ہو ڈارلنگ۔ میں ماما بول رہی ہوں۔ تم مجھے مس کرتے ہو نا۔ میں بھی تمہیں مس کرتی ہوں۔ بس میں واپس آنے ہی والی ہوں۔ پھر تمہیں خوب لپٹا کر پیار کروں گی......''

ڈیانا غور سے سن رہی تھی، اس کے چہرے پر الجھن تھی۔

''گڈ بائی مائی بے بی۔ اچھا فلپ شکریہ۔ جلد ہی ملاقات ہوگی۔ کیلی نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر وہ ڈیانا کی طرف مڑی۔''میں اپنے کتے سے بات کر رہی تھی۔'' اس نے وضاحت کی۔

...................xxx...................

کمرا ان کی حفاظت گاہ تھا، جس سے وہ نکلنا چاہتی تھیں۔ کھانے اور ناشتے کیلئے وہ روم سروس سے استفادہ کرتی تھیں۔ ان کے درمیان گفتگو بھی کم ہی ہوتی تھی۔ ڈیانا گفتگو کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ لیکن کیلی کے زہریلے جواب اس کی حوصلہ شکنی کرتے تھے۔ اور جب وہ زہریلے جواب نہیں دیتی تھی تو اس کے جواب مختصر ترین ہوتے تھے۔ مثلاً:

''تو تم پیرس میں رہ رہی ہو؟''

''ہاں۔''

''مارک فرانسیسی تھا؟''

''نہیں۔''

''تمہاری شادی کو بہت عرصہ ہوگیا تھا؟''

''نہیں۔''

''تم دونوں کی ملاقات کیسے ہوئی تھی۔''

تم یہ پوچھنے والی کون ہوتی ہو۔ کیلی نے دل میں سوچا۔ مگر اس نے جواب میں کہا۔''مجھے یاد نہیں۔ میں بہت لوگوں سے ملاقات کرتی تھی۔'' ڈیانا اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔''یہ جو تم نے اپنے گرد دیوار کھڑی کر رکھی ہے، اسے گرا کیوں نہیں دیتیں۔''

''تمہیں کس نے بتایا کہ دیواریں لوگوں کو باہر رکھنے کیلئے کھڑی کی جاتی ہیں۔'' کیلی نے سرد لہجے میں کہا۔

''لیکن کبھی کبھی وہ لوگوں کو قید بھی کر دیتی ہیں۔''

''سنو مسز اسٹیونز، تم اپنے کام سے کام رکھو۔ تم سے ملنے سے پہلے میں کافی کامیاب تھی۔ اب میرا پیچھا چھوڑ دو۔''

ڈیانا کو شاک لگا۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے کیلی ہیرس سے زیادہ سرد مہر کسی کو نہیں دیکھا۔

وہ کھانا کھا کے بیٹھی تھیں کہ اچانک کیلی نے کہا۔''میں شاور لوں گی۔''

ڈیانا نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔

باتھ روم میں کیلی شاور کے نیچے کھڑی ہوگئی۔ نیم گرم پانی بے حد خوشگوار لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں ذہن بھٹکتا ہوا ماضی میں چلا گیا......

...................xxx...................

......سام میڈرز کے الفاظ اس کی سماعت میں گونج رہے تھے۔ وہ تم سے دیوانہ وار محبت کرتا ہے اور تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ کیلی جانتی تھی سام ٹھیک کہہ رہا ہے خود کیلی کو مارک کی قربت اچھی لگتی تھی۔ وہ بہت خیال رکھنے والا نرم اور مہربان آدمی تھا۔ مگر وہ اس کیلئے بس ایک اچھا دوست تھا۔

اور یہ اس کے ساتھ زیادتی۔ کیلی نے سوچا۔ مجھے اس سے ملنا چھوڑ دینا چاہئے۔

اگلی صبح مارک نے فون کیا۔''ہیلو کیلی، آج رات کیا پروگرام ہے؟''

(جاری ہے)

''سوری مارک۔ میں...... آج میں مصروف ہوں''

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر مارک نے اٹک اٹک کر کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ تم اور میں...... میرا مطلب ہے، ہم ایک دوسرے کو......''

''نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔'' کیلی نے کہا۔ لیکن اس لمحے اسے خود سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ لگ رہا تھا کہ وہ مارک پر ظلم کر رہی ہے۔

''کوئی بات نہیں۔ میں کل فون کروں گا۔''

اور مارک نے اگلے روز فون کیا۔ '' کیلی...... کیا میں تمہیں کوئی تکلیف...... نادانستگی میں کوئی تکلیف......''

کیلی نے بلا ارادہ کہا ''آئی ایم سوری مارک۔ دراصل مجھے کسی سے محبت ہو گئی ہے''۔ یہ کہہ کر وہ انتظار کرتی رہی۔ وہ اذیت ناک لمحے تھے۔

چند لمحے بعد مارک کی لرزتی ہوئی آواز ابھری '' میں...... میں سمجھتا ہوں۔ مجھے پہلے ہی سمجھ لینا چاہئے تھا۔ میری طرف سے دلی مبارکباد قبول کرو۔ میں تمہاری خوشیوں کیلئے دعا کرتا ہوں۔ پلیز...... میری طرف سے انجلو کو گڈبائی کہہ دینا......''۔

مارک نے ریسیور رکھ دیا تھا۔ لیکن کیلی دیر تک ریسیور ہاتھ میں لئے کھڑی رہی۔ وہ بڑی اذیت میں تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کچھ ہی دنوں میں مارک اسے بھول جائے گا اور پھر اسے کوئی ایسی لڑکی مل جائے گی جو اسے زندگی کی سچی خوشیاں دے سکے گی۔ وہ خوشیاں جن کا مارک مستحق ہے۔

کیلی ہر روز اپنی مصروفیت میں الجھی رہتی۔ وہ مسکراتی ہوئی رن وے پر چلتی۔ لوگ تالیاں بجاتے۔ لیکن وہ اندر سے اداس ہوتی۔ مارک کے بغیر زندگی سونی سونی ہو گئی تھی۔ ہر پل اس کا جی چاہتا کہ وہ مارک کو فون کرے۔ لیکن وہ اس کی مزاحمت کرتی۔ وہ خود کو یاد دلاتی کہ اب یہ ممکن نہیں۔ وہ مارک کو پہلے ہی بہت اذیت پہنچا چکی ہے۔

کئی ہفتے گزر گئے۔ مارک نے بھی اس سے رابطہ نہیں کیا۔ وہ افسردہ تھی کہ مارک اس کی زندگی سے چلا گیا ہے۔ اب تک تو اسے کوئی اچھی سی لڑکی مل گئی ہو گی۔ اور میں مارک کی خوشی میں خوش ہوں۔ وہ بار بار خود سے کہتی۔

اس سنیچر کی شام وہ ایک فیشن شو میں کام کر رہی تھی۔ وہ بے حد شاندار ہال تھا، جہاں تماشائیوں میں پیرس کے معزز ترین لوگ موجود تھے۔ جیسے ہی وہ رن وے پر نمودار ہوئی۔ حسب معمول ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ کیلی کے آگے جو ماڈل تھی وہ شام کا لباس پہنے ہوئے تھی اور اس کے ہاتھوں میں دستانے تھے۔ اچانک آگے والی ماڈل کے ہاتھ سے دستانہ پھسل کر نیچے گرا۔ کیلی کو اس کا احساس دیر سے ہوا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ دستانے پر سے پھسلی اور منہ کے بل گری۔ تماشائیوں کی حیرت بھری آواز سے ہال گونج اٹھا۔ کیلی چند لمحے شرمندگی کے احساس سے شرابور نیچے گری رہی۔ بڑی مشکل سے اس نے خود کو رونے سے باز رکھا۔ چند لمحے بعد وہ اٹھی اور کیٹ واک سے پلٹ کر بھاگی۔

وہ ڈریسنگ روم میں پہنچی تو وارڈ روب مسٹریس نے کہا '' یہ رہا آپ کا ایوننگ گاؤن......''۔

مگر کیلی بری طرح سسک رہی تھی '' میں اب ان لوگوں کے سامنے نہیں جا سکتی۔ وہ...... مجھ پر ہنسیں گے...... میرا مذاق اڑائیں گے'' دیکھتے ہی دیکھتے اس کا انداز ہسٹریائی ہو گیا۔ '' اب میں کبھی کیٹ واک پر نہیں چل سکوں گی''۔ وہ چلائی '' میرا کیریئر ختم ہو گیا''۔

'' ایسی کوئی بات نہیں''۔ کسی نے کہا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ دروازے میں مارک کھڑا تھا۔ '' مارک...... تم...... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''۔

'' میں...... تو بس وقت گزاری کرتا پھر رہا ہوں''۔

'' تم نے دیکھا...... مجھے گرتے ہوئے دیکھا؟''۔

مارک مسکرایا '' میں تو اسے شاندار ہی کہوں گا۔ مجھے خوشی ہے کہ یہ واقعہ پیش آیا''۔

کیلی اسے گھور رہی تھی '' کیا...... کیا کہہ رہے ہو؟''۔

وہ آگے بڑھا، اس نے جیب سے رومال نکالا اور اس کے آنسو پونچھ دیئے۔ '' کیلی...... جب تم کیٹ واک پر آئیں تو تماشائیوں کے نزدیک تم محض ایک خوب صورت خواب تھیں، جسے بس دیکھا ہی جا سکتا ہے، جسے چھونا ممکن نہیں۔ لیکن جب تم پھسل کر گریں تو ثابت ہوا کہ تم انسان ہو...... جیتی جاگتی عورت۔ اور سبھی نے تمہارے لئے محبت محسوس کی۔ اب تم دوبارہ جاؤ گی تو وہ سب خوش ہوں گے''۔

کیلی نے مارک کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہاں ہمدردی اور محبت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس لمحے کیلی نے جان لیا کہ وہ مارک سے محبت کرتی ہے...... گہری سچی محبت!۔

وارڈ روب مسٹریس ایوننگ گاؤن کو دوبارہ لٹکا رہی تھی۔ کیلی نے اسے پکارا '' لاؤ...... یہ مجھے دو پلیز'' پھر مارک کو دیکھتے ہوئے آنسوؤں کے درمیان مسکرائی۔

پانچ منٹ بعد کیلی دوبارہ کیٹ واک پر آئی تو تماشائیوں نے کھڑے ہو کر تالیاں بجاتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا۔ کیلی نے جان لیا کہ مارک نے سچ کہا تھا۔ کسی نے اس کا مذاق نہیں اڑایا۔ سب کے انداز میں محبت تھی۔

اور اس نے جان لیا کہ اس کی زندگی میں مارک کا دوبارہ آنا بے حد مبارک ہے۔

اسے یاد تھا کہ اس دوسرے عہد کی ابتدا میں وہ کتنی نروس تھی......

اب کیلی اعصابی کشیدگی میں مبتلا تھی۔ وہ منتظر تھی کہ اب مارک اس کی طرف جسمانی پیش قدمی ضرور کرے گا۔ لیکن مارک ہر اعتبار سے شریف النفس انسان تھا طبعاً شرمیلا تھا، اس کے شرمیلے پن نے کیلی کو اعتماد بخشا۔ زیادہ تر گفتگو کیلی ہی کرتی تھی۔

(جاری ہے)

اور موضوع کوئی بھی ہو، اسے پتا چلتا تھا کہ مارک اس کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتا ہے۔

ایک شام کیلی نے مارک کو ایک کنسرٹ کے بارے میں بتاتے ہوئے پوچھا۔ ''مارک...... تمہیں کلاسیکی موسیقی سے دلچسپی ہے''۔

''اس کا تو میں پیدائشی عاشق ہوں''۔

''بس تو ہم اس پروگرام میں چلیں گے''۔

کنسرٹ کے بعد مارک کیلی کو چھوڑنے اس کے اپارٹمنٹ آیا ''کیلی...... میں نے تم سے جھوٹ کہا تھا''۔ اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

کیلی نے سوچا، مجھے پہلے ہی سمجھ لینا چاہئے تھا۔ یہ بھی دوسرے مردوں کی طرح ہے۔ چلو، کھیل ختم ہوا۔ ''کیا واقعی......؟''

''ہاں۔ میں کلاسیکی موسیقی کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا''

خود کو ہنسنے سے روکنے کیلئے کیلی نے اپنے ہونٹ چبا ڈالے......

............x............

پانی ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ کیلی نے چونک کر شاور کو بند کر دیا۔ تولئے سے جسم خشک کرنے کے بعد وہ کپڑے پہن کر باہر چلی آئی۔ ''لو بھئی، اب باتھ روم تمہارا ہے''۔ اس نے ڈیانا سے کہا۔

''شکریہ''۔

ڈیانا باتھ روم میں گئی تو دیکھا کہ وہاں کا حال بہت برا ہو رہا ہے۔ لگتا تھا، کوئی شریر بچہ ابھی وہاں سے نہا کر نکلا۔ دور دور تک پانی کے چھینٹے اور صابن کے جھاگ پھیلے ہوئے تھے۔

ڈیانا غصے سے پاؤں پٹختی ہوئی بیڈروم میں آئی۔ ''باتھ روم کا کیا حشر کر کے آئی ہو تم؟ تم کیا لوگوں سے نخرے اٹھوانے کی عادی ہو؟''۔

''ہاں مسز اسٹیونز''۔ کیلی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''کئی کئی خادمائیں میرا خیال رکھتی ہیں''۔

''میں ان میں سے نہیں ہوں''۔ ڈیانا نے بھنا کر کہا۔ ''اب بہتر ہوگا کہ ہم......''۔

''یہ ہم کیا بلا ہے۔ یہاں تم ہو اور میں ہوں......''۔

ڈیانا چند لمحے اسے گھورتی رہی۔ پھر باتھ روم میں چلی گئی۔ پندرہ منٹ بعد وہ نہا کر آئی تو کیلی بیڈ میں تھی۔ ڈیانا نے روشنی گل کرنے کیلئے سوئچ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو کیلی چلائی ''خبردار جو اسے چھوا''۔

''کیوں...... کیا ہو گیا؟''۔ ڈیانا نے گھبرا کر پوچھا۔

''لائٹ آف مت کرنا''۔

''کیوں...... تمہیں اندھیرے سے ڈر لگتا ہے؟''۔ ڈیانا کے لہجے میں حقارت تھی۔

''ہاں...... ہاں...... میں دوبارہ سے اندھیرے سے ڈرنے لگی ہوں''۔ کیلی نے کہا۔ یہ سچ تھا۔ مارک کی موت کے بعد وہ پھر اندھیرے سے ڈرنے لگی تھی۔

''تمہارے والدین تمہیں ڈراؤنی کہانیاں سنایا کرتے تھے؟'' اب ڈیانا کے لہجے میں ہمدردی تھی۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر کیلی نے کہا۔ ''ہاں''۔

ڈیانا اپنے بیڈ پر چلی گئی۔ ایک منٹ وہ لیٹی رہی۔ پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ رچرڈ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اوہ رچرڈ...... میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ دل ٹوٹنے سے کوئی مر بھی سکتا ہے۔ مگر اب میں یہ بات سمجھ سکتی ہوں۔ مجھے تمہاری اور تمہاری محبت کی ضرورت ہے رچرڈ۔

اپنے بستر پر دراز کیلی نے ڈیانا کی سسکیاں سنیں تو اس کے ہونٹ بھنچ گئے۔ شٹ اپ...... شٹ اپ...... وہ ہونٹ بھینچ کر زیر لب دہراتی رہی۔ لیکن اس کی اپنی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

............x............

ڈیانا صبح اٹھی تو کیلی کرسی پر بیٹھی تھی۔ اس کا رخ دیوار کی طرف تھا۔ ''گڈ مارننگ''۔ اس نے کہا۔ ''تمہیں نیند ٹھیک تو آئی نا؟''

کوئی جواب نہیں ملا۔

''اب ہمیں اپنے اگلے قدم کے بارے میں سوچنا ہوگا۔ ہم یہاں زندگی تو نہیں گزار سکتے''۔

اس بار بھی کوئی جواب نہیں تھا۔

ڈیانا نے جھنجلا کر کہا۔ ''کیلی...... تم سن رہی ہو؟''

کیلی نے گھوم کر اسے دیکھا۔ ''ڈسٹرب نہیں کرو۔ میں منتر پڑھ رہی ہوں''۔

''اوہ سوری...... مجھے معلوم نہیں تھا......''

''بھول جاؤ اس بات کو۔ تمہیں کسی نے نہیں بتایا کہ تم بہت خطرناک خراٹے لیتی ہو؟''

ڈیانا کو جھٹکا لگا۔ شادی کے بعد پہلی صبح رچرڈ نے اس سے یہ بات کہی تھی۔ لیکن پیرایہ مختلف تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اسے ان میں نغمگی اور موسیقیت محسوس ہوتی ہے۔

کیلی نے اٹھ کر ٹی وی آن کر دیا۔ پھر وہ چینل تبدیل کرنے لگی۔ ایک نیوز چینل پر وہ رکی۔ شو کا میزبان بین رابرٹس تھا۔ ''اوہ...... یہ تو بین ہے''۔ اس نے بے ساختہ کہا۔

''کون بین؟''

''بین رابرٹس...... نیوز پڑھتا ہے اور انٹرویو لیتا ہے۔ اس فیلڈ میں مجھے بس یہی اچھا لگتا ہے''۔ (جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

اس کی مارک سے بڑی گہری دوستی تھی۔ایک دن......‘‘وہ کہتے کہتے رک گئی۔ جین رابرٹس کہہ رہا تھا۔’’......تازہ ترین خبر یہ ہے کہ مافیا کا چیف انتھونی آلٹیری جو گزشتہ دنوں قتل کے ایک مقدمے میں باعزت بری کیا گیا تھا، آج صبح انتقال کر گیا۔اسے کینسر تھا۔اس کی......‘‘

کیلی ڈیانا کی طرف مڑی۔’’سنا تم نے۔آلٹیری مر گیا۔‘‘

ڈیانا کے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔اس نے کیلی سے کہا۔’’اب بہتر ہوگا کہ تم اور میں الگ ہو جائیں۔ہم ساتھ رہیں گے تو ان کے لئے ہمیں ڈھونڈنا آسان ہوگا۔‘‘

’’ٹھیک کہہ رہی ہو۔یہ منصوبہ تمہارا زبردست ہے۔‘‘کیلی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

’’اب ہمیں یہاں سے نکلنا چاہئے۔‘‘

لابی میں بہت ہجوم تھا۔خواتین کے ایک کنونشن میں شریک ہونے والی عورتیں اور کنونشن کی چھ سات مہمان عورتیں چیک آؤٹ کر رہی تھیں۔کیلی اور ڈیانا بھی قطار میں لگ گئیں۔

باہر موجود ہیری فلنٹ لابی پر نظر رکھے ہوئے تھا۔اس نے انہیں دیکھ لیا۔اس نے ایک طرف ہٹتے ہوئے اپنے موبائل فون پر ٹینر کنگسلے کا نمبر ملایا۔وہ دونوں لابی میں آ گئی ہیں جناب۔‘‘

’’گڈ۔کاربالو وہاں موجود ہے نا مسٹر فلنٹ؟‘‘

’’جی ہاں‘‘۔

’’بس تو جیسا میں نے کہا ہے، ویسا ہی کرو۔ہوٹل کے دروازے کو دونوں جانب سے کور کرو۔یوں وہ کسی طرف بھی جائیں، بچ نہیں سکیں گی۔میں چاہتا ہوں، وہ اس طرح غائب ہوں کہ کسی کو ان کا سراغ بھی نہ ملے۔‘‘

کیلی اور ڈیانا کی باری آئی تو کلرک انہیں دیکھ کر مسکرائی۔’’مجھے امید ہے، آپ کا یہاں قیام خوش گوار ثابت ہوا ہوگا۔‘‘

’’بےحد خوش گوار۔‘‘ڈیانا نے کہا اور دل میں سوچا، یہ خوش گواریت کم تو نہیں کہ ہم اب بھی زندہ ہیں۔

کاؤنٹر سے نمٹ کر وہ دروازے کی طرف بڑھیں۔’’تم کہاں جاؤ گی مسز اسٹیونز؟‘‘کیلی نے ڈیانا سے پوچھا۔

’’کچھ پتا نہیں۔فی الحال تو مجھے مین ہٹن سے نکلنا ہے۔تم اپنی سناؤ۔‘‘

کیلی نے دل میں سوچا، فی الحال تو تم سے دور ہونا ہے۔’’میں پیرس واپس جاؤں گی۔‘‘اس نے کہا۔

باہر نکل کر انہوں نے ادھر ادھر دیکھا۔فٹ پاتھ پر راہ گیروں کا ہجوم تھا۔سب کچھ نارمل لگ رہا تھا۔’’گڈ بائی مسز اسٹیونز۔‘‘کیلی نے پُرطمانیت لہجے میں کہا۔وہ خوش تھی کہ ڈیانا سے جان چھوٹ رہی ہے۔اس کے ملنے کے بعد سے اب تک اسے خطرات اور مصائب کے سوا کچھ نہیں ملا تھا۔

’’گڈ بائی کیلی۔‘‘

کیلی بائیں جانب مڑی اور کارنر کی طرف چل دی۔ڈیانا چند لمحے اسے جاتا دیکھتی رہی۔پھر وہ دائیں جانب مڑی اور اس کی مخالف سمت میں چل دی۔ابھی وہ دس بارہ قدم ہی چلی ہوں گی کہ دونوں سمتوں سے انہیں ہیری فلنٹ اور ونس کاربالو اپنی طرف آتے دکھائی دیئے۔کاربالو کے چہرے پر سفاکی تھی اور فلنٹ کے ہونٹوں پر ہمیشہ چپکی رہنے والی مسکراہٹ۔وہ مخالف سمتوں سے راہ گیروں کے درمیان جگہ بناتے ہوئے اپنے اپنے شکار کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ڈیانا اور کیلی گھبرائیں اور انہوں نے پلٹ کر ایک دوسری کو دیکھا۔انہیں گھیر لیا گیا تھا۔وہ دونوں پلٹیں اور ہوٹل کے دروازے کی طرف واپس چلیں۔لیکن دروازے پر اتنا ہجوم تھا کہ انہیں ہوٹل کی لابی میں داخل ہونے کا موقعہ نہیں ملا۔ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں جائیں۔قاتل ان سے قریب تر ہوتے جا رہے تھے۔

کیلی ڈیانا کو دیکھ رہی تھی۔پھر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ ڈیانا نے پہلے فلنٹ کو دیکھ کر اور پھر دوسرے آدمی کو دیکھ کر گرم جوشی سے ہاتھ لہرایا۔’’تم پاگل ہو گئی ہو؟‘‘کیلی نے سرگوشی میں کہا۔

ڈیانا اب بھی مسکرا رہی تھی۔پھر اس نے اپنا موبائل فون نکالا اور فون پر زور زور سے باتیں کرنے لگی۔’’ہم ہوٹل کے سامنے ہیں...... ارے گڈ......تم کارنر پر ہو۔واہ وہ ہنسی اور اس نے کیلی کو دیکھتے ہوئے انگلیوں سے وکٹری کا نشان بنایا۔’’وہ ابھی ایک منٹ میں یہاں پہنچ رہے ہیں۔‘‘اس نے بلند آواز میں کہا۔پھر ایک طرف فلنٹ اور دوسری طرف کاربالو کو دیکھتے ہوئے فون پر بلند آواز میں بولی۔’’نہیں نہیں......وہ صرف دو ہیں۔‘‘چند لمحے جیسے وہ دوسری طرف کی گفتگو سنتی رہی۔پھر ہنستے ہوئے بولی۔’’ٹھیک ہے۔وہ یہاں پہنچ گئے ہیں......او کے۔‘‘

کیلی اور دونوں قاتل ڈیانا کو دیکھ رہے تھے۔ڈیانا فٹ پاتھ سے سڑک پر اتری اور آنے والی کاروں کو متلاشی نظروں سے دیکھنے لگی۔پھر وہ دور سے آتی ہوئی ایک کار کو اشارہ کرنے لگی۔اس کے انداز میں جوش و خروش تھا۔

فلنٹ اور کاربالو کے انداز میں الجھن تھی۔ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

ڈیانا نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا۔’’یہ رہے وہ دونوں۔‘‘وہ اور جوش سے ہاتھ ہلانے لگی۔’’یہی ہیں وہ دونوں۔‘‘

فلنٹ اور کاربالو نے ایک دوسرے کو دیکھا اور بڑی سرعت سے متفقہ فیصلہ کیا۔وہ دونوں پلٹے اور اس طرف بھاگے، جہاں سے آئے تھے۔لمحوں میں دونوں مخالف سمتوں میں کارنر گھوم گئے۔

کیلی کا دل سینے میں دھڑ دھڑ کر رہا تھا۔اس نے ڈیانا کو دیکھا اور بولی۔’’وہ تو بھاگ گئے۔تم کس سے باتیں کر رہی تھیں؟‘‘

ڈیانا نے گہری سانس لیکر خود کو سنبھالا۔’’کسی سے بھی نہیں۔میرے موبائل کی تو بیٹری بھی چارج نہیں ہوئی ہے۔‘‘

کیلی نگاہوں میں حیرت اور ستائش لئے اسے دیکھ رہی تھی۔’’تم نے تو کمال کر دیا۔یہ خیال مجھے کیوں نہیں آیا۔‘‘

’’اگلی بار تم کمال دکھا دینا۔‘‘ڈیانا نے خشک لہجے میں کہا۔

’’اب کیا کرو گی؟‘‘

’’مین ہٹن سے نکلو گی۔‘‘

’’کیسے؟ باہر نکلنے کے ہر راستے کی وہ نگرانی کر رہے ہوں گے۔‘‘

ڈیانا چند لمحے سوچتی رہی۔پھر بولی۔’’ہم بروک لین کے راستے نکل سکتے ہیں۔‘‘

’’گڈ۔تو جاؤ۔‘‘کیلی نے کہا۔

’’کیا مطلب؟‘‘

’’مطلب یہ کہ میں تمہارے ساتھ نہیں چل رہی ہوں۔‘‘

’’ٹھیک ہے۔خدا حافظ۔‘‘ڈیانا نے گزرتی ہوئی ایک ٹیکسی کو روکا اور اس میں بیٹھنے لگی۔کیلی سوچ رہی تھی کہ اس وقت وہ ایک اجنبی سڑک پر اکیلی کھڑی ہے اور اسے نہیں معلوم کہ جانا کہاں ہے۔ٹیکسی آگے بڑھنے لگی تو اس کی ہچکچاہٹ ختم ہو گئی۔’’اے رکو......‘‘اس نے پکارا۔

ٹیکسی رکی تو وہ اس کی طرف لپکی اور دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔’’کیا ہوا؟ تم نے ارادہ کیوں بدل دیا؟‘‘ڈیانا نے اس سے پوچھا۔

’’مجھے اچانک خیال آیا کہ ابھی تک میں بروک لین دیکھ ہی نہیں سکی ہوں۔‘‘کیلی نے بات بنائی۔

ڈیانا نے بےیقینی سے سر جھٹکا۔لیکن کہا کچھ نہیں۔

’’کہاں لے چلوں آپ کو؟‘‘ٹیکسی ڈرائیور نے پوچھا۔

’’بروک لین چلو۔‘‘ڈیانا نے کہا۔

ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔’’کوئی خاص جگہ بروک لین میں؟‘‘

’’بس تم چلاتے رہو۔‘‘

اس بار کیلی نے ڈیانا کو بےیقینی سے دیکھا۔’’تمہیں نہیں معلوم کہ ہمیں کہاں جانا ہے!‘‘

’’جب وہ جگہ نظر آئے گی تو مجھے معلوم ہو جائے گا۔‘‘

کیلی اب سوچ رہی تھی کہ میں خوامخواہ ٹیکسی کی طرف آئی۔

(جاری ہے)

وہ دونوں خاموش بیٹھی تھیں۔بیس منٹ بعد ٹیکسی بروک لین کا پل پار کر رہی تھی۔ڈیانا نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔''دراصل ہمیں کسی ہوٹل کی تلاش ہے اور مجھے یہاں کے بارے میں بالکل اندازہ نہیں......''

''آپ فکر نہ کریں۔میں آپ کو لے چلتا ہوں۔اس ہوٹل کا نام ہیراگون ہوٹل ہے۔پسند آئے گا آپ کو۔''

دو دن میں انہوں نے چار ہوٹل تبدیل کئے۔اب وہ ایڈمز ہوٹل میں تھیں۔وہ پانچ منزلہ عمارت تھی۔دروازے پر دربان موجود تھا۔یہ ہوٹل انہیں دوسرے ہوٹلوں کے مقابلے میں کہیں بہتر لگا۔لیکن کیلی کا منہ پھولا ہوا تھا۔

دربان نے بڑے احترام سے سر جھکا کر ان کا خیر مقدم کیا۔''آپ قیام کریں گی؟''

''ہاں''۔ڈیانا نے جواب دیا۔

''آپ کا سامان؟''

اس وقت تک ڈیانا خاصی رواں ہو چکی تھی۔''ایئر لائن والوں نے ہمارا سامان گم کر دیا ہے۔''وہ بولی۔''یہاں قریب میں کوئی ایسا بازار ہے، جہاں سے ہم اپنی ضرورت کی چیزیں خرید سکیں؟''

''جی......اس بلاک کے آخر میں ملبوسات کی ایک بڑی دکان ہے۔لیکن بہتر ہے، آپ پہلے کمرا لے لیں۔پھر وہ آپ کا خریدا ہوا سامان خود یہاں بھجوا دیں گے۔''

''چلو......ٹھیک ہے۔کمرا تو مل جائے گا نا؟''

''جی ہاں۔سال کے اس حصے میں رش نہیں ہوتا۔''

وہ اندر گئیں۔استقبالیہ کلرک نے انہیں بھرنے کیلئے رجسٹریشن فارم دیئے کیلی نے دستخط کرتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔''ایملی برونٹے۔''

ڈیانا نے کلرک کے چہرے کو ٹٹولا۔مگر وہاں کوئی ردعمل نہیں تھا۔اس کا مطلب تھا کہ اس نے مشہور زمانہ ادیبہ کا نام کبھی نہیں سنا تھا۔

اس نے اپنے فارم پر اپنا نام میری کسات تحریر کر دیا۔

کلرک نے فارم لیتے ہوئے پوچھا۔''آپ کریڈٹ کارڈ سے ادائیگی کریں گی؟''

''جی ہاں، ہم......''

''نہیں''۔ڈیانا نے جلدی سے کیلی کی بات کاٹ دی۔

کیلی نے ہچکچاتے ہوئے اسے دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

''آپ کا سامان؟''کلرک نے پوچھا۔

''کچھ دیر بعد پہنچے گا''۔ڈیانا نے کہا۔''ہم کچھ دیر بعد واپس آئیں گے۔''

''آپ کا سوئٹ نمبر 515 ہے۔''

وہ دونوں ہوٹل سے نکلیں۔کلرک انہیں بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔''دو نہایت حسین عورتیں اور تنہا۔افسوس......صد افسوس۔''وہ بڑبڑایا۔

دکان کافی بڑی تھی اور وہاں خواتین کیلئے ہر طرح کے ملبوسات، ہینڈ بیگ اور سوٹ کیس دستیاب تھے۔کیلی نے دکان کا جائزہ لیتے ہوئے طمانیت سے سر ہلایا۔

ایک سیلز گرل، ان کی طرف بڑھی۔''میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں۔''

''ہم خود ہی جائزہ لے لیں گے۔''

ان دونوں نے ایک ایک ٹرالی لی اور اسے دھکیلتی ہوئی آگے بڑھ گئیں۔

ان کے پاس جسم پر موجود کپڑوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔چنانچہ وہ ضرورت کی ہر چیز لے کر اپنی ٹرالی میں ڈالتی رہیں۔دیکھتے ہی دیکھتے ان کی ٹرالیاں بھر گئیں اور چھلکنے لگیں۔''میں آپ کی مدد کروں......؟''سیلز گرل نے پوچھا۔

''شکریہ۔''انہوں نے دوسری ٹرالیاں پکڑ لیں اور پرانی سیلز گرل کے حوالے کر دیں۔

''اب پتا نہیں، شاپنگ کا موقع کب ملے۔''کیلی نے کہا۔

وہ پھر مصروف ہو گئیں۔وہ شاپنگ ایسی بھرپور تھی کہ اس کے لئے انہیں چار سوٹ کیس خریدنے پڑ گئے۔

وہ ادائیگی کیلئے کاؤنٹر پر گئیں تو کیشیئر نے پوچھا۔''کریڈٹ کارڈ......''

''جی نہیں۔ہم نقد ادائیگی کریں گی۔''ڈیانا نے کیلی کے کچھ کہنے سے پہلے ہی جواب دیا۔

انہوں نے پرس کھولے اور آدھا آدھا بل ادا کیا۔دونوں ایک ہی بات سوچ رہی تھیں۔نقد رقم بہت تیزی سے ساتھ چھوڑ رہی ہے۔

کیلی نے کیشیئر سے کہا۔''ہم ایڈمز ہوٹل میں مقیم......''

''آپ کا سامان وہاں بھجوا دوں؟''کیشیئر نے کہا۔''نام بتایئے......''

کیلی ایک لمحے کو ہچکچائی۔''شارلوٹ برونٹے......''

''ایملی......ایملی برونٹے۔''ڈیانا نے جلدی سے کہا۔

کیشیئر کے چہرے پر الجھن تھی۔وہ ڈیانا کی طرف مڑی۔''اور آپ کا نام......''

(جاری ہے)

کیلی کے چکر میں ڈیانا بھول گئی تھی کہ اس نے ہوٹل میں اپنا کیا نام لکھا تھا۔ اس بار کیلی نے اس کی مدد کی۔ ''میری کسانٹ۔''

''جی...... بہت بہتر۔'' کیشیئر بری طرح گڑبڑا گئی۔ یہ عجیب عورتیں ہیں۔ اپنا نام یاد نہیں اور دوسری کا دونوں کو یاد ہے!

ان کی اگلی منزل کاسمیٹکس کی دکان تھی۔ وہاں بھی انہوں نے دل کھول کر شاپنگ کی۔ وہ ہوٹل پہنچیں تو چاروں سوٹ کیس ان کے کمرے میں موجود تھے۔

''مجھے نہیں معلوم کہ ان میں تمہارے کون سے ہیں اور میرے کون سے؟'' کیلی نے گھبرا کر کہا۔

''کوئی بات نہیں۔ پتا چل جائے گا۔ دیکھو، ممکن ہے ہمیں یہاں ایک ہفتے قیام کرنا پڑے۔'' ڈیانا نے کہا۔

''ٹھیک کہتی ہو۔''

وہ سوٹ کیس خالی کرنے میں مصروف ہوگئیں۔ ہر چیز سلیقے سے رکھ دی گئی۔ پھر ڈیانا بستر پر دراز ہوگئی۔

دروازے پر دستک ہوئی اور ہوٹل کی خادمہ اندر آئی۔ اس کے ہاتھ میں دھلے ہوئے تولیے تھے۔ باتھ روم میں تولیے لٹکا کر وہ باہر آئی تو اس نے کہا۔ ''کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے طلب کر لیجئے گا۔''

''شکریہ۔'' کیلی نے کہا۔

ڈیانا سرہانے رکھے ہوٹل کے بروشر کا جائزہ لے رہی تھی۔ ''تمہیں پتا ہے کہ یہ ہوٹل کب تعمیر ہوا تھا؟'' اس نے کیلی سے پوچھا۔

کیلی نے اس کی سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ ''کپڑے پہنو۔ ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔''

''یہ ہوٹل......''

''میں نے کہا، کپڑے پہنو۔ ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔'' کیلی نے سخت لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔

ڈیانا نے اسے غور سے دیکھا۔ ''مذاق کر رہی ہو؟''

''نہیں۔ جلدی کرو۔ یہاں کوئی خوفناک بات ہونے والی ہے۔'' کیلی کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔

ڈیانا بھی اٹھ بیٹھی۔ ''کیا ہونے والا ہے؟'' اس نے گھبرا کر کہا۔

''یہ تو مجھے نہیں معلوم۔ بس ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔ ورنہ ہم مر جائیں گے۔''

وہ بے حد خوف زدہ تھی۔ لیکن خوف کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ''کیلی...... معقولیت سے بات کرو۔ اگر کوئی......''

''خدا کے لئے ڈیانا، جلدی کرو......'' کیلی گڑگڑائی۔

اس بار ڈیانا اٹھ بیٹھی۔ اس نے جلدی سے کپڑے پہنے۔ ''اور ہمارے سوٹ کیس......؟''

''نہیں۔ سب کچھ چھوڑ دو۔''

''سب چھوڑ دوں؟'' ڈیانا نے کیلی کو حیرت سے دیکھا۔ ''یہ سب کچھ ہم نے ابھی تو خریدا......''

''میں کہتی ہوں، جلدی کرو۔ زندگی سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔''

ڈیانا کی سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا تھا۔ لیکن کیلی کی بات ماننی ہی تھی۔ وہ کپڑے لے کر باتھ روم میں چلی گئی۔

''جلدی...... جلدی کرو۔'' کیلی نے گھٹی گھٹی آواز میں پکارا۔

ڈیانا کپڑے بدل کر جلدی سے نکلی اور کیلی کے پیچھے پیچھے کمرے سے نکل آئی۔ مگر اسے لگ رہا تھا کہ کیلی پاگل ہوگئی ہے...... اور خود وہ بھی۔

وہ لابی میں پہنچے تو کیلی کا ساتھ دینے کے لئے ڈیانا کو دوڑنا پڑ رہا تھا۔ ''مجھے کچھ بتاؤ بھی تو۔ ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

باہر نکل کر کیلی نے ادھر ادھر دیکھا۔ ''وہ...... سڑک کے پار ایک پارک ہے نا۔ میں وہاں کچھ دیر بیٹھنا چاہتی ہوں۔''

ڈیانا بہت جز بز ہو رہی تھی۔ مگر وہ خاموشی سے کیلی کے پیچھے پیچھے پارک میں داخل ہوگئی۔ وہ دونوں ایک بینچ پر بیٹھ گئیں۔

''ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟'' ڈیانا نے پوچھا۔

اسی لمحے ہوٹل کے اندر زبردست دھماکہ ہوا۔ جہاں وہ بیٹھی تھیں، وہاں سے انہیں صاف دکھائی دیا۔ دھماکہ ہوٹل میں چوتھی منزل کے ایک کمرے میں ہوا تھا۔ کھلی ہوئی کھڑکی سے انہیں فضا میں اٹھتا ہوا ملبہ نظر آ رہا تھا۔

ڈیانا بے یقینی سے دیکھ رہی تھی...... اور وہ گنگ تھی۔ ''یہ...... یہ تو بم تھا۔'' چند لمحے بعد سنبھل کر اس نے کہا۔ اس کے لہجے میں دہشت تھی۔ ''اور دھماکہ ہمارے ہی کمرے میں ہوا ہے۔'' وہ کیلی کی طرف مڑی۔ ''تت...... تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''وہ ہوٹل کی خادمہ......!''

''کیا ہوا اسے؟'' ڈیانا کے لہجے میں الجھن تھی۔

''ہوٹل کی خادمائیں تین سو ڈالر قیمت کے مانولو بلاہنک جوتے نہیں پہنتیں۔'' کیلی نے سادگی سے کہا۔

(جاری ہے)

اور جیسے ہی فادر ڈی کارلو اس پر جھپٹا اس نے بڑھی پھرتی سے پیٹر کو کھینچ کر اپنے سامنے کر لیا۔ فادر ڈی کارلو نہیں رک سکتا تھا۔ وہ اپنی جھونک میں آگے بڑھتا آیا۔ خنجر ڈیمین کے بجائے پیٹر کی پیٹھ میں اتر گیا۔

''پیٹر'' کیٹ چلائی۔

ڈیمین نے پیٹر کو ایک طرف دھکیلا اور پادری پر جھپٹا اور اس کے ہاتھ پادری کے گلے پر جم گئے۔ اس نے پادری کو دیوار سے لگا دیا۔

کیٹ پیٹر کی طرف لپکی، جو سینے کے بل گرا ہوا تھا اور چاروں ہاتھ پیروں کی مدد سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ خنجر اس کی پشت میں پیوست تھا۔

''میرے بچے، یہ کیا ہو گیا؟'' کیٹ اب اس پر پچھتا رہی تھی کہ وہ چیخی کیوں۔ کیوں اس نے ڈیمین کو خبردار کیا۔ اس نے پیٹر کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھاما اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ ''پیٹر میرے بچے...... مجھے چھوڑ کر نہ جانا......''۔

''مر نا مت پیٹر...... پلیز پیٹر......''۔

''میں تم سے محبت کرتا ہوں......'' پیٹر نے ٹوٹتی سانسوں کے درمیان کہا۔

''پیٹر......''۔

''میں تم سے محبت کرتا ہوں ڈیمین...... زندگی سے بھی بڑھ کر......'' وہ مسکرایا، اس کی آنکھیں بند ہوئیں اور اچانک ہی اس کا جسم ایک جھٹکا لے کر ساکت ہو گیا۔

''نہیں پیٹر نہیں......'' ایک لمحے کو کیٹ اپنی باہوں میں مرنے والے بیٹے کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر پیٹر کو اوندھا لٹایا اور اس کی پیٹھ سے خنجر نکالا۔ پھر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

ادھر ڈیمین نے فادر ڈی کارلو کو گھٹنوں کے بل جھکا دیا تھا اور پوری قوت سے اس کا گلا گھونٹ رہا تھا۔ اس نے کیٹ کو اپنی طرف آتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کیٹ نے خنجر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں اتار دیا۔ ڈیمین کی چیخ میں بے پناہ غصہ تھا......

خنجر ڈیمین کی ریڑھ کی ہڈی کو توڑ چکا تھا۔ کیٹ نے مزید زور لگایا۔ یہاں تک کہ خنجر کا صرف دستہ باہر رہ گیا۔ وہ پیچھے ہٹی تو ڈیمین کی چیخوں سے کھنڈر گونج رہا تھا۔

ڈیمین سیدھا کھڑا رہا۔ وہ خنجر نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اس کا ہاتھ پہنچ نہیں پا رہا تھا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا اور جیسے تیسے اسے کھول دیا۔

چند لمحے ساکت کھڑا وہ زرد آنکھوں سے اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا ''نزارین......'' وہ چلایا ''تم کہاں ہو نزارین؟''

وہ جھومتا رہا۔ قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ وہ کھڑے رہنے کی کوشش کر رہا تھا ''بولو نزارین، جواب دو'' وہ چنگھاڑا۔

اور اس کے جواب میں عمارت کے افتادہ ترین گوشے میں ایک کڑاکا ہوا اور ایک ہالہ سا روشن ہو گیا۔

ڈیمین ہالے کی سمت بڑھنے لگا۔ اس کے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں میں تیزی تھی۔ اس کا ہاتھ آگے کی سمت پھیلا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اب وہ اپنے قابو میں نہیں ہے۔ اس کی پیٹھ خم کھا گئی تھی۔ چہرہ اذیت سے چیخ رہا تھا اور آنکھیں چھت پر مرکوز تھیں ''شیطان تم نے میرا ساتھ کیوں چھوڑ دیا؟'' اس نے فریاد کی۔

لیکن اپنی آواز کی بازگشت کے سوا اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ ادھر روشن ہالے کی روشنی اور بڑھ گئی۔

وہ گھٹنوں کے بل گرا اور رینگنے لگا ''سب کچھ ختم ہو گیا فادر'' اس نے سرگوشی میں کہا ''اب مجھے اپنے پاس واپس بلا لو''۔

وہ چاروں ہاتھ پیروں پر چلتا آگے بڑھتا رہا۔ پھر اس کی طاقت جواب دے گئی اور وہ ساکت ہو گیا۔

روشنی اب آنکھوں کو چندھیا نے والی تھی۔ لیکن فادر ڈی کارلو پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کیٹ کو دیکھا جو اپنے بیٹے کی لاش پر جھکی ہوئی تھی۔ فادر نے نرمی سے اس کے کندھے کو چھوا۔ پھر مردہ پیٹر کی آنکھوں کے سامنے انگلی سے صلیب کا نشان بنایا۔

کیٹ پیٹر کی لاش کو باہوں میں لئے کھڑی ہو گئی۔ اب وہ دونوں ساتھ کھڑے روشن ہالے کو دیکھ رہے تھے۔ دونوں کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے۔

پھر انہوں نے شکستہ چھت سے جھانکتے آسمان کو دیکھا۔ وہاں سپیدہ سحر نمایاں ہونے لگا تھا۔ ایک نئے عہد کا آغاز ہو رہا تھا!

.... x ....

آج شام تک ڈیلیوری چاہئے۔ کیا یہ ممکن ہے؟''

منیجر کی باچھیں کھل گئیں۔ ''جی مسز ہیرس، کیوں نہیں۔ کمپیوٹر ہمارے گودام میں موجود ہیں۔ میں ذاتی طور پر آخری مرحلے تک اس ڈیلیوری کی نگرانی کروں گا۔ یہ بتائیں، ادائیگی نقد ہوگی یا میں کے آئی جی کے اکاؤنٹ میں ڈال دوں۔''

''ادائیگی ڈیلیوری کے وقت۔'' کیلی نے جواب دیا۔

باہر نکلتے ہوئے ڈیانا نے ستائشی لہجے میں کیلی سے کہا۔ ''زبردست سوجھی ہے تمہیں۔''

کیلی مسکرادی۔

............x............

کیتھی نے میٹز کی طرف کچھ اخبار بڑھائے۔ ''یہ دیکھیں مسٹر کنگسلے۔''

تقریباً تمام اخبارات نے وہ خبر نمایاں کر کے شائع کی تھی۔

آسٹریلیا میں عجوبہ.....طوفان گردوبار

آسٹریلیا کی تاریخ میں پہلی بار وہاں زبردست آندھی آئی، جس نے چھ دیہات صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالے۔ ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جانی نقصان کتنا ہوا ہے۔

ماہرین موسمیات دنیا میں موسم کے بدلتے ہوئے رجحانات کو دیکھ کر ششدر رہ گئے ہیں۔

ان کے خیال میں یہ سب کچھ اوزون کی شکستگی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

''انہیں ایک نوٹ کے ساتھ سینیٹر وان لوون کو بھجوا دو۔'' میٹز نے کیتھی سے کہا۔ ''نوٹ میری طرف سے لکھنا۔ لکھنا.....میرا خیال ہے کہ وقت بہت تیزی سے نکلا جا رہا ہے۔ بہترین خواہشات کے ساتھ۔ میٹز کنگسلے۔''

''جی بہتر۔'' کیتھی نے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔

اسی لمحے ایک آواز سنائی دی۔ میٹز نے چونک کر ایک کمپیوٹر اسکرین کی طرف دیکھا۔ یہ اس کے آئی ٹی ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے الرٹ سگنل موصول ہوا تھا۔

میٹز نے اپنے آئی ٹی ڈیپارٹمنٹ کے لئے اسپائیڈر نصب کرائے تھے۔ وہ ہائی ٹیک سوفٹ ویئر مستقل طور پر انٹرنیٹ کو کھنگالتے رہتے تھے۔ وہ ہر وقت معلومات کی جستجو میں لگے رہتے تھے۔ اس نے کمپیوٹر مانیٹر کو بڑی دلچسپی سے دیکھا۔

پھر اس نے ایک بزر دبایا۔ ''اینڈریو..... یہاں تو آنا۔''

اینڈریو اپنے آفس میں کھلی آنکھوں سے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس وقت اسے وہ حادثہ یاد آیا تھا، جو اس کے ساتھ پیش آیا تھا۔ وہ اس وقت ڈریسنگ روم میں تھا اور اس اسپیس سوٹ کو دیکھ رہا تھا، جو آرمی والوں نے بھجوایا تھا۔ اس نے ریک سے خلائی سوٹ لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ مگر اسی وقت میٹز نے ایک اور سوٹ اور گیس ماسک اس کی طرف بڑھایا۔ ''یہ پہن لو۔ یہ تمہیں خوش بختی دلائے گا۔'' میٹز کہہ رہا.....

اسی لمحے میٹز کی تحکمانہ آواز نے اسے چونکا دیا۔ ''اینڈریو..... یہاں تو آنا۔''

اینڈریو اٹھا اور تھکے تھکے قدموں سے میٹز کے آفس کی طرف چل دیا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' میٹز نے کہا۔

اینڈریو بیٹھ گیا۔

''ان منحوس عورتوں نے برلن میں ہماری ویب سائٹ کو ہٹ کیا ہے۔ اس کا مطلب سمجھتے ہو؟''

''ہاں..... میں..... نہیں.....''

اسی لمحے میٹز کی سیکریٹری نے بزر دبایا۔ ''کمپیوٹر یہاں پہنچ چکے ہیں مسٹر کنگسلے۔''

''کون سے کمپیوٹر؟'' میٹز نے حیرت سے کہا۔

''جن کا آپ نے آرڈر دیا تھا۔''

میٹز کا ذہن الجھ گیا۔ وہ اٹھا اور استقبالیہ کمرے کی طرف گیا۔ وہاں تین درجن کمپیوٹر رکھے تھے۔ اسٹور منیجر بھی وہاں موجود تھا۔ اس کے ساتھ تین اور آدمی تھے، جو ڈانگریاں پہنے ہوئے تھے۔

میٹز کو دیکھ کر اسٹور منیجر کا چہرہ چمک اٹھا۔ ''سب آپ کی خواہش کے عین مطابق ہے سر۔'' اس نے کہا۔ ''ہمارے لائق اور کوئی خدمت ہو تو بلا جھجک حکم کریں.....''

میٹز حیرت سے کمپیوٹرز کو دیکھ رہا تھا۔ ''یہ آرڈر کس نے دیا؟'' اس نے پوچھا۔

''آپ کی اسسٹنٹ کیلی ہیرس نے۔ انہوں نے کہا تھا کہ آپ کو فوری طور پر ان کی ضرورت ہے۔ اسی لئے.....''

''انہیں واپس لے جاؤ۔'' میٹز نے نرم لہجے میں کہا۔ ''جہاں وہ جانے والی ہے، وہاں اسے ان کی ضرورت نہیں پڑے گی۔'' یہ کہہ کر میٹز پلٹا اور اپنے آفس میں واپس چلا گیا۔ ''اینڈریو..... تمہیں اندازہ ہے کہ انہوں نے ہمارے ویب سائٹ پر حملہ کیوں کیا؟ نہیں سمجھے! میں بتاتا ہوں۔ وہ یہ دیکھ رہی ہیں کہ کون کون ہمارا شکار ہوا ہے۔ اور اس کے بعد وہ وجہ جاننا چاہیں گی۔'' وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ''اس کے لئے انہیں یورپ جانا ہوگا۔ لیکن وہ وہاں نہیں پہنچ سکیں گی۔''

''نہیں..... کیوں.....؟'' اینڈریو نے غضب ناک لہجے میں کہا۔

میٹز نے بے حد نفرت سے اپنے بھائی کو دیکھا۔ ''کاش تمہاری جگہ کوئی صحیح الدماغ شخص میری بات سن رہا ہوتا۔ یہ بتاؤ، انہیں روکا کیسے جائے؟''

اینڈریو نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''بس روک دیا جائے۔''

''تم تو ڈفر ہو.....ڈفر۔'' میٹز نے نفرت سے کہا۔ پھر وہ ایک کمپیوٹر کی طرف گیا اور کچھ ٹائپ کرنے لگا۔ ''ہمیں سب سے پہلے ان کے تمام اثاثے منجمد کرانے ہوں گے۔ ان کے سوشل سیکیورٹی نمبر ہمارے پاس ہیں۔ یہ دیکھو، ڈیانا اسٹیونز.....'' وہ ٹائپ کرتا رہا۔

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

یہ اس کے ہائی ٹیک سونٹ ویئر کا کمال تھا کہ وہ کسی کے بھی مالی معاملات تک پہنچ سکتا تھا حالانکہ ان میں ردوبدل بھی کر سکتا تھا۔'' یہ رہیں اس کی تفصیلات......''

'' ہاں......یہ رہیں......''۔اینڈریو نے کہا۔

'' اب میں یہاں انٹری کروں گا کہ اس کے کریڈٹ کارڈ چوری ہو گئے ہیں اور پھر یہی کام کیلی ہیرس کے ساتھ کریں گے۔اب ہم ڈیانا کے بینک کی ویب سائٹ کو دیکھتے ہیں''۔اس نے مزید چند بٹن دبائے۔ذرا دیر میں وہ اس کا کریڈٹ ڈیٹا مکمل طور پر کینسل کر چکا تھا۔

'' تمہیں پتا ہے اینڈریو، میں نے کیا کیا ہے؟''ٹیز نے اینڈریو سے پوچھا۔

'' نہیں ٹیز۔''

'' میں نے اس کے کریڈٹ کو ڈیبٹ میں تبدیل کر دیا ہے۔اب بینک کا وصولی ڈیپارٹمنٹ الٹا اس کے پیچھے پڑ جائے گا۔چلو......اب کیلی ہیرس کے ساتھ بھی یہی ہاتھ کرتے ہیں''۔

اس کام سے نمٹ کر ٹیز اینڈریو کی طرف بڑھا۔'' لو بھئی ہو گیا کام۔اب ان کے پاس نہ کوئی پیسہ ہے نہ کریڈٹ کارڈ۔اب وہ یہاں پھنس چکی ہیں۔وہ اس ملک سے نکل نہیں سکتیں۔اب بولو، تم اپنے چھوٹے بھائی کو کیا کہو گے؟''۔

'' میں......وہ رات کو میں ٹی وی پر فلم دیکھ رہا تھا۔اس میں......''۔

ٹیز غصے میں آپے سے باہر ہو گیا اس نے اینڈریو کے منہ پر اتنے زور کا گھونسہ مارا کہ وہ کرسی سے لڑھک گیا۔'' تم بولنے کی ہمت کیسے کرتے ہو خبیث''۔وہ دہاڑا۔'' جب میں بولوں تو تم صرف دھیان سے سنا کرو۔

دروازہ کھلا اور ٹیز کی سیکریٹری کیتھی اندر آئی۔'' سب ٹھیک تو ہے نا مسٹر کنگسلے؟''۔اس نے پوچھا۔

'' سب ٹھیک ہے۔بس اینڈریو کرسی سے گر گیا تھا''۔

کیتھی نے ٹیز کے ساتھ مل کر اینڈریو کو اٹھایا۔'' کیا میں گر گیا تھا؟''۔اینڈریو نے بے حد معصومیت سے پوچھا۔

'' ہاں اینڈریو۔مگر تم ٹھیک ہو۔ٹیز نے بے حد نرمی سے کہا۔

کیتھی نے سرگوشی میں کہا۔'' مسٹر کنگسلے میرے خیال میں آپ کو اپنے بھائی کے لئے کسی ہوم میں بندوبست کرنا چاہئے''۔

'' وہ تو ہے۔مگر کیتھی، میں اس کا دل نہیں توڑنا چاہتا۔کے آئی جی ہی اس کا گھر ہے۔اور پھر میں اس کا خیال رکھ سکتا ہوں''ٹیز نے کہا۔

'' آپ عظیم انسان ہیں مسٹر کنگسلے''۔کیتھی نے ستائشی لہجے میں کہا۔

ٹیز نے انکسار سے سر جھکاتے ہوئے کندھے جھٹک دیئے۔'' آخر یہ میرا بھائی ہے''۔اس نے کہا۔

............x............

دس منٹ بعد ٹیز کی سیکریٹری دوبارہ آفس میں آئی۔'' گڈ نیوز مسٹر کنگسلے۔ابھی ابھی یہ فیکس سینیٹر وان لوون کے آفس سے آیا ہے''۔

'' دکھاؤ تو''۔

ٹیز نے فیکس کا جائزہ لیا......

ڈیئر مسٹر کنگسلے

آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ماحولیات کے بارے میں سینیٹ کی سلیکٹ کمیٹی نے دنیا بھر میں تیزی سے بدلتے موسموں کے رجحانات پر نظر رکھنے اور اس سے موثر انداز میں نمٹنے کے لئے فوری طور پر بھاری فنڈز کی منظوری دے دی ہے۔

خلوص کیش

سینیٹر وان لوون

............x............

انگلیوں میں سنسناہٹ سی ہوئی تو ڈیمین کی پلکیں جھپکیں۔وہ بہت دیر سے آسمان کو دیکھے جا رہا تھا......اتنے انہماک سے کہ وقت کا احساس بھی کھو بیٹھا تھا۔اس نے سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھا، جن سے وہ خنجر تھامے ہوئے تھا۔اس کی پوریں سفید ہو رہی تھیں اور انگلیاں نیلی۔اس نے خنجر کو چھوڑ دیا اور دونوں ہاتھوں کو باہم رگڑنے لگا۔اسی لمحے اس کی نظر اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر پڑی۔وہ بدنما اور بدصورت گھڑی تھی......دینے والے کی بدذوقی کی مظہر۔لیکن دینے والا امریکی صدر تھا۔اسی لئے ڈیمین بری لگنے کے باوجود کلائی پر وہ گھڑی باندھتا تھا۔اسی کو تو ڈپلومیسی کہتے ہیں۔اور صدر صاحب نے گھڑی اسے دیتے ہوئے بڑے فخر سے بتایا تھا کہ اس گھڑی سے نہ صرف وقت بلکہ دن، تاریخ، سال درجہ حرارت، ہوا میں نمی کا تناسب اور خدا جانے کیا کیا معلوم کیا جا سکتا ہے۔

گھڑی شاک پروف، واٹر پروف، طوفان پروف، آسمانی بجلی سے محفوظ اور مقناطیسیت سے محفوظ تھی۔صدر نے کہا تھا آپ اسے باندھ کر ایورسٹ پر چڑھ جائیں یا صحارا میں صحرانوردی کریں، اس سے گھڑی کی کارکردگی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

آپ سمندر میں ہزاروں فٹ کی گہرائی میں چلے جائیں، تب بھی یہ گھڑی آپ کو درست ترین معلومات فراہم کرے گی۔ اس پر ڈیمئین نے ان کا شکریہ ادا کیا تھا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ شاید زندگی بھر اسے کوہ پیائی کا موقع ملے گا، نہ صحرانوردی کا۔ اور غوطہ خوری کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بہر حال یہ مارچ کی 23 تاریخ تھی اور دس بج کر 35 منٹ ہوئے تھے۔ ڈیمئین نے سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹ سکوڑے۔ اسے احساس ہوا کہ اسے کھڑکی میں کھڑے آدھا گھنٹہ ہو گیا ہے۔ اس نے ایک بار پھر آسمان کو دیکھا اور پھر اپنے ہاتھ کو۔ اس کی انگلیاں نارمل ہو چکی تھیں۔ وہ پلٹا اور کمرے سے نکل کر پہلی منزل پر لے جانے والے زینے کی طرف بڑھا۔ ''جارج''۔ اس نے پکارا۔

ایک دروازہ کھلا اور بٹلر نے جھانکا۔

''اب آج مجھے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں پڑے گی''۔ اس نے کہا۔

یہ حکم تھا کہ اب اسے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ بٹلر نے مودبانہ انداز میں کہا۔ ''بہت بہتر جناب''۔

ڈیمئین بٹلر کے دروازہ بند کرنے کا انتظار کرتا رہا۔ وہ شام کے اس ڈرامے اور جھلس کر کوئلہ بن جانے والے شخص کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ شخص جو نائیلون کے جلتے ہوئے پردوں میں الجھا ایک زنجیر سے پنڈولم کی طرح جھولتا رہا تھا۔ اس نے اپنی ہتھیلی کو پھیلا کر دیکھا۔ اس پر اب بھی خنجر کا نقش تھا۔ اسے دیکھ کر اس کے وجود میں سرد اور تند غصے کی لہر دوڑ گئی۔

وہ گیلری کی طرف گیا۔ سامنے ہی داخلی ہال نظر آ رہا تھا۔ ریلنگ کو انگلی سے سہلاتے ہوئے اس کے دماغ میں ایک یاد کا جھماکا سا ہوا، جس نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ وہ بچپن کی ایک بھولی بسری یاد تھی۔ وہ ایک ٹوائے بائیسکل چلا رہا تھا۔ اس کی ماں ایک اسٹول پر کھڑی گیلری کے باہر پودوں کو پانی دے رہی تھی۔ اسے یاد تھا کہ وہ ایک دائرے میں سائیکل چلا رہا تھا اور ہر چکر میں سائیکل کی رفتار بڑھا رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ منہ سے موٹر جیسی آوازیں بھی نکالتا رہا تھا۔ اور وہ شرارت بھرے انداز میں سائیکل کو ماں کے قریب...... اور قریب لے جاتا رہا تھا۔ اسے ماں کے چہرے پر تشویش کا تاثر یاد آیا۔ اس کا منہ کھلا تھا۔ وہ اسے کہنا چاہتی تھی کہ وہ دور رہے۔ لیکن وہ سائیکل کو تیز کرتے ہوئے اس سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ پھر سائیکل اسٹول سے ٹکرائی تھی۔ ماں کے حلق سے چیخ نکلی تھی اور وہ نیچے فرش پر جا گری تھی۔ اسے خوب یاد تھا۔ خوف اور شاک کے باوجود فتح کا ایک سنسنی آمیز احساس اس کے رگ و پے میں دوڑ رہا تھا۔ اسے ایسا لگا تھا، جیسے اس نے کوئی زبردست شاندار کام کیا ہو۔

وہ وہاں سے ہٹا اور ایک تاریک راہ داری میں آ گیا۔ وہ نپے تلے قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک طرف مڑ کر وہ دوسری...... اور پھر تیسری راہ داری میں آیا۔ وہ ایک کھلے دروازے سے گزرا تو کتا کمرے سے باہر آیا اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ اندھیرے میں کتے کی زرد آنکھیں بجھتے ہوئے انگاروں جیسی لگ رہی تھیں۔

بالآخر ایک تنگ راہ داری میں رکا۔ اس نے جھک کر ایک دروازے کو کھولا اور اندر داخل ہو کر اسے بند کر دیا۔ کتا دروازے کے باہر جم کر بیٹھ گیا اور اب اس طرف دیکھے جا رہا تھا، جدھر سے وہ آئے تھے۔ اس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی۔ وہ گول ساخت کا ایک سیاہ گرجا تھا۔ اس کی چھت کو چھ ستون سہارا دیئے ہوئے تھے۔ گرجا بالکل خالی تھا۔ بس وہاں کمرے کے بیچوں بیچ ایک صلیب تھی۔ اس پر کرائسٹ کا قد آدم مجسمہ مصلوب تھا اور وہ مجسمہ بالکل عریاں تھا۔

چھت سے روشنی کی ایک لکیر سیدھی کرائسٹ کی شبیہہ پر پڑ رہی تھی۔ دوسری نظر میں اندازہ ہوتا تھا کہ وہ مجسمہ باطنی ناپاکی کا مظہر ہے اور حقیقی المیے کا مضحکہ اڑانے کے لئے ہے۔

(جاری ہے)

دور افتادہ دیوار پر ایک خوب صورت بچے کی شبیہ۔ اسے گھور رہی تھی۔ وہ ایک پاگل آدمی کی پینٹ کی ہوئی تصویر تھی۔ وہ پاگل آدمی، جس کا دعویٰ تھا کہ اس نے شیطان کو دیکھا ہے۔ شیطان خود اس کے پاس آیا تھا۔ اور شیطان کو دیکھنے کے بعد اس نے زندگی بھر شیطان ہی کو پینٹ کیا تھا...... شیطان کی زندگی کے مختلف ادوار میں۔ اس بچے کو بھی اس نے ان گنت بار پینٹ کیا تھا۔ ایک تصویر اس نے دیوار پر بنائی تھی...... اور وہ دیوار صدیوں کی دست برد سے محفوظ رہی تھی۔ بعد میں اسے ماہر آثار قدیمہ کارل ہیوگن ہیگن نے دریافت کیا تھا۔ جن لوگوں نے بھی اس دیوار کو دیکھا تھا، ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہا تھا۔ کیونکہ وہ چہرہ ڈیمین تھورن کے بچپن کا چہرہ تھا ڈیمین نے نظر بھر کر بچپن کے اس چہرے کو دیکھا اور پھر خلا میں گھورنے لگا۔

''اے میرے باپ، سناٹوں کے مالک، تباہ کاری اور بربادی کے خداوند عظیم، اے تو کہ انسان تجھے گالیاں دیتا ہے، دشمن جانتا ہے اور دوسری طرف تجھ سے ہم آغوش ہونے کیلئے تڑپتا ہے، میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں۔ مجھے طاقت دے کہ میں دنیا کو کرائسٹ کے دوسرے نزول کی ابتلا سے بچا سکوں۔ یہ مصیبت دو ہزار سال سے دنیا پر مسلط ہے اور اب دنیا کو اس سے چھٹکارا ملنا چاہئے''۔ وہ عاجزانہ یہ دعا کرتا ہوا صلیب کی طرف بڑھا اور مصلوب کو تکنے لگا۔ ''اے عظیم باپ، انسانیت کو جہنم کا راستہ دکھا، اس میں شیطنت کی روح پھونک دے۔ اسے اذیت کی جنت تک پہنچا دے''۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھائے اس کی ہتھیلیاں اوپر کی سمت تھیں۔ گرجا کی تاریکی میں اس کی زرد آنکھیں بجھتے ہوئے انگاروں جیسی لگ رہی تھیں۔ اب وہ مصلوب مجسمے کے سر کو گھور رہا تھا۔ ''نزارین...... اے مسیح''۔ اس نے پکارا۔ ''تم انسان کو کیا دے سکتے ہو؟''۔ اس نے توقف کیا، جیسے کسی جواب کا منتظر ہو۔ ''جب سے تم پیدا ہوئے تم نے انسانوں کی خواہشات کا گلا گھونٹنے اور اسے اخلاقیات کا درس دینے کے سوا کچھ نہیں کیا''۔ وہ ایک قدم آگے بڑھا۔ اب اس کی سانسیں مجسمے کی گردن کو چھو رہی تھیں۔ اس نے صلیب کو یوں تھاما، جیسے ٹوٹے پھوٹے جسم والے اس مجسمے کو توڑ پھوڑ دینا چاہتا ہو۔ اب اس کے منہ سے کف نکل رہا تھا۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''تم نے جوانوں کی امنگوں کو تباہ کر دیا۔ تم نے انہیں پہلے ازلی گناہ کی لذت سے محروم کرنا چاہا۔ تم نے مجھ سے، میرے باپ سے جنگ کی۔ تم نے ہمیں تباہ کرنے، مٹا ڈالنے کی کوشش کی۔ لیکن تم ناکام ہو جاؤ گے نزارین...... ماضی کی طرح تم اب بھی ہار جاؤ گے...... اور تم ہمیشہ شکست خوردہ رہو گے''۔

اس نے الفاظ اتنی تندی اور تلخی سے ادا کئے تھے کہ وہ نڈھال ہو گیا تھا، جیسے جسم کی تمام توانائیاں خرچ ہو گئی ہوں۔ اس نے سر جھکا لیا۔ اس کے بال مجسمے کے کندھوں پر پڑے تھے۔ اس کے ہاتھوں نے مجسمے کے شکستہ جسم کو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔

چند لمحے بعد اس نے سر اٹھایا۔ اب وہ بولا تو اس کی آواز پوری طرح اس کے قابو میں تھی۔ ''میں شیطان کا نطفہ ہوں نزارین اور مادہ گیدڑ کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ تم نے صلیب پر جو اذیت سہی، جس کے دنیا گیت گاتی ہے، میرے باپ کی اذیت کے سامنے تمہاری وہ اذیت ایک ذرے سے زیادہ نہیں۔ میرے باپ کی عظمت ملیا میٹ ہوئی۔ وہ مرتبے سے محروم ہوا، جنت سے نکالا گیا۔ اس پر لعنت کی گئی۔ کون اندازہ لگا سکتا ہے، کون تصور کر سکتا ہے اس اذیت کا''۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر مجسمے کا سر تھام لیا۔ سر پر رکھے ہوئے تاج کے کانٹے اس کی ہتھیلیوں میں چبھنے لگے۔ ''میں کانٹوں کو تمہارے منحوس پنجر میں اتار دوں گا نزارین''۔

وہ پیچھے کی طرف ہٹا، آنکھیں بند کیں اور دہاڑنے لگا۔ اس کی آواز ٹوٹ رہی تھی اور اس میں اذیت تھی۔ ''شیطان...... میرے محبوب باپ، میں تیری اذیت کا بدلہ ضرور لوں گا۔ میں کرائسٹ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دوں گا''۔

وہ مٹھیاں بھینچ کر چلایا۔ کانٹوں کے تاج کے آہنی کانٹے اس کی ہتھیلیوں میں پیوست ہو گئے۔ اس کے ہاتھ سے بہہ نکلنے والا خون کرائسٹ کی آنکھوں میں گیا۔ اب ایسا لگا کہ مسیح خون کے آنسو رو رہا ہے۔ اس کے چہرے کی اذیت اور دکھ جیسے دو چند ہو گیا تھا۔

............x............

جنوب کی سمت بیس میل دور جان فاویل ڈاؤنز کے علاقے میں ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کے وجود میں اس وقت تجسس اور ہیجان لہریں لے رہا تھا۔ اس نے موسم کی پیش گوئی چیک کی تھی۔ اس نے اس خدا سے دعا کی تھی، جسے برسوں پہلے وہ ترک کر چکا تھا، اس نے دعا کی تھی کہ مطلع صاف رہے، ابر آلود نہ ہو، جیسا کہ محکمہ موسمیات والے کہہ رہے ہیں۔ اور اس کی دعا قبول ہو گئی تھی۔ اب وہ اس قران کو ریکارڈ کر سکے گا...... تین ستاروں کا قران! یہ اس کا سوچا ہوا نام تھا۔ وہ اسے تثلیث مقدس تو نہیں کہہ سکتا تھا۔

(جاری ہے)

مذہبی اصطلاحات استعمال کر کے وہ معاملات کو پیچیدہ نہیں بنانا چاہتا تھا۔

پادری نے پہلی بار اس سے رابطہ کیا تھا اور آنے کی اجازت چاہی تھی۔تب فاویل خود پر خفا ہوا تھا۔وہ دیر تک بڑبڑاتا رہا تھا کہ معاملات ہاتھ سے نکلے جارہے ہیں اسے پہلی بار ہی پادری کو اطلاع نہیں دینی چاہیے تھی۔وہی اس کی غلطی تھی۔اس نے تو ایک اخلاقی فرض نبھایا تھا۔مگر وہ اس کے گلے پڑ گیا تھا اور اب اس کے معمولات ڈسٹرب ہورہے تھے۔کیونکہ وہ کبھی کسی کو اپنی آبزرویٹری میں نہیں آنے دیتا تھا۔لوگ آئیں گے تو الٹے سیدھے سوال پوچھیں گے،ڈسٹرب کریں گے۔مگر جب اس نے اس پر سوچا،غور کیا تو وہ خود متجسس ہوگیا۔تب اس نے سوچا،اس میں حرج ہی کیا ہے۔غیر سائنسی لوگوں کا ردعمل دیکھنا بھی دلچسپ ہوگا۔اس نے کارنر پر گاڑی کو موڑا۔پھر اس نے سر اٹھا کر آبزرویٹری کی بہت بڑی ریسیونگ ڈش کو دیکھا۔اسے اپنے ایک دوست کے الفاظ یاد آئے۔اس نے کہا تھا کہ شادی کے پندرہ سال بعد بھی اپنی بیوی کی قربت میں اس کے جسم میں سنسنی دوڑنے لگتی ہے۔جان فاویل اپنے کام کے بارے میں یہی کہتا تھا۔

وہ لفٹ میں بیٹھ کر اوپر پہنچا۔اس کا ٹیکنیشن بیری پہلے ہی اپنے کام میں مصروف تھا۔دونوں کے درمیان علیک سلیک ہوئی۔

پہلے چند گھنٹوں کے دوران وہ دونوں معمول کے کاموں میں مصروف رہے۔لیکن وہ دونوں ہی ارتکاز سے محروم تھے۔وہ بار بار اپنی اپنی گھڑی دیکھتے۔یہاں تک کہ بزر کی آواز سنائی دی۔بیری نے بڑھ کر فون اٹھایا اور سنتا رہا۔پھر وہ فاویل کی طرف مڑا۔''وہ دیوانہ راہب آگیا ہے''۔

''بری باتیں مت کرو''۔فاویل نے مسکراتے ہوئے کہا۔''اسے اندر بلالو''۔

''اسے نہیں،انہیں''۔بیری نے کہا اور نیچے کا دروازہ کھولنے والا بٹن دبا دیا۔

''کیا مطلب؟فاویل بری طرح چونکا۔

''وہ تین افراد ہیں''۔

''لعنت ہو''۔فاویل غرایا۔وہاں اتنے افراد کے لئے جگہ کہاں تھی۔وہ جھنجلاہٹ میں بڑبڑاتا رہا۔

چند لمحے بعد فادر ڈی کارلو اندر آیا۔اس کے پیچھے برادر انٹونیو اور سائمن تھے۔انہیں دیکھتے ہی فاویل کا چڑچڑا پن ختم ہوگیا۔مہمان اتنے شریف النفس منکسر المزاج اور باوقار تھے کہ ان پر جھنجلایا ہی نہیں جاسکتا تھا۔

فادر ڈی کارلو نے اپنے ساتھیوں کا ان سے تعارف کرایا۔''ہم سب آپ کے شکرگزار ہیں کہ آپ نے ہمیں مقدس تثلیث کے بارے میں اطلاع دی''۔

''اس کی ضرورت نہیں''۔فاویل نے جلدی سے کہا۔

''خدا تمہیں اس کی جزائے عظیم دے گا''۔فادر ڈی کارلو بولا۔

''دیکھئے،میں عقیدے کے معاملے میں آپ سے مختلف......''

''اس کے باوجود وہ تمہیں جزا دے گا''۔ڈی کارلو نے سادگی سے کہا۔

فاویل نے کندھے جھٹکے اور انہیں آبزرویٹری دکھانے لگا۔وہ انہیں بتا رہا تھا کہ یہ دوربین دنیا بھر میں اپنی نوعیت کی بہترین دوربین ہے۔اس نے انہیں کمپیوٹر،ڈاٹا پینلز اور مانیٹرز دکھائے۔پھر اس نے لائٹ باکس کے سامنے چند زجاجیے رکھ دیئے۔پھر وہ تینوں سیاروں کی نقل وحرکت کے بارے میں بتانے لگا۔وہ اتنا تیز بول رہا تھا کہ انہیں سوال کرنے کی مہلت ہی نہیں مل رہی تھی۔

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

''ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ولادت کہاں ہو گی؟'' ۔ڈی کارلو نے کہا۔

''ابھی دیکھ لیتے ہیں ۔ویسے ہم مقام کا تعین پوری قطعیت کے ساتھ کر سکتے ہیں''۔

فاویل دوربین کی طرف واپس گیا ۔بیری بار بار اپنی گھڑی کو دیکھ رہا تھا، جیسے فاویل کو یاد دلا رہا ہو کہ ان راہبوں سے جلد از جلد جان چھڑانا بہتر رہے گا۔فاویل نے سر کو تفہیمی جنبش دی اور تینوں راہبوں کو دور افتادہ گوشے کی طرف لے گیا۔اس نے انہیں ایک اسکینگ مانیٹر کے سامنے بٹھا دیا۔''آپ صرف دیکھتے رہیے۔باقی کام ہم پر چھوڑ دیجیے''۔اس نے کہا۔

مانیٹر اسکرین پر اوپر داہنی جانب ہندسوں کے دو سیٹ نظر آرہے تھے۔فادر ڈی کارلو نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔''اور یہ نمبر......''۔

''یہ دن، گھنٹے اور منٹ ہیں''۔فاویل نے کہا۔''اور تیز چلنے والا ٹائمر سیکنڈز کا ہے''۔

وہ تینوں اسکرین کی طرف متوجہ تھے۔سب سے جوان راہب کا منہ کھلے کا کھلا تھا۔فاویل کنسول کی طرف بڑھ گیا۔وہ ایک بے حد پیچیدہ آلہ تھا۔ایک بار بیری نے اسے اسٹار شپ برج سے تشبیہ دی تھی۔اس نے ہنس کر کہا تھا کہ ایک دن وہ آبزرویٹری کو اڑا کر لے جائے گا اور مریخ پر اترے گا۔لیکن اس وقت بیری بھی مذاق کے موڈ میں نہیں تھا۔فاویل نے نظر اٹھا کر بیری کو دیکھا کو کنٹرولز پر بیٹھا تھا۔پھر وہ خود اپنے سامنے رکھے دو مانیٹرز کی طرف متوجہ ہو گیا۔ان میں سے ایک پر ستاروں کی فیلڈ نظر آرہی تھی۔دوسرے پر مذہبی کرے کا گرڈ والا نقشہ نظر آرہا تھا۔اس نے کارنر میں موجود متحرک ہندسوں کو دیکھا، انگلیاں چٹخائیں اور انٹرکام کی طرف جھکا۔اب اس کا ہیجان ختم ہو چکا تھا۔اس کی پوری توانائی اور توجہ اسکرین پر مرکوز تھی۔اب وہ ایک پروفیشنل تھا۔

''ایکس رے 84 پر لاؤ''۔اس نے انٹرکام پر کہا۔

اس نے پیچھے ہٹتے ہوئے مانیٹر کو تھوڑا سا گھمایا اور اس کے بعد پھر آگے کی طرف جھک گیا۔

''فریم اے آر 4، 44 درجے 21 دقیقے''۔اس نے انٹرکام پر مزید ہدایات دیں۔

دوربین اس کے بتائے ہوئے ایریا پر مرکوز ہو گئی۔اس نے اتنی تیزی سے اسٹار فیلڈ میں زوم ان کیا تھا کہ فادر ڈی کارلو کو چکر سا آگیا۔

''بس روک دو''۔

مانیٹر اسکرین پر موجود تصویر ساکت ہو گئی۔

''سپر پولا رائزنگ فلٹرون اے''۔

اسکرین پر اندھیرا چھا گیا۔فاویل نے وقت کے سیکونس کو چیک کیا۔تینوں راہبوں کے حلق سے بلا ارادہ استعجابیہ آواز نکلی۔اسکرین پر انہیں آسمان کا شارپ فوکس نظر آرہا تھا۔

لیکن فاویل نے وہ استعجابیہ آواز نہیں سنی۔اب وہ اپنی مشین میں گم خلا کا ایک مسافر تھا......آبزرویٹری سے دور۔اب آبزرویٹری میں آگ بھی لگ جاتی تو شاید اسے پتا نہ چلتا۔

اسکرین پر چند لمحے اندھیرا رہا۔پھر اچانک دو نچلے کونوں سے اور اوپری حصے کے درمیان سے ایک روشنی سی رسنے لگی۔فادر ڈی کارلو نے اپنی سانس روک لی۔اس کے دونوں ہاتھ خود بخود دلے اور دعائیہ انداز میں پھیل گئے۔

اب وہ تینوں روشنیاں بتدریج ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔چمک دھیرے دھیرے کم ہو رہی تھی۔اس کی وجہ سے اب وہ تین سورج صاف نظر آرہے تھے......تین روشن، دہکتے ہوئے کرے۔فادر ڈی کارلو پلکیں جھپکانے لگا۔تینوں کروں سے دہکتے ہوئے شعلوں کی بے حد بڑی اور لمبی زبانیں سی لپلپاتی نظر آرہی تھیں۔اس نے سر گھما کر جان فاویل کو دیکھا۔وہ اس سے بات کرنا، معلومات حاصل کرنا، اس کا تبصرہ سننا چاہتا تھا۔لیکن جان فاویل اپنے کام میں پوری طرح منہمک تھا۔وہ کبھی تینوں روشن کروں کو دیکھتا اور کبھی ہندسوں کو اور اس کے بعد روشن لفظوں والے نقشے کو، جس پر تین متحرک دائرے ایک دوسرے کی طرف بڑھتے نظر آرہے تھے۔

فاویل نے ایک بار پھر انٹرکام پر ہدایات دیں۔نقشہ کلوز اپ میں چلا گیا۔مرکزیت ایک دوسرے کی طرف بڑھتے ہوئے روشن کروں کو حاصل ہو گئی تھی۔

(جاری ہے)

اب وہ تینوں آپس میں ضم ہو رہے تھے۔ ان کی چمک سب سے زیادہ جزائر برطانیہ کے علاقے میں تھی۔

ڈی کارلو نے اسکرین کے کارنر میں متحرک ہندسوں کو دیکھا، جو سیکنڈز کو ظاہر کر رہے تھے۔

-007-008-0009 -0010-0011-0012

اس نے سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور سانس روک لی۔

جان فاول کی آنکھیں اب تیزی سے حرکت کر رہی تھی۔ مانیٹر اور نقشے کے درمیان! اس کی انگلیاں کنسول کو تھپتھپا رہی تھیں۔ اب دونوں مانیٹرز سے منعکس ہونے والی روشنی اتنی تیز تھی کہ پوری آبزرویٹری جگمگا اٹھی تھی۔ تینوں راہب اس بین الکائناتی روشنی میں نہائے ہوئے تھے۔ لیکن ان میں سے کسی ایک کی بھی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔

-001-002-003

نقشے پر جو رونی ہوئی، اس نے جیسے دونوں مانیٹر اسکرین دہکا ڈالے۔ تینوں روشن دائرے اب ایک دوسرے سے وابستہ و پیوستہ ہو کر دھڑک رہے تھے۔ اور وہ مقام جنوبی انگلینڈ تھا۔

تینوں راہب گھٹنوں کے بل گر گئے اور دعا کرنے لگے۔ فادر ڈی کارلو کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

............x............

شمال میں بیس میل دور ڈیمین تھورن یوں جھٹکے سے بستر پر اٹھ بیٹھا، جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔ وہ یوں تن کر بیٹھا تھا، جیسے کسی نے اسے آہنی تاروں سے باندھ دیا ہو۔ آدھے گھنٹے تک وہ اپنے ڈراؤنے خواب میں کروٹیں بدلتا، بل کھاتا اور ایڑیاں رگڑتا رہا تھا۔ اس نے سمجھ لیا کہ اس کا ڈراؤنا خواب حقیقت بن چکا ہے۔ پسینے سے نہ صرف اس کا جسم، بلکہ اوڑھنے والے چادریں اور نیچے بچھے ہوئے گدے بھی تر ہو گئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں دہشت کی چمک تھی اور اس کا منہ ایک خاموش چیخ کی وجہ سے کھلا ہوا تھا، اس کی مضطرب انگلیاں اس کی ران میں گڑی جا رہی تھیں۔ اس نے سر اٹھا کر چھت کو دیکھا۔ وہاں کچھ نہیں تھا۔ اسی لمحے اسے کتے کے رونے کی کریہہ اور خوفناک آواز سنائی دی۔ وہ آواز ایسی تھی، جیسے کوئی طاقت اس کی روح کو کھینچ کر اس کے جسم سے جدا کر رہی ہو۔

ڈیمین تھورن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے!

............x............

''تمہارے پاس پاسپورٹ ہے؟'' ڈیانا نے پوچھا۔

''ملک سے باہر میں اسے ہمیشہ ساتھ رکھتی ہوں''۔ کیلی نے کہا۔

ڈیانا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میرا پاسپورٹ بینک کے والٹ میں ہے۔ وہ نکالنا ہوگا۔ اور رقم کی بھی ضرورت پڑے گی''۔

............x............

وہ بینک میں داخل ہوئیں۔ ڈیانا نیچے والٹ میں چلی گئی۔ وہاں اس نے اپنا سیفٹی ڈپازٹ باکس کھولا۔ اس نے پاسپورٹ نکال کر اپنے بیگ میں رکھا۔ پھر وہ اوپر آئی تو کیشیر کے پاس گئی۔ ''میں اپنا اکاؤنٹ بند کرنا چاہتی ہوں''۔ اس نے کہا۔

''جی ضرور۔ آپ کا نام؟''۔

''ڈیانا اسٹیونز''۔

کیشیر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ایک منٹ پلیز''۔ پھر وہ فائلنگ کیبنٹ کی طرف بڑھا۔ اس نے کارڈز سے بھری ہوئی دراز کھولی اور کارڈ ٹٹولنے لگا۔ پھر اس نے ایک کارڈ کھینچ کر باہر نکالا اور چند لمحے اسے بغور دیکھتا رہا۔ اس کے بعد وہ واپس آیا۔ ''آپ کا اکاؤنٹ تو پہلے ہی بند ہو چکا ہے مسز اسٹیونز''۔ اس نے کہا۔

''تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے''۔

کیشیر نے کارڈ ڈیانا کے سامنے رکھ دیا۔ اس پر چھپا تھا...... موکل کی وفات کی وجہ سے اکاؤنٹ بند کر دیا گیا ہے۔

ڈیانا بے یقینی سے اس عبارت کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کیشیر کو دیکھا۔ ''کیا مجھے دیکھ کر تمہیں لگتا ہے کہ میں وفات پا چکی ہوں؟''۔

''جج...... جی...... نہیں تو۔ آئی ایم سوری۔ آپ کہیں تو میں منیجر سے......''۔

''نہیں......''۔ بات اچانک ڈیانا کی سمجھ میں آنے لگی۔ اس کے جسم میں سرد لہر سی دوڑ گئی۔ ''نہیں، شکریہ''۔

وہ دروازے کی طرف لپکی، جہاں کیلی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ''سب ٹھیک تو ہے''۔ کیلی نے اس سے پوچھا۔ (جاری ہے)

''پاسپورٹ تو مجھے مل گیا۔لیکن کم بختوں نے میرا اکاؤنٹ بند کرا دیا''۔

''یہ کیسے ممکن......''۔

''بہت آسان بات ہے۔وہ کے آئی جی ہیں اور میں ایک معمولی فرد''۔یہ کہتے کہتے ڈیانا چونکی۔''او مائی گاڈ''۔

''اب کیا ہوا؟''۔

''مجھے ایک فون کرنا ہے فوری طور پر''۔ڈیانا جلدی سے فون بوتھ کی طرف بڑھی۔اس نے ایک نمبر ملایا اور بیگ سے اپنا کریڈٹ کارڈ نکالا۔پھر اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔''یہ اکاؤنٹ ڈیانا اسٹیونز کے نام ہے......''۔

''آئی ایم سوری مسز اسٹیونز۔ہمارا ریکارڈ بتاتا ہے کہ آپ کا کریڈٹ کارڈ چوری ہو گیا ہے''۔دوسری طرف سے اس کی بات کاٹ کر کہا گیا۔''آپ کہیں تو ہم دو تین دن میں نیا کریڈٹ کارڈ جاری کر سکتے ہیں''۔

''اس کی ضرورت نہیں''۔ڈیانا نے ریسیور پٹخ دیا۔''انہوں نے میرے کریڈٹ کارڈ بھی منسوخ کرا دیے ہیں''۔اس نے کیلی سے کہا۔

کیلی نے گہری سانس لے کر کہا۔''اب میں بھی دو ایک کالز کر لوں''۔

کیلی آدھے گھنٹے تک فون کرتی رہی۔پھر وہ ڈیانا کی طرف آئی۔اس کا غصے سے برا حال تھا۔''یہ لوگ تو ہشت پا ہیں۔میرے ساتھ بھی وہی کچھ ہوا ہے۔لیکن خیر......میرا پیرس والا اکاؤنٹ تو ہے''۔

''ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے کیلی۔ہمیں فوری طور پر یہاں سے نکلنا ہے۔یہ بتاؤ،اس وقت تمہارے پاس کتنی رقم ہے؟''

''اتنی تو ہے کہ ہم بروک لین واپس جا سکتے ہیں۔تمہاری کیا پوزیشن ہے؟''۔

''میں تمہیں نیو جرسی تک پہنچا سکتی ہوں''۔

''تب تو ہم دونوں پھنس چکی ہیں۔تم ان کا مقصد سمجھ رہی ہو نا۔وہ نہیں چاہتے کہ ہم یورپ جا کر اس معاملے کی تفتیش کریں''۔

''اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو گئے''۔

کیلی کسی گہری سوچ میں تھی۔''ایسی کوئی بات نہیں''۔وہ بولی۔''یورپ تو ہم جائیں گے''۔

''کیسے؟خلائی جہاز میں بیٹھ کر؟''۔ڈیانا نے طنز کیا۔

''دیکھتی رہو''۔

............x............

ففتھ ایونیو جیولری شاپ کے جوزف بیری نے ان خوب صورت عورتوں کو آتے دیکھا تو اپنے ہونٹوں پر پیشہ ورانہ مسکراہٹ سجالی۔

''کہیے......میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''۔

کیلی نے کہا۔''میں اپنی انگوٹھی فروخت کرنا چاہتی ہوں''۔

جوزف بیری کی مسکراہٹ ہوا ہو گئی۔''مجھے افسوس ہے۔ہم جیولری نہیں خریدتے''۔

''اس کا تو آپ کو واقعی افسوس ہونا چاہیے''۔

جوزف بیری پلٹنے لگا۔اسی لمحے کیلی نے اپنی مٹھی کھولی اور جوزف کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔اس انگوٹھی میں بہت اعلیٰ درجے کا بہت بڑا زمرد دلگا تھا۔''یہ پلاٹینم کی انگوٹھی ہے۔سات قیراط کا زمرد ہے اور اس کے گرد تین قیراط کے ہیرے ہیں''۔کیلی نے کہا۔

جوزف پلٹنا بھول گیا تھا اور مبہوت ہو کر انگوٹھی کو دیکھ رہا تھا۔اس نے جوہریوں والا عدسہ آنکھ سے لگایا اور انگوٹھی کو دیکھنے لگا۔''خوب صورت...... بے حد خوب صورت۔لیکن میں دکان کے ضابطے سے مجبور......''۔

''میں اس کے بیس ہزار ڈالر مانگ رہی ہوں۔صرف بیس ہزار ڈالر''۔

''بیس ہزار ڈالر کہا ہے نا آپ نے؟''۔

''جی ہاں۔لیکن نقد''۔

ڈیانا نے کیلی کو کڑی نظروں سے دیکھا۔''کیلی......یہ کیا......''۔

جوزف بیری نے جلدی سے کہا۔''میں ابھی کچھ کرتا ہوں''۔یہ کہہ کر وہ دکان کے اندرونی حصے میں چلا گیا۔

کیلی نے ڈیانا سے کہا۔''ہمارے لیے یہاں سے نکلنا بہت ضروری ہے۔جان ہے تو جہان ہے''۔

ڈیانا کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔''لیکن کیلی......''۔

''ارے کوئی بات نہیں۔یہ محض ایک انگوٹھی ہی تو ہے''۔کیلی نے کہا۔

مگر کیلی جانتی تھی کہ وہ محض ایک انگوٹھی نہیں۔وہ تو محبت کی ایک بہت قیمتی...... وہ یادوں میں کھو گئی۔

............x............

وہ اس کا برتھ ڈے تھا۔فون کی گھنٹی بجی۔اس نے ریسیور اٹھایا۔دوسری طرف مارک تھا۔شاید اس نے سالگرہ مبارک کہنے کے لئے فون کیا تھا۔لیکن مارک نے کہا۔''آج فرصت ہے تمہیں؟''۔

''کیا ارادہ ہے؟''۔

''ہائیکنگ کا ارادہ ہے۔چلو گی؟''۔

بات کیلی کی توقع کے برعکس تھی۔اسے مایوسی ہوئی۔ایک ہفتہ پہلے ان کے درمیان سالگرہ کے بارے میں گفتگو ہوئی تھی۔لیکن اب مارک شاید بھول چکا تھا۔''کیوں نہیں''۔اس نے بجھے بجھے لہجے میں کہا۔

''میں ایک گھنٹے میں تمہیں لینے آ رہا ہوں''۔مارک نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

(جاری ہے)

ایک گھنٹے بعد وہ دونوں ہائیکنگ کے لباس میں کار میں تھے۔ ''ہم کہاں جارہے ہیں؟'' ۔ کیلی نے پوچھا۔

''فاؤنٹین بلیو''۔

''تم وہاں جاتے رہتے ہو؟''۔

''جایا کرتا تھا۔ وہاں میرا احساس تنہائی کم ہوجاتا تھا'' ۔ مارک مسکرایا۔ ''لیکن تم سے ملنے کے بعد میں نے وہاں جانا چھوڑ دیا''۔

وہ واقعی خوب صورت جگہ تھی۔ لیکن کیلی کی مایوسی بڑھتی جارہی تھی۔ کاش مارک نے اسے ایک برتھ ڈے کارڈ ہی دے دیا ہوتا۔

کار سے اتر کروہ جنگل کی طرف چل دیئے۔ ''تم ایک میل چل سکتی ہو؟''۔ مارک نے اس سے پوچھا۔

کیلی ہنس دی۔ ''ہر روز میں اس سے زیادہ دوڑتی ہوں''۔

مارک نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''آ ؤ پھر...... ہوجائے''۔

وہ دوڑتے ہوئے جنگل میں داخل ہوئے۔ اب وہ اکیلے تھے۔ سرسبز جنگل میں بیشتر درخت بہت پرانے تھے۔ درختوں سے چھن کر آتی ہوئی دھوپ، بہت اچھی لگ رہی تھی۔ ہوا میں ہلکی سی خنکی تھی۔

''کیوں...... ہے نا خوب صورت جگہ؟'' ۔ مارک نے پوچھا۔

''واقعی بہت خوب صورت ہے'' ۔ کیلی نے کہا۔ ''لیکن سنو...... تمہیں تو کام پر جانا چاہئے تھا''۔

''میں نے آج چھٹی لے لی''۔

اب وہ جنگل میں چہل قدمی کررہے تھے۔ کوئی پندرہ منٹ بعد کیلی نے پوچھا۔ ''اور کتنی دور جانا ہے؟''۔

''کچھ آگے میری ایک پسندیدہ جگہ ہے۔ بس ہم پہنچنے ہی والے ہیں''۔

چند منٹ بعد وہ ایک مسطح قطعہ زمین پر پہنچ گئے۔ وہاں شاہ بلوط کا ایک بہت بوڑھا درخت تھا۔ ''یہ لو...... ہم پہنچ گئے''۔ مارک نے کہا۔

''واہ...... بڑی پرسکون جگہ ہے یہ''۔ کیلی نے کہا۔ اسی لمحے اسے بوڑھے درخت کے تنے پر کندہ حروف نظر آئے۔ اس نے آگے جا کر دیکھا۔ لکھا تھا...... سالگرہ مبارک ہو کیلی۔

کیلی نے آنکھیں بھیگ گئیں۔ گویا مارک اس کے جنم دن کو بھولا نہیں تھا۔

''مجھے لگتا ہے کہ اس درخت کے اندر بھی کچھ ہے''۔ مارک نے کہا۔

''درخت کے اندر!''۔ کیلی نے حیرت سے کہا اور قریب جا کر اسے غور سے دیکھنے لگی۔ آنکھ کی سطح پر درخت کا تنا کھوکھلا تھا۔ پھر وہاں ایک خلا سا نظر آیا۔ اس نے خلا میں ہاتھ ڈالا۔ وہاں ایک پیکٹ موجود تھا۔ اس نے پیکٹ باہر نکالا۔ وہ ایک گفٹ باکس تھا۔

''اسے کھول کر تو دیکھو''۔ مارک بولا۔

کیلی نے باکس کھولا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ چھوٹے چھوٹے ہیروں کے درمیان گھرا ہوا وہ بڑا سا زمرد جگمگا رہا تھا۔ اس میں سے شعاعیں پھوٹ رہی تھیں، جیسے درختوں سے چھن کر آتی ہوئی دھوپ۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر سرگوشی میں بولی۔

''بہت...... بہت...... بہت شکریہ مارک''۔

''تم طلب کرتیں تو میں آسمان سے چاند بھی توڑ لاتا۔ میں تم سے اتنی محبت کرتا ہوں کیلی کہ تمہارے لئے کچھ بھی کرسکتا ہوں''۔

وہ اس سے لپٹ گئی۔

''بس اب ہمیں شادی کرلینی چاہئے...... آج ہی''۔ مارک نے کہا۔

''نہیں''۔ کیلی کی آواز اچانک کرخت ہوگئی۔

مارک نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''کیوں؟''۔

''یہ نہیں ہوسکتا''۔

''کیلی، تمہیں اب بھی میری محبت پر یقین نہیں ہے؟''۔

''یہ بات نہیں''۔

''تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں؟''۔

''میں تم سے محبت کرتی ہوں''۔

''تو پھر شادی کیوں نہیں کرنا چاہتیں؟''۔

''میں چاہتی تو ہوں۔ لیکن کر نہیں سکتی''۔

''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ سمجھاؤ تو''۔

کیلی نے سمجھ لیا کہ اب مارک کو سب کچھ بتانا پڑے گا۔ سوتیلے باپ کا وہ خوف ناک تجربہ...... اور اسے سننے کے بعد مارک کبھی بھی اس سے ملنا پسند نہیں کرے گا۔ لیکن اور کوئی صورت نہیں تھی۔ ''میں تمہارے لئے...... صحیح معنوں میں کبھی بیوی نہیں بن سکوں گی''۔ بالآخر اس نے لب کشائی کی۔

(جاری ہے)

''کیا مطلب؟ میں کچھ سمجھا نہیں''۔

اب کیلی کو مشکل ترین بات کہنی تھی۔ ''تمہیں میری قربت میسر نہیں آ سکتی۔ میں چاہوں بھی تو تمہیں کچھ نہیں دے سکتی۔ وجہ یہ ہے کہ آٹھ سال کی عمر میں...... ''۔ پھر وہ بولتی ہی چلی گئی۔ ''اب میں کیا کروں؟''۔ اس نے آخر میں کہا۔ ''میں بہت ڈرتی ہوں۔ سچ پوچھو تو میں مکمل عورت ہوں ہی نہیں۔ آدھی عورت ہوں میں''۔ اب وہ خود کو رونے سے روکنے کیلئے گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔

مارک نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''مجھے افسوس ہے کیلی۔ میں تمہاری اذیت کو سمجھ سکتا ہوں''۔

کیلی خاموش رہی۔ اس کے پاس کہنے کو اب کچھ تھا ہی نہیں۔

''شادی میں اس بات کی بے شک بڑی اہمیت ہوتی ہے''۔

کیلی نے سر کو تفہیمی جنبش دی اور دانتوں سے اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ اب وہ کیا کہے گا۔

''لیکن یہ جسمانی قربت ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی۔ میرے نزدیک شادی زندگی کے ہر لمحے کو ایک ایسے شخص کے ساتھ شیئر کرنے کا نام ہے، جس سے آپ محبت کرتے ہوں۔ خوشی ہو یا غم، اس محبوب کے ساتھ بانٹنے کا نام شادی ہے''۔

کیلی سن ہو کر رہ گئی۔ یہ سب اس کیلئے بالکل خلاف توقع تھا۔

''جسمانی قربت وقت کے ساتھ ساتھ اپنی کشش کھو بیٹھتی ہے۔ لیکن محبت کبھی کم نہیں ہوتی...... نہ دل سے، نہ روح سے۔ میں پوری سچائی کے ساتھ تم سے کہوں کہ میں اپنی زندگی کا ہر لمحہ تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔ اور میں جسمانی قربت کے بغیر بھی کام چلا سکتا ہوں''۔

کیلی نے اپنی آواز کی لرزش پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''نہیں مارک...... میں دانستہ تمہیں محرومی نہیں دے سکتی''۔

''کیوں؟''۔

''کیونکہ ایک دن ایسا آئے گا، جب تمہارے پاس پچھتاووں کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اور پھر تمہیں کسی ایسی عورت سے محبت ہو جائے گی جو تمہیں وہ سب کچھ دے سکے گی جو میں نہیں دے سکتی۔ پھر تم مجھے چھوڑ دو گے اور میرے پاس ٹوٹے ہوئے دل کے سوا کچھ بھی نہیں ہوگا''۔

مارک نے بڑھ کر کیلی کو اپنی بانہوں میں لے لیا۔ ''جانتی ہو، میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔ پوچھو کیوں؟ کیونکہ تم میرے وجود کا حصہ ہو...... بہترین حصہ! سنو کیلی، ہم شادی کر رہے ہیں''۔

کیلی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''سوچ لو کہ تم خود کو کس مصیبت میں پھنسا رہے ہو''۔

مارک مسکرایا۔ ''تم اپنی سوچو۔ تم تو کسی مصیبت میں نہیں پھنس رہی ہو''۔

کیلی ہنس دی۔ ''مجھے یقین نہیں آتا۔ کیا واقعی......''۔

''بس اب تم ہاں کہہ دو''۔

کیلی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''میں انکار کیسے کر سکتی ہوں''۔

مارک نے زمرد کی وہ انگوٹھی اسے پہنا دی۔

دونوں چند لمحوں تک گنگ کھڑے رہے۔ پھر کیلی نے کہا۔ ''کل میں تمہیں اپنی کچھ ساتھی ماڈلز سے ملواؤں گی......''۔

''میرے خیال میں تو یہ خلاف ضابطہ ہے''۔

''اب ضابطے بدل چکے ہیں''۔

مارک کھلکھلا کر ہنس دیا۔

............x............

اگلی صبح کیلی ہیرس کے ساتھ سیلون کی طرف جا رہی تھی...... اسے اپنی ساتھی ماڈلز سے ملوانے۔ اس نے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مارک سے کہا۔ ''لگتا ہے، بارش ہونے والی ہے۔ لوگ موسم کی سختی کے متعلق باتیں تو بہت کرتے ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں کوشش کوئی نہیں کرتا''۔

مارک نے سر گھما کر اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

کیلی نے اس کے تاثر کو دیکھ کر جلدی سے معذرت کی۔ ''سوری۔ تم تو سائنسداں ہو۔ مجھے تم سے ایسی بات نہیں کہنی چاہئے''۔

مارک نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔

وہ سیلون پہنچے۔ ڈریسنگ روم میں چھ سات ماڈل گرلز موجود تھیں۔ کیلی نے وہاں پہنچتے ہی کہا۔ ''میں ایک اہم اعلان کر رہی ہوں۔ اتوار کو میری شادی ہے اور اس میں تم کو شرکت کرنی ہے''۔

علیم الحق حقی

اگلے ہی لمحے ڈریسنگ روم چھچھوں سے بھر گیا۔ ''ہمیں اس پراسرار ہینڈسم سے ملواؤ نا'' ۔کسی نے کہا۔

''کیا ہم اسے جانتے ہیں؟'' ۔دوسری نے پوچھا۔

''وہ کیسا لگتا ہے؟'' ۔تیسری نے سوال اٹھایا۔

''بس یہ سمجھ لو کہ وہ کیری گرانٹ کی جوانی ہے'' ۔کیلی نے فخریہ لہجے میں کہا۔

''تو ہم سے کب ملوا رہی ہو اسے؟''۔

''ابھی......اسی وقت'' ۔کیلی نے دروازے کو پوری طرح کھولتے ہوئے پکارا۔ ''اندر چلے آؤ مارک'' ۔

مارک ڈریسنگ روم میں داخل ہوا اور اگلے ہی لمحے وہاں سناٹا چھا گیا۔ پھر ایک ماڈل نے سرگوشی میں دوسری سے کہا۔ ''یہ کوئی مذاق ہے......؟''

''ایسا ہی لگتا ہے'' ۔دوسری نے جواب دیا۔

مارک ہیرس کا قد کیلی سے پورے بارہ انچ کم تھا۔ اور وہ بے حد عام سا آدمی تھا، جس کے بالوں میں سفیدی جھلملا رہی تھی۔

پھر جب وہ پہلے شاک سے سنبھل گئیں تو تمام ماڈلز ان دونوں کو مبارک باد دینے لگیں۔

''بہت شاندار خبر ہے'' ۔

''ہم سب بہت خوش ہیں تمہارے لئے'' ۔

''ہمیں یقین ہے، تم ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش رہو گے''

کیلی اور مارک ڈریسنگ روم سے نکل آئے۔ باہر آ کر مارک نے پوچھا۔ ''کیا ان لوگوں کو میں اچھا لگا؟''۔

کیلی مسکرائی۔ ''ظاہر ہے۔ کون ایسا ہے جو تمہیں ناپسند کر سکے......'' ۔وہ چلتے چلتے رک گئی۔ ''ارے......'' ۔

''کیا ہوا؟''۔

''وہ فیشن میگزین کے سرورق پر میری تصویر چھپی ہے۔ وہ میں لانا بھول گئی۔ ابھی تمہیں لا کر دکھاتی ہوں'' ۔

کیلی ڈریسنگ روم کی طرف پلٹی۔ مگر دروازے پر ہی رک گئی۔ اندر اس کی ساتھی کہہ رہی تھی۔ ''کیلی کیا سچ مچ اس سے شادی کر رہی ہے؟''۔

''مجھے تو لگتا ہے کہ وہ پاگل ہو گئی ہے'' ۔دوسری بولی۔

''ارے......کیسے کیسے خوب رو اور دولت مند مردوں کو ٹھکرا چکی ہے۔ وہ تو کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتی تھی'' ۔

''پتا نہیں، اس شخص میں اسے کیا نظر آ گیا!''۔

کیلی کھڑی ان کی باتیں سنتی رہی۔

ایک منہ پھٹ ماڈل نے کہا۔ ''بہت سیدھی سی بات ہے'' ۔

''کچھ بتاؤ تو'' ۔

''تم لوگ ہنسو گی'' ۔

''اس کی پروا مت کرو'' ۔

''ایک محاورہ ہے......خوب صورتی درحقیقت محبت سے دیکھنے والی آنکھ میں ہوتی ہے'' ۔

لیکن یہ سن کر ہنسا کوئی نہیں۔

..................X..................

انہوں نے اپنا ہنی مون سینٹ موریٹز میں منایا۔ پیلس ہوٹل، جہاں انہوں نے قیام کیا، ایک پہاڑی پر بنایا گیا تھا۔ مارک نے وہاں ہنی مون سوئٹ پہلے ہی ریزرو کرا لیا تھا۔

وہ وہاں پہنچے تو ہوٹل کے منیجر نے ان کا استقبال کیا۔ ''شام بخیر مسٹر اینڈ مسز ہیرس۔ آپ کا سوئٹ بالکل تیار ہے'' ۔

مارک چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ''آپ ہمارے سوئٹ میں دو الگ الگ بیڈ فراہم کر سکتے ہیں؟''

منیجر بڑی مشکل سے اپنا لہجہ بے تاثر رکھ سکا۔ ''دو بیڈ؟''

''جی ہاں......پلیز'' ۔

''جی......کیوں نہیں'' ۔

''شکریہ'' ۔مارک نے کہا اور کیلی کی طرف مڑا۔ ''یہاں خوب صورت مقامات کی کمی نہیں۔ اینگا ڈین میوزیم......'' ۔

..................X..................

اب وہ دونوں اپنے سائٹ میں اکیلے تھے۔ مارک نے کہا۔ ''کیلی ڈارلنگ، تمہیں اسی صورت حال کے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ مجھے کسی بات کی پروا نہیں۔ میرے لئے بس اتنا کافی ہے کہ تم میرے ساتھ ہو۔ یہ میرے لئے زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے'' ۔

کیلی اس سے لپٹ گئی۔ ''او مارک......میں تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں'' ۔

مارک مسکرایا۔ ''بس......کچھ نہ کہو'' ۔

رات کا کھانا انہوں نے نیچے ریسٹورنٹ میں کھایا۔ پھر وہ اپنے بیڈ روم میں آ گئے۔ وہاں ان کیلئے دو جڑواں بیڈ بچھا دیئے گئے تھے۔

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

کیلی اپنے بستر پر لیٹی سوچتی رہی۔ یہ دنیا کی انوکھی سہاگ رات تھی۔ خدا نے اسے کتنا اچھا شوہر دیا...... پچھلے دکھوں اور اذیتوں کا انعام! وہ اس سہاگ رات میں اپنے شوہر سے دور لیٹی اس بھیانک رات کے بارے میں سوچ رہی تھی، جس نے اس کی زندگی بدل ڈالی تھی...... تباہ کردی تھی۔ اس کے کانوں میں اپنے سوتیلے باپ کی منحوس آواز گونج رہی تھی...... ششش...... منہ سے آواز نہ نکلے۔ اگر تم نے کسی کو کچھ بتایا تو میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا، اس نے اس کے اندر بہت کچھ ختم کردیا تھا۔ اس کے وجود کا ایک حصہ قتل ہوگیا تھا۔ وہ اندھیرے سے...... مردوں سے اور محبت سے خوف کھانے لگی تھی اور اب شاید زندگی بھر وہ ایسی ہی......

اس لمحے اس کے اندر ایک تحریک مچلی نہیں...... وہ ایسا نہیں ہونے دے گی۔ اب سچی محبت کا سہارا اسے حاصل ہے تو اسے لڑنا ہوگا۔ اس نے ایک عزم سے کروٹ بدلی اور مارک کو دیکھا۔ وہ دوسرے بیڈ پر لیٹا تھا...... دوسری طرف کروٹ لئے......! ''ہو...... میرے لئے جگہ بناؤ''۔ اس نے سرگوشی میں مارک سے کہا۔

مارک اٹھ بیٹھا۔ اس کے چہرے پر حیرت تھی۔ ''تم نے تو کہا تھا...... تم...... میں......''۔

اس رات نے زندگی تباہ کردینے والی بھیانک رات کے تمام نقش مٹادیے۔ مارک نے لائٹ آف کی تو کیلی کا جسم تن گیا۔ اسے لگا کہ وہ دہشت سے چیخ اٹھے گی۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اور ہونٹ بھینچ لئے۔ چند لمحے بعد اس نے آنکھیں کھولیں۔ ارے...... یہ محبت میں کیسا جادو ہے۔ اس نے حیرت اور خوشی سے سوچا۔ میرا اندھیرے کا خوف بھی لٹ گیا! پھر وہ......

..................X..................

کیلی؟ کیلی!۔

وہ چونک کر ماضی کے منظر سے نکل آئی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ نیو یارک میں ففتھ ایونیو پر جیولری شاپ میں کھڑی تھی۔ جوزف بری نوٹوں کی ایک گڈی اس کی طرف بڑھا رہا تھا۔ ''یہ رہے آپ کے بیس ہزار ڈالر نقد''۔

کیلی کو سنبھلنے میں چند لمحے لگے۔ پھر اس نے نوٹوں کی گڈی لیتے ہوئے کہا۔ ''شکریہ''۔

وہ دونوں باہر نکل آئیں۔ کیلی نے گن کر دس ہزار ڈالر ڈیانا کی طرف بڑھا دیے۔ ''یہ لو......''۔

''کیا مطلب؟''

''یہ تمہارا حصہ ہے''۔

''وہ کیوں......؟ نہیں، میں یہ نہیں لے سکتی''۔

''خدا ہمیں زندگی دے۔ جب چاہو واپس لوٹا دینا اور اگر ہم زندہ ہی نہ رہے تو اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ اب ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکلنا ہے''۔

..................X..................

گروس وینز اسکوائر میں صبح ہی سے مظاہرین چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں جمع ہو رہے تھے۔ دوپہر ہوتے ہوتے مجمع اتنا ہو گا کہ سنوہل اسٹیشن سے پولیس کی اضافی نفری طلب کرنی پڑ گئی۔ پھر اخباری نمائندے اور ان کے پیچھے ٹیلی ویژن والے بھی آپہنچے۔ کیمرے سیٹ کئے جانے لگے۔ اس دوران مجمع اور بڑھ گیا۔ اب وہاں اتنا ہجوم تھا کہ مظاہرین کے نعروں کی آواز آکسفورڈ اسٹریٹ اور پارک لین تک پہنچ رہی تھی۔

امریکی سفیر کی لیموزین نظر آئی تو مظاہرین کے ایک گروہ نے اس کی طرف بڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن پولیس نے رسی باندھ کر حد بندی کے ذریعے انہیں محدود کردیا تھا۔ پھر پولیس کے جوان انہیں وہ حد پار کرنے سے روکنے کے لئے بھی موجود تھے۔

ڈیکین کار سے اترا اور مظاہرین کی طرف رخ کرکے کھڑا ہوگیا۔ وہاں جو بینر لگے تھے، وہ ان کا جائزہ لے رہا تھا۔

''انسانوں کے قاتل اسرائیل کی مذمت کرو''۔

''تمہاری آواز کیوں گم ہوگئی امریکا؟''

''اسرائیلی بھیڑیوں کی حمایت ختم کرو''۔

ڈیکین تاریک شیشوں کا چشمہ لگائے ہوئے تھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ وہ پلٹا اور سفارتخانے کے داخلی دروازے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ راستے میں جابجا اخباری رپورٹرز کھڑے تھے۔

''آپ کیسا محسوس کررہے ہیں مسٹر ایمبیسڈر؟'' ان میں سے ایک نے اس سے پوچھا۔

''بہت اچھا''۔

(جاری ہے)

''آپ کے خیال میں بی بی سی کے اسٹوڈیوز میں پیش آنے والے حادثے کا آج کی اس خبر سے کوئی تعلق ہے؟''

''نہیں......ہرگز نہیں''۔ ڈیمین نے تیز لہجے میں کہا۔

وہ دروازے تک پہنچ گیا تھا۔ اخباری نمائندے اور ٹیلی ویژن کریو اب بھی اس کے پیچھے لگے تھے۔ سب اپنی اپنی بول رہے تھے۔ مگر ایک آواز واضح طور پر سب سے بلند تھی۔

''شریڈر نے جو انکشاف کیا ہے کہ اسوان ڈیم کی تباہی میں اسرائیل کا ہاتھ ہے، اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟''

ڈیمین پلٹا اور سوال کرنے والے کا سامنا کیا۔ ''اگر یہ سچ ہے تو یہ عالمی امن کی کوششوں پر کیا جانے والا بہت کاری وار ہے''۔ اس نے کہا۔

''کیا اس مذمت کی حیثیت سرکاری ہے؟'' ایک اور آواز ابھری۔

''تشدد کسی بھی روپ میں ہو، میں اس کی مذمت کرتا ہوں''۔ ڈیمین نے کہا ''لیکن ابھی حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا''۔

''روس نے مصر کو ہر طرح کی مدد کی پیش کش کی ہے۔ اس پر آپ کا کیا ردعمل ہے؟''

سیکورٹی گارڈ نے دروازہ کھولا۔ ڈیمین نے معذرت خواہانہ انداز میں ایک ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے حضرات۔ فی الوقت میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا، جو کہہ چکا ہوں''۔

وہ عمارت میں داخل ہو رہا تھا کہ کسی نے اس کے نام سے اسے پکارا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ کیٹ مجمع کو چیرتی پھاڑتی اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''صبح بخیر مس رینالڈ''۔ اس نے کہا اور سیکورٹی گارڈ کو اشارہ کیا کہ وہ کیٹ کو اندر آنے دے۔ اس پر وہاں موجود صحافیوں اور ٹی وی والوں نے عورتوں کو فوقیت دینے سے متعلق بےحد نامناسب فقرے چست کئے۔

کیٹ اندر آئی اور اس کے ساتھ چلتی لفٹ کی طرف بڑھی۔ اس کی سانس پھول رہی تھی۔

''میں نے کل رات آپ کو فون کیا تھا۔ مگر کسی نے ریسیو ہی نہیں کیا''۔ کیٹ نے کہا اور سر اٹھا کر ڈیمین کو دیکھا۔ اسٹوڈیو والے حادثے کی بنا پر وہ اب بھی اس سے شرمندہ لگ رہی تھی۔ ''ہم تلافی کے لئے کچھ نہیں کر سکتے ہیں؟''

''مثلاً؟'' ڈیمین نے لفٹ میں داخل ہوتے ہوئے کہا اور ایک بٹن دبایا۔

کیٹ نے کندھے جھٹک دیے۔ معذرت کے سوا وہ کچھ بھی تو نہیں کر سکتی تھی۔ وہ ذہن پر زور دے رہی تھی کہ کیا کہے۔ مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

ڈیمین نے اس کی مشکل آسان کر دی۔ ''مثلاً یہ کہ وہ انٹرویو ہی مکمل کر لیا جائے؟''

کیٹ نے شکر گزاری سے اثبات میں سر ہلایا۔

''لیکن میں اصرار کروں گا کہ انٹرویو میرے گھر میں ریکارڈ کیا جائے۔ تمہارا اسٹوڈیو میرے ذوق کے لحاظ سے کچھ زیادہ ہی ڈرامائی ہے''۔

کیٹ نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ وہ پرسکون ہو گئی۔

اسی لمحے لفٹ کا دروازہ کھلا۔ ڈیمین نے چشمہ اتارا۔ ''انٹرویو کے بعد تم چاہو تو میرے ساتھ ڈنر کر سکتی ہو''۔ وہ لفٹ کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ ''بس ہم تینوں ہوں گے ڈنر میں''۔

کیٹ نے پلکیں جھپکائیں۔ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

''تم، میں اور پیٹر''۔ ڈیمین نے وضاحت کی۔

پیٹر؟ کیٹ نے سوچا۔ مگر پیٹر کیوں؟ پھر نہ چاہتے ہوئے بھی لفظ اس کے ہونٹوں سے پھسل پڑے۔ ''ٹھیک ہے ڈیمین، شکریہ۔ لیکن اس کے لئے پیٹر کو بھی آپ کے گھر آنا ہوگا''۔

(جاری ہے)

"ہاں۔ یہی تو میں چاہتا ہوں"۔ ڈیمین نے کہا اور دروازہ چھوڑ دیا۔ لفٹ کا دروازہ بند ہوا اور وہ نیچے جانے لگی۔

کیٹ کو اب خود پر غصہ آ رہا تھا۔ کیوں اس نے منہ سے یہ بات نکالی۔ اس کا انداز ایسا تھا، جیسے وہ کہہ رہی ہو...... پیٹر کی کیا ضرورت ہے۔ بس ڈنر پر ہم دونوں ہوں۔ چھوڑو اسے۔ اور اس کا انداز ایسا تھا، جیسے وہ گر جانے کی حد تک خود کو اس پر تھوپ رہی ہو۔ طشتری میں رکھ کر اپنے وجود کو پیش کر رہی ہو اور اس کے ساتھ ہی اسے احساس ہوا کہ وہ خود اپنے بیٹے سے جل رہی ہے۔ ڈیمین کی خاطر وہ پیٹر سے حسد کر رہی ہے اور اسے یہ احساس بھی ہوا کہ جیسے پیٹر اور ڈیمین باہم رازدار ہیں اور اس کے پیٹھ پیچھے اس کے بارے میں باتیں کرتے رہے ہیں۔

لفٹ سے اتر کر بھی وہ زیر لب متاتی رہی۔ پھر اس نے سر جھٹکا۔ ایک سیکورٹی گارڈ اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

دروازے پر پہنچ کر وہ آپ ہی آپ مسکرائی۔ ڈیمین خود کو کیا سمجھتا ہے۔ اب وہ اسے ایک معزز خاتون بن کر دکھائے گی۔ کیا مطلب تھا اس کا یہ کہنے کا کہ اپنے بیٹے کو ساتھ لانا۔ مطلب یہ کہ کوئی ان کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات نہ سوچے۔ کتنا معزز سمجھتا ہے وہ خود کو......

اور پھر اس نے سوچا، یہ معزز شخص گزشتہ رات کہاں رہا ہے اور کیا کرتا رہا ہے۔ کیونکہ اس کے چہرے اور متورم آنکھوں سے صاف لگتا ہے کہ گزشتہ رات وہ ایک لمحے کیلئے بھی نہیں سویا ہوگا!۔

..................X..................

سفارت خانے کا فرنیچر اور اس کی آرائش یکسر تبدیل ہو چکی تھی۔ اینڈریو ڈوائل کے زمانے میں چمڑے اور مہاگنی کا غلبہ تھا جبکہ اب وہاں رنگین جسی فرنیچر تھا۔

ہاروے ڈین کھڑکی میں کھڑا تھا۔ خون اس کے کان سے لگا تھا اور اسے احساس ہو رہا تھا کہ یہ سب کچھ وہ پہلے بھی کر چکا ہے۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ شکاگو میں ہے اور بلوہ ہوتے دیکھ رہا ہے۔ مظاہرین اسے بالکل صاف اور واضح دکھائی دے رہے تھے اور ساؤنڈ پروفنگ کے باوجود اسے ان کے نعروں کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ وہ مجمعے کی تعداد کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"وائٹ ہاؤس کو کب پتا چلا؟" اس نے ریسیور میں کہا۔ دوسری طرف سے جواب سن کر اس نے اثبات میں سر ہلایا اور اپنی گھڑی میں وقت دیکھا۔" ...... ہمارے وقت کے مطابق ڈھائی بجے۔ اس کا مطلب ہے کہ ردعمل سامنے آنے میں ...... کیا...... تمہارے ہاں کے مطابق دوپہر کو......"۔

اس نے داہنی سمت سے پولیس کی نفری کو اندر گھستے دیکھا۔ "ایسا زبردست مظاہرہ میں نے کبھی نہیں دیکھا" اس نے طمانیت بھرے لہجے میں کہا۔" میں تو یہ سوچ کر حیران ہوں کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا، جو اس وقت اسرائیلی سفارت خانے میں ہیں"۔

وہ پلٹا اور کمرے کے وسط میں چلا آیا۔ ٹیلی فون کا تار اس کے عقب میں سانپ کی طرح لہراتا چل رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

"نہیں بھئی، بیٹا ہے"۔ اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔" اور خاصا بدصورت ہے لیکن ایک نظر میں اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بہت وجیہہ نکلے گا"۔

دوسری طرف سے مبارک باد دی گئی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ڈیمین کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔" ٹھیک ہے پال۔ پھر ملاقات ہوگی"۔ اس نے کہا۔

ڈیمین کے ہونٹوں سے سرکاری مسکراہٹ معدوم ہو چکی تھی۔ آفس کے بند دروازوں کے پیچھے وہ اپنے اصل موڈ کا اظہار کر سکتا تھا، جو کہ بہت خراب تھا۔

"یہ بوہر سے بات ہو رہی تھی میری"۔ ڈین نے اسے بتایا۔ اسے فضا کی تبدیلی کا بالکل احساس نہیں تھا۔" اس نے این ایل ایف رپورٹ وائٹ ہاؤس بھیج دی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ رپورٹ بہت کمزور ہے"۔

ڈیمین نے جواب میں کچھ نہیں کہا اور کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔

"پھول بھجوانے کا شکریہ"۔ ڈین نے کہا۔" باربرا کو پھول بہت پسند آئے"۔

"اور خنجروں کے بارے میں کیا کہا اس نے؟" ڈیمین نے چڑچڑے پن سے کہا۔ وہ ڈین کو جتنا رہا تھا کہ یہ وقت پھولوں پر بات کرنے کا نہیں ہے۔

ہاروے ڈین کی خوش دلی ہوا ہوگئی۔ وہ ایک دم سنجیدہ ہوگیا۔" بوہر نے اپنے چیلوں کو اس کام پر لگا دیا ہے"۔ اس نے کہا۔" پتا چلا ہے کہ حال ہی میں ان کی نیلامی ہوئی تھی۔ وہاں ایک پادری نے اس کی بولی چھڑائی اور اس نے خنجر اٹلی کی ایک خانقاہ کو بھیج دیئے"۔

(جاری ہے)

وہ میز کی طرف بڑھا اور اپنے نوٹس کا جائزہ لینے لگا۔ ''اس جگہ کا نام سوب...... '' وہ اٹک گیا۔

''سوبیا کوہوکا''۔ ڈیمین نے کہا۔ ''اور وہ خانقاہ سانتا بنی ڈکٹس کی ہوگی''۔

''جی ہاں، بالکل درست''۔ ڈین بولا۔ اسے خوشی تھی کہ ڈیمین کچھ بولا تو۔ اس سے اس کا کچھ حوصلہ بڑھا۔ ''اب اٹلی میں ہمارے لوگ اس معاملے کی مزید چھان بین کر رہے ہیں۔ امید ہے......''۔

''اب بہت دیر ہوگئی۔ پرندے وہاں سے اڑ چکے ہوں گے''۔ ڈیمین نے اس کی بات کاٹ دی۔

ڈیمین پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ وہ یوں خود کلامی کر رہا تھا، جیسے اسے ہاروے ڈین کی موجودگی کا احساس ہی نہ ہو۔ ''وہ اس وقت انگلینڈ میں ہوں گے...... نزارین کی دوسری ولادت کے منتظر اور وہ مجھے ختم کرنا چاہیں گے...... اس سے پہلے کہ میں انہیں ختم کر دوں''۔ وہ آسمان کو گھورنے لگا۔ ''اور وہ کل رات پیدا ہو گیا''۔

ہاروے ڈین نے پلکیں جھپکائیں۔ اس کے نوٹس فرش پر گر گئے اور بکھر کر ادھر ادھر اڑنے لگے۔ لیکن اسے اس کا احساس ہی نہیں تھا۔

''اس کی پیدائش کے لمحے سے مجھے اس کی موجودگی کا احساس مستقل ستا رہا ہے''۔ ڈیمین نے پلٹ کر ہاروے ڈین کو دیکھا۔ ''جیسے وہ کوئی وائرس ہے جو میری توانائیاں چاٹ رہا ہے۔ میری طاقت سلب کرنے کی کوشش کر رہا ہے''۔

بات ہاروے ڈین کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ پہلی بار اس نے غور کیا کہ ڈیمین کسی قدر تھکا ہوا اور نڈھال لگ رہا ہے، اس کی آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے تھے۔ چہرے پر لکیریں کھنچ گئی تھیں۔ اس کے چہرے پر پہلے جیسی تازگی اور نوعمری نہیں تھی۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ ایک ہی رات میں وہ بوڑھا ہو گیا ہے۔

''اب جب تک وہ زندہ رہے گا، اس کی طاقت بڑھے گی اور میری طاقت کم ہوگی''۔ ڈیمین نے کہا۔ پھر وہ دوبارہ پلٹا اور کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔ حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ ''کیا تم اتنے بزدل ہو نزارین کہ اکیلے میرا سامنا نہیں کر سکتے''۔ اس کے لفظوں میں چیلنج تھا۔ لیکن لہجے میں تھکن تھی۔ ''لیکن تم کہیں بھی چھپو، بالآخر میں تمہیں ڈھونڈ کر شکار کر لوں گا اور میں اس بار تمہیں عدم کی صلیب پر لٹکا دوں گا۔ تاکہ انسانیت کو تقوی کی صلیب سے نجات مل جائے''۔

ہاروے ڈین کے جسم میں تھرتھری سی دوڑ گئی۔ وہ کھڑکی کی طرف بڑھا۔ جو کچھ ڈیمین دیکھ رہا تھا، وہ بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ اسے سمجھنا چاہتا تھا۔ اس اذیت کو شیئر کرنا چاہتا تھا، جس سے ڈیمین گزر رہا تھا۔

نیچے لوگوں کا ہجوم تھا۔ ہاروے ڈین اسے ٹٹولنے والی نظروں سے...... بائیں سے دائیں دیکھتا رہا۔ اچانک اس کی نظر ہجوم کے عین درمیان ایک پلے کارڈ پر جم گئیں۔ وہ ٹھٹھر کر رہ گیا۔ اس نے ڈیمین کو پکارا اور اس سمت اشارہ کیا۔

ڈیمین نے اشارے کی سمت اس پلے کارڈ کو دیکھا......

''جشن مناؤ۔ مسیح علیہ السلام دوبارہ پیدا ہو گئے ہیں''۔

اور وہ دونوں اس شخص کو دیکھنے لگے، جس کے ہاتھ میں وہ پلے کارڈ تھا۔ وہ شخص جوغہ پہنے ہوئے تھا۔ اسی لمحے اس نے بھی ان دونوں کو دیکھا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر فاتحانہ نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

ڈیمین کا جسم تھرایا اور وہ یوں جھٹکے سے پیچھے ہٹا، جیسے کسی نے اسے زوردار گھونسہ مارا ہو۔ اس نے نفی میں سر ہلایا اور کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

..................X..................

رات کا آغاز ہوا اور مظاہرہ دم توڑنے لگا۔ مظاہرین چھوٹے چھوٹے گروپوں میں منتشر ہو کر اسکوائر سے ہٹنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اسکوائر خالی ہو گیا۔ لیکن وہ شخص موجود رہا۔ وہ بنچ پر بیٹھا کبوتروں کو دانہ ڈالتا رہا۔ اس کا پلے کارڈ بنچ پر اس کے پہلو میں پڑا تھا۔

ہر چند منٹ بعد برادر میتھیوز سر اٹھا کر عمارت کو دیکھتا۔ عمارت میں ایک ایک کر کے لائٹس آف ہو رہی تھیں۔ مختلف دروازوں سے اسٹاف کے لوگ باہر نکل کر اپنے گھروں کو جا رہے تھے۔ پھر لیموزین آتی دکھائی دی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ گھاس پر چلتا ہوا وہ آگے بڑھا۔ گاڑی رک گئی، انجن بند ہوا اور ڈرائیور نے اپنے چہرے پر کیپ جھکائی اور سیٹ سے ٹیک لگا کر اونگھنے لگا۔

اب عمارت میں صرف ایک کمرا روشن تھا اور اس کی کھڑکی سے برادر میتھیوز کو وہ دونوں آدمی جھانکتے نظر آئے۔

''جشن مناؤ۔ کیونکہ مسیح علیہ السلام دوبارہ پیدا ہو چکے ہیں''۔

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

برادر میتھیوز نے دھیمی آواز میں کہا۔

اندر سفارت خانے میں ہاروے ڈین بےچین اور مضطرب تھا۔ وہ پوری شام ضائع ہوگئی تھی۔ کام کا ڈھیر لگتا رہا تھا۔ لیکن ڈیمین نے کام کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو بس گم سم سا کھڑکی سے باہر اسکوائر میں دیکھتا رہا تھا اور وہ خاموش بھی تھا۔ ہاروے ڈین صرف کمرے کے سوگوار ماحول سے بچنے کے لئے بلاضرورت واش روم کے چکر لگاتا رہا تھا۔

اور ڈیمین اب بھی دیکھے جا رہا تھا۔

''یہ کیا کر رہا ہے آخر؟ کیوں بیٹھا ہے وہاں؟'' ہاروے ڈین بڑبڑایا۔

''میرا انتظار کر رہا ہے''۔ ڈیمین نے مشینی انداز میں کہا۔ ''وہ میرے لئے جال بچھائے بیٹھا ہے''۔

''بےوقوف ہے...... پاگل کہیں کا''۔ ہاروے ڈین نے نفرت سے کہا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ پولیس کو اس شخص کے بارے میں مطلع کر دے۔ اس کی یہاں موجودگی ہی توہین تھی۔ ''وہ یہ کیوں سمجھتا ہے کہ تم اس کے جال میں جا پھنسو گے؟''۔

''کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میں کیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں''۔

''ڈین نے کندھے جھٹک دیے۔ اس کی سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔ اسے اسٹوڈیو میں وہ جھلسٹی ہوئی لاش یاد آئی۔ پھر اسے ایک خیال آیا۔ ''ممکن ہے، اس کے پاس بھی ایک خنجر ہو''۔ اس نے کہا۔

ڈیمین ڈیسک کی طرف گیا اور وہاں سے ایک دوربین اٹھا لایا۔ کھڑکی میں آ کر اس نے دوربین کو اس شخص پر فوکس کیا۔ ''یقیناً...... اس کے پاس بھی خنجر ہے''۔ اس نے کہا۔ ''اگر نہ ہوا تو میں سمجھوں گا کہ میں نے اپنا وقت ضائع کیا ہے''۔

ہاروے ڈین نے سر جھٹکا۔ یہ سب اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ ڈیمین معمول میں بات کر رہا تھا۔ لیکن شاید بہتری بھی اسی میں تھی۔ اس نے سوچا، جتنا کم معلوم ہو، اتنا ہی اچھا ہے۔ کون الجھن میں پڑے۔

............x............

لیکسنگٹن ایونیو پر ڈیانا نے ایک ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا۔

''کہاں جا رہی ہو تم؟''۔

''لاگارڈیا ایئرپورٹ''۔

کیلی نے اسے حیرت سے دیکھا۔ ''جانتی ہو کہ وہ تمام ایئرپورٹس کی نگرانی کر رہے ہوں گے!''۔

''ہاں، مجھے یہی امید ہے''۔

''تو پھر تم خودکشی......''۔ کیلی کہتے کہتے رک گئی۔ ''اس کا مطلب ہے کہ تمہارا کوئی منصوبہ ہے''۔

''بالکل''۔ ڈیانا نے کہا۔ ''چلو میرے ساتھ''۔ اس نے کیلی کا ہاتھ تھام لیا۔

............x............

لاگارڈیا کے ٹرمینل میں ڈیانا ال اطالیہ ایئرلائنز کے کاؤنٹر کی طرف بڑھی۔ کیلی اس کے پیچھے تھی۔

''صبح بخیر خواتین''۔ کاؤنٹر پر بیٹھے ایجنٹ نے کہا۔ ''کہیے...... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''۔

ڈیانا مسکرائی۔ ''ہمیں لاس اینجلز کے دو ٹکٹ درکار ہیں''۔

''کب جانا چاہیں گی آپ؟''۔

''پہلی دستیاب فلائٹ پر۔ میں ڈیانا اسٹیونز ہوں اور یہ کیلی ہیرس''۔

کیلی نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

ٹکٹ ایجنٹ شیڈول چیک کر رہا تھا۔ پھر اس نے سر اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''سوا دو بجے کی فلائٹ کے ٹکٹ مل سکتے ہیں آپ کو''۔

''جی...... بہت مناسب ہے''۔

''ادائیگی کیش سے کریں گی یا کریڈٹ کارڈ سے؟''۔

''کیش سے''۔ ڈیانا نے کہا اور رقم نکال کر ادائیگی کر دی۔

''یہ تو تم خود کو مشتہر کر رہی ہو۔ تاکہ کنگسلے کو ہمیں ڈھونڈنے میں پریشانی نہ ہو''۔ کیلی نے کہا۔

''تم پریشان بہت ہوتی ہو''۔ ڈیانا نے بےپروائی سے کہا۔

اب وہ امریکن ایئرلائنز کے بوتھ کے سامنے سے گزر رہی تھیں۔ وہاں سے ڈیانا نے میامی کی فلائٹ کیلئے دو سیٹیں بک کرا لیں فلائٹ تین گھنٹے بعد روانہ ہونے والی تھی۔ اس نے وہاں بھی نقد ادائیگی کی۔

وہ وہاں سے ہٹیں تو کیلی نے کہا۔ ''اس سے تو تم کسی بچے کو بھی بےوقوف نہیں بنا سکتیں۔ وہ تو جینیئس لوگ ہیں''۔

''تم دیکھتی رہو''۔ ڈیانا نے کہا اور باہر جانے والے دروازے کی طرف چل دی۔

کیلی اس کے ساتھ تھی۔ ''اب کہاں جا رہی ہو؟'' اس نے پوچھا۔ پھر جلدی سے بولی۔ ''بتانے کی ضرورت نہیں۔ میں جاننا بھی نہیں چاہتی۔

وہ ٹرمینل سے نکلیں۔ باہر ٹیکسیوں کی قطار تھی۔ اسی وقت ٹیکسی گیٹ کے پاس آئی۔ ڈیانا نے اسے روک لیا۔ ''ہمیں کینیڈی ایئرپورٹ جانا ہے''۔

''بیٹھ جائیے''۔

ٹیکسی چلی تو ڈیانا نے ڈرائیور سے کہا۔ ''تمہیں یہ خیال رکھنا ہوگا کہ کوئی ہمارا تعاقب نہ کر پائے''۔

ڈرائیور نے عقب نما میں اسے دیکھا اور مسکرایا۔ ''آپ نے بہت اچھی ٹیکسی کا انتخاب کیا ہے مادام۔ بےفکر ہو جائیں''۔ یہ کہہ کر اس نے ایکسیلیٹر پر دباؤ ڈالا اور بالکل اچانک یوٹرن لیا۔ پہلے کارنر پر اس نے گاڑی اسٹریٹ پر لی اور پھر ایک گلی میں موڑ لیا۔

دونوں عورتوں نے پیچھے دیکھا۔ ان کے عقب میں کوئی کار نہیں تھی۔

اگلے آدھے گھنٹے میں ڈرائیور اسی انداز میں ٹیکسی چلاتا رہا۔ اس دوران وہ کئی سائیڈ اسٹریٹس سے گزرے۔ بالآخر ٹیکسی کینیڈی ایئرپورٹ پہنچ کر رک گئی۔ ''یہ لیجیے...... آ گیا ایئرپورٹ''۔ ڈرائیور نے فاتحانہ لہجے میں کہا۔

ڈیانا نے پرس سے کچھ نوٹ نکال کر ڈرائیور کو دیے۔ ''کرائے کے علاوہ یہ تمہارا انعام ہے''۔

ڈرائیور نے نوٹ لئے اور مسکرایا۔ ''شکریہ خاتون''۔

وہ دونوں عورتوں کو ٹرمینل میں داخل ہوتے دیکھتا رہا۔ وہ اندر چلی گئیں تو اس نے اپنا موبائل فون اٹھایا اور ایک نمبر ملایا۔ ''ٹینر کنگسلے سے بات کرائیے پلیز......''۔

............x............

ڈیلٹا ایئرلائن کے کاؤنٹر پر ٹکٹ ایجنٹ نے سامنے رکھے بورڈ کا جائزہ لیا۔ ''جی ہاں۔ آپ کی مطلوبہ فلائٹ پر دو سیٹیں دستیاب ہیں''۔ اس نے کہا۔ ''فلائٹ شام پانچ بج کر پچاس منٹ پر روانہ ہوگی۔ میڈرڈ میں جہاز ایک گھنٹا رکے گا۔ اور بارسلونا صبح نو بج کر بیس منٹ پر پہنچے گا''۔

''ٹھیک ہے''۔

''آپ کیش دیں گی یا کریڈٹ کارڈ......''۔

ڈیانا نے پرس سے رقم نکالی اور ٹکٹ ایجنٹ کی طرف بڑھائی۔ پھر وہ کیلی کی طرف مڑی۔ ''آؤ...... اب لاؤنج میں چلیں''۔

............x............

آدھے گھنٹے بعد ہیری فلنٹ موبائل پر ٹینر کنگسلے سے بات کر رہا تھا۔ ''جو آپ چاہتے تھے، وہ میں معلوم کر چکا ہوں۔ وہ ڈیلٹا کی فلائٹ سے بارسلونا جا رہی ہیں۔ فلائٹ کا ٹائم پانچ بج کر پچاس منٹ ہے۔ جہاز ایک گھنٹا میڈرڈ میں رکے گا اور صبح نو بیس پر بارسلونا پہنچے گا''۔

''گڈ۔ تم کمپنی کے جیٹ کے ذریعے بارسلونا پہنچو مسٹر فلنٹ اور وہاں ان کا خیر مقدم کرو...... گرم جوشی سے''۔

ٹینر نے فون رکھا ہی تھا کہ اینڈریو اندر آیا۔ ''یہ شیڈول دیکھ......''۔ اس کے کوٹ کے کالر میں کورونیشن لگا تھا۔

''یہ کیا بکواس ہے'' ٹینر غرایا۔

''تمہی نے تو کہا تھا......''۔

''میں کالر کے اس پھول کے بارے میں پوچھ رہا ہوں''۔

اینڈریو کا چہرہ کھل اٹھا۔ ''تمہاری شادی میں، میں تمہارا شہ بالا بنوں گا''۔

ٹینر کا منہ بن گیا۔ ''یہ تم کیا کہہ......''۔ پھر اچانک ہی بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ ''یہ تو سات سال پرانی بات ہے احمق۔ اور شادی تو ہو ہی نہیں پائی تھی۔ اچھا، اب تم یہاں سے دفع ہو جاؤ''۔

اینڈریو اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اس کے چہرے پر شاک کا تاثر تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔

''چلے جاؤ''۔

ٹینر اینڈریو کو جاتے دیکھتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا...... اب وقت آ گیا ہے کہ اینڈریو سے جان چھڑائی جائے...... اسے کہیں بھجوا دیا جائے!

............x............

جہاز ٹیک آف کر چکا تھا۔ کیلی کھڑکی سے نیویارک کو دور ہوتے دیکھ رہی تھی۔ ''تمہارا کیا خیال ہے، ہم بچ نکلیں گے؟''۔

(جاری ہے)

ڈیانا نے نفی میں سر ہلایا۔ ''جلد یا بدیر، انہیں پتا چل ہی جائے گا۔ مگر یہ تو ہے کہ ہم نیو یارک سے نکل آئے''۔ اس نے اپنے بیگ سے کمپیوٹر کا پرنٹ آؤٹ نکالا اور اس کا جائزہ لینے لگی۔ ''برلن میں سونجا دربرگ۔ وہ مر چکی ہے اور اس کا شوہر غائب ہے۔ ڈین ور میں گیری رینالڈز......'' وہ ہچکچائی۔ مگر پھر بولی۔ ''اور مارک اور رچرڈ......''۔

کیلی نے پرنٹ آؤٹ کو دیکھا۔ ''تو ہمیں پیرس، برلن اور ڈین ور جانا ہے۔ پھر نیو یارک واپس آنا ہے''۔

''ہاں۔ ہم سان سبستیان سے سرحد پار کر کے فرانس میں داخل ہوں گے''۔

............x............

کیلی فرانس پہنچنے کے لئے بے تاب تھی۔ وہاں وہ سام میڈوز سے بات کرنا چاہتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس کی مدد کر سکے گا۔ دوسری طرف انجلو بھی تو اس کا منتظر ہو گا۔

''تم کبھی اسپین گئی ہو؟'' ڈیانا نے اس سے پوچھا۔

''مارک ایک بار مجھے وہاں لے گیا تھا۔ وہ بے حد......'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔ خاصی دیر وہ خاموش رہی۔ پھر بولی۔ ''شاید زندگی بھر اب یہ میرا مسئلہ رہے گا۔ میرے پاس ہر حوالہ مارک کا ہے۔ شاید تمہارا اور رچرڈ کا بھی کچھ ایسا ہی تعلق تھا۔ بعض شادیاں ایسی ہی ہوتی ہیں''۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو''۔ ڈیانا نے نرم لہجے میں کہا۔ ''یہ بتاؤ، مارک کیسا تھا؟''

''اس میں معصومیت ننھے بچوں کی سی تھی۔ دل بچے کا اور دماغ جینیئس کا۔ جب وہ پہلی بار مجھے ڈیٹ پر لے کر گیا تو اس نے بہت خراب فٹنگ والا گرے سوٹ پہنا تھا۔ جوتے براؤن تھے، شرٹ گرین اور سرخ چیک دار ٹائی۔ شادی کے بعد میں نے ہمیشہ اس کے لباس کا خاص طور پر خیال رکھا''۔ کیلی کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ پھر بولی۔ ''مارک مجھے تحفوں کی شکل میں سرپرائز دیتا رہتا تھا۔ لیکن اس کا سب سے بڑا تحفہ یہ تھا کہ اس نے مجھے محبت کرنا سکھا دیا''۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ اس نے رومال سے انہیں خشک کرتے ہوئے کہا۔ ''اب مجھے رچرڈ کے بارے میں بتاؤ''۔

ڈیانا مسکرائی۔ ''وہ بہت رومان پسند تھا۔ وہ بہت ذہین سائنس داں تھا۔ گھر میں چھوٹی چھوٹی چیزیں مرمت کرنا اسے بہت پسند تھا۔ لیکن اس کے مرمت کرنے کے بعد مجھے کسی ایکسپرٹ کو بلا کر دوبارہ مرمت کرانی پڑتی تھی۔ مگر میں نے اسے کبھی اس بات کی خبر نہیں ہونے دی''۔

آدھی رات تک وہ دونوں باتوں میں لگی رہیں۔ ڈیانا کو احساس ہو رہا تھا کہ ان دونوں نے پہلی بار اپنے شوہروں کے بارے میں بات کی ہے۔ ایسا لگتا تھا کہ دونوں کے درمیان جو اجنبیت کی دیوار کھڑی تھی، گر گئی ہے۔

کیلی نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ ''بھئی اب کچھ دیر سو لیا جائے۔ مجھے لگتا ہے کہ کل کا دن بہت تھکا دینے والا اور سنسنی خیز ہو گا''۔

یہ کہتے ہوئے اسے اندازہ نہیں تھا کہ آنے والے دن کی سنسنی خیزی اس کے تصور سے کہیں بڑھ کر ہو گی۔

............x............

بارسلونا کے ایل پراٹ ایئرپورٹ پر ہیری فلنٹ ہجوم میں جگہ بناتی آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ اس بڑی کھڑکی کی طرف گیا، جہاں سے رن وے کا منظر نظر آتا تھا۔ پھر اس نے سر گھما کر اس بورڈ کا جائزہ لیا، جس پر آمد و روانگی والی پروازوں کی تفصیل موجود تھی۔ یہ دیکھ کر اسے اطمینان ہوا کہ نیو یارک سے آنے والی فلائٹ لیٹ نہیں ہے۔ اسے آدھے گھنٹے میں یہاں پہنچ جانا تھا۔ سب کچھ منصوبے کے عین مطابق ہو رہا تھا۔ اسے بس انتظار کرنا تھا۔

(جاری ہے)

تیس منٹ بعد نیویارک سے آنے والی پرواز کے مسافر اترنے لگے۔ ان کے انداز میں ہیجان تھا۔ کیونکہ ان میں اکثریت سیاحت کی غرض سے آنے والوں کی تھی ان میں بچے بھی تھے اور نو بیاہتا جوڑے بھی، جو ہنی مون منانے نکلے تھے۔

ہیری فلنٹ ایسی جگہ کھڑا تھا، جہاں سے وہ کسی کی نظروں میں آئے بغیر تمام مسافروں کو دیکھ سکتا تھا۔ وہ کیلی اور ڈیانا کا منتظر تھا۔ فلائٹ کے مسافروں کی آمد کا سلسلہ رک گیا۔ مگر وہ دونوں ابھی تک نظر نہیں آئی تھیں۔ اس نے پانچ منٹ مزید انتظار کیا۔ پھر وہ بورڈنگ گیٹ کی طرف چل دیا۔

''سر...... آپ وہاں نہیں جاسکتے''۔ سیکورٹی افسر نے اسے روک دیا۔

''ایف اے اے''۔ فلنٹ نے سخت لہجے میں کہا ''ہمیں اطلاع ملی ہے کہ جہاز کے ٹوائلٹ میں ایک پیکٹ چھپایا گیا ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فوری طور پر جا کر اسے چیک کروں''۔ یہ کہہ کر وہ بے پروائی سے جہاز کی طرف بڑھ گیا۔

جہاز سے اب عملے کے افراد باہر آرہے تھے۔ ''میں آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں؟''۔ ایک فلائٹ اٹینڈنٹ نے پوچھا۔

''ایف اے اے انسپکشن''۔ فلنٹ نے کہا۔

وہ سیڑھیاں چڑھ کر جہاز میں داخل ہوا۔ مگر وہاں کوئی مسافر موجود نہیں تھا۔

''کوئی مسئلہ ہے جناب؟''۔ ایک اور فلائٹ اٹینڈنٹ نے پوچھا

''ہاں۔ یہاں بم کی موجودگی کی اطلاع ملی ہے''۔

ہیری فلنٹ نے پورے جہاز کو چھان مارا۔ لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ دونوں عورتیں نجانے کہاں غائب ہوگئی تھیں۔

............x............

''وہ جہاز پر موجود نہیں تھیں مسٹر کنگسلے''۔

ٹینر کی آواز خطرناک حد تک نرم اور دھیمی تھی۔ ''تم نے انہیں جہاز پر سوار ہوتے دیکھا تھا مسٹر فلنٹ؟''۔

''جی ہاں جناب''۔

''اور جہاز کے ٹیک آف کے وقت بھی وہ جہاز میں ہی تھیں؟''۔

''جی ہاں جناب''۔

''تو سیدھی سی بات ہے۔ وہ اڑتے ہوئے جہاز سے تو نہیں اتر سکتیں۔ یہ ممکن ہے کہ وہ میڈرڈ میں اتر گئی ہوں''

''جی...... جی ہاں جناب''

''اس کا مطلب ہے کہ وہ میڈرڈ سے فرانس میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتی ہیں'' ٹینر نے کہا ''اب ان کے سامنے چار امکانات ہیں، نمبر ایک، وہ بارسلونا کے لئے دوسری فلائٹ پکڑ سکتی ہیں۔ نمبر دو، وہ ٹرین بس یا کار میں سفر کرسکتی ہیں۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ وہ سان سباستین کے بارڈر سے کار میں سرحد پار کر کے فرانس میں داخل ہوں گی''

''اگر......''

''میری بات مت کاٹو مسٹر فلنٹ۔ میڈرڈ سے سان سباستین تک پانچ گھنٹے کی ڈرائیو ہے۔ اب میں وہ بتاؤں گا جو تم سے چاہتا ہوں۔ تم جہاز کے ذریعے میڈرڈ جاؤ۔ وہاں ایئرپورٹ پر کار کرائے پر دینے والی ہر ایجنسی کو چیک کرو۔ یہ معلوم کرو کہ انہوں نے کس طرح کی کار کرائے پر لی ہے۔ اس کا کلر، میک، ہر چیز......''

''بہت بہتر جناب''

''پھر تم کمپنی کے جہاز سے سان سباستین جاؤ۔ وہاں ایک بڑی کار کرائے پر لو اور ہائی وے پر ان کا انتظار کرو۔ میں یہ نہیں چاہوں گا کہ وہ سان سباستین پہنچ پائیں۔ اس سے پہلے ہی تمہیں ان کا استقبال کرنا ہوگا اور ہاں مسٹر فلنٹ، یاد رکھو۔ ان کی موت حادثہ نظر آنی چاہئے''

............x............

ڈیانا اور کیلی نے میڈرڈ ایئرپورٹ پر ایک اوسط درجے کی کار رینٹل ایجنسی سے کرائے پر کار لی۔ انہوں نے مشہور ایجنسیوں کو نظر انداز کر دیا تھا۔

''سان سباستین جلد از جلد پہنچنے کا راستہ بتاؤ''۔ ڈیانا نے کہا۔

''پانچ گھنٹے کا ڈرائیو ہے اور راستہ بہت آسان ہے''۔ ایجنسی کے کلرک نے کہا اور انہیں راستہ سمجھانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد کیلی اور ڈیانا روانہ ہوگئیں۔

............x............

کے آئی جی کا پرائیویٹ جیٹ ایک گھنٹے بعد میڈرڈ ایئرپورٹ پر اترا۔ ہیری فلنٹ اترا اور کرائے پر کار دینے والی ایجنسیوں سے پوچھ گچھ کرنے لگا۔ ''یہاں مجھے اپنی بہن اور اس کی سہیلی سے ملنا تھا''۔ وہ ہر جگہ یہی کہتا ''میری بہن کی سہیلی یوریشین ہے اور بہت پرکشش عورت ہے۔ وہ دونوں ڈیلٹاس فلائٹ سے نیویارک سے یہاں آئی ہیں۔ یہاں سے انہوں نے کار تو کرائے پر نہیں لی''

ہر بڑی ایجنسی سے اسے نفی میں جواب ملا۔ تب وہ چھوٹی ایجنسیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ بالآخر ایلسا پر اسے مثبت جواب ملا۔ ''جی سینور، مجھے وہ دونوں یاد ہیں۔ وہ......''

''کون سی کار لی انہوں نے؟''

''سرخ رنگ کی پی جو......''

''اس کا پلیٹ نمبر بتا سکتے ہو مجھے؟''

''ایک منٹ سینور، جی...... یہ رہا''

فلنٹ نے نمبر نوٹ کرلیا۔

دس منٹ بعد فلنٹ دوبارہ کمپنی کے جیٹ میں بارسلونا روانہ ہوگیا۔ اس کا پروگرام تھا کہ وہاں سے وہ کرائے پر ایک کار لے گا اور ان کا پیچھا کرے گا۔ پھر جہاں سڑک سنسان نظر آئی، وہاں وہ ان کے لئے حادثاتی موت کا اہتمام کرے گا۔

............x............

ڈیانا اور کیلی کو بارسلونا سے نکلے آدھا گھنٹا ہوا تھا۔ وہ خاموش ڈرائیو تھی۔ ہائی وے پر ٹریفک زیادہ نہیں تھا۔ گردوپیش کے نظارے خوب صورت تھے، کھیت لہلہا رہے تھے۔ فضا پھولوں کی خوشبو سے بوجھل تھی۔ ایک طرف پھلوں کے باغات تھے۔

''ہم تقریباً نکل ہی آئے''۔ ڈیانا نے کہا۔ اسی لمحے اس نے سامنے دیکھا اور اس کا منہ بن گیا۔ اس کا پاؤں بریک پر پڑا۔ ان سے کوئی دو سو فٹ آگے ایک جلتی ہوئی کار دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے گرد مجمع لگا تھا اور کچھ باوردی افراد نے سڑک بلاک کر دی تھی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' ڈیانا کے لہجے میں الجھن تھی۔

''اس وقت ہم باسک علاقے میں ہیں۔ باسک لوگ گزشتہ پچاس سال سے ہسپانویوں سے لڑ رہے ہیں''

ہری وردی میں ملبوس ایک مسلح شخص کار کی طرف بڑھا۔ اس نے انہیں گاڑی سائیڈ میں لگانے کا اشارہ کیا۔

کیلی نے زیر لب ڈیانا سے کہا ''یہ اس ٹی اے والا ہے۔ رکنا مناسب نہیں ورنہ پتا نہیں، کتنی دیر رکنا پڑے''

آفیسر کار کے پاس آگیا تھا۔ ''میں کیپٹن ارادی ہوں۔ آپ دونوں نیچے اتر آئیے پلیز''

ڈیانا اسے دیکھ کر مسکرائی۔ ''میں آپ کی جنگ میں آپ کا ساتھ ضرور دیتی۔ لیکن اس وقت تو ہم خود حالت جنگ میں ہیں''۔ اتنا کہہ کر اس نے ایکسیلیٹر دبایا اور گاڑی تیزی سے جلتی ہوئی کار کے پاس سے گزر کر آگے بڑھ گئی۔

کیلی نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ''کیا ہم فائرنگ کی زد میں ہیں؟''

''ایسی کوئی بات نہیں۔ تم بے فکر رہو''

کیلی نے آنکھیں کھولیں اور سائیڈ مرر میں دیکھا۔ وہ خوف سے ٹھٹھر گئی۔ ایک سیاہ کار ان کی کار کے پیچھے آرہی تھی اور ڈرائیو کرنے والے شخص کو پہچاننے میں وہ کبھی غلطی نہیں کرسکتی تھی۔

''ارے...... گوڈزیلا ہمارا تعاقب کر رہا ہے''۔ اس نے گھبرا کر کہا۔

''کیا کہہ رہی ہو۔ اتنی جلدی انہوں نے کیسے تلاش کرلیا ہمیں؟'' ڈیانا نے کہا اور ایکسیلیٹر کو آخری حد تک دبا دیا۔ لیکن سیاہ کار ان کی گاڑی کے مقابلے میں کہیں زیادہ تیز رفتار تھی۔ ان کی اپنی گاڑی 110 میل کی رفتار سے جارہی تھی۔

''تم بہت خطرناک ڈرائیونگ کر رہی ہو''۔ کیلی نروس ہو رہی تھی۔

کوئی ایک میل آگے ڈیانا کو فرانس اور اسپین کی سرحد پر کسٹم چیک پوسٹ نظر آرہی تھی۔

''تم مجھے مارو''۔ ڈیانا نے اچانک کیلی سے کہا۔

''مذاق کر رہی ہو؟'' کیلی اور نروس ہوگئی۔

''میں کہہ رہی ہو، میرے منہ پر گھونسہ مارا''

''تم کیا چاہتی......''

''کیلی...... خدا کیلئے، جو میں کہہ رہی ہوں، وہ کرو۔ جلدی کرو''

کیلی نے ہچکچاتے ہوئے اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔

''اس سے کام نہیں چلے گا۔ گھونسہ مارو...... اور پوری قوت سے مارو''

اب سڑک پر ان دو کاروں کے درمیان صرف دو کاریں تھیں۔ ''جلدی کرو''۔ ڈیانا دہاڑی۔

کیلی نے ڈیانا کے رخسار پر گھونسہ مارا۔

''اور زور سے''

کیلی نے دوبارہ گھونسہ مارا۔ اس بار اس کی انگوٹھی کے نگ نے ڈیانا کے رخسار کو پھاڑ دیا۔ لمحوں میں اس کا چہرہ خونا خون ہوگیا۔ کیلی خون دیکھ کر خوف زدہ ہوگئی۔ ''سوری ڈیانا، میں یہ نہیں''

اس لمحے وہ چیک پوسٹ پر پہنچ گئے تھے۔ ڈیانا نے بریک لگائے۔ گاڑی رکی اور ایک گارڈ اس کی طرف بڑھا۔ اس نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''شام بخیر خواتین''

''شام بخیر''۔ ڈیانا نے سر گھماتے ہوئے کہا۔ تاکہ گارڈ اس کا پھٹا ہوا رخسار اور بہتا ہوا خون دیکھ لے۔

اور رد عمل توقع کے عین مطابق تھا۔ گارڈ کا منہ کھل گیا۔ ''یہ کیا ہوا سینورا؟'' اس نے پوچھا۔

ڈیانا دانتوں سے اپنا نچلا ہونٹ کاٹنے لگی۔ ''یہ میرے سابقہ شوہر کا کیا دھرا ہے۔ مجھے مار کر وہ بہت خوش ہوتا ہے۔ اب اس وقت بھی وہ میرا پیچھا کر رہا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ کوئی میری مدد نہیں کرسکتا۔ کوئی مجھے اس سے نہیں بچا سکتا۔ یہ پٹنا میرا مقدر ہے''

گارڈ نے پلٹ کر آنے والی کاروں کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر سنگینی تھی۔ ''کون سی کار ہے موصوف کی؟'' اس نے پوچھا۔

''دو گاڑیوں کے پیچھے جو سیاہ گاڑی ہے، وہ اس کی ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ اس بار وہ مجھے قتل ہی کر دے گا۔ اس کے تیور بہت خراب ہیں''

''میں دیکھتا ہوں'' گارڈ غرایا۔ ''آپ لوگ پلیز، جائیں۔ اب آپ کو اس کی طرف سے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں دیکھ لوں گا اسے''

ڈیانا نے اسے تشکر بھری نظروں سے دیکھا۔ ''شکریہ جناب...... بہت بہت شکریہ''

انہوں نے سرحد پار کی اور فرانس میں داخل ہوگئیں۔ ''ڈیانا......؟'' کیلی نے کہا۔

''ہاں...... کیا بات ہے؟''

کیلی نے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں......'' اس نے ڈیانا کے زخمی رخسار کی طرف اشارہ کیا۔

ڈیانا ہنسنے لگی۔ ''ارے نہیں۔ اسی کی وجہ سے تو گوڈزیلا سے پیچھا چھوٹا ہے ہمارا۔ ارے...... ارے تم رو رہی ہو!'' اس نے حیرت سے کہا۔

''شکر گزاری کے آنسو ہیں۔ تم صرف حسین نہیں ہو ڈیانا، ذہین بھی ہو...... بے حد ذہین''

(جاری ہے)

دجال

ہیری فلنٹ بارڈر چیک پوسٹ پر پہنچا تو گارڈ اس کا منتظر تھا۔ ''آپ کار سے اتر آیئے پلیز۔''

''میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔'' فلنٹ نے کہا۔ ''میں جلدی میں ہوں۔ مجھے......''

''میں کہتا ہوں، کار سے اتر آؤ۔'' اس بار گارڈ کا لہجہ سخت تھا۔

فلنٹ نے اسے غور سے دیکھا۔ ''کیا بات ہے؟ مسئلہ کیا ہے؟''

''ہمیں اطلاع ملی ہے کہ اس گاڑی کے ذریعے منشیات اسمگل کی جا رہی ہیں۔ اس گاڑی کی تلاشی لی جائے گی۔''

فلنٹ کو غصہ آ گیا۔ اس نے غرا کر کہا۔ ''تم پاگل ہو گئے ہو۔ میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ میں جلدی میں ہوں اور میں اور اسمگلنگ'' اچانک ایک خیال نے اسے چونکا دیا۔ ''اوہ...... اب میں سمجھا۔'' اس نے جیب سے سو ڈالر کا ایک نوٹ نکال کر گارڈ کی طرف بڑھایا۔ ''لو...... یہ لو اپنا چائے پانی کا خرچا اور اب اس اطلاع کو بھول جاؤ۔''

''جوز...... ذرا یہاں تو آؤ۔'' گارڈ نے اپنے ساتھی کو پکارا۔

اس پکار پر ایک باوردی کیپٹن کار کی طرف چلا آیا۔ گارڈ نے سو ڈالر کا نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔ ''اس شخص نے مجھے یہ رشوت دینے کی کوشش کی ہے۔'' گارڈ نے کہا۔

کیپٹن نے سخت لہجے میں فلنٹ سے کہا۔ ''تم شرافت سے نیچے اتر آؤ۔ میں رشوت دینے کے الزام میں تمہیں گرفتار کر رہا ہوں۔''

''نہیں۔ تم اس وقت مجھے گرفتار نہیں کر سکتے۔'' فلنٹ نے احتجاج کیا۔ ''میں اس وقت ایک اہم جاب......''

''اور اب تم پر دوسرا الزام گرفتاری کے خلاف مزاحمت کا ہے۔'' کیپٹن نے کہا اور گارڈ کی طرف متوجہ ہوا۔ ''تم اضافی مدد طلب کرو۔''

فلنٹ نے گہری سانس لے کر سامنے ہائی وے کو دیکھا۔ سرخ پی جو نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔

............×............

ڈیانا اور کیلی فرانس کے مضافاتی علاقے سے گزر رہی تھیں۔ ڈیانا نے کہا۔ ''تم کہہ رہی تھیں کہ پیرس میں تمہارا کوئی دوست ہے؟''

''ہاں...... سام میڈوز۔ وہ مارک کے ساتھ کام کرتا تھا۔ مجھے امید ہے کہ وہ ہماری مدد کرے گا۔'' اس نے اپنے بیگ سے اپنا موبائل فون نکالا اور پیرس کا ایک نمبر ڈائل کیا۔

''کے آئی جی۔'' دوسری طرف سے آپریٹر نے کہا۔

''میں سام میڈوز سے بات کرنا چاہتی ہوں۔''

چند لمحے بعد لائن پر سام میڈوز کی آواز ابھری۔ ''ہیلو؟''

''سام، میں کیلی بات کر رہی ہوں۔ میں فرانس واپس آ گئی ہوں۔''

''مائی گاڈ، میں تمہارے لئے بہت پریشان تھا۔ خیریت تو ہے نا؟''

کیلی نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ ''ہاں...... میں ٹھیک ہوں۔''

''مجھے تو یہ ڈراؤنا خواب لگ رہا ہے۔ یقین ہی نہیں آتا کس طرح۔''

میرا ابھی یہی حال ہے۔ کیلی نے دل میں سوچا۔ ''سام، میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ مارک کو قتل کیا گیا ہے۔''

سام میڈوز کے جواب نے کیلی کے جسم میں خوف کی سرد لہر دوڑا دی۔ ''میرا بھی یہی خیال ہے کیلی۔''

کیلی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بات کس طرح کرے۔ ''میں حقیقت جاننا چاہتی ہوں۔ تم میری مدد کرو گے سام؟''

''سنو کیلی، یہ باتیں فون پر نہیں کی جا سکتیں۔''

''مم...... میں سمجھ رہی ہوں......''

''آج رات میرے گھر آؤ۔ کھانا میرے ساتھ ہی کھانا۔''

''ٹھیک ہے۔''

''سات بجے کا وقت مناسب رہے گا؟''

''میں پہنچ جاؤں گی۔''

کیلی نے فون بند کیا اور ڈیانا سے بولی۔ ''آج شاید مجھے کچھ سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔''

''تم یہاں یہ کام کرو۔ میں برلن جا کر فرانز وربرگ کے ساتھ کام کرنے والوں سے مل کر پوچھ گچھ کروں گی۔'' ڈیانا نے کہا۔

کیلی نے کچھ نہیں کہا۔ وہ بجھ سی گئی تھی۔

(جاری ہے)

ڈیانا نے غور سے دیکھا۔''کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں۔بس یہ......دراصل ہم دونوں کی جوڑی بہت اچھی رہی ہے۔مجھے تم سے جدا ہونا اچھا نہیں لگ رہا ہے۔کیوں نہ ہم ساتھ ہی پیرس چلیں۔پھر میں تمہارے ساتھ برلن......''

''ہم جدا نہیں ہو رہے ہیں کیلی۔بس وقت بچا رہے ہیں۔تم یہاں سام میڈوز سے معلومات حاصل کرو گی۔پھر تم مجھے فون کر لینا اور ہم برلن میں ملیں گے۔اس وقت تک ممکن ہے، میں بھی کچھ معلومات حاصل کر چکی ہوں اور فون کے ذریعے ہم بہر حال رابطے میں رہیں گے۔''

............x............

وہ پیرس پہنچ گئیں!

ڈیانا نے عقب نما آئینے میں دیکھا اور مسکرائی۔''کوئی سیاہ کار نہیں۔لگتا ہے،ان سے پیچھا چھوٹ گیا ہمارا۔''

کیلی نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔اب وہ ایئرپورٹ کے قریب تھے۔''تم یہاں مجھے اتار دو۔میں ٹیکسی پکڑ لوں گی۔''

''او کے پارٹنر۔اپنا خیال رکھنا۔''

''شکریہ پارٹنر۔تم بھی اپنا خیال رکھنا۔''

............x............

دو منٹ بعد کیلی ٹیکسی میں بیٹھی اپنے اپارٹمنٹ کی طرف جا رہی تھی۔گھر جانے کے خیال سے ہی اسے خوشی ہو رہی تھی، پھر اس کے بعد وہ سام میڈوز سے اس کے اپارٹمنٹ میں ڈنر پر ملے گی۔

ٹیکسی بلڈنگ کے سامنے رکی تو اس نے سکون کی سانس لی۔وہ گھر واپس آ گئی تھی۔

دربان نے اس کے لئے دروازہ کھولا۔

کیلی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔وہ کہنے والی تھی......میں واپس آ گئی مارٹن......لیکن وہ کہتے کہتے رک گئی۔دربان تو کوئی اجنبی تھا۔

''شام بخیر مادام۔''دربان نے کہا۔

''شام بخیر۔مارٹن کہاں ہے؟''

''مارٹن اب یہاں کام نہیں کرتا۔وہ جا چکا ہے۔''

''اوہ......آئی ایم سوری''۔کیلی افسردہ ہو گئی۔

''پلیز مادام، میں اپنا تعارف کرا دوں۔میرا نام جیروم مالو ہے''۔

کیلی نے سر کو اثباتی جنبش دی۔

وہ لابی میں داخل ہوئی۔استقبالیہ ڈیسک پر بھی ایک اجنبی کھڑا تھا۔برابر میں ٹیلی فون آپریٹر نکولا سوئچ بورڈ پر مصروف تھی۔

اجنبی مسکرایا۔''گڈ ایوننگ مسز ہیرس۔ہم آپ کے منتظر تھے۔میں الفانسے جیرارڈ ہوں......اس بلڈنگ کا سپرنٹنڈنٹ''۔

کیلی نے الجھن بھری نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔''فلپ کہاں ہے''۔

''اوہ وہ......فلپ اور اس کی فیملی اسپین میں کہیں شفٹ ہو گئی ہے''۔

کیلی کو اب تشویش ہو رہی تھی۔''اور ان کی بیٹی؟''۔

''وہ ان کے ساتھ ہی گئی ہے''۔

کیلی کو یاد تھا......فلپ نے فخریہ لہجے میں اسے بتایا تھا کہ اس کی بیٹی کو لاسوربون میں داخلہ مل گیا ہے۔یہ اس کی بیٹی کا خواب تھا۔

کیلی نے اپنی آواز کی لرزش پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔''کب گئے وہ لوگ؟''۔

''ابھی چند روز پہلے۔لیکن آپ فکر نہ کریں مادام۔آپ کا ہر طرح سے خیال رکھا جائے گا۔آپ کا اپارٹمنٹ آپ کے لئے تیار کر دیا گیا ہے''۔

نکولا نے سر اٹھا کر دیکھا اور بولی۔''خوش آمدید مادام''۔لیکن اس کی نگاہیں کچھ اور ہی کہہ رہی تھیں۔

''انجلو کہاں ہے؟''۔

''اوہ......آپ کا کتا! اسے تو فلپ اپنے ساتھ لے گیا ہے''۔

اب کیلی پر خوف طاری ہونے لگا تھا۔اسے سانس لینے میں بھی دشواری ہو رہی تھی۔

''چلیں مادام؟ ہم نے آپ کے اپارٹمنٹ میں آپ کے لئے ایک سرپرائز کا اہتمام کیا ہے''۔نئے سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

(جاری ہے)

 علیم الحق حقی

یہ تو یقینی ہے۔ کیلی نے دل میں سوچا۔ پھر جلدی سے بولی۔ ''ایک منٹ، میں ایک اہم چیز لانا بھول گئی ہوں''۔ اور اس نے الفانسے کو بولنے کا موقع بھی نہیں دیا اور تیزی سے باہر نکل آئی۔

الفانسے اور جیروم باہر فٹ پاتھ پر کھڑے اسے جاتے دیکھ رہے تھے۔ وہ بے بس تھے۔ کسی طرح اسے روک نہیں سکتے تھے۔

کیلی نے ایک ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ گئی۔ خدا کی پناہ! وہ سوچ رہی تھی۔ فلپ اور اس کی فیملی کے ساتھ کیا کیا ہے انہوں نے؟ اور میرا انجلو!

''کہاں جائیں گی ماموزیل؟''۔ ڈرائیور نے اسے چونکا دیا۔

''بس تم چل دو۔ میں بعد میں بتاؤں گی''۔ کیلی نے کہا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ آج شام مجھے سام میڈوز سے کچھ اہم سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔ مگر اس سے پہلے مجھے چار گھنٹے گزارنے ہیں......

............x............

اپنے اپارٹمنٹ میں سام میڈوز فون پر گفتگو کر رہا تھا۔ ''ہاں...... میں اس کی اہمیت سمجھ رہا ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں سنبھال لوں گا...... جی...... ابھی کچھ دیر میں وہ ڈنر کے لئے میرے گھر آنے والی ہے۔ جی...... جی ہاں...... میں نے اس کی لاش ٹھکانے لگانے کیلئے ایک مناسب آدمی کی خدمات حاصل کرلی ہیں...... شکریہ جناب...... یہ آپ کی بڑی عنایت ہے مسٹر کنکسلے''۔

سام میڈوز نے ریسیور رکھا اور کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا۔ اس کی حسین مہمان کی آمد میں چند ہی منٹ باقی تھے۔

............x............

ٹرین کی کھڑکی سے برادر میتھیوز فادر ڈی کارلو کو دیکھتا رہا، جو دور ہوتے ہوتے محض ایک چھوٹا سا نقطہ معلوم ہو رہا تھا۔ برادر میتھیوز نے آخری بار الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا۔

پھر وہ اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ابھی دوپہر نہیں ہوئی تھی اور وہ خود کو نڈھال محسوس کر رہا تھا۔ اس کی رات دراصل اچھی نہیں گزری تھی۔ وہ رات بھر کروٹیں بدلتا اور پاؤں پٹختا رہا تھا۔ ڈراؤنے خواب کی وجہ سے اس کی آنکھ بار بار کھلتی رہی تھی۔ اسے یاد نہیں تھا کہ اس کا وہ ساتھی راہب کون تھا، جو اسے جگاتا تھا اور بار بار اس کی خیریت پوچھتا تھا۔ شاید وہ سائمن تھا، یا پھر مارٹن؟ بیدار ہونے پر بھی وہ پوری طرح ڈراؤنے خواب سے نہیں نکل پاتا تھا۔ اسی لئے اسے نہیں معلوم ہو سکا کہ جب خواب میں اس پر ہذیانی کیفیت طاری ہوتی تھی تو اس کیفیت سے اسے نکالنے کیلئے کون جگاتا تھا۔ خواب میں وہ پوری رات ایک ایسے راہب کو دیکھتا رہا تھا، جس کا جسم تو انسانی تھا۔ لیکن چہرہ کسی درندے کا تھا۔

اس کا جسم تھرتھرا کر رہ گیا۔ گزشتہ رات جیسی اذیت سے وہ صرف اس عرصے میں گزرا تھا، جب وہ جوان تھا اور خیر و شر کی قوتیں اس کی روح پر قبضہ کرنے کے لئے آپس میں لڑ رہی تھیں۔ اس کے بعد تو بس کل رات ہی......

اور بالآخر جب وہ ڈراؤنے خواب سے نجات پا کر سو گیا تھا تو اس کے ساتھیوں نے اسے چارپائی پر لٹا دیا تھا۔ وہ پھر پریشان ہو کر جاگا تھا۔ لیکن فادر ڈی کارلو نے چند لمحوں میں اسے پرسکون کر دیا تھا۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو وہ پریشان ہو گیا۔ وہاں فادر ڈی کارلو کے سوا کوئی نہیں تھا۔

''سب جا چکے ہیں۔ اب تمہاری باری ہے''۔ فادر نے کہا تھا

وہ کھڑکی سے مضافات کے گزرتے منظر دیکھتا رہا لیکن درحقیقت وہ کچھ بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ گزشتہ تیس سال سے وہ خدا کی پناہ میں تھا...... عافیت اور سکون کی بانہوں میں۔ اس عرصے میں اسے نہ کبھی کسی خوف نے ستایا اور نہ ہی کسی شک نے۔ لیکن کل رات وہ خوف زدہ بھی تھا اور بے یقین بھی۔

اسے یاد تھا۔ جوانی میں خواہشات اور ترغیب نے اسے کیسے کیسے ستایا تھا۔ شیطان نے اسے ممنوعہ لذتوں کا راستہ دکھایا تھا۔ مگر بڑی کوشش اور جدوجہد کے بعد اسے سیدھا راستہ مل گیا تھا۔ اسے خدا کی رحمت کے سائے میں امان مل گئی تھی۔ اسے یاد تھا، برادر بینیٹو نے بھی ایسی ہی لڑائی لڑی تھی۔ فرق بس یہ تھا یہ تھا کہ بینیٹو کی جنگ ابھی حال ہی کی بات تھی۔ اور اب بینیٹو خدا کے پاس جا چکا تھا۔

میتھیوز نے سر جھکایا اور خدا سے دعا کرنے لگا...... طاقت اور مضبوطی کی دعا!

اسے اچانک احساس ہوا کہ خانقاہ میں جانے کے بعد سے یہ پہلا موقع ہے کہ وہ اکیلا ہے۔ سوبیاکو میں وہ کبھی تنہا نہیں رہا تھا۔ کبھی وہ گاؤں جاتا تھا تو بھی اکیلا نہیں، دوسروں کے ساتھ ہی جاتا تھا۔

اس نے دوسرے مسافروں کا جائزہ لیا۔ برابر والی سیٹ پر جو شخص بیٹھا تھا، وہ اپنا بریف کیس کھول کر اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ سامنے ایک فیملی تھی، جو کھانا کھا رہی تھی۔ ان کے ہاتھوں میں سینڈوچ تھے اور وہ تھرماس سے پیالیوں میں کافی انڈیل رہے تھے۔ آگے دو عورتیں بیٹھی تھیں۔ وہ شرم و حیا سے عاری تھیں۔ ان کے لباس ایسے تھے کہ جسم چھپا کم اور دکھا زیادہ رہے تھے۔ میتھیوز نے جلدی سے منہ پھیر لیا۔

اس نے کندھے سے لٹکا ہوا بیگ ریک پر نہیں رکھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ غلطی سے اس کا بیگ کسی اور کے ہاتھ میں چلا جائے۔ ویسے اسے بیگ کی پہلو والی جیب میں رکھے خنجر کا نقشہ صاف نظر آ رہا تھا۔

خنجر کا خیال آتے ہی اسے پسینہ آنے لگا۔ کیا وقت آنے پر وہ اس خنجر کو استعمال کر سکے گا؟ کیا وہ اسے گوشت اور ہڈیوں کے درمیان دستے تک اتار سکے گا؟ وہ اذیت بھری انسانی چیخ برداشت کر سکے گا؟

رات کا ڈراؤنا خواب اسے پھر یاد آنے لگا اور وہ گھبرا کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ دن میں خواب دیکھنا ٹھیک نہیں ہے۔ وہ ارتکاز سے محروم ہو گا تو دہشت اسے اسیر کرلے گی۔ وہ بے مقصد باہر دیکھتا رہا۔ گاڑی کے اندر دیکھنا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ وہاں وہ بے شرم عورتیں جو تھیں۔

''مجھے موقع دو فادر...... مجھے موقع دو''۔ اتوار کے دن اس نے فادر سے کیسے کیسے خوشامد کی تھی۔ مگر اس وقت موقع بینیٹو کو ملا تھا۔ ہاں...... اب اس کی باری تھی۔ اب ایک خیال زبردستی اس کے ذہن میں بار بار سر اٹھا رہا تھا۔ کیوں میں نے اتنی خوشامد کی...... اصرار کیا۔ نہ کیا ہوتا تو اس وقت وہ بھی دوسروں کے ساتھ ہوتا اور کسی خبر کا انتظار کر رہا ہوتا۔

اس کا منہ بن گیا۔ یہ کیا سوچ رہا ہوں میں؟ جو کچھ میں کرنے کیلئے نکلا ہوں، وہ تو بہت بڑا اعزاز ہے...... خوش نصیبی ہے۔ اسے وہ موقع یاد آیا، جب اس نے پہلی بار دجال کو دیکھا تھا۔ اسے پہچان کر کیسی سنسنی اس کے جسم میں دوڑی تھی۔ اور اس نے کیسے دعا کی تھی، جیسے دعا کے لفظ اسے بچا لیں گے۔ اور وہ آنکھیں کیسے اسے اپنی گدی میں چبھتی...... اترتی محسوس ہوئی تھیں۔ پھر اس نے ان آنکھوں کو دیکھا تھا...... وہ زرد...... جانور جیسی آنکھیں۔ مگر وہ ڈیمین تھورن کو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا رہا تھا۔ اس نے نظر نہیں جھکائی تھی۔ وہ ڈٹ گیا تھا۔

اور فادر ڈی کارلو نے اس کی بات سن کر کہا تھا۔ ''یہ بات طے ہے کہ جیسے تم اس کے خیالات پڑھ رہے تھے، وہ بھی تمہارے خیالات پڑھ رہا ہو گا''۔

فادر کے اس جملے نے ہی اسے راہ دکھائی تھی۔ اس نے سوچا، اینٹی کرائسٹ...... دجال یقیناً میرا پیچھا کرے گا تاکہ نومولود مسیح تک پہنچ سکے۔ اسی وقت اس نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ وہ دجال کے شکار کے لئے چارہ بننا چاہتا ہے۔ اور اس خیال سے وہ بیک وقت خوف زدہ بھی تھا اور مبتلائے ہیجان بھی۔

اس نے سوچا، ممکن ہے، ڈیمین تھورن بھی اس ٹرین میں ہو فرسٹ کلاس میں سفر کر رہا ہو۔ لیکن نہیں...... اس نے فوراً ہی اس خیال کو رد کر دیا۔ ڈیمین تھورن کے پاس وسائل کی کمی نہیں۔ اس کے پاس اپنا ٹرانسپورٹ ہے۔ اس کا تعاقب کرنا ڈیمین کے لئے کوئی مسئلہ نہیں۔ اور اسی بات پر تو میتھیوز انحصار کر رہا تھا۔

اس نے بیگ میں ہاتھ ڈال کر وہ کتاب نکالی جو اس نے اٹلی میں خریدی تھی۔ وہ پڑھنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن اس کا دھیان کتاب میں نہیں تھا۔ وہ پھر کھڑکی سے باہر مضافات کے اڑتے ہوئے منظر دیکھنے لگا۔ ٹرین اب آکسفورڈ کے پاس پہنچ رہی تھی۔ اس کے یونیورسٹی ٹاؤن پہنچتے پہنچتے میتھیوز کو اونگھ آ گئی۔ یہی وہ وقت تھا کہ گزشتہ رات کے ڈراؤنے خواب والے مردہ خور جانور پر اس پر حملہ آور ہو گئے۔

وہ گھبرا کر جاگا تو اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور حلق سے پھنسی پھنسی آوازیں نکل رہی تھیں۔ وردی پہنے ہوئے ایک شخص اس پر جھکا کھڑا تھا۔

''تم ٹھیک تو ہو؟''۔ وہ پوچھ رہا تھا۔

اس نے سر گھما کر دیکھا۔ دوسرے تمام مسافر بھی کھڑے اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

اس نے سر کے اشارے سے بتایا کہ وہ ٹھیک ہے۔ پھر اس نے معذرت کی۔ تب وہ سب اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔

اس کے بعد اس نے راستے بھر پلک جھپکنے کی بھی ہمت نہیں کی۔ اسے احساس تھا کہ ساتھی مسافر اسے تجسس بھری نظروں سے گھور رہے ہیں۔

سہ پہر کے بعد وہ ٹرین سے اترا۔ برج پار کر کے وہ ایک چھوٹے پلیٹ فارم پر پہنچا اور وہاں کھڑی ایک چھوٹی ٹرین میں بیٹھا۔ اس میں چھوٹے چھوٹے ڈبے تھے، جن میں راہداری بھی نہیں تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ بڑی ٹرین سے کوئی اس کے پیچھے نہیں اترا تھا اور اس کے پیچھے اس ٹرین میں نہیں آیا تھا۔ وہ اپنی نشست پر پھیل کر بیٹھ گیا۔

سفر کا یہ دوسرا مرحلہ خاموشی میں کٹا۔ انجن کے شور اور ڈبوں کی کھڑکھڑاہٹ کے سوا وہاں کوئی آواز نہیں تھی۔ باہر اب زیادہ ہریالی نظر آ رہی تھی۔ کبھی کبھی کوئی سنسان، خالی اسٹیشن نظر آتا تھا۔ ٹرین کئی بار رکی۔ لیکن نہ کوئی ٹرین سے اترا، نہ ہی کوئی ٹرین پر سوار ہوا۔ میتھیوز نے بیگ سے خنجر نکالا اور اس سے کھیلنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پھر کتاب پڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن اس سے پڑھا نہیں گیا۔

منزل پر پہنچا تو پہلی بار اس نے سکون کی سانس لی۔

اسٹیشن پر کوئی ٹکٹ چیک کرنے والا بھی نہیں تھا۔ وہ مضافاتی علاقہ تھا۔ باہر نکل کر وہ ایک کچی سڑک پر چلنے لگا۔

(جاری ہے)

کندھے سے بیگ لٹکائے ہوئے وہ بس اسٹاپ پر پہنچا اور بس کا انتظار کرنے لگا۔

''چارہ''......! اس کے ذہن میں یہ لفظ گونجا۔ اس کے تصور میں کانٹے کی طرف لپکتی ہوئی مچھلیاں......اور شیر کے انتظار میں ممیاتی بکریاں نظر آئیں۔ اس کے جسم میں تھرتھری سی دوڑ گئی۔ یہاں وہ خود چارہ تھا......انسانی چارہ!

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کہیں کچھ بھی نہیں تھا۔ درختوں پر بیٹھے کوے کائیں کائیں کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد بس آتی دکھائی دی۔ اس نے سکون کی سانس لی۔ بس میں ڈرائیور کے عین پیچھے کی سیٹ پر دو افراد بیٹھے تھے۔ وہ انہیں نظر انداز کر کے بس کے عقبی حصے کی طرف چل دیا۔

بس روانہ ہوگئی۔ میتھیوز نے پلٹ کر دیکھا۔ بس کے پیچھے کوئی آدھے میل کے فاصلے میں ایک رینج روور آرہی تھی۔ فاصلہ کچھ کم ہوا تو وہ ڈرائیور کی شکل دیکھنے میں کامیاب ہوگیا۔ ایک لمحے کے لئے ڈرائیور سے اس کی نظریں چار ہوئیں۔ پھر رینج روور کی رفتار کم ہوئی اور دونوں گاڑیوں کے درمیان فاصلہ بڑھنے لگا۔ اب وہ دو سو گز پیچھے رہ کر بس کا تعاقب کر رہی تھی۔

میتھیوز کی کیفیت ایسی تھی کہ اس کے ہر مسام جاں میں جیسے اس کا دل دھڑک رہا ہو۔ اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ اسے احساس تھا کہ اسے چارے کی حیثیت سے قبول کر لیا گیا ہے۔

اس کے دل میں ایک عجیب سی خواہش سر اٹھا رہی تھی۔ کاش، اس کے اولاد ہوتی......اور وہ اپنے بیٹے کو یہ کہانی سناتا۔ اس کا بیٹا سنتا اور اس پر فخر کرتا۔ لیکن فوراً ہی اس نے خود کو روک دیا۔ وہ غرور کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ گناہ گار ہو رہا تھا۔

بس درمیان میں دو بار رکی۔ دوسرے اسٹاپ پر دونوں مسافر اتر گئے۔ اور بس میں وہ اکیلا رہ گیا۔ اب سڑک بھی دو طرفہ ٹریفک کیلئے ہوگئی تھی۔ پہلے جو اکا دکا سرائیں اور فارم ہاؤس نظر آرہے تھے، وہ بھی اب نہیں تھے۔ بس کہیں دو چار بھیڑیں سبزہ چرتی نظر آجاتی تھیں۔ سڑک پر بس کے سوا کوئی اور گاڑی نظر نہیں آرہی تھی۔ البتہ آدھے میل پیچھے رینج روور اب بھی چلی آرہی تھی۔

میتھیوز نے بیگ کھولا اور وہ چھوٹا سا ریڈیو سیٹ نکالا جو فادر ڈی کارلو نے اسے دیا تھا۔ اس نے اس کے کنٹرولز کو چھیڑا اور پھر اسے کان سے لگایا۔ اس سے پہلے اس نے دو طرفہ ریڈیو کبھی دیکھا بھی نہیں تھا۔ فادر نے بتایا تھا کہ اسے واکی ٹاکی کہتے ہیں۔ بہرحال اسے خوشی تھی کہ رابطے کا یہ ذریعہ اس کے پاس ہے اور اس کے ذریعے وہ جانی پہچانی آوازیں سن سکتا ہے۔ اپنی بات ان سے کہہ سکتا ہے اور ان کی بات سن سکتا ہے۔ اور وہ زیادہ دور بھی نہیں ہوں گے۔

اس نے نقشے کو چیک کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

انجن کی آواز تبدیل ہونے لگی۔ ڈرائیور گیئر لگا رہا تھا۔ پھر گاڑی نے ایک گہرا موڑ کاٹا اور اس کی رفتار کم ہونے لگی۔

''یہ آخری اسٹاپ ہے''۔ ڈرائیور نے اسے بتایا۔

بس رکی۔ میتھیوز نے ڈرائیور کا شکریہ ادا کیا اور بس سے اتر آیا۔ نیچے اتر کر ایسا لگا، جیسے وہ مسلسل کئی دن سے حالت سفر میں ہے۔

بس چلی گئی۔ میتھیوز وہیں کھڑا رینج روور کے آنے کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن وہ نہیں آئی۔ بلکہ اس کی آواز تک سنائی نہیں دی۔

اس نے پھر نقشے کا جائزہ لیا۔ لکڑی کے جنگلے کو پھلانگ کر وہ غیر مزروعہ زمین میں پہنچا۔ وہاں گھاس اور جھاڑیاں بے ترتیبی میں تھیں۔ چلنے کے نتیجے میں دورانِ خون بحال ہوا اور اس کی ٹانگوں میں جان آنے لگی۔ اس نے گہری سانس لیکر پھیپھڑوں میں ہوا بھری۔ دل چاہ رہا تھا کہ وہ پلٹ کر دیکھے۔ لیکن اس نے قوت ارادی کے زور پر خود کو باز رکھا۔ قریب ہی ایک بھیڑ چر رہی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر بے نیازی سے اسے دیکھا اور پھر دوبارہ چرنے میں مشغول ہوگئی۔

وہ چند گز آگے ہی گیا ہوگا کہ اسے رینج روور کی آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ اب بھی اس سے کوئی آدھے میل دور تھی۔

''گڈ''۔ وہ بڑبڑایا اور دلدلی زمین میں آگے بڑھنے لگا۔

وادی میں پہنچنے میں اسے بیس منٹ لگے۔ سامنے ایک ٹیلے پر اسے ایک معبد کا کھنڈر سا دکھائی دیا۔ چھت تو شاید اس کی بہت پہلے گر چکی تھی۔ وہ چھت پٹے کا سماں تھا۔ کھنڈر اندھیرا لگ رہا تھا۔ میتھیوز اداس ہوگیا۔ اس اجڑے ہوئے معبد کو دیکھ کر اسے اپنی خانقاہ بری طرح یاد آئی تھی۔

قریب جانے پر اسے سفید نشان نظر آیا۔ وہاں رک کر اس نے بیگ سے ریڈیو نکالا اور یہ یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ اسے کون سا بٹن دبانا ہے۔ انہوں نے اسے بتایا تھا کہ اس میں کوئی پیچیدگی نہیں اور اس کا استعمال بہت آسان ہے۔ اس نے ایک بٹن دبایا اور ریڈیو کو اپنے منہ کے پاس لے گیا۔ اس میں بولتے ہوئے اسے اپنے بے وقوف ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔

اس کی آواز نے چرتی ہوئی بھیڑوں کو ہڑبڑا دیا۔

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

"میتھیوز، آدھے کلومیٹر کے نشان پر۔ تھورن میرے متوازی مجھ سے پانچ سو میٹر دور شمال مغرب میں ہے۔ وہ نیلا کوٹ پہنے ہے۔ اوور"۔

اب وہ مشین کو دیکھ کر پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اسی لمحے اسے جواب مل گیا۔ "منصوبے کے مطابق آگے بڑھو...... اوور اینڈ آؤٹ"۔

میتھیوز مسکرایا۔ جدید سائنس بھی کیا کمال ہے۔ برادر مارٹن کی آواز کتنی صاف آ رہی تھی۔ لگتا تھا، وہ دو قدم کے فاصلے پر کھڑا بات کر رہا ہے۔ اس نے ریڈیو بیگ میں ٹھونسا اور دوبارہ چل پڑا۔ رینج روور کے انجن کی آواز بدستور سنائی دے رہی تھی۔ مگر پھر ایسا لگا کہ وہ رک گئی ہے۔ اب میتھیوز کو اپنی سانسوں کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

............x............

کتا اس پورے سفر کے دوران ساکت رہا تھا۔ وہ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ونڈ اسکرین سے باہر دیکھتا رہا تھا۔ گاڑی رکی تو اس نے متوقع نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ کار کا دروازہ کھلا تو وہ نیچے اترا اور دلدلی زمین کی طرف چل دیا۔ اسے کسی ہدایت کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ایسے حرکت کر رہا تھا کہ آواز بالکل نہیں تھی۔ ہر قدم اسے اپنے شکار کے قریب لے جا رہا تھا۔

............x............

وقت تقریباً ہو چکا تھا۔ میتھیوز قبرستان پہنچ چکا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر معبد کی بلند و بالا کھنڈر نما عمارت کو دیکھا۔ معبد کی ٹوٹی ہوئی کھڑکیوں سے چاند دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں فادر ڈی کارلو کو سراہا، جس نے موقعے کی مناسبت سے بے حد ڈرامائی مقام کا انتخاب کیا تھا۔ یہ کھنڈر سہی، اجاڑ اور ویران سہی، مگر ہے تو خدا کا گھر۔

اس کا دل طمانیت سے بھر گیا۔ اس نے اپنے حصے کا کام کر دیا تھا۔ اب دوسرے جانیں اور ان کا کام۔

وہ بڑی احتیاط سے قبروں کے درمیان قدم اٹھاتا آگے بڑھا۔ اس نے کتبوں کی تحریر پڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن وقت نے انہیں بری طرح دھندلا دیا تھا۔ کتبوں کے لفظ کہیں کہیں تو پوری طرح مٹ چکے تھے۔ وہ ایک قدیم قبرستان تھا۔ قبروں کے درمیان حرکت کرتے سائے نظر آ رہے تھے۔ اس کے قریب پہنچتے پر ایک بھیڑ ممیانے لگی۔ پھر وہ ڈر کر بری طرح بھاگ کھڑی ہوئی۔

میتھیوز اسے دیکھ کر مسکرایا۔ اسے بھیڑ کے خوف زدہ ہونے پر حیرت ہوئی تھی۔ بھیڑ کو کسی راہب سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔

اسی لمحے اس نے پلٹ کر دیکھا تو اسے وہ ڈراؤنا خواب نظر آیا۔ وہ کھلا ہوا جبڑا جہنم کا دروازہ تھا......

............x............

وہ دونوں شام سے ہی نگرانی کر رہے تھے۔ حوصلہ مجتمع رکھنے کیلئے وہ غیر اہم باتوں پر گفتگو کرتے رہے تھے۔ وہ نارمل باتیں کر رہے تھے...... ایب نارمل چیز سے دھیان ہٹانے کے لئے۔

پاؤلو نے کتنی بار میتھیوز کو دنیا کا بہادر ترین آدمی قرار دیا تھا، مارٹن کو اس کی گنتی بھی یاد نہیں تھی۔ ویسے یہ حقیقت بھی تھی۔ خود کو دجال کے لئے انسانی چارہ بنا کر پیش کرنا دلیری ہی کا کام تھا۔ لیکن جب پاؤلو بار بار یہی بات دہراتا رہا تو مارٹن کو اکتاہٹ ہونے لگی۔ اس نے جھنجھلا کر پاؤلو سے خاموش رہنے کو کہا۔ میتھیوز کے پہنچنے پر اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور پاؤلو سے کہا کہ وہ چٹان سے ٹک کر بیٹھ جائے۔

اب اندھیرا ہو گیا تھا۔ وہ دونوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سامنے دیکھ رہے تھے۔ لیکن انہیں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ انہیں ایک بھیڑ کے ممیانے اور اس کے اندھا دھند بھاگنے کی آواز سنائی دی۔ اسی لمحے چاند بادلوں کی اوٹ سے نکل آیا۔ لیکن اب بھی وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے تھے۔

"وہ اب کسی بھی لمحے یہاں پہنچ جائے گا"۔ پاؤلو نے سرگوشی میں کہا۔

اسی لمحے مارٹن نے دیوار کے اوپر جھانکتے ہوئے اپنے سر کو تیزی سے نیچے کر لیا۔ اس نے وہ لمبا نیلا کوٹ دیکھ لیا تھا، جس کے بارے میں میتھیوز نے ریڈیو پر بتایا تھا۔ اس نے پاؤلو کا ہاتھ تھاما اور معبد کے ٹوٹے ہوئے دروازے کی طرف رینگ گیا۔ وہ دونوں تیزی سے سنگی قربان گاہ کی طرف لپکے، جو معبد میں سب سے نمایاں مقام تھا۔ وہاں وہ دونوں تاریکی میں دبک گئے۔

ٹوٹی ہوئی چھت سے انہیں آسمان پر ستارے نظر آ رہے تھے۔ دونوں نے اپنے اپنے طور پر خاموشی سے دعا کی، پھر اپنے اپنے خنجر کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ مارٹن نے پاؤلو کو دیکھا اور سر کو اثباتی جنبش دی۔ وہ سانس روکے کھڑا تھا اور اس کے جسم میں تناؤ تھا۔

باہر سے آہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ سیڑھیاں چالیس فٹ اونچی تھیں۔ وہ جانتے تھے کہ اوپر آتے آتے وہ تھک چکا ہوگا۔ پاؤلو کو یاد تھا کہ لوہے کی زنگ آلود سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچا تھا تو اس کے بازو دکھ چکے تھے اور اس کی سانسیں سینے میں نہیں سما رہی تھیں۔ اور اب انہیں پھولی ہوئی سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ اوپر آ رہا تھا۔

وہ دیوار سے اور چپک گئے۔ دروازے میں ایک ہیولا نمودار ہوا

یہ کام قربان گاہ پر ہونا ہے۔ پاؤلو نے خود سے کہا اور قدم آگے بڑھایا۔ دوسرے دونوں راہب اس کے پیچھے تھے۔

سب سے پہلے پاؤلو نے چھلانگ لگائی۔ خنجر اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے گردن تھامی اور سیدھے ہاتھ سے خنجر اس میں اتارا، جیسا کہ اسے سمجھایا گیا تھا۔

(جاری ہے)

خنجر ہڈی سے ٹکرایا اور جھٹکا لگنے کے نتیجے میں اس کا ہاتھ کہنی تک جھنجھنا گیا۔ وہ خنجر کو چھوڑ کر بھاگ جانا چاہتا تھا۔ لیکن ہدایات کے مطابق اسے ابھی اور زور لگانا تھا۔ خنجر کو دستے تک اتارنا ضروری تھا۔

لیکن ردعمل کے طور پر کوئی چیخ نہیں ابھری۔ اسے ایسا لگا کہ اس نے خنجر کسی مردہ جسم میں اتارا ہے۔

اب مارٹن اس کے برابر آ کھڑا ہوا تھا اور چیخ کر کچھ کہہ رہا تھا۔ مگر پاؤلو کی سمجھ میں ایک لفظ بھی نہیں آیا۔ خنجر والا ہاتھ بلند ہوا اور نیچے آیا۔ خنجر پاؤلو کے چہرے کے بہت قریب سے گزر رہا تھا۔ خنجر کوٹ سے منسلک کن ٹوپ سے ٹکرایا اور پھسل کر ریڑھ کی ہڈی میں اتر گیا۔

پاؤلو اور مارٹن کے جسم لرز رہے تھے۔ وہ پیچھے ہٹے۔ خنجروں کو انہوں نے چھوڑ دیا تھا اور اب سحر زدہ سے اس جھولتے ہوئے جسم کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ جسم قربان گاہ پر اوندھے منہ گرا۔ ناک کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز بے حد واضح تھی۔

ایک لمحے کو خاموشی رہی۔ پھر پاؤلو ایک قدم آگے بڑھا۔ اس نے سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور منہ ہی منہ میں کچھ دعائیں بدبدانے لگا۔

مارٹن اب بھی بری طرح دہشت زدہ تھا اور اس کا جسم لرز رہا تھا۔ اس نے ایک طرف ہٹتے ہوئے گرے ہوئے جسم کو سیدھا کیا۔ پھر وہ دونوں حیرت سے برادر میتھیوز کے چہرے کو دیکھتے ہے۔ ان کے ذہن اور جسم شل ہو گئے تھے۔

چند لمحوں کے بعد وہ سنبھلے تو اچھل کر پیچھے ہٹے۔ انہوں نے اپنے اپنے لبادے سے ہاتھ پونچھے اور پھر ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ ان کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ مگر کوئی آواز نہیں تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہوا ہے۔

پاؤلو نے سر اٹھایا اور آسمان کو دیکھنے لگا۔ وہ اس وقت میتھیوز کے بے جان چہرے کے سوا کچھ بھی دیکھ سکتا تھا۔

''خداوند...... ہمارے دماغوں کو اینٹی کرائسٹ کی گرفت سے محفوظ فرما۔ خداوند، ہمیں دجال سے بچا......''

اس پھنکارتی ہوئی آواز نے پاؤلو کو پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ مارٹن اس سے پہلے ہی پلٹ چکا تھا اور اب ساکت و صامت کھڑا اس سیاہ جسیم کتے کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ دونوں ایک ساتھ پیچھے ہٹے۔ کتا باری باری ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے جبڑے کھلے تھے اور کمر کے بال کھڑے تھے۔

پاؤلو کو کھڑکی کا خیال آیا۔ وہ کھڑکی سے چھجے پر کود سکتے تھے۔ بس پھر انہیں اس موذی کتے کے مایوس ہو کر جانے کا انتظار کرنا تھا۔

اسے اپنے بازو پر مارٹن کے ہاتھ کی سخت گرفت کا احساس ہوا۔ وہ قربان گاہ کی کھڑکی کی طرف بڑھا۔ باہر جھانکنے پر اسے وہ منظر نظر آیا، جس نے میتھیوز کو پاگل کر دیا تھا۔

کھڑکی کے فریم میں گیدڑ کی وہ کھوپڑی تھی، جس نے آسمان کو پوری طرح چھپا لیا تھا۔ اور وہ بے نور آنکھیں انہیں گھورتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اور وہ کھوپڑی اندر سے روشن تھی۔

وہ منہ سے بے معنی آوازیں نکالتے پیچھے ہٹے۔ مارٹن قربان گاہ سے ٹکرا کر لڑکھڑایا۔ اپنا توازن قائم رکھنے کی کوشش کے دوران اس کے ہاتھ میں میتھیوز کے بال آ گئے۔ اس کی انگلیاں میتھیوز کی زندگی سے محروم آنکھوں میں گھس گئیں۔ وہ چلاتے ہوئے ایڑیوں کے بل گھوما، دوبارہ لڑکھڑایا اور قربان گاہ کی سل پر ڈھیر ہو گیا۔ وہاں گرے ہوئے اسے فرش پر ایک زنگ آلود، ادھ کھلا جنگلا نظر آیا۔ جبلی طور پر وہ گھسٹتا ہوا اس کی طرف بڑھا اور جھانک کر دیکھا۔ وہ ایک پرانا کنواں تھا۔ اس کی دیواریں سیاہ اور ہموار تھیں۔ وہ بغیر ہچکچاہٹ کے اس میں اترنے لگا۔ جنگلے کی سلاخوں کو تھام کر اس نے کنویں کی دیوار سے نکلے ہوئے کونوں پر پاؤں جمائے اور پاؤلو کو پکارا۔

پاؤلو بھی اس طرف آ گیا۔ وہ دونوں کنویں میں لٹک گئے۔ کنویں کی تہہ میں ٹوٹی ہوئی چٹانوں کا ڈھیر تھا اور فاصلہ کوئی پچاس فٹ کا ہو گا۔ وہ دونوں دیوار سے پیٹھ لگائے پاؤں جمانے کے لئے مزید کگریں ٹٹول رہے تھے۔

دونوں لٹکے رہے۔ پاؤلو اپنے گھٹنوں کے درمیان دیکھ کر کوئی کگر تلاش کر رہا تھا۔ کتے کے لپکنے کی آہٹ سن کر اس نے اوپر دیکھا۔ اسی وقت کتا نمودار ہوا۔ وہ ان دونوں کو گھور رہا تھا۔ اس کے کھلے ہوئے جبڑوں سے بہنے والی رال مارٹن کے چہرے پر گر رہی تھی۔ کوئی ایک منٹ تک وہ وہیں کھڑا رہا۔ پھر جنگلے سے آوازیں ابھریں اور کھلا ہوا پٹ بند ہونے لگا۔ اس کے ساتھ وہ دونوں بھی حرکت میں آئے تھے۔ ان کے ہاتھ گرل کے درمیان دب رہے تھے۔ انگلیوں کی پوریں سفید پڑ رہی تھیں۔ اب وہ دیوار کے سہارے سے محروم تھے اور کنویں میں جھول رہے تھے۔

گرل پوری طرح سے بند ہوئی۔ کتا غرایا۔ پاؤلو نے اسے دیکھا۔ اس کی میتھیو کے خون سے چپچپاتی ہوئی انگلیاں اب گرل سے پھسل رہی تھیں۔ اس نے ایک ہاتھ ہٹا لیا۔ اب وہ صرف ایک ہاتھ کے زور پر لٹکا ہوا تھا۔

(جاری ہے)

پھر اس نے خود کو جھلاتے ہوئے پیروں سے دیوار کو چھوا۔ وہ اب بھی کسی لنگر کی تلاش میں تھا۔ اسی لمحے کتا مارٹن کی انگلیوں پر چڑھ گیا۔ مارٹن تکلیف سے چلایا اور اس نے کتے کی ٹانگ پکڑنے کی کوشش کی۔

''ہلومت''۔ پاؤلو نے سرگوشی میں کہا۔ ''اسے چھوڑ دو......''۔

مارٹن کا چہرہ اذیت سے چیخ رہا تھا۔ مارٹن نے نفی میں سر ہلایا۔ اس کا منہ کچھ کہنے کیلئے کھلا۔ مگر اسی لمحے اس کی انگلیوں کی گرفت کمزور ہوتے ہوتے ختم ہوئی اور وہ کنویں میں گرنے لگا۔ پاؤلو نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن وہ کان تو کسی طرح بند نہیں کر سکتا تھا۔ اسے مارٹن کی چیخیں اور پھر ان چیخوں کی بازگشت سنائی دیتی رہی۔ پھر مارٹن کے جسم کے چٹانوں سے ٹکرانے کی آواز...... اور چیخوں کی بازگشت اب بھی سنائی دے رہی تھی، جیسے قبر سے کوئی مردہ چیخ رہا ہو۔

کتا پھر غرایا اور نظروں سے دور ہو گیا۔ پاؤلو نے آنکھیں کھولیں۔ وہ مضبوط اور جاندار آدمی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ مزید ڈیڑھ منٹ اس طرح لٹکا رہ سکتا ہے۔ جینے کے لئے یہ بہت...... بہت زیادہ مختصر وقت تھا۔ وہ رونے لگا۔ آنسو اس کی ٹھوڑی کو بھگو رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ موت کی اذیت بھی مختصر ہی ہو تو اچھا ہے......

............X............

برلن۔ جرمنی

ٹمپلیوف ایئر پورٹ پر ٹیکسی کے لئے ڈیانا کو پندرہ منٹ قطار میں لگنا پڑا۔ بالآخر اس کی باری آئی۔

ڈرائیور نے مسکراتے ہوئے جرمن زبان میں اس سے کچھ پوچھا۔

''تم انگلش بولتے ہو؟''۔

''جی ہاں فراؤلین''۔ ڈرائیور نے انگلش ہی میں کہا۔

''پلیز...... مجھے کمپنسکی ہوٹل لے چلو''۔

''جی بہتر''۔

پچیس منٹ بعد ڈیانا ہوٹل میں کمرا لے رہی تھی۔ ''مجھے ایک کار بھی چاہئے...... ڈرائیور کے ساتھ''۔ اس نے کاؤنٹر کلرک سے کہا۔

''مل جائے گی فراؤلین''۔ پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ ''اور آپ کا سامان؟''۔

''سامان آنے والا ہے''۔

کچھ دیر بعد کار آ گئی۔ ڈرائیور نے پوچھا۔ ''آپ کہاں جائیں گی فراؤلین''۔

اسے سوچنے کیلئے مہلت درکار تھی۔ ''کچھ دیر بس ڈرائیو کرتے رہو پلیز''۔

''جی بہت بہتر۔ برلن میں قابل دید مقامات کی کمی نہیں فراؤلین''۔

............X............

برلن ڈیانا کے لئے حیران کن تھا۔ وہ جانتی تھی کہ جنگ عظیم کے دوران بمباری نے اسے تقریباً مٹا ڈالا تھا۔ لیکن اب اس کے سامنے ایک جدید شہر تھا۔ جدید طرز کی عمارتیں اور خوش حالی کی تمام تر علامتیں نظر آ رہی تھیں۔

وہاں سڑکوں کے نام اسے بہت عجیب اور نامانوس لگے۔

ڈرائیو کے دوران ڈرائیور اسے مختلف پارکوں اور عمارتوں کے بارے میں دلچسپ تاریخی حقائق سناتا رہا۔ لیکن ڈیانا درحقیقت کچھ نہیں سن رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اسے فراؤلین وربرگ کے کام کے ساتھیوں سے بات کرنی تھی۔ شاید وہ اسے کام کی کوئی بات بتا پائیں۔ انٹرنیٹ سے پتا چلا تھا کہ اپنی بیوی کے قتل کے بعد فرانز وربرگ غائب ہو گیا تھا۔

اس نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے ڈرائیور سے کہا۔ ''سائبر لین کمپیوٹر کیفے کہاں ہے؟''۔

''جی ہاں فراؤلین''۔

''مجھے وہاں لے چلو پلیز''۔

''جی ضرور۔ وہ بہت شاندار جگہ ہے...... بہت مشہور۔ وہاں سے آپ کو ہر طرح کی معلومات مل سکتی ہیں''۔

مجھے بھی یہی امید ہے۔ ڈیانا نے دل میں سوچا۔

(جاری ہے)

سائبر لین کیفے مین ہٹن والے انٹرنیٹ کیفے جتنا بڑا تو نہیں تھا۔ لیکن رش وہاں بھی اتنا ہی تھا۔ ڈیانا جیسے ہی کیفے میں داخل ہوئی، کاؤنٹر کے عقب سے ایک عورت نکل کر اس کی طرف بڑھی۔ ''ابھی دس منٹ میں ایک کمپیوٹر خالی ہونے والا ہے فراؤلین''۔ وہ بولی۔

''میں منیجر سے بات کرنا چاہتی ہوں''۔ ڈیانا نے کہا۔

''میں ہی منیجر ہوں''۔

''اوہ''۔

''آپ کس سلسلے میں بات کرنا چاہتی ہیں؟''۔

''میں آپ سے سونجا وربرگ کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں''۔

عورت نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ تو یہاں نہیں ہیں''۔

''میں جانتی ہوں کہ وہ مر چکی ہے''۔ ڈیانا نے کہا۔ میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ وہ کیسے مری تھی''۔

عورت اب ڈیانا کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ ''وہ ایک حادثہ تھا۔ اور جب پولیس نے اس کے کمپیوٹر کو ضبط کر کے اس کا معائنہ کیا تو......''۔ اس کے چہرے پر اچانک مکاری نظر آئی۔ ''آپ چند سیکنڈ رکیں...... میں ایک ایسے شخص کو بلاتی ہوں جو اس سلسلے میں آپ کی مدد کر سکتا ہے۔ میں ابھی آئی''۔

وہ تیز قدموں سے کیفے کے عقبی حصے میں گئی۔ اس کے اوجھل ہوتے ہی ڈیانا جلدی سے کیفے سے نکلی اور اپنی کار میں بیٹھ گئی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اب یہاں سے کوئی مدد نہیں مل سکے گی۔ اس نے فرانز وربرگ کی سیکریٹری سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ایک فون بوتھ سے اس نے کے آئی جی کا نمبر ملایا۔ ''کے آئی جی برلن''۔ دوسری طرف سے جواب ملا۔

''مجھے فرانز وربرگ کی سیکریٹری سے بات کرنی ہے''۔ ڈیانا نے کہا۔

''آپ کون؟''۔

''میں سوزان اسٹریٹ فورڈ ہوں''۔

''ہولڈ آن پلیز''۔

............X............

مین ہٹن۔ نیویارک

ٹینر کے آفس میں نیلی لائٹ روشن ہو گئی تھی۔ وہ اپنے بھائی کو دیکھ کر مسکرایا۔ ''یہ ڈیانا اسٹیونز کی کال ہے بھائی۔ دیکھیں، ہم اس کی کیا مدد کر سکتے ہیں''۔ اس نے کال کو لاؤڈ اسپیکر پر منتقل کر دیا۔

کے آئی جی کی آپریٹر کہہ رہی تھی۔ ''وہ اس وقت یہاں موجود نہیں۔ کہیں تو ان کی اسسٹنٹ سے بات کرا دوں''۔

''جی ضرور...... شکریہ''۔

''ایک منٹ پلیز''۔

چند لمحے بعد ایک نسوانی آواز ابھری۔ ''ہائیڈی فرونک اسپیکنگ۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں؟''۔

ڈیانا نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ ''میں سوزان اسٹریٹ فورڈ ہوں...... وال اسٹریٹ جرنل کی رپورٹر۔ حال ہی میں کے آئی جی کے ملازمین کی جو اموات ہوئی ہیں، میں ان پر کام کر رہی ہوں۔ یہ بتائیں، میں آپ سے انٹرویو کر سکتی ہوں؟''۔

''دیکھیں، میں کوئی پکی بات......''۔

''مجھے بس کچھ بیک گراؤنڈ انفارمیشن چاہیے''۔

ٹینر بہت غور سے سن رہا تھا۔

''آج لنچ میرے ساتھ کریں''۔

''سوری...... میں مصروف ہوں''۔

''ڈنر؟''۔

ہائیڈی کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی۔ تاہم اس نے کہا۔ ''ہاں...... یہ ممکن ہے''۔

''تو کہاں ملیں گی آپ؟''۔

''روکینڈورف اچھا ریسٹورنٹ ہے۔ ساڑھے آٹھ بجے وہاں ملئے''۔

ٹینر نے سر گھما کر اینڈریو کو دیکھا۔ ''مجھے یہ فیصلہ بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔ میں یہ معاملہ گریگ ہولیڈے کے سپرد کر رہا ہوں۔ اس نے کبھی مجھے مایوس نہیں کیا۔ اور وہ ہے تو مہنگا۔ لیکن کام پکا کرے گا......''۔ وہ آپ ہی آپ مسکرا دیا۔ ''اور ہم تو بھاری قیمت دے سکتے ہیں''۔

(جاری ہے)

دجال

کیلی سام میڈوز کے اپارٹمنٹ کے دروازے پر ہچکچائی۔ معاملات اب اختتام کو پہنچ رہے تھے۔ اسے بالآخر اہم سوالوں کے جواب ملنے والے تھے۔ مگر اب اسے ڈر لگ رہا تھا۔ جانے سننے کو کیا ملے۔

پھر بھی اس نے اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا۔

دروازہ کھلا اور سام میڈوز کی شکل نظر آئی تو اس کا ہر خوف مٹ گیا۔ اسے دیکھ کر اسے خوشی کا اور بے حد سکون کا احساس ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ شخص مارک سے کتنا قریب رہا تھا۔

''کیلی''۔ سام نے کہا اور گرم جوشی سے اسے لپٹا لیا۔

''اوہ سام''۔

سام نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔''آؤ......اندر چلو''۔

کیلی اندر چلی گئی۔ وہ دو بیڈ روم کا پرکشش اپارٹمنٹ تھا۔ ایک زمانے میں اس عمارت میں فرانس کے شرفا رہتے تھے۔

ڈرائنگ روم بے حد کشادہ اور آراستہ تھا۔ ایک طرف بار تھا۔ دیواروں پر قیمتی پینٹنگز آویزاں تھیں۔''میں کیا بتاؤں کہ مجھے مارک کی موت کا کتنا دکھ ہوا ہے''۔ سام نے رنجیدہ لہجے میں کہا۔

کیلی نے اس کا بازو تھپتھپایا۔''میں جانتی ہوں سام''۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔

''مجھے تو یقین ہی نہیں آتا''۔

''میں یہ جاننے کی کوشش کر رہی ہوں کہ ہوا کیا تھا''۔ کیلی بولی۔''اسی لئے تو میں تمہارے پاس آئی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم میری مدد کرو گے''۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ سکون کے احساس کے باوجود اس کے اعصاب کشیدہ ہو رہے تھے۔

سام کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔''پوری کہانی تو یہاں کسی کو بھی معلوم نہیں۔ مارک ایک خفیہ پروجیکٹ پر کام کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ کے آئی جی کے دو تین آدمی بھی شریک تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ مارک نے خودکشی کی ہے''۔

''مگر میں اس پر یقین نہیں کر سکتی''۔ کیلی نے پرزور لہجے میں کہا

''یقین تو مجھے بھی نہیں ہے''۔ سام نے نرم لہجے میں کہا۔''اور اصل وجہ تم جانتی ہو۔ صرف تمہاری وجہ سے میں اس پر یقین نہیں کرتا''۔

کیلی نے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔''میں سمجھی نہیں......''

''تم جیسی حسین اور خوب صورت عورت کے ہوتے مارک کیسے خودکشی کر سکتا تھا۔ تم جیسی حسین عورت کو تو کوئی بھی نہیں چھوڑے گا''۔

سام غیر محسوس طور پر اس کی طرف کھسک رہا تھا۔''جو کچھ ہوا، وہ بہت بڑا المیہ ہے کیلی۔ لیکن زندگی کا سفر کسی المیے کی وجہ سے رکتا نہیں۔ وہ جاری رہتا ہے''۔ اس نے کیلی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔''تنہا تو کوئی بھی نہیں جی سکتا۔ آدمی کو آدمی کی ضرورت رہتی ہے۔ ہے نا؟ مارک چلا گیا۔ مگر میں تو موجود ہوں نا۔ تم جیسی عورت کو تو ہر حال میں ایک مرد کی ضرورت ہوتی ہے......''۔

''میری جیسی......!''۔

''مارک نے مجھے بتایا تھا کہ تم کتنی پرجوش اور گرم عورت ہو......خواہشات سے بھری''۔

کیلی نے حیرت سے سر گھما کر اسے دیکھا۔ یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ مارک اس کے بارے میں ایسی کوئی بات کہے۔ اس طرح کی باتیں تو وہ کسی سے کرنے والا ہی نہیں تھا۔ وہ تو بے حد شرمیلا آدمی تھا۔

سام کا ہاتھ اب اس کے کندھے پر آ پہنچا تھا۔''مارک مجھے تمہاری قربت تمہاری خلوت کے بارے میں بتاتا رہتا تھا''۔

کیلی کا وجود خطرے کے احساس سے جھنجھنا اٹھا تھا۔

''اور کیلی، اگر تمہیں اس سے کچھ سکون کا احساس ہو تو میں تمہیں بتاؤں کہ مارک کو تکلیف بالکل نہیں ہوئی ہو گی''۔

کیلی نے سام کی آنکھوں میں دیکھا اور سب کچھ سمجھ گئی۔

''ابھی تھوڑی دیر بعد ہم کھانا کھائیں گے''۔ سام نے کہا۔''کیوں نہ اس سے پہلے ہم کچھ وقت بیڈ روم میں گزاریں''۔ اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔

کیلی کو چکر آنے لگے۔ تاہم اس نے خود کو سنبھالا اور مسکرائی۔ اس کا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔''ضرور سام، کیوں نہیں'' اس نے لگاوٹ بھرے لہجے میں کہا۔ وہ جانتی تھی کہ طاقت میں وہ سام سے بہت کم ہے۔ لڑ نہیں سکتی۔

سام اب دست درازی کر رہا تھا۔''بے بی تم ہو بہت خوب صورت''۔

(جاری ہے)

کیلی مسکرائی۔ ''مگر سام، پہلے کھانے کا کچھ کرو۔ بھوک بہت لگ رہی ہے مجھے''۔

''کھانا تقریباً تیار ہے''۔

کیلی سام کے روکنے سے پہلے ہی بستر سے اٹھ کر کچن کی طرف چل دی۔ لیکن ڈنر ٹیبل کو دیکھ کر اسے شاک لگا۔ ٹیبل ایک آدمی کیلئے سیٹ کی گئی تھی۔ اس کا مطلب بھی اس کی سمجھ میں آ گیا

کیلی پلٹی۔ ڈرائنگ روم میں سام دروازے کو لاک کر رہا تھا۔ پھر کیلی نے اسے چابی کو میز کی دراز میں رکھتے دیکھا۔

کیلی دوبارہ کچن میں گئی اور کسی ہتھیار کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ چاقو چھریاں کس دراز میں رکھی ہوں گی۔ چولہے پر ایک دیگچی تھی، جس میں پانی ابل رہا تھا۔ ایک چھوٹی دیگچی میں چٹنی تھی۔

سام کچن میں داخل ہوا اور اس نے کیلی کو لپٹا لیا۔

کیلی بے پروائی سے چٹنی والی دیگچی کو دیکھتی رہی، جیسے سام کا لپٹنا معمول کے مطابق ہو۔ ''چٹنی تو زبردست لگتی ہے''۔ اس نے چٹخارہ لے کر کہا۔

''اسے چھوڑو جان۔ بیڈ روم میں چلو۔ یہ بتاؤ، مارک کے ساتھ تم کیا کچھ کرتی تھیں''۔

کیلی کا ذہن تیزی سے سوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''مارک کو تو میں پاگل بنا دیتی تھی''۔

سام کا چہرہ جیسے کھل اٹھا۔ ''کیسے؟''۔

''میں گرم بھیگے کپڑے سے......''۔ یہ کہہ کر کیلی نے بڑی صافی اٹھائی۔ ''میں ابھی دکھاتی ہوں''۔

''ضرور''۔

کیلی نے گرم پانی کی دیگچی اٹھائی اور پورا پانی سام کے چہرے کی طرف اچھال دیا۔

سام کی چیخیں بے حد بھیانک تھیں۔ کھولتا ہوا پانی اس کی آنکھوں میں بھی گیا تھا۔ وہ گر کر تڑپنے لگا۔ اس کی چیخیں نہیں رک رہی تھیں۔

کیلی تیزی سے ڈرائنگ روم میں گئی، اس نے دراز سے چابی نکال کر دروازہ کھولا اور بھاگتی ہوئی اپارٹمنٹ سے نکل آئی۔ اندر سے اب بھی سام میڈوز کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔

............x............

وہ موسم کا پہلا گرم دن تھا۔ موسم بہار کی دھوپ ڈیمین کے کنٹری ہاؤس کے ڈرائنگ روم میں اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔ وہاں ٹیلی وژن کا عملہ اپنے آلات میں الجھا ہوا تھا۔ کیٹ کھڑکی میں کھڑی باہر لہلہاتے کھیتوں کو دیکھ رہی تھی۔ ڈیمین کی جاگیر اسے بہت پسند آئی تھی۔ یہاں آنے سے پہلے ''دیہی زندگی'' نامی رسالے میں اس نے پیری فورڈ کے بارے میں پڑھا تھا۔ یہ قلعہ سترہویں صدی میں تعمیر کیا گیا تھا۔ جاگیر چار سو ایکڑ پر پھیلی ہوئی تھی۔ عمارت کے دو ونگ تھے اور جدید طرز کی انیکسی تھی۔ عمارت میں 63 کمرے تھے۔

پڑھنا ایک بات ہے اور دیکھنا دوسری۔ وہ جگہ سچ مچ ایسی قابل دید تھی کہ اس کی خوب صورتی کو احاطہ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا تھا۔

ڈیمین پر تنقید کی جاتی تھی کہ اسے اور اس کے ملازمین کو ہرگز اتنے کمروں کی ضرورت نہیں۔ وہ صرف دکھاوے اور اتراہٹ کے لئے پیری فورڈ میں رہ رہا ہے۔ ڈیمین نے ایک بار اس کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا۔ ''یہ وہ جگہ ہے، جہاں میرے والدین رہتے تھے۔ مجھے اس جگہ سے محبت ہے۔ میں اس ماحول کا بچپن سے عادی ہوں۔ اس لئے مجھے یہاں رہنا اچھا لگتا ہے''۔

کیٹ نے پلٹ کر اپنے عملے کو دیکھا۔ وہ کام میں مصروف تھے۔ لیکن صاف ظاہر تھا کہ وہ گرد و پیش سے بھی پوری طرح محظوظ ہو رہے ہیں۔ وہ بہت خوش نظر آ رہے تھے اور چہک رہے تھے۔ یہ سب دھوپ کا اور اس ماحول کا کمال تھا۔

ڈیمین ٹیرس پر ڈین کے ساتھ تھا۔ دونوں موسم بہار کے پھولوں کو بڑی بدمزگی سے دیکھ رہے تھے۔ ان دونوں کو ہی خزاں زیادہ اچھی لگتی تھی۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ ٹہل رہے تھے۔ ڈین سوچ رہا تھا کہ نجانے ڈیمین اب نارمل کب ہوگا۔

(جاری ہے)

ڈیمین کے مزاج کا چڑ چڑا پن اور بوجھل پن اس کے اسٹاف پر بھی اثر انداز ہو رہا تھا۔ خود ڈین بھی اپنے آپ کو دباؤ میں محسوس کر رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ ڈیمین کا ڈپریشن چھوت کی بیماری ہے۔ ڈین خود بھی چڑ چڑا ہو رہا تھا اور ان دنوں اس کی نیند بھی کم ہو گئی تھی۔ ادھر یہ کیٹ رینالڈ بھی وبال بن گئی تھی۔ وہ کچھ زیادہ ہی سر پر سوار رہنے لگی تھی۔ سچ پوچھو تو مصیبت آئی بھی کیٹ ہی کے توسط سے تھی۔ بہر حال ڈین جانتا تھا کہ اسے یہ سب کچھ سوچنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

خاموشی اسے بوجھ لگنے لگی تو اس نے خاموشی کو توڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ ''تو چار مل گئے''۔ اس نے کہا۔

''ہاں۔ اور ابھی تین خنجر باقی ہیں''۔ ڈیمین نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اب میں وقت ضائع کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا''۔ وہ چند لمحوں کیلئے خاموش ہو گیا۔ پھر وہ دوبارہ بولا تو اس کا لہجہ بے حد نرم تھا۔ ''نزارین سے...... نومولود مسیح سے یقینی نجات پانے کی واحد صورت یہ ہے کہ ملک میں 24 مارچ کو رات بارہ بجے سے طلوع آفتاب کے درمیان پیدا ہونے والے ہر بچے کو قتل کر دیا جائے''۔

پہلے تو ڈین کو یقین ہی نہیں آیا کہ اس نے جو کچھ سنا، ڈیمین نے واقعی وہی کچھ کہا ہے۔ مگر اس میں شبہے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس نے ڈیمین کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ مگر وہاں سنگینی کے سوا کچھ نہیں تھا۔

''لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ وہ اسی ملک میں ہو''۔ ڈین نے کمزور لہجے میں کہا۔

''پیش گوئی کے مطابق اسے یہیں پیدا ہونا ہے''۔ ڈیمین نے کہا۔

وہ ساتھ ساتھ چلتے باغیچے میں آ گئے۔ ڈیمین نے ایک کلی توڑی اور اسے نوچ نوچ کر پھینکنے لگا۔ ''باربرا کا کیا حال ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''ٹھیک ہے''۔ ڈین نے جواب دیا۔

''اور تمہارا بیٹا؟''۔

ڈین نے اپنے جسم میں دوڑنے والی تھرتھراہٹ کو چھپانے کی کوشش میں کندھے جھٹکے۔ ڈیمین اسے کچھ جتا رہا تھا۔ ایک خوف ناک سمت میں اشارہ کر رہا تھا۔ ''وہ بھی ٹھیک ہے''۔ اس نے کہا۔

عقب سے کسی کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ ڈین نے پلٹ کر دیکھا۔ پیٹر دوڑتا ہوا ان کی طرف آ رہا تھا۔ اور وہ اتنا خوش تھا کہ ڈین نے کبھی کسی کو اتنا خوش نہیں دیکھا تھا۔

لیکن ڈیمین نے لڑکے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ اس کی نگاہیں بدستور ڈین پر مرکوز تھیں۔ ''تمہارا بیٹا بھی تو 24 مارچ کو ہی پیدا ہوا ہے؟''۔ اس نے کہا۔

''کون؟''۔ ڈین نے تجاہل عارفانہ سے کام لینے ہی میں عافیت جانی۔

''تمہارا بیٹا''۔

''نہیں''۔ وہ پہلا موقع تھا کہ ڈین نے ڈیمین سے جھوٹ بولا۔ جھوٹ بولنے کی نہ تو کبھی ضرورت پڑی تھی اور نہ ہی اس کا کوئی فائدہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ڈیمین اس کے خیالات تک پڑھ لینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ''نہیں بھئی، وہ 23 مارچ کے آخری لمحوں میں پیدا ہوا تھا...... آدھی رات سے چند منٹ پہلے''۔ اس نے مزید کہا۔

اسی وقت پیٹر آ گیا۔ ''ممی نے کہلوایا ہے کہ ان کی تیاری مکمل ہے''۔ اس نے ڈیمین کو بتایا۔

''ان سے کہو، آدھا منٹ اور رکیں''۔ ڈیمین نے کہا۔

پیٹر بھاگتا ہوا گھر کی طرف چلا گیا۔

ڈیمین اب کلی کی پتیوں کو انگلیوں سے مسل رہا تھا۔ ''مسیح کو ختم کر دو''۔ اس نے دھیرے سے کہا۔

ڈین نے بے بسی سے کندھے جھٹکے۔ یہ کہنا آسان تھا۔ لیکن اس پر عمل...... ''لیکن کیسے؟''۔ وہ بولا تو اس کے لہجے میں چڑ چڑا پن تھا۔

''چیلے اسی لئے تو ہوتے ہیں۔ بس جو کہہ دیا، وہ کر دو''۔ ڈیمین نے سادگی اور قطعیت سے کہا۔ ''تمام چیلوں کو اتوار کے روز یہاں انگلینڈ طلب کر لو۔ ہفتے کو میں کیٹ اور پیٹر کو شکار کے لئے کورن وال لے جا رہا ہوں۔ وہاں میں اپنا راستہ آپ بنا لوں گا''

ڈیمین پلٹا۔ اسی لمحے پیٹر نے اسے پکارا اور پھر دوبارہ گھر کی طرف بھاگنے لگا۔ ڈیمین نے مسکرا کر ڈین کو دیکھا۔ ''اپنا سر اونچا رکھو اور ٹھوڑی اوپر''۔ اس نے کہا اور پیٹر کے پیچھے چل دیا۔

ڈین اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ ٹھوڑی اوپر! کیوں نہیں، اس نے جھنجھلا کر سوچا۔ تاکہ گھونسہ لگے تو ہونٹ اچھی طرح سوج جائے۔ اس لمحے اسے کیٹ نامی اس عورت سے شدید نفرت کا احساس ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ اسے منحوس لگتی تھی۔

(جاری ہے)

علیم الحق حقی

پال بوہر سے پہلی ملاقات کے بعد برسوں میں یہ پہلا موقع تھا کہ ڈین خوف زدہ ہو رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ کوئی خوف ناک غلطی تو نہیں کر بیٹھا ہے۔ اس کے اندر بغاوت کا ایک ننھا سا شعلہ بھڑ کنے لگا۔ لیکن اس نے فوراً ہی اسے بجھا دیا۔ پھر وہ اسٹڈی کی طرف چل دیا، جہاں میز پر فائلیں رکھی تھیں۔ اور کوئی جگہ نہیں تھی، جہاں وہ جا سکتا۔ بہت پہلے اس نے اپنی روح کو بیچ دیا تھا...... اور اب اس کی واپسی کی کوئی صورت نہیں تھی۔ اب تو پچھتانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا۔

بہر حال اپنی ڈیسک پر پہنچ کر ریسیور اٹھاتے اس نے دل میں قسم کھا کر عہد کیا کہ ایک کام ایسا ہے، جو وہ کسی قیمت پر بھی نہیں کرے گا۔ چاہے اس کا بدترین حشر کر دیا جائے۔ ہر گز نہیں...... ہر گز ہر گز نہیں......

............x............

مشرق کی سمت تیس میل دور، انگلستان کے پیشہ قانون کے قلب چانسری لین میں فرینک ہیجز نامی ایک جوان بیرسٹر نے ایک فون ریسیو کیا، دوسری طرف کی بات بہت غور سے سنتا رہا اور پھر ریسیور رکھ دیا۔ سنسنی کے احساس سے اس کا چہرہ تمتما اٹھا تھا۔ پھر اس نے اپنے کلرک کو بلایا اور کہا۔ "اب تم چھٹی کرو۔ آج مجھے تمہاری ضرورت نہیں پڑے گی"۔

پھر اس نے پورے آفس کا جائزہ لیا کہ کوئی وہاں موجود نہیں ہے اور سوئچ بورڈ کلیئر ہے۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر اس نے اپنی تجوری کھولی، اس میں سے ایک سیاہ ایڈریس بک نکالی اور اسے ٹیلی فون کے پاس رکھ لیا۔

یہ کتنی پرانی بات ہے۔ وہ سوچ رہا تھا۔ تین سال پہلے اسے کال کیا گیا تھا۔ پھر ایک سال کے مایوس کر دینے والے انتظار کے بعد اسے پہلا بڑا کام ملا تھا۔ وہ اس کے لئے بڑا اعزاز تھا...... اور اس نے خوش اسلوبی اور کامیابی سے کام کیا تھا۔ اس نے اتوار کے عوامی اخبارات میں شیطان اور شیطنت کے بارے میں مضامین کی سیریز شروع کی تھی۔ اس کے نتیجے میں دلچسپی رکھنے والوں نے اس سے رابطے کئے تھے۔ ایک سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا...... یوں ممبر شپ چلتی رہی تھی۔ پھر اسے کنکروں اور شیشوں کے درمیان سے ہیروں کا انتخاب کرتا تھا۔ وہ ایک طویل اور صبر آزما کام تھا۔ دکھاوے والے اور شوقین لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ مگر بہر حال اس نے بالآخر ایک تفصیلی فائل مرتب کر لی تھی۔

اور اب وقت آ گیا تھا۔ پورے دن وہ بغیر کسی وقفے کے کام کرتا رہا۔ اس نے اتنے فون کئے تھے کہ شام کو دفتر سے نکلتے وقت اس کے کان میں فون کی گھنٹیاں بجے جا رہی تھیں۔ تنہا اس نے اتنے فون جو کئے تھے۔ لیکن وہ خوش اور مطمئن تھا۔ اسے اپنی مستعدی اور فرض شناسی پر فخر تھا۔

............x............

نرس لاموںٹ کیلئے اپنی شفٹ تبدیل کرانا ایک طرح کا روزمرہ کا معمول تھا۔ اس کی دوست شیرون جانتی تھی کہ ان دنوں لاموںٹ کا ایک نیا معاشقہ زور و شور سے چل رہا ہے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس بار لاموںٹ سنجیدہ ہے۔ چنانچہ لاموںٹ کی مختصر سی وضاحت کے بعد اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ "ٹھیک ہے۔ میں آج ڈبل شفٹ کر لیتی ہوں"۔ اس نے کہا۔ "دنیا میں ایسے ہی کام چلتا ہے۔ میں تمہاری پیٹھ کھجاتی ہوں۔ وقت ضرورت تم میری پیٹھ کھجا دینا۔ حساب برابر"۔

نرس لاموںٹ نے اس کا شکریہ ادا کیا، اپنا ویک اینڈ کا بیگ پیک کیا، ہاسپٹل سے نکلی اور سیدھی اسٹیشن چلی گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ پیر کے دن شیرون اس سے کرید کرید کر پوچھے گی، تفصیلات جاننا چاہے گی۔ سو اس کیلئے اسے زبردست رنگین قسم کی کہانی گھڑنی پڑے گی۔ جذبات انگیز، سنسنی آمیز کہانی، جو بے چاری شیرون کو بھڑکا سکے۔

............x............

ہمپ سٹیڈ میں ٹریور گرانٹ نے ایک منصوبہ بنایا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے والدین اسے ویک اینڈ پر جانے کی اجازت ہر گز نہیں دیں گے۔ کیونکہ وہ صرف دس سال کا تھا۔ اور اگر وہ چپکے سے غائب ہو گیا تو وہ اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرا دیں گے۔ اور پھر مسئلہ کھڑا ہو گا۔ چنانچہ اس نے ویلسلے میں اپنے کزن کو فون کر کے کہا تھا کہ وہ اس کے پاس قیام کرنا چاہتا ہے۔ یوں اسے کچھ آسانی بہر حال میسر آ جاتی۔ اور جب تک اس کی ماں کو احساس ہو کہ وہ واپس نہیں آ رہا ہے، وہ کورن وال پہنچ چکا ہو گا۔ وہاں سے وہ ماں کو فون کر کے کوئی کہانی سنائے گا اور سمجھائے گا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

فیصلہ کرنے کے بعد اس نے جیب کا جائزہ لیا۔ اس کے پاس رقم کم تھی۔ اس سلسلے میں ایک تو وہ مسٹر ہیجز سے مدد طلب کرے گا۔ اور دوسرا راستہ ماں کے پیسے چرانے کا تھا۔ بہر حال کام چل ہی جائے گا۔ چوری کرنا تو مستقبل میں بھی ہنر کے طور پر کام آئے گا......

............x............

لیورپول میں واعظ گراہم روس نے اپنے ایک جاننے والے کو بلایا اور اس سے مدد چاہی۔

(جاری ہے)

"میں چاہتا ہوں کہ اتوار کو تم میرے چرچ میں عبادت کراؤ اور وعظ دو"۔ اس نے استدعا کی۔ "مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے"۔

"کیا ضروری کام آن پڑا ہے؟"۔

"ایک عزیز کا انتقال ہو گیا ہے"۔

"آئی ایم سوری۔ تم بےفکر رہو۔ یہاں میں سنبھال لوں گا"۔

گراہم روس نے اپنی اقامت گاہ میں جا کر سیاہ لبادہ نکالا۔ کورن وال میں اس کی ضرورت پیش آئے گی......

ڈاکٹر ہوریس فلمور ڈپارٹمنٹ آف ہیلتھ اینڈ سوشل سیکورٹی بورڈ کا ڈائریکٹر تھا۔ الیگزینڈر فلیمنگ ہاؤس میں اپنے دفتر سے اس نے اپنی بیوی کو فون کر کے بتایا کہ اسے ویک اینڈ پر ایک ہنگامی کانفرنس میں شرکت کرنی ہے۔ بیوی کے ردعمل سے اسے اندازہ ہو گیا کہ اسے اس کی بات پر یقین نہیں آیا ہے۔ وہ ادھر ادھر فون کر کے لازمی طور پر تصدیق کرنے کی کوشش کرے گی۔ اور اس کے واپس آنے پر دونوں کے درمیان زبردست جھگڑا ہو گا۔ بیوی یہ سمجھے گی کہ اس نے پھر مارگو کے ساتھ شب باشی کی ہے۔

خیر...... وہ جھگڑتی ہے تو جھگڑے۔ چیخے چلائے۔ اب تو اسے ان جھگڑوں میں بھی لطف آنے لگا تھا۔ پھیکی بےمزہ ازدواجی زندگی میں ان جھگڑوں ہی سے تو ذائقہ آتا ہے......

............x............

پورے ملک میں، ہر شہر، ہر قصبے میں مرد، عورتیں اور بچے روانگی کے لئے اپنے اپنے بیگ تیار کر رہے تھے...... جانے کیلئے بہانے گھڑ رہے تھے...... روٹ چیک کر رہے تھے۔ ان سب کی ایک ہی منزل تھی...... کورن وال۔ ان سب کو شیطان کی طرف سے بلاوا آیا تھا۔ اور وہ ڈیمین تھورن کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے پوری طرح تیار تھے۔

............x............

برلن۔ جرمنی

روکینڈورف برلن کے بہترین ریسٹورانوں میں سے تھا۔ ڈیانا وہاں پہنچی تو منتظم مسکراتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ "میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"۔ اس نے سر کو خم کرتے ہوئے کہا۔

"میں مس اسٹیونز ہوں۔ میرے اور مس فرونک کیلئے یہاں ایک میز ریزرو ہے"۔

"جی ہاں...... میرے ساتھ تشریف لے آئیے"۔

منتظم اسے کارنر کی ایک میز پر لے گیا۔ ڈیانا نے محتاط نظروں سے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ ریسٹورنٹ میں چالیس کے لگ بھگ افراد موجود تھے۔ ان میں بیشتر کاروباری لوگ تھے۔ ڈیانا کی میز کے عین سامنے ایک پرکشش آدمی اکیلا بیٹھا ڈنر کر رہا تھا۔

ڈیانا بیٹھی ہائیڈی فرنک کے بارے میں سوچتی رہی۔ کچھ جانتی بھی ہو گی وہ؟

ویٹر نے اسے چونکا دیا۔ وہ اس کے لئے مینو لایا تھا۔

ڈیانا نے مینو کا جائزہ لیا۔ لیکن اسے وہاں کی کسی بھی ڈش کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ اب ہائیڈی ہی اس کی مدد کر سکتی ہے۔ ڈیانا نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ہائیڈی بیس منٹ لیٹ ہو چکی تھی۔

"آپ آرڈر دیں گی فراؤلین؟" ہیڈ ویٹر نے پوچھا۔

"نہیں۔ پہلے میری مہمان آ جائے۔ شکریہ"۔

گزرتے سیکنڈ منٹوں میں تبدیل ہوتے رہے۔ اب ڈیانا سوچ رہی تھی کہ کوئی گڑبڑ تو نہیں ہو گئی۔

پندرہ منٹ بعد ہیڈ ویٹر پھر آیا۔ "کچھ لاؤں آپ کے لئے؟"

"نہیں شکریہ۔ میری مہمان بس آنے ہی والی ہو گی"۔

لیکن نو بج گئے اور ہائیڈی فرونک نہیں آئی۔ ڈیانا کو گھبراہٹ ہونے لگی۔ اسے یقین ہو گیا کہ ہائیڈی اب نہیں آئے گی۔

اس نے سر گھما کر ادھر ادھر دیکھا۔ ریسٹورنٹ کے دروازے کے قریب ایک میز پر اسے دو افراد بیٹھے نظر آئے۔ وہ حلیے اور صورت سے ہی بدمعاش لگ رہے تھے۔ ویٹر ان کے پاس آرڈر لینے کے لئے گیا تو انہوں نے اسے جھڑک دیا۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ انہیں کھانے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ پھر وہ کھل کر ڈیانا کو گھورنے لگے۔

ڈیانا کو احساس ہوا کہ وہ ہائیڈی فرونک کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گئی ہے۔

اب ڈیانا کا دل اس بری طرح دھڑک رہا تھا کہ اسے لگتا تھا، وہ بےہوش ہو جائے گی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا کہ فرار ہونے کا کوئی راستہ نظر آئے۔ لیکن کہیں کوئی راستہ نہیں تھا اور وہ یہاں کتنی دیر بیٹھ سکتی تھی۔ بالآخر اٹھنا تو تھا اور وہ اس کے منتظر تھے۔

اس نے موبائل فون استعمال کرنے کا سوچا۔ مگر یہاں اس کی مدد کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ مجھے یہاں سے نکلنا ہے۔ اس نے سوچا۔ مگر کیسے؟

ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اس کی نظر اکیلے بیٹھے پرکشش آدمی پر پڑی۔ وہ اب کافی کے گھونٹ لے رہا تھا۔

ڈیانا اسے دیکھ کر مسکرائی۔ "شام بخیر"۔ وہ بولی۔

اس آدمی نے حیرت سے اسے دیکھا اور پھر مسکرا دیا۔ "شام بخیر فراؤلین"۔

(جاری ہے)

ڈیانا نے لگاوٹ بھرے انداز میں کہا۔'' میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ اور میں دونوں اکیلے ہیں۔''

''جی ہاں۔''

''تو یہاں آجایئے نا۔''

وہ شخص ایک لمحے کو ہچکچایا۔ پھر مسکرایا۔'' جی ضرور۔'' اس نے کہا اور اٹھ کر ڈیانا کی میز پر چلا آیا۔

''اکیلے کھانا کھانے میں کیا مزہ؟'' ڈیانا بولی۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔''

ڈیانا نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔'' میں ڈیانا اسٹیونز ہوں۔''

''اور میں گریگ ہالیڈے۔''

............x............

پیرس۔ فرانس

کیلی ہیرس کو سام میڈو زوالے تجربے نے دہلا دیا تھا۔ دیر تک وہ سڑکوں پر پھرتی رہی۔ بار بار وہ پلٹ کر دیکھتی کہ کہیں اس کا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا ہے۔ دوسری طرف خوف زدہ ہونے کے باوجود وہ معاملات نمٹائے بغیر پیرس سے نکلنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

رات گزر گئی۔ صبح صادق کے قریب اس نے ایک چھوٹے سے کیفے میں کافی پی۔ پھر اپنے مسئلے کا حل اسے غیر متوقع طور پر سوجھا۔ مارک کی سیکریٹری! وہ مارک پر جان چھڑکتی تھی۔ وہ اس کی ہر ممکن مدد کرے گی۔

صبح نو بجے اس نے ایک فون بوتھ سے اسے کال کیا۔ آپریٹر نے فرانسیسی لہجے میں جواب دیا۔'' کنگسلے انٹرنیشنل گروپ۔''

''مجھے یونی رینائس سے بات کرنی ہے۔''

''ہولڈ آن پلیز۔''

چند لمحے بعد کیلی کو یونی کی آواز سنائی دی۔'' یونی رینائس۔''

''یونی...... میں کیلی ہیرس بات کر رہی ہوں......''

دوسری طرف لہجے میں گھبراہٹ در آئی۔'' او مسز ہیرس......''

مین ہٹن...... نیویارک

ٹینر کنگسلے کے دفتر میں نیلا بلب روشن ہو گیا تھا۔ ٹینر نے ریسیور اٹھایا اور پیرس میں ہونے والی گفتگو سننے لگا۔

''مسٹر ہیرس کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس پر مجھے بہت دکھ ہے مسز ہیرس۔''

''یونی، مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔ آج لنچ پر کہیں مل سکتی ہو؟''

''جی...... کیوں نہیں۔''

''کسی پبلک پلیس پر۔''

''بارہ بجے لی بیل ڈی پیرس پر ملیے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں پہنچ جاؤں گی۔''

ٹینر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری۔ ٹھیک ہے بے بی۔ اپنا آخری لنچ کر لو۔ وہ بڑبڑایا۔ پھر اس نے ایک مقفل دراز کھولی۔ اس میں ایک سنہری ٹیلی فون تھا۔ اس کے ریسیور اٹھاتے ہی دوسری طرف سے آواز ابھری۔'' مورننگ ٹینر یہ

''گڈ نیوز۔ دونوں مل گئی ہیں۔''

وہ چند لمحے سنتا رہا۔ پھر سر ہلاتے ہوئے بولا۔'' وقت توقع سے زیادہ لگا ہے۔ لیکن خیر، اب ہم آگے بڑھ سکیں گے۔ جو تم محسوس کر رہی ہو، میں بھی وہی محسوس کر رہا ہوں۔ گڈ بائی ڈارلنگ۔''

پیرس...... فرانس

لی بیل اسٹیل اور شیشے کا بنا 690 فٹ اونچا مینار تھا۔ وہاں بے شمار آفس تھے اور وہ ایک معروف اور بارونق عمارت تھی۔

56 ویں منزل پر بار اور ریسٹورنٹ تھا۔ وہاں پہلے کیلی پہنچی۔ یونی پندرہ منٹ بعد آئی۔ وہ بار بار معذرت کر رہی تھی۔

کیلی اس سے صرف چند ہی بار ملی تھی۔ لیکن وہ اسے اچھی طرح یاد تھی۔ یونی مخنی سی خاتون تھی۔ مارک ہمیشہ اس کی مستعدی کا ذکر کرتا تھا۔'' تم آ گئیں یونی، میں تمہاری شکرگزار ہوں۔'' کیلی نے کہا۔

''مسٹر ہیرس شاندار آدمی تھے۔ میں ان کی خاطر کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ آفس میں سبھی ان سے محبت کرتے تھے۔ جو کچھ ہوا۔ اس پر کسی کو بھی تو یقین نہیں آیا۔''

''میں اسی سلسلے میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں یونی۔ تم پانچ سال سے میرے شوہر کے ساتھ تھیں۔''

''جی۔''

''اور تم اسے پوری طرح جانتی تھیں۔ سمجھتی تھیں۔''

''جی بالکل۔''

''آخری چند مہینوں میں تمہیں کوئی غیر معمولی بات، کوئی عجیب تبدیلی نظر آئی تھی اس میں؟''

(جاری ہے)

یونی اس سے نظریں چرانے لگی ''میں یقین سے نہیں کہہ سکتی...... میرا مطلب ہے......

''کیسی ہی بات ہو، مجھے سچ سچ بتادو'' کیلی نے بے حد خلوص سے کہا۔ ''اس سے مجھے یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ درحقیقت ہوا کیا تھا۔ اچھا، یہ بتاؤ، اس نے کبھی تم سے اولنگا کے بارے میں بات کی تھی؟''

یونی نے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ ''کون اولنگا؟ نہیں تو۔''

''تمہیں اولنگا کے بارے میں کچھ معلوم نہیں؟''

''بالکل نہیں۔''

کیلی کو ناقابل بیان سکون کا احساس ہوا۔ ''یونی...... کوئی ایسی بات ہے، جو تم مجھے نہیں بتا رہی ہو؟''

''جی، وہ......''

اسی وقت ویٹر ان کی میز پر آ گیا۔ یونی نے اسے آرڈر نوٹ کرا دیا۔ ویٹر کے جانے کے بعد کیلی پھر یونی کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''ہاں تو تم کیا کہہ رہی تھیں۔''

''اپنی موت سے چند روز پہلے مسٹر ہیرس بہت نروس تھے۔ انہوں نے واشنگٹن ڈی سی کی فلائٹ پر مجھ سے سیٹ بھی ریزرو کرائی تھی۔''

''وہ تو مجھے معلوم ہے۔ میرے خیال میں وہ معمول کا بزنس ٹرپ تھا۔''

''نہیں۔ میرے خیال میں وہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ مسٹر ہیرس کے انداز سے لگتا تھا کہ معاملہ بہت ارجنٹ ہے۔''

''تمہیں معاملے کی نوعیت کے بارے میں کچھ اندازہ ہے؟''

''نہیں، بالکل بھی نہیں۔ اچانک ہی وہ بہت رازداری سے کام لینے لگے تھے۔''

اگلے ایک گھنٹے تک کیلی یونی سے سوال کرتی رہی۔ مگر وہ اس سے اس کے سوا کچھ معلوم نہیں کر سکی کہ آخری دنوں میں مارک کو کچھ اہم کالز موصول ہوئی تھیں۔

کھانے کے بعد کیلی نے کہا۔ ''یونی، میں چاہتی ہوں کہ اس ملاقات کے بارے میں کسی کو پتا نہ چلے۔''

''آپ اس سلسلے میں بالکل فکر نہ کریں مسز ہیرس۔ میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔'' یونی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''اب مجھے کام پر جانا ہے۔'' اس کے ہونٹ لرزنے لگے۔ ''حالانکہ اب کے آئی جی میں میرا دل نہیں لگتا۔ اب وہ بات کہاں۔''

''شکریہ یونی۔''

اب کیلی سوچ رہی تھی کہ مارک واشنگٹن میں کس سے ملنے والا تھا اور برلن، ڈینور اور نیویارک سے کن لوگوں نے مارک کو کالز کی تھیں اور ان کے درمیان کیا بات ہوئی تھی۔

کیلی لفٹ کے ذریعے لابی میں آئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب ڈیانا کو فون کر کے معلوم کرے کہ اسے بھی کچھ معلومات حاصل ہوئی ہیں یا نہیں۔ ممکن ہے......

اسی لمحے اس کی چھٹی حس نے اسے خبردار کر دیا۔ وہ اب داخلی دروازے کے قریب تھی کہ اس کی نظر ان پر پڑی۔ وہ دو لمبے تڑنگے مرد تھے اور دروازے کی دونوں جانب کھڑے تھے۔ اسے دیکھ کر ان کے ہونٹوں پر خوفناک مسکراہٹ مچلنے لگی۔ پھر ان دونوں نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ کیلی نے سوچا، کیا یونی نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔ بہرحال فی الوقت اس سے زیادہ اہمیت یہاں سے بچ نکلنے کی تھی۔ جہاں تک اسے معلوم تھا، باہر نکلنے کا دوسرا کوئی دروازہ نہیں تھا۔

اب وہ دونوں لوگوں کی بھیڑ میں جگہ بنانے، لوگوں کو ادھر ادھر دھکیلتے کیلی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

کیلی نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ دیوار سے چپک گئی۔ اس کا ہاتھ دیوار کے ساتھ کسی چیز سے ٹکرایا۔ اس نے اس چیز کی طرف دیکھا۔ دونوں خطرناک آدمی خاصا قریب آ گئے تھے۔ کیلی نے وہ چھوٹا ہتھوڑا اٹھایا اور دیوار میں نصب فائر الارم یونٹ پر دے مارا۔ شیشہ ٹوٹا اور الارم کی آواز پوری عمارت میں گونجنے لگی۔

''آگ...... آگ......'' کیلی چلانے لگی۔

لابی میں افراتفری مچ گئی۔ لوگ گھبرا کر دفاتر سے بھاگ کر نکلنے لگے۔ دکانوں اور ریستورانوں سے نکلنے والے الگ تھے۔ اور وہ سب کے سب دروازے کی طرف لپک رہے تھے۔ چند لمحوں میں لابی میں تل دھرنے کی جگہ بھی نہیں رہی۔ دونوں خطرناک آدمی اس ہجوم میں کیلی کو تلاش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جبکہ کیلی جھک کر ہجوم میں جگہ بناتی دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اور جب وہ دونوں وہاں پہنچے، جہاں انہوں نے کیلی کو آخری بار دیکھا تھا تو وہ غائب ہو چکی تھی۔

............x............

برلن۔ جرمنی

''میں ایک دوست کا انتظار کر رہی تھی'' ڈیانا نے گریگ ہالیڈے کو بتایا۔ ''مگر لگتا ہے کہ اب وہ نہیں آئے گی۔''

''یہ تو برا ہوا تمہارے ساتھ، تم برلن کس سلسلے میں آئی ہو...... تفریح...... سیاحت؟''

''جی ہاں۔''

''یہ بہت خوب صورت شہر ہے۔ میں ایک شادی شدہ آدمی ہوں۔ ورنہ تمہیں شہر کی سیر کراتا۔ خیر، یہاں گائیڈز کی کمی نہیں، میں تمہیں کسی سے ملوا دوں گا۔''

''بہت شکریہ'' ڈیانا نے بے خیالی سے کہا۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ دونوں بدمعاش باہر جا رہے تھے۔ شاید وہ باہر اس کا انتظار کریں گے۔ اب اسے کچھ کرنا تھا۔

''درحقیقت میں یہاں ایک گروپ کے ساتھ آئی ہوں'' ڈیانا نے کہا اور گھڑی پر نظر ڈالی۔ ''وہ میرے منتظر ہوں گے۔ آپ کو زحمت تو ہوگی۔ لیکن اگر آپ مجھے ٹیکسی دلا دیں تو......''

''ضرور، کیوں نہیں''

(جاری ہے)

چند لمحے بعد وہ دونوں باہر جا رہے تھے۔ ڈیانا پرسکون تھی۔ اگر وہ اکیلی ہوتی تو وہ دونوں یقیناً اس پر حملہ کرتے۔ لیکن اس شخص کی موجودگی میں وہ یہ جرات نہیں کریں گے۔

وہ باہر نکلے تو دونوں بدمعاش کہیں نظر ہی نہیں آ رہے تھے۔ ریسٹورنٹ کے سامنے ایک ٹیکسی کھڑی تھی۔ اس کے پیچھے ایک مرسڈیز تھی۔

''مسٹر ہالیڈے، آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ مجھے امید ہے...... ''

ہالیڈے مسکرایا اور اس نے اتنی سختی سے اس کا ہاتھ پکڑا کہ اس کی سانسیں رکنے لگیں۔

ڈیانا نے چونک کر اسے دیکھا۔ '' یہ کیا...... ''

'' ٹیکسی کی کیا ضرورت ہے۔ آؤ، کار میں چلیں'' ہالیڈے نے نرم لہجے میں کہا اور اسے مرسڈیز کی طرف کھینچنے لگا۔ اس کی گرفت اب بھی بہت سخت تھی۔

''نہیں۔ میں اسے مناسب نہیں...... ''

مگر وہ اسے کھینچتا رہا۔ پھر ڈیانا کو مرسڈیز میں وہ دونوں بدمعاش بیٹھے نظر آئے۔ اب ڈیانا سمجھی کہ اس کے ساتھ کیا کھیل کھیلا گیا تھا۔ اب تو وہ خوف سے بے حال ہوگئی۔

''پلیز...... مجھے چھوڑ دو...... ''

مگر ہالیڈے نے اسے کار میں بٹھا دیا اور خود بھی اس کے برابر بیٹھ گیا۔

گاڑی بھاری ٹریفک میں شامل ہوگئی۔ ڈیانا کی کیفیت ہسٹیریائی تھی۔ ''سنو پلیز...... ''

''پرسکون ہو جاؤ'' گریگ ہالیڈے نے نرم لہجے میں اسے تسلی دی۔ ''میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔ میرا وعدہ ہے کہ کل تمہیں تمہارے گھر بھجوا دوں گا'' اس نے ڈرائیور کی سیٹ کے پچھلے حصے سے منسلک کپڑے کے تھیلے سے ایک ہائپوڈرمک سوئی نکالی۔ ''میں تمہارے ایک انجکشن لگاؤں گا۔ یہ بے ضرر ہے۔ بس دو ایک گھنٹے کیلئے سو جاؤ گی'' اس نے ڈیانا کی کلائی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''ارے مردود'' اچانک ڈرائیور چلایا۔ گاڑی کے سامنے اچانک ہی ایک آدمی آ گیا تھا۔ اسے بچانے کیلئے ڈرائیور نے پوری قوت سے بریک لگایا۔ اس کے نتیجے میں ہالیڈے کا سر ہیڈ ریسٹ کے آہنی فریم ورک سے ٹکرایا۔ اسے چکر آنے لگے'' یہ کیا حماقت...... ''

وہ ڈرائیور پر چلایا۔ ڈیانا نے جبلی طور پر ہالیڈے کا سرنج والا ہاتھ تھام کر موڑ دیا۔ سرنج ہالیڈے کے جسم میں گھس گئی۔

ہالیڈے نے سر گھما کر ڈیانا کو دیکھا اور حلق کے بل چلایا۔ ''نہیں'' اس کے چہرے پر زلزلے کا سا تاثر تھا۔

چند لمحوں میں ہالیڈے کا جسم تشنج کا شکار ہوگیا۔ اسے جھٹکے لگنے لگے۔ پھر اس کا جسم اکڑنے لگا۔ چند ہی لمحوں میں وہ ختم ہوگیا۔

اگلی سیٹ پر بیٹھے دونوں آدمیوں نے پلٹ کر دیکھا۔ مگر اتنی دیر میں ڈیانا کار سے اتر کر مخالف سمت میں جانے والی ٹیکسی میں بیٹھ چکی تھی۔

............x............

وہ خبر سننے کے بعد سے انٹونیو کیلئے سکون کا کوئی لمحہ نہیں تھا۔ وہ ان سب سے محبت کرتا تھا۔ خاص طور پر میتھوز سے، جسے وہ تیس سال سے جانتا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ مر چکے ہیں۔

ابتدا میں وہ دکھ تھا۔ مگر پھر بتدریج دکھ غصے میں تبدیل ہوتا گیا۔ پھر وہ شدید غصہ بتدریج ڈیمین لتورن کیلئے شدید ترین نفرت میں ڈھل گیا۔ اگر وہ اسے مل جاتا اور اس کے رحم و کرم پر بھی ہوتا تو وہ اسے آسانی سے...... ایک زخم سے نہ مرنے دیتا۔ وہ اسے تڑپا تڑپا کر مارتا۔

اپنے بستر پر لیٹا وہ تصور میں ڈیمین تھورن کے جسم کے ٹکڑے کر رہا تھا۔ اسے نتائج کی پروا نہیں تھی۔ ویسے بھی اسے یقین تھا کہ خدا اس قتل پر اسے سزا نہیں دے گا۔ بلکہ شاید اسے انعام بھی ملے

وہ نفرت کی اس آگ کو ہوا دیتا رہا۔ اسے احساس تھا کہ یہ ایسی نفرت نہیں، جسے کہیں بھی نکال دیا جائے۔ اسے تو سنبھال کر رکھنا ضروری ہے...... اس کے اصل ہدف کیلئے۔ اسے یہ احساس بھی تھا کہ فادر کے سامنے زبان کھولتے ہوئے اسے محتاط رہنا ہوگا۔ کیونکہ اس نے پہلے دو منصوبوں کی کھل کر مخالفت کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اسٹوڈیو میں جہاں ہر قدم پر محافظ موجود ہوں، حملہ کرنا پاگل پن ہے۔ اور اپنے ہی ایک بھائی کو چارہ بنا کر پیش کرنا بھی اس کے نزدیک حماقت تھا۔ اس طرح انہوں نے ڈیمین لتورن کو منصوبہ بنا کر جوابی حملہ کرنے کا موقع دے رہا تھا۔

لیکن اس کے اعتراضات کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ اب بعد میں اس کی بات درست ثابت ہوئی تو یہ اس کیلئے اور زیادہ اذیت ناک تھا۔ انٹونیو کا گمان تھا کہ تھورن کو بے خبری میں چھاپنا ہوگا۔ اور اس پر حملہ کھلے میں کرنا ہوگا، جیسے درندوں کا شکار کیا جاتا ہے۔

(جاری ہے)

اس بار فادر ڈی کارلو نے اس سے اتفاق کیا۔ مگر اب کوئی اور راستہ بھی تو نہیں تھا۔ انٹونیو تو یہی سوچتا رہ گیا کہ کاش فادر نے اس کی بات پہلے ہی سن لی ہوتی۔ انٹونیو اپنے گروپ میں خود کو سب سے بڑا دنیا دار اور عملی انسان سمجھتا تھا۔ وہ ایک کسان کا بیٹا تھا۔ وہ جانوروں سے پیار کرتا تھا۔ لیکن اپنے ساتھیوں کی طرح وہ ان کے معاملے میں جذباتی نہیں تھا۔ وہ درندوں پر انسانوں کی حکمرانی کا قائل تھا۔ اور کسی بڑے کاز کیلئے کسی جانور کی قربانی میں کوئی حرج نہیں تھا۔ اس پر انٹونیو رونے کا قائل نہیں تھا۔

ٹرین مغرب کی طرف سفر کر رہی تھی۔ انٹونیو نے اپنے برابر بیٹھے ساتھی کی طرف دیکھا۔ برادر سائمن نوجوان اور نازک طبع تھا۔ وہ سوتے میں کراہ رہا تھا، جیسے کوئی ڈراؤنا واب دیکھ رہا ہو۔ انٹونیو نے اس کی پیشانی کو چھو کر دیکھا۔ وہ بھیگی ہوئی تھی۔ بے چارہ...... حساس لڑکا! انٹونیو کو اس پر ترس آنے لگا۔ خود اس نے کبھی کوئی ڈراؤنا خواب نہیں دیکھا تھا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک بار فادر ڈی کارلو نے وجہ یہ بیان کی تھی کہ وہ قوت متخیلہ سے محروم ہے۔ لیکن ایک پادری اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہے۔

سفر کے دوران انٹونیو اپنے منصوبے کے بارے میں سوچتا اور اس کی نوک پلک درست کرتا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ منصوبے کی جزئیات بہت اہم ہیں۔ اسے پرفیکٹ ٹائمنگ کے علاوہ خوش قسمتی کی بھی ضرورت ہوگی۔ دونوں چیزیں یکجا ہو گئیں تو کامیابی کا قوی امکان تھا۔

............x............

معاملہ ابتدا ہی سے آسان تھا۔ گاؤں میں انہیں ایک شراب خانہ مل گیا۔ وہاں بیٹھ کر وہ مقامی کسانوں سے باتیں کرنے لگے۔ زبان کے معاملے میں البتہ انہیں دشواری پیش آرہی تھی۔ مقامی لوگوں کی بولی کچھ مختلف تھی۔ بہرحال ایسا بھی نہیں تھا کہ کام ہی نہ چل پائے۔ وہ کھیل، سیاست اور ایسے موضوعات پر باتیں کر رہے تھے، جن کے بارے میں انٹونیو بہت کم جانتا تھا۔ لیکن انٹونیو سامع بہت اچھا تھا۔ شام ہوتے ہوتے اس نے اور سائمن نے کئی دوست بنا لئے تھے۔ رات کو گیسٹ ہاؤس میں بیڈ پر لیٹ کر انٹونیو نے سوچا کہ اگر وہ مذہب کی طرف نہ آ گیا ہوتا تو شاید ایک کامیاب بزنس مین ہوتا۔ کیونکہ اس کا دماغ بہرحال سازشی تھا۔

اگلی صبح وہ ایک کسان کے ساتھ کھیتوں میں چلے گئے۔ اس کسان نے انٹونیو سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ خصوصیت سے لومڑیوں میں کیوں دلچسپی لے رہا ہے۔ نہ ہی اس نے یہ سوال کیا کہ اسے شکاری کتے اور گھوڑے کی کیوں ضرورت ہے۔ اس نے سادگی سے اسے یہ بتایا کہ یہ ضرورت کہاں سے پوری ہو سکتی ہے۔ اس علاقے میں لوگ سوالات کرنے کے عادی نہیں تھے۔

وہ کھلے میدان میں کئی میل چلتے رہے۔ وہ جنگل سے گزرے۔ محرابی پل کے ذریعے دوسرے جنگل میں پہنچے اور پھر ایک گھاٹی میں۔ وہاں وہ رکے اور انہوں نے تقریباً سو فٹ نیچے بہتے ہوئے دریا کو دیکھا۔ مگر انٹونیو ستونوں کے سہارے وادی میں کھڑی آبی گزرگاہ کی چھت میں زیادہ دلچسپی لے رہا تھا۔ وہاں ایک چٹانی سل چیخ گئی تھی اور اس میں سے نیچے گیلی زمین کو دیکھا جا سکتا تھا۔ اور وہاں داخلی مقام کے قریب واضح نشانات نظر آرہے تھے۔

............x............

ایک گھنٹے سے لومڑی اپنے بھٹ میں تھی۔ وہ پرسون تھی۔ بلکہ نیم بیداری کے عالم میں تھی۔ اس نے پہلو بدلنے کی کوشش کی۔ وہاں اتنی جگہ نہیں تھی۔ ایک بار اس نے جماہی لی اور اپنی پچھلی ٹانگوں کو جھٹکنے لگی۔

کچھ سننے سے پہلے ہی اس نے خطرے کو سونگھ لیا تھا۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے اور گل مچھے پھڑکنے لگے۔ وہ الٹی اور پیٹ کے بل غار کے دہانے کی طرف بڑھی۔ اوپر کی سمت سے اسے چیخنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر غار کے دہانے کے سامنے کوئی رکاوٹ آئی، جس سے غار میں آنے والی روشنی رک گئی۔ پھر کسی کے پنجے چلانے کی آواز آئی۔

شکاری شیر تیر اس پر جھٹا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھی۔ لومڑی نے اچھل کر کتے کی تھوتھنی پر پنجہ مارا، پنجہ لگا بھی۔ مگر لومڑی جانتی تھی کہ اس کا کتے کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں۔ وہ جارحیت محض دھیان بٹانے کیلئے تھی۔ مگر کتے نے اس کا گلا دبوچنے کیلئے جست لگائی۔ لومڑی کی پچھلی ٹانگیں پھسلیں اور وہ پیچھے کی طرف گری۔ کتے نے دوبارہ چھلانگ لگائی۔ لیکن لومڑی بہت پھرتیلی تھی۔ اس نے جھکائی دی اور تیزی سے روشنی کی سمت لپکی۔

(جاری ہے)

مگر وہ کسی چیز سے ٹکرائی اور بری طرح گھبرا گئی۔ کیونکہ اب بھاگنے کی کوشش بے سود تھی۔ وہ آگے نہیں جا سکتی تھی۔ اس نے پلٹنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ کسی بھی طرف حرکت کرنے کے قابل نہیں تھی...... نہ آگے نہ پیچھے......

سائمن بہت تیز ثابت ہوا، اس نے لومڑی کے پنجرے میں گھستے ہی پنجرے کا دروازہ بند کر دیا۔ اس نے کتے کو نظر انداز کر دیا، جو ابھی پلٹ کر آیا تھا۔

لومڑی نے جہاں پنجہ مارا تھا، وہاں اس کی تھوتھنی سے خون نکل رہا تھا، وہ تکلیف سے چلا رہا تھا۔

انٹونیو نے جو گھوڑے پر سوار تھا، فاتحانہ انداز میں جھکتے ہوئے پنجرے کو اٹھا لیا۔

............x............

ایک گھنٹے بعد ہی حویلی کے باہر شکار کی تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ سواروں نے میٹھی شراب پی اور خالی جام ملازموں کو تھما دیے۔ فضا میں کتوں اور گھوڑوں کی سانسیں گونج رہی تھیں۔ کتے اور گھوڑے دونوں تفریح کیلئے بے تاب ہو رہے تھے۔

کیٹ وہاں موجود تھی۔ وہ پیٹر کا کوٹ جھاڑ رہی تھی۔ پیٹر بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ لیکن اسے احساس تھا کہ اس کی توجہ کی وجہ سے پیٹر چڑ رہا ہے۔ اس وقت وہ شکاری تھا...... ایک مرد! اور شکاریوں کو اپنی ماؤں کی نگہداشت کی ضرورت نہیں پڑتی۔

اس کے چڑچڑے پن کو محسوس کر کے کیٹ پیچھے ہٹ آئی۔ پیٹر آگے بڑھا اور شکاریوں میں گھل مل گیا۔

کیٹ کو خوف بھی محسوس ہو رہا تھا اور وہ اسے چھپانے کی کوشش بھی کر رہی تھی۔ کچھ بھی ہو، پیٹر ابھی بچہ ہی تھا۔ اور شکار مردوں کا کھیل تھا، جو جان لیوا بھی ثابت ہو سکتا تھا۔ لوگ گھوڑوں سے گر ہی جاتے ہیں۔ اور سر کے بل گریں تو...... اس نے خیالات کی یورش سے بچنے کیلئے سر جھٹکا۔ ایک گھوڑے کی زوردار ہنہناہٹ نے اسے سر گھما کر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ ڈیمین ایک بہت خوبصورت مشکی گھوڑے پر سوار باہر آیا۔ اس کی باگیں کھنچیں اور گھوڑا الف ہو گیا۔ دوسرے گھوڑوں نے بھی اس کے خوف اور بے چینی کو محسوس کر لیا تھا، ان میں سے ایک ہڑبڑا کر پیچھے ہٹا اور اپنے سوار کو نیچے گرا دیا۔ دوسرے گھوڑے بھی ہنہنانے لگے۔

سب لوگ آپس میں باتیں کرنے لگے۔ وہ ایک ہی بات کہہ رہے تھے۔ یہ تو عجیب بات ہے۔ یہ گھوڑوں کو بیٹھے بٹھائے کیا ہو گیا۔ عام حالات میں تو یہ بہت پرسکون رہتے ہیں۔

بہرحال ایک سائیس نے چند ہی لمحوں میں ڈیمین کے بھڑکے ہوئے گھوڑے کو رام کر لیا۔ ڈیمین گھوڑے پر بیٹھا تو کیٹ کو وہ کسی ویسٹرن فلم کا اداکار لگا۔ اس نے محسوس کیا کہ انگریزوں کا گھڑسواری کا اسٹائل انگریزوں سے مختلف ہے۔ فوٹو گرافرز ڈیمین کی تصویریں بنا رہے تھے۔ اخبار میں وہ تصویریں یقیناً بہت اچھی لگیں گی۔

پیٹر کو ٹٹو دیا گیا تھا۔ وہ بڑے پیشہ ورانہ انداز میں اچھل کر اس پر بیٹھا اور کیٹ کو فخریہ نظروں سے دیکھ کر مسکرایا۔

کیٹ اس کی طرف بڑھ گئی۔ ''تم سوزان کے ساتھ رہو...... پیچھے۔ شو بازی کر کے ڈیمین کو متاثر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''جی مما۔'' وہ مسکرایا۔

کیٹ اس مسکراہٹ کو خوب پہچانتی تھی۔ وہ بہلانے والی مسکراہٹ تھی۔ اس مسکراہٹ کے ساتھ تو وہ کوئی بھی وعدہ کر سکتا تھا...... پورا نہ کرنے کی نیت سے۔

''فکر مت کرو پیٹر۔'' سوزان نے تسلی دی۔ ''خون تو تمہیں بہرحال لگے گا ہی۔''

''خون لگے گا ہی کا کیا مطلب؟'' پیٹر نے معصومیت سے ماں کو دیکھا۔

''تم خوب جانتے ہو اس کا مطلب۔''

''نہیں مما۔ سچ مچ مجھے نہیں معلوم۔''

''یہ شکار کی روایت ہے۔''

''کچھ بتائیں تو۔''

''کوئی پہلی بار شکار پر آیا ہو اور لومڑی شکار ہو تو لومڑی کا خون اس کے چہرے پر مل دیا جاتا ہے۔'' کیٹ نے مسکرا کر کہا۔ پھر اس کے رخسار تھپتھپاتے ہوئے بولی۔ ''اب خوش؟''

پیٹر نے سر کو تفہیمی جنبش دی اور دانت نکال دیے۔

اسی وقت ایک ہارن بجا۔ پیٹر نے سر گھما کر دیکھا۔ وہ روانگی کا اعلان تھا۔

(جاری ہے)

''اپنا خیال رکھنا۔'' کیٹ نے کہا۔

''آپ ہمیشہ میرے لئے فکرمند کیوں رہتی ہیں؟''

''کیوں میں تم سے محبت کرتی ہوں......''

پیٹر نے اپنے ٹٹو کو ایڑھ لگا دی......

''اور کیونکہ میرے پاس تمہارے سوا کچھ بھی تو نہیں ہے۔'' کیٹ نے اس کی پیٹ دیکھتے ہوئے جملہ مکمل کیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے گھڑسوار اور کتے میدان میں دور نکل گئے۔

وہ ایک پہاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ سب سے آگے ماسٹر تھا اور اس کے پیچھے ڈیمین۔ شکاریوں کی کل تعداد 25 تھی۔ پیٹر سوزان کے ساتھ اور سب سے پیچھے تھا۔ ماسٹر آگے جنگل کی طرف اشارہ کر رہا تھا، جو کوئی چوتھائی میل دور تھا۔ کتے آگے آگے تھے اور اب پہاڑی سے اتر کر جنگل کی طرف دوڑ رہے تھے۔ ان کی ناکیں زمین کو تقریباً چھو رہی تھیں۔ ان کی رفتار بہت تیز تھی۔

جنگل کے کنارے وہ رک گئے۔ کچھ شکاری پرسکون تھے۔ مگر کچھ زیادہ ہی بےتاب ہو رہے تھے۔ کتوں نے سر اٹھائے اور فضا میں جیسے کچھ سونگھنے لگے۔ پھر ان کے بھونکنے کی آواز نے خاموشی کا سینہ چیر دیا۔ پھر ماسٹر نے بگل بجایا اور اس کے ساتھ ہی کتے پھر دوڑنے لگے۔ شکاری بھی جنگل میں داخل ہو گئے۔ ڈیمین سب سے آگے تھا۔

جیسے جیسے جنگل گھا ہوتا گیا، گھوڑوں کی رفتار کم کر دی گئی۔ اسی لمحے ڈیمین نے ایک چیخ سنی اور پلٹ کر دیکھا۔ ایک سوار گھوڑے سے گر گیا تھا۔ ڈیمین نے تشویش سے پیٹر کو دیکھا۔ اسے خیریت میں دیکھ کر وہ مسکرایا۔ پیٹر کا ٹٹو جھاڑیوں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔

لومڑی کو سب سے پہلے ڈیمین نے دیکھا۔ اس کی آنکھیں سکڑ گئیں اور نتھنے پھڑکنے لگے۔ اس کے حلق سے ایک آواز سی نکلی۔ لیکن اس نے کہا کچھ نہیں۔ آداب کا تقاضا تھا کہ ماسٹر خود لومڑی کو دیکھے۔ اسے بتانا مناسب نہیں تھا۔

چند سیکنڈ بعد ماسٹر نے لومڑی کو دیکھا، چیخ کر اس کا اعلان کیا اور اپنے گھوڑے کو جنگل کے گھنے حصے کی طرف دوڑا دیا۔ کتے پہلے ہی لومڑی کے پیچھے لگ گئے تھے۔

ڈیمین نے اپنے گھوڑے کے ایڑھ لگا دی۔ جلد ہی وہ ماسٹر سے بھی آگے نکل گیا۔ وہ گھوڑے کی پیٹھ سے چمٹا ہوا تھا اور اس کے بھنچے ہوئے ہونٹوں پر غراہٹ تھی۔ ایک منٹ میں وہ کتوں تک جا پہنچا۔ کتوں نے پلٹ کر اسے دیکھا، چند لمحے اس کی بو سونگھی اور پھر دوبارہ شکار کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اس کے عقب میں آنے والے دل ہی دل میں اس کی ماہرانہ گھڑسواری کو سراہ رہے تھے۔ کیونکہ انہوں نے کبھی اتنے بھاری بھرکم گھوڑے میں اتنی تیز رفتاری نہیں دیکھی تھی۔

کوئی آدھا میل آگے انٹونیو نے دوربین سے یہ منظر دیکھا اور طمانیت سے مسکرا دیا۔ وہ ایک چوبی جنگلے کے پاس کھڑا تھا، جو جنگل کو ملکیت کے اعتبار سے تقسیم کرتا تھا۔ اس نے دوربین آنکھوں سے ہٹائی سب کچھ منصوبے کے عین مطابق ہو رہا تھا۔ ڈیمین توقع کے عین مطابق اپنے ساتھیوں سے دور ہو گیا تھا۔ انٹونیو کے منصوبے کا انحصار ہی اس توقع پر تھا کہ ڈیمین تیزی دکھائے گا۔ اس پر اس کا کوئی کنٹرول نہیں تھا۔ تاہم ڈیمین اس کی توقع پر پورا اترا تھا۔ ایسا نہ ہوا ہوتا تو اس کا منصوبہ پہلے ہی مرحلے میں ناکام ہو جاتا۔

وہ پلٹا، اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا اور اس پر سوار ہو گیا۔ شاٹ گن اس کی پشت پر تھی اور زین کے اگلے سرے سے پنجرہ بندھا ہوا تھا۔ پنجرے میں بند لومڑی بار بار غرا رہی تھی۔ لیکن انٹونیو نے اسے کوئی توجہ نہیں دی۔

وہ کوئی سو گز دور درختوں کے اس جھنڈ میں چلا گیا، جسے اس نے خاص طور پر منتخب کیا تھا۔ وہاں پہنچ کر وہ گھوڑے سے اترا اور اس نے گھوڑے کو باندھ دیا۔ پھر اس نے شاٹ گن کھولی اور اسے کندھے سے لگا کر شست باندھ لی۔

اب وہ گن کی سائٹ سے دیکھ رہا تھا۔ گن کا رخ راستے کی طرف تھا۔ وہ ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ کاش یہ سب کچھ اتنا ہی آسان ثابت ہو، جتنا نظر آ رہا ہے۔ لیکن اگر یہ سب کچھ شاٹ گن سے کیا جا سکتا ہوتا تو بلاشبہ کوئی دشواری نہیں ہوتی۔

اچانک لومڑی آتی نظر آئی۔ شاٹ گن کے ٹریگر پر اس کی انگلی کا دباؤ بڑھ گیا۔ اس نے فائر کیا۔ لومڑی اچھلی۔ اس نے دوسرا فائر کیا۔ اسے معلوم تھا کہ اتنے شکاریوں کی موجودگی میں فائر کی طرف کوئی توجہ نہیں دے گا۔ کوئی توجہ دے گا بھی تو یہی سمجھے گا کہ کوئی کسان کوؤں پر فائر کر رہا ہے۔

وہ لومڑی کی طرف لپکا اور اسے گھسیٹ کر جھنڈ کی طرف لے آیا۔ مردہ لومڑی کو اس نے جھاڑیوں میں ڈال دیا۔ پھر اس نے زین پر بندھے ہوئے پنجرے کو کھولا اور اسے راستے پر لے گیا۔ چند لمحے وہ کتوں کی قریب آتی آوازیں سنتا رہا۔ وہ تقریباً پہنچ ہی گئے تھے۔

اس نے جلدی سے پنجرے کا دروازہ کھولا۔ لومڑی موقع پاتے ہی پنجرے سے نکلی اور راستے پر بھاگ کھڑی ہوئی۔ وہ خود پنجرہ لے کر جھنڈ میں چلا آیا۔

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

اگلے ہی لمحے اس نے ڈیمین اور شکاری کتوں کو پنجرے سے نکلی ہوئی لومڑی کے تعاقب میں جاتے دیکھا۔ اس نے مردہ لومڑی کو نکالا اور زین کے پچھلے حصے رسی کی مدد سے اس کی دم کو باندھا۔ پھر وہ اچھل کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس نے دوسرا راستہ اختیار کیا تھا۔ تاہم اسے امید تھی کہ وہ وقت پر اس راستے پر پہنچ جائے گا، جس پر ڈیمین اور کتے گئے ہیں۔

پھر ہوا بھی یہی۔ وہ ان کے درمیان سے گزر کر گھوڑے کو اس راستے پر مخالف سمت دوڑانے لگا، جدھر سے وہ لوگ آئے تھے۔ کتے لومڑی کی بو پا کر الجھے۔ پھر انہوں نے لومڑی کو دیکھا تو وہ پلٹے اور گھسٹتی ہوئی مردہ لومڑی کا تعاقب کرنے لگے۔ آگے ایک دوراہا تھا۔ اس نے گھوڑے کو سیدھے ہاتھ والے راستے پر ڈال دیا۔ شکاری کتے اب بھی اس کے پیچھے آ رہے تھے۔

پھر عقب سے ٹاپوں کی آوازیں بھی آنے لگیں۔ شکاری بھی اندھا دھند مردہ لومڑی کا تعاقب کر رہے تھے۔ انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ ڈیمین آگے نکل چکا ہے۔ انٹونیو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے انہیں تقسیم کر دیا تھا۔

تیزی سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے اس نے رسی کو کھینچا۔ یہاں تک کہ لومڑی کی گردن اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ راستہ اب درختوں کے درمیان سے ہو کر پہاڑ سے گرنے والے ایک جھرنے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دونوں طرف ڈھلوانیں تھیں۔ ایک جانب ایک متروک پون چکی تھی۔ اس نے لومڑی کو رسی کی گرفت سے آزاد کیا اور اسے پون چکی کی سمت اچھال دیا۔ مردہ لومڑی تیس فٹ نیچے جا گری۔

انٹونیو کو خوشی تھی۔ ایک راہب سے کوئی اتنی محنت اور طاقت کے کام کی امید نہیں کر سکتا، جو اس نے اتنی آسانی سے کر دکھایا تھا۔ لیکن اس کے پاس خوش ہونے میں ضائع کرنے کیلئے وقت نہیں تھا۔ اس کے منصوبے میں ایک ایک سیکنڈ کی اہمیت تھی۔ اسے بروقت کہیں پہنچنا تھا......

ڈیمین گھوڑے کی پشت سے چپکا اسے تیز سے تیز تر دوڑا رہا تھا۔ لومڑی اب اسے نظر آ رہی تھی۔ لیکن وہ اس کی تیز رفتاری پر حیران تھا۔ اتنی دیر دوڑائے جانے کے باوجود لومڑی تازہ دم تھی۔ بلکہ اس وقت وہ اس سے زیادہ تیز دوڑ رہی تھی، جتنا کہ ابتدا میں دوڑی تھی۔

جنگل اب چھدرا ہوتا جا رہا تھا۔ سامنے دریا والی گھاٹی نظر آ رہی تھی اور اس کے اوپر والا محرابی پل۔ لومڑی کا رخ اسی طرف تھا۔ پھر وہ پل پر چڑھ گئی۔

ڈیمین نے گھوڑے پر دباؤ اور بڑھا دیا۔ پل کے پار کھلا میدان تھا۔ وہاں کوئی آڑ نہیں تھی اور وہ لومڑی کو بآسانی شکار کر سکتا تھا۔ وہ پل پر پہنچا۔ فاصلہ اب بھی اتنا ہی تھا۔ لومڑی پل پار کرنے سے پہلے ایک لمحے کو رکی اور اگلے ہی لمحے وہ غائب ہو گئی۔ وہاں یقیناً کوئی غار ہو گا۔ اس نے باگیں کھینچیں اور گھوڑے سے اتر گیا۔ آگے دوڑنے والے شکاری کتے بھٹ پر کھڑے غرا رہے تھے، جیسے شکار نکل جانے پر افسوس کر رہے ہوں۔

ڈیمین گھوڑے سے اترا اور سانس درست کرنے لگا۔ اس نے سر سے ہیٹ اتار کر چہرے سے پسینہ پونچھا۔ یقیناً وہ ایک ناکام دن تھا۔ وہ جھک کر بیٹھا اور کتوں کو دیکھنے لگا جو بری طرح بھونک رہے تھے اور جب اس نے سر اٹھایا تو ایک شخص کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ وہ ایک جوان راہب تھا اور اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ وہ سیدھا کھڑا ہوا اور اپنی طرف بڑھتے ہوئے راہب کو گھورنے لگا۔ راہب نے پل پر قدم رکھنے کے بعد پلٹ کر پل کے دروازے کو بند کر دیا۔

پھر اس نے پلٹ کر دیکھا تو اسے دوسرا راہب نظر آیا۔ وہ ادھیڑ عمر تھا اور گھوڑے پر سوار تھا۔ اس کے ہاتھ میں بھی خنجر تھا۔ اس نے جھک کر پل کے دوسری طرف کے دروازے کو بلند کر دیا۔

ڈیمین کا جسم تن گیا۔ گویا انہوں نے دونوں طرف سے اسے گھیر لیا ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ ہوا کیسے، انہیں کیسے معلوم تھا کہ لومڑی اسی طرف آئے گی۔ یہ تو منصوبہ معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن منصوبے میں جانور کہاں شریک ہوتے ہیں؟ بہر حال، یہ ان سوالوں پر غور کرنے کا وقت نہیں تھا۔

(جاری ہے)

وہ دونوں طرف سے اس کی طرف بڑھ رہے تھے...... سامنے سے بھی اور پیچھے سے بھی۔

اس نے کتوں کی طرف دیکھا، جو لومڑی کے بھٹ میں گھسنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ غار کا دہانہ ان کے حساب سے بہت تنگ تھا۔ اس نے پھر سر اٹھا کر دیکھا۔ ادھیڑ عمر راہب کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ وہ اب اس سے کوئی دس گز دور تھا۔

ڈیمین نے اپنی توجہ ادھیڑ عمر راہب کے گھوڑے پر مرکوز کر دی۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی پوری شیطانی قوت اپنی آنکھوں میں مرتکز کر لی تھی اور وہ تصور کر رہا تھا...... تصور میں گیدڑوں کو ایک گھوڑے کا تعاقب کرتے، اس کی ٹانگوں سے لپٹتے، انہیں بھنجھوڑتے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے پچھلے حصے میں دانت گاڑ رہے تھے۔ یہاں تک کہ گھوڑا گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ پھر اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اب وہ بھاگ نہیں سکتا تھا اور گیدڑ اب اس کا پیٹ پھاڑ رہے تھے...... اس کی آنتیں چبا رہے تھے۔ گھوڑا چیخ رہا تھا...... اپنی بے نور ہوتی آنکھوں سے خود کو جیتے جی کھائے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

گھوڑا اچانک رک گیا۔ انٹونیو اسے آگے بڑھانے کے لئے اس کے پیٹ پر گھٹنے مار رہا تھا۔ لیکن گھوڑے کو جیسے کچھ خبر ہی نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں پھیلتی جا رہی تھیں۔ وہ سر جھٹک کر ڈیمین کی نگاہوں سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اس نگاہ سے کہیں پناہ نہیں تھی۔

پھر بالکل غیر متوقع طور پر گھوڑا اپنی دونوں اگلی ٹانگیں اٹھاتے ہوئے جھٹکے سے پیچھے کو ہٹا۔ انٹونیو توازن برقرار نہ رکھ سکا اور اچھل کر پل کی ریلنگ کے اوپر گرا۔ صرف ایک لمحے کو وہ ادھر ادھر ڈولا۔ مگر پھر پل کی دوسری طرف لڑھک گیا۔ وہ کچھ پکڑنے کو ہاتھ چلاتا رہا۔ لیکن ہوا گرفت میں کہاں آتی ہے۔ فضا میں اس کی چیخ گونجی اور پھر وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

ڈیمین تیزی سے پلٹا۔ دوسرا راہب اس سے صرف چند گز کے فاصلے پر ٹھٹھک گیا تھا۔ اس کا چہرہ خوف سے سپید پڑ گیا تھا اور وہ ریلنگ کے نیچے گھائی میں دیکھ رہا تھا۔ انٹونیو کی چیخ دم توڑ چکی تھی۔ پھر وہ ڈیمین کی طرف پلٹا اور خنجر لئے شکاری کتوں کے درمیان سے گزرنے لگا۔ اس کے ہاتھ میں ذرا بھی لرزش نہیں تھی۔

ڈیمین اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں۔ البتہ اس کی نگاہ سب سے جسیم کتے پر مرکوز ہو گئی تھی۔ اب وہ پھر ارتکاز سے کام لے رہا تھا۔ لیکن اس بار اس کا تصور پچھلے سے مختلف تھا۔

کتے نے جھرجھری لی اور ڈیمین کی آنکھوں میں دیکھا۔ پھر اس کا سر ایک طرف جھکا اور آنکھیں سکڑنے لگیں۔ ایک لمحے کو وہ ساکت کھڑا رہا۔ پھر وہ پلٹا۔ سائمن اس وقت اس سے صرف ایک گز دور تھا۔ ایک لمحے کی ہچکچاہٹ کے بغیر کتا سائمن کے نرخرے پر جھپٹا۔ نرخرہ تو بچ گیا لیکن اس کے دانت سائمن کے کندھے میں اتر گئے، سائمن کے ہاتھ سے خنجر چھوٹ گیا۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹا اور اپنے کندھے سے بہنے والے خون کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے اپنے کندھے کو چھوا۔ ایک لمحے کو جیسے ہر چیز ساکت ہو گئی۔ ڈیمین، سائمن اور شکاری کتا، تینوں جیسے بت بن گئے تھے۔ پھر ایک اور کتا عقب سے سائمن پر جھپٹا۔ اس نے سائمن کی گدی میں دانت گاڑ دیئے تھے۔ سائمن لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا۔ کتا اس کے اور ریلنگ کے درمیان دب کر چلایا۔ مگر اسی لمحے تیسرا اور فوراً ہی چوتھا کتا اس پر حملہ آور ہو گئے۔ سائمن بری طرح ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔ مگر دوسرے کتے بھی اس پر جھپٹ پڑے تھے۔

ڈیمین گھڑی دیکھ رہا تھا، کتوں اور سائمن کے درمیان جدوجہد ڈیڑھ منٹ کی تھی، پھر سائمن کے حلق سے خون کا فوارہ بلند ہوا اور کتوں کی دعوت شروع ہو گئی۔

..................×..................

حویلی کے باہر پیٹر کیٹ سے کہہ رہا تھا۔ ”ڈیمین کسی اور لومڑی کے پیچھے گئے ہوں گے، ہماری والی لومڑی تو آبشار میں گر گئی تھی۔“

کیٹ نے کندھے جھٹک دیئے۔ ”اچھا ہی ہوا۔ ورنہ بے چاری کی تکابوٹی ہو جاتی۔“

(جاری ہے)

پیٹر ہنس دیا۔ کیٹ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اسی وقت پیٹر نے انگلی سے اشارہ کیا۔ کیٹ نے اشارے کی سمت دیکھا۔ ڈیمین گھوڑے پر سوار ان کی طرف آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے کتے تھے۔ ان سبھوں کی تھوتھنیاں خون میں لتھڑی ہوئی تھیں۔

پیٹر نے اپنے ٹٹو کا رخ ڈیمین کی طرف کر دیا اور اسے دھیمی رفتار سے بڑھایا۔ فاصلہ کم ہونے پر اس نے ڈیمین سے کہا۔ ''آپ نے بھی لومڑی پکڑ لی؟''

''لیکن کتوں نے اس کی کوئی نشانی بھی نہیں چھوڑی۔'' ڈیمین نے کہا۔ ''بہر حال میں نے کچھ خون تمہارے لئے بچا لیا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے جیب سے خون میں تر ایک رومال نکالا۔

''آپ مجھے خون لگائیں گے؟''

''کیوں نہیں۔'' ڈیمین نے جھک کر خون آلود رومال پیٹر کے رخسار سے رگڑ دیا۔ پیٹر نے اپنے رخسار کو چھوا اور پھر خون آلود انگلیوں کو ہونٹوں سے لگا لیا۔

سو گز دور سے کیٹ انہیں دیکھ رہی تھی۔ اسے پیٹر کا خون کو ہونٹوں پر لگانا پسند نہیں آیا، اسے ان دونوں کی قربت بھی اچھی نہیں لگی۔

..................x..................

موبائل فون کی آواز نے کیلی کو چونکا دیا، اس نے محتاط انداز میں فون ریسیو کیا۔ ''ہیلو؟''

''ہائی کیلی۔''

''ڈیانا! کہاں ہو تم؟''

''میونخ میں اور تم کہاں ہو؟''

''میں فہری میں ہوں اور ڈوور جا رہی ہوں۔''

''سام میڈوز سے تمہاری ملاقات کیسی رہی؟''

کیلی کے کانوں میں سام کی چیخیں گونجنے لگیں۔ ''اس کے بارے میں ملاقات ہونے پر بتاؤں گی۔ تم سناؤ، کچھ معلوم حاصل ہوئیں تمہیں؟''

''کچھ زیادہ نہیں۔ اب ہمیں آگے کا لائحہ عمل طے کرنا ہوگا۔ ہمارے آپشن ختم ہو رہے ہیں۔ گیری رینالڈز کا جہاز ڈینور کے قریب تباہ ہوا تھا، میرا خیال ہے، ہمیں وہاں جانا ہوگا۔ شاید وہی ایک امکان رہ گیا ہے اب۔''

''چلو ٹھیک ہے۔''

''تعزیتی خبر میں لکھا تھا کہ اس کی بہن ڈینور میں رہتی ہے۔ ممکن ہے، اسے کچھ معلوم ہو۔ ایسا سرو، ڈینور میں براؤن پیلس ہوٹل میں ملتے ہیں۔ میری فلائٹ ایک گھنٹے بعد روانہ ہوگی۔''

''مجھے ہیتھرو سے فلائٹ لینی ہے۔''

''گڈ۔ ہوٹل میں کمرا ہیریٹ بیچر کے نام بک ہوگا۔''

''کیلی......!''

''ہاں......کیا بات ہے؟''

''بس یونہی......تم جانتی ہو نا کہ میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں؟''

''ہاں، جانتی ہوں اور میں بھی تم سے یہی کہہ رہی ہوں۔''

..................x..................

ٹینر اپنے آفس میں اکیلا تھا اور سنہری ٹیلی فون پر بات کر رہا تھا۔ ''......کیسی خطرناک خبر ہے۔ سام میڈوز کا بہت برا حال ہے......اور گریگ ہالیڈے مر چکا ہے......ایک لمحے کو وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ ''منطقی طور پر اب وہ دونوں ڈینور کا رخ کریں گی۔ بلکہ میرے خیال میں ان کیلئے اب وہی آخری امکان رہ گیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اب مجھے ذاتی طور پر ان سے نمٹنا ہوگا۔ سچ پوچھو تو میری نظروں میں ان کا مقام بلند ہو گیا ہے۔ وہ قابل احترام ہیں۔ سو اب مجھے خود ان کا معاملہ نمٹنا ہوگا۔'' وہ دوسری طرف سے کہی جانے والی بات سنتا رہا۔ پھر ہنسنے لگا۔ ''ہاں ضرور......اچھا گڈ بائی......''

..............☆☆☆..............

اینڈریو اپنے آفس میں بیٹھا تھا۔ اس کے تصور میں دھندلی دھندلی سی متحرک تصویریں تھیں......اور اس کا ذہن خلاؤں میں تیر رہا تھا۔ اس نے خود کو اسپتال میں بیڈ پر پڑا دیکھا۔ ٹینر اس سے کہہ رہا تھا۔ تم نے مجھے حیران کر دیا اینڈریو۔ تمہیں تو مر جانا چاہئے تھا۔ اور اب ڈاکٹر کہتے ہیں کہ تمہیں چند دنوں میں چھٹی مل جائے گی۔ خیر......میں تمہیں کے آئی جی میں آفس دوں گا۔ تاکہ تم دیکھ سکو کہ تمہارے ادارے کو میں کس طرح چلا رہا ہوں۔ تمہیں بہت سمجھایا تھا۔ لیکن تمہاری سمجھ میں تو بات آتی ہی نہیں تھی اب فرد دیکھ لینا۔ میں نے تمہارے کٹھارا ریسرچ گروپ کو کیسے سونے کی کان میں تبدیل کر دیا ہے۔ اب تم بیٹھ کر دیکھنا اور سیکھنا۔ میں نے سب سے پہلے تو تمہارے خلائی منصوبوں کو ترک کیا ہے۔ اینڈریو......اینڈریو......

آواز کا حجم بڑھتا جا رہا تھا۔ ''اینڈریو......کیا تم بہرے ہو گئے ہو؟''

ٹینر اسے پکار رہا تھا۔ اینڈریو اٹھا اور اپنے بھائی کے دفتر کی طرف چل دیا۔

(جاری ہے)

ٹیئر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور زہریلے لہجے میں کہا۔ ''کہیں میں تمہارے کام میں مداخلت کا مرتکب تو نہیں ہو رہا ہوں۔''

''نہیں...... میں تو بس......''

ٹیئر چند لمحے اسے بہت غور سے دیکھتا رہا۔ ''تم سچ مچ کسی کام کے نہیں رہے۔ ہے نا اینڈریو۔ اب نہ تم کچھ بوتے ہو اور نہ ہی کچھ کاٹتے ہو۔ بس تمہارا یہی ایک فائدہ ہے کہ تم سے میں بات تو کر سکتا ہوں۔ مگر اب میں زیادہ عرصے تمہیں برداشت نہیں کر سکوں گا۔ ڈفر لوگ مجھ سے برداشت نہیں کرتے۔ میں تمہیں کہیں بھجوا دوں گا......''

............☆☆☆............

ڈینور۔ کولاراڈو

کیلی ڈیانا سے پہلے ڈینور پہنچی۔ اس نے فوراً ہی براؤن پیلس ہوٹل کا رخ کیا۔ اس نے ہوٹل کے کلرک سے کہا۔ ''میری ایک دوست بھی آنے والی ہے۔''

''تو آپ کو دو کمرے چاہئیں؟''

''نہیں۔ ایک ڈبل روم دے دیں۔''

............☆☆☆............

ڈیانا نے ایئر پورٹ سے ہوٹل کے لئے ٹیکسی لی۔ ہوٹل میں اس نے کلرک کو اپنا نام بتایا۔

''جی مسز اسٹیونز، مسز بچر آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔ روم نمبر 638''

ڈیانا نے یہ سن کر سکون کی سانس لی۔

کیلی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ گرم جوشی سے اس سے لپٹ گئی۔ ''میں نے تمہیں کتنا مس کیا ہے؟'' ڈیانا نے کہا۔

''میں نے بھی۔ سفر کیسا رہا؟''

''خدا کا شکر ہے، کوئی خطرناک واقعہ پیش نہیں آیا۔'' ڈیانا نے اسے غور سے دیکھا۔ ''تمہارے ساتھ پیرس میں کیا ہوا؟''

کیلی نے گہری سانس لی۔ ''ٹیئر کنگسلے......'' پھر اس نے ڈیانا کو تفصیل سنائی۔ ''اور تمہارے ساتھ برلن میں کیا معاملہ رہا؟''

''ٹیئر کنگسلے......'' ڈیانا نے بھی بے تاثر لہجے میں کہا اور اپنی تفصیل سنا دی۔

کیلی نے میز پر رکھی ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھائی اور ڈیانا کے پاس لے آئی۔ ''گیری رینالڈ کی بہن لوئیسا کا نمبر اب بھی ڈائریکٹری میں موجود ہے۔ وہ ماریان اسٹریٹ پر رہتی ہے۔''

''گڈ۔ اب آج تو دیر ہو گئی ہے۔ کل صبح اسے دیکھیں گے۔''

............☆☆☆............

رات کا کھانا انہوں نے کمرے میں کھایا۔ پھر دیر تک باتیں کرتی رہیں۔ بالآخر ڈیانا نے کہا۔ ''اب نیند آ رہی ہے۔ شب بخیر'' یہ کہہ کر اس نے سوئچ دبایا اور کمرے میں اندھیرا ہو گیا۔

''نہیں......'' کیلی اچانک چلائی۔ ''روشنی گل مت کرو۔''

ڈیانا نے جلدی سے دوبارہ روشنی کر دی۔ ''سوری کیلی، میں بھول گئی تھی۔''

کیلی اپنے خوف پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ چند لمحے تو وہ بول ہی نہیں سکے۔ پھر وہ بولی۔ ''کاش...... میں اس خوف پر قابو پا لوں۔''

''فکر مت کرو تحفظ کا احساس ملے گا تو ڈر خود بہ خود ختم ہو جائے گا۔''

............☆☆☆............

اگلی صبح وہ دونوں ہوٹل سے نکلیں تو دروازے کے باہر ٹیکسیوں کی پوری قطار موجود تھی۔ وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھیں۔ انہوں نے ڈرائیور کو ماریان اسٹریٹ پر لوئیسا کے گھر کا پتا دیا۔

پندرہ منٹ بعد ڈرائیور نے ٹیکسی روک دی۔ ''لیجئے...... ہم پہنچ گئے۔''

کیلی اور ڈیانا نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ ان کے سامنے ایک ایسا مکان تھا، جو جل کر سیاہ ہو چکا تھا۔ اس مکان میں کچھ بھی تو نہیں بچا تھا۔ وہ تو بس ایک جھلسا ہوا کھنڈر تھا۔

ڈیانا کی تو سانس بھی رکی جا رہی تھی۔

''کم بختوں نے اسے بھی قتل کر دیا ہو گا۔'' کیلی نے کہا۔ پھر اس نے ڈیانا کو مایوسی سے دیکھا۔ ''اب تو ہمارے پاس ڈور کا کوئی سرا نہیں رہا۔''

ڈیانا سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس نے کہا۔ ''نہیں...... ایک آخری امکان اور ہے۔''

............☆☆☆............

ڈینور ایئر پورٹ کے چڑچڑے اور بدمزاج منیجر نے بدمزگی سے کیلی اور ڈیانا کو گھورا۔ ''میں آپ سے سیدھی بات کروں گا۔ اگر آپ دونوں بغیر کسی اتھارٹی کے اس حادثے کی تفتیش کر رہی ہیں اور چاہتی ہیں کہ میں اس ایئر ٹریفک کنٹرولر سے آپ کو پوچھ گچھ کرنے دوں، جو اس حادثے کے وقت ڈیوٹی پر تھا تو میں......''

ڈیانا اور کیلی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ''دیکھئے...... ہم یہ امید کر رہی تھیں......''

(جاری ہے)

''کیا امید کر رہی تھیں آپ؟''

''یہی کہ آپ ہمارے ساتھ تعاون کریں گے۔''

''میں آپ سے تعاون کیوں کروں؟''

''مسٹر فاؤلر، ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کیا وہ واقعی حادثہ تھا۔''

رے فاؤلر نے ان دونوں کو بہت غور سے دیکھا۔ ''بہت دل چسپ۔'' اس نے کہا۔ اس کے انداز سے بھی اب دل چسپی ظاہر ہو رہی تھی۔ ''اس پر تو میں بھی سوچتا رہا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''کیوں نہ آپ اس سلسلے میں ہاورڈ ملر سے بات کریں۔ وہ اس وقت ایئر کنٹرولر کی حیثیت سے ڈیوٹی پر تھا۔ میں اسے فون کر کے آپ کی آمد کے متعلق بتا دیتا ہوں۔''

''شکریہ...... آپ کی بڑی مہربانی۔'' ڈیانا نے کہا۔

''یہ میں صرف اس لئے کر رہا ہوں کہ مجھے ایف اے اے کی رپورٹ بوگس لگتی ہے۔ ہم نے جہاز کے ملبے کو اچھی طرح کھنگالا۔ مگر بلیک باکس موجود نہیں تھا۔ ہے نا دل چسپ بات۔ بلیک باکس ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی غائب ہو چکا تھا۔''

............☆☆☆............

ہاورڈ ملر کا مکان ایئر پورٹ سے چھ میل دور تھا۔ وہ چھوٹے قد کا تندرست و توانا آدمی تھا۔ عمر چالیس سے کچھ اوپر ہو گی۔ اس نے دروازہ کھولا اور ان سے کہا۔ ''اندر آ جائیے۔ مجھے رے فاؤلر نے فون کر کے بتایا تھا کہ آپ آ رہی ہیں۔ کہئے میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟''

''ہمیں آپ سے کچھ پوچھ گچھ کرنی ہے مسٹر ملر۔''

''بیٹھ جائیے۔ کافی لیں گی؟''۔

''نہیں...... شکریہ''۔

''آپ گیری رینالڈ کے پلین کریش کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہیں۔''

''جی ہاں۔ کیا وہ حادثہ تھا؟ یا......؟''

ہاورڈ ملر نے کندھے جھٹک دیئے۔ ''سچی بات یہ ہے کہ میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ زندگی میں مجھے کبھی ایسا تجربہ نہیں ہوا۔ سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ گیری رینالڈ نے لینڈ کرنے کی اجازت مانگی۔ ہم نے اسے کلیئرنس دے دی۔ وہ صرف دو میل دور تھا کہ اس نے ریڈیو پر طوفان کی اطلاع دی۔ جبکہ ہمارے موسم کا حال بتانے والے مانیٹر کلیئر تھے۔ میں نے محکمہ موسمیات سے رابطہ کیا۔ مگر اس وقت تو جیسے ہوا تھی ہی نہیں۔ سچ بتاؤں، مجھے لگتا ہے کہ گیری نشے میں تھا۔ بہر حال چند لمحے بعد جہاز پہاڑ سے ٹکرا گیا۔''

''کہتے ہیں کہ ملبے میں سے بلیک باکس برآمد نہیں ہوا۔'' کیلی نے پوچھا۔

''ہاں، یہ سچ ہے اور ہمیں سب کچھ مل گیا۔ لیکن بلیک باکس کا پتا نہیں چلا۔ ایف اے اے والے سمجھتے ہیں کہ ہم نے بلیک باکس غائب کر دیا۔ ویسے مجھے اس معاملے میں کوئی بڑی گڑبڑ محسوس ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

ڈیانا اور کیلی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ مایوس نظر آ رہی تھیں۔ ''شکریہ مسٹر ملر، ہم نے آپ کا بہت وقت لیا۔''

''ارے نہیں...... ایسی کیا بات ہے۔''

وہ دونوں ملر کے پیچھے دروازے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ اچانک ملر نے کہا۔ ''مجھے امید ہے کہ گیری کی بہن ٹھیک ٹھاک ہو گی۔''

کیلی ٹھٹک گئی۔ ''کیا...... کیا کہا آپ نے؟''

''تمہیں معلوم ہو گا کہ وہ بے چاری ہاسپٹل میں ہے۔ آدھی رات کو اس کے گھر میں آگ لگ گئی تھی۔ ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بچے گی یا نہیں۔''

ڈیانا بھی بت بن کر رہ گئی تھی۔ ''ہوا کیا؟''

''فائر ڈیپارٹمنٹ والوں کا خیال ہے کہ شارٹ سرکٹ کی وجہ سے آگ لگی۔ لوئیسا بہر حال گھسٹتی ہوئی کسی طرح گھر سے نکل کر لان میں آ گئی تھی۔ لیکن وہ بری طرح جھلس چکی تھی۔''

ڈیانا نے اپنی آواز پر قابو رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔ ''وہ کس ہاسپٹل میں ہے؟''

''یونیورسٹی آف کولاراڈو کے برن سینٹر میں۔''

..................x..................

''سوری۔ مس رینالڈز سے ملنے کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔'' نرس نے کہا۔

''یہ تو بتا دو کہ وہ کس کمرے میں ہے؟''

''مجھے افسوس ہے، میں یہ بھی نہیں بتا سکتی۔''

''یہ بہت ضروری معاملہ ہے۔ ہمیں اس سے ملنا ہے......''

''تحریری اجازت کے بغیر کوئی ان سے نہیں مل سکتا۔'' نرس کے لہجے میں قطعیت تھی۔

(جاری ہے)

ڈیانا اور کیلی نے ایک دوسرے کو دیکھا" چلیں، ٹھیک ہے۔ شکریہ۔"

وہ دونوں واپس چل دیں۔ "اب کیا کرنا ہے؟" کیلی نے کہا۔ "یہ ہمارے لئے آخری امکان ہے۔"

"میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے۔"

...................x...................

ایک باوردی قاصد ایک بڑا پارسل لئے استقبالیہ ڈیسک پر آیا۔ "یہ پیکٹ لوئیسا رینالڈ کے نام ہے۔"

"لاؤ...... میں دستخط کرکے ریسیو کروں گی۔"

قاصد نے نفی میں سر ہلایا۔ "سوری۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں یہ پارسل خاتون کے ہاتھ میں دوں۔ یہ بہت قیمتی ہے۔"

نرس چند لمحے ہچکچائی۔ "تو پھر میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

نرس اسے ہال کی طرف لے گئی، کمرا نمبر 391 کے دروازے پر پہنچ کر نرس دروازہ کھولنے لگی۔ لیکن قاصد نے پارسل اس کی طرف بڑھا دیا۔ "لو...... یہ تم ہی اسے دے دو۔"

...................x...................

قاصد نچلی منزل پر پہنچا۔ وہاں کیلی اور ڈیانا بنچ پر اس کی منتظر تھیں۔ "کمرا نمبر 391" قاصد نے انہیں بتایا۔

"شکریہ۔" ڈیانا نے شکر گزاری سے کہا اور قاصد کی طرف کچھ نوٹ بڑھائے۔

وہ دونوں تیسری منزل پر گئیں۔ وہاں وہ انتظار کرتی رہیں۔ جب نرس ٹیلی فون پر مصروف ہوگئی تو وہ چپکے سے راہ داری میں داخل ہوگئیں۔ چند لمحے بعد وہ کمرا نمبر 391 میں تھیں۔

لوئیسا رینالڈ بستر پر دراز تھی۔ اس کے جسم سے بے شمار تار اور ٹیوب منسلک تھیں۔ جسم پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔

ڈیانا نے آہستہ سے کہا۔ "مس رینالڈ، میں ڈیانا اسٹیونز ہوں اور یہ کیلی ہیرس ہے۔ ہم دونوں کے خاوند کے آئی جی میں کام کرتے تھے......"

لوئیسا نے آنکھیں کھولیں اور نظر جما کر دیکھنے کی کوشش کی۔ پھر وہ بہ مشکل سرگوشی میں بول پائی۔ "کیا......؟"

کیلی نے کہا۔ "ہم دونوں کے شوہر کے آئی جی میں کام کرتے تھے اور دونوں مر چکے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ تمہارا بھائی بھی مر چکا ہے۔ تم اس سلسلے میں کچھ جانتی ہو؟"

لوئیسا نے نفی میں سر ہلانے کی کوشش کی۔ "میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ گیری مر چکا ہے۔" اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

ڈیانا آگے کی طرف جھکی۔ "حادثے سے قبل تمہارے بھائی نے تمہیں کچھ بتایا تھا؟"

"گیری بہت شاندار آدمی تھا۔ اس کا جہاز کریش ہوگیا تھا۔"

"اس نے تمہیں کوئی اہم بات بتائی تھی مرنے سے پہلے؟"

لوئیسا نے آنکھیں بند کر لیں۔

"مس رینالڈ...... پلیز۔ دیکھو، یہ بہت اہم بات ہے۔ تمہارے بھائی نے مرنے سے پہلے تم سے کچھ کہا تھا......؟" ڈیانا اصرار کئے جا رہی تھی۔

لوئیسا نے آنکھیں کھولیں۔ اس کی نگاہوں میں الجھن تھی۔ "تم کون ہو؟"

"ہمارا خیال ہے کہ تمہارے بھائی کو قتل کیا گیا تھا۔"

"یہ تو مجھے معلوم ہے......" لوئیسا بڑبڑائی۔

ڈیانا اور کیلی کے جسم میں سرلہری سی دوڑ گئی۔

"کیوں؟" کیلی نے کہا۔

"پرائما کی وجہ سے......" لوئیسا کی آواز محض سرگوشی تھی۔

"پرائما؟" کیلی اور اس کی طرف جھک گئی۔

"گیری نے اپنے مرنے سے چند روز قبل...... مجھے بتایا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ اس مشین کی مدد سے موسم کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ بے چارہ گیری...... وہ چاہتا تھا...... لیکن واشنگٹن نہیں پہنچ پایا......"

"ہاں، وہ سب واشنگٹن جا کر کسی سینیٹر کو پرائما کے بارے میں مطلع کرنا چاہتے تھے۔ گیری کہتا تھا کہ پرائما بری چیز......"

"تمہیں اس سینیٹر کا نام معلوم ہے؟" کیلی نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"یاد کرنے کی کوشش کرو۔"

لوئیسا رینالڈ ذہن پر زور دے رہی تھی۔

"پلیز...... نام یاد کرو......"

"لیون...... نہیں...... لوون...... ہاں، وان لوون۔ وہ عورت ہے۔ وہ واشنگٹن جا کر اس سے ملنے والے تھے......" (جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

اسی وقت دروازے کھلا اور سفید جیکٹ پہنے، گلے میں اسٹیتھسکوپ ڈالے کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ڈیانا اور کیلی کو غصے سے گھورا۔ ''تمہیں کسی نے نہیں بتایا کہ یہاں وزیٹرز کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔''

کیلی نے کہا۔ ''معاف کیجئے۔ دراصل ہم......''

''پلیز......آپ نکل جائیں یہاں سے۔''

ان دونوں نے لوئیسا کو دیکھا، زیرِ لب خدا حافظ کہا اور کمرے سے نکل آئیں۔

وہ شخص ان دونوں کو جاتے دیکھتا رہا۔ ان کے قدموں کی آہٹ دور ہوئی تو اس کے چہرے پر درشتی چھا گئی۔ پھر اس نے تکیہ اٹھایا اور لوئیسا رینالڈ کی طرف جارحانہ انداز میں بڑھنے لگا۔

..................x..................

کورن وال کی طویل ڈرائیو کے دوران فرینک ہمپز کی کیفیت ہیجانی تھی۔ وہ سب سے پہلے وہاں پہنچنا چاہتا تھا۔ وہ سب سے پہلے وہاں پہنچے، سب سے پہلے اسے دیکھے، اس سے ملے، بات کرے اور اس کے قریب رہے۔ ممکن ہے، اسے سراہا جائے۔ کیونکہ اس کے دم قدم سے تو وہ سب وہاں جمع ہو رہے ہیں۔ وہ اس مشین کا ایک بہت اہم پرزہ تھا۔ اگر ڈیمین تھورن براہ راست اسے سراہتا تو یہ اس کے لئے بڑے اعزاز کی بات ہوتی۔

پچھلے تین گھنٹے اس نے اندھیرے میں سفر کیا تھا اور جب وہ وہاں پہنچا تو اسے یہ دیکھ کر سکون ہوا کہ وہاں کوئی کار نہیں ہے۔ وہ سب سے پہلے پہنچا تھا۔ اس نے اپنی کار لاک کی اور کھوہ کی طرف جانے والے راستے پر چل دیا۔ وہ کوئی آدھے میل کا سفر تھا۔ وہ وہاں پہنچا تو موجوں کے ساحل سے ٹکرانے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

وہ وہاں پہنچا۔ سمندر چٹان چھجے سے سر ٹکرا رہا تھا۔ وہ تاریک رات تھی۔ آسمان پر کوئی ستارہ بھی نہیں تھا۔ دو جگہ تو وہ پھسلتے پھسلتے بچا۔ وہ گھاٹی میں اترا، جو تین طرف سے بلند و بالا چٹانوں میں گھری ہوئی تھی۔ وہ ہر اعتبار سے ایک اچھا شیطانی مقام تھا۔ اس کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ کنپٹیاں تک دھڑکتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو چند ہیولے آتے دکھائی دیئے۔ وہ پہلے آنے والوں میں سے تھے۔ ان کی ٹارچوں کی روشنیاں جگنوؤں جیسی لگ رہی تھیں۔

پہلے وہ تین چار تھے۔ پھر ان کے پیچھے ایک اور گروپ اور پھر دوسرا گروپ نمودار ہوا۔ فرینک کو اپنے اوپر فخر محسوس ہونے لگا۔ اب وہ ان کی درجہ بندی کر کے انہیں کھڑا کر رہا تھا۔ ان سے اپنا تعارف کرا رہا تھا۔

اور اب وقت ہو چکا تھا۔ وہ ساحل پر ایک جوان نرس کے ساتھ کھڑا اگر دو پیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ سب سمندر کی جانب دیکھ رہے تھے، جہاں سینکڑوں متحرک سفید نقطے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ بگلے تھے۔

''وہ رہا۔'' نرس لیمونٹ نے افق کی سمت اشارہ کیا۔ ہیلی کاپٹر کی پہلے آواز سنائی دی تھی۔ پھر اس کی روشنی نظر آئی۔

فرینک ہمپز کا جسم تن سا گیا۔ ہیلی کاپٹر اسی سمت آ رہا تھا۔ پھر وہ ساحل سے کوئی پچاس گز دور لینڈ کر گیا۔ فرینک آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ لیکن حکم کی تعمیل بھی ضروری تھی اور حکم تھا کہ وہ اپنی جگہ کھڑا رہے۔

ہیلی کاپٹر کا دروازہ کھلا اور وہ نمودار ہوا۔ فرینک ہمپز کی سانسیں رکنے لگیں۔ اسے احساس ہوا کہ نرس لیمونٹ اس کے اور قریب ہو گئی ہے۔ نرس کا ہاتھ اب اس کے ہاتھ کو چھو رہا تھا۔ مگر انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا نہیں۔

ڈیمین نیچے اتر آیا تھا اور ساکت و صامت کھڑا تھا۔ ہیلی کاپٹر اب پھر فضا میں بلند ہو رہا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ چھوٹا سا نقطہ بن گیا اور چند لمحوں بعد نظروں سے پوری طرح اوجھل ہو گیا۔

ہر طرف خاموشی تھی۔ ڈیمین چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کئے۔ ''شیطان کے چیلو، میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''ہم ایک ہی طاقت کو مانتے ہیں......اور وہ ہے شیطنت اور اس طاقت کا منبع ہے شیطان، جسے جنت سے نکال دیا گیا تھا اور میں ہوں اس کا بیٹا۔''

سامعین ساکت و صامت تھے۔ انہوں نے سانسیں روکی ہوئی تھیں۔

ڈیمین چند لمحے خاموش رہا پھر اس نے پکارا۔ ''تم نے میری بات سنی؟''

تمام مردوں، عورتوں اور بچوں نے ایک آواز میں کہا۔ ''ہم سنتے ہیں اور مانتے ہیں۔''

اچانک ایک چٹانی چھجے پر نصب ایک بہت بڑی لائٹ روشن ہو گئی۔ ہر چہرہ صاف نظر آنے لگا۔ فرینک ہمپز نے نرس کے چہرے کو دیکھا۔

(جاری ہے)

فرینک ہچز کے ہاتھ پر نرس کی گرفت اور سخت ہوگئی۔ اب ان کے جسم بھی جڑ گئے تھے۔

''ناکام ہوگئے تو تمہیں نزارین کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہونا پڑے گا''۔ ڈیمین نے چیخ کر کہا۔

سب خاموش تھے۔

''تم نے میری بات سنی؟''۔ ڈیمین نے چلا کر پوچھا۔

''ہم نے سنا اور ہم نے مان لیا''۔

''شیطان کے چیلو، اب کوئی تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔ نزارین کو قتل کرو۔ تب فتح ہماری ہوگی۔ سنا تم نے؟''۔

''ہم نے سنا اور ہم نے مان لیا''۔

ڈیمین ساکت کھڑا تھا۔ اب مجمع ایک آواز میں اس کی بات دہرا رہا تھا۔ ''نزارین کو ختم کردو...... نومولود مسیح کو قتل کردو......''۔

چیختے ہوئے فرینک ہچز نے نرس لیمونٹ کو گرم جوشی سے لپٹا لیا۔ وہ بھی ہوس انگیز انداز میں اس سے لپٹ گئی۔ دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے کے لباس سے الجھے ہوئے تھے۔ یہ حال صرف ان دونوں کا نہیں تھا۔ وہاں بے شمار مرد اور عورتیں اور مرد اور بچے یہی سب کچھ کررہے تھے۔ شیطنت ننگی ہوکر ناچ رہی تھی۔

اور ہوس کے گرداب میں پھنسے ہوئے ہر ذی روح کے ہونٹوں پر یہی آواز تھی...... ڈیمین...... آئی لو یو......

............x............

کیلی اور ڈیانا ہاسپٹل کی لابی میں تھیں۔ ''تو رچرڈ اور مارک اس لئے واشنگٹن جارہے تھے......''۔ ڈیانا نے کہا۔ ''سینیٹر وان لوون سے ملنے''۔

''اب ہم اس سے کیسے ملیں؟''۔

''سادہ سی بات ہے''۔ ڈیانا نے کہا اور اپنا موبائل فون سنبھالا۔

''ایک منٹ''۔ کیلی نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔ ''پبلک فون سے بات کرو''۔

انہوں نے انفارمیشن سے سینیٹ آفس بلڈنگ کا نمبر لیا اور فون ملایا۔

''سینیٹر وان لوون کا آفس''۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

''مجھے سینیٹر سے بات کرنی ہے''۔

''آپ کون؟''۔

''یہ ایک ذاتی نوعیت کا معاملہ ہے''۔ ڈیانا نے کہا۔

''اپنا نام بتایئے......''۔

''نام میں نہیں بتا سکتی۔ بس ان سے کہیں کہ یہ بہت اہم معاملہ ہے''۔

''سوری...... تب میں آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتی''۔ دوسری طرف سے کہا گیا اور رابطہ منقطع ہوگیا۔

ڈیانا کیلی کی طرف مڑی۔ ''اب کیا کریں؟''۔

''ہم اپنا اصل نام تو نہیں دے سکتے''۔ کیلی بولی۔

ڈیانا نے دوبارہ نمبر ملایا......

''سینیٹر وان لوون کا آفس''۔

''پلیز میری بات سنیں۔ یہ بہت اہم معاملہ ہے۔ مجھے سینیٹر سے بات کرنی ہے۔ لیکن میں اپنا نام نہیں بتا سکتی''۔

''تو پھر میں آپ کی سینیٹر سے بات بھی نہیں کراسکتی''۔ اور رابطہ پھر منقطع ہوگیا۔

ڈیانا نے ایک بار پھر نمبر ملایا۔ ''پلیز...... آپ فون مت رکھئے گا''۔ رابطہ ملنے پر اس نے کہا۔ ''میں جانتی ہوں کہ آپ اپنی ذمے داری نبھا رہی ہیں۔ لیکن یہ زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ میں ایک پبلک فون سے بات کررہی ہوں۔ اب میں آپ کو اس کا نمبر دے رہی ہوں۔ پلیز سینیٹر وان لوون سے کہیں کہ اس نمبر پر مجھ سے بات کرلیں''۔ اس کے بعد اس نے سیکریٹری کو فون نمبر لکھوا دیا۔

رابطہ پھر منقطع ہوگیا۔ ''اب ہم کیا کریں گے؟''۔ کیلی نے پوچھا۔

''انتظار''۔

اور انہیں دو گھنٹے انتظار کرنا پڑا۔ آخر میں ڈیانا بھی مایوس ہوگئی۔ ''مجھے لگتا ہے کہ بات بنی نہیں۔ اب ہمیں......''۔

اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی۔ ڈیانا نے گہری سانس لی اور لپک کر ریسیور اٹھایا۔ ''ہیلو؟''۔

دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ ''میں سینیٹر وان لوون بول رہا ہوں۔ تم کون ہو؟''۔

ڈیانا نے کیلی کو قریب کرلیا تا کہ وہ بھی گفتگو سن سکے۔ ''سینیٹر...... میرا نام ڈیانا اسٹیونز ہے''۔ ڈیانا نے کہا۔ ''یہاں میرے ساتھ کیلی ہیرس بھی موجود ہے۔ آپ جانتی ہیں کہ ہم کون ہیں؟''۔

''نہیں...... اور نہ ہی میرے نزدیک اس کی......''۔

''ہمارے شوہروں کو اسی وقت قتل کیا گیا، جب وہ آپ سے ملنے کے لئے آرہے تھے''۔

''او مائی گاڈ...... رچرڈ اسٹیونز اور مارک ہیرس''۔ سینیٹر کے لہجے میں اب سنسنی تھی۔

''جی ہاں''۔

''تمہارے شوہر نے مجھ سے ملاقات کا وقت لیا تھا۔ مگر بعد میں دونوں نے میری سیکریٹری کو کال کیا کہ ان کا ارادہ بدل گیا ہے۔ تو...... تو وہ دونوں مرچکے ہیں؟''۔

''وہ کال انہوں نے نہیں کی ہوگی سینیٹر''۔ ڈیانا نے کہا۔ ''انہیں اس لئے قتل کیا گیا تا کہ وہ آپ سے نہ مل سکیں......''۔

''کیا...... کیوں......؟'' سینیٹر کے لہجے میں شاک تھا۔

''جی۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ اور اب میں اور کیلی واشنگٹن آنا چاہتی ہیں۔ تا کہ آپ کو وہ بات بتا سکیں جو ہمارے شوہر بتانا چاہتے تھے''۔

دوسری طرف ایک لمحاتی ہچکچاہٹ محسوس ہوئی۔ ''میں تم سے ضرور ملوں گی۔ لیکن اپنے آفس میں نہیں۔ جو کچھ تم نے کہا، اگر وہ سچ ہے تو پھر یہ معاملہ بہت خطرناک ہے۔ لانگ آئی لینڈ، ساؤتھمپٹن میں میرا مکان ہے، میں وہاں تم سے ملوں گی۔ اس وقت تم لوگ کہاں ہو؟''۔

''ڈینور میں''۔

''ایک منٹ...... ہولڈ کرو''۔

تین منٹ بعد سینیٹر دوبارہ لائن پر آئی۔ ''وہاں سے نیویارک کی اگلی فلائٹ نان اسٹاپ ہے...... یونائیٹڈ ایئر لائن کی۔ یہ بارہ پچیس پر روانہ ہوگی اور صبح چھ بج کر دس منٹ پر لاگارڈیا ایئرپورٹ، نیویارک پہنچے گی۔ اگر اس میں سیٹ نہ ملے تو......''۔ (جاری ہے)

''ہم اسی فلائٹ سے آئیں گے''۔ ڈیانا نے اس کی بات کاٹ دی

کیلی نے حیرت سے ڈیانا کو دیکھا۔ ''ڈیانا، یہ تو سوچو کہ اگر سیٹ نہ ملی......''۔

''نہیں...... ایسا نہیں ہوگا''۔ ڈیانا نے پورے یقین سے کہا۔

''بہر حال، یہاں ایئر پورٹ پر ایک گرے لنکن ٹاؤن کار تمہاری منتظر ہوگی۔ سیدھی اس کار کی طرف جانا۔ اس کا ڈرائیور ایشیائی ہوگا۔ اس کا نام کوئیو ہے۔ وہ تمہیں میرے گھر لے آئے گا۔ میں وہاں تمہاری منتظر ہوں گی''۔

''شکریہ سینیٹر''۔

ڈیانا نے ریسیور رکھ دیا اور گہری سانس لیتے ہوئے کیلی کی طرف مڑی۔ ''لو...... سب کچھ طے ہو گیا''۔

''تمہیں اتنا یقین کیوں ہے کہ ہمیں مطلوبہ فلائٹ پر سیٹیں مل جائیں گی''۔

''میرا ایک منصوبہ ہے''۔

..................xxxx................

ہوٹل کے منتظم نے کرائے کی کار کا بندوبست کر دیا۔ 45 منٹ بعد وہ دونوں ایئر پورٹ کیلئے روانہ ہو گئیں۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں خوف زدہ زیادہ ہوں یا کہ سنسنی کا احساس زیادہ ہے''۔

''اب خوف زدہ ہونے کی کوئی بات نہیں کیلی''۔

''ایسا لگتا ہے ڈیانا کہ جس نے بھی سینیٹر وان لوئن سے ملنے کی کوشش کی، وہ اس سے پہلے ہی مار دیا گیا''۔

''گویا ہم پہلے ہوں گے جو اس سے ملیں گے''۔

''کاش ایسا ہی ہو''۔ کیلی نے کہا۔ ''کاش ہمارے پاس......''

''...... کوئی ہتھیار ہوتا۔ یہی نا؟ مگر میں پھر کہوں گی، ہماری ذہانت ہمارا ہتھیار ہے''۔

''پھر بھی، ہتھیار کی بات ہی اور ہوتی ہے''۔ کیلی نے کھڑکی سے باہر دیکھا اور اچانک بولی ''گاڑی روکو''

ڈیانا نے گاڑی روک دی۔ ''کیا بات ہے؟''

''مجھے کچھ کرنا ہے''۔

گاڑی ایک ہیئر ڈریسر کی دکان کے باہر رکی تھی۔ کیلی دروازہ کھول کر اتری۔

''کہاں جا رہی ہو تم؟'' ڈیانا نے پوچھا۔

''بال سیٹ کرانے''۔

''مذاق کر رہی ہو؟''

''نہیں، یہ مذاق نہیں''۔

''ہم ایئر پورٹ جا رہے ہیں اور تم بال سیٹ کرانے کیلئے اتر رہی ہو۔ دیکھو، وقت کم......''

''ڈیانا، ہمیں نہیں معلوم کہ کیا ہونے والا ہے۔ اگر مجھے مرنا ہی ہے تو میں چاہتی ہوں کہ مرنے کے بعد اچھی لگوں''۔

ڈیانا کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ کیلی ہیئر ڈریسر کی دکان میں چلی گئی۔

بیس منٹ بعد کیلی باہر آئی تو اس کے سر پر بالوں کی وگ تھی۔ ''چلو، اب میں تیار ہوں''۔ اس نے ڈیانا سے کہا۔

..................xxxx................

باربرا ڈین کو لندن سے پہلی نظر میں محبت ہوئی تھی۔ ہمپسٹیڈ کا مکان، اس کے چھوٹے کمرے اور اونچی دیواروں والے باغیچے اسے بہت اچھے لگتے تھے۔ وہ بیتابی سے موسم گرما کا انتظار کر رہی تھی، جب پھول لہلہائیں گے تب وہ دوستوں کو باربی کیو پر مدعو کرے گی۔ یہاں سڑکیں خوبصورت تھیں۔ راستے بارونق تھے، نوادرات کی دکانیں اور پب اسے بہت اچھے لگتے تھے۔ لوگ بھی بہت اچھے تھے۔ نئے دوست جو اس نے بنائے تھے، وہ بہت خوش مزاج تھے۔ اتنے خوش مزاج کہ کبھی تو اسے لگتا تھا کہ وہ اس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ ایسا نہیں ہے۔

اور اب ماں بننے کے بعد تو ہمپسٹیڈ اسے اور اچھا لگنے لگا تھا۔ اس ماحول میں بچے کی بہت اچھی پرورش کی جا سکتی تھی۔

اس وقت وہ شاپنگ لسٹ تیار کرتے ہوئے گنگنا رہی تھی۔ مکمل کرنے کے بعد اس نے لسٹ کو چیک کیا، پرس میں رقم اور کریڈٹ کارڈ رکھے، پھر وہ پنگھوڑے کی جانب گئی، اس نے بچے کو اٹھا کر پیار کیا اور گود میں اٹھا کر اسے پرام میں لٹا دیا۔ بچہ قلقاریاں مار رہا تھا۔

اس لمحے اسے کھڑکی پر دستک سنائی دی۔ اس نے سر گھما کر دیکھا۔ کھڑکی میں اس کی ایک ہم عمر انگریز عورت کھڑی تھی۔ ''ہائی کیرول''۔ باربرا نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میں بس ابھی آئی''۔

(جاری ہے)

اس نے بچے کو کمبل میں اچھی طرح لپیٹا اور پرام کو دھکیلتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی۔ وہاں رک کر سیڑھیوں کی طرف رخ کرتے ہوئے اس نے آواز لگائی۔ ''ہاروے''

''ہاں۔کیا بات ہے؟'' اوپر سے ہاروے ڈین نے جواب دیا۔

''میں کیرول کے ساتھ شاپنگ کیلئے جا رہی ہوں۔''

''او کے۔''

''بچے کو ساتھ لے جا رہی ہوں میں۔''

''او کے''

باربرا نے گنگناتے ہوئے پرام کو دھکیلا اور سامنے والے لان میں لے آئی۔ کیرول کا پرام گیٹ کے پاس تھا۔ دونوں عورتوں نے پرام میں لیٹے اپنے اپنے بچے کو محبت سے دیکھا اور انہیں چمکارا، ''جڑواں لگتے ہیں نا؟'' کیرول نے خوش ہو کر کہا

''ایک طرح سے جڑواں ہی ہیں۔'' باربرا نے کہا۔

''ایک طرح سے۔'' کیرول نے دہرایا اور کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

باربرا بھی ہنسنے لگی۔ ''اب چلو''

''پہلے تم''

''نہیں......پہلے تم''

وہ دونوں چھوٹی لڑکیوں کی طرح شوخی سے ہنستی ہوئی، پرام دھکیلتی ہوئی سڑک پر چلنے لگیں۔

ہاروے ڈین نے انہیں جاتے ہوئے دیکھا۔ پھر وہ اپنی ڈیسک کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں کاغذ بکھرے ہوئے تھے، اس نے انہیں سمیٹ کر مرتب کیا۔ وہ برتھ سرٹیفکیٹس کی فوٹو کاپیاں تھیں فرینک بچز نے اپنا کام خوش اسلوبی سے مکمل کیا تھا۔ ریکارڈ آفس کے تمام کلرک اسے جانتے تھے۔ اس لئے انہوں نے بلا تعرض اسے فائلیں بھی دکھا دی تھیں اور فوٹو کاپیاں بھی دے دی تھیں انہوں نے یہی سمجھا ہو گا کہ وکیل کے کسی کیس کیلئے ضروری ہوں گی۔

ہاروے ڈین ان کاغذات کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس نے اپنے بریف کیس میں سے ایک ریڈیو ٹیلی فون نکالا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر ایک لمحے کو آنکھیں بند کیں۔ پھر فون پر ایک نمبر ملایا۔ ''پیٹرسن؟'' اس نے رابطہ ملنے پر کہا۔ ''میں ہاروے ڈین بول رہا ہوں۔''

چند لمحے وہ دوسری طرف کی بات سنتا رہا۔ مگر وہ اس وقت ادھر ادھر کی رسمی باتوں کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''تم او ایس سیکشن آپریٹ کر رہے ہو نا۔ کیو 1423 بتوسط ٹی ایس 2223'' ٹھیک ہے نا؟......او کے......تمہارے لیورپول میں تین ہیں'' اس نے اوپر کی تین فوٹو کاپیاں اٹھائیں اور ان میں سے پتے پڑھ کر سنائے۔

رابطہ منقطع کرنے کے بعد اس نے دوسرا نمبر ملایا۔ اسے ایسے کئی رابطے کرنے تھے!

............x............

دونوں عورتوں نے بہت اطمینان سے شاپنگ کی۔ انہیں کوئی جلدی نہیں تھی۔ بہر حال شاپنگ مکمل ہوئی تو دونوں کے پرام کے قریب سامان کے تھیلوں کا ڈھیر لگ گیا۔ اپنے پرام میں باربرا کا بچہ تو سو چکا تھا۔ مگر کیرول کا بچہ ہاتھ پاؤں چلاتے ہوئے قلقاریاں مار رہا تھا۔

ہمپسٹیڈ ہائی اسٹریٹ کی ایک لین میں وہ ایک پب کے سامنے رکیں، کیرول اندر گئی اور مشروب کے دو بڑے گلاس لے کر آئی۔ دونوں موسم بہار کی دھوپ میں اپنے مشروب کے چھوٹے چھوٹے پر لطف گھونٹ لے رہی تھیں۔ باربرا لطیفے سنا رہی تھی ''ہمیں اپنے بچوں کے سامنے تو شراب نہیں پینی چاہئے۔'' اس نے کہا۔ ''یہ تو ابھی سے ہمیں برا سمجھنے لگیں گے۔''

اس پر کیرول نے قہقہہ لگایا۔

باربرا نے مشروب ختم کیا۔ پھر اسے خیال آیا کہ انگریزوں کی روایت ہے کہ جواب میں مشروب پلاتے ہیں۔ ''اور پیو گی؟''

کیرول نے نفی میں سر ہلایا۔ اسے واپسی کی جلدی تھی۔ ان دونوں نے ایک دوسری کو خدا حافظ کہا اور پرام دھکیلتی ہوئی مخالف سمت میں چل دیں۔

کیرول نے ایک لمحے کو پلٹ کر باربرا کو جاتے دیکھا۔ وہ اسے بہت پیاری لگتی تھی۔ بہت پیاری، بہت معصوم......لیکن کبھی کبھی اس کے انداز میں شدت ہوتی تھی۔ اور وہ گہرائی میں دیکھنے کی قائل نہیں تھی۔ کچھ بھی ہو، باربرا ڈین بہت اچھی دوست تھی......ایسی کہ اس پر انحصار کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اس کا شوہر نیولے جیسا مکار تھا۔ کیرول کو پہلی ملاقات یاد تھی۔ اس پارٹی میں ہاروے ڈین نے اس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ بے چاری باربرا......کم از کم وہ اتنے برے شوہر کی تو مستحق نہیں تھی۔

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

اپنے گھر کی طرف جاتے ہوئے کیرول کو باربرا سے اپنی پہلی ملاقات یاد آئی وہ دونوں ہاسپٹل میں ملی تھیں۔ اور یہ جان کر وہ دونوں خوب ہنسی تھیں کہ ان کے ہاں ایک ہی دن ولادت ہوئی تھی۔ اسی وقت سے وہ اپنے بچوں کو جڑواں کہنے لگی تھیں۔ اور باربرا کا بیٹا اس کے بیٹے سے صرف چالیس منٹ بڑا تھا۔

پرام میں لیٹا بچہ اب دودھ کے بلبلے اڑا رہا تھا۔

''سائمن جیمز فریزر، بدتمیزی مت کرو۔ آداب سیکھو'' اس نے پیار سے بچے کو ڈانٹا۔

اس بار بچے نے تھوک اڑایا۔

وہ پرام دھکیلتی رہی۔ وہ اب بے حد ڈھلوان سڑک پر تھی۔ وہ اچانک رکی۔ اس کے کندھوں سے ٹکراتی ہوئی کوئی چیز اس کے سامنے گری تھی۔ وہ اچھل کر ایک طرف ہٹی اور اس چیز کو دیکھا۔ وہ سرمئی رنگ کی ایک گلہری تھی، جس کا گلا کٹا ہوا تھا اور آنکھیں حلقوں سے باہر آرہی تھیں اور اس کے پچھلے پیروں سے ایک تتلی بندھی تھی۔

قدرتی طور پر اس کا ہاتھ چیخ روکنے کے لئے اس کے منہ کی طرف لپکا۔ وہ چلائی اور گلہری سے پیچھے ہٹی۔ پرام اس کی گرفت سے آزاد ہوا اور ڈھلواں سڑک پر دوڑنے لگا۔ بچہ مسکرا رہا تھا۔

کیرول کا ہاتھ پرام کو پکڑنے کے لئے لپکا۔ لیکن پرام آگے نکل چکا تھا۔ وہ اس کے پیچھے دوڑی۔ مگر اونچی ایڑی کے جوتے رفتار میں مزاحم تھے۔ اس نے جلدی سے جوتے اتارے۔ مگر اس وقت تک پرام کی رفتار بہت تیز ہو چکی تھی اور درمیانی فاصلہ بھی بہت بڑھ گیا تھا۔ وہ روتی ہوئی اس کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ پھر وہ کسی چیز سے اچھل کر منہ کے بل گری۔ دوبارہ اٹھ کر وہ پھر دوڑی۔ لیکن اس کا ذہن اب اس حقیقت کو تسلیم کر چکا تھا کہ وہ پرام تک نہیں پہنچ سکتی۔

سڑک پر اب موڑ آرہا تھا۔ اسی وقت مخالف سمت سے آنے والی ایک لاری نے موڑ کاٹا۔ ڈرائیور نے آخری لمحے میں پرام کو دیکھا۔ لیکن وہ کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ لاری پرام کو روندتی، توڑتی آگے بڑھ گئی۔

کیرول اپنی آنکھیں بند کرنا چاہتی تھی۔ لیکن یہ اس کے بس میں نہیں تھا اور وہ اب بھی بھاگ رہی تھی۔

درختوں کے پیچھے چھپے ہوئے ٹریور گرانٹ نے قہقہہ لگاتے ہوئے تتلی کو کھینچا۔ مری ہوئی گلہری کو اس نے وہیں پھینک دیا۔ وہ اپنی کامیابی پر بہت خوش تھا۔

وہ ولادت کا آسان کیس نہیں تھا۔ ماں کمزور تھی اور بچہ وقت سے کافی پہلے پیدا ہوا تھا۔ بہرحال زچہ کی صحت بہت تیزی سے بحال ہوئی۔ اس نے انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں انکیوبیٹر میں لیٹے اپنے بیٹے کو دیکھا۔ وہ صرف پانچ پونڈ کا تھا۔ لیکن ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ وہ پوری طرح صحت مند ہے۔ اسے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ بس تھوڑا وقت انکیوبیٹر میں گزارنا ہوگا بچے کو۔ وہ گھر جا سکتی ہے...... اور جب چاہے، بچے کو دیکھنے آسکتی ہے۔

اسپتال کے اسپیشل بے بی کیئر یونٹ میں اس وقت بارہ ننھے بچے موجود تھے۔ وہ بچہ اس وقت اپنے آکسیجن ٹینٹ میں سویا ہوا تھا۔ نرسوں اور ڈاکٹروں کو اپنے اس بے بی کیئر یونٹ پر فخر تھا۔ جب سے وہ قائم ہوا تھا، نومولود بچوں کی شرح اموات میں ساٹھ فی صد کمی ہو گئی تھی۔

ماسک اور گاؤن پہنے دو نرسوں نے چائے کے وقفے پر جانے سے پہلے سب بچوں کو چیک کیا۔ پھر وہ وارڈ سے نکل گئیں۔ وہ راہ داری سے نکل گئیں تو نرس لیمونٹ راہ داری میں داخل ہوئی۔ ماسک لگا ہونے کی وجہ سے اسے شناخت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وارڈ کا دروازہ کھول کر وہ اندر چلی گئی۔

آکسیجن کی ہلکی سی پھنکار کے سوا وارڈ میں کوئی آواز نہیں تھی۔ وہ پہلے کاٹ کی طرف بڑھی۔ اس نے چارٹ میں اس بچے کا نام دیکھا۔ پھر وہ دوسرے کاٹ کی طرف بڑھی۔ یوں چیک کرتے کرتے بالآخر وہ مطلوبہ بچے تک پہنچ گئی۔

اس نے بچے کو تجسس بھری نگاہ سے دیکھا۔ پیدائش کے بعد سے اس کے وزن میں تین پونڈ کا اضافہ ہوا تھا۔ اب اس کے چہرے پر نقاہت کی جگہ تازگی تھی۔ نرسیں مطمئن تھیں کہ اس کی سانسیں اب ہموار ہو چکی ہیں۔ نرس لیمونٹ نے بائیں جانب جھکتے ہوئے آکسیجن کا والو بند کر دیا۔ پھر وہ کھڑکی کے پاس کھڑی انتظار کرتی رہی۔

پھر وہ واپس آئی۔ اس نے اچھی طرح اطمینان کیا کہ بچہ مر چکا ہے۔ مطمئن ہونے کے بعد اس نے والو کو دوبارہ کھول دیا اور خاموشی سے وارڈ سے نکل آئی۔ اسے کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا۔

عورت نے بچے کو باہوں میں لے کر دیکھا اور دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ دو بار اس کا حمل ضائع ہوا تھا۔ ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ تیسری بار کوئی گڑبڑ ہوئی تو پھر اس کے ماں بننے کا کوئی امکان نہیں رہے گا۔ لیکن خدا نے اس پر رحم کیا تھا۔

اور بچہ بے حد خوبصورت اور توانا تھا۔ اس کا وزن نو پونڈ تھا۔ اس کی ٹھوڑی اور آنکھیں اپنے باپ جیسی تھیں اور اس کے باپ کا کہنا تھا کہ اس کا بیٹا کرکٹ میں انگلینڈ کی نمائندگی ضرور کرے گا۔ وہ اسے کرکٹ کا عظیم کھلاڑی بنانا چاہتا تھا۔

اس وقت بپتسمہ دیا جا رہا تھا۔ چرچ مناجات کی آواز سے گونج رہا تھا...... دن میں سورج، رات میں چاند۔ خدا شیطان سے محفوظ رکھے تجھ کو۔ ہمیشہ روح تیری......

(جاری ہے)

اس نے مناجات گانے والوں کو، اور پھر اپنے شوہر کو دیکھا اور پھر اپنے والدین کو۔ وہ سب آواز ملا رہے تھے۔ تیرا آنا بھی اور جانا بھی رب کی رضا سے......

اس نے بچے کے چہرے کو محبت بھری نظروں سے دیکھا اور آمین کہا۔ اس کے پیچھے بچے کے گاڈ فادر اور گاڈ مدر کھڑے تھے۔

پھر پادری گراہم روس نے کہا۔ ''میرے بچو، تم اس بچے کو بپتسمہ دلانے کے لئے لائے ہو۔ میرا مطالبہ ہے کہ پہلے اس بچے کے نام پر تم شیطان اور اس کے تمام کاموں پر لعنت بھیجو اور عہد کرو کہ تم کبھی اس کی تقلید نہیں کرو گے۔''

''ہم شیطان پر اور اس کے کاموں پر لعنت کرتے ہیں۔'' گاڈ فادر اور گاڈ مدر نے کہا۔

پادری نے باہیں کھول دیں۔ ماں نے ایک بار پھر بچے کا چہرہ دیکھا اور پھر اسے فادر کی طرف بڑھا دیا۔

فادر گراہم روس نے بچے کو اپنے بائیں ہاتھ سے سنبھالا تو بچے کی ماں نے گھبرا کر اپنے شوہر کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

''میں اس بچے کا نام......''

''الیگزینڈر ڈیوڈ'' ۔ بچے کی ماں نے جلدی سے کہا۔

فادر بچے کو مقدس پانی کے برتن کے قریب لے گیا۔ ''میں اس الیگزینڈر ڈیوڈ کو مقدس باپ کے نام پر بپتسمہ دیتا ہوں...... باپ، بیٹا اور مقدس روح۔ آمین۔'' یہ کہہ کر وہ پلٹا۔ اس نے بچے کے سر کو بائیں ہاتھ میں تھاما اور دائیں ہاتھ کو مقدس پانی کے برتن میں ڈال کر بچے کے چہرے پر پانی کے چھینٹے دیئے۔ بچے نے ایک چیخ ماری اور پلکیں جھپکائیں۔ پھر اس نے اپنی ناک سکیڑی اور رونے لگا۔

ماں اپنے شوہر کو دیکھ کر مسکرائی۔ بشپ کا نمائندہ پلٹا اور اس نے کہا۔ ''ہم اس بچے کو کرائسٹ کے گلے میں قبول کرتے ہیں...... صلیب کے نشان کے ساتھ......''

گراہم روس کی انگلیاں بچے کی کھوپڑی کو ٹٹول رہی تھیں۔ وہ اس کے تالو کے دھڑکتے ہوئے گڑھے کو تلاش کر رہا تھا، جہاں ابھی ہڈی بند نہیں ہوئی تھی۔ پھر جیسے ہی اس کی انگلیاں گڑھے پر پہنچیں، اس کی مضبوط انگلیوں نے دباؤ ڈالا اور بچے کا رونا موقوف ہو گیا!

کونسل اسٹیٹ ٹاور بلاک کے اپارٹمنٹ میں اس ماں کا ضبط اب جواب دے رہا تھا۔ بلڈنگ کے لفنگے بچوں نے لفٹ پھر خراب کر دی تھی۔ اس کا شوہر سمندر میں اپنی ڈیوٹی پر تھا اور ایک ماہ سے پہلے واپس نہیں آ سکتا تھا۔ ادھر بچہ تھا کہ روئے جا رہا تھا۔ اب تو اس کے رونے کی آواز اعصاب توڑے دے رہی تھی۔ ادھر دودھ ابل چکا تھا اور اس کے ابلنے کی وجہ سے چولہا بجھ گیا تھا۔

اس نے خود کو پرسکون کرنے کے لئے سوتک گنتی گنی۔ اس نے بچے کو تھپک کر سلانے کی کوشش کی۔ اس نے بچے کے چپت بھی لگا دیئے۔ لیکن بچہ تو رونے کی مشین بنا ہوا تھا۔ اب تو اس کا جی چاہ رہا تھا کہ کھڑکی کھولے اور نیچے کود کر جان دے دے۔

اسی وقت گھنٹی بجی۔ اطلاعی گھنٹی کی وہ آواز بھی اسے بہت بری لگتی تھی۔ مگر اس کے شوہر کو بہت پسند تھی۔

وہ کراہتی ہوئی دروازے تک گئی اور دروازہ کھولا۔

دروازے پر دو اسکاؤٹ بچے کھڑے تھے۔ ان کے ہونٹوں پر معصوم شرمیلی مسکراہٹ تھی۔ ''گڈ مارننگ میڈم۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔ ''ہمیں دن میں ایک اچھا کام کرنا ہوتا ہے، ہم اس سلسلے میں آپ کے پاس آئے ہیں۔''

وہ ایک لمحے تک ان دونوں کو خاموشی سے دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔ ''تم میں سے کسی کے ہاں چھوٹے بہن بھائی بھی ہیں؟''

''جی ہاں۔ میرے ہیں'' چھوٹے والے نے جلدی سے کہا۔

''تو تم جانتے ہو گے کہ بچوں کو کیسے بہلایا جاتا ہے۔''

''جی...... میں اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ نہر کے کنارے روز کھیلتا ہوں۔''

''رکو...... میں ابھی آئی۔'' عورت اپنے بچے کی طرف گئی۔ اسے اس وقت بوائے اسکاؤٹس کی تنظیم پر پیار آ رہا تھا۔ اس نے اپنے بچے کو اٹھایا اور لے جا کر اسکاؤٹ بچے کو دے دیا۔ ''لو...... اسے کچھ دیر باہر گھما لاؤ۔ بہل جائے گا۔''

اس نے سوچا، چلو کچھ دیر تو سکون ملے گا......

کیلی نے کہا۔ ''ایک سفید کار ہمارا تعاقب کر رہی ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔ اس میں چھ افراد سوار ہیں۔'' ڈیانا بولی۔

''تم انہیں جھٹک سکتی ہو...... پیچھا چھڑا سکتی ہو نا ں سے؟''

''اس کی ضرورت نہیں۔''

''کیا؟'' کیلی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''دیکھتی رہو۔''

(جاری ہے)

وہ ایئرپورٹ کے ایک گیٹ پر پہنچے، جہاں بورڈ لگا تھا۔۔۔۔۔۔ ''صرف کارگو کے لئے''۔ گیٹ پر کھڑے گارڈ نے گیٹ کھولا اور ان کی گاڑی اندر داخل ہوگئی۔ تعاقب کرنے والوں نے کیلی اور ڈیانا کو کار سے اتر کر ایئرپورٹ کی ایک سرکاری کار میں بیٹھتے دیکھا۔ پھر سرکاری کار رن ڈے کی طرف روانہ ہوگئی۔

جب سفید گاڑی اس گیٹ پر پہنچی تو گارڈ نے کہا۔ ''یہ گیٹ عام داخلے کے لئے نہیں ہے۔''

''مگر تم نے اس دوسری کار کو جانے دیا۔''

''میں کہہ رہا ہوں نا کہ یہ پرائیویٹ گیٹ ہے۔'' گارڈ نے بے رخی سے کہا۔

ادھر سرکاری کار رن ڈے پر کھڑے جمبو جیٹ کے قریب جا کر رکی۔ ڈیانا اور کیلی اتریں۔ ہاورڈ ملر وہاں ان کا منتظر تھا۔ ''کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں۔ آپ کا شکریہ کہ آپ نے اتنا اچھا انتظام کیا۔'' ڈیانا بولی۔

''مجھے خوشی ہوئی کہ آپ لوگوں کے کسی کام آسکا۔'' یہ کہتے کہتے اس کے چہرے پر گمبھیرتا چھا گئی۔ ''بس یہ سوچتا ہوں کہ کاش اس کا کچھ حاصل بھی ہو۔''

''حاصل تو ہوگا۔ مگر اس کے لئے تمہیں لوئیسا رینالڈ کا شکریہ ادا کرنا ہوگا۔ اس سے کہنا۔۔۔۔۔۔''

ہاورڈ ملر کے چہرے کا تاثر ایک دم بدل گیا۔ ''لوئیسا تو رات ختم ہوگئی۔''

کیلی اور ڈیانا کو یہ سن کر شاک لگا۔ ''بہت افسوس ہوا یہ سن کر۔'' کیلی نے کہا۔

''ہوا کیا؟'' ڈیانا نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے، اس کا دل جواب دے گیا۔'' ملر نے کہا۔ پھر اس نے جیٹ کی طرف دیکھا۔ ''اب یہ جانے کو تیار ہیں۔ میں نے آپ دونوں کیلئے دروازے کے قریب کی نشستوں کا بندوبست کردیا ہے۔''

''ایک بار پھر شکریہ۔''

وہ دونوں سیڑھی کی طرف بڑھ گئیں۔ ہاورڈ ملر انہیں دیکھتا رہا۔ بالآخر جہاز رن ڈے پر دوڑنے لگا۔ جہاز میں کیلی نے ڈیانا کو مسکرا کر دیکھا۔ ''ہم کامیاب ہوگئے۔ ہم ان سے بچ کر نکل آئے۔ یہ بتاؤ سینیٹر وان لوون سے بات کرنے کے بعد تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''ابھی تو اس سلسلے میں کچھ سوچا نہیں ہے۔ تم کیا کروگی۔۔۔۔۔۔ پیرس واپس جاؤ گی۔''

''دیکھو۔ ویسے تم تو نیویارک میں ہی رہو گی نا؟''

''سوچا تو یہی ہے۔'' ڈیانا نے کہا۔

''تو پھر میں بھی کچھ عرصہ نیویارک میں رکوں گی۔''

''اور پھر ہم دونوں ساتھ ہی پیرس چلیں گے۔''

وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے جا رہی تھیں۔

''سچ کہتی ہو۔''

اب وہ دونوں اپنے اپنے شوہر کے بارے میں سوچ رہی تھیں، جو ان سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ چکے تھے۔

ساڑھے تین گھنٹے بعد جہاز نے لاگارڈیا ایئرپورٹ پر لینڈ کیا۔ ڈیانا اور کیلی سب سے پہلے اتریں۔ ڈیانا کو سینیٹر وان لوون کے الفاظ یاد تھے۔ گرے کلر کی لنکن ٹاؤن کار۔۔۔۔۔۔

اور ٹرمینل کے دروازے پر گرے لنکن ٹاؤن کار واقعی ان کی منتظر تھی۔ گاڑی کے باہر شوفر کی وردی میں ایک بڑی عمر کا جاپانی کھڑا تھا۔ وہ اس کی طرف بڑھیں تو وہ سنبھل کر کھڑا ہوگیا۔ ''مسز اسٹیونز۔۔۔۔۔۔ مسز ہیرس؟'' اس نے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' کیلی نے کہا۔

''میں کوبیو ہوں۔'' اس نے ان کیلئے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

چند لمحے بعد وہ ساؤتھمپٹن کی طرف جا رہے تھے۔ ''یہ دو گھنٹے کا سفر ہے۔'' کوبیو نے کہا۔ ''اس دوران آپ کو خوب صورت مناظر دیکھنے کو ملیں گے۔''

انہیں مناظر میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو جلد از جلد سینیٹر تک پہنچ کر اسے سب کچھ بتا دینا چاہتی تھیں۔

''تمہارا کیا خیال ہے، ان معلومات کے بعد سینیٹر کی اپنی جان کو خطرہ لاحق نہیں ہوگا؟'' کیلی نے ڈیانا سے کہا۔

''لیکن وہ اپنا تحفظ کرلیں گی۔ وہ کوئی عام عورت تو نہیں ہیں۔''

''ہاں۔۔۔۔۔۔ یہ تو ہے۔''

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔x۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کار اٹھارویں صدی کی ایک قدیم اور بڑی حویلی کی حدود میں داخل ہوئی۔ ایک طرف سرونٹ کوارٹرز اور گیراج بنے ہوئے تھے۔ کار دروازے پر رکی۔ کوبیو نے کہا۔ ''اگر آپ کو ضرورت ہوئی تو میں یہاں موجود ملوں گا۔''

''شکریہ۔''

دروازہ بٹلر نے کھولا۔

(جاری ہے)

''صبح بخیر۔تشریف لایئے۔سینیٹر آپ کا انتظار کر رہی ہیں''۔

وہ دونوں ایک شاندار ہال میں داخل ہوئیں۔دیواروں پر بے حد قدیم نوادرات آویزاں تھے۔ہال کی آرائش بھی غضب کی تھی۔ فرنیچر بے حد پرشکوہ تھا۔ایک طرف بہت بڑا آتشدان تھا۔

''اس طرف آیئے پلیز''۔

وہ بٹلر کے پیچھے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔وہ بھی بے حد کشادہ تھا۔سینیٹر وان لوون ہلکے نیلے رنگ کے سلک کے سوٹ اور بلاؤز میں ان کا انتظار کر رہی تھی۔اس کے بال کھلے ہوئے تھے اور وہ ڈیانا کی توقع سے بڑھ کر دلکش لگ رہی تھی۔

''میں پاؤلین وان لوون ہوں'' سینیٹر نے کہا۔

''میں ڈیانا اسٹیونز''۔

''اور میں کیلی ہیرس''۔

''تم دونوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔لیکن تمہارے دیدار کے لئے مجھے بہت انتظار کرنا پڑا''۔

کیلی نے الجھن بھری نظروں سے سینیٹر کو دیکھا۔''جی...... میں سمجھی نہیں''۔

''ابھی سمجھ جاؤ گی''۔

اسی وقت عقب سے ٹینر کنگسلے کی آواز سنائی دی۔''ان کا مطلب ہے کہ تم دونوں بہت خوش قسمت ہو۔لیکن بالآخر قسمت تمہارا ساتھ چھوڑ گئی''۔

ڈیانا اور کیلی نے پلٹ کر دیکھا۔ٹینر کنگسلے تنہا نہیں تھا۔اس کے ساتھ ہیری فلنٹ بھی تھا۔

ٹینر نے کہا۔''ہاں مسٹر فلنٹ،اب تمہارے لئے موقع ہے''۔

ہیری فلنٹ نے خاموشی سے پستول بلند کیا اور ان کا نشانہ لیتے ہوئے دو فائر کئے۔وہ دونوں پیچھے کی سمت گریں۔پاؤلین وان لوون اور ٹینر کنگسلے چند لمحے کھڑے انہیں دیکھتے رہے۔پھر ٹینر نے آگے بڑھ کر پاؤلین کو لپٹا لیا۔''بالآخر راہ کی ہر رکاوٹ دور ہو گئی شہزادی۔میں نے تمہیں پا لیا''۔

............x............

باربرا ڈین کی موسم بہار کی خوشی برباد ہو گئی تھی۔پہلے تو جب ٹونی نے فون کر کے اسے وہ خبر سنائی تو اسے یقین ہی نہیں آیا اور جب یقین آیا تو وہ صدمے سے بے ہوش ہو گئی۔ہوش آیا تو ایک گھنٹے تک وہ روتی رہی۔پھر وہ کیرول کے گھر گئی۔لیکن کیرول مسکن دواؤں کے زیر اثر تھی۔دو دن تک کیرول کو مسکن دوائیں دی جاتی رہیں۔

تیسرے دن باربرا کو بیڈروم میں جانے کی اجازت ملی۔دونوں عورتیں لپٹ کر خوب روئیں۔ان کے آنسو گھل مل گئے۔

اس روز کے بعد یہ معمول ہو گیا۔باربرا ہر صبح کیرول کے پاس جاتی۔اسکے پاس دلی ہمدردی کے سوا کچھ نہیں تھا۔دونوں کے پاس ہی کہنے کیلئے کچھ بھی نہیں تھا۔بس باربرا کو یہ احساس ہوتا تھا کہ وہاں صرف اسکی موجودگی بھی کیرول کیلئے دلجوئی کا سامان ہے۔

وہ خبر سنتے ہی باربرا نے سب سے پہلے پرام کو گیراج میں پھینک دیا تھا اور عہد کیا تھا کہ اب کبھی پرام استعمال نہیں کرے گی۔اب وہ اپنے بچے سے ایک پل کے لئے بھی دور نہیں ہوتی تھی۔وہ ہر وقت بچے کو اپنے پاس رکھتی تھی۔چنانچہ شاپنگ اس کے لئے مسئلہ بن گئی۔ایک ہاتھ میں بچہ ہوتا اور دوسرے ہاتھ سے وہ شاپنگ ٹرالی دھکیلتی۔لیکن اسے کسی بات کی پروا نہیں تھی۔وہ بچے کی طرف سے بری طرح عدم تحفظ کا شکار ہو گئی تھی۔خوف اس کے اندر گہرائی میں بیٹھ گیا تھا۔ہر وقت اسے ڈر لگا رہتا کہ اس کے بچے کو کچھ ہو نہ جائے۔

جبلی طور پر اسے ہاروے سے مدد درکار تھی۔پہلی رات وہ اس سے لپٹ کر روتی رہی۔بولنے کی کوشش کرتی تو اس کے منہ سے بے معنی آوازیں نکلتیں۔''غلطی میری تھی''۔وہ بار بار کہتی۔''مجھے سب کے سامنے رکنا ہی نہیں چاہئے تھا۔میں نہ رکتی تو شاید......''۔

ہاروے اسے تھپکتا رہا۔اس نے اس کا احساس جرم دور کرنے کی سر توڑ کوشش کی۔لیکن وہ تو سوتے میں بھی ڈرتی...... بڑبڑاتی رہی۔ اسے اپنا بچہ پرام میں نظر آتا اور وہ ایک چیخ مار کر اٹھ جاتی۔

دن میں اس پر نسیان کے دورے پڑنے لگے۔وہ اچانک خود کو بیڈروم میں پاتی اور حیرت سے سوچتی کہ آخر کیوں وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی۔کھانا پکاتے ہوئے وہ نمک ڈالنا بھول جاتی۔ہاروے سے اسے کوئی مدد نہیں مل رہی تھی۔ان دنوں وہ گم صم رہتا۔قربت کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا۔ایسا لگتا تھا کہ سب کچھ خراب ہو گیا ہے...... بگڑ کر رہ گیا ہے۔اب تو باربرا کو لندن سے بھی نفرت محسوس ہونے لگی تھی۔

اس رات کھانے کے دوران ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔وہ بچے کو دودھ پلانے لگی اور ہاروے ٹی وی دیکھنے لگا۔ٹی وی پر ایک ویسٹرن فلم دکھائی جا رہی تھی۔ٹائٹل ختم ہوتے ہی ہاروے نے چینل تبدیل کر دیا۔پھر وہ بڑبڑایا۔''ہونہہ...... ورلڈ ان فوکس۔ پیش کش کیٹ رینالڈز''۔

باربرا نے سوچا،آخر ہاروے اس عورت کو اتنا ناپسند کیوں کرتا ہے۔وہ استقبالیہ دعوت میں اس سے ملی تھی اور اچھی لگی تھی۔اس کے انداز میں کچھ جارحیت تھی۔

(جاری ہے)

لیکن اس کے پیشے کے لحاظ سے وہ ضروری تھی تو ممکن ہے کہ ہاروے اس سے خوف زدہ ہو۔ زیادہ تر مردوں کو جارح عورتیں بری لگتی ہیں۔

''گڈ ایوننگ''۔ کیٹ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

ہاروے نے ٹی وی بند کرنے کیلئے ریموٹ کنٹرول سنبھالا۔ ''آج رات کا ہمارا پروگرام اسی معمے کے بارے میں ہے، جس نے پولیس والوں اور ڈاکٹروں کو یکساں طور پر الجھا رکھا ہے۔ واضح رہے کہ آج کا پروگرام ایک طویل سلسلے کی پہلی کڑی ہے......''۔

ہاروے ڈین نے ریموٹ کنٹرول کو ریوالور کی طرح بلند کیا......

''......وہ معمہ ہے درجنوں نوزائیدہ بچوں کی پراسرار اموات کا۔ واضح رہے کہ تمام مرنے والے لڑکے ہیں......''۔

باربرا سنبھل کر بیٹھ گئی۔ ''ہاروے...... ٹی وی بند نہ کرنا''۔ اس نے کہا۔

ہاروے نے کندھے جھٹکے اور ریموٹ کنٹرول والا ہاتھ جھکا لیا۔

''تفتیش کرنے والوں کا کہنا ہے کہ یہ اموات نارمل نہیں ہیں......''۔ کیٹ کہہ رہی تھی۔

''ہاروے...... ذرا سا ہٹ جاؤ۔ میں دیکھ نہیں پا رہی ہوں''۔

ہاروے ایک طرف ہٹ گیا۔

''......گزشتہ سات دنوں میں صرف لندن میں سترہ بچے ختم ہوئے۔ اس کے علاوہ برمنگھم میں چھ، لیورپول میں تین، مانچسٹر میں چار، لیڈز میں دو، گلاسگو میں آٹھ......''۔

باربرا کی پوری توجہ اب ٹی وی اسکرین پر تھی۔

''بظاہر یہ بڑی تعداد نہیں لگتی۔ لیکن اس کے نتیجے میں نوزائیدہ بچوں کی شرح اموات میں بیس فیصد اضافہ ہوا ہے۔ فی الحال تفصیلات مبہم ہیں۔ کوئی واضح نقشہ سامنے نہیں آتا...... سوائے ایک بات کے''۔ کیٹ نے ایک لمحہ توقف کیا۔ اسکرین پر اب اس کا کلوز اپ نظر آ رہا تھا۔ ''......اور وہ یہ ہے کہ مرنے والے تمام لڑکے ہیں۔ ان میں کوئی بچی نہیں ہے''۔

باربرا کا جسم تن سا گیا۔ سانس جیسے اٹک گئی۔ اس نے اپنے بچے کو سینے سے بھینچ لیا۔ ڈین نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ اس کے پاس جا کر اسے دلاسہ دینا چاہتا تھا۔ وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ ایک ذمے دار آدمی ہے اور اس کا بچہ محفوظ ہے...... اور رہے گا۔ لیکن وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ وہ پلٹا اور دوبارہ ٹی وی اسکرین کی طرف دیکھنے لگا۔

کیٹ اب وزارت صحت اور سوشل سیکورٹی کے ترجمان کا تعارف کرا رہی تھی۔ ''ڈاکٹر فلمور'' آپ پلیز مجھے بتائیے کہ اس مرحلے پر آپ اس سلسلے میں کیا وضاحت کریں گے؟''۔

ڈاکٹر فلمور نے اپنی کرسی پر پہلو بدلا اور کندھے جھٹک دیئے۔ ''اس وقت تو کوئی حتمی بات کہنا قبل از وقت ہی......''۔

کیٹ نے آگے جھکتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ ''مگر آپ اس حقیقت سے تو انکار نہیں کر سکتے کہ پچھلے ایک ہفتے میں نومولود لڑکوں کی اموات کی شرح، میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے''۔

''جی ہاں، اضافہ تو ہے۔ لیکن اس اضافے کا موازنہ اس اضافے سے ہرگز نہیں کیا جا سکتا جو کسی وبا کے پھیلنے پر ہوتا ہے''۔

کیمرے نے کیٹ کو دکھایا، جس کے چہرے پر بدمزگی کا تاثر تھا۔

''لیکن ڈاکٹر، اس وقت ہمیں کوئی وبائی مرحلہ درپیش نہیں ہے''۔ کیٹ نے تیز لہجے میں کہا۔ ''ہم اس وقت......''۔ وہ انگلیوں پر گننے لگی۔ ''......یہ کہیے کہ غرق ہونے، جل کر مرنے، دم گھٹ کر مرنے، کار کے حادثے میں مرنے، زہر خورانی اور کرنٹ لگ کر مرنے کے واقعات کی بات کر رہے ہیں۔ اور بھی......''۔ کیٹ توقف کر کے اس فہرست کو یاد کرنے لگی، جسے ابھی دس منٹ پہلے اس نے ازبر کیا تھا۔

ڈاکٹر فلمور نے موقعے کو غنیمت جان کر اس خاموشی میں چھلانگ لگا دی۔ ''معاف کیجئے، میرا بیان ممکن ہے، آپ کو سخت لگے۔ لیکن جس طرح کی رپورٹنگ آپ کرتی ہیں، جیسے آپ سنسنی پھیلاتی ہیں، وہ میڈیا کیلئے رسوائی کا باعث ہوتا ہے۔ ایک اسٹوری بنانے کیلئے حقائق کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا بددیانتی ہے''۔

کیمرے نے کیٹ کو دکھایا۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور وہ گنگ بیٹھی تھی۔

ڈین نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے بچے کو یوں لپٹائے بیٹھی تھی، جیسے اس کے چھن جانے کا ڈر ہو۔ ہاروے ڈین نے سوچا کہ فلمور بہت اچھا رہا۔ اسی لئے تو اسے منتخب کیا گیا تھا۔ اس نے بہت اچھی کوشش کی تھی۔ اس کے باوجود کچھ لوگ قائل نہیں ہوئے ہوں گے، جیسے باربرا کو دیکھ کر لگتا تھا وہ دعا ہی کر سکتا تھا کہ کاش باقی سب لوگ قائل اور مطمئن ہو گئے ہوں۔

............x............

''تو تمہیں ہو کیا گیا تھا''۔ جوان آدمی کے لہجے میں تندی تھی اور انداز الزام دینے والا تھا۔

(جاری ہے)

''مجھے۔افسوس ہے باب۔لیکن دراصل مجھے یہ توقع نہیں......'' کیٹ نے کہنا چاہا۔

''تم نے اسے ایسے کمزور جوابی حملے کے باوجود صاف بچ نکلنے کا موقع دیا......''۔

''میں نے کہانا''۔اس بار کیٹ کے لہجے میں بھی تندی آگئی۔''مجھے اس ردعمل کی توقع نہیں تھی۔میرا یہ خیال نہیں تھا کہ وہ اس قدر مدافعانہ انداز......''۔

''یہ سب بے کار باتیں ہیں کیٹ''۔جوان آدمی چلایا۔''تمہیں نشتر کی طرح تیز دھار ہونا چاہئے۔تمہیں اسے اس طرح بچ کر نکلنے نہیں دینا چاہئے''۔یہ کہہ کر وہ کمرے سے چلا گیا۔

کیٹ بڑبڑاتی رہی۔یہ نئے نئے ڈگری لے کر آنے والے خود کو جانے کیا سمجھتے ہیں......جیسے سب کچھ جانتے ہوں۔اس نے سوچا۔سیٹ پر چندھیا دینے والی روشنی میں بیٹھ کر لائیو گفتگو کریں تو پتا چلے۔مگر انہیں تو بس باہر بیٹھ کر تنقید کرنا آتا ہے۔لیکن پھر کیٹ کو احساس ہوا کہ باب کی بات بہر حال غلط نہیں تھی۔اسے ڈاکٹر فلمور کو جارحیت کا موقع فراہم کرنا ہی نہیں چاہئے تھا۔اصل میں وہ خود چوکنا نہیں تھی۔اس کا دھیان ہٹ گیا تھا۔اصل بات یہ تھی کہ وہ خود ٹھیک نہیں کررہی تھی جو کہ اسے کرنا چاہئے تھا۔اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جانتی تھی کہ ان بچوں کی موت کا ذمے دار ڈاکٹر فلمور نہیں ہے۔حالانکہ اسے اس انداز میں سوچنا ہی نہیں چاہئے تھا۔اس کی ساکھ جارحانہ انداز میں انٹرویو کرنے سے بنی تھی۔اور وہ انٹرویو ایسے لوگوں سے کرتی رہی تھی،جن سے یا جن کے محکموں سے بھاری بے پروائی اور غیر ذمے داری سرزد ہوئی ہو۔جو کچھ چھپا رہے ہوں......خاص طور پر اپنا احساس جرم۔ڈاکٹر فلمور کے معاملے میں ایسا نہیں تھا۔

اس کے ذہن میں ایک سوال نے سر اٹھایا۔ڈاکٹر فلمور قصوروار نہیں تھا۔تو پھر اس کے انداز میں اتنی جارحیت کیوں تھی؟یہ رویہ تو ان لوگوں کا ہوتا ہے،جو اپنے احساس جرم کو چھپا رہے ہوتے ہیں۔وہ سوچتی رہی۔لیکن اسے کوئی معقول جواب نہیں ملا۔ممکن ہے،اس کی بیوی سرد مزاج ہو۔ممکن ہے،اس کی داڑھ میں درد ہو۔ممکن ہے......ممکن تو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔اس نے جھنجلا کر سوچا۔

پھر اس نے فیصلہ کیا کہ کلب جائے گی،دو تین ڈرنک لے گی اور سب کچھ بھول جائے گی۔

............x............

وہ گھر پہنچی تو بہت چڑ چڑی ہورہی تھی۔اسے افسوس ہورہا تھا۔پیٹر اب سوچکا ہوگا۔وہ اچھی ماں نہیں تھی۔اپنے کام کے چکر میں وہ اپنے بیٹے کی ذمے داریوں اور اسکے حقوق کو نظر انداز کررہی تھی۔

وہ اپنے بیگ میں چابیاں تلاش کررہی تھی کہ عقب سے کسی نے اسے پکارا۔''مس رینالڈ''۔

وہ گہری گمبھیر آواز تھی۔اس نے سر گھما کر دیکھا۔وہ ایک پادری تھا۔

''مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے مس رینالڈ''۔

کیٹ نے گہری سانس لی۔اب اسے اپنا فون نمبر ڈائریکٹری سے خارج کرانا ہوگا۔پروگرام کی وجہ سے وہ کچھ زیادہ ہی جانی جانے لگی تھی۔یوں تو کوئی بھی اجنبی ڈائریکٹری سے اس کا پتا دیکھ کر اس تک پہنچ جائے گا......

''میں بچوں کی اموات کے بارے میں آپ کے پروگرام کے متعلق بات کرنا چاہتا ہوں''۔

''یہ ایک فرد کا احتجاجی مارچ ہے''۔کیٹ نے زہریلے لہجے میں کہا۔''افسوس ناک......مایوس کن''۔

''معاملہ آپ کی توقع کے برعکس ہے''۔فادر ڈی کارلو نے کہا۔''میں آپ کو مبارک باد دے رہا ہوں۔آپ بہت ذی فہم اور حساس ہیں''۔

چابی اب کیٹ کے ہاتھ میں تھی۔وہ دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی۔پادری نے ادھر ادھر دیکھا۔کیٹ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔

''آپ مجھے اندر نہیں بلائیں گی؟''۔فادر نے پوچھا۔

کیٹ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔''آئی ایم سوری......''۔

''میرا نام ڈی کارلو ہے اور میں پادری ہوں''۔

''میں نے بہت تھکا دینے والا دن گزارا ہے فادر''۔کیٹ کے لہجے میں بھی تھکن تھی۔''آپ اسٹوڈیو میں میری سیکریٹری کو فون کرکے ملاقات کا وقت لے لیں......''۔

''دراصل یہ معاملہ بہت ارجنٹ ہے مس رینالڈ''۔

کیٹ نے اسے تولنے والی نظروں سے دیکھا۔وہ کوئی مسائل کھڑے کرنے والا آدمی نہیں لگتا تھا۔چہرے مہرے سے وہ بہت معقول اور پرخلوص آدمی لگتا تھا۔تو چلو،اس کی بات مان لیں۔یہ خوش ہوجائے گا۔اس نے سوچا۔

اس نے دروازہ کھولا اور ایک طرف ہٹ کر اسے راستہ دیا۔''اپنی آواز دھیمی رکھئے گا۔میرا بیٹا سوچکا ہے''۔

وہ فادر کو نشست گاہ میں لے آئی۔وہ ہمیشہ کی طرح کباڑ خانہ بنا ہوا تھا۔کتابیں اور کاغذات ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔وہ اس پر فادر سے معذرت کرنا چاہتی تھی۔

(جاری ہے)

پھر اس نے سوچا کہ بن بلائے مہمان کے سامنے صفائی پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

اس نے فادر کو آرام کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر اپنا کوٹ اتارنے لگی۔

وہ اس سے اس کا مدعا پوچھنے ہی والی تھی کہ وہ شروع ہو گیا۔ ''عقل مندوں نے اسے مسیح کی پیدائش کا جو وقت بتایا تھا، اس نے اپنے آدمی بھیج کر ان تمام بچوں کو قتل کرا دیا جو اس وقت پیدا ہوئے تھے''۔

''یہ آپ کہاں کی ہانک......؟''۔

فادر ڈی کارلو نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ''تم نے اپنے پروگرام میں اس بات کی نشاندہی کی تھی کہ پر اسرار طور پر مرنے والے تمام کے تمام بچے نر ہیں''۔

کیٹ نے اثبات میں سر ہلایا اور اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

''لیکن ایک قدر مشترک اور ہے مس رینالڈ''۔ وہ تمام بچے 24 مارچ کے پہلے لمحے یعنی رات بارہ بجے سے صبح چھ بجے کے درمیان پیدا ہوئے تھے اور ایسے بچے جو اس عرصے میں پیدا ہوئے ہوں اور زندہ بھی ہوں، یقین کرو کہ ان کی زندگی بھی خطرے میں ہے۔ انہیں بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا''۔

موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا! کیسے کلاسیکی الفاظ ہیں۔ کیٹ نے سوچا۔ یہ شخص تو کوئی کیریکٹر ہے۔

''آپ گویا یہ کہہ رہے ہیں کہ ان تمام بچوں کو قتل کیا گیا ہے؟'' اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

''یہ میں کہہ رہا ہوں...... اور یہی حقیقت بھی ہے''۔

''لیکن کون قتل کرے گا معصوم بچوں کو''۔

فادر ڈی کارلو آگے کی طرف جھکا۔ کیٹ کو اس کے اندر ایک ہیجان سا مچلتا نظر آیا۔ اور وہ اسے دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے نتیجے میں اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ اور اس کی آنکھیں متورم تھیں، جیسے وہ کئی راتوں سے سویا نہ ہو۔ پہلی بار کیٹ فکرمند ہوئی۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ یہ شخص پاگل ہو۔

''وہ پھر پیدا ہو گیا ہے مس رینالڈ۔ اور اب تو دجال...... اینٹی کرائسٹ...... شیطان کا بیٹا بھی زمین پر موجود ہے، جیسا کہ پیش گوئیوں کی کتاب میں بتا دیا گیا تھا''۔

''آئی ایم سوری فادر''۔ کیٹ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''میں آپ کے عقیدے کا احترام کرتی ہوں۔ لیکن میرا یہ عقیدہ نہیں ہے''۔ اسے افسوس تھا کہ اس نے اس پاگل پادری کو اپنے گھر میں آنے ہی کیوں دیا۔ بہر حال اب تو اسے جانا ہی ہوگا۔

''تم کرسچن نہیں ہو؟''۔

''میں جرنلسٹ ہوں اور صحافت کا پہلا اصول ہر چیز پر شک کرنا ہے۔ میں جب تک اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں، سورج نکلنے پر بھی یقین نہیں کرتی''۔

پادری اپنا بریف کیس کھولنے لگا۔

کیٹ دل میں خود کو برا بھلا کہنے لگی۔ اب اس نے اسے ایک اور موقع دے دیا تھا۔

پادری نے بریف کیس سے کاغذات کی ایک گڈی نکالی اور اس کی طرف بڑھائی۔ ''لو دیکھ لو۔ یہ رہے ثبوت''۔

کیٹ نے ہچکچاتے ہوئے کاغذات لئے اور اپنی ڈیسک پر رکھ دیئے۔ پھر اس نے ان کا جائزہ لیا۔ وہ پیدائشی اسناد کی نقول تھیں۔ ان پر درج نام اس کیلئے جانے پہچانے تھے۔ وہ آنکھیں سکوڑ کر رہ گئی۔

''یہ میں نے سینٹرل رجسٹری آفس سے حاصل کئے ہیں''۔ فادر ڈی کارلو نے وضاحت کی۔

کیٹ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ یہ اس کے لئے اپنی بات جاری رکھنے کا اشارہ تھا۔

''میں تمہارے ایمان کو نہیں پکار سکتا۔ لیکن تمہارے منطقی ذہن کو تو پکار سکتا ہوں۔ خود سوچو، اس روز پیدا ہونے والے تمام بچوں کے قتل کا بنیادی مقصد صرف ایک بچے کو قتل کرنا ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اسے پہچانتا نہیں''۔

جبلی طور پر کیٹ کو بات درست لگی۔ لیکن وہ چھان بین کے بغیر کسی اتفاق کو تسلیم نہیں کر سکتی تھی۔ اور پھر یہاں تو شیطان کے بیٹے کی بات ہو رہی تھی۔

''یہ بتائیں کہ دجال کون ہے؟''۔

امریکی سفیر ڈیمین تھورن''۔ پادری نے بلا جھجک کہا۔

کیٹ نے فادر کو دیکھا اور پھر کھلکھلا کر ہنس دی۔ ''ڈیمین......''۔ وہ اپنی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

(جاری ہے)

کسی کا اس طرح اس کے منہ پر مذاق اڑانا بدتمیزی تھی۔ اور پھر یہاں تو معاملہ ایک پادری کا تھا۔ بڑی مشکل سے اس کی ہنسی تھمی۔

''لیکن ڈیمین کو تو میں جانتی ہوں''۔ اس نے کمزور لہجے میں کہا۔

''تم اس شخص کو جانتی ہو، اس کی روح کو نہیں''۔ فادر ڈی کارلو نے کہا۔ پھر نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ''مس رینالڈ''۔ وہ اب اسے ننھے بچوں کی طرح سمجھا رہا تھا۔ ''میں مذہبی آدمی ہوں، کوئی جنونی نہیں۔ خدا کا حکم ہے کہ ہم کسی بھی انسان کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دیں۔ اگر مجھے ڈیمین تھورن کے ابن شیطان ہونے کے بارے میں رائی برابر بھی شبہ ہوتا تو میں کبھی یہ بات منہ سے نہ نکالتا۔ میں چپ رہتا کہ یہ ایمان کا تقاضا ہے۔ میں وہ بات کہہ رہا ہوں جو شک و شبے سے بالاتر ہے''۔

کیٹ اس کے چہرے کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اب وہ سنجیدہ تھی۔ پادری کے خلوص اور سچائی نے اسے اپنا اسیر بنا لیا تھا۔ وہ ایک دوسرے کی طرف یوں متوجہ تھے کہ انہیں پیٹر کی آمد کا پتا بھی نہیں چلا، جو دبے پاؤں راہ داری میں چلا آیا تھا اور دروازے کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا تھا۔

''میں ڈیمین تھورن کو 27 سال سے دیکھ رہا ہوں''۔ فادر ڈی کارلو کہہ رہا تھا۔ ''اس وقت سے جب اس کا باپ اسے ختم کرنے کے سلسلے میں مدد مانگنے ہماری خانقاہ میں آیا تھا۔ میں نے اسے بچپن سے لڑکپن اور لڑکپن سے جوانی تک دیکھا ہے۔ میں نے اسے ان تمام لوگوں کو مٹاتے دیکھا ہے، جو اس کی راہ میں مزاحم ہوئے''۔

پیٹر اور دبک گیا۔ وہ سب کچھ سننا چاہتا تھا۔

''تم ڈیمین تھورن کو انسان کی حیثیت سے جانتی ہو مس رینالڈ''۔ فادر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے بریف کیس سے ایک فائل نکالی۔ ''ہم نے اس پر جو ریسرچ کی ہے، وہ میں تمہارے مطالعے کے لئے چھوڑے جا رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم پوری طمانیت اور آزادی کے ساتھ رائے قائم کرو۔ اور جب حتمی رائے قائم کر لو تو مجھ سے اس پتے پر رابطہ کرو''۔ وہ فائل پر پتا لکھنے لگا۔ ''رابطہ جلد سے جلد کرو۔ وقت کی پروا نہ کرنا...... دن ہو یا رات''۔

کیٹ نے فائل لی اور پادری کو غور سے دیکھا۔ ''فادر...... میں آپ سے کوئی وعدہ نہیں کرتی۔ آپ نے کہا کہ میں ڈیمین تھورن کو جانتی ہوں، اس کی روح کو نہیں۔ لیکن روح سے تو میں اپنی بھی واقف نہیں۔ کسی اور کی روح کو کیا جانوں گی''۔

''یہ تو تمہیں خدا ہی دکھا سکتا ہے''۔ فادر ڈی کارلو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ خوش تھا کہ تشکیک کے اندھیرے میں تیقن کی کرن پھوٹتی دکھائی دے رہی ہے۔ پھر اسے یاد آیا کہ وہ ایک اہم بات اسے بتانا بھول گیا...... ایسی بات جو ممکنہ طور پر اسے قائل کر سکتی ہے۔ ''غور سے سنو مس رینالڈ۔ روح کے علاوہ ایک بیرونی نشانی بھی ہے، جس کی مدد سے تم اسے شناخت کر سکتی ہو۔ وہ تمہیں کتاب پیش گوئی میں ملے گی۔ وہ نشانی تمہیں ڈیمین تھورن کے بالوں کے نیچے ملے گی۔ وہ شیطان کا برتھ مارک ہے...... چھ کے تین ہندسے...... 666''۔ اس نے کیٹ سے ہاتھ ملایا اور شب بخیر کہہ کر نکل آیا۔ ''خدا تمہاری رہنمائی کرے اور تم درست فیصلہ کر لو''۔ یہ اس کے الوداعی الفاظ تھے۔

پیٹر دبے قدموں تیزی سے دوبارہ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

فادر کے جانے کے بعد کیٹ وہ فائل اپنے بیڈروم میں لے گئی۔ اس کے ذہن میں تجسس اور بے یقینی کی کھچڑی پک رہی تھی۔ بظاہر تو فادر کی بات دیوانے کی بڑ معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن اپنے تجسس کی تسکین کے لئے اس نے فائل کا مطالعہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

بستر پر لیٹ کر وہ فائل کا مطالعہ کرنے لگی۔

فادر نے یوتھ کونسل کے صدر کی حیثیت سے اس کی تقرری کو نشان زد کرتے ہوئے اس پر تبصرہ کیا تھا۔ کیٹ کو انٹرویو کے دوران ڈیمین کے کہے ہوئے لفظ یاد آ گئے کہ وہ دنیا کے معاملات میں جوان کو زیادہ نمایاں کردار ادا کرتے دیکھنا چاہتا ہے اور اس سلسلے میں ان کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ اسے ڈیمین کا جوش یاد آیا۔ اس نے تو لمبی چوڑی تقریر کر ڈالی تھی۔ اسے ایک کہاوت یاد آئی...... ایک بچے کو چھ سال کی عمر تک مجھے دے دو، وہ ہمیشہ میرا ہی رہے گا۔

کیٹ کو پیٹر کا خیال آیا...... شکار والے دن...... اس کے چہرے پر خون...... وہ جھرجھری لے کر رہ گئی۔

فادر ڈی کارلو نے تھورن کارپوریشن کا بروشر بھی فائل میں لگایا تھا۔ اس میں ان ملکوں کی فہرست تھی، جنہیں تھورن کارپوریشن نے امداد دی تھی۔ وہاں تبصرہ کرتے ہوئے فادر ڈی کارلو نے لکھا تھا...... چالیس سال کی عمر تک امریکا کا صدر بن جائے گا۔ (جاری ہے)

کیٹ نے جماہی لیتے ہوئے اپنے ذہن کو صاف کرنے کی کوشش کی۔ یہ پورا معاملہ اسے ایک طرح کا پاگل پن معلوم ہو رہا تھا۔ حالانکہ کبھی کبھی وہ قابل یقین لگنے لگتا تھا۔ لیکن شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ پادری نے اس کے تھکے ہوئے ذہن میں شک کا بیج بو دیا تھا۔ ڈیمین تھورن اور شیطان کا بیٹا! کیسی احمقانہ بات ہے۔ وہ یہ سب کچھ سوچتے سوچتے سو گئی۔ اسے پتا بھی نہیں چلا کہ پیٹر اس کے کمرے میں آیا تھا، اس نے فائل اٹھائی تھی اور وہ فائل پر لکھے پتے کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا تھا۔

............x............

''یہ بتائیں، ان لاشوں کا کیا کروں؟'' فلٹ نے میزر سے پوچھا

''ان کے پیروں سے بھاری وزن باندھو اور انہیں دو سو میل دور لے جا کر اوقیانوس میں غرق کر دو'' میزر نے بلا جھجک کہا۔

''بہت بہتر'' فلٹ نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

میزر سینیٹر وان لوون کی طرف مڑا ''لو شہزادی، یہ معاملہ بھی نمٹ گیا۔ اب ہم آزاد ہیں''۔

پاؤلین اس کی طرف بڑھی اور اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔ ''میں نے تمہیں بہت مس کیا ہے جان''۔

''میں نے بھی......''۔

''مہینے میں ایک بار چھپ کر ملنا بہت برا لگتا تھا...... خاص طور پر اس صورت میں کہ میں جانتی تھی کہ اب جدا ہونا ہے''۔

میزر نے اسے خود سے قریب کر لیا۔ ''مگر اب ہم کبھی جدا نہیں ہوں گے۔ ہمیں بس تین چار مہینے انتظار کرنا ہو گا۔ تمہارے آنجہانی شوہر کا احترام بھی تو ضروری ہے۔ اور پھر اس کے بعد ہم شادی کر لیں گے''۔

وہ مسکرائی ''نہیں، سوگ کیلئے صرف ایک مہینہ کافی ہے''۔

میزر نے اثبات میں سر ہلایا ''چلو ٹھیک ہے''۔

''کل میں نے سینیٹ کی نشست سے استعفاد ے دیا۔ وہاں سب کو احساس ہے کہ شوہر کی موت نے مجھے کتنا دل شکستہ کر دیا ہے''۔

''بہت خوب۔ تو اب ہم دونوں کھل کر مل سکتے ہیں۔ اب میں تمہیں کے آئی جی میں ایک ایسی چیز دکھاؤں گا، جو پہلے نہیں دکھا سکا''

............x............

میزر اور پاؤلین سرخ اینٹوں سے بنی عمارت میں تھے۔ وہ اسٹیل کے اس ٹھوس دروازے کی طرف بڑھی۔ اس کے عین وسط میں ایک خلا تھا۔ میزر ایک بھاری انگوٹھی پہنے ہوئے تھا، جس پر ایک یونانی جنگجو کے چہرے کی شبیہہ ابھاری گئی تھی۔

پاؤلین دیکھتی رہی۔ میزر نے انگوٹھی کو اس دروازے کے خلاف میں داخل کیا...... اور اچانک دروازہ کھلنے لگا۔ وہ ایک بہت بڑا کمرا تھا، جہاں بڑے بڑے کمپیوٹر اور ٹیلی وژن اسکرین تھے۔ سامنے والی دیوار پر جنریٹر اور الیکٹرونکس تھے۔ وہ سب درمیان میں ایک کنٹرول پینل سے منسلک تھے۔

''یہ گراؤنڈ زیرو ہے'' میزر نے کہا۔ ''یہ ہمارے پاس وہ چیز ہے جو زندگی کو ہمیشہ کے لئے بدل دے گی۔ یہ کمرا دراصل ایک سیٹلائٹ سسٹم کا کمانڈ سینٹر ہے۔ یہاں سے دنیا کے کسی بھی حصے میں موسم کو کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ ہم کہیں بھی طوفان لا سکتے ہیں۔ ہم بارش روک کر کسی بھی علاقے کو خشک سالی اور قحط میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ ہم کسی بھی ایئر پورٹ پر دھند طاری کر کے اسے معطل کر سکتے ہیں۔ ہم بڑے بڑے طوفان اور سائیکلون تخلیق کر سکتے ہیں، جس کے نتیجے میں دنیا کی معیشت رک جائے'' وہ مسکرایا۔ ''تم جانتی ہو۔ کئی موقعوں پر میں اپنی طاقت کا عملی مظاہرہ کر چکا ہوں۔ موسم پر کنٹرول حاصل کرنے کے لئے کئی ممالک کام کر رہے ہیں۔ لیکن ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکے ہیں''۔

میزر نے ایک بٹن دبایا۔ ایک بڑا ٹی وی اسکرین روشن ہو گیا۔ ''یہ جو کچھ تم دیکھ رہی ہو، یہ ہماری فوج کے ایک خواب کی ترقی یافتہ تعبیر ہے''۔ اس نے سر گھما کر پاؤلین کو دیکھا اور مسکرایا۔ ''پرابلما میں بس گرین ہاؤس ایفیکٹ کی کمی تھی، جو میرے مکمل کنٹرول کی راہ میں رکاوٹ تھی۔ اس مسئلے کو تم نے بے حد خوب صورتی سے حل کر دیا۔ جانتی ہو، اس پروجیکٹ کا خالق کون ہے؟'' اس نے ایک آہ بھرتے ہوئے کہا۔ ''میرا بھائی اینڈریو۔ بلاشبہ وہ جینیئس تھا''۔

پاؤلین تمام آلات کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مشین سے موسم کو کیسے کنٹرول کیا جاتا ہے؟''۔

''سادہ سی بات ہے کہ گرم ہوا اوپر کی جانب اٹھتی ہے...... سرد ہوا کی طرف۔ اور اگر فضا میں نمی ہو......''۔

''اب تم استاد بننے کی کوشش کر رہے ہو جان''۔

''سوری۔ لیکن تفصیل سے بتاؤں تو یہ بہت پیچیدہ معاملہ ہے''

''میں سن رہی ہوں''۔

(جاری ہے)

''یہ ذرا ٹیکنیکل معاملہ ہے۔ میرے بھائی اینڈریو نے نانوٹیکنالوجی تخلیق کی۔ اس سے مائیکروویو لیزر بنی۔ جب اسے زمین کی موسمیاتی فضا میں فائر کیا جاتا ہے تو فری فورمنگ آکسیجن بنتی ہے۔ وہ ہائیڈروجن کے ساتھ مل کر اوزون اور پانی بناتی ہے۔ آزاد آکسیجن جب فضا میں شامل ہوتی ہے تو...... اسی لئے اسے O2 کہا جاتا ہے۔ میرے بھائی نے دریافت کیا کہ اگر خلا سے موسمیاتی فضا میں لیزر کو فائر کیا جائے تو آزاد آکسیجن ہائیڈروجن کے دو ایٹموں کے ساتھ مل کر اوزون بناتی ہے...... O3 اور پانی H2O''۔

''میں اب بھی نہیں سمجھ پائی کہ کیسے......''۔

''موسم کو تحرک دینے والی چیز پانی ہے۔ اینڈریو نے بڑے پیمانے پر تجربات کئے۔ ان کے نتیجے میں ضمنی طور پر اتنی بڑی مقدار میں پانی پیدا ہوا کہ ہوا کا رخ بدل گیا۔ مزید لیزر رہنمزید ہوا۔ پانی اور ہوا پر کنٹرول حاصل کر لو تو موسم کا جن خود بخود قابو میں آ جاتا ہے''۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے سلسلہ کلام جوڑا۔ ''جب مجھے پتا چلا کہ ٹوکیو میں اکیرا آکسوا اور زیورخ میں میڈیلین اسمتھ اس مسئلے کو حل کرنے کے قریب ہیں تو میں نے انہیں پرکشش آفرز کیں۔ لیکن انہوں نے میری پیشکش ٹھکرا دی۔ میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ چار ٹاپ کے ماہر موسمیات میرے ساتھ کام کر رہے تھے''۔

''ہاں''۔

''وہ بھی اپنے کام کے ماہر تھے۔ برن میں فرانز وربرگ، پیرس میں مارک ہیرس، وینکوور میں گیری رینالڈ اور نیویارک میں رچرڈ اسٹیونز۔ میں نے ان میں سے ہر ایک کو موسمیاتی کنٹرول سے متعلق الگ الگ مسائل کے حل پر مامور کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ کیونکہ وہ مختلف ممالک میں ہیں، اس لئے وہ کڑیاں نہیں ملا سکیں گے...... یہ نہیں سمجھ سکیں گے کہ اصل میں پروجیکٹ کا بنیادی مقصد کیا ہے۔ لیکن نجانے کیسے انہوں نے سمجھ لیا۔ وہ مجھ سے ملنے آئے اور مجھ سے پوچھا کہ اس سلسلے میں میرا کیا منصوبہ ہے۔ میں نے انہیں کہہ دیا کہ میں یہ پروجیکٹ اپنی حکومت کو ہرگز نہیں دوں گا۔ اس پر انہوں نے اعتراض کیا اور خود ہی واشنگٹن جانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ وہاں کسی مقتدر شخصیت سے مل کر اسے پرائما کے بارے میں بتانا چاہتے تھے۔ وہ کس سے ملتے، مجھے اس سے غرض نہیں تھی۔ کیونکہ میں انہیں راہ سے ہٹانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ خوش قسمتی سے انہوں نے تمہیں منتخب کیا۔ کیونکہ تم سینیٹ کی ماحولیاتی کمیٹی کی سربراہ تھیں۔ یہ ہے پورا معاملہ۔ خیر...... اب ذرا اسکرین پر دیکھو......''۔

ایک کمپیوٹر اسکرین پر دنیا کا نقشہ نمودار ہو گیا تھا۔ اس میں نقطے، خطوط اور دیگر علامات بھی تھیں۔ ٹینر ایک سوئچ کو گھمانے لگا۔ نقشے کا فوکس بدلنے لگا۔ مختلف ممالک...... اور پھر پرتگال نمایاں ہو گیا۔

''پرتگال کی زرعی وادیوں کو پانی اسپین سے اوقیانوس کی طرف بہنے والے دریا فراہم کرتے ہیں...... ذرا تصور کرو کہ اگر مسلسل بارش ہونے لگے تو پرتگال کی ان زرعی وادیوں کا کیا حشر ہو گا۔ وہ غرق ہو جائیں گی نا''۔

ٹینر نے ایک بٹن دبایا اور ایک بہت بڑے اسکرین پر گلابی رنگ کا ایک بہت بڑا محل ابھرا۔ محل کے ہرے بھرے باغیچوں میں دھوپ اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔ محل کے باہر چمکیلی وردیاں پہنے پہرے دار ڈیوٹی دے رہے تھے۔

''یہ وہاں کا صدارتی محل ہے''۔ ٹینر نے کہا۔

اب اسکرین پر محل کے اندر طعام گاہ کا منظر نظر آ رہا تھا۔ وہاں ایک فیملی ناشتے میں مصروف تھی۔

''یہ پرتگال کا صدر، اس کی بیوی اور دو بچے ہیں۔ یہ جب بات کریں گے تو وہ پرتگیزی زبان میں ہو گی۔ لیکن تمہیں انگریزی سنائی دے گی۔ اس محل میں ہمارے درجنوں نانو کیمرے اور مائیکروفون نصب ہیں۔ صدر کو اس سلسلے میں کچھ علم نہیں۔ لیکن اس کا ہیڈ سیکورٹی گارڈ میرا تنخواہ دار ملازم ہے''۔

ایک ملازم صدر سے کہہ رہا تھا۔ ''صبح گیارہ بجے آپ کی ایک ایمبیسی میں میٹنگ ہے۔ پھر آپ کو لیبر یونین کے اجلاس سے خطاب کرنا ہے۔ ایک بجے میوزیم میں لنچ ہے۔ اور آج شام اسٹیٹ ڈنر ہے''۔

کھانے کی میز پر رکھے فون کی گھنٹی بجی۔ صدر نے ریسیور اٹھایا۔ ''ہیلو؟''۔

(جاری ہے)

ٹیمز نے کہا۔ ''جناب صدر......'' ۔دوسری طرف اس کی آواز پرتگیزی زبان بول رہی تھی۔

صدر بری طرح چونکا۔ ''کون......کون بول رہا ہے؟''۔

''ایک دوست''۔

''تمہیں میرا پرائیویٹ نمبر کیسے ملا؟''۔

''اس کی کوئی اہمیت نہیں۔تم میری بات دھیان سے سنو۔مجھے تمہارے ملک سے بہت محبت ہے اور میں اسے تباہ ہوتے نہیں دیکھنا چاہتا۔اگر تم ان خوف ناک طوفانوں سے بچنا چاہتے ہو، جو تمہارے ملک کو دنیا کے نقشے سے مٹانے والے ہیں تو مجھے دو بلین ڈالر مالیت کا سونا بھجوا دو۔اگر تم اس وقت جواب دینے کے موڈ میں نہیں ہو تو میں تمہیں تین دن بعد فون کروں گا''۔

انہوں نے اسکرین پر دیکھا۔صدر نے ریسیور پٹخ دیا تھا۔پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا۔ ''کسی پاگل کو میرا پرائیویٹ فون نمبر مل گیا ہے۔پاگل خانے سے بھاگا ہوا لگتا ہے''۔

ٹیمز نے پاؤلین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ تین دن پرانی ریکارڈنگ ہے۔اب میں تمہیں کل کی گفتگو سنواتا ہوں''۔

اسکرین پر پھر گلابی محل کی تصویر ابھری...... اور پھر باغات۔لیکن اب وہاں طوفانی بارش ہو رہی تھی۔ساتھ میں زبردست گرج چمک بھی ہو رہی تھی۔ٹیمز نے ایک بٹن دبایا اور اسکرین پر صدر کے آفس کا منظر ابھر آیا۔وہ کانفرنس ٹیبل پر تھا۔اس کے چھ سات معاونین سب کے سب ایک ساتھ بول رہے تھے۔صدر کے چہرے پر گمبھیرتا تھی۔

اسی وقت میز پر رکھے فون کی گھنٹی بجی۔

''اب دیکھو'' ٹیمز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

صدر نے ریسیور اٹھایا۔ ''ہیلو......؟''۔

''گڈ مارننگ جناب صدر۔کیا حال......؟''۔

''تم میرے ملک کو تباہ کر رہے ہو۔کھیت زیرِ آب آ گئے۔ساری فصلیں تباہ ہو گئیں۔ہمارے گاؤں......'' ۔وہ کہتے کہتے رکا اور اس نے ایک گہری سانس لی۔ ''یہ سب کچھ کب تک ہوتا رہے گا''۔اس کی آواز میں ہسٹیریائی کیفیت تھی۔

''جب تک مجھے دو بلین ڈالر نہیں مل جاتے'' ۔ٹیمز کی آواز ابھری

صدر دانت پیسنے لگا۔ایک پل کو اس نے آنکھیں بند کر لیں۔پھر بولا۔ ''اور تب تم اس طوفان کو روک دو گے؟''۔

''جی ہاں''۔

''رقم آپ کو کس طرح پہنچائی جائے؟''۔

ٹیمز نے ٹی وی کو آف کر دیا۔ ''دیکھا شہزادی، یہ کام کتنا آسان ہے۔رقم ہمیں مل چکی ہے۔اب میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ پرائما اور کیا کچھ کر سکتی ہے۔یہ ہمارے ابتدائی تجربات ہیں......دیکھو''۔

اس نے ایک اور بٹن دبایا۔اسکرین پر ایک چنگھاڑتے ہوئے طوفان کا منظر نظر آیا۔ ''یہ جاپان میں ہو رہا ہے''۔اس نے کہا۔ ''اور یاد رہے کہ اس مہینے میں وہاں ہمیشہ موسم پرسکون ہوتا ہے''۔

اس نے ایک اور بٹن دبایا۔ایک اور طوفان کا منظر...... ''یہ فلوریڈا ہے۔اس وقت جون کے مہینے میں وہاں درجہ حرارت نقطہ انجماد کے قریب ہے۔تمام فصلوں کا صفایا ہو چکا ہے''۔

اس نے ایک اور بٹن دبایا۔اس بار وہ ہوا اور گرد کا بگولا تھا جو عمارات سے ٹکرا رہا تھا۔ ''یہ برازیل ہے۔دیکھ لیا تم نے۔پرائما کچھ بھی کر سکتی ہے''۔

پاؤلین نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''تمہاری طرح۔تم بھی تو کچھ بھی کر سکتے ہو''۔

ٹیمز نے ٹی وی کو آف کر دیا۔پھر اس نے ڈی وی ڈی کے تین پیس پاؤلین کو دکھائے۔ ''یہ تین اور دلچسپ تر گفتگوئیں ہیں......ایک پیرو سے، دوسری میکسیکو اور تیسری اٹلی سے۔تمہیں معلوم ہے، سونا کیسے وصول کیا جاتا ہے۔ہم ان کے بینکوں پر ٹرک بھیجتے ہیں اور وہ ان پر سونا لاد دیتے ہیں۔میں نے انہیں خبردار کر دیا ہے کہ اگر انہوں نے یہ پتا چلانے کی کوشش کی کہ سونا کہاں جا رہا ہے تو انہیں اور بدتر طوفان کا سامنا کرنا ہو گا۔اور وہ طوفان رکے گا بھی نہیں''

پاؤلین نے اسے پرتشویش نظروں سے دیکھا۔ ''ٹیمز......وہ کسی طرح تمہاری کال بھی تو ٹریس کر سکتے ہیں''۔

''ضرور'' ۔ٹیمز نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''پہلی کوشش میں وہ ایک چرچ تک پہنچیں گے۔دوسری میں ایک اسکول۔اور تیسری کوشش کے نتیجے میں وہ ایک اور طوفان بھگتیں گے''۔

پاؤلین بھی ہنسنے لگی۔

اسی وقت دروازہ کھلا اور اینڈریو اندر آیا۔ ''یہ میرا بھائی اینڈریو کنگسلے ہے'' ۔ٹیمز نے پاؤلین کو بتایا۔

اینڈریو پاؤلین کو گھور رہا تھا۔اس کے چہرے پر الجھن تھی۔ ''تم مجھے جانی پہچانی لگتی ہو''۔اس نے کہا اور اس کے چہرے پر گہرے ارتکاز کا تاثر ابھرا۔پھر اچانک اس کا چہرہ جیسے کھل اٹھا۔ ''ہاں......یاد آیا۔تم اور ٹیمز تو شادی کرنے والے تھے۔اور میں ٹیمز کا شہ بالا تھا۔میں پہچان گیا۔تم شہزادی ہو''۔

''بہت خوب اینڈریو'' ۔پاؤلین نے کہا۔

''لیکن پھر تم چلی گئی تھیں۔تمہیں ٹیمز سے محبت نہیں تھی''۔

ٹیمز نے جلدی سے مداخلت کی۔ ''میں تمہیں بتاتا ہوں۔یہ اس لئے چلی گئی تھی۔کیونکہ یہ مجھ سے محبت کرتی تھی''۔اس نے پاؤلین کا ہاتھ تھام لیا۔ ''اس نے اپنی شادی کے اگلے روز مجھے فون کیا تھا۔اس نے ایک دولت مند اور بااثر شخص سے شادی کی تھی۔تاکہ کے آئی جی کی مدد کر سکے۔یہی تو ہماری ترقی کا راز ہے۔مہینے میں ایک بار ہم سب سے چھپ کر ملتے تھے'' ۔ٹیمز کے لہجے میں فخر تھا۔ ''پھر اسے سیاست میں دلچسپی ہو گئی اور یہ سینیٹر بن گئی۔''

''لیکن......لیکن وہ......وہ سباستینا......'' اینڈریو ذہن پر زور دے رہا تھا۔

''سباستینا کورٹیز'' ۔ٹیمز نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''وہ تو ایک چال تھی۔تاکہ اصلیت چھپی رہے۔میں نے آفس میں سب کو یقین دلا دیا تھا کہ اس کے ساتھ میرا چکر چل رہا ہے۔دراصل میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے اور شہزادی کے بارے میں کسی کو شک بھی ہو۔''

''اوہ......اب میں سمجھا'' ۔اینڈریو نے کہا۔

''یہاں آؤ اینڈریو'' ۔ٹیمز نے کہا اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے پرائما کے سامنے کھڑا کر دیا۔ ''یہ تمہیں یاد ہے؟ اس کی تخلیق میں تمہارا بڑا ہاتھ ہے۔اب یہ مکمل ہو چکی ہے......''

''پرائما......!'' اینڈریو نے کہا اور اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

ٹیمز نے ایک بٹن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ موسم کنٹرول کرنے کا بٹن ہے۔''اس نے دوسرے بٹن کی طرف اشارہ کیا۔ ''اور یہ لوکیشن کا۔دیکھا تم نے، ہم نے اسے کتنا سادہ اور آسان بنا دیا۔''

''ہاں......مجھے یاد ہے......'' اینڈریو نے زیرِ لب کہا۔

ٹیمز پاولین کی طرف مڑا۔ ''یہ تو محض آغاز ہے شہزادی۔''اس نے اسے باہوں میں بھر لیا۔ ''میں مزید تیس ملکوں پر ریسرچ کر رہا ہوں۔تم نے جو چاہا تھا، وہ سب مل گیا تمہیں۔دولت بھی اور طاقت بھی......''

''یہ کمپیوٹر تو بہت قیمتی......''

''دو کمپیوٹر کہو۔میرے پاس ایک سرپرائز ہے تمہارے لئے۔تم نے جنوبی بحرالکاہل میں ٹاموآ جزیرے کا نام سنا ہے......؟''

''نہیں تو۔''

''وہ ہم نے خرید لیا ہے۔اس کا رقبہ 60 مربع میل ہے اور وہ خوابوں سے بڑھ کر خوبصورت ہے۔وہاں بجرے کیلئے بندرگاہ بھی ہے اور جہاز کے لینڈ کرنے کے لئے رن وے بھی ہے اور وہاں پرائما 2 بھی ہے......''

(جاری ہے)

پاؤلین نے کہا۔ ''یعنی بالکل ایسی ہی ایک اور مشین......؟''

''ہاں۔ اور وہ زیر زمین ہے۔ اسے کوئی تلاش نہیں کر سکتا۔''

اچانک پاؤلین کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ ''لیکن جب ڈیمین تھورن کو اندازہ ہوگا کہ تم کیا کر رہے ہو تو وہ......وہ بہت خطرناک اور طاقتور آدمی ہے جان۔''

''اب ہمیں اس کی ضرورت نہیں رہی اور ابھی تو اسے معلوم بھی نہیں کہ ہم کیا کر چکے ہیں اور جب اسے پتا چلے گا تو ہم اپنے جزیرے پر ہوں گے۔ اور وہ ہمیں ڈھونڈ بھی نہیں سکے گا۔''

''مجھے اس سے ڈر لگتا......''

''مت ڈرو اس سے۔ ہم اسے جس حد تک استعمال کر سکتے تھے، کر چکے۔ اب اس کی ضرورت نہیں ہے ہمیں۔ ہم اس کے لئے کیوں کچھ کریں۔ بھول جاؤ اسے......''

ہاروے ڈین وہ علامات خوب پہچانتا تھا۔ اسے کسی پہلو قرار نہیں تھا۔ اپنے خوابوں سے وہ خوف زدہ تھا۔ لیکن اسے جاگنے سے بھی ڈر لگتا تھا۔ وہ کام پر جانے سے بھی ڈرتا تھا۔ ڈیمین تھورن کی موجودگی میں وہ اعصاب زدہ رہتا تھا۔ اس نے ان مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کوئی حل سوجھ بھی نہیں رہا تھا۔ وہ کہیں بھاگ بھی نہیں سکتا تھا۔ اسے تو اپنی جگہ جم کر بیٹھنا اور بہتری کی امید رکھنا تھا۔ اس کا مستقبل اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اس کی خوشیاں اس کے نہیں، کسی اور کے اختیار میں تھیں۔

مسئلہ یہ تھا کہ اس نے جان لیا تھا کہ وہ اپنے نومولود بیٹے کو دیوانہ وار چاہتا ہے۔ وہ سر سے پاؤں تک......اس کے گھونگھریالے بالوں سے لے کر کھلونے جیسے پیروں کے ننھے منے ناخنوں تک اس کے عشق میں مبتلا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کو باربرا سے کہیں بڑھ کر چاہتا تھا۔ جتنی محبت اسے ڈیمین سے تھی، اس سے کہیں زیادہ محبت اپنے نومولود بیٹے سے تھی۔ لیکن اگر وہ اپنے بیٹے کو لے کر بھاگتا تو دنیا میں کہیں بھی نہیں چھپ سکتا۔ وہ ہر قیمت پر اسے ڈھونڈ لیں گے۔ وہ پاتال سے بھی اسے ڈھونڈ نکالیں گے اور اس کا بھاگنا اس کی بے وفائی کا ثبوت ہوگا اور ڈیمین تھورن کے نزدیک بے وفائی بدترین جرم تھی۔

دیگر مسائل اس کے علاوہ تھے۔ اسرائیلی آپریشن میں بھی گڑبڑ ہوگئی تھی۔ دوسری طرف پرتگال میں بے موسم کی خوفناک بارشیں تین دن تک جاری رہی تھیں اور جب ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ملک ہی غرق ہو جائے گا تو وہ بارش اچانک ہی تھم گئی تھی۔ اٹلی، برازیل اور میکسیکو سے بھی موسم سے متعلق غیر معمولی خطرناک خبریں آ رہی تھیں۔ رابطے پر کہیں سے کوئی یقینی خبر نہیں ملی تھی۔ لیکن صاف اندازہ ہوتا تھا کہ یہ میٹر لنکسلے کا کیا دھرا ہے۔ لگتا تھا کہ اس نے اپنی مشین سے فائدہ اٹھا کر ساری دنیا کو لوٹنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ انسان دولت کی ہوس میں مبتلا ہو جائے تو اس کی کوئی حد نہیں ہوتی میٹر ڈیمین جیسے آقا سے باغی ہو گیا تھا۔

مگر ڈیمین کو ان دنوں 24 مارچ کو پیدا ہونے والے بچوں کے خاتمے کے علاوہ کسی اور بات کی پروا نہیں تھی۔ اس نے میٹر کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اسے اس بات کی بھی کوئی پروا نہیں تھی کہ پرائما نامی وہ کمپیوٹر اس کے مقاصد کے لئے کتنا اہم تھا۔ وہ تو اس وقت جان ہے تو جہان ہے والے محاورے پر عمل کر رہا تھا۔ لیکن مستقبل میں کسی بھی وقت وہ ہاروے ڈین سے اس سلسلے میں جواب طلبی کر سکتا تھا کہ میٹر کے خلاف کارروائی کیوں نہیں کی گئی۔

اس نے ریسیور رکھا اور ڈیمین سے کہا۔ ''اسرائیلی اب شریڈر کی تلاش میں ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے پکڑ کر اس سے حقیقت اگلوائیں، ہمیں شریڈر کو خود ہی ٹھکانے لگانا ہوگا۔''

ڈیمین نے کاغذات سے نظریں اٹھائے بغیر بے پروائی سے کہا۔ ''جو کرنا ہے، کر گزرو۔''

''لیکن ہم اس تک پہنچ نہیں پا رہے ہیں۔'' ہاروے ڈین کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔ ''وہ تل ابیب میں پھنسا ہوا ہے۔ ڈیمین، صرف تم ہی اس سلسلے میں کچھ کر سکتے ہو۔''

''تم خود بھی نمٹا سکتے ہو اس معاملے کو۔''

''لیکن میں نے بتایا نا کہ وہ......''

دجال

''میں نے بھی تو تمہیں کچھ بتایا ہے نا'' بالآخر ڈیمین نے نظریں اٹھائیں اور ہاروے ڈین کو گھورنے لگا۔ اس کی آنکھیں جیسے اس کے وجود کو ٹٹول رہی تھیں'' میں نے تمہیں بتایا ہے نا کہ جب تک نزارین زندہ ہے، میری طاقت روز بروز کم ہوتی رہے گی۔''

ہاروے ڈین کے حلق میں گولا سا پھنس گیا۔ وہ دل میں خود کو برا کہنے لگا۔ آخر اسے کچھ بولنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ بات پھر اسی موضوع پر پہنچ گئی نا۔ بس اس کی سنتے رہو۔ کچھ بولو مت۔ اس نے خود کو سمجھایا۔

''کتنے بچے ابھی تک زندہ ہیں؟'' ڈیمین نے پوچھا۔

''صرف ایک یا دو'' بس اب یہ موضوع ختم کرو...... وہ دل ہی دل میں التجا کر رہا تھا۔

''ان میں تمہارا بیٹا بھی ہے؟''

''میرا بیٹا؟'' اس نے جلدی سے کہا'' بات سنو۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ 23 مارچ کے آخری گھنٹے میں پیدا ہوا تھا۔ میری بات کا یقین کرو ڈیمین......''

''نزارین کو ختم کر دو۔ مجھے خود بہ خود تمہاری بات کا یقین آجائے گا۔''

فون کی گھنٹی بجی۔ ہاروے ڈین نے جلدی سے ریسیور اٹھایا۔ اس کے انداز میں شکر گزاری تھی۔ وہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا تھا۔ دوسری طرف سے بلیپ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ یہ کون ہے، جو سکہ ڈال کر کسی فون بوتھ سے کال کر رہا ہے۔ ہاروے ڈین کا ذہن الجھنے لگا۔ ایسے کسی شخص کو یہ نمبر کیسے مل گیا؟

''ہاں؟ کون......؟'' اس کے چہرے پر بھی الجھن تھی۔

دوسری طرف کی بات سننے کے بعد وہ ڈیمین کی طرف مڑا'' کیٹ رینالڈ کے بیٹے کا فون ہے۔ کسی فون بوتھ سے کال کر رہا ہے وہ۔''

ڈیمین اٹھ کر اس کی طرف بڑھا۔

''اسے یہ نمبر کیسے ملا؟'' ہاروے ڈین نے پوچھا۔

''میں نے دیا تھا'' ڈیمین نے نخوت سے کہا۔

ڈین نے کندھے جھٹکے اور دل ہی دل میں اپنے تجسس کو کوسنے لگا۔ یہ تجسس کسی دن اسے مروا دے گا۔

اب وہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ فون پر ہونے والی گفتگو نہیں سن رہا ہے۔

''تم اس کا پیچھا کرو'' ڈیمین فون پر کہہ رہا تھا'' اور خیال رکھنا کہ اسے تعاقب کا پتا نہ چلے......''

ڈیمین لڑکے سے کس کا تعاقب کرنے کو کہہ رہا ہے؟ اور وہ بھی اتنی احتیاط سے! کیوں؟ پھر ہاروے ڈین نے سوچا جہنم میں جائے۔ مجھے کیا۔

ڈیمین نے فون رکھا تو ہاروے ڈین فوراً ہی ایک مختلف موضوع پر شروع ہو گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بات پھر اسی طرف جائے۔

''ڈیمین...... ذرا محتاط رہو'' اس نے کہا'' صبح اس کی ماں نے فون کیا تھا۔ تم سے ملنا چاہتی تھی۔ میں نے اسے ٹال تو دیا۔ لیکن......''

''تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں'' ڈیمین نے سخت لہجے میں پوچھا'' میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''وہ عورت خطرناک ہے ڈیمین'' ہاروے بولا'' اس کے پروگرام کی وجہ سے پہلے ہی مسائل سر اٹھا رہے ہیں۔ اس نے بچوں کی اموات کے سلسلے میں......''

''یہ فیصلہ مجھے کرنا ہے کہ کون خطرناک ہے اور کون نہیں'' ڈیمین کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا'' اب اسے فون کرو اور کہو کہ شام کو مجھ سے گھر پر ملے۔ مگر ہاں...... اسے پیٹر کے فون کے بارے میں کچھ نہ بتانا۔''

ہاروے نے کندھے جھٹک دیئے'' جو تمہاری مرضی باس۔''

ڈیمین کمرے سے نکلا تو ہاروے ڈین قدرے پرسکون ہو گیا......

ہاروے ڈین اس رات آفس سے جلدی نکل آیا۔ اس کا دماغ خوف اور پریشانی سے دھندلا رہا تھا۔ وہ بے دھیانی سے ڈرائیو کرتا رہا۔ پہاڑی پر پہنچا تو تازہ ہوا نے دماغ کی دھندلاہٹ کو کچھ کم کر دیا۔

اسے خوشی تھی کہ وہ گھر جا رہا ہے۔ بس کاش وہاں ٹیلی فون نہ ہوتا...... ڈیمین تھورن سے کوئی رابطہ نہ ہوتا۔ بس وہ گھر میں داخل ہوتا، دروازہ بند کرتا اور باہر کی دنیا سے پوری طرح کٹ جاتا۔ وہ اور باربرا ڈنر کرتے اور جلدی سو جاتے باربرا ذہین ہے، قدامت پسند ہے۔ لیکن کوئی بات نہیں۔ وہ اسے بے حد محبوب بھی تو ہے اور وہ کھلی عورت ہے...... کوئی پیچیدہ بند گلی نہیں۔ یہ بہت بڑی خوبی ہے۔

اس نے کار گیراج میں پارک کی، گھر میں داخل ہوا اور سیڑھیوں کے نیچے کھڑے ہو کر آواز لگائی۔

کوئی جواب نہیں ملا۔

وہ کچن میں گیا۔ ڈائننگ روم میں دیکھا۔ مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ ممکن ہے، باربرا کہیں گئی ہوئی ہو۔ لیکن عام طور پر وہ جاتی تو کوئی اطلاعی نوٹ چھوڑ کر جاتی تھی۔

اس نے اپنے لئے ڈرنک بنایا اور سیڑھیاں چڑھ کر اپنی اسٹڈی میں گیا۔ اس نے دروازہ کھولا اور اندر کی افراتفری دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔

(جاری ہے)

باربرا کرسی پر بیٹھی تھی۔ بچہ اس کی گود میں تھا۔ فرش پر کاغذات ہی کاغذات بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی فائلنگ کیبنٹس کھلی تھیں۔ درازیں باہر نکلی پڑی تھیں۔

''یہ...... یہ سب کیا ہے......؟'' اس نے کراہتے ہوئے کہا اور آگے بڑھا۔

باربرا نے کرسی گھما کر اس کا سامنا کیا اور بچے کو سینے سے لپٹاتے ہوئے اس پر چلائی۔ اس کے چہرے پر دہکتی ہوئی نفرت تھی اور متورم آنکھوں میں آنسو تھے۔ ''میرے قریب مت آنا...... قاتل!'' وہ چلائی اور اس کے لہجے میں بے پناہ نفرت تھی۔

ہاروے ڈین گنگ ہو کر رہ گیا۔ اس نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔

''پاگل ہو گئی ہو؟'' ہاروے ڈین نے کہا اور آگے بڑھا۔

مگر باربرا نے ہاتھ بڑھا کر کاغذ کاٹنے والا چاقو اٹھایا اور تان لیا۔

ڈین گھبرا کر رک گیا۔ وہ شاک میں تھا۔ اس کا چہرہ سپید پڑ گیا تھا

''تم بچے کو انگلی بھی لگاؤ گے تو میں تمہارے ٹکڑے کر ڈالوں گی۔'' باربرا نے کہا۔ ''ویسے ہی جیسے تم نے ان معصوم بچوں کے ٹکڑے کئے ہیں۔''

ہاروے نے منہ کھولا۔ لیکن کوئی آواز نہیں نکلی۔

''سہ پہر کے وقت ایک پادری آیا تھا۔'' باربرا نے کہا۔ ''وہ مجھے ڈیمین تھورن کی طرف سے خبردار کرنے کے لئے آیا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ درحقیقت ڈیمین تھورن کون ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ ڈیمین نے 24 مارچ کو پیدا ہونے والے تمام بچوں کو قتل کرایا ہے ......اور یہ کہ میرا بچہ بھی خطرے میں ہے۔''

انکار کر دو...... تردید کر دو...... ڈین کا دماغ اسے تلقین کر رہا تھا۔ ہر بات کی تردید کر دو۔ پھر وہ بولا تو اس کی آواز بھرائی ہوئی، مکروہ آواز تھی۔ ''تم مجھے یہ بتا رہی ہو کہ تم نے کسی مذہبی جنونی کی بات پر یقین......''

''نہیں''۔ باربرا چاقو لہراتے ہوئے چلائی۔ ''مجھے ثبوت بھی مل گیا۔'' یہ کہہ کر اس نے مقتول بچوں کی پیدائشی اسناد کی نقول کا پلندہ لہرایا۔

اب اس کے جواب میں کیا کہا جا سکتا تھا۔ ہاروے ڈین نے سر جھکا اور یوں پلکیں جھپکائیں جیسے کسی نے اس کے جبڑے پر پوری طاقت سے گھونسہ دے مارا ہو۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کہے اور کیا کرے۔

باربرا اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا غصہ معدوم ہو گیا تھا۔ مگر اب اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔

''خدا کے لئے ہاروے...... تمہیں ڈیمین کو ختم کرنے میں اس پادری کی مدد کرنی چاہئے۔''

ہاروے نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور سر کو تفہیمی جنبش دی۔

اس کے اس ردعمل پر باربرا کا حوصلہ بڑھا۔ وہ اس کی طرف لپکی۔ ''پادری کا کہنا ہے کہ تم یہ کام کر سکتے ہو۔ کیونکہ ڈیمین تم پر بھروسہ کرتا ہے۔ پلیز ہاروے، اس پادری سے رابطہ کرو۔ خدا کے لئے ہاروے...... اور خدا کے لئے نہیں تو اپنے بیٹے کے لئے...... کچھ کرو ہاروے......''

ہاروے نے کھینچ کر اسے خود سے لپٹا لیا۔ بچہ مسکراتے ہوئے، ہاروے ڈین کے بال کھینچ رہا تھا۔

پہلے کیلی کی آنکھ کھلی۔ تہ خانے کے فرش پر وہ برہنہ پشت کے بل لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں، جو آٹھ انچ کی زنجیر کی مدد سے دیوار میں لگے ہک سے منسلک تھیں۔ کمرے کی افتادہ تر دیوار میں ایک کھڑکی تھی، جو بند تھی۔ ایک بھاری دروازہ تھا۔ وہ بھی بند تھا۔

اس نے سر گھما کر دیکھا۔ ڈیانا اس کے برابر ہی پڑی تھی اور وہ بھی اسی حال میں تھی۔ ایک کونے میں ان دونوں کے لباس پڑے تھے۔

پھر ڈیانا کو ہوش آنے لگا۔ ''ہم کہاں ہیں؟'' اس نے غنودہ آواز میں کہا۔

''ہم شاید جہنم میں ہیں پارٹنر۔'' کیلی نے جواب دیا۔

کیلی نے زور لگا کر دیکھا۔ مگر ہتھکڑیاں مضبوط تھیں۔ بس اتنی گنجائش تھی کہ وہ اپنے ہاتھ چار پانچ انچ تک اٹھا سکتی تھی۔ ''ہم نہایت اطمینان سے خود چل کر ان کے بچھائے ہوئے جال میں آ گئے۔'' اس کے لہجے میں تلخی تھی۔

''تم جانتی ہو، مجھے اس میں زیادہ بری بات کیا لگی؟''

کیلی نے کمرے کا جائزہ لیا اور سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''کیا کہہ سکتی ہوں۔''

''بدترین بات یہ ہے کہ وہ جیت گئے۔'' ڈیانا نے کہا۔ ''ہمیں معلوم ہے کہ انہوں نے ہمارے شوہروں کو کیوں قتل کیا اور ہمیں بھی اسی وجہ سے قتل کرنے والے ہیں۔ لیکن ہم یہ راز دنیا کو نہیں بتا سکتے۔ وہ صاف بچ نکلیں گے۔ ٹیمز نے ٹھیک کہا تھا۔ قسمت ہمارا ساتھ چھوڑ گئی ہے۔''

''نہیں...... ایسا نہیں ہے۔''

انہوں نے چونک کر دیکھا۔ دروازہ کھل گیا تھا اور ہیری فلنٹ اندر آ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے پلٹ کر دروازہ لاک کیا اور چابی اپنی جیب میں ڈال لی۔ ''حکم تھا تمہیں قتل کرنے کا۔ مگر میں تفریح کے بغیر تمہیں ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے میں نے گولی کے بجائے ڈارٹ استعمال کی...... اور وہ بھی محض بے ہوش کرنے والی۔'' وہ ان کے قریب آ رہا تھا۔

دونوں عورتوں نے پریشانی سے ایک دوسری کو دیکھا۔ ادھر فلنٹ مسکراتے ہوئے اپنے کپڑے اتار رہا تھا۔

پھر وہ ڈیانا کی طرف بڑھا۔ ''کیوں نہ تم سے اسٹارٹ لیا جائے......''

''ایک منٹ۔ پہلے مجھے نوازو ہینڈسم......''

ڈیانا نے وحشت سے کیلی کو دیکھا۔ ''کیلی......؟''

مگر کیلی اب فلنٹ کو اکسا رہی تھی...... مشتعل کر رہی تھی۔ پھر بہت نازک لمحوں میں کیلی کا داہنا ہاتھ اوپر اٹھا اور وہ اپنے چھجے جیسے بالوں کو ٹٹولنے لگی......

ڈیانا نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ یہ سب کچھ دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

کیلی نے اپنے بالوں میں سے وہ کنگھے جیسا کلپ نکال لیا، جس کے اسٹیل کے بے حد نکیلے اور تیز دھار والے، بے شمار دندانے تھے۔ وہ اپنا ہاتھ آخری حد تک اوپر لے گئی اور پھر پوری قوت سے اس کلپ کو ہیری فلنٹ کی گردن میں اتار دیا۔

فلنٹ نے چیخنا چاہا۔ لیکن اس کے منہ سے غرغراہٹ کے سوا کوئی آواز نہیں نکلی۔ اس کی گردن میں پندرہ بیس سوراخ ہو گئے تھے اور ان میں سے خون پتلے پتلے فواروں کی شکل میں نکل رہا تھا۔ پھر وہ الٹ کر ایک طرف گرا۔

ڈیانا نے آنکھیں کھولیں تو وہ نقشہ دیکھ کر حیران رہ گئی۔

''گھبراؤ نہیں، یہ مر چکا ہے۔'' کیلی نے اسے تسلی دی۔

''یہ...... یہ سب کچھ کیسے......؟''

کیلی مسکرائی۔ ''یہ سب میرے اس نئے ہیئر اسٹائل کے دم سے ہے۔ میں ہتھیار رکھنا چاہتی تھی۔ سو میں نے یہ قاتل کلپ بالوں میں لگایا اور اوپر سے بالوں کا چھجا بنوا لیا۔ وہی اس وقت کام آ گیا۔''

''مگر ہم یہاں سے نکلیں گے کیسے۔''

''دیکھتی رہو۔''

کیلی نے اب اپنی ٹانگ پھیلائی اور اسے فلنٹ کی پینٹ کی طرف بڑھایا۔ دو انچ کا فرق تھا۔ لیکن دس منٹ کی کوشش کے بعد اس نے اپنے سینڈل کی مدد سے فلنٹ کی پینٹ کو اپنے پاس کھینچ لیا۔

پینٹ کی جیب میں نہ صرف دروازے کی، بلکہ ان کی ہتھکڑیوں کی چابیاں بھی تھیں۔

ایک منٹ بعد وہ دونوں آزاد تھیں۔ پانچ منٹ انہیں کپڑے پہننے میں لگے۔ پھر انہوں نے دروازہ کھولا اور چند لمحے باہر کی سن گن لینے کے بعد تہ خانے سے نکل آئیں۔

وہ ایک سنسان اور طویل راہ داری تھی۔ ''کوئی راستہ بیک سائیڈ پر بھی تو نکلتا ہوگا۔'' کیلی نے کہا۔

ڈیانا نے سر کو اثباتی جنبش دی۔

''تم اس طرف کو جاؤ۔ میں ادھر جاتی ہوں۔''

(جاری ہے)

''نہیں۔ اب ہمیں جدا نہیں ہونا ہے۔'' ڈیانا نے جلدی سے کہا۔

کیلی نے تسلی دینے والے انداز میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''ٹھیک ہے پارٹنر۔ ہم ساتھ ہی رہیں گے۔''

آگے جا کر انہیں ایک پھسلواں راستہ نظر آیا۔ اس سے چڑھ کر وہ ایک گیراج میں پہنچیں۔ وہاں دو گاڑیاں موجود تھیں...... ایک جیگوار اور دوسری ٹویوٹا۔ ''انتخاب تمہیں کرنا ہے۔'' کیلی نے ڈیانا سے کہا۔

''جیگوار بہت نمایاں رہے گی۔ ٹویوٹا بہتر ہے۔''

''دعا کرو کہ چابی گاڑی میں لگی ہو۔''

چابی اگنیشن میں لگی تھی۔ ڈیانا نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

''جانا کہاں ہے؟'' کیلی نے پوچھا۔

''مین ہٹن۔ کیونکہ ابھی میرے پاس کوئی منصوبہ نہیں ہے۔''

''یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔'' کیلی نے گہری سانس لے کر کہا۔

''ہمیں سر چھپانے کے لئے کوئی ٹھکانہ ڈھونڈنا ہوگا۔ کنگسلے کو جب پتا چلے گا کہ ہم بچ نکلی ہیں تو وہ پاگل ہو جائے گا۔ پھر شاید ہم کہیں بھی محفوظ نہیں ہوں گے۔''

کیلی کچھ سوچ رہی تھی۔ ''جی نہیں...... ہم محفوظ رہیں گے۔''

ڈیانا نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ ''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے۔''

کیٹ بچپن ہی سے بے حد پر اعتماد تھی۔ اسے لوگوں سے کام لینا، اپنی بات منوانا آتا تھا۔ وہ بڑی ہوئی تب بھی یہ ہنر اس کے پاس تھا اور وہ بہت آزاد خیال تھی۔ وہ پیرس اور لندن میں رہی۔ اس نے متعدد مردوں سے دوستی کی۔ فرینک کو بھی اس نے خود ہی سمایا تھا۔ یہ الگ بات کہ فرینک اس کے گھر والوں کو بہت اچھا لگا تھا۔

فرینک کی موت کے بعد اس کے گھر والوں اور رشتے داروں کا خیال تھا کہ وہ ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ لیکن اس کی تو آنکھیں تک نہیں بھیگیں۔ اس کے بعد بھی اس کی زندگی میں تین مرد آئے...... اور تینوں اسی کا انتخاب تھے۔ اس نے انہیں منتخب کیا۔ ان کی قربت سے لطف اٹھایا اور پھر انہیں چھوڑ دیا۔ اس نے انہیں فرینک کے بارے میں بتایا ضرور تھا۔ لیکن اپنے دکھ تک ان کی رسائی نہیں ہونے دی تھی۔

تعلقات ختم ہونے کے بعد بھی ان تینوں سے اس کی دوستی برقرار رہی۔ وہ کہتی تھی...... پختگی کا یہی تقاضا ہے کہ تعلقات مکمل طور پر منقطع نہیں ہونے چاہئیں۔ اب کبھی کبھی اسے کسی ایسے تعلق کی ضرورت محسوس ہوتی تھی، جس میں جذبات کی حدت ہی نہیں، شدت بھی ہو۔ مگر وہ صرف ضرورت کے تحت کسی سے ہی تعلق قائم کر لینے کی قائل نہیں تھی۔

وہ خود پر قابو رکھنے والی، پر اعتماد اور پروفیشنل عورت تھی...... یہاں تک کہ اس کی ملاقات ڈیمین تھورن سے ہو گئی۔

وہ اس صبح سو کر اٹھی تو اسے ایک خواب کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے یاد تھے...... بے ربط سے...... دھندلے دھندلے سے۔ ایک لمحے کو تو اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے۔ پھر اسے وہ پاگل پادری یاد آیا اور اس کے دیوانے نظریات...... ناشتے کی میز پر وہ اپنا دھیان اخبار پر مرکوز کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ لیکن اس کی سماعت میں فادر ڈی کارلو کے الفاظ گونجتے رہے۔

اپنی میز پر پہنچتے ہی اس نے امریکی سفارت خانے فون کیا۔ اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ رابطہ ملنے پر وہ کیا کہے گی۔ لیکن اسے احساس تھا کہ اسے احتیاط اور رازداری سے کام لینا ہوگا۔

لیکن اس کا مسئلہ اپنے آپ ہی حل ہو گیا۔ ڈیمین تھورن موجود ہی نہیں تھا۔ اس نے ڈیمین کے لئے پیغام چھوڑا اور پھر اس کے خیال کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی۔ اس نے اپنی ڈاک دیکھی اور پھر اپنی ڈائری کو چیک کرنے لگی۔ لیکن اس کی توجہ میں ارتکاز نہیں تھا۔

(جاری ہے)

اس کا دماغ ایک ایسے بین جو کی طرح ہو رہا تھا، جس کے دو تار بہت کسے ہوئے ہوں اور دو بہت ڈھیلے۔ آدھے گھنٹے کے بعد اس نے ہار مان لی۔ کوشش کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ تجسس سے بے حال ہو رہی تھی۔ لیکن اس کی تشفی کی کوئی صورت نہیں تھی۔

اس نے اپنی ڈائری بند کی، میز سے اٹھی اور دو منزل اوپر واقع تراشوں کی لائبریری کی طرف چل دی۔ وہاں پہنچ کر اس نے ڈیمین تھورن کی فائل طلب کی۔

لائبریرین نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ ''تمہیں اس کے سوا کوئی اور نظر نہیں آتا؟''

وہ مسکرا دی۔

''اب اگر وہ تمہارے پروگرام میں آیا تو ہمیں تمہارے لئے حفاظتی سوٹ کا بندوبست کرنا پڑے گا۔''

وہ مسکراتی رہی۔ لوگ مذاق کرتے ہیں...... کرنے دو۔ اس کے بدلے میں ان کا تعاون ملتا ہے۔ یہی دنیا کا دستور ہے۔

اس نے فائل کو ابتدا سے چیک کیا۔ بالکل ابتدا میں ایک چھوٹی سی کہانی چیسا نامی عورت کی تھی۔ وہ ڈیمین کی آیا تھی۔ پیری فورڈ میں ایک پارٹی کے دوران وہ اپنے گلے میں پھندا ڈال کر جھول گئی تھی۔ اس نے خودکشی کی تھی۔ اس وقت ڈیمین تین سال کا تھا۔ جس تراشے میں وہ خبر تھی، وہ پیلا ہو گیا تھا اور اس کے ہاتھوں میں چٹخا جا رہا تھا، جیسے ابھی بکھر جائے گا۔

کیٹ کے جسم میں تھرتھراہٹ سی دوڑ گئی۔ اس نے ورق الٹا۔ اگلا کردار مسز کیتھی تھورن کا تھا۔ وہ برطانیہ میں امریکی سفیر رابرٹ تھورن کی بیوی تھی وہ اپنی دیہی حویلی میں اوراوپری منزل سے گر کر شدید زخمی ہوئی تھی۔ اس وقت وہ حاملہ تھی اور اس حادثے میں اس کا حمل ضائع ہو گیا تھا۔

کیٹ نے پھر ورق الٹا۔ ایک پراسرار حادثے میں کیتھی تھورن مر گئی تھی۔ وہ ایک اسپتال کی کھڑکی سے، کافی بلندی سے نیچے گری تھی اور فوراً ہی ختم ہو گئی تھی۔

''مائی گاڈ''۔ کیٹ نے گہری سانس لے کر کہا۔

پھر رابرٹ تھورن! اس کے متعلق تو کیٹ سب جانتی تھی۔ وہ تھورن فیملی کے المیے کی اہم ترین کڑی تھا۔ اس کے بعد تھورن انڈسٹریز کے پھیلاؤ اور وسعت کی کہانیاں تھیں۔ ان کی کاروباری سلطنت کس طرح وسیع تر اور مستحکم ہوتی گئی تھی۔

پھر بوسٹن کی ایک خبر...... ! رچرڈ تھورن کا سب سے معتبر دوست اور تھورن انڈسٹریز کا چیف ایگزیکیٹو ولیم ایتھرٹن تھورن کی حویلی کے باہر منجمد جھیل پر آئس ہاکی کھیلتے ہوئے برف چٹخ جانے کے نتیجے میں یخ بستہ پانی میں ڈوب کر مر گیا تھا۔

پھر ڈیوڈ پیساریان تھا...... تھورن انڈسٹریز کا زرعی ریسرچ کا چیف...... وہ بھی ایک حادثے میں ختم ہو گیا تھا۔ یہ حادثہ اس وقت پیش آیا تھا، جب ڈیمین کی کلاس کے لڑکے ریسرچ پلانٹ کا دورہ کر رہے ہیں۔ دوسری خبروں کی نسبت وہ مختصر خبر تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ اس وقت کے رپورٹر نے اس خبر کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔

کیٹ نے پلکیں جھپکائیں اور حیرت سے اپنی انگلی کے بالائی سرے پر چمکتے ہوئے خون کے ننھے قطرے کو دیکھا۔ ارے...... اسے پتا بھی نہیں اور وہ دانتوں سے ناخن کاٹ رہی ہے۔ بچپن میں ممکن ہے، کبھی ایسا ہوا ہو۔ لیکن اسے یاد تو نہیں آتا۔ یہ اس کی عادت تو نہیں ہے۔

اس نے پھر ورق الٹا......

ڈیمین کا کزن مارک تھورن موت کا اگلا شکار تھا۔ تیرہ سال کی عمر میں وہ گرا اور ختم ہو گیا...... پراسرار طور پر پوسٹ مارٹم رپورٹ کہتی تھی کہ اس کے دماغ کی ایک شریان پھٹ گئی تھی۔

''تیرہ سال''۔ کیٹ بڑبڑائی۔ ''وہ ڈیمین سے تقریباً ایک سال بڑا تھا''۔

(جاری ہے)

اب اس کی مزید کچھ پڑھنے کی اہمیت نہیں تھی۔ بہت پڑھ لیا تھا اس نے۔

اس نے واش روم جا کر اچھی طرح ہاتھ دھوئے۔ موت اور تباہی، المیہ، دراسرار، حادثات اور اموات جن کی ظاہری طور پر کوئی توجیہہ ممکن نہیں تھی۔ یہ عنوان تھے اس کہانی کے، جس کا ہیرو ڈیمین تھورن تھا اور پھر اسٹوڈیو میں وہ جلی ہوئی لاش، جس کی شناخت نہیں ہو سکی۔ وہ ایک اور معما تھا...... لا ینحل!

''کیٹ!'' کسی نے پکارا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ دروازے پر اس کا اسسٹنٹ کھڑا تھا۔

''ابھی امریکی سفارت خانے سے کسی ہاروے ڈین کا فون آیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سفیر صاحب سہ پہر کو تمہیں اپنے گھر پر ملیں گے''۔

کیٹ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اپنے ہاتھ خشک کرنے لگی۔ اسے اپنے اندر ایک عجیب سا ہیجان مچلتا محسوس ہو رہا تھا۔ عجیب سی بات تھی۔ اس کا یہ ردعمل کسی اسکول گرل کا سا تھا۔ اس نے آئینے میں اپنے عکس کو دیکھ کر زبان چڑائی۔ پھر وہ سیٹی بجانے لگی۔

اپنی میز پر پہنچ کر اس نے پھر ڈائری کا جائزہ لیا۔ اگر وہ ہیری فورڈ جاتی ہے تو اس کیلئے اسے اپنی دو ملاقاتیں کینسل کرنی پڑیں گی۔ لیکن یہ کیا جا سکتا ہے وہ ملاقاتیں بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔ بس اسے اپنے پروڈیوسر کو قائل کرنا ہوگا۔ وہ کہے گی کہ اضافی ریسرچ کی خاطر ڈیمین سے ملنا ضروری تھا۔

اس نے سوچا کہ وہ پروڈیوسر کو تو قائل کر سکتی ہے لیکن خود کو نہیں۔ ڈیمین تھورن سے ملنا پروفیشنل اعتبار سے بالکل ضروری نہیں تھا وہ صرف اس لئے جا رہی تھی کہ ڈیمین اس سے ملنا چاہتا تھا۔ بس یہ سادہ سی بات تھی۔

مغربی لندن کے مضافاتی علاقے میں موٹروے کی طرف ڈرائیو کرتے ہوئے وہ گنگنا رہی تھی لیکن موٹروے پر پہنچ کر اس نے ریڈیو بند کر دیا۔ اس کا گنگنانا بھی موقوف ہو گیا تھا۔ اب وہ یہ سوچ رہی تھی کہ ڈیمین سے کیا گفتگو کرے گی۔

''رات ایک پادری مجھ سے ملنے آیا تھا''۔ اس نے تصور میں ڈیمین سے کہا۔

''اوہ؟''

''ہاں۔ اور وہ کہہ رہا تھا کہ تم شیطان کے بیٹے ہو؟''

''کون شیطان؟'' اس نے قہقہہ لگایا۔ ''اچھا'' تمہیں بچوں کی اموات کے کیس کے بارے میں معلوم ہے؟

''ہاں''۔

''تمہیں معلوم ہے کہ تمام مرنے والے لڑ بچے 24 مارچ کے پہلے لمحے اور صبح چھ بجے کے درمیان پیدا ہوئے تھے؟''

''اچھا......! یہ تو بڑی عجیب سی بات ہے؟''

''تمہارے ساتھ کوئی چکر ہے ڈیمین؟''

''کیسا چکر؟''

''دیکھو نا، تمہارے اردگرد لوگ مرتے رہتے ہیں......''۔

وہ ہنس دی۔ لیکن ایک بے رحم سفاک حقیقت نمایاں ہو چکی تھی۔ ایک لمحے کو اس نے سوچا کہ وہ پلٹ جائے۔ سمجھداری کا تقاضہ یہی تھا کہ وہ اب ڈیمین سے کبھی نہ ملے۔ لیکن یہ خیال اس کے ذہن کو چھو کر فوراً ہی معدوم ہو گیا۔ وہ بدستور ڈرائیو کرتی رہی۔ وہ سوچوں میں گم تھی۔ مگر راستے کا اسے پوری طرح ہوش تھا۔ ایگزٹ نائن سے اس نے ٹرن لیا اور گاؤں کی طرف جانے والے بی روڈ پر گاڑی ڈال دی۔

جاگیر کے گیٹ پر سیکورٹی گارڈ نے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور کہا کہ اندر اس کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ اندر اس نے پورچ میں اپنی گاڑی روکی۔ بٹلر جارج وہاں اس کا منتظر تھا۔ اس نے احتراماً سر خم کیا اور اسے اندر لے گیا۔ کیٹ کے جسم میں تھرتھراہٹ سی تھی۔ شاید یہاں نسبتاً زیادہ سردی تھی۔

''سفیر صاحب اپنی اسٹڈی میں ہیں''۔ بٹلر نے کہا۔

''شکریہ''۔ کیٹ نے کہا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ بڑے لوگوں کے کتنے ملازم ہوتے ہیں...... اور اتنے ملازموں کا ہونا کتنا اچھا لگتا ہے۔ بٹلر، باورچی، ذاتی خدمت گار، شوفر......

''کیٹ...... تمہاری آمد کا شکریہ''۔ ڈیمین اٹھا اور اپنی ڈیسک کے گرد سے گھوم کر آیا۔ اس نے کیٹ کے رخسار پر بوسہ دیا۔ ''میں تمہارے لئے کوئی ڈرنک بناؤں''۔

''نہیں شکریہ۔ اس وقت کار کی ہیٹنگ کی وجہ سے دماغ سن ہو رہا ہے''۔

''تو باہر کھلی ہوا میں چہل قدمی کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''ضرور۔ کیوں نہیں''۔

ڈیمین نے سوئیڈ کی ایک جیکٹ اٹھائی اور اسے پہننے لگا۔ کیٹ اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ بہت خوب رو آدمی تھا۔ وہ سوچتی رہی کہ کالج کے زمانے میں بھی اور اس کے بعد بھی کتنی لڑکیاں اس پر ملتفت ہوئی ہوں گی۔ لیکن کبھی کوئی اسکینڈل نہیں بنا کسی لڑکی کا نام اس سے منسوب نہیں کیا گیا۔

ڈیمین نے جیکٹ کی زپ لگائی اور ایک بے ساختہ جماہی کا گلا گھونٹا۔ غور سے دیکھنے پر وہ بہت تھکا تھکا اور نڈھال نظر آیا۔ ایسا کیوں ہے؟ کیٹ نے سوچا۔ وہ اس سے وجہ پوچھنا چاہتی تھی۔ مگر اس نے خود کو روک لیا۔ ذاتی معاملے میں کیوں دخل دیا جائے مگر پھر بھی اس نے سوچا کہ کم از کم ڈیمین کو نچوڑے ہوئے گنے جیسا تو نہیں لگنا چاہئے کیونکہ سفیر کا کام اتنا سخت اور اعصاب شکن تو ہرگز نہیں ہوتا لیکن شاید یہ اس لئے ہے کہ وہ بہ یک وقت دو کام کر رہا ہے۔ اسے یاد تھا، اس نے انٹرویو میں اس سے یہ بات پوچھی تھی مگر وہ پہلو بچا گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ دونوں کاموں کی نوعیت میں کوئی تصادم نہیں ہے اور اگر کبھی ایک کام کی وجہ سے دوسرا متاثر ہونے لگا تو وہ کسی ایک پوسٹ سے استعفا دے دے گا۔

لیکن ایسی نوبت آنے پر وہ کون سی پوسٹ چھوڑے گا؟ کیٹ نے پوچھا تھا۔

اس پر وہ صرف مسکرا دیا تھا۔ جیسے اس کے نزدیک یہ سوال غیر اہم اور بچکانہ ہو۔

وہ دونوں دروازہ کھول کر ٹیرس پر آئے۔ وہاں سے لان میں چلے آئے۔ ڈیمین اسے وہ جگہیں دکھاتا رہا، جہاں وہ بچپن میں کھیلتا رہا تھا۔ وہاں سے کیٹ نے پلٹ کر حویلی کی طرف دیکھا۔ وہ کون سی جگہ ہوگی، جہاں سے آیا چیسا نے کود کر خودکشی کی تھی۔

ڈیمین اسے روز گارڈن میں لے گیا۔ گارڈن کے اس سرے پر ایک جنگلا تھا۔ وہاں سے ایک ڈھلوانی راستہ دریا کی طرف جاتا تھا۔ ڈیمین ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ کیٹ سوچتی رہی کہ آخر وہ یہ بات کب کرے گا، جس کیلئے اس نے مجھے یہاں بلوایا ہے مگر اس وقت تو وہ بس ایک میزبان اور گائیڈ کا کردار انجام دے رہا تھا جنگلے کے پاس پہنچ کر انہوں نے پلٹ کر حویلی کو دیکھا۔

''پتا ہے، میں امریکا کا صدر بن گیا تو سب سے پہلے کیا کروں گا؟'' ڈیمین نے کہا۔ ''میں اس پوری جاگیر کو یہاں کی ہر چیز اور تمام یادوں سمیت اٹھوا کر امریکا لے جاؤں گا''۔

کیٹ نے ظاہری بدمزگی سے اسے دیکھا۔ ''لیکن سب سے پہلے میں تمہارے اس ارادے کی مذمت کروں گی''۔ اس نے کہا۔ ''تم لوگ پہلے ہی لندن برج کو یہاں سے لے جا چکے ہو''۔ اب وہ انگلیوں پر گن رہی تھی۔ ''تم کوئین میری کو بھی لے جا چکے۔

(جاری ہے)

اور......'' اب وہ ذہن پر زور دینے کی اداکاری کر رہی تھی'' ......اور تم اسی طرح یہاں سے مقامات اٹھا کر لے جاتے رہے تو ہمارے پاس دھند کے سوا کچھ بھی نہیں بچے گا اور آج کل تو دھند کی حالت بھی پتلی ہے''۔

ڈیمین ہنسنے لگا۔

''خیر چھوڑو۔ یہ بتاؤ، تمہیں انگلینڈ سے ایسی محبت کیوں ہے؟''

''میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ شاید یوں ہے کہ آدمی نے جہاں بچپن گزارا ہوتا ہے، اس جگہ سے اسے قدرتی طور پر بہت محبت ہوتی ہے۔ اور میرا تو بچپن یہاں دفن ہے۔ مجھے اس جگہ سے بہت محبت ہے''۔

کیٹ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا کہ کہیں وہ دکھاوا تو نہیں کر رہا ہے مگر وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکی۔ ڈیمین حویلی کی دیواروں کو بڑی محبت سے دیکھ رہا تھا۔

''میرا خیال ہے، میرے والد گرین لینڈ کے سفیر ہوتے تو میں بھی گرین لینڈ کا سفیر بننے کو ترجیح دیتا''۔ ڈیمین نے کہا اور مسکرا کر کیٹ کو دیکھا۔ ''کیا پتا کہ اس صورت میں، میں کسی اگلو میں رہ رہا ہوتا''۔ ڈیمین نے کیٹ کا ہاتھ تھاما اور لان میں چہل قدمی کرنے لگا۔'' یہاں میں نے اپنی زندگی کے خوش گوار ترین دن گزارے ہیں۔ یہاں میں نے بہت خوشیاں پائیں۔ وہ میرا معصومیت کا عرصہ تھا۔ پھر اس کے بعد......'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ مگر اس کا موڈ تبدیل ہوگیا تھا۔ '' آؤ......میں تمہیں دریا دکھاؤں، جہاں بوڑھا نک رہتا ہے......''

''کون بوڑھا نک''۔

لیکن ڈیمین پہلے ہی جنگلا پھلانگ کر دوسری طرف اتر چکا تھا۔ پھر وہ دریا کی طرف جانے والے ڈھلوانی راستے پر اترنے لگا۔

اوپر خدا اور نیچے بوڑھا نک اور شیطان کا بیٹا۔ کیٹ نے سوچا۔ دیکھیں، آگے کیا ہو۔ اس نے جنگلا پھلانگا اور لڑکھڑاتی ڈیمین کے پیچھے چل دی۔ اسے خیال آیا کہ ڈیمین نے پیٹر کے بارے میں پوچھا بھی نہیں۔ یہ تو غیر معمولی بات ہے اور دوسری طرف صبح سے اب تک اسے ایک بار بھی پیٹر کا خیال نہیں آیا۔ اسے احساس جرم ہونے لگا۔

ڈیمین دریا کے کنارے لکڑی کے بنے اس محرابی پل پر کھڑا تھا، جو دریا میں کچھ دور تک چلا گیا تھا۔ وہ نیچے گہرے پانی کو دیکھ رہا تھا، کیٹ وہاں پہنچتے پہنچتے ہانپ گئی۔ اس نے سہارے کے لئے ریلنگ کا پول تھام لیا۔

''وہ یہیں کہیں ہے......نیچے، پانی میں''۔ ڈیمین نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

کیٹ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ڈیمین کس کی بات کر رہا ہے......کوئی سینگوں والا بھوت، کوئی عجوبہ؟ '' کیا کہہ رہے ہو؟''

''میں بوڑھے نک کی بات کر رہا ہوں''۔

''وہ ہے کون؟''

''دنیا کی سب سے بڑی پائیک''۔

''اوہ......مچھلی؟'' کیٹ کو بے وقوف بننے کا احساس ہونے لگا۔

''اب تک تو وہ چالیس سال کا ہو چکا ہوگا۔ میں نے جب پہلی بار اسے دیکھا تو میں چار سال کا تھا۔ اس وقت سے میری اور اس کی گہری دوستی ہے''۔

''تمہیں معلوم ہے کہ یہاں بوڑھا نک شیطان کو کہا جاتا ہے''۔ کیٹ نے بے ساختہ کہا۔ الفاظ جیسے بے اختیار اس کی زبان سے پھسل گئے تھے۔

''ہاں، میں جانتا ہوں۔ سینگا مچھلی کیلئے یہ زبردست نام ہے''۔

کیٹ ردعمل پر نظر رکھنے کے لئے اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ ''تم خدا پر یقین رکھتے ہو؟''

اس بار بھی الفاظ اس کی زبان سے پھسلے تھے۔ لیکن ایسا لگتا تھا کہ ڈیمین نے سنا ہی نہیں اور سنا تو اہمیت نہیں دی۔ وہ مسکرایا اور دوبارہ جھک کر پانی کو دیکھنے لگا۔'' وہ......وہ دیکھو۔ وہ رہا بوڑھا نک''۔ وہ چلایا۔

''کہاں؟'' کیٹ بھی آگے کی طرف جھکی۔ وہ اس کی انگلی کے اشارے کی سمت دیکھ رہی تھی۔

''وہ......وہ دیکھو''۔

(جاری ہے)

کیٹ اور آگے جھکی۔ اسی لمحے اسے لکڑی کے ٹوٹنے کی آواز سنائی دی اور آگے ہی لمحے وہ سر کے بل گرنے لگی۔ پانی میں گرنے سے پہلے اسے چیخنے کا موقع بہر حال مل گیا تھا۔ پھر وہ پانی میں گری اور ہاتھ پاؤں چلانے لگی۔ اسے لگا کہ وہ سیدھی سینگا مچھلی کے کھلے ہوئے جبڑے میں گرے گی۔ مگر پھر سرد پانی میں ایسا شاک لگا کہ وہ سانس لینا بھی بھول گئی۔ اس کے نتیجے میں کافی مقدار میں پانی اس کے پیٹ میں چلا گیا۔ وہ سطح پر ابھری تو اس کے منہ سے وھیل مچھلی کی طرح پانی کا فوارہ نکلا۔ اس نے سر اٹھا کر دھندلائی ہوئی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ پچاس گز دور سے پانی کا ایک بھاری ریلا اسے اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ اس نے پھر غوطہ لگایا۔ اسے لگا کہ اس کے پیروں نے زمین کو چھو لیا ہے۔ پھر آبی جھاڑیوں اس کی پنڈلیوں سے لپٹنے لگیں۔ اس نے گھبرا کر ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے اور دوبارہ ابھرنے لگی۔

وہ دوبارہ سطح آب پر ابھری تو ڈیمین اسے گھور رہا تھا۔ اسے لگا کہ وہ مسکرا رہا ہے۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ پانی میں رہنے کی وجہ سے اس کی نگاہ دھندلا رہی ہے۔ ممکن ہے، یہ فریب نظر ہے۔ وہ تھوڑا سا آگے بڑھی اور اس نے جنگلے کے ٹوٹے ہوئے پول کے نچلے حصے کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ پانی کا بہاؤ بہت تیز تھا۔ وہ اس پول سے بری طرح چمٹ گئی۔ صرف اسی صورت میں وہ محفوظ تھی۔ وہ ڈوبتے ڈوبتے بچی تھی اور سرد پانی نے اسے ٹھٹھرا کر رکھ دیا تھا۔

ڈیمین گھٹنوں کے بل بیٹھ کر آگے کی طرف جھکا اور اس کی کلائی تھام لی۔ کیٹ نے ٹوٹے ہوئے پول کو چھوڑ دیا۔ ڈیمین نے اسے اوپر کھینچ لیا۔ وہ برج پر بے سدھ لیٹ گئی۔ اس کے کانوں میں جو پانی بھر گیا تھا، اس کی وجہ سے اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ اٹھی اور اس نے جھرجھری سی لی۔ چاروں طرف پانی کی پھواریں سی برس گئیں۔

''تمہارے کپڑے تر ہو گئے ہیں۔ تمہیں خشک کپڑوں کی ضرورت ہے''۔ ڈیمین نے اس ک کان میں سرگوشی کی۔ پھر اس نے اپنی باہوں میں لپٹایا اور سہارا دے کر اسے اوپر جنگلے کی طرف لے چلا......

............☆☆☆............

وہ آتش دان کے سامنے بیٹھی آتش دان میں بھڑکتے ہوئے شعلوں کو دیکھتی رہی۔ ساتھ ہی وہ بالوں میں کنگھا بھی لہرا رہی تھی۔ اب جبکہ وہ صدمے سے سنبھل چکی تھی تو اسے جب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ سامنے برانڈی کا جام رکھا تھا۔ اس نے جام اٹھا کر چند چھوٹے چھوٹے گھونٹ لئے۔ پانی نے اس کی جلد کو ایسا نرم کر دیا تھا کہ غسل کے بعد کے لبادے سے بھی اسے اپنی جلد چھلتی محسوس ہو رہی تھی۔ دوسری طرف آتش دان کی حدت سے اپنی پنڈلیوں اور پیروں کی جلد ترختی محسوس ہو رہی تھی۔

اس کے تصور میں ڈیمین کا چہرہ ابھر آیا۔ وہ جیسے اسے چیلنج کر رہا تھا...... مجھ سے بچ سکتی ہو تو بچ کر دکھاؤ۔ ویسے اسے کبھی پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔ دراصل ڈیمین تھورن کی ہر بات میں اسرار تھا۔ وہ بس اتنا سمجھ سکتی تھی کہ یہ وہ شخص ہے، جس کے سامنے اس کی فعالیت مکمل طور پر ختم ہو جاتی ہے۔ وہ دنیا میں واحد مرد تھا، جس کے پاس یہ طاقت موجود تھی، جو اسے فاعلیت سے مفعولیت تک لے آئی تھی۔ اگر وہ یہ بات اپنی ان سہیلیوں سے کہہ دیتی جو خود پسند اور خود مختار مزاج رکھتی تھیں، تو ان بے چاریوں کے دل بگڑ جاتے۔ ویسے تو یہ بات خود اسے بھی اچھی نہیں لگی تھی۔

لیکن کیٹ کبھی اپنے شعور اور وجود کے درمیان پردے حائل رکھنے کی قائل نہیں رہی تھی اور اندر کی بات یہ تھی کہ یہ خیال کہ ڈیمین کو اپنی پوری ذمے داری سونپ سکتی ہے۔ وہ اپنا کنٹرول اسے سونپ دے، ڈیمین ڈوریاں ہلاتا...... کٹھ پتلی کی طرح اسے نچاتا رہے، یہ اسے ایک بہت بڑی عیاشی لگتی تھی، اس میں اسے خوشی کا احساس ہوتا تھا۔ اس سے پہلے اس نے کبھی کسی مرد کے بارے میں اس انداز میں نہیں سوچا تھا۔ حد یہ کہ فرنیک کے بارے میں بھی یہ اسے گوارا نہیں رہا تھا۔ ڈیمین پہلا مرد تھا، جسے وہ یہ حیثیت دے رہی تھی۔

اس نے کمرے میں ڈیمین کے داخل ہونے کی آواز سنی، لیکن سر گھما کر اسے نہیں دیکھا۔

''یہاں کوئی ایسا کپڑا ملنا تو مشکل ہے، جو تمہارے فٹ آئے۔'' ڈیمین نے کہا۔ وہ اب اس کے پہلو کے بہت قریب تھا۔ مگر وہ بدستور آتش دان کے شعلوں کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ شعلوں کی روشنی میں اس کا چہرہ گلابی لگ رہا تھا۔ ڈیمین کے ہاتھ میں ایک گرین شرٹ تھی۔ ''کام چل جائے گا۔'' وہ بولی۔

''گرین چاہئے یا گرے، اس کا انحصار تمہارے موڈ پر ہے۔'' ڈیمین کے لہجے میں معنویت تھی۔

کیٹ نے شرٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ لیکن شرٹ کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے ڈیمین کے ہاتھ کو چھو لیا۔ شرٹ نیچے فرش پر گر گئی۔

''اس وقت تو میں خود کو اس پروانے کی طرح محسوس کر رہی ہوں جو خطرناک حد تک شمع کی لو کے قریب آ گیا ہے۔'' اس نے کہا۔

ڈیمین اسے دیکھ کر مسکرایا۔ پھر اس نے اپنی انگلی سے اس کی ہتھیلی پر ایک غیر مرئی دائرہ بنا دیا۔ ''سوال یہ ہے کہ پروانہ کون ہے؟'' اس نے کہا۔

............☆☆☆............

وہ اس ممنوعہ شجر کے بہت قریب پہنچ گئی تھی...... ڈیمین کے ساتھ۔ مگر پھر ڈیمین اچانک ہی کھنچ سا گیا...... دور ہو گیا۔ ''کیا ہو گیا تمہیں؟ آؤ نا......'' اس نے اس کے کندھے تھام کر اسے اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی۔

لیکن ڈیمین جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ چہرے پر اذیت کا تاثر تھا۔

''کیا بات ہے ڈیمین؟'' اس نے اسے جھنجوڑ ڈالا۔

مگر ڈیمین اور پیچھے ہٹ گیا۔ وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

''پلیز ڈیمین......'' اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ آگ کے شعلوں پر یہ برف کیسی آ گری؟ سب کچھ کتنا اچھا لگ رہا تھا۔ اب وہ رک کیوں گیا ہے......؟ اب تو کوئی گنجائش نہیں ہے رکنے کی......

''کچھ فائدہ نہیں۔'' ڈیمین نے کراہتے ہوئے کہا۔ ''میں محبت نہیں کر سکتا...... نہیں کروں گا۔''

''ڈیمین پلیز...... مجھ سے محبت کرو۔'' وہ گڑگڑائی۔ شدت کے ان لمحوں میں مایوسی میں گھرا اس کا ذہن بہت تیزی سے سوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ڈیمین اسے اس مقام تک لا کر پیچھے ہٹ رہا تھا، جہاں سے واپسی ناممکن ہوتی ہے۔ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے...... اور اسے خود کیا کرنا چاہئے۔ لوگوں میں ان معاملات میں عجیب عجیب سی کجی ہوتی ہے۔ کہیں ڈیمین میرے منہ سے خراب...... گندی زبان تو نہیں سننا چاہتا۔ کچھ لوگوں کو اس میں لذت ملتی ہے۔ لیکن وہ چاہنے کے باوجود کبھی زبان سے ایسے لفظ ادا نہیں کر سکی تھی۔ لفظ جیسے اس کے حلق میں پھنس جاتے تھے۔

اب ڈیمین اس کے اوپر جھکا اسے گھور رہا تھا۔ اس کے دانت نمایاں ہو رہے تھے۔ اپنے تصور میں اسے ڈیمین کی آنکھیں زرد لگ رہی تھیں۔ ''جو مجھے نظر آتا ہے، وہ دیکھنا چاہتی ہو تم؟'' وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

کیٹ نے نفی میں سر ہلایا۔ اس وقت اسے بس ایک غرض تھی، اور کچھ بھی نہیں۔ ''میں...... میں بس تمہیں چاہتی ہوں......'' اس کے لہجے میں التجا تھی...... پکار تھی۔ مگر وہ پیچھے ہٹ گیا...... جیسے کہیں دور چلا گیا ہو۔ وہ اس کی نسوانی انا کو مجروح کر رہا تھا...... وہ اس کی پکار کو نظر انداز کر رہا تھا۔

اسی لمحے ڈیمین نے بالکل اچانک اور بے حد سختی کے ساتھ پکڑ کر الٹا لٹا دیا۔ اب اس کا چہرہ تکیے میں دھنسا جا رہا تھا اور پھر اس پر ڈیمین کا پورا بوجھ آ پڑا۔ پہلے تو چند لمحے وہ کچھ بھی نہ سمجھ پائی اور جب اس کی سمجھ میں آیا تو وہ تھرا کر رہ گئی۔

''نہیں ڈیمین...... نہیں...... یہ غلط ہے...... بے راہ روی ہے۔'' اس نے فریاد کی۔

''یہ سب بے وقوف بنانے والی باتیں ہیں۔'' ڈیمین غرایا۔ ''میں خواہش دینے والے کو پابندی لگانے والے سے بڑا مانتا ہوں''

کیٹ نے سر اٹھایا اور بیڈ کا سرہانا تھام کر اسے جھٹکنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اس کے بس کا نہیں تھا اور شرمناک بات یہ تھی کہ اب اس کے اندر مزاحمت بھی نہیں رہی تھی۔ اس نے سپر ڈال دی تھی۔

''اذیت بڑی چیز ہے۔'' ڈیمین نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ ''پیدائش اذیت، موت بھی اذیت۔ اذیت میں ہی تو حسن ہے......''

''ڈیمین، میں تم سے محبت کی بھیک مانگتی ہوں۔ یہ محبت نہیں، بے راہ روی ہے۔'' وہ پھر گڑگڑائی۔

''کس دور میں جی رہی ہو تم۔ یہ میرے نظریات کا عہد ہے۔ انسان نے مرد سے مرد کی شادی کے حق میں قانون بنا لیا ہے......''

''یہ تباہی کا سامان ہے......''

''تباہی میں بھی اذیت ہے۔ محبت میں بھی اذیت ہے اور اذیت میں حسن ہے۔''

''تم خدا سے نفرت کرتے ہو؟''

''نہیں۔ میں تو اس سے محبت کرتا ہوں۔'' اس کی ہنسی بے حد مکروہ تھی۔ ''اسی لئے تو میں اسے اذیت دیتا ہوں۔ وہ اپنی مخلوق کو اس عالم میں دیکھتا ہے تو اس کے غضب کی کوئی حد نہیں ہوتی اور غصے میں بھی اذیت ہے۔ جو میں کر رہا ہوں...... ہر جگہ انسان مر رہے ہیں، اس میں زمین کے لئے بھی اذیت ہے، آسمان کے لئے بھی، کائنات کی ہر شے کے لئے اس میں اذیت ہے، اس کی ہر تخلیق اذیت میں ہے تو وہ خود بھی اذیت میں ہے اور جب اس کا غضب پہاڑوں کو گرا دے گا، زمین کو پھاڑ دے گا، سمندروں کو اچھال دے گا، اپنی ہر تخلیق کو خود ہی فنا کر دے گا تو اسے کیسی اذیت ہو گی۔ یہی تو میں چاہتا ہوں۔ میں اسے شکست دینا چاہتا ہوں۔ اس نے میرے باپ کو ملعون بنا دیا جس کے لئے بنایا، اب وہ اسے دیکھے کہ وہ کتنا گرا ہوا ہے۔ اس کا کتنا نافرمان ہے۔ میں اس کا فرماں بردار تھا، اطاعت شعار تھا، اس کی وحدانیت سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ میں نے اس کی عبادت کی۔ اس نے زبردستی مجھے نافرمان بنایا......... اس کی خاطر! اب خود دیکھ لے......

لیکن کیٹ کے ہوش و حواس اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے......

............☆☆☆............

کیٹ کی آنکھ کھلی تو کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ٹٹولا۔ مگر بستر خالی اور سرد تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر وہ اٹھی۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنے جسم کے کھرونچے دیکھے۔ اس کے جسم میں تھرتھری سی دوڑ گئی۔ وہ کمرے سے نکل آئی۔

راہداری میں وہ ڈیمین کو پکارتی رہی۔ مگر وہاں خالی پن اور سناٹے کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ دبے پاؤں گیلری میں گئی اور نیچے ہال میں جھانکا باہر رات کی تاریکی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

پانچ منٹ کی تلاش کے بعد وہ اسے حویلی کی چیپل میں ملا۔ اس نے معبد کا دروازہ کھولا تو پہلے تو اندھیرے میں اسے کچھ بھی نظر نہیں آیا۔ بس صلیب پر کیلوں سے گاڑا ہوا مسیح کا سفید وجود اسے نظر آ رہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر لرز گئی۔ وہ چرچ میں نظر آنے والی عام شبیہہ نہیں تھی۔ اس میں تو بڑی تضحیک تھی۔

پھر اس کی نظریں اندھیرے سے ہم آہنگ ہوئیں تو وہ اسے نظر آیا۔ وہ صلیب کے عین نیچے بالکل برہنہ لیٹا سو رہا تھا۔ اس کے گھٹنے اپنے سینے سے جا لگے تھے۔

''ڈیمین؟'' اس نے سرگوشی میں اسے پکارا۔ لیکن وہ ہلا بھی نہیں۔

وہ دبے قدموں آگے بڑھی۔ اس کے پاس پہنچ کر وہ جھکی۔ اس نے اسے چھوا۔ اس کا جسم سرد ہو رہا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے بالوں میں انگلیاں لہرائیں۔ پھر اس نے سر اٹھا کر صلیب پر مصلوب شبیہہ کو دیکھا۔ پھر اس نے سر جھکایا تو اس کی انگلیاں ڈیمین کے بالوں کو ہٹا چکی تھیں اور اس کے بالوں کے نیچے چھپا درندے کا نشان صاف دکھائی دے رہا تھا۔

666! تین چھکے!!

وہ ایک لمحہ آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی۔ پھر وہ اٹھی، پلٹی اور واپس چل دی۔ اس نے ایک بار بھی پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اب وہ بری طرح سسک رہی تھی، آنسو بڑی روانی سے اس کے رخساروں پر پھسل رہے تھے۔

اندر اندھیرے میں ڈیمین نے آنکھیں کھول دیں۔ آنکھیں کیا، وہ دہکتے ہوئے زرد انگارے تھے!

............☆☆☆............

وہ مین ہٹن سے 25 میل دور ایک چھوٹے سے پرسکون امریکی قصبے وہائٹ پلینز کی طرف جا رہی تھیں۔ کار اب قصبے میں داخل ہو رہی تھی۔

''جگہ تو یہ اچھی ہے۔ لیکن ہم یہاں آئے کیوں ہیں؟ ڈیانا نے پوچھا۔

''یہاں میری ایک دوست ہے۔ وہ ہمیں پناہ دے گی۔

''مجھے اس کے بارے میں بتاؤ۔''

''میری ماں نے ایک شرابی سے شادی کی تھی، جس کی سب سے بڑی خوشی میری ماں کی مرمت کرنا تھا۔'' کیلی نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''جب میں ماں کو سہارا دینے کے قابل ہو گئی تو میں نے ماں کو اس شخص سے نجات حاصل کرنے پر رضامند کر لیا۔ (جاری ہے)

میری ایک ماڈل دوست نے مجھے اس جگہ کے بارے میں بتایا۔ یہاں ایک گیسٹ ہاؤس ہے۔ گریس سیڈ نامی ایک بہت پیاری خاتون کا ہے وہ۔ میں اپنی ماں کو سوتیلے باپ سے بچا کر یہاں لے آئی۔ ماں کیلئے اپارٹمنٹ ملنے تک میں نے اسے گیسٹ ہاؤس میں رکھا۔ یہاں میں ماں سے ملنے ہر روز آتی تھی۔ میری ماں یہاں بہت خوش تھی۔ کچھ مہمان ان کے دوست بھی بن گئے تھے۔ پھر جب مجھے اپارٹمنٹ مل گیا تو میں ماں کو واپس لے جانے کیلئے آئی......'' کیلی اچانک خاموش ہوگئی۔

ڈیانا چند لمحے اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی۔ پھر اس نے پوچھا۔ ''پھر کیا ہوا؟''

''ماں مجھے نہیں ملی۔ وہ اپنے اسی شوہر کے پاس واپس چلی گئی تھی۔ لو...... یہ آ گیا گیسٹ ہاؤس۔''

.................xxx.................

گریس سیڈل کی عمر پچاس کے لگ بھگ ہوگی۔ وہ بے حد تندرست و توانا اور محبت کرنے والی خاتون تھی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ کیلی کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پر روشنی پھیل گئی۔ ''کیلی...... آج میرے لئے بہت مبارک دن ہے۔'' اس نے کیلی کو لپٹاتے ہوئے کہا۔

''یہ میری دوست ڈیانا ہے...... ڈیانا اسٹیونز۔'' کیلی نے ڈیانا کا تعارف کرایا۔

''چلو...... تمہارا کمرا تیار ہے۔'' گریس نے ڈیانا سے ہاتھ ملانے کے بعد کہا۔ ''وہی تمہاری ماں والا کمرا۔ میں نے اس میں اضافی بیڈ ڈلوا دیا ہے۔''

کمرے کی طرف جاتے ہوئے وہ لوگ ڈرائنگ روم کے پاس سے گزریں۔ وہاں دس بارہ عورتیں موجود تھیں۔ کچھ تاش کھیل رہی تھیں اور کچھ آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔

''کتنے دن ٹھہرو گی تم!'' گریس نے پوچھا۔

کیلی اور ڈیانا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ''کچھ کہہ نہیں سکتی۔'' کیلی نے جواب دیا۔

گریس مسکرائی۔ ''کمرا تمہارا ہے۔ جب تک دل چاہے رہو۔

اور کمرا خوبصورت اور صاف ستھرا ہے۔

گریس کے جانے کے بعد کیلی نے ڈیانا سے کہا۔ ''یہاں ہم محفوظ رہیں گے۔ مگر یہ تو سوچو کہ انہوں نے ہمیں قتل کرنے کی کتنی بار کوشش کی......''

''ناکام کوشش کہو۔ مجھے تو اب گنتی بھی یاد نہیں۔''

.................xxx.................

اینڈریو اپنی میز پر اونگھ رہا تھا۔ وہ خواب دیکھ رہا تھا۔ خواب میں وہ اسپتال کے بستر پر سویا ہوا تھا۔ پھر کسی آواز کی وجہ سے وہ جاگ گیا......

''...... اتفاق سے میں نے حفاظتی ڈریس کو چیک کیا تو یہ نظر آیا۔ میں نے سوچا، آپ کو دکھا دوں۔'' کوئی کہہ رہا تھا۔

''آرمی والوں نے مجھے یقین دلایا تھا کہ اس تجربے میں کوئی خطرہ نہیں۔'' ٹینر نے دہاڑ کر کہا۔

وہ شخص اب ٹینر کو تجربے میں استعمال ہونے والا ڈریس اور گیس ماسک دکھا رہا تھا۔ ''یہ دیکھیں...... ماسک کے نچلے حصے میں ننھا سا ایک سوراخ ہے۔ لگتا ہے، کسی جان بوجھ کر کیا ہے۔ آپ کے بھائی کو اسی سے نقصان پہنچا ہے۔''

ٹینر نے ماسک کا جائزہ اور چنگھاڑ کر بولا۔ ''اس کا جو بھی ذمے دار ہے، اسے نتیجہ بھی بھگتنا ہوگا۔ تمہارا شکریہ۔ اب تم اسے بھول جاؤ۔ میں خود اس معاملے کو پوری طرح چیک کروں گا۔''

اینڈریو اپنے بستر پر لیٹا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ لیکن اسے بری طرح چکر آ رہے تھے۔ اس نے دوسرے آدمی کو کمرے سے جاتے دیکھا۔ ٹینر کمرے میں اکیلا رہ گیا۔ ایک لمحے کو اس نے ماسک کا جائزہ لیا۔ پھر وہ ایک کونے میں رکھے ڈسٹ بن کی طرف بڑھا۔ اس نے گیس ماسک کو ڈسٹ بن میں کوڑے کے خاصا نیچے دبا دیا۔

اینڈریو اپنے بھائی سے پوچھنا چاہتا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ لیکن وہ بڑی تھکن محسوس کر رہا تھا۔ بالآخر وہ سو گیا۔

.................xxx.................

ٹینر، اینڈریو اور پاؤلین ٹینر کے آفس میں داخل ہوئے۔ ٹینر نے اپنی سیکریٹری سے صبح کے اخبارات منگائے اور ان کے پہلے صفحے چیک کرنے لگا۔ ''یہ دیکھیں...... گوئٹے مالا، پیرو، میکسیکو اور اٹلی میں خلاف معمول اور بے موسموں کے طوفان، سائنس داں حیران ہیں...... اس نے کہا اور فاتحانہ نظروں سے پاؤلین کو دیکھا۔ ''یہ تو محض آغاز ہے۔ آگے بے شمار عبرتیں منتظر ہیں......''

ونس کاربالو دوڑتا ہوا کمرے میں آیا۔ ''مسٹر کنگسلے......''

''کیا بات ہے؟ دیکھتے نہیں، میں مصروف ہوں۔''

''فلنٹ مر چکا ہے جناب''

ٹینر حیران رہ گیا۔ ''کیا......؟ کہاں کی ہانک رہے ہو؟ ہوا کیا ہے؟''

''ڈیانا اور کیلی نے اسے مار ڈالا۔''

''یہ ناممکن ہے۔''

''یہ سچ ہے جناب۔ فلنٹ مر چکا ہے۔ اور وہ دونوں سینٹر صاحبہ کی کار میں فرار ہو چکی ہیں۔ ہم نے کار چوری ہونے کی رپورٹ درج کرا دی ہے۔ پولیس کو مسروقہ گاڑی وہائٹ پلینز میں ملی ہے''

''اب سنو کہ میں تم سے کیا چاہتا ہوں'' ٹینر نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''تم اپنے ساتھ ایک درجن آدمی لے کر وہائٹ پلینز جاؤ۔ ہر ہوٹل، ہر بورڈنگ ہاؤس اور ہر گیسٹ ہاؤس کو چیک کرو۔ ان کا پتا بتانے والے کو میں پانچ لاکھ ڈالر کا انعام دوں گا۔ جاؤ''

''یس سر'' کاربالو نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

.................xxx.................

وہ دونوں گیسٹ ہاؤس میں اپنے کمرے میں تھیں اور ایک دوسرے کو اپنا احوال سنا چکی تھیں۔

''پیرس میں تم پر جو گزری مجھے اس کا افسوس ہے۔'' ڈیانا نے کہا۔ ''کیا ان لوگوں نے بلڈنگ کے منتظم کو مار ڈالا؟''

''کچھ پتا نہیں بس وہ اپنی فیملی سمیت غائب ہے۔''

''اور تمہارا کتا انجلو؟''

''میں اس کے متعلق بات نہیں کرنا چاہتی۔'' کیلی نے کشیدہ لہجے میں کہا۔

''سوری۔ ویسے کیلی اس معاملے کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ہم کامیابی کے بہت قریب پہنچ گئے تھے۔'' ''اب جبکہ ہم حقیقت سے واقف ہو چکے ہیں تو کوئی ایسا شخص نہیں، جس ہم بتا سکیں۔ اور کون یقین کرے گا ہماری بات پر ہم فرد ہیں اور کے آئی جی ایک بڑا اور معتبر ادارہ۔ ہمیں تو شاید پاگل خانے ہی بھجوا دیا جائے گا۔''

تم ٹھیک کہہ رہی ہو'' کیلی نے تائید کی۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد ڈیانا نے کہا۔ ''نہیں'' میرے خیال میں ایک صورت ہے......''

.................xxx.................

ونس کاربالو کے آدمی پورے قصبے میں پھیل گئے تھے۔ وہ ہر اس جگہ کو چیک کر رہے تھے جہاں ان عورتوں کی موجودگی کا امکان تھا۔ اور وہ جہاں جاتے، وہاں ڈیانا اور کیلی کی تصویریں بھی دکھاتے۔

ایسے ہی ایک آدمی نے اسپلانیڈ ہوٹل کی استقبالیہ کلرک کو دونوں تصویریں دکھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے ان میں سے کسی کو کہیں دیکھا ہے۔ ایک بات بتا دوں۔ ان کے متعلق کچھ بتانے والے کیلئے پانچ لاکھ ڈالر کا انعام ہے۔''

''کاش...... میں نے انہیں کہیں دیکھا ہوتا۔'' استقبالیہ کلرک نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

ہر ہوٹل سے انہیں اسی طرح کے جواب ملے۔ ونچسٹر ہوٹل کی میزبان نے کہا۔ ''کاش...... یہ پانچ لاکھ ڈالر مجھے مل جاتے۔''

کراؤن پلازا کی استقبالیہ کلرک نے کہا۔ ''یہ مجھے کہیں نظر آئیں تو میں فوری طور پر تمہیں اطلاع دوں گی مسٹر......''

گریس سیڈل کے گیسٹ ہاؤس ونس کاربالو خود پہنچا تھا۔ ''گڈ مورننگ'' گریس نے کہا۔

(جاری ہے)

''گڈ مورننگ، میرا نام ونس کاربالو ہے۔'' اس نے اسے ڈیانا اور کیلی کی تصویریں دکھائیں۔''آپ نے ان میں سے کسی کو دیکھا ہے؟ ان میں سے ہر ایک پر پانچ لاکھ ڈالر کا انعام ہے۔'' گریس سیڈل کا چہرہ چمک اٹھا۔''اوہ...... کیلی!''

............x............

ٹینر کے آفس میں اس کے سیکریٹری کیتھی کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔ فیکس جس رفتار سے آرہے تھے، ان سے نمٹنا ناممکن تھا۔ دوسری طرف ای میل کا ان باکس بھر چکا تھا۔ اس نے کاغذوں کا ایک پلندہ اٹھایا اور ٹینر کے کمرے میں داخل ہوگئی۔

ٹینر اور پاؤلین صوفے پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ٹینر نے سر اٹھا کر کیتھی کو دیکھا اور درشت لہجے میں بولا۔''کیا بات ہے؟''

کیتھی مسکرائی۔''مبارک ہو سر۔ آپ کی یہ ڈنر پارٹی اب تک کی کامیاب ترین پارٹی ہوگی۔''

''کیا بات کر رہی ہو؟'' ٹینر نے حیرت سے کہا۔

کیتھی کاپلندہ اسے دکھاتے ہوئے کہا۔''یہ سب دعوت کے جواب میں آئے ہیں...... قبولیت کے خطوط۔ سب لوگ آئیں گے۔''

ٹینر اٹھ کھڑا ہوا۔''کہاں آئیں گے؟ کون آئیں گے؟ ذرا دکھاؤ تو۔''

کیتھی نے کاغذات کا پلندہ اسے تھمایا اور کمرے سے نکل گئی۔

ٹینر نے پہلی ای میل کو بلند آواز میں پڑھا۔''جمعے کی شام کے آئی جی ہیڈکوارٹرز میں پر اتما کی تقریب رونمائی میں شرکت ہمارے لئے باعث افتخار ہوگی۔ ہمیں آپ کی موسم کنٹرول کرنے والی مشین پر اتما کو دیکھنے کا اشتیاق ہے......''

ٹینر کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ اس نے دوسری ای میل پڑھی۔''موسم کنٹرول کرنے والی مشین پر اتما کی نقاب کشائی کے موقعے پر یاد کرنے کا شکریہ۔ ہم ضرور شریک ہوں گے۔''

پہلی ای میل ٹائم میگزین اور دوسری نیوز ویک کے ایڈیٹر کی طرف سے تھی۔ ٹینر ای میل چیک کرنے لگا۔ سی بی ایس، این بی سی، سی این این، وال اسٹریٹ جرنل، شکاگو ٹریبیون، لندن ٹائمز...... ہر قابل ذکر جریدے، روزنامے اور چینل کی ای میل موجود تھی، اور سب نے پر اتما کے افتتاح کی دعوت قبول کر لی تھی۔

پاؤلین سناٹے کے عالم میں اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی تھی۔

ٹینر کے غصے کی شدت کا یہ عالم تھا کہ بولنا اس کیلئے مشکل ہوگیا تھا۔''یہ...... یہ کیا...... اوہ...... یہ ان منحوس عورتوں کا کیا دھرا ہے......!''

............x............

انٹرنیٹ کیفے میں ڈیانا کمپیوٹر آپریٹ کر رہی تھی۔''کوئی اہم اخبار، کوئی چینل رہ تو نہیں گیا؟''

''نہیں...... میرے خیال میں تو غیر اہم اخبارات کو بھی ہم نے مدعو کر لیا ہے۔'' کیلی نے جواب دیا۔

''واہ...... کیا زبردست پارٹی ہوگی'' ڈیانا نے چہک کر کہا۔

............x............

ونس کاربالو کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔''تم کیلی کو جانتی ہو؟''

''کیوں نہیں۔ آخر وہ دنیا کی مقبول ترین ماڈل گرل ہے۔''

ونس کاربالو کا چہرہ جگمگا اٹھا۔''تو بتاؤ، کہاں ہے وہ؟''

گریس نے حیرت سے اسے دیکھا۔''مجھے کیا معلوم۔ میں اس سے کبھی ملی تھوڑا ہی ہوں''

ونس کا چہرہ تمتما اٹھا۔''تم نے تو کہا کہ تم اسے جانتی ہو۔''

''میں ہی کیا، ساری دنیا اسے جانتی ہے۔ جاننے کے لئے ملنا ضروری تو نہیں''۔

''تو تمہیں نہیں معلوم کہ وہ اس وقت کہاں ہے''۔

''مجھے کچھ لگتا تو ہے'' گریس نے پرخیال لہجے میں کہا۔''ممکن ہے وہ کیلی ہی ہو۔ مگر ہے عجیب سی بات''۔

''بتاؤ تو''۔

''میں نے اس سے ملتی جلتی ایک عورت کو صبح بس پر سوار ہوتے دیکھا تھا۔ مگر میرے خیال میں وہ کیلی نہیں ہوسکتی۔ کیلی بس میں کیوں سفر کرے گی۔ اس کے پاس تو اپنی لیموزین ہوگی۔ اور ہاں، وہ اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ ایک عورت بھی......''۔

''وہ بس کہاں کی تھی؟''۔

''ورمونٹ جانے والی بس تھی وہ۔ اچھا آپ کے خیال میں وہ کیلی ہی تھی کیا......؟''۔

''نہیں، شکریہ''۔ کاربالو نے کہا اور باہر کی طرف لپکا۔ اسے لگ رہا تھا کہ یہ دس لاکھ ڈالر اس کے ہی ہوں گے......

............x............

ٹینر نے ای میل اور فیکس کا وہ پلندہ زمین پر پٹخ دیا۔ پھر وہ پاؤلین کی طرف مڑا۔''جانتی ہو، ان خبیث عورتوں نے کیا کیا ہے؟''۔

''ہاں...... میری سمجھ میں آگیا ہے۔ اب ہمیں پر اتما کا افتتاح باضابطہ طور پر کرنا ہوگا۔ اعلان تو ہو ہی چکا ہے''۔ پاؤلین نے کہا۔

''لیکن ہم پر اتما کی جھلک ہی کسی کو نہیں دکھا سکتے۔ میرا خیال ہے تقریب سے ایک دن پہلے پر اتما کو حادثہ پیش آئے گا اور وہ تباہ ہو جائے گی''۔

پاؤلین مسکرائی۔''جبکہ پر اتما 2 موجود ہوگی''۔

ٹینر نے اثبات میں سر ہلایا۔''ہاں۔ ہم دنیا کی سیاحت کے لئے نکلیں گے۔ اور جب جی چاہے گا، ٹاموآ جائیں گے اور پر اتما ٹو کا آپریشن شروع''۔

اسی وقت کیتھی کی گھبرائی ہوئی آواز انٹرکام پر ابھری۔''مسٹر کنگسلے، میں تو پاگل ہوئی جا رہی ہوں۔ پوری دنیا کا میڈیا آپ سے بات کرنے کی کوشش میں ہے۔ میں کیا کروں......؟''۔

''ان سے کہہ دو کہ میں ایک میٹنگ میں ہوں''۔ ٹینر نے کہا۔ پھر وہ پاؤلین کی طرف مڑا۔''ہمیں فوراً نکلنا ہے یہاں سے''۔ اس نے اینڈریو کے کندھے کو تھپتھپایا۔''چل رہے ہو ہمارے ساتھ؟''۔

''ہاں ٹینر''۔

وہ تینوں سرخ اینٹوں کی بنی عمارت کی طرف جا رہے تھے۔''مجھے تم سے ایک بے حد اہم کام کرانا ہے اینڈریو''۔

''جو تم کہو گے، میں کروں گا''۔

وہ عمارت میں داخل ہوئے۔ ٹینر آگے آگے تھا۔ پر اتما کے پاس پہنچ کر ٹینر اینڈریو کی طرف مڑا۔''مجھے اور شہزادی کو جانا ہے۔ تم اتنا کرو کہ شام چھ بجے اس کمپیوٹر کو آف کر دینا۔ آسان سا طریقہ ہے اس کا''۔ اس نے انگلی سے اشارہ کیا۔''یہ بڑا سرخ بٹن دیکھ رہے ہو نا؟''۔

اینڈریو نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔

''بس شام کے چھ بجیں تو تم اس بٹن کو تین بار دبا دینا۔ تین بار۔ یاد رہے گا نا تمہیں؟''۔

''ہاں ٹینر۔ شام چھ بجے...... تین بار بٹن دبانا ہے''۔

''بس ٹھیک ہے۔ پھر ملیں گے''۔ ٹینر اور پاؤلین باہر نکلنے لگے۔

اینڈریو نے عقب سے پکار کر پوچھا۔''تم مجھے ساتھ نہیں لے رہے ہو؟''۔

(جاری ہے)

''نہیں...... تمہیں یہیں رکنا ہے۔بس یاد رکھنا...... شام چھ بجے...... تین بار''۔

''مجھے یاد رہے گا''۔

وہ دونوں باہر نکلے تو پاؤلین نے کہا۔''اور اگر وہ بھول گیا تو؟''۔

ٹیمز ہنس دیا۔''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔میں نے اسے سیٹ کردیا ہے۔چھ بجے پر اتما خود ہی دھماکے سے پھٹ جائے گی۔میں تو صرف اس امر کو یقینی بنا رہا تھا کہ جب دھماکہ ہو تو اینڈریو وہیں موجود ہو''۔

''اور مر جائے!''۔پاؤلین نے حیرت سے کہا۔

''ہاں''ٹیمز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

............X............

معاملات ویسے ہی کچھ کم خراب نہیں تھے۔اس پر ستم یہ ہوا کہ اگلی صبح ہاروے ڈین سفارت خانے پہنچا تو وہاں صحافیوں کی فوج اس کی منتظر تھی۔اس نے سیکورٹی گارڈ کو منہ بنا کر دیکھا۔اس نے بے چارگی سے کندھے جھٹک دیئے۔بہر حال یہ سوچنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا کہ صحافی اندر کیسے آئے۔اور نہ ہی اس کے پاس اس پر سوچنے کا وقت تھا۔

اور صحافیوں کا انداز رسمی نہیں تھا۔وہ بھوکے بھیڑیوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔''کیا شریڈر تھورن کارپوریشن کا تنخواہ دار ہے؟''۔کسی نے پوچھا۔

''سوری جینٹل مین''۔ہاروے نے آگے بڑھ کر لفٹ کا بٹن دبایا۔''نو کمنٹس''۔

''تو ہمیں جناب سفیر سے بات کرنے کا موقع دیا جائے''۔

''کیونکہ وہ اس وقت موجود نہیں ہیں''۔ہاروے لفٹ کے دروازے کو یوں گھور رہا تھا، جیسے وہ اس کے گھورنے سے کھل جائے گا۔

''وہ ہیں کہاں؟''۔

خوش قسمتی سے اسی وقت لفٹ کا دروازہ کھلا اور ہاروے جلدی سے اس میں داخل ہو گیا۔صحافیوں کو سیکورٹی والوں نے روک لیا تھا۔

ہاروے ڈین نے لفٹ کا دروازہ بند ہونے سے پہلے صحافیوں سے کہا۔''جب سفیر صاحب بیان جاری کرنا چاہیں گے تو آپ لوگوں کو مطلع کر دیا جائے گا''۔

وہ بھوکے بھیڑیوں ہی کی طرح دانت نکوس رہے تھے۔لفٹ کا دروازہ بند ہوا تو ہاروے نے چہرے سے پسینہ پونچھا۔

اوپر پہنچ کر وہ سیکریٹریوں کو نظر انداز کرتا تیز قدموں سے آفس کی طرف بڑھا۔لیکن دروازہ کھلتے ہی وہ جیسے پتھر کا بت بن کر رہ گیا۔

سامنے ڈیسک پر ڈیمین بیٹھا نظر آ رہا تھا۔جبکہ ہاروے اس کا سامنا کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

''میں تو سمجھا تھا کہ تم گھر پر ہو گے''۔ہاروے نے کہا۔

ڈیمین نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''پریس والے شریڈر کے بارے میں جاننے کیلئے پاگل ہو رہے ہیں''۔ہاروے ڈی نے کہا۔''میں انہیں جیسے تیسے اس وقت تک روک لوں گا، جب تک پال بوہر سے تمہاری بات نہیں ہو جاتی۔لیکن اس سے زیادہ انہیں ٹالا نہیں......''۔

''ڈی کارلو کل تمہارے گھر میں کیا کر رہا تھا؟''۔ڈیمین کا چہرہ بے تاثر تھا۔

''کون؟''۔ہاروے ڈین کی سمجھ میں سچ مچ کچھ بھی نہیں آیا تھا۔وہ واقعی نہیں جانتا تھا کہ یہ ڈی کارلو کیا بلا ہے۔

ڈیمین اٹھ کھڑا ہوا۔اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔''بنو مت۔مجھ سے سیدھی صاف بات کرو''۔

ہاروے نے کندھے جھٹک دیئے۔وہ سمجھ گیا تھا۔اور کہنے کو اس کے پاس کچھ تھا بھی نہیں۔

ڈیمین نے بڑی بدمزگی سے اسے دیکھا اور چلایا۔''پیٹر...... یہاں آؤ''۔

بغلی دروازہ کھلا اور کیٹ رینالڈ کا بیٹا اندر آیا۔

''ہاں پیٹر، اب رپورٹ دو''۔ڈیمین نے نرم لہجے میں کہا۔

پیٹر نے اپنی جیب سے ایک نوٹ بک نکالی اور اسے کھولا۔پھر وہ بولا تو اس کا انداز کسی پولیس والے کا سا تھا، جو عدالت میں بیان دے رہا ہو۔''کل سہ پہر ساڑھے تین بجے میں نے فادر ڈی کارلو کو 114، ایپے کریسنٹ میں جاتے دیکھا۔وہاں وہ ایک گھنٹا بائیس منٹ تک موجود رہا اور مسٹر ڈین کی بیوی سے باتیں کرتا رہا......''۔

ہاروے ڈین کا ضبط جواب دے گیا۔اس نے پیٹر کو نظر انداز کرتے ہوئے ڈیمین سے کہا۔''میری بات سنو۔مجھے نہیں معلوم کہ وہ کون تھا۔میرا مطلب ہے کہ باربرا نے مجھے نہیں بتایا کہ......''۔

''تم اپنے بچے کو ختم کردو''۔

ڈین نے سر جھٹکا اور ایک قدم پیچھے ہٹا۔اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔اس کا منہ کھلا۔ہونٹ ہلے۔لیکن آواز نہیں نکلی۔

''اب صرف ایک بچہ زندہ رہ گیا ہے اور وہ تمہارا بچہ ہے''۔ڈیمین کا لہجہ پرسکون تھا۔''اسے ختم کردو۔یا پھر خود ختم ہو جاؤ''۔

ڈین الٹے قدموں دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔''نن...... نہیں...... نہیں......''وہ ہکلایا۔اس کا سر اب بھی نفی میں ہل رہا تھا۔''خدا کے لئے ڈیمین......''۔

ڈیمین نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لئے۔''خدا نے ابراہیم سے کہا...... اپنے سب سے محبوب بیٹے کو میری راہ میں قربان کرو......''

ہاروے پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار سے ٹکرایا۔وہاں سے وہ دروازے کی طرف گھوما۔دروازے کے ہینڈل کو وہ ایسے تلاش کر رہا تھا، جیسے اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا ہو۔وہ بری طرح گھبرایا ہوا تھا۔

''ابراہیم خدا کے کہنے پر اپنے بیٹے کو قربان کر سکتے ہیں تو تم شیطان کے بیٹے کی خاطر اپنے بچے کو قربان کیوں نہیں کر سکتے''۔ڈیمین اب اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

ہاروے ڈین کے پاس لفظ نہیں رہے تھے۔اس کی زبان اس کے دہن میں ٹھٹھر گئی تھی۔ایسا لگتا تھا کہ اس کی جان سمٹ کر ٹانگوں میں آ گئی ہے اس نے دروازہ کھولا اور اندھا دھند بھاگا۔سیکریٹریوں کی حیران نگاہوں کی اور اپنے وقار کی پروا کئے بغیر وہ لفٹ کی طرف بھاگا۔

پیٹر اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔پھر اس نے سر گھما کر ڈیمین کو دیکھا۔''آپ اسے روکیں گے نہیں؟''۔

ڈیمین نے نفی میں سر ہلایا۔''اس کی کوئی ضرورت نہیں''۔

............X............

ازدواجی زندگی میں وہ پہلا موقع تھا کہ ایک چھت کے نیچے ہوتے ہوئے بھی باربرا اکیلی سوئی تھی۔وہ اپنے لئے کاؤچ گھسیٹ کر بچے کے کمرے میں لے آئی تھی اور اس پر اس طرح سوئی تھی کہ بچہ اس کی پہنچ سے دور نہیں تھا۔رات میں تین بار اس نے اٹھ کر بچے کو چیک کیا کہ وہ خیریت سے ہے۔

ناشتے کے دوران ان کے درمیان زیادہ بات نہیں ہوئی۔اس نے ہاروے سے صاف کہہ دیا کہ شام تک فیصلہ کر لے۔کیونکہ شام کو وہ یہاں سے چلی جائے گی۔چاہے وہ اس کے ساتھ ہو یا نہیں۔

باربرا نے ریسیور رکھا اور طمانیت سے سر ہلایا۔سسیکس میں رہنے والی کیرول کی دوست اسے کچھ عرصہ اپنے ساتھ رکھنے پر آمادہ ہو گئی تھی۔وہ وہاں اکیلی رہتی تھی۔اب وہ یہی سوچے گی کہ میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہو گیا ہے۔اسی لئے وہ علیحدہ ہو رہی ہے۔

اب اسے روانگی کے انتظامات کرنے تھے۔پہلے استری اور پھر پیکنگ۔اس نے استری اسٹینڈ کھڑا کیا اور استری لگائی۔بچے کا کوٹ کھڑکی کے پاس رکھا تھا۔دھوپ اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی اور وہ قلقاریاں مار رہا تھا۔وہ ہاتھ یوں چلا رہا تھا، جیسے دھوپ کو پکڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔

کام کرنے کے دوران باربرا بار بار سر گھما کر اسے دیکھتی رہی۔

(جاری ہے)

دجال

دو بارتو اس نے اسے قریب سے جا کر بھی دیکھا۔ دوسری بار وہ گئی تو بچہ سو رہا تھا۔ اس نے دھوپ سے بچانے کے لئے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ لئے تھے۔ اس نے بچے کا ہاتھ باہر نکالا اور اسے کمبل میں اڑس دیا۔ پھر وہ دوبارہ کپڑے استری کرنے لگی۔ وہ سوچ رہی تھی، اب وہ یہاں سے چلی جائے گی...... اپنے بچے کو لے کر! اور ممکن ہے، ہاروے بھی اس کے ساتھ ہو۔

............x............

کتا بڑے محتاط انداز میں گھاس پر آگے بڑھ رہا تھا۔ خودرو گھاس کا سلسلہ ختم ہوا تو وہ رک گیا۔ اس نے تھوتھنی اوپر اٹھا کر فضا کو جیسے سونگھا۔ پھر وہ ایونیو پر چلنے لگا۔ کوئی اس کے قریب نہیں آ رہا تھا...... نہ کتے، نہ بچے۔ دو مقامات پر وہ مڑا۔ پھر ایک ڈرائیووے کے پاس وہ رک گیا۔ اس کی کمر اور گردن کے بال کھڑے ہو گئے تھے۔ دانت نمایاں ہو گئے تھے اور اس کے حلق سے دھیمی دھیمی غراہٹیں ابھر رہی تھیں۔

وہ گھر کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اس کے نتھنے پھڑک رہے تھے۔ وہ ایک مخصوص بو کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کچن کی کھڑکی کے پاس پہنچ کر اس نے پچھلی ٹانگوں پر خود کو کھڑا کر لیا۔ اس کے اگلے پیر کھڑکی کی چوکھٹ پر تھے اور وہ کھلی کھڑکی سے بچے کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی زرد آنکھیں ٹکٹکی باندھے ہوئے تھیں اور اس کی گندی رال بچے کے کمبل پر گر رہی تھی۔

باربرا چلائی تو اس نے ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا۔ پھر وہ نیچے اترا اور ڈرائیووے کی طرف چل دیا۔ وہ اپنا کام کر چکا تھا۔

باربرا نے جلدی سے کھڑکی بند کی اور اس کے شیشے سے چہرہ لگا کر باہر دیکھنے لگی۔ اس کا دل سینے میں دھڑ دھڑ کر رہا تھا۔ اس کتے کو دیکھ کر اسے شاک لگا تھا۔ کیسے وہ اچانک آیا تھا...... اور کیسے بچے کو دیکھ رہا تھا۔ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے اس نے سر گھما کر بچے کو دیکھا۔ بچے نے سوتے میں کروٹ لی تھی اور اس کے پاؤں یوں چل رہے تھے، جیسے وہ خواب میں دوڑ رہا ہو۔ اور وہ منہ کے بل پڑا تھا۔

''سب ٹھیک ہے میری جان'' باربرا نے کہا۔ ''میں نے اس کتے کو بھگا دیا ہے''۔

اس نے بچے کو سیدھا کیا...... اور اسے شدید جھٹکا لگا۔ وہ بچے کا چہرہ تو نہیں تھا۔ وہ تو ایک بڈھے کا جھریوں سے بھرا چہرہ تھا۔ دھندلائی ہوئی آنکھیں حلقوں میں دھنس گئی تھیں چہرے کی رنگت کالی تھی۔ ہاتھ پنجوں کی طرح کے تھے اور ناخن بڑھے ہوئے تھے۔ اس نے اپنا پنجہ باربرا کی طرف بڑھایا۔ باربرا گھبرا کر پیچھے ہٹی۔ اس کے حلق سے ڈراؤنی چیخ نکلی۔ اس نے بے سوچے سمجھے ہاتھ بڑھایا۔ استری اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس نے استری اٹھا کر اس چہرے پر پھیر دی......

ننھا سا بچہ موت کی آغوش میں جاتے ہوئے اپنی بے نور ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ باربرا کو ایسا لگا کہ ان آنکھوں میں شکایت ہے۔ وہ حیرت سے سوچ رہی تھی کہ وہ منحوس بڈھا کہاں گیا......!

............x............

ہاروے ڈین موٹر سائیکل سوار پولیس والے سے پانچ گز پیچھے تھا۔ گھر پہنچنے کی جلدی میں اس نے سگنل توڑا تو اس پولیس والے نے اسے روک لیا۔ اس نے اسے اپنے سفارتی کاغذات دکھائے اور پولیس والے سے معذرت کرتے ہوئے وضاحت کی کہ وہ اس وقت ایک ہنگامی صورت حال سے دوچار ہے...... اور اسے جلد از جلد گھر پہنچنا ہے۔ پولیس والے نے اس کی معذرت اور وضاحت قبول کی اور کہا کہ وہ اسے گھر پہنچائے گا۔

اور اب پولیس والا آگے آگے تھا۔

ہاروے ڈین نے گاڑی اپنے ڈرائیووے میں روکی۔ پولیس والے نے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا۔ لیکن ہاروے کو اس کی موجودگی کا بھی احساس نہیں تھا۔ وہ تیزی سے گھر کی طرف لپکا، دروازہ کھولا اور ہال میں داخل ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ باربرا اسے دیکھ کر خوش ہو گی۔ اب جبکہ اس نے باربرا کے حق میں فیصلہ کر لیا تھا...... اس کی بات مان لی تھی، تو اسے طمانیت کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اپنی فیملی کے ساتھ بھاگے گا۔ انجام خدا جانے......

''باربرا'' اس نے پکارا۔

گھر میں سناٹا تھا۔ نہ کوئی آواز...... ریڈیو کی، ٹی وی کی، نہ کوئی تحرک کا احساس۔ وہ کچھ پریشان ہو گیا۔

اس نے ڈرائنگ روم میں جھانکتے ہوئے آواز دی۔ ''باربرا؟''

اس نے کچن کا دروازہ کھولا تو دیکھا کہ باربرا استری اسٹینڈ کے پاس کھڑی ہے۔ اس کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔ کھڑکی کے پاس پنگھوڑا تھا۔ اس میں لیٹے ہوئے بچے کا ہاتھ اسے نظر آ رہا تھا۔ ننھی منی انگلیاں اوپر اٹھی ہوئی تھیں۔ مگر ان میں اکڑن تھی۔

''کیا بات ہے باربرا؟ تمہیں میری آواز نہیں آئی تھی؟'' اس نے پوچھا۔

لیکن باربرا اب بھی نہیں پلٹی۔ وہ آگے بڑھا۔ ''تم پیکنگ کر لو جلدی سے۔ ہم یہاں سے جا رہے......''۔

باربرا نے پلٹ کر اسے دیکھا...... اور وہ جیسے پتھر کا ہو گیا۔ لفظ گھٹ کر رہ گئے اور اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ باربرا کی آنکھیں مسلسل رونے سے سرخ ہو رہی تھیں۔ اس کا چہرہ کسی متشددانہ جذبے سے چیخ...... بگڑ رہا تھا۔

وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ لیکن باربرا اس پر جھپٹی۔ باربرا کا ہاتھ اٹھاتے ہوئے اس کی طرف لپکا۔ اس ثانیے میں اس کے سوا وہ کچھ بھی نہ دیکھ سکا۔ استری کا نوکیلا حصہ سیدھا اس کی آنکھ میں گھس گیا۔

اس کی اذیت ناک چیخ میں گرم استری کی پھنکار گھل مل گئی۔ اس کی آنکھ غلیظ مائع میں تبدیل ہو گئی۔ خالی ڈھیلے سے بھیجے جیسا مواد بہنے لگا۔ اگلے ہی لمحے اس کا بے جان جسم فرش پر گرا۔ پگھلی ہوئی آنکھ کا مواد بہتا ہوا اس کے رخسار پر آ رہا تھا۔

باربرا نے بڑی احتیاط سے استری کو اسٹینڈ پر رکھ دیا۔ پھر اس نے جھک کر مردہ شوہر کے کندھے کو چھوا۔ آنکھ کے خلاف سے اسے ہاروے کے دماغ کا مرکزی حصہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اٹھی سنک کے پاس گئی اور وہاں سے ایک کپڑا اٹھا کر لائی۔ پھر ہاروے کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے بڑی نرمی اور محبت سے اس کے بے جان رخسار پر بہہ کر آنے والے غلیظ مواد کو صاف کر دیا۔ پھر وہ اٹھ کر بچے کے پاس گئی۔ اس کی ننھی منی گلابی انگلیوں کو سہلاتے ہوئے اس نے اس کے بری طرح ٹوٹے پھوٹے چہرے کو دیکھا۔ پھر وہ وہاں سے ہٹی اور میز کے پاس رکھی کرسی پر جا بیٹھی۔ وہ آپ ہی آپ مسکرا رہی تھی۔ وہ پاگل ہو گئی تھی...... ہمیشہ کے لئے...... اور یہ پاگل پن لا علاج تھا۔

(جاری ہے)

پرواز کے لئے وہ مناسب ترین دن تھا۔ کے آئی جی کا بوئنگ 757 بحرالکاہل پر پرواز کر رہا تھا۔ اوپر روشن نیلا آسمان تھا۔ مطلع بالکل صاف تھا۔ جہاز کے مرکزی کیبن میں پاؤلا اور ٹیمز ایک صوفے پر ساتھ بیٹھے تھے۔

''ڈارلنگ، مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ دنیا کو تمہاری ذہانت کا کبھی علم نہیں ہو سکے گا''۔ پاؤلین کہہ رہی تھی۔

''اگر کبھی انہیں پتا چل جائے تو میں تو مصیبت میں پھنس جاؤں گا''۔

پاؤلین نے غور سے اسے دیکھا۔ ''کوئی بات نہیں۔ ہم ایک ملک خرید سکتے ہیں۔ اور پھر ہم ہی اس کے حکمراں ہوں گے۔ تب تو ہمیں کوئی چھو بھی نہیں سکے گا''۔

ٹیمز ہنسنے لگا۔

پاؤلین نے اس کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ''جانتے ہو، تم نے پہلی ہی نظر میں مجھے دیوانہ بنا دیا تھا''۔

''نہیں شہزادی۔ مجھے تو یہ یاد ہے کہ تم نے مجھے بہت ستایا تھا۔ میری توہین کرتی رہی تھیں تم''۔

''وہی تو ایک ترکیب تھی تمہارا دل جیتنے کی۔ اور دیکھو، کارگر بھی رہی۔ بدلہ لینے کا خیال نہ ہوتا تو تم دوبارہ کبھی مجھ سے نہ ملتے''۔

''ہاں...... یہ تو ہے''۔ ٹیمز نے کہا اور اسے لپٹا لیا۔

دور کہیں بجلی لہرائی...... آسمان بجلی!

''تمہیں ٹاموآ بہت اچھا لگے گا۔ ہم وہاں سکون سے دو ہفتے گزاریں گے اور پھر دنیا کی سیاحت پر نکلیں گے۔ ہمیں جدائی کے ان برسوں کے ایک ایک پل کا ازالہ کرنا ہے وہ پل جو ہم ساتھ نہیں گزار سکے''۔

پاؤلین مسکرائی۔ ''ہاں...... اور ہم بہترین ازالہ کریں گے''۔

''اور ہر ماہ ہم ٹاموآ واپس آیا کریں گے...... پرائما ٹو سے کام لینے کے لئے۔ ہم دونوں مل کر ہدف کا انتخاب کیا کریں گے''۔

پاؤلین نے کہا۔ ''انگلینڈ میں طوفان تخلیق کریں تو انہیں تو پتا بھی نہیں چلے گا''۔

ٹیمز ہنسنے لگا۔ ''دنیا بہت بڑی ہے شہزادی۔ سو سے زیادہ ملک ہیں وہاں''۔

اسی وقت اسٹیوارڈ ان کے پاس چلا آیا۔ ''کسی چیز کی ضرورت ہو تو حکم کریں''۔

''نہیں۔ ہمارے پاس سب کچھ موجود ہے''۔ ٹیمز نے کہا۔ اور وہ جانتا تھا کہ یہ سچ ہے۔

دور کہیں آسمان پر پھر بجلی کے کئی کوڑے لہرائے۔

''بس طوفان نہ آئے''۔ پاؤلین کی آواز کپکپا رہی تھی۔ ''مجھے خراب موسم میں پرواز بہت بری لگتی ہے''۔

''فکر نہ کرو ڈارلنگ۔ دیکھو آسمان بالکل صاف ہے۔ ایک بادل بھی تو نظر نہیں آ رہا ہے''۔ ٹیمز نے اسے تسلی دی۔ پھر وہ کچھ سوچ کر مسکرا دیا۔ ''ہمیں موسم کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسے تو ہم نے پہلے ہی قابو کر لیا ہے''۔ اس نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا۔ ''اور پرائما ون ایک گھنٹا پہلے تباہ ہو چکی......''۔

اسی وقت جہاز پر بارش کے موٹے موٹے قطرے کنکروں کی طرح برسنے لگے۔

ٹیمز نے پاؤلین کو اور قریب کر لیا۔ ''پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ یہ معمولی بارش ہے''۔

مگر اسی وقت آسمان پر تیزی سے اندھیرا چھانے لگا اور بجلی اس زور سے کڑکی کہ فضا لرز اٹھی۔ اگلے ہی لمحے جہاز بری طرح اوپر نیچے ہونے لگا۔ ٹیمز نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو اس کی آنکھوں سے الجھن جھانکنے لگی۔ بارش تیزی سے طوفان کا روپ دھار رہی تھی۔

''ارے دیکھو تو......''۔ ٹیمز کہتے کہتے رک گیا۔ ''یہ تو پرائما......''۔

اسی لمحے طوفان پوری قوت سے جہاز سے ٹکرایا۔ اب جہاز کی حیثیت ایک کھلونے سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ بری طرح ہچکولے کھا رہا تھا۔

پاؤلین پاگلوں کی طرح چیخنے لگی......

............x............

کے آئی جی کی سرخ اینٹوں سے بنی عمارت میں اینڈریو پرائما کو آپریٹ کر رہا تھا۔ کوئی پرانی بات اس کے دماغ میں متحرک ہو گئی تھی۔ اس کے زیر اثر اس کی انگلیاں خودکار انداز میں پرائما کے بٹنوں پر حرکت کر رہی تھیں۔ اسکرین پر اسے متحرک ہدف نظر آ رہا تھا۔ اس کے بھائی کا جہاز 300 میل فی گھنٹا کی رفتار سے چلنے والی ہواؤں کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔

اس نے ایک اور بٹن دبا دیا......

............x............

محکمہ موسمیات کی درجنوں شاخوں میں ماہرین موسمیات اپنے اپنے کمپیوٹر اسکرین پر نظر آنے والے منظر کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ جو ہو رہا تھا، بظاہر وہ ناممکن تھا۔ لیکن ہو رہا تھا اور اس کی کوئی سائنسی توجیہہ بھی نہیں تھی۔ سمندر پر طوفان گردباد......! اور بھی اوپر کی طرف جاتا ہوا!!

............x............

سرخ اینٹوں والی عمارت میں تنہا اینڈریو دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا۔ وہ دنیا کو انسانوں کے لئے ایک بہتر مقام بنانے کے لئے کم از کم ایک کوشش تو اب بھی کر سکتا تھا۔

اس نے F6 طوفان گردباد تخلیق کر لیا تھا اور اب اسے پرائما کی مدد سے اوپر...... اور اوپر...... اور اوپر لے جا رہا تھا......

............x............

جہاز بری طرح ڈول رہا تھا۔ ٹیمز کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ پھر طوفان کا زور ٹوٹنے لگا۔ لیکن ساتھ ہی اسے ایسی آواز سنائی دینے لگی، جیسے کوئی مال گاڑی چل رہی ہو۔ مگر مال گاڑیاں اڑتی نہیں ہیں۔ اور پھر وہ یہ آواز خوب پہچانتا تھا۔ یہ طوفان گردباد کا شور تھا جو قریب آ رہا تھا۔ پھر اسے فضا میں گھومتا ہوا وہ بہت بڑا بگولا نظر آیا۔ وہ فاتحانہ لہجے میں چلایا۔ ''دیکھو...... دیکھو...... اتنی بلندی پر طوفان گردباد آ ہی نہیں سکتا۔ یہ میری تخلیق ہے۔ یہ میں نے پیدا کیا ہے۔ یہ...... یہ تو معجزہ ہے۔ صرف میں اور خدا ہی ایسا کرنے کی طاقت......

............x............

سرخ اینٹوں والی عمارت میں اینڈریو نے ایک سوئچ دبایا۔ اسکرین پر طوفان گردباد جہاز سے ٹکراتا نظر آیا اور جہاز کے پرخچے اڑ گئے۔ جہاز کا ملبہ اور اس کے مسافروں کی لاشیں فضا میں بکھر گئیں۔

اس کے بعد اینڈریو نے بڑے سکون سے سرخ بٹن کو تین بار دبا دیا......

............x............

کیلی اور ڈیانا تیار ہو رہی تھیں کہ گریس نے دروازے پر دستک دی۔ ''ناشتہ تیار ہے''۔

''ہم آ رہے ہیں''۔ کیلی نے پکارا۔

''میں اخبار پڑھنے کو بے تاب ہو رہی ہوں''۔ ڈیانا نے کیلی سے کہا۔ ''دیکھنا یہ ہے کہ میری اسکیم کس حد تک کامیاب رہی''۔

وہ کمرے سے نکلیں اور ڈرائنگ روم کی طرف چل دیں۔ وہ گیمز روم بھی تھا، وہاں اخبارات بھی ہوتے تھے اور ٹی وی بھی۔ اس وقت وہاں جو لوگ بھی موجود تھے، وہ ٹی وی کے گرد جمع تھے۔ خبریں ٹیلی کاسٹ ہو رہی تھیں......

رپورٹس کے مطابق حادثے میں کوئی مسافر بھی نہیں بچا۔ ٹیمز کنگسلے کے ساتھ جہاز میں سینیٹر پاؤلین وان لوئن بھی سوار تھیں۔ ان کے علاوہ دو پائلٹ اور ایک اسٹیوارڈ بھی جہاز میں موجود تھے۔

وہ دونوں بت بن کر رہ گئیں۔ انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ اسکرین پر اب کے آئی جی کی عمارت نظر آ رہی تھی۔

''کے آئی جی دنیا کا سب سے بڑا تھنک ٹینک ہے۔ دنیا کے تیس ممالک میں اس کے دفاتر قائم ہیں۔ محکمہ موسمیات کا کہنا ہے کہ جس وقت وہ غیر متوقع برقیاتی طوفان ٹیمز کنگسلے کے جہاز سے ٹکرایا، اس وقت جہاز جنوبی بحرالکاہل کے علاقے میں پرواز کر رہا تھا......

وہ دونوں سحر زدہ سی لگ رہی تھیں......

اس کے علاوہ اس معاملے سے وابستہ ایک اور اسرار بھی ہے، جسے پولیس سمجھنے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ یہ کہ کے آئی جی نے پریس کو پرائما کی رونمائی کے ڈنر پر مدعو کیا تھا۔

(جاری ہے)

واضح رہے کہ پرائما موسم کو کنٹرول کرنے والے اس کمپیوٹر کا نام ہے، جو کے آئی جی نے ایجاد کیا ہے۔لیکن کل شام ایک دھماکے کے نتیجے میں پرائما مکمل طور پر تباہ ہوگئی۔آگ بجھانے والوں کو وہاں ملبے میں صرف اینڈریو کنگسلے کی لاش ملی......

............x............

ڈیانا نے کہا۔"تو ٹینر کنگسلے مر چکا ہے"۔

"ایک بار پھر کہو۔مگر ذرا آہستہ آہستہ.....ٹھہر ٹھہر کر"۔

"ٹینر......کنگسلے......مر......چکا......ہے......"۔ڈیانا نے ٹھہر ٹھہر کر دہرایا۔

کیلی نے گہری سانس لی.....طمانیت بھری سانس! پھر وہ ڈیانا کو دیکھ کر مسکرائی۔"اب بھلا زندگی میں ہیجان اور سنسنی خیزی کہاں!"۔

"امید تو یہی ہے"۔ڈیانا بولی۔"آج رات والڈورف۔آسٹوریا ٹاورز میں گزارنے کے بارے میں کیا کہتی ہو؟"۔

کیلی کے دانت نکل پڑے۔"کیوں نہیں"۔

انہوں نے گریس سیڈل سے رخصت چاہی۔کیلی نے گریس کا شکریہ ادا کیا تو اس نے کیلی کو لپٹا لیا۔"اس کی ضرورت نہیں۔میں تمہارے لئے ہمیشہ حاضر ہوں"۔اس نے کہا۔اور اس نے کیلی کو نہیں بتایا کہ ان کا پتا بتانے کے لئے اسے کتنی بڑی رقم کی پیشکش کی گئی تھی۔

............x............

والڈورف۔آسٹوریا ٹاورز کے صدارتی سوئٹ میں ایک ویٹر ان کے ڈنر کے لئے میز سجا رہا تھا۔اس نے پلٹ کر ڈیانا کو دیکھا۔

"آپ نے چار افراد کے لئے ٹیبل سیٹ کرنے کو کہا ہے نا؟"۔

"ہاں"۔

کیلی نے چونک کر ڈیانا کو دیکھا۔لیکن کہا کچھ نہیں۔

ڈیانا جانتی تھی کہ وہ اس وقت دل ہی دل میں اسے اس کی ضعیف الاعتقادی پر برا بھلا کہہ رہی ہوگی۔

پھر جب وہ کھانے کی میز پر بیٹھیں تو ڈیانا نے کہا۔"کیلی، میں نہیں سمجھتی کہ ہم دونوں نے یہ سب بغیر کسی کی مدد کے......اکیلے کیا ہے۔میرا خیال ہے کہ ہماری مدد کی گئی ہے......روحانی مدد"۔اس نے شمپین کا جام اٹھایا اور اپنے برابر رکھی خالی کرسی کی طرف مڑی۔"تھینک یو رچرڈ ڈارلنگ۔میں تم سے محبت کرتی ہوں"۔

ڈیانا اپنا جام ہونٹوں کی طرف لے جا رہی تھی کہ کیلی نے اچانک کہا۔"ذرا رکو......"۔

ڈیانا نے سر گھما کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

کیلی نے اپنا جام اٹھایا اور اپنے برابر والی خالی کرسی کی طرف مڑی۔"مارک، میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں"۔اس نے جام بلند کرتے ہوئے کہا۔"شکریہ"۔ان دونوں نے مشروب کا گھونٹ لیا......

کیلی مسکرائی۔"یقین کرو ڈیانا، یہ مجھے بہت اچھا لگا۔اب یہ بتاؤ، آگے کیا ارادہ ہے؟"۔

"میں واشنگٹن جاؤں گی اور ایف بی آئی والوں کو سب کچھ بتا دوں گی"۔

"یہ کام تو ہم دونوں کو ایک ساتھ کرنا ہے"۔

"ٹھیک کہتی ہو پارٹنر"۔

............x............

ڈنر کے بعد وہ ٹی وی دیکھتی رہیں۔ہر چینل پر ایک ہی گرم خبر تھی.....ٹینر کنگسلے کی موت کی خبر!

کیلی دیکھتی رہی۔پھر پر خیال لہجے میں بولی۔"کہتے ہیں کہ سانپ کا سر کاٹ دیا جائے تو باقی سانپ خود بہ خود مر جاتا ہے"۔

"اس کا مطلب؟"۔

"ابھی چیک کرتے ہیں"۔کیلی نے کہا اور فون کی طرف بڑھی۔"مجھے پیرس فون کرنا ہے"۔اس نے ریسیور اٹھا کر آپریٹر سے کہا۔

پانچ منٹ بعد اسے فون پر نکولا کی ہیجانی آواز سنائی دی۔"کیلی! مجھے خوشی ہے کہ تم نے فون کیا"۔

کیلی کا دل ڈوبنے لگا۔وہ جانتی تھی کہ اب وہ کیا سنے گی.....یہی کہ انہوں نے فلپ کی فیملی اور انجلو کو ختم کر دیا......

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ تم سے کیسے رابطہ کروں؟"۔نکولا کہہ رہی تھی۔

"تم نے وہ خبر سنی؟"۔

"ساری دنیا نے سن لی۔جیروم مالو اور الفانسے جیرارڈ نے جلدی جلدی اپنا سامان پیک کیا اور یوں بھاگے جیسے ان کے پیچھے کتے لگ گئے ہوں"۔

کیلی کی پوچھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔"اور فلپ.....اور میرا انجلو......؟"۔

"فلپ اور اس کی فیملی محفوظ ہے۔اور انجلو میرے اپارٹمنٹ میں ہے.....میرے پاس۔وہ بدمعاش تمہیں مجبور کرنے کے لئے انجلو کو چارے کے طور پر استعمال کرنا چاہتے تھے۔"

کیلی ایک دم خوش ہوگئی۔"واہ.....بہت اچھی خبر سنائی ہے تم نے۔"

"اب آپ بتائیں، میں انجلو کا کیا کروں؟"

"اسے ایئر فرانس کی اگلی فلائٹ سے نیویارک روانہ کردو اور مجھے فون کردو۔تاکہ میں وقت پر جا کر اسے ریسیو کرلوں۔مجھے تم یہاں والڈورف۔آسٹوریا ٹاورز میں فون کر سکتی ہو۔"

"جی.....ٹھیک ہے۔"

"شکریہ۔"کیلی نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

ڈیانا اب سب کچھ غور سے سن رہی تھی۔"تو تمہارا انجلو خیریت سے ہے؟"

"ہاں، وہ بھی.....اور فلپ اور اس کی فیملی بھی۔"

"زبردست۔"

"پہلی بار میں خوش ہوئی ہوں۔اچھا یہ بتاؤ، تم اپنے حصے کی آدھی رقم کا کیا کرو گی؟"کیلی نے اچانک پوچھا۔

ڈیانا نے حیرت سے اسے دیکھا۔"کون سی رقم؟"

"کے آئی جی نے اپنے ملازمین کے قتل کے معمے کو حل کرنے والے کے لئے پچاس لاکھ ڈالر کا انعام مقرر کیا تھا۔وہ ہمیں ہی ملے گا نا۔"

"لیکن ٹینر اور اینڈریو کنگسلے......دونوں مر چکے ہیں۔"

"مگر کے آئی جی تو قائم ہے نا۔ادارے تو نہیں مرتے۔"

"ہاں۔یہ تو ہے۔"ڈیانا نے کہا اور وہ دونوں ہنسنے لگیں۔

"اچھا.....واشنگٹن کے بعد تمہارا کیا ارادہ ہے۔تم پھر پینٹنگ شروع کرو گی؟"کیلی نے پوچھا۔

ڈیانا چند لمحے سوچتی رہی۔"میرا خیال ہے نہیں۔"پھر چند لمحے کے توقف کے بعد وہ بولی۔

(جاری ہے)

''لیکن ایک تصویر میں بنانا چاہتی ہوں...... سینٹرل پارک میں پکنک کا ایک منظر......'' اس کی آواز بکھرنے لگی۔'' ...... دو محبت کرنے والے...... بارش میں پکنک مناتے ہوئے! اور کون جانے، اس تصویر کے بعد میں باقاعدہ پھر سے...... اچھا، یہ تو بتاؤ تم دوبارہ ماڈلنگ کرو گی؟''

''مجھے نہیں لگتا کہ میں......''

ڈیانا اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

''لیکن ممکن بھی ہے۔ کیونکہ جب میں رن وے پر ہوتی ہوں تو مجھے ہمیشہ ایسا لگتا ہے کہ مارک مجھے دیکھ رہا ہے...... ہاتھ سے میری طرف بوسے اچھال رہا ہے۔ اور مجھے لگتا ہے کہ مارک چاہتا ہے کہ میں دوبارہ کام کروں۔''

''گڈ۔'' ڈیانا مسکرائی۔

انہوں نے مزید کچھ وقت ٹی وی دیکھتے ہوئے گزارا۔ پھر ڈیانا نے کہا۔'' بھئی اب تو نیند آرہی ہے۔''

پندرہ منٹ بعد وہ دونوں اپنے اپنے بیڈ میں تھیں۔ خطرات میں اتنا عرصہ گزارنے کے بعد وہ پہلا موقع تھا کہ وہ سکون سے لیٹی تھیں۔

''اب نیند برداشت نہیں ہوتی۔ لائٹ آف کردو۔'' کیلی نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

ڈیانا نے حیرت سے اسے دیکھا۔'' لیکن تمہیں تو اندھیرے سے ڈر لگتا ہے۔''

''اب نہیں۔ اب تو میرے سارے ڈر نکل گئے۔ اب میں کبھی اندھیرے سے نہیں ڈروں گی۔''

ڈیانا نے مسکراتے ہوئے لائٹ آف کردی!

............☆☆☆............

پچھلے ایک ہفتے کے دوران فادر ڈی کارلو اس انداز میں جیتا رہا تھا کہ کوئی نارمل انسان نہیں جی سکتا۔ وہ برائے نام کھاتا اور سوتا رہا تھا۔ بس خدا اور ایمان کی قوتیں تھیں، جن کے زور پر وہ چل رہا تھا۔ اس کا جسم آرام کا مطالبہ کرتا تھا۔ مگر دماغ اجازت نہیں دیتا تھا۔ اس نے اپنے اوپر آرام کو حرام کرلیا تھا، جب تک کہ اس کا کام نہ نمٹ جائے۔

اس وقت وہ ٹیکسی میں بیٹھا ویسٹ اینڈ کی طرف جارہا تھا۔ باہر رونق تھی، چہل پہل تھی۔ لوگ اپنے کاموں میں مصروف آ اور جارہے تھے۔ فٹ پاتھ پر چلتے ایک شخص کو دیکھ کر اسے انتونیو یاد آیا۔ اس نے سرجھکایا اور اپنے چھ ساتھیوں کے لئے ابدی سکون کی دعا کرنے لگا۔ ہر روز سینکڑوں بار ایسا ہوتا تھا۔ وہ اسے یاد آتے اور وہ ان کے لئے دعا کرتا۔

اس نے سراٹھایا تو اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ اس نے ہاتھ کی پشت سے ان آنسوؤں کو پونچھ لیا۔ کبھی کبھی اسے ایسا لگتا کہ اداسی اور مایوسی اس کے وجود کو پوری طرح شل کردے گی۔ لیکن ہر بار وہ یہ سوچ کر تازہ دم ہوجاتا کہ اینٹی کرائسٹ ابھی زندہ ہے اور بچہ مسیح غیر محفوظ!

اس نے اپنی نوٹ بک کو چیک کیا۔ پچھلے ایک ہفتے میں اپنی چالاکی نے خود اسے بھی حیران کیا تھا۔ تن تنہا اس نے نومولود مسیح کو چھپانے کا اہتمام بھی کیا تھا اور ساتھ ہی ڈیمین تھورن، کیٹ رینالڈ اور اس کے بیٹے پر نظر بھی رکھی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ تو بہت اچھا سراغ رساں بن سکتا تھا۔

''یہ بی بی سی آگیا سر۔'' ٹیکسی ڈرائیور نے اسے چونکا دیا۔

فادر ڈی کارلو نے شکریہ اور کرایہ ادا کیا اور ٹیکسی سے اتر آیا۔ عمارت اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ لیکن فادر کا تجربہ بتاتا تھا کہ کیٹ رات گئے ہی باہر آتی ہے۔ خوش قسمتی سے دروازے پر کوئی نہیں تھا۔ ورنہ اسے باہر انتظار کرنا پڑتا۔

............x............

اسٹوڈیو سنسان تھا۔ کیٹ نے اپنے نوٹس مکمل کرکے فائل میں رکھے اور فائل کو برابر والی کرسی پر رکھ دیا۔ اسی وقت دو ٹیکنیشین گزرے اور انہوں نے اسے گڈ نائٹ کہا۔ وہ مسکرائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسی وقت اسٹوڈیو میں ایک آواز گونجی۔'' ہم پانچ منٹ میں لاک کرنے والے ہیں مس رینالڈ۔''

''میں آرہی ہوں۔'' کیٹ نے پکار کر کہا۔ عام طور پر یہاں سے جان چھوٹنے پر وہ خوش ہوتی تھی۔ لیکن آج وہ اس لمحے سے خوف زدہ تھی۔

''مس رینالڈ'' ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے سر گھمایا اور غصے سے پادری کو دیکھا۔ یہ شخص یہاں اندر کیسے آگیا؟ یہ آدمی ہمیشہ کسی اندھیرے گوشے سے برآمد ہوتا ہے اور اسے ڈرا دیتا ہے۔

''تم یہاں کیا کررہے ہو؟''۔

''تم نے اسے دیکھ لیا...... ہے نا مس رینالڈ؟''۔

وہ بیمار نظر آرہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے نیچے گہرے سیاہ حلقے تھے۔ آنکھوں میں تھکن تھی اور کندھے جھکے ہوئے تھے۔ (جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

''اب تو تم جان گئیں نا کہ تھورن اینٹی کرائسٹ ہے''۔ فادر نے آگے بڑھ کر اس کے بازو کو چھوا۔ ''تو اب تم کیوں اسے تحفظ دے رہی ہو؟''۔

کیٹ نے جھٹکے سے اپنا بازو ہٹا لیا۔ ''تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ میں سیکورٹی والوں کو بلا لوں گی''۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ غصہ اس کے اندر ابل رہا تھا۔ کوئی سیکورٹی والا نظر آتا تو وہ یقیناً اس پادری کو دھکے دلوا کر نکلوا دیتی۔

''تمہارا بیٹا کہاں ہے مس رینالڈ؟''۔

''وہ اس وقت یقیناً سو رہا ہوگا''۔ کیٹ نے چڑچڑے پن سے کہا۔

فادر ڈی کارلو نے نفی میں سر ہلایا۔ ''جی نہیں۔ تمہارا بیٹا اس وقت ڈیمین تھورن کے ساتھ ہے''۔

کیٹ حیرت سے اسے گھورتی رہی۔

''ہاں، وہ اس کے ساتھ ہے مس رینالڈ''۔ فادر نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ ''اپنے جسم اور روح، دل اور دماغ سمیت۔ وہ اینٹی کرائسٹ کا چیلا بن چکا ہے''۔

کیٹ بڑے بے رحمانہ انداز میں ہنسی۔ وہ اس خرافات سے اکتا چکی تھی۔ اب بس وہ اس پادری سے نجات چاہتی تھی۔

''تم سمجھتی ہو کہ پیٹر باقاعدگی سے اسکول جاتا رہا ہے۔ ہے نا؟''۔ فادر کے لہجے میں چیلنج تھا۔

کیٹ نے تمسخرانہ انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔

''میری بات کا یقین نہیں تو فون کر کے چیک کر لو''۔ فادر ڈی کارلو نے چیلنج کیا۔

کیٹ کا تمسخر ہوا ہو گیا۔ دماغ میں شک، خوف اور غصے کے کن کھجورے سرسرانے لگے۔

فادر ڈی کارلو نے یہ تبدیلی بھانپ لی۔ ''پیٹر ڈیمین تھورن کیلئے کام کر رہا ہے''۔ اس نے کہا۔ ''وہ اب شیطان کا چیلا ہے۔ وہ نومولود مسیح کے قتل کی سازش کر رہا ہے۔ لیکن وہ کامیاب نہیں ہونگے۔ بچہ مسیح محفوظ ہے لیکن مس رینالڈ تمہارا بیٹا محفوظ نہیں''۔

کیٹ بار بار نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''پیٹر کو بچانے کی ایک ہی صورت ہے مس رینالڈ۔ اور وہ یہ ہے کہ دجال کو ختم کر دو...... تباہ کر دو''۔ فادر نے جیکٹ کی جیب سے خنجر نکالا۔ کیٹ نے خنجر کو دیکھا تو اس کی آنکھیں فرط دہشت سے پھیل گئیں۔ ''تم مجھ سے یہ چاہتے ہو کہ......''۔ وہ جملہ پورا نہ کر سکی۔ وہ خنجر کی تیز دھار کو دیکھے جا رہی تھی۔

''نہیں مس رینالڈ، یہ تو میری مقدس ذمے داری ہے۔ تم اگر اپنے بیٹے کی روح کو اہمیت دیتی ہو اور اسے بچانا چاہتی ہو تو اس مقدس ذمے داری کو پورا کرنے میں میری مدد کرو۔ میرے ساتھ تعاون کرو''۔

کیٹ کبھی اندھیری راہداری کی طرف دیکھتی اور کبھی خنجر کی دھار کو۔ اور فادر ڈی کارلو مکمل ارتکاز کے ساتھ کیٹ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کیٹ کے تعاون کی بہت اہمیت ہے۔ اس کے تعاون کے بغیر اس کی کامیابی کی امید نہ ہونے کے برابر تھی۔

''جلدی کریں مس رینالڈ''۔ راہداری میں گارڈ کی آواز گونجی۔

وہ آواز کیٹ کو حقیقت کی دنیا میں کھینچ لائی۔ ''آ رہی ہوں''۔ اس نے چیخ کر کہا۔ پھر اس نے سر گھما کر فادر ڈی کارلو کو دیکھا تو وہ پوری طرح اپنے قابو میں تھی۔ ''میں اپنے بیٹے کے پاس جا رہی ہوں''

''میری التجا ہے کہ مجھے بھی ساتھ لے چلو''۔ فادر ڈی کارلو نے کہا۔ ''جب وہ گھر پر نہیں ملے گا تو تمہارے ساتھ زیادہ وقت نہیں ہوگا''۔

کیٹ نے کندھے جھٹکے اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ فادر ڈی کارلو اس کے پیچھے چل رہا تھا اور وہ جانتی تھی کہ اسے روکنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ جب فلیٹ میں موجود پیٹر کو اسے دکھائے گی تو بات خود بخود ختم ہو جائے گی۔ پھر یہ شخص اس کا پیچھا چھوڑ دیگا۔

............x............

''پیٹر!''۔

لیکن فلیٹ میں گہری تاریکی تھی۔ کیٹ نے سوچا، پیٹر اتنی جلدی تو نہیں سوتا۔ اپنے برتھ ڈے کے بعد سے وہ دیر تک جاگنے لگا تھا۔ کبھی مطالعہ کرتا، کبھی موسیقی سنتا۔ مگر اس وقت فلیٹ میں تاریکی اور سناٹا تھا۔

فادر ڈی کارلو ڈرائنگ روم میں رک گیا تھا۔ کیٹ پیٹر کے بیڈ روم میں گئی۔ وہ واپس آئی تو اس کے چہرے کے تاثر کو دیکھ کر فادر ڈی کارلو کو اس پر ترس آنے لگا۔

''آپ نے ٹھیک کہا تھا''۔ وہ دل گرفتگی سے بولی۔

فادر، نے ریسیور اٹھایا اور اس کی طرف بڑھایا۔ کیٹ نے نمبر ملایا اور رابطہ ملنے کا انتظار کرتی رہی۔

''مسز گرانٹ، اتنی رات کو فون کرنے پر معذرت...... میں کیٹ رینالڈ بول رہی......''۔

فادر کھڑکی سے باہر سڑک کو دیکھتا رہا۔ اسے اس کال میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

''آپ کی یہ بات بھی درست نکلی''۔ کیٹ نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔ پھر اس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ ''کیا آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ گزشتہ رات وہ پیری فورڈ میں تھا؟''۔

''ہاں...... مجھے افسوس ہے۔ لیکن یہی حقیقت ہے''۔

''او مائی گاڈ''۔ کیٹ نے کہا اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس کے چہرے پر زردی کھنڈ گئی تھی۔

''اب تم میری مدد کرو گی نا؟''۔ فادر ڈی کارلو کے لہجے میں التجا تھی۔

''جی ہاں''۔

............x............

اب وہ پورا راستہ کیٹ کے لئے جانا پہچانا تھا۔ اسے نہ نشانیاں دیکھنے کی ضرورت تھی نہ نقشہ دیکھنے کی۔ ڈرائیو کرتے ہوئے وہ فادر ڈی کارلو کے الفاظ پر توجہ مرکوز رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''میرا خیال ہے، تم نے تھورن فیملی کے المیوں کے بارے میں پڑھا ہے۔ لیکن جو کچھ پڑھا ہے، وہ آدھا بھی نہیں''۔

کیٹ نے پرتجسس نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''ایک پادری تھا...... فادر ٹیسون۔ اس نے ڈیمین کی پیدائش میں شیطان کی مدد کی تھی۔ بعد میں وہ تائب ہوا اور اس نے رابرٹ تھورن کو خبردار کرنے کی کوشش کی۔ وہ بھی ختم کر دیا گیا۔ ایک مسلمان فوٹو گرافر تھا...... حنیف ارشد۔ وہ واحد آدمی ہے، جس نے بہت کچھ کیا لیکن شیطان اسے ختم نہ کر سکا۔ اس کے علاوہ......''

اب وہ انگلیوں پر گنوا رہا تھا۔ ''بیوگن ہیگن، ماہر آثار قدیمہ...... زندہ زمین میں دفن ہو گیا۔ پھر بل ایتھرٹن......''۔

''ہاں۔ اس کے متعلق میں نے پڑھا ہے''۔ کیٹ نے جلدی سے کہا۔

''جوآن ہارٹ...... تمہاری طرح صحافی تھی۔ ماردی گئی۔ ڈاکٹر چارلس وارن تھورن میوزیم کا نگران اعلیٰ، مار دیا گیا......''۔

''بس...... بس کرو''۔ کیٹ چلائی۔ ''میں کچھ سننا نہیں چاہتی''۔ اس کا چہرہ سپید پڑ گیا تھا اور آواز لرز رہی تھی۔ (جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

''ٹھیک ہے۔ میں تمہیں ایک زبردست کہانی سناتا ہوں''۔ فادر ڈی کارلو نے آنکھیں موندتے ہوئے کہا۔ ''ہم نے آسمان تین روشن ستاروں کا قران دیکھا تھا۔ وہ اب تک میری زندگی کا خوب صورت ترین تجربہ ہے۔ دو ہزار سال بعد مسیح کی دوبارہ ولادت بہت مبارک ہے''۔

کیٹ نے سکون کا سانس لیا۔ کم از کم اب موت کے بجائے پیدائش کا تذکرہ ہو رہا تھا۔

''پھر ہم نومولود مسیح کو ڈھونڈنے نکلے۔ اور ہمیں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ماہر فلکیات نے ہی حتمی لوکیشن بتا دی تھی۔ سو وہ ہمیں وہاں مل گئے...... خانہ بدوشوں کے درمیان!''۔

کیٹ نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

''اتنا خوب صورت، اتنا باوقار ننھا بچہ میں نے کبھی نہیں دیکھا'' فادر ڈی کارلو مسکرایا۔ ''اب تم سمجھیں خدا کی منصوبہ بندی؟ ذرا سوچو، برتھ سرٹیفکیٹ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خانہ بدوش اس تکلف میں کہاں پڑتے ہیں...... اور کون ان کا ریکارڈ رکھتا ہے۔ تو ہے نا ستم، وہ سب بچے بلاوجہ مارے گئے۔ اور ڈیمین تھورن کو کیا ملا؟ کچھ بھی نہیں! وہی بے سکونی، وہی بے یقینی''۔

''اور وہ تمہارا دوست راہب، وہ بھی تو بلاوجہ مارا گیا''۔

''ایک وہی تو نہیں تھا''۔ فادر نے نرم لہجے میں کہا۔

''اور بھی تھے؟''۔

''ہاں......''۔

''بس اب مجھے ان کی تعداد کے بارے میں نہ بتانا۔ میں پہلے ہی بہت سن چکی ہوں''۔

''میں سمجھتا ہوں''۔ فادر ڈی کارلو نے سر ہلا کر کہا۔ ''بس ایک بات اور......''۔ پھر کیٹ کے احتجاج کے باوجود اس نے اسے ڈیمین کی پیدائش، رابرٹ تھورن کے اصل بچے کا سر پتھر سے کچلے جانے کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔

''یہ کیسی باتیں کر رہے ہو تم؟''۔ کیٹ گڑبڑا گئی۔ کار لہرا گئی۔ کیٹ کو اپنے جسم کے کھرونچے، وحشت کے نشان یاد آئے۔ اور ایک سب سے بڑی اذیت اور توہین تو ایسی تھی کہ جس نے اپنا نشان بھی نہیں چھوڑا تھا۔ وہ صرف اس کی اذیت اور توہین نہیں تھی۔ وہ تو نسوانیت کی، انسانیت کی اور خود خدا کی توہین تھی۔ اس کا جسم لرزنے لگا۔ اس کا غلاظت کا احساس...... جسم رگڑ رگڑ کر نہانے کے باوجود دور نہیں ہوا تھا۔

''یہ لو...... ہم پہنچ گئے''۔ فادر ڈی کارلو نے کہا۔

کیٹ نے گاڑی روک دی اور اسے اترتے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کار موڑی اور پیٹر کے بارے میں سوچنے لگی۔ اس معاملے سے نمٹ کر وہ چھٹی لے گی اور پیٹر کو تفریح کیلئے کہیں لے جائے گی۔ ایک ماہ تک وہ اسے اپنی بانہوں میں چھپا کر رکھے گی...... ایک لمحے کو بھی اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دے گی۔ یہاں تک دونوں کی روحوں پر سے زخموں کے نشانات مندمل ہو جائیں گے۔

گیٹ پر سیکورٹی گارڈ اسے دیکھ کر مسکرایا ''سفیر صاحب آپ کے منتظر ہیں''۔

اسے یہ سن کر کوئی حیرت نہیں ہوگی۔ اب شاید اس میں حیران ہونے کی صلاحیت ہی نہیں رہی تھی۔

..................×..................

معبد میں اندھیرا تھا لیکن جو کچھ دیکھنا ضروری تھا، وہ پیٹر کو نظر آ رہا تھا۔ وہ ڈیمین کو دیکھ رہا تھا، جو بے ہنگم صلیب کے پاس کھڑا تھا۔

''تو تم سمجھتے تھے کہ تم جیت گئے ہو۔ ہے نا؟'' ڈیمین صلیب پر گڑے کرائسٹ سے کہہ رہا تھا ''تم نے مجھے سو سے زیادہ بچوں کو قتل کرتے دیکھا...... صرف تمہارے چکر میں...... اور تم نے انہیں بچانے کیلئے کچھ بھی نہیں کیا'' وہ آگے بڑھا اور کرائسٹ کے چہرے کو گھورنے لگا ''لیکن یہی تو محتاط کھیل ہے...... صدیوں کے بیچ آنکھ مچولی، چھپم چھپائی...... لیکن سنو، اب یہ کھیل ختم''۔

ڈیمین نے پلٹ کر ایک نظر پیٹر پر ڈالی اور پھر دوبارہ صلیب کی طرف متوجہ ہو گیا ''مجھ پر فتح حاصل کرنے کیلئے معصوم بچوں کی قربانی...... ہنہہ''۔

اس نے پیٹر کا ہاتھ تھاما اور چھت کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔ ''شیطان...... اے مرے محبوب باپ، فتح تیری ہی ہے۔ تیری کیا تعریف کروں تو نے مجھے یہ کنوارا لڑکا عطا کیا تاکہ میں نزارین کا سامنا جم کر کر سکوں......''۔

وہ ایک لمحے کیلئے پلٹا اور پھر گھٹنوں کے بل گر گیا۔ اس نے پیٹر کے دونوں ہاتھ تھامے ہوئے تھے اور وہ اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا ''پیٹر میری بات سنو...... اور دھیان سے سنو...... تمہاری ماں یہاں آ رہی ہے...... تمہیں مجھ سے چھین کر لے جانے کیلئے......''۔

پیٹر نے نفی میں سر ہلایا اور دور ہٹنے کی کوشش کی ''نہیں ڈیمین، مجھے مت بھیجنا، میں اس کے ساتھ جانا نہیں چاہتا''۔

ڈیمین مسکرایا ''تم فکر نہ کرو۔ اس لمحے سے تم میرے ہو...... صرف میرے''۔ اس نے لڑکے کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھر لیا ''عیسائی عقیدے میں دس احکامات ربانی ہیں۔ جبکہ میرا صرف ایک حکم ہے''۔

پیٹر نے اثبات میں سر ہلایا۔ راہ دری میں ڈیمین کو قدموں کی چاپ سنائی دی۔ لیکن اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ وہ پیٹر کے چہرے کو گھورے جا رہا تھا ''اب تم کہو۔ پھر ہم دونوں ایک ہو جائیں گے''۔

''میں تم سے محبت کرتا ہوں'' پیٹر نے کہا۔

''سب لوگوں سے...... دنیا کی ہر چیز، ہر شخص سے زیادہ''۔

''سب سے بڑھ کر'' پیٹر نے کہا۔

''زندگی سے بھی بڑھ کر''۔

''زندگی سے بھی بڑھ کر''۔

ڈیمین نے ایک گہرا سانس لے کر سر جھکایا۔ اسی لمحے عقب میں کیٹ نے دروازہ کھول ''میں یہاں سودا کرنے آئی ہوں ڈیمین''۔

''وہ کہاں ہے؟'' ڈیمین نے پوچھا۔ وہ اب بھی پیٹر کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''مجھے میرا بیٹا واپس دے دو۔ پھر میں تمہیں اس تک پہنچا دوں گی'' کیٹ نے کہا۔

پیٹر نے نفی میں سر ہلایا اور ڈیمین کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کرنے لگا ''نہیں ڈیمین، میں اس کا بیٹا نہیں۔ میں تو تمہارا ہوں''۔

ڈیمین نے کیٹ کی افسردہ کراہ سنی اور مسکرایا۔ پھر اس نے پلٹ کر پہلی بار کیٹ کو دیکھا۔ وہ دروازے میں تن کر کھڑی تھی...... اتنا تن کر جیسے خود کو لرزنے سے روک رہی ہو۔ ''تم مجھے نزارین تک پہنچا دو۔ تمہیں پیٹر واپس مل جائے گا''۔

پیٹر نے پھر خود کو چھڑانے کیلئے زور لگایا ''نہیں ڈیمین...... یہ ایک چال ہے...... دھوکہ ہے''۔

''اگر اسے اپنا بیٹا چاہئے تو یہ ایسا کچھ نہیں کرے گی'' ڈیمین کبھی پیٹر کو دیکھ رہا تھا اور کبھی کیٹ کو۔

کیٹ نے اثبات میں سر ہلایا اور دروازے کے پٹ سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ پیٹر ڈیمین سے لپٹا ہوا اس کے سامنے سے گزرا تو اس نے پیٹر کی آنکھوں میں دیکھا۔ لیکن پیٹر کے انداز میں معاندانہ بے مہری تھی۔

(جاری ہے)

دجال

علیم الحق حقی

کیٹ نے سر جھکا اور آنکھیں موند لیں۔ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کی زہریلی بے مہری نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ یہ کیسے قبول کر سکتی تھی۔ وہ تو یہ کبھی قبول نہیں کرے گی۔

''آؤ چلیں'' ڈیمین نے کہا۔

کیٹ نے سر اٹھا کر صلیب کو دیکھا۔ سب کچھ بکھر کر رہ گیا تھا۔ یہ سب کچھ ایسے تو نہیں ہونا تھا۔ مگر اب اس کے سامنے اپنے بیٹے کو خود جال کی طرف لے جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ یہ وہ بچہ تھا جس کے تحفظ کیلئے وہ اپنی جان بھی قربان کر سکتی تھی۔ مگر وہ بڑی بے بسی سے اسے خطرہ کی طرف لے جا رہی تھی۔ ''اگر تم کسی کی مدد کر سکتے ہو......'' اس نے مصلوب شبیہہ سے سرگوشی میں کہا'' ......تو اس وقت میری مدد کرو''۔

............x..................

وہ اب بھی صورتحال کی سنگینی کو پوری طرح سمجھنے سے قاصر تھی۔ بچپن ہی سے وہ ایمان سے محروم تھی۔ نہ اسے خدا پر یقین تھا نہ شیطان پر۔ وہ تو یہ سوچ رہی تھی کہ یہ محض ایک ڈراؤنا خواب ہے۔ ابھی اس کی آنکھ کھلے گی تو پیٹر اس کے بیڈ کے پاس کھڑا ہوگا۔ اس کے ہاتھ میں جوس کا گلاس ہوگا اور لبوں پر کوئی شریر تبصرہ......

اس نے عقب نما آئینے میں دیکھا۔ دو جوڑی آنکھیں اسے دیکھ رہی تھیں۔ چاروں آنکھوں میں زردی نمایاں تھی۔ وہ تھرا کر رہ گئی۔ اسٹیئرنگ پر سے اس کے ہاتھ پھسل گئے۔ وہ دونوں پچھلی سیٹ پر جڑے بیٹھے سازشی درباریوں کے سے انداز میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ کیٹ کے سینے میں رقابت کا الاؤ دہک رہا تھا۔ اسے فرینک کا خیال آیا اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اس نے آنسو پونچھ لئے۔ خدا کا شکر کہ فرینک یہ دن دیکھنے کیلئے زندہ نہیں۔ جب وہ مر رہا تھا تو اس نے اس کا ہاتھ تھام کر التجا کی تھی...... میرے بچے کو ایک باپ دے دینا پلیز، اسے محروم نہ رکھنا...... اور اس نے اس بات کا وعدہ کیا تھا اور اب یہ......

اس نے سوچنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کا ذہن کچھ سوچنے کے قابل نہیں تھا۔ خیالات کی یلغار تھی اور سب کچھ گڈمڈ ہو رہا تھا۔ کیوں نہ وہ کار ٹکرا دے...... کسی گڑھے میں پھنسا دے...... پیٹر کے زخمی ہونے کا خطرہ مول لے...... لیکن نہیں۔ ایسا ہوا تو وہ کبھی خود کو معاف نہیں کر سکے گی۔ وہ کسی پولیس والے کو روکے۔ لیکن پولیس والا بھلا اس کی بات پر یقین کرے گا؟ وہ گاڑی چلاتی رہے، یہاں تک کہ پیٹرول ختم ہو جائے اور جب ڈیمین بونٹ کھول کر انجن کا جائزہ لے رہا ہو تو وہ......

''کیا ہم پہنچنے والے ہیں؟'' پیٹر نے پوچھا۔

''دو میل کا سفر اور ہے'' ڈیمین نے کہا۔

وہ دونوں ایسے باتیں کر رہے تھے، جیسے اس کے وجود کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ کیٹ کو رونا آنے لگا۔ اسے خیال آیا کہ ڈیمین کو معلوم ہے۔ وہ اس کا ذہن پڑھ سکتا ہے...... پڑھ لیتا ہے۔ وہ اس کے باطن میں بھی جھانک لیتا ہے۔

اس نے ذہن کو خالی کیا اور ڈرائیونگ پر توجہ مرکوز کی۔ سڑک تنگ تھی۔ اس کے اطراف میں جھاڑیاں تھیں۔ لیکن سڑک بالکل سنسان تھی۔ آسمان پر ستارے ٹمٹما رہے تھے۔

وہ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچی تو سامنے ایک بہت بڑے چرچ کا کھنڈر نظر آیا۔ اس کے ٹاورز کوئی سو فٹ بلند تر ہوں گے۔ پیٹر نے یوں گہری سانس لی، جیسے وہ منظر اس کیلئے تکلیف دہ ہو۔ لیکن ڈیمین چرچ کو گھور رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں سنسنی تھی۔

کیٹ نے گیئر تبدیل کئے۔ ٹائر رگڑنے کی آواز سے درختوں پر بسیرا کرنے والے کوے کائیں کائیں کرتے اڑے۔ ڈیمین نے ہڑبڑا کر اس بے پروائی پر اس کو برا بھلا کہا۔ اس نے عقب نما میں دیکھا۔ ڈیمین نے پیٹر کو قریب کر کے خود سے لپٹا لیا۔

اس لمحے کیٹ کے دل میں ڈیمین کیلئے ایسی تند و تیز نفرت امنڈی کہ وہ خود بھی حیران رہ گئی۔ شاید یہ مقدر تھا۔ اسے یاد تھا کہ ڈیمین اپنے گھر والی دعوت میں پیٹر کو کیسے دیکھتا رہا تھا...... اس کے بارے میں پوچھتا رہا تھا۔

کیٹ نے سوچا، یہ شخص جہنم کا مستحق ہے اور اسے وہیں جانا چاہئے اور وہ اس وقت یہ سوچ کر بھی خوش تھا کہ وہ گناہ گار ہی، لیکن کم از کم ڈیمین کے ہاتھوں ہونے والی نسوانیت کی توہین کسی کام تو آئی۔ اس کا رحم ڈیمین کے نطفے سے تو محفوظ رہ گیا۔ خدا کا شکر ہے۔ ورنہ یہ تو وہ گوارا ہی نہیں کر سکتی تھی کہ ڈیمین کے بچے کو جنم دے۔

چرچ سے 50 گز پیچھے اس نے بریک لگایا اور اگنیشن کا سوئچ آف کر دیا۔ اب فضا پر سکوت طاری تھا۔ کہیں کوئی آواز نہیں تھی۔ اور وہ سوچ رہی تھی کہ اب شاید اس سکوت میں اس کا دماغ پوری طرح سے کام کرنا شروع کر دے گا۔

''میں آگے چلوں گی'' اس نے کہا۔ اور خاموشی کی زبان میں وہ ڈیمین سے گویا التجا کر رہی تھی کہ بس وہ دونوں چلیں...... وہ اور ڈیمین۔ پیٹر کو کار ہی میں چھوڑ دیا جائے۔

''ہم سب ساتھ ہی جائیں گے'' ڈیمین نے کہا۔

اس نے پلٹ کر ڈیمین کو گھورا ''مجھ پر بھروسہ کرو ڈیمین'' اس نے کہا۔ ''میں صرف اس امر کو یقینی بنانا چاہتی ہوں......''۔

''نہیں...... ڈیمین نہیں'' پیٹر نفی میں سر ہلا رہا تھا'' اس پر بھروسہ مت کرو ڈیمین''۔ اور پھر پیٹر کار سے اتر گیا۔ ڈیمین اس کے پیچھے تھا وہ دونوں...... مرد اور لڑکا ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کھڑے تھے۔ کیٹ نے ایک پل انہیں دیکھا۔ پھر وہ کار سے اتر آئی۔ میرے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ اس نے دل میں خود سے کہا۔ معاملات میرے ہاتھ سے نکل چکے ہیں۔

''تم آگے آگے چلو گی'' ڈیمین نے اس سے کہا۔

کیٹ نے سر اٹھا کر چرچ کو دیکھا۔ وہ سنسان اور اجڑا ہوا تھا...... ایک ایسی گرتی ہوئی عمارت جسے خدا نے بھی نظر انداز کر رکھا تھا، دروازے کے پاس بڑے بڑے ستون گرے پڑے تھے۔ وہ اندھیرے کو ٹٹولتی رہی۔ لیکن کہیں کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''چلو آگے بڑھو'' پیٹر نے تحکمانہ لہجے میں اس سے کہا۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ اسے ڈر تھا کہ وہ کہیں گر نہ جائے۔ فادر ڈی کارلو نے کہا تھا کہ نومولود مسیح نے خانہ بدوشوں کے درمیان جنم لیا ہے۔ مگر اسے یقین نہیں تھا، اسے پروا بھی نہیں تھی۔ اسے تو بس خنجر کی پروا تھی۔

دروازے سے دس گز کے فاصلے پر وہ رک گئی۔ اسے احساس تھا کہ اس سے صرف ایک قدم پیچھے ڈیمین موجود ہے۔ وہ اس کے جسم کے تناؤ تک کو محسوس کر رہی تھی۔

''وہ...... وہاں، اندر''۔

''دروازہ کھولو'' ڈیمین نے سرگوشی میں کہا۔

کیٹ آگے بڑھی اور دروازے کے ہینڈل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ کن انکھیوں سے اس نے ایک ستون کے پیچھے سے فادر ڈی کارلو کو برآمد ہوتے دیکھا۔ وہ ہاتھ میں خنجر لئے دبے پاؤں بڑھ رہا تھا۔

جبلی طور پر کیٹ کے حلق سے چیخ نکلی ''نہیں فادر'' وہ چلائی۔

فادر ڈی کارلو صرف ایک لمحے کو ہچکچایا۔ مگر وہ اس ایک لمحے میں ڈیمین کو پلٹنے کا موقع مل گیا۔

(جاری ہے)